ارضِ پاکستان

کی

تاریخ

جلد

اول و دوم

4314
Library

رشید اختر ندوی

رشید اختر ندوی۔ اسلام آباد

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

بار اوّل

۲۰ دسمبر ۱۹۸۶ء

طابع ۔ گڈول پرنٹرز ۔ ٹیپو روڈ ۔ راولپنڈی

ناشر

رشید اختر ندوی !

۱۶ ۔ ایف ۸۵ سٹریٹ

ایمبیسی روڈ ۔ اسلام آباد

قیمت ۲۰۰/- روپے

ارضِ پاکستان کی تاریخ

4314
Library

جلد اوّل

رشید اختر ندوی

ترتیب

حرفِ آغاز ، ۱۱

پہلا باب

جغرافی اور قدرتی حالات

محلِ وقوع اور قدرتی حدود ، ۲۹

دریائے سندھ ، ۳۷

دریائے سندھ کے معاون ، ۳۹

(مغربی معاون) ، ۴۰

دریائے سندھ کا منبع ، ۴۱

دریائے سوات ، ۴۱

دریائے سندھ کے مشرقی معاون ، ۴۲

دریاؤں کے کناروں کی آبادیاں ، ۴۵

دریاؤں سے نہریں نکالی گئیں ، ۴۶

کنوؤں سے آبپاشی ، ۴۷

بارش کی کمی ، ۴۷

بارش کا تناسب ، ۴۷

آب و ہوا ، ۴۸

درخت اور جنگلات ، ۴۸

زرعی پیداوار ، ۴۹

حیوانات ، ۵۲

معدنیات ، ۵۲

راستے ، ۵۳

دوسرا باب

زمانۂ حجر اول سے لے کر زمانۂ حجرِ نو تک

Govt. College Khairpur (M) Library
A. 4314

فصل اول

پہلا انسان سر زمین پنجاب میں آباد ہؤا وادیٔ سون
پہلی انسانی آبادی تھی ، ۶۰

فصل دوئم

حیوانیتِ تادہ سے زراعت کے زمانہ تک ، ۶۷

فصل سوئم

کیا پاکستان کے پہلے آباد کار ڈراویڈی تھے یا کول ؟
تہذیبی اور ثقافتی استشہاد ، ۷۱
ڈراویڈی حسب و نسب ، ۷۲
زیرین سندھ ، مکران اور بلوچستان کے آباد کار اور ان کا
نظامِ حیات ، ۷۴
ڈراویڈی قبائل نے شمال مغربی راستوں کو آزمایا ، ۷۷
ڈراویڈی باہر کے باشندے تھے ، ۷۸
بروہی زبان سے استشہاد ، ۷۸
سومیری تہذیب اور ڈراویڈن ، ۷۹
وادیٔ زوب ، وادیٔ سندھ اور پنجاب کی تہذیب میں
یکسانیت ، ۸۰
ہیڈن پاول کا نظریہ ، ۸۴
ڈراویڈی معماروں کے معلم ، ۸۶
ڈراویڈی راستہ اور سرہولڈچ ، ۸۶
ڈراویڈی بلوچستان سے داخل ہوئے تھے ، ۸۸
ڈراویڈی تورانی الاصل تھے ، ۸۸
سکندر کے زمانہ میں ڈراویڈی آبادیاں ، ۸۹
راگوزین کا نظریہ ، ۸۹
آرین روایات سے استشہاد ، ۹۰
پاکستان کے قدیم آباد کار اور وسطی ایشیا ، ۹۲
سندھو نامی کپڑا ، ۹۲
ڈراویڈی تجارت ملک ملک پھیلی تھی ، ۹۳
قدیم پٹالہ یا موجودہ حیدرآباد ایک بڑا تجارتی مرکز تھا ، ۹۴

شور کوٹ اور جھنگ کی سیوی ریاست ، ۹۵
سیوا پور اور جٹ آروڑ ، ۹۵
وسنترا بادشاہ کی دلچسپ کہانی ، ۹۶
شمال مغربی پنجاب کے باشندوں اور بابل کے آباد کاروں کا
باھمی خونی تعلق اور ذھنی اور تجارتی رابطہ ، ۹۷
تورانی اور ایرانی تعلق پر لسانی شہادتیں ، ۹۸

فصل چہارم

پاکستان کے قدیم ترین ڈراویڈی باشندوں کی بعض
تہذیبی خصوصیات ، ۱۰۱
زرعی ملکیتیں ، ۱۰۲
آبادیاں بسائی گئیں ، ۱۰۳
ذاتی ملکیت کا احساس ، ۱۰۳
بعض پیشے ، ۱۰۳
پہلی زراعت ، ۱۰۵

تیسرا باب

ھڑپا اور موھن جو ڈیرو کے تہذیبی اور تمدنی انکشافات

فصل اول

موھن جو ڈیرو اور ھڑپا کی نقاب کشائی ، ۱۱۰

فصل دوئم

ارض پاکستان کے مقامات موھن جو ڈیرو اور ھڑپا
عیلام اور سومر کے ھم عصر ھیں ، ۱۱۷
تہذیبی و تمدنی اشتباہ ، ۱۱۸
تجارتی راہ و رسم ، ۱۱۹
موھن جو ڈیرو کی مہریں سومیری رسم الخط رکھتی
ھیں ، ۱۲۰
وادیٔ سندھ کے تہذیبی و تمدنی معمار کہاں سے آئے؟
سر جان مارشل اور دوسرے علماء کے نظریات ، ۱۲۱

سومیری چار ہزار سال پہلے سومیریا سے نکل پڑے تھے، ۱۲۳
خشکی کے راستے سومیریا اور وادیٔ سندھ کے مابین تجارت ، ۱۲۴
جمدت نصر ، عیلام ، عبید اور وادیٔ سندھ سے برآمد ہونے
والے کتبات کے رسم الخط میں تشابہ ، ۱۲۶
اشوکی کتبہ نندن گڑھ کا رسم الخط ، ۱۲۷
برھمی رسم الخط سامی الاصل ہے ، ۱۲۸
ڈراویڈی اور بابل کے لوگ ایک دوسرے کے رشتہ دار
تھے ، ۱۲۸
دونوں ملکوں کی آبادیاں سانپ کی پرستش کرتی تھیں ، ۱۲۸
رگ وید میں ڈراویڈیوں کا ذکر ، ۱۲۹
اشور کا ماضی ، ۱۲۹
سومیری ہی بابل ، سر اور کش کے معمار تھے ، ۱۳۲
شہر عشور کے بانی بھی سومیری تھے ، ۱۳۲
دنیا کی قدیم ترین عمارت ، ۱۳۲
شہر عشور کا حسب و نسب ، ۱۳۳
عشور کے آباد کار ترقی کی راہ پر ، ۱۳۴
رگ وید میں پاکستان کے قدیم باشندوں کو
''اشوریہ'' کا لقب ملا ہے ، ۱۳۵
ہڑپا شہر پرتباہی کی داستان پروفیسر ہاشم کے قلم سے ۱۳۶،
بلوچستان کی تہذیب اور وادیٔ سندھ پر ایک ساتھ تباہی
آئی ، ۱۳۷
پروفیسر ہاشم کے نزدیک یہ آرین تھے جو ہڑپا پر تباہی
لائے تھے ، ۱۳۸
رگ وید میں ہڑپا شہر کی تباہی کا ذکر موجود
ہے ، ۱۳۹
وادیٔ سندھ میں آنے والے آرین ، کیسائی نہ تھے ، ۱۴۰
ارضِ پاکستان کا آباد کار آنو قبیلہ میتانی الاصل
تھا ، ۱۴۱
آرین قبائل چودھویں صدی قبل مسیح پاکستان میں
داخل ہوئے تھے ، ۱۴۳

فصل اول
رگ وید اور دوسری ویدک تصانیف ، ۲۵۳
فصل دوئم
رگ وید کی تصنیف ارض پاکستان میں ہوئی ، ۲۵۸
فصل سوئم
رگ وید کی رو سے ارض پاکستان کے آریائی آباد کاروں کا مذہب ، ۲۶۷
ساتواں باب
(رگ وید کا سیاسی ماحول)
فصل اول
ارض پاکستان کے پہلے آرین قبائل ان کے دوست اور ان کے دشمن ، ۲۸۱
(دوست قبائل) ، ۲۸۱
(دشمن قبائل) ، ۲۹۴
فصل دوئم
جمہوری سرداری ، بادشاہت میں بدلی، شخصی اقتدار سیاسی برتری کا موجب ہؤا ، ۳۰۱
آٹھواں باب
(ایک ہزار سال سے لے کر پیدائش بدھ تک کا آریائی سیاسی اقتدار)
فصل اول
یجر وید ، سام وید اور اتھر وید کا سیاسی مد و جزر ، ۳۱۲
فصل دوئم
بالائی سندھ اور زیریں علاقے کی چند بڑی ریاستیں
(گندھارا ، سیوی ، مادی اور کمبوجی) ، ۳۲۹
ٹیکسلا ، گندھارا کا پایۂ تخت تھا ، ۳۲۹
ریاست کمبوجہ ، ۳۳۲
سیال کوٹ بھی ایک بہت بڑا علمی مرکز تھا ، ۳۳۲

فصل سوئم

آرین ریاستوں کے ذرائع آمدنی ، ۳۳۵

نواں باب

آریائی معاشرہ ، ذاتی ملکیت اور اس کا تصور
دیہی آبادیاں ، شہروں میں بدلیں اور شہروں نے
حضارت و مدنیت کی منازل طے کیں

فصل اول

رگ وید کے زمانہ کا آریائی معاشرہ ، ۳۴۱

فصل دوئم

رگ وید کے مابعد کے آریائی معاشرے کی بنیادی تبدیلیاں ، ۳۵۴

فصل سوئم

طبقاتی تقسیم ، ۳۸۱

دسواں باب

پانچویں صدی قبل مسیح کا غیر معمولی مذہبی اور ذہنی
انقلاب اور ارض پاکستان

فصل اول

ارض پاکستان سے بدھ مذہب کا تعارف ، ۴۰۵

فصل چہارم

مہاتما بدھ ، ۴۳۲
ماخذ ، ۴۶۹
اشاریہ ، ۴۷۷

زرتشت اور انڈو آرین ، ۱۴۳
سارگون اور آرین قبیلے ، ۱۴۴
سارگون کے کتبات ، ۱۴۵
رگ وید کے وہ منتر جو ''اشورید'' کے خلاف ھیں ، ۱۴۶

فصل سوئم

موہن جو ڈیرو کا ماحول قدیم ترین دور میں ایک سدا بہار باغیچہ کی حیثیت رکھتا تھا ، ۱۴۹
موہن جو ڈیرو کی عمارات اور ان کا طرز تعمیر ، ۱۵۴
نالیاں زمین دوز تھیں اور گندے کنویں ڈھکے ہوئے ہوتے ، ۱۶۳
پینے کے پانی کی بہم رسانی کا بہت عمدہ انتظام تھا ، ۱۶۴
ہوٹل اور ریستوران ، ۱۶۵
منڈی اور بازار ، ۱۶۵
حمام یا تالاب ، ۱۶۶
اسمبلی ھال ، ۱۶۷
مذھبی علامات اور عقائد و رسوم ، ۱۶۸
انداز زیست اور رہن سہن ، ۱۷۵
مختلف صنعتیں ، دھاتوں اور ان کا استعمال ، ۱۷۷

فصل چہارم

هڑپا اور موہن جو ڈیرو میں تہذیبی اور تمدنی تشابہ موجود ہے ، ۱۸۳

فصل پنجم

دریائے سندھ کی آبادیاں دریائے نیل کی آبادیوں کی هم عصر هیں ، ۱۹۱

چوتھا باب

آریائی اقوام، ان کا حسب و نسب ، اصل وطن اور هجرت

فصل اول

ایشیا آریوں کا اصل وطن تھا ، ۲۰۱
آریائی اقوام کی نقل و حرکت ، ۲۰۵

آریائی اقوام کاشتکار تھیں ، ۲۰۷
آریہ قوم کے ماضی سے متعلق لسانی شہادتیں ، ۲۰۷
تمام آریائی اقوام کی اصل ایک تھی ، ۲۰۸
ترکِ وطن کے وقت کی قیام گاہ ، سفر اور منزلیں ، ۲۰۸
اصل وطن ایشیا تھا ، ۲۰۹
زبان کا اشتراک ، ۲۱۰
زند اور سنسکرت کا تشابہ ، ۲۱۱
لسانی اختلاف کا موجب ، ۲۱۲
پیغمبر زرتشت بھی ایک موجب تھے ، ۲۱۳
منو مہاراج اور طوفان ، ۲۱۵
حضرت نوح علیہ السلام سے ملتی جلتی کہانی ، ۲۱۶
شروعِ انسانی آبادی اور عرب مؤرخین ، ۲۱۶
آریہ قوم نے جب ہجرت کی تو وہ گڈریے تھے ، ۲۱۸

فصل دوئم

ترکِ وطن اور باہمی جدائی کے وقت انڈو آرین کا تہذیبی اور لسانی سرمایہ ، ۲۱۹

فصل سوئم

آرین قوم کا اصل وطن اور اس سے متعلق اختلافِ رائے ، ۲۳۳

پانچواں باب

(انڈو آرین سب سے پہلے ارضِ پاکستان میں آباد ہوئے ۔ رگ وید کی تصنیف ، وادی سندھ یا سپتا سندھو کی مرہونِ منت ہے)

فصل اول

رگ وید کی تصنیف اور زمانۂ تالیف ، ۲۴۳
پہلی آرین آبادیاں سندھ کے کنارے پر قائم ہوئیں ، ۲۴۷
سندھی زبان اور سنسکرت کا اشتراک ، ۲۴۸

چھٹا باب

(آرین قوم کے مذہبی خد و خال)

حرفِ آغاز

مشہور مورخ ایلفنسٹن نے آج سے کوئی ایک سو پچیس سال قبل جبکہ ہندوستان اور پاکستان کی تقسیم عمل میں نہ آئی تھی اور دونوں ملک سیاسی اعتبار سے بھی ایک تھے اور جغرافیائی احاطہ سے بھی متحد تھے اِن کی تاریخ کے بارے میں یہ شکایت کی تھی کہ سکندر مقدونی کے حملہ سے پہلے کی کوئی تاریخی نوعیت حتماً صحیح نہیں کہی جا سکتی اور نہ کسی واقعہ کی تاریخ کا تعین ممکن ہے ۱-

ایک دوسرے عالم پروفیسر کول نے اس شکایت کو یہ کہہ کر نیا انداز بخشا کہ اس ملک کی تاریخ میں صرف وہی لمحات و واقعات وثوق سے بیان کیے جا سکتے ہیں جو بیرونی اقوام سے تصادم کے وقت پیش آئے تھے ۲-

۱۹۰۸ء میں مسٹر ونسنٹ سمتھ نے اس تبصرہ کو جزواً درست تسلیم کرتے ہوئے ان تحقیقات و انکشافات کی طرف اشارہ کیا ، جو بہت سے مستشرقین اور ماہرینِ آثار قدیمہ نے ۱۹۰۸ء تک کیے -

فاضل ونسنٹ سمتھ نے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ ۱۹۰۸ء تک کے انکشافات نے علمائے تاریخ کو اس قابل کر دیا ہے کہ وہ اس ملک کی تاریخ نئی بنیادوں پر مرتب کر سکتے ہیں ۳-

مسٹر سمتھ نے یہ بات آج سے کوئی پچاس باون سال پہلے کہی تھی - اس وقت تک ماہرینِ آثار قدیمہ نے مغربی پاکستان کے مختلف مقامات کو کھود کر وہ عجیب و غریب حقائق بے نقاب نہیں کیے تھے جن کے

---

۱ و ۲- ایلفنسٹن ہسٹری آف انڈیا ، مرتبہ پروفیسر کول ، پانچواں ایڈیشن ص ۱۲

۳ - ونسنٹ سمتھ ، ارلی ہسٹری آف انڈیا آکسفرڈ پریس ، ص ۱

سبب پاکستان کی تاریخ سکندر مقدونی کے حملہ سے تین ہزار سال قبل تک پتھروں ایسی ٹھوس حقیقت کی شکل اختیار کر گئی ہے اور ہم حتماً اپنے ماضی قریب ہی کے باب میں نہیں ماضی بعید سے متعلق بھی بہت کچھ کہہ سکتے ہیں۔

مثلاً اب یہ دعویٰ قیاس و امکانی حدود میں محدود نہیں رہا اور یقینی صورت اختیار کر گیا ہے کہ وادیٔ سندھ، وادیٔ ژوب، موہن جوڈیرو اور ہڑپا کی تہذیب تقریباً ساڑھے تین ہزار سال قبل مسیح کی تہذیب ہے اور یہ کسی لحاظ سے بھی، اس دور کی مصری اور بابلی تہذیب و ثقافت سے ہیٹی نہیں ہے ۱۔ بلاشبہ ۱۹۲۸ء سے پہلے یہ بات اتنے وثوق و اعتماد سے نہیں کہی جا سکتی تھی۔ کیونکہ اس وقت تک سندھ کے کنارے پر آباد موہن جوڈیرو اور وادی کا راز دار، ہڑپا، اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ ہمارے سامنے نہیں آئے تھے۔ نہ امری تل، نہ کلی، نہ شاہی تمپ، نہ سنگکن ڈور، نہ دابر کوٹ، اور نہ وادیٔ ژوب کے بارے میں ہمیں مکمل آگاہی ہوئی تھی اور نہ درہ بولان کے ماحول کی ڈھیریاں پروفیسر سٹورٹ پگٹ جیسے جی دار محقق نے کھودی تھیں۔

اس باب میں پاکستان کا ہر مورخ سرجان مارشل، سر اورل سٹین، مسٹر وائس، مسٹر ارنسٹ میکے، پروفیسر سٹورٹ اور مسٹر بیزجی اور دوسرے ماہرینِ آثارِ قدیمہ کا بے حد ممنونِ احسان ہے جنھوں نے وادیٔ سندھ کی تہذیب اور اس حصۂ ملک میں دوسری تہذیبوں کی عمر متعین کرنے کے لئے بلوچستان، سندھ، پنجاب اور سوات و مردان میں کھدائی کی اور اپنے عمیق مشاہدہ اور قدیم تہذیبی معلومات و تجربات کی بنا پر کھدائیوں سے برآمد ہونے والے آثارِ قدیمہ کی عمریں متعین کیں۔

سرجان مارشل، مسٹر وائس، مسٹر میکے اور پروفیسر سٹورٹ پگٹ نے اس سلسلہ میں قیاسات کو قطعاً بنیاد نہیں بنایا۔ نہ نظری تصورات پر اپنے مشاہدے کی بنا رکھی ہے۔ انہوں نے ٹھوس فنی حقائق استعمال کیے ہیں۔ مثلاً انہوں نے کوئٹار تہذیب کی عمر متعین کرنے کے سلسلہ میں زرد

۱۔ ویلر ص ۸ ۔

زمین پر سیاہ یا ارغوانی رنگ کے حاشیوں اور جیومیٹری خطوط والے ان ظروف پر تکیہ کیا ہے جو سر اورل سٹین اور پروفیسر سٹورٹ پگٹ کو درہ بولان کے نواح کی متعدد ڈھیریوں کی کھدائی کے وقت ملے تھے ۔

یہ ظروف اپنی وضع قطع ، ساخت اور نقاشی کی نوعیت کے لحاظ سے ان ظروف سے انتہائی مشابہ ہیں جو شمالی ایران کے مقامات سوس اور تل بکون سے برآمد ہوئے ہیں اور جن کے بارے میں ماہرینِ آثارِ قدیمہ کی حتمی رائے ہے کہ یہ تین ہزار سال قبل مسیح کے زمانہ سے بھی پہلے کے تہذیبی نشانات ہیں (۱) ۔

درۂ بولان کے نواح سے برآمد ہونے والے ان ظروف کے ماسوا ، امری نل ، کے علاقہ میں بھی سر اورل سٹین اور پروفیسر سٹورٹ پگٹ نے کئی اونچی ڈھیریاں کھودیں اور وہاں سے بھی بہت سے ظروف اور دوسرا سامان برآمد کیا ۔ ان ظروف کے بارے میں پروفیسر سٹورٹ کا خیال ہے کہ چونکہ ان کا فن زیادہ عمدہ اور نقاشی ، پہلے کے ظروف کی نسبت بہت اعلیٰ ہے اس لیے ان کا زمانہ کسی قدر بعد کا ہے ۔

امری نل سے پیتل اور تانبے کے کچھ اوزار اور ہتھیار بھی ملے ہیں ۔ اور یہ پیتل کے ہتھیار اس امر پر دال ہیں کہ یہ بستیاں ، جن کی ڈھیریوں کے نیچے سے یہ برآمد ہوئے ہیں اس وقت کی ہیں جب آدمی پتھر کے دور سے نکل کر پیتل اور تانبے کے زمانہ میں داخل ہؤا تھا اور لوہا ابھی دریافت نہ کیا گیا تھا ۔

کھدائی کے وقت ان ظروف کے علاوہ جو آثار ظاہر ہوئے ہیں ان سے پروفیسر سٹورٹ پگٹ نے یہ نتائج نکالے ہیں کہ یہ مکانات ان بستیوں کے ہیں جو کئی ایکڑ کے رقبہ میں پھیلی تھیں اور انہیں پتھروں سے بنی ہوئی فصیل گھیرے ہوئے تھی ۔ پروفیسر سٹورٹ نے یہ رائے بھی قائم کی ہے کہ ان بستیوں کے عام مکانات کی بنیادوں میں بھی پتھر استعمال کیے گئے ہیں ۔

جنوبی بلوچستان کے ضلع کلوا کے مقام کلی ماشکئی ماہی اور شاہی تمپ پر پروفیسر سٹورٹ پگٹ نے جن اونچی ڈھیریوں کی کھدائی کی وہاں

۱۔ ایکسکویشنز ایٹ ہڑپا ص ’ڈ‘ موہن جوڈیرو اینڈ انڈس سویلیزیشن ص ۔۔۔ ۔

سے بھی پروفیسر موصوف کو بہت سے ظروف اور پیتل کے اوزار دستیاب ہوئے ہیں ۔ ان میں پیتل کی سہریں بھی ہیں ، کلہاڑیاں اور خنجر بھی ہیں اور جانوروں کے مجسمے بھی ۔

پرفیسر پگٹ کے نزدیک یہ ظروف اور اوزار بالکل ویسے ہی ہیں جیسے ایرانی مکران کے علاقہ بام پور ، سیستان اور بغداد کے نواحی مقام سوس سے نکلے ہیں اور جن کا زمانہ ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے ڈھائی ہزار قبلِ مسیح متعین کیا ہے (۱) ۔

شمالی بلوچستان کی وادیٔ زوب کے مختلف مقامات پر بھی پروفیسر سٹورٹ پگٹ نے اپنی تحقیق و جستجو کا دامن پھیلایا ہے اور وہاں سے بھی بہت سے ظروف اور اوزار برآمد کیے ہیں ۔ ان کے بارے میں ان کی حتمی رائے ہے کہ وہ شمال مشرقی ایران کے قدیم مقامات سے برآمد ہونے والے ظروف سے پورے طور پر مشابہ ہیں اور حضرت مسیح علیہ اسلام کی پیدائش سے تین ہزار سال قبل کے زمانہ کی نمائندگی کرتے ہیں (۲) ۔

انڈس سویلیزیشن کے مصنف مسٹر میکے نے جو پروفیسر سٹورٹ پگٹ کی طرح ان ماہرینِ آثارِ قدیمہ میں سے ہیں جن کی زندگی کا سب سے اہم شغل قدیم آثار کی تحقیق و جستجو کے سوا کوئی اور نہ تھا ۔ موہن جوڈیرو اور ہڑپا کے آثار کو وادیٔ زوب سے کسی قدر زیادہ معمر ٹھیرایا ہے اور مسٹر واٹس کے نزدیک تو حضرت مسیح علیہ اسلام کی پیدائش سے پورے ساڑھے تین ہزار سال قبل موہن جوڈیرو اور ہڑپا آباد ہو چکے تھے اور ان کے واضح آثار اور عمدہ اور اعلیٰ درجہ کی فنی پختگی تو اس امر کی غمازی بھی کرتی ہے کہ ساڑھے تین ہزار سالہ موہن جوڈیرو اور ہڑپا کے آباد کرنے والے غالباً کافی مدت پہلے کے فن کار تھے اور ان کا فن صدیوں نہیں ہزاروں سال پہلے کا تھا (۳) ۔

مسٹر وھیلر نے بڑی احتیاط سے کام لیتے ہوئے موہن جوڈیرو اور

۱- مسم اینشنٹ مٹیز آف انڈیا ، مطبوعہ آکسفرڈ پریس ، مصنفہ سٹورٹ پگٹ ۔

۲- ویلر ، ص ۱۲ ۔

۳- انڈس سویلیزیشن ، ص ۴ ۔

ہڑپا[۱] کے آثار کی عمر ڈھائی ہزار سال قبل مسیح سے پندرہ سو سال قبل مسیح کے مابین متعین کی ہے اور بڑی تعلی سے کہا ہے کہ ڈھائی ہزار قبل مسیح کے زمانہ میں اگر کوئی شخص ایرانی حدود سے نکل کر وادیٔ سندھ میں سنگن ڈور کے راستہ سے داخل ہوتا تو اُسے سنگن ڈور سے برابر ایک ہزار میل کی مسافت پر واقع مقام روپڑ تک سڑک کے دونوں سمت بستیاں ہی بستیاں آباد ملتیں۔ یہ بستیاں اپنی تہذیب، رہن سہن اور انداز زیست کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بہت مشابہ تھیں۔ ان کے باشندوں کی شکل و صورت بھی ایک جیسی تھی اور لباس بھی ایک طرح کا تھا۔ وہ ایک ہی قسم کے گھروں میں رہتے اور ایک ہی قسم کے برتن بناتے۔ ان کے اوزار اسلحہ اور دوسرا ساز و سامان بھی ایک ہی قسم کا تھا[۲]۔

مسٹر ویلر نے یہ حتمی رائے بڑے گہرے مشاہدے اور تحقیق و جستجو کے بعد قائم کی ہے۔ وہ محکمۂ آثار قدیمہ میں ڈائرکٹر جنرل تھے اور ان کے عہد میں وادیٔ سندھ کے بہت سے آثار نمودار ہو چکے تھے۔ اگر فاضل سمتھ، پروفیسر کول اور مورخ ایلفنسٹن کے زمانہ میں وادیٔ سندھ کے سینہ میں مدفون ٹھوس شہادتیں روشنی میں آ جاتیں تو ہمارا گمان ہے کہ نہ مورخ ایلفنسٹن نہ پروفیسر کول اور نہ ونسنٹ سمتھ یہ کہنے کی ضرورت سمجھتے کہ سکندر مقدونی سے پہلے کے دور کی کسی واقعیت یا تاریخی کیفیت کو حتمی نہیں ٹھیرایا جا سکتا۔

بہرحال پاکستان کے مؤرخین فاضل ایلفنسٹن، پروفیسر کول، ونسنٹ سمتھ، جنرل کننگھم، میک کرنڈلے، پروفیسر جیکوبی، اولڈن برگ، پروفیسر میکس مولر، اورل سٹین، سر ہولڈچ اور ان تمام دوسرے مستشرقین کے بے حد ممنون ہیں جنہوں نے اپنے وقت میں حاضر معلومات کی بنا پر اس ملک کی تاریخ لکھی اور ان تمام ماخذوں کو بڑی دیانت کے ساتھ استعمال میں لائے جو ان کے دور میں میسر آئے تھے۔

انہوں نے آریوں کی مقدس کتابوں، رگ وید، یجر وید، سام وید، اور اتھر وید سے بھی استمداد کیا، اور ان کی تشریحات برہما، اپنشد،

۱۔ ایکسویکشنز ایٹ ہڑپا، ص ۱۲

۲۔ ویلر، ص ۲۲

ستّرا ، مہا بھارت ، اور رامائن سے بھی مدد لی ۔ یوں بلاشبہ انہوں نے یہ شکایت ضرور کی ہے کہ ان کتابوں میں ، بیرونی حملہ آور ، دارا اول ، سکندر مقدونی ، سیلیوس یا دو۔روں کا قطعاً کوئی ذکر نہیں ہے ۔ البتہ ، آریائی بادشاہوں کی باھمی لڑائیوں اور بعض آریائی ریاستوں کے عروج و زوال کے باب میں یہ ماخذ خاموش نہیں رہے ھیں ۱ ۔

پروفیسر راپسن ، بجا طور پر اعتراف کرتے ھیں کہ آریوں کی مذھبی کتابوں میں جس نوع کی مذھبی معلومات ، کہانیاں اور قصے درج ھیں ، ان ھی سے علمِ تارخ کا عموماً آغاز ھوا ہے ۔ شروع دور میں اسی قسم کی کتابیں قریب قریب ہر ملک میں لکھی گئی ھیں اور پھر ایسا مذھبی ادب جس کی نگرانی ، برھمنوں ، بدھ اور جین علماء کے ذمہ ھو ، مذھبی فلسفہ اور دینی مسائل پر ھی مشتمل ھو سکتا ہے ، اس سے یہ توقع غلط ھوگی کہ وہ سیاسی حالات ، یا بیرونی حملوں کا ذکر کرے ۔

پروفیسر راپسن اور ان جیسے دوسرے فضلاء نے اس مذھبی ادب کو بھی کھنگال ڈالا ہے اور اس کے ایک ایک مفید مطلب منتر اور ایک ایک فقرے سے استشہاد کیا ہے ۔

ان مستشرقین نے اپنی تصانیف میں ان بیرونی اسناد پر بھی بھروسہ کیا ہے جو اس وقت کی ھیں جب پاکستان ، ایرانی بادشاہ دارا اول اور سکندر مقدونی سے متعارف ھوا تھا ۔ یہ حقیقت اب کسی طرح بھی پوشیدہ نہیں رھی کہ ایران کے دارا اول نے تقریباً چھ سو سال قبل مسیح میں پاکستان پر حملہ کیا اور اسے فتح کر کے اپنی قلمرو کے حدود ، گندھارا ریاست کے حدود سے بھی آگے مغربی پنجاب اور سندھ تک پھیلا لیے تھے ۲ ۔

اس دور میں جو چھ سو سال قبل مسیح سے ۳۲۷ — ۳۲۵ سال قبل مسیح تک کا ہے ، تین بڑے یونانی سیاحوں نے اس حصۂ ملک کی سیاحت کی ۔ سب سے پہلے سکائی لیکس ارضِ پاکستان میں داخل ھوا اور یہاں کے حالات قلم بند کیے ۔ یہ یونانی سیاح ، تمام یونانی سیاحوں میں

۱۔ کیمرج ہسٹری آف انڈیا ، جلد اول ، ص ۵۷ ۔

۲۔ راپسن کیمرج ہسٹری آف انڈیا ، جلد اول ، ص ۵۸ ۔

مقدم العہد ہے ۔ دوسرا بڑا یونانی سیاح جس نے اس ملک کی سیاحت کی ہیرو ڈوٹس تھا ۔ اس کا زمانہ ۴۸۴ — ۴۳۱ قبل مسیح کا ہے ۔ *میک کرنڈلے نے اسے تاریخ کا باوا آدم قرار دیا ہے۱ ۔ اس نے پاکستان کے علاوہ ہندوستان ، سکاتھیا اور ابیسینیا کی سیاحت بھی کی تھی ۔ اس کے بعد کیٹسیس اس ملک کے سفر پر نکلا ، وہ تین سو اٹھانوے (۳۹۸) سال قبل مسیح کی شخصیت ہے ۔ وہ یونانی ہونے کے باوجود ، ایرانی بادشاہوں کا ملازم تھا اور شاہی طبیب کا منصب پایا تھا ۔

۳۲۵ قبل مسیح میں ، سکندر مقدونی ، اپنی عظیم فوجوں اور درباری روز نامچہ نویسوں کے گروہ کے ساتھ لے کر ، وادیٔ سندھ میں داخل ہوا ۔اور میک کرنڈلے کے الفاظ میں ، پنجاب اور سندھ میں یہ سکندر رومی کی یلغار ہی تھی جس کی وجہ سے یونانی مصنفین کو پہلے پہل ، مغربی پاکستان کے بارے میں براہِ راست معلومات حاصل ہوئیں ۔ اور یہ سکندر مقدونی کی ذات تھی جس نے اپنے ساتھی مؤرخین کو اس ملک کے حالات لکھنے کی ہدایات دی تھیں۲ ۔

میک کرنڈلے کی رو سے ، سکندر مقدونی کے ساتھی علماء میں سے کئی نے ، اس کے حکم کی تعمیل میں شمال مغربی پاکستان کے حالات قلم بند کیے جن میں سے کچھ تحریریں ضائع ہوگئی ہیں ، البتہ میگستھینز کی تحریر کے کچھ اقتباسات باقی ہیں ۔ یہ اقتباسات آن رمل ، بے جوڑ ٹکڑوں میں مختلف مسودوں سے دستیاب ہوئے ہیں ، یہ کچھ تو پاکستانی دریاؤں اور کچھ یہاں کے پہاڑی قبائل اور ان کی عادات و اطوار سے متعلق ہیں ۔

میک کرنڈلے کہتا ہے کہ یہ فاضل سیاح ، کافی دنوں تک (۳۰۵ قبل مسیح) پاکستان اور ہندوستان میں مقیم رہا تھا اور یقیناً اس کی تحریر بہت سی معلومات پر مشتمل تھی ۔ مگر بدنصیبی سے اس کے بہت سے حصے ضائع ہوگئے ہیں ۔

میگستھینز ، کے مختلف اقتباسات پہلے پہل ، انڈین انٹیکیوری

۱۔ میک کرنڈلے اینشی اینٹ انڈیا ، ص ۱ ۔

۲۔ ٹولمی تمہید ص ۱۵ اور ٹولمی کے مسودہ پر حاشیہ از میک کرنڈلے ص ۸۲۔

(٧٢ — ١٨٧٧ء) میں شائع ہوئے بعد میں میک کرنڈلے نے انہیں کتابی شکل دے دی - (١٩٢٦ء)

میک کرنڈلے نے، ٢٣٠ قبل مسیح کے جغرافیہ دان ایرا ٹوستھنس کے جغرافیہ کو اس باب میں مفید معلومات کا ذخیرہ قرار دیا ہے کیونکہ اس جغرافیہ میں، ایرا ٹوستینس نے، میگستھین، اور سٹیتھمی یا مارچز کے روز نامچہ کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔

ایرا ٹوستھنس یونانی کے بعد پاکستان اور ہندوستان پر جن یونانی مصنفین نے قلم اٹھایا، ان میں ڈیڈوروس (١٠٠ سال قبل مسیح) بلوٹارک، سٹربو، کوربوس، ائیرین اور جسٹینوس ہیں۔ سٹربو، ٦٠ سال قبل مسیح کا سیاح ہے اور خاصا مشہور ہے۔ اس کی کتاب بھی چھپ چکی ہے اور علمائے تاریخ نے اس سے جغرافیہ کے باب میں خاصی مدد لی ہے۔

سٹربو کے بعد پلینی نے اپنی کتاب، نیچرل ہسٹری کے چھٹے باب میں پاکستان اور ہندوستان کے جغرافیہ پر گفتگو کی ہے۔ یوں میک کرنڈلے نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس نے بہت سی بے بنیاد روایات بھی قلم بند کر دی ہیں۔١

پلینی سے زیادہ کام پاکستان اور ہندوستانی جغرافیہ سے متعلق میرنیوس اور ٹولمی نے کیا ہے۔ میرنیوس کا مشاہدہ اس باب میں ذاتی تھا اور ٹولمی نے اپنی تصنیف کی تمام تر بنیاد میرنیوس کے علم پر رکھی تھی۔

پروفیسر راپسن، سکندر یونانی کے ساتھی مصنفین اور مؤرخین کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے بجا کہتے ہیں کہ اس کے بعد، سکندر اعظم کے رومی اور یونانی مؤرخین ہندوستان (مغربی پاکستان مراد ہے) آئے، جنھوں نے سکندر اعظم کے حملہ وادیٔ سندھ کی مفصل رودادیں مرتب کیں۔

پروفیسر راپسن کی رو سے، اس دور کی تاریخی دستاویزوں میں، جو

١- میک کرنڈلے ترجمہ ٹولمی (دیباچہ) ص ١٨ - اینشنٹ انڈیا ص ١٢٠ - ص ٩ - ص ١٧ -

کمی تھی وہ ان یونانی رودادوں سے پوری ہوگئی ۱۔ کیونکہ اس دور کی جین ، بدھ اور برھمن تحریریں پاکستان کے بارے میں بری طرح خاموش تھیں ، اس کے برعکس یونانی تحریروں نے اپنے حدود زیادہ تر مغربی پاکستان تک محدود رکھے تھے ۔

پروفیسر راپسن نے ان مغربی مصنفین کے کام کی بھی داد دی ہے جو سکندر رومی کی موت کے بعد ہندوستان آئے اور موریا خاندان کی سلطنت کے حالات لکھے اور ان مسودات کو بھی قابلِ استناد ٹھہرایا ہے ، جو ایرانی اور مقدونی بادشاہتوں پر ، ان کے ہم عہد ملکی مصنفین نے تالیف کیے تھے ۔ خصوصیت سے موریا خاندان کے زوال کے بعد ، جب ۲۰۰ سال قبل مسیح میں ازسرِنو بیرونی حملے شروع ہوئے ، تو ان حملہ آور بادشاھوں کے مؤرخین نے جو حالات قلم بند کیے ، ان سے بڑی مدد ملتی ہے ۔ کیونکہ یہ حملے زیادہ تر ارضِ پاکستان پر ہوئے تھے ۔ یوں بھی ان حملوں کے سبب چونکہ پاکستان ، گنگا جمنا کے ہندوستان سے بری طرح کٹ گیا تھا اس لئے ان تالیفات میں دوسری سمت کے سیاسی حالات موجود نہیں ھیں ۔

مسٹر ونسنٹ سمتھ نے ، سکندر مقدونی اور اس کے بعد کے یونانی مؤرخین کی تالیفات کو اہم اسناد قرار دینے کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی واضح کی ہے کہ ان اسناد کی قیمت اس وقت بہت بڑھ جاتی ہے جب انہیں ہم عصر ہندی دستاویزوں سے متقابل کر لیا جائے۔۲

فاضل ونسنٹ سمتھ نے اس سلسلہ میں ، کشمیر کرانیکل یا کلہنا راج ترنگنی کو بھی قابلِ استناد قرار دیا ہے ۔ جو کو بارھویں صدی عیسوی میں لکھی گئی تھی ، لیکن جس میں کشمیر کے قدیم ترین بادشاھوں کے قصے بھی درج ھیں ۔ فاضل ونسنٹ سمتھ ، ان قصوں کے بارے میں حد درجہ احتیاط برتنے کا مشورہ دیتے ھیں ۔۲ البتہ ان واقعات کو خاصا وقیع ٹھہراتے ھیں جو مصنف کے دور یا اس سے قریبی عہد کے تھے ۔

۱۔ راپسن کیمرج ھسٹری آف انڈیا جلد اول ص ۵۹ — ۶۰ ۔

۲۔ ونسنٹ سمتھ ، ارلی ھسٹری آف انڈیا ص ۸ ۔

سمتھ کے نزدیک ، مہا بھارت اور رامائن کی حیثیت گو اس اعتبار سے بہت وزنی ہے کہ یہ دونوں کتابیں رزمیہ زمانہ کی معاشرتی زندگی کی مکمل عکاس ہیں مگر انہیں عہد تاریخ کے سیاسی حالات کا آئینہ دار قرار نہیں دیا جا سکتا ۔

مخصوص زبان دانوں نے ، بعض لسانی مجموعوں اور تالیفات سے ، قدیم روایت کے باب میں جو اتفاق حوالے اخراج کیے ہیں ، وہ بھی مجموعی حیثیت سے تاریخی مواد میں معقول اضافہ کا موجب ہوئے ہیں ۔

نیز جینی تصانیف ، اور بدھ کتابوں کی جتکا کہانیوں کو بھی جا بہ جا قابل حجت سمجھا گیا ہے ۔ کیونکہ اتفاق طور پر ، ان قصوں کہانیوں میں چھٹی اور پانچویں صدی قبل مسیح کی سیاسی زندگی کے بارے میں بھی کچھ اشارات بیان ہوگئے ہیں۱ ۔

جینی تصانیف میں سے بعض اہم تصانیف کا ترجمہ ، مشہور مستشرق پروفیسر ہرمن جیکوبی نے ، سیکرڈ بکس آف ایسٹ کے سلسلے میں کیا ہے ۔ جتکا قصوں کے تراجم کا کام پروفیسر کول کی تحریک پر ، ڈبلیو ۔ ایچ ۔ ڈی ۔ روز اور کئی دوسرے علماء نے ۱۹۰۸ء سے پہلے شروع کر دیا تھا ، اور اس تاریخ تک ، آکسفرڈ پریس کی طرف سے اس کے پانچ اجزا شائع ہو چکے تھے ۔ سیلون کے پالی روز نامچوں کو بھی قدیم عہد ، خصوصیت سے موریا خاندان کے ذکر میں ، خاصی معلومات کا ماخذ مانا گیا ہے ۔۲

فاضل سمتھ نے دوسرے مستشرقین کی طرح ، پرانوں کو تاریخی مواد کے سلسلے میں بڑی اہمیت دی ہے ۔ خصوصیت سے ، پانچ پرانوں ، وایو ، متسایا ، وشنو ، برھمنڈہ ، اور بھگوتا میں شاہی خاندانوں کی جو فہرستیں درج ہیں وہ بڑا تاریخی وزن رکھتی ہیں ۔ ۳

البتہ آخرالذکر پرانوں برھمنڈہ اور بھگوتا کا عہد چونکہ بعد کا ہے ،

۱۔ ونسنٹ سمتھ ص ۔ ۸—۹ ۔

۲۔ بدھسٹ انڈیا ، ص ۱۸۹—۲۰۸ ، انڈین اینٹک جز ستروین ، ص ۱۰۰ ۔

۳۔ ونسنٹ سمتھ ۔ ص ۹—۱۰ ۔

اس لیے اس کی فہرستیں گڈمڈ ہوگئی ہیں اور تاریخی معیار سے گر گئی ہیں ۔ تین پہلوں کی تاریخی حیثیت بہت اونچی ہے ۔ خصوصیت سے وشنو کو تو یورپ میں بڑی شہرت حاصل ہے ۔ اس کا انگریزی میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے مگر اس کا تاریخی معیار پہلے دو پرانوں کے پایہ کا نہیں ہے ۔ گو ان کا زمانۂ تصنیف پانچویں یا چھٹی صدی عیسوی ہے لیکن ان میں چوتھی صدی کے بادشاہوں کے سلسلے بھی بیان کیے گئے ہیں ۔۱

تاریخی اسناد کے باب میں مستشرقین نے ان قدیم کتبات اور سکوں کو تو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے جو مختلف مقامات پر کھدائی کرنے سے برآمد ہوئے ہیں ۔ کتبات یا تو پتھروں پر کندہ ہیں یا تانبے پیتل کی تختیوں پر نقش ہیں ۔

فاضل راپسن کا بیان ہے کہ یہ کتبات ، پاکستان اور ہندوستان کے مختلف مقامات سے بڑی تعداد میں برآمد ہوئے ہیں ۔۲

فاضل ونسنٹ سمتھ نے ان میں سے قدیم تر کتبات کو ایرانی بادشاہ دارا بن گشتاسپ سے وابستہ کیا ہے اور نقش رستم کو ۴۸۲ قبل مسیح سے نسبت دی ہے ۔ ۳

فاضل راپسن کے نزدیک ، پاکستان اور ہندوستان کے قدیم تر کتبات وہ ہیں جو اشوکا کے زمانہ کے ہیں اور موریا سلطنت کے سرحدی اضلاع میں مختلف چٹانوں اور ستونوں پر کندہ پائے گئے ہیں ۔ چونکہ اشوک ، تیسری صدی قبل مسیح کے نصف کی شخصیت ہے ، اس لئے یہ دارا اول سے تقریباً دو سو سال بعد کا ہے ۔

فاضل راپسن کہتے ہیں ، کہ اشوکا کے عہد کے یہ کتبات ، قریب قریب ہر اہم سیاسی حتیٰ کہ نجی موضوع سے متعلق ہیں ، اس لئے ان کی

۱۔ ارلی ہسٹری آف انڈیا ، ص ۱۰ ۔ ہسٹری آف سنسکرت لٹریچر ، ص ۳۰۱ ۔

۲۔ راپسن ، کیمرج ہسٹری آف انڈیا ، جلد اول ، ص ۶۰ ۔

۳۔ ارلی ہسٹری آف انڈیا ، ص ۱۰–۱۱

شہادت بڑا وزن رکھتی ہے اور یہ تاریخ پاکستان اور ہندوستان کا بڑا قیمتی سرمایہ ہیں ۔

سکے ، کتبات سے کچھ کم اہم نہیں ہیں ۔ جن بادشاہوں نے اپنے پیچھے اپنی سیاسی زندگی کی کوئی شہادت نہیں چھوڑی ، صرف یہ سکے چھوڑ گئے ہیں ان کے بارے میں ان سکوں کی مدد سے کچھ زیادہ نہ کہا جا سکتا ہو ، تو کم سے کم یہ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کا عہد کونسا تھا اور وہ کس خاندان سے متعلق تھے ۔ خصوصیت سے وہ سکے ، جو پاکستان کے سرحدی علاقوں سے برآمد ہوئے ہیں وہ تو بڑی تاریخی اسناد کے حامل ہیں ۔

ایسے سکوں میں قدیم تر سکے ، سوفستیز (سو بھوتی) بادشاہ کے ہیں جو سکندر رومی کا ہم عصر تھا ۔ اس کے سکوں پر یونانی حروف کندہ ہیں ۔ اس کے عہد کے بعد کوئی ایک سو سال برابر کوئی یونانی رسم الخط کا سکہ ، شمال مغربی پاکستان کے کسی مقام سے برآمد نہیں ہؤا ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دور میں یونانی حکومت شمال مغربی پاکستان میں قائم نہ رہی تھی ۔ دوسری صدی قبل مسیح کے تقریباً آغاز میں وہ پھر سے ظہور میں آئی اور اس دور کے سکے ، شمال مغربی علاقوں میں کئی جگھوں سے برآمد ہوئے ہیں ۔ ان پر یونانی حروف بھی کندہ ہیں اور ان کی پشت پر ملکی زبان بھی ثبت ہے ۔

دو زبانوں کے حروف والے سکوں کا رواج ، سکاتھین اور پارتھین ایرانی حملہ آورں کے دور میں بھی قائم رہا ۔ یہ ایرانی حملہ آور پہلی صدی قبل مسیح سے متعلق تھے اور انہوں نے اور ان کے پیشروؤں نے جو سکے اپنی یادگار چھوڑے ہے ان کی مدد سے ، علمائے زبان اور محققین نے پچھلی تین صدیوں کے وہ بہت سے کتبات پڑھ لیے ہیں جن کے سربستہ راز ، کافی مدت تک علماء کے لیے موجبِ اضطراب رہے ۔ یہ سکے زیادہ تر مغربی پاکستان کے مقامات ، ٹیکسلا ، چار سدہ ، مردان اور سوات سے پائے گئے ہیں ۔

حال ہی میں جو کھدائی چار سدہ کے مقام پر ہوئی ہے اس سے جو متعدد سکے برآمد ہوئے ہیں ، انہوں نے ، یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح

کر دی ہے کہ شمال پاکستان کی مشہور گندھارا ریاست ، کا پایۂ تخت ، یہی چار سدہ تھا ۔

مذکورۂ بالا، تاریخی اسناد کے ساتھ ساتھ ان چینی سیاحوں کا ذکر بھی لازم ہے جو ایک سو قبل مسیح کے عہد میں اس ملک میں وارد ہوئے تھے۔ ان میں سےسب سے پہلا چینی مورخ سیاح سوما چیان، ہے اور اس کی تصنیف پاکستان کی قدیم تاریخ پر خاصی روشنی ڈالتی ہے ۲۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں واقعات کی صحت کا بہت لحاظ رکھا گیا ہے ۔ مابعد کے چینی سیاحوں میں وہ بدھ چینی زائر ھیں جو بدھ مت کے پیرو ہونے کے سبب ھندوستان کو اپنے پیغمبر کا مولد سمجھتے اور یہاں کی زیارت اپنے اوپر لازم جانتے تھے ، ان میں سے زیادہ مقدم فاھین یا فاھیان ہے جس نے ۳۹۹ بعد مسیح میں ھندوستان کی سیاحت کی تھی ۔ اس کے سیاحت نامہ کا انگریزی میں کوئی چار بار ترجمہ ہو چکا ہے ۔

ونسنٹ سمتھ کے نزدیک ان تمام چینی زائرین میں زیادہ اھمیت اس ھیون سانگ کی ہے جس کی تالیف کا ترجمہ تقریباً ساری یوروپین زبانوں میں بار بار ھوا ہے اور جو ۶۲۹ء سے لےکر ۶۴۵ء کے عہد کی بہترین تاریخی روداد تسلیم کی گئی ہے ۔ اس تالیف میں ھیون سانگ نے پاکستان اور ھندوستانی تاریخ کے بہت سے سر بستہ حالات پر بھی روشنی ڈالی ہے ۔ اور نہ صرف سیاست پر گفتگو کی ہے ، مذھب اور معاشرہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا ۔ فاضل ونسنٹ سمتھ کی رو سے اس وجہ سے ، یہ کتاب تاریخ کے طلبا کے لئے انتہائی قیمتی خزینہ کی حیثیت رکھتی ہے ۔

ھیون سانگ کے دوست ، ھووی لی نے اس کی سوانح حیات لکھتے وقت کئی اور مفید باتیں بھی ایزاد کر دی ھیں ۔

سمتھ نے ان چینی سیاحوں کے بعد ، مشہور فلسفی مورخ اور منجم ، البیرونی کو خراج ادا کیا ہے جو محمود غزنوی کے ساتھ پاکستان میں

۱۔ ونسنٹ سمتھ ، ص ۱۲ - ۱۳

۲۔ سوما چیان کی تصنیف کے پانچ اجزا کا ترجمہ ایم چاوینس نے شائع کر دیا ہے ۔

داخل ہوا تھا اور کئی سال تک پاکستان اور ہندوستان میں مقیم رہا ، سنسکرت زبان سیکھی پنڈتوں اور دوسرے ہندو علماء کی صحبت میں کئی برس صرف کیے اور پھر ، کتاب‌الہند کے نام سے ہندوستانی مذہب ، رسوم و رواج اور عادات و اطوار پر ایک جامع اور مستندکتاب تالیف کی ۔

فاضل سمتھ نے شکوہ کیا ہے کہ البیرونی کی یہ کتاب سیاسی حالات پر کچھ زیادہ سود مند نہیں ہے کیونکہ البیرونی [1] نے اس موضوع کو نہیں چھیڑا۔

المسعودی نے ۳۲۳ ھجری میں ، سندھ کی سیاحت کی تھی ، گجرات احمدآباد کے حصوں میں بھی کچھ دن رہا تھا۔ اس نے اپنی کتاب مروج‌الذہب میں ، سندھ اور ملتان کے حالات پر کچھ کچھ روشنی ڈالی ہے ۔ بعض دوسرے مسلمان مورخین بھی ، سمتھ کے نزدیک قابل ِ ذکر ھیں کیونکہ انہوں نے اسلامی حملوں کی روداد بیان کرتے وقت کہیں کہیں قدیم عہد کو بھی ضمناً ، بیان کر دیا ہے ۔

ان کے ما سوا ، مستشرقین نے اس ملک کی تاریخ کی ترتیب ، تسوید ، اور قدیم کتبات اور سکوں کی دریافت اور قدیم آثار کے کھوج میں جو محنتیں کی ھیں وہ تو بے حد قابل ِ ستائش ھیں ۔

ان علماء میں جیکوبی میکس مولر ، میک کرنڈلے، ولسن ، وبر ، ساخو، بیجر راورٹی ، ایلیٹ ، سچوان بک بون ، راولسن ، میکڈانل، ویاس ڈیوڈس ، پروفیسر اولڈن برگ ، ڈبلیو ، ایچ ، ڈی روز ، ایم ۔ اے ۔ سٹین ، کننگھم گارڈنر ، ہیڈن پاول ، کال ورٹ ، سر جیمس ، ڈیوس ، سر ہولڈرنس ، سرتھامس ہولڈچ ، ایٹشن ، سر جیمس ڈوبیس سٹین ، لوکس لائل ، ای ۔ ایم مارشل ، ڈبلیو ایچ مورلینڈ ، سر مچل رومن ، ڈبلیو رابرٹس ، ونسنٹ سمتھ ، ہیوکینڈی ، سر جان مارشل ، ایس ۔ ایس تھاربورن ، پروفیسر سٹورٹ پگٹ ، سر اورل سٹین ، ہنٹرکاول بیوهلر ، ٹامس اور ویلر نے تو بہت کام کیا ہے اور ان کی تصانیف اور تحقیقات ہی سے ہم اور ہمارے جیسے دوسرے طلبائے تاریخ اس قابل ہوئے ھیں کہ اس الجھے ہوئے موضوع پر قلم اٹھائیں ۔

اس باب میں ، سر جان مارشل ، سر اورل سٹین ، مسٹر واٹس ،

۱- ارلی ھسٹری آف انڈیا ، ص ۱۳

مسٹر بینر جی ، پروفیسر سٹورٹ پگٹ ، مسٹر ارنسٹ میکے اور مسٹر ویلر خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے وادیٔ سندھ اور ارضِ پنجاب کی تہذیبی و تمدنی زندگی کے خدو خال واضح کرنے میں بے پناہ محنت کی اور اس وادی کے بسنے والوں کو اس قابل کر دیا ہے کہ وہ اپنے ماضی پر بجا فخر کر سکیں۔

رشید اختر ندوی

پہلا باب

جغرافی اور قدرتی حالات

* محلِ وقوع
* قدرتی حدود
* پہاڑ، میدان اور دریا
* زرعی پیداوار اور آب و ہوا
* قدیم آبادیاں

محلِ وقوع اور قدرتی حدود

موجودہ سیاسی تقسیم کی رو سے ، پاکستان میں تقریباً نصف قدیم پنجاب ، سابق صوبۂ سندھ ، اور صوبۂ سرحد کے علاوہ مکران ، خاران ، تربیلہ ، قلات ، اسب ، دیر ، سوات ، گلگت ، ہنزہ ، چترال ، ازاد کشمیر اور بلوچستان کے علاقے شامل ہیں اور اس کا رقبہ ۳۰۶۸۶۰ مربع میل ہے۱۔

یہ اپنے محلِ وقوع کے لحاظ سے براعظم ایشیا کے جنوبی حصہ میں واقع ہے ۔ اس کے شمال میں کوہ ہمالیہ ، شمالی سرحد پر افغانستان کی مملوکہ زمین سے ملحق روسی ترکستان ، شمال مشرق میں وادیٔ کشمیر اور ان سے ملحق چین ہے ۔ مشرق میں بھارت اور مغرب میں افغانستان اور ایران کے ملک ہیں ۔

سر ہلفرڈ کے الفاظ میں۲ " ہمیں پاکستان اور اس کے ہمسایہ ممالک کے محلِ وقوع کو سمجھنے کے لئے اپنی ملکی حدود سے خاصا آگے کو دیکھنا لازم ہے ، کیونکہ ایران ، افغانستان اور بلوچستان ، ایک ہی سطح مرتفع ایران کے مختلف عنوان ہیں ۔ یہ سطح مرتفع اِکا اِکی ہر سمت سے نیچے کو جھکتی ، سطح سمندر سے مل جاتی ہے ۔ البتہ اس کے شمال مغربی سمت ، آرمینیا کی بلندیاں اور شمال مشرق میں پامیر کی رفعتیں ہیں ۔ ایران کے جنوبی اور جنوب مغربی رخ پر بحیرۂ عرب اور خلیج فارس واقع ہیں ۔ خلیج فارس سے ملا ہوا عراقی علاقہ دجلہ اور فرات دریاؤں سے سیراب ہوتا ہے ۔ بحیرۂ کیسپین کے مشرق اور ایران کے شمال میں ترکستان اور توران کے ہموار اور نچلی سطح کے میدان ہیں ۔ پاکستان کے مغرب میں اور ایران کے شمال مشرقی گوشے میں ایک عظیم تکونی سلسلۂ کوہ مغرب اور

---

۱ ۔ ورلڈ جغرفی ، ص ۲۱۷ — ۲۱۸ ۔ ریجنل جغرافیہ ، ص ۲۳۵ ۲۳۶ ۔
۲ ۔ کیمرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول ، ص ۲۷ — ۲۸ ۔

جنوب کی طرف بڑھا چلا گیا ہے ۔ یہ پہاڑی سلسلہ اور اس کی درمیانی وادیاں افغانستان کو تشکیل دیتی ہیں ۔ افغان وادی سے ایک طرف دریائے کابل ، دریائے سندھ کے مشرق سمت بہتا ہے اور دوسری طرف عظیم دریائے ہلمنڈ موجزن ہے جو جنوب مغربی سمت بہتا ہوا سیستان کی طرف مڑ جاتا ہے''۔۱

سر ہلفرڈ میکنڈر کے بیان کردہ اس عظیم تکونی سلسلۂ کوہ کو جغرافیہ نویسوں نے تین الگ الگ نام دیے ہیں ، کوہ ہمالیہ ، کوہ ہندوکش اور کوہ سلیمان ۔ ان میں کوہ ہمالیہ عظمتوں اور سربلندیوں کے اعتبار سے شہرۂ آفاق ہے اور چار متوازی سلسلوں پر مشتمل ہے ۔ (۱) سلسلۂ مضطاغ قراقرم (۲) سلسلۂ زاسکر (۳) وسطی ہمالیہ اور(۴) پیر پنجال ۔ سلسلۂ مضطاغ قراقرم سب سے اونچا ہے ۔۲ اس کی اکثر چوٹیاں، پچیس‌ہزار فٹ سے بھی بلند ہیں ۔ اسی سلسلۂ کوہ کے شمال میں سطح مرتفع تبت واقع ہے جو درہ قراقرم کے ذریعہ عبور کی جا سکتی ہے ۔ دوسرا سلسلۂ زاسکر ، سطح سمندر سے بیس ہزار فٹ بلند ہے ۔ اس میں دریائے سندھ اور اس کے معاون دریائے شیوک کے دھانے ہیں اور اس میں لداخ کی سطح مرتفع بھی ہے ۔ سلسلۂ پیر پنجال کی بلندی ان دونوں سلسلوں سے خاصی کم ہے ، اس کی سب سے بڑی چوٹی پندرہ ہزار فٹ اونچی ہے ۔

کوہ ہمالیہ سطح مرتفع پامیر سے شروع ہوتا اور جنوب مشرق اور جنوب مغرب کی طرف کمان کی شکل میں پھیلتا افغانستان کی حدود میں داخل ہوجاتا ہے۔ اس کی سب سے اونچی چوٹی ترچ میر کی بلندی پچیس ہزار دو سو تریسٹھ فٹ ہے ۔ یہ چوٹی دنیا کی دوسری بڑی چوٹی شمار ہوتی ہے ۔۳ کوہ ہمالیہ کے طول کے بارے میں راولنسن کہتا ہے کہ یہ ہندوستان کی شمالی سرحد افغانستان سے لے کر آسام تک ۱۶۰۰ میل لمبا ہے ۔۴

۱۔ کیمرج ہسٹری آف انڈیا ، جلد اول ص ۲۷—۲۸ ۔
۲۔ ریجنل جغرافیہ ص ۲۳۵ ۔
۳۔ ویدک ایج ص ۹۰ مطبوعہ لندن ۔
۴۔ انڈیا مصنفہ راولنسن مطبوعہ کریسنٹ پریس ص ۴ ۔

کوہ ہندوکش پاکستان کی مغربی دیوار ہے ۔ اور اس سنگین طویل دیوار کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے ، جیسے قدرت نے پاکستان کے پرے کے ملکوں اور اس میں ایک حدِ فاصل قائم کر رکھی ہے ۔ گو ان دنوں اس حدِ فاصل کا اکثر حصہ افغانستان کے قبضہ میں ہے ، لیکن کبھی ماضی بعید میں یہ سنگین دیوار سیاسی حد بندی کے طور پر بھی استعمال کی جاتی رہی ہے ۔ مثلاً چندر گپت اور سکندرِ اعظم کے جانشینوں کے عہد میں برابر ایک سو سال تک فریقین نے کوہ ہندوکش کو عبور کرنے کی زحمت گوارہ نہ کی تھی۱ ۔ نہ چندر گپت اور اس کے جانشین اس سے پرے گئے اور نہ ادھر کے لوگوں نے اس سمت کا رخ کیا ۔

البتہ یہ بھی ایک عجیب تاریخی حقیقت ہے کہ ارضِ پاکستان کے زیادہ تر قدیم باشندے اور عظیم حملہ آور فاتحین کوہ ہندوکش کی اس سنگین دیوار ہی کو پھاند کر اس سمت آئے تھے۲ ۔ کیونکہ قدرت نے خود ہی اس سنگین دیوار میں متعدد سوراخ کر رکھے ہیں اور ان سوراخوں تک رسائی پانے کے لیے ان کے ساتھ زمین بچھا دی ہے جس نے زمانۂ قدیم سے پامال راہ گزروں کی شکل اختیار کر رکھی ہے ۳ اور کوہ ہندوکش کے پرے کے علاقوں کے لوگوں نے جب بھی اس سمت آنا چاہا ان راہ گزروں نے ان کے پاؤں میں کبھی بھی سنگریزے نہیں چبھوئے ۔ جب بھی وسطی ایشیا ، شمالی ایران اور افغانستان کے منہ زور قبائل نے ، ارضِ مغربی پاکستان کا رخ کیا ان قدرتی میزبانوں نے انہیں ہر طرح کی سہولتیں مہیا کیں ۔ خصوصیت سے کوہ ہندوکش کے ساتھ ساتھ جو راہ وادیٔ کابل میں سے گزرتی دوہ خیبر تک پہنچتی ہے ، اس نے تو ماضیٔ بعید میں قریب قریب پاکستان پر حملہ آور ہونے والے ہر منہ زور اور قوی ہیکل سوار کے راستہ میں اپنی آنکھیں بچھائی ہیں اور ہر کارواں کو خوش آمدید کہا ہے ۔

ماضیٔ بعید میں جب کوئی پانچ ہزار سال اور تین ہزار سال قبل مسیح

۱۔ کیمرج ہسٹری آف انڈیا ۔ جلد اول ص ۳۴ ۔

۲۔ لینڈ آف فائیو ریورز ص ۶—۷ ۔

۳۔ ہولڈچ گیٹس آف انڈیا ۸۰-۹۱ - ۱۳۵-۱۳۶ -

کے درمیانی عہد میں عراق کے سومیرین۱ اور ڈراویڈن قبائل شمالی ایران اور افغانستان کو روندتے وادیٔ کابل تک آئے تھے تو اسی درۂ خیبر نے انہیں شمال مغربی پاکستان کے میدانوں کی راہ دکھائی تھی ۔ ان سے کوئی دو ہزار سال بعد جو دوسرا منہ زور انسانی ریلا سیلاب کے سے انداز میں ہنگری کے میدانوں سے وسطی ایشیا کی طرف بڑھا تھا اور جس نے پندرہ سو سال قبل مسیح میں کوہ ہندوکش تک رسائی پائی تھی۲ اس نے بھی درۂ خیبر کے ذریعہ سرحد اور پنجاب کے سرسبز اور شاداب میدانوں میں نزولِ اجلال فرمایا تھا ۔

پھر سکندر رومی کی فوجیں بھی ادھر ہی سے جہلم تک پہنچیں تھیں اور تاتاریوں اور منگولوں نے بھی بارہا اسی درہ کو استعمال کیا ۔ عظیم مغل تاجدار بابر کے جوان و رعنا ساتھیوں کے منور چہرے بھی پہلے پہل اسی درۂ خیبر نے دیکھے ۔۳

سرائے جمرود جو پشاور سے نو میل کے فاصلے پر ہے ۔۴ اس درہ کی راہ آنے والے ہر کارواں کو شب باشی کی لازماً دعوت دیتی ہے ۔ جو کارواں ادھر سے ادھر جا رہے ہوں ، انہیں بھی ایک رات کے لئے یہاں رکنا پڑتا ہے اور خیبر چوٹی کے اوپر کوئی تین ہزار چار سو فٹ بلندی پر تعمیر شدہ علی مسجد کے میناروں سے بلند ہونے والی اذان بار بار اس کی سماعت سے ٹکراتی ہے ۔

ایچ ۔ جی، راولسن کے نزدیک پشاور کا اصل نام پشپاپرہ تھا اور یہ

۱۔ آؤٹ لائن آف ہسٹری ایچ ۔ جی ۔ ولز ص ۱۶۳ ۔ سر ہولڈچ کے نزدیک ، سومیری ڈراویڈن نے درہ بولان کے راستہ بلوچستان میں راہ پائی تھی اور ان کی پہلی بستیاں ، بلوچستان ہی میں قائم ہوئی تھیں ۔ سر ہولڈچ گیٹس آف انڈیا ص ۸۰ ۔ لینڈ آف فائیو ریورز ص ۷۶ ۔

۲۔ لینڈ آف فائیو ریورز ص ۶ — ۷ ۔ نارتھ ویسٹ فرنٹیر بائی ڈیوس ص ۳۸

۳۔ ہولڈچ ، گیٹس آف انڈیا ص ۸۰—۹۱ ۔

۴۔ کیمرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول ص ۳۲ ۔

۵۔ انڈیا ، ایچ ۔ جی ۔ راولسن ص ۴ مطبوعہ کریسنٹ پریس ۔

اس وقت سے آباد ہے جب باہر کے لوگوں نے درۂ خیبر کی پیائش شروع کی۔ راماٹن اور مہا بھارت کی رو سے پشاور کا اصل نام پشکاروتی تھا اور یہ بھرت کے ایک بیٹے پشکارا نے آباد کیا تھا ۔۱

درۂ خیبر سے ملحقہ پہاڑیاں دور دور تک خشک اور ننگی بچی ہیں ۔ اور جب سورج تپتا ہے تو اس کی گرم شعاعیں ان پہاڑیوں پر جلتی آگ کا سا منظر پیدا کر دیتی ہیں اور ایسا لگتا ہے جیسے ہوا بھی جلنے لگی ہے ۔

مگر ازمنۂ قدیم سے خیبر کی یہ پہاڑیاں اپنی مہمان نوازی کے باعث بڑی شہرۂ آفاق ہیں اور انہوں نے نہ صرف وسطی ایشیا ، شمالی ایران اور افغانستان سے اس سمت آنے والے کاروانوں کو اپنے جلتے سایوں میں جگہ دی ہے بلکہ اپنی وادیوں میں ان میں سے کئی قبیلے آباد کر رکھے ہیں ۔

کوہ ہندوکش بھی ہمالیہ کی طرح سطح مرتفع پامیر سے شروع ہوتا ہے ۔ اس کی کئی شاخیں جنوب کی سمت پھیلتیں ، دریائے کابل پر اپنا سنگین سایہ ڈالتیں ، دریائے چترال ، دریائے پنجکوڑہ اور دریائے سوات کو اپنے دامن میں لے لیتی ہیں ۔ دریائے چترال اور دریائے سوات کے ناموں سے جو پہاڑی علاقے منسوب ہیں ، ان میں چترال کو بڑی اہمیت حاصل ہے ۔ اس کے شمال میں کوہ ہندوکش ، مشرق میں گلگت ، مستوج اور یاسین ہیں ۔ مغرب میں بدخشان اور کافرستان ہیں اور جنوب میں ریاست دیر ہے ۔ جو راہ مالاکنڈ ایجنسی سے دیر اور سوات کی سرحدوں تک دراز ہے ، وہ دیر کے اندر سے گزرتی چترال پہنچتی ہے ۔ یہ راہ یوں تو خاصی دشوار گزار ہے ، لیکن اس پر آمد و رفت عموماً جاری رہتی ہے ۔

چترال کے باشندوں کے اصل کے بارے میں کوئی واضح بات کہنا بہت مشکل ہے ۔ غالب خیال یہ ہے کہ یہ لوگ مخلوط النسل ہیں ۔ یوں یہ شہادتیں بھی میسر آئی ہیں کہ چترالیوں میں سے کچھ لوگ بہت قدیم عہد میں واخان اور پامیر سے نقل وطن کر کے یہاں آن بسے تھے ۔ ان میں سے بعض منگولین نسل سے بھی ہیں اور کچھ چینی حملہ آور بھی اپنا اثر یہاں چھوڑ گئے ہیں ۔

۱۔ ویدک ایج ص ۲۹۰ ۔ راماٹن جلد ۸ ص ۱۰۱ ۔

سر اورل سٹین کے نزدیک چترالیوں اور آسٹر اور گریز کے باشندوں میں شکل و صورت کے لحاظ سے بہت تشابہ ہے[۱] ۔ اس لیے ان کا گمان ہے کہ آسٹر ، گریز اور چترال کے باشندے ایک ہی نسل کے ہیں ۔

چترال تین حصوں پر مشتمل ہے ۔ توری کوہ ، مل کوہ ، اورلدکوہ ۔ یہ اپنے گھنے جنگلات کی وجہ سے بڑی شہرت رکھتا ہے ۔ چترال کے جنوب میں دیر ، سوات ، بجوڑ اور بنیر کی ریاستیں ہیں ۔ ان تینوں ریاستوں میں سوات کی وادی اپنی زرخیزی و شادابی اور خوبصورتی کے لحاظ سے کشمیر سے چشمک کرتی معلوم ہوتی ہے ۔ مالاکنڈ ایجنسی سے جو راستہ دریا ئے سوات کو عبور کرتا وادی کے اندر داخل ہوتا ہے اس کے دونوں طرف ہموار میدان خاصی دور تک بڑھے چلے گئے ہیں ۔

سوات ، دیر ، بجوڑ اور بنیر کے باشندوں میں غالب تعداد یوسف زئیوں غوری خیلوں ، ولزکوں ، زیرانیوں اور داؤد زئیوں کی ہے ۔ ان سے ملحقہ علاقوں نندھار ، تکرئی ، دیش اور ہزارہ میں سواتی آباد ہیں جو ان علاقوں کے قدیم ترین باشندوں کی نسل میں سے ہیں ۔ مہمند قبیلہ جن پہاڑوں میں رہتا ہے وہ بھی خشک اور بے آب و گیاہ ہیں ۔ زراعت آسان نہیں ہے ۔ پھر بھی کہیں کہیں اس قبیلہ کے لوگ کنوؤں کی مدد سے کاشت کر لیتے ہیں[۲] ۔

تیرہ کی پہاڑیاں بھی زیادہ تر خشک ہیں ۔ لیکن تیرہ کی جنوبی وادیوں میں کاشت ہوتی ہے ۔ وہاں کی زیادہ تر آبادی یوسف زئی، اورک زئی اور وزیری اور غلزئی قبائل پر مشتمل ہے ۔

تیرہ کے مغرب میں کرم وادی ہے ، جسے دریائے کرم نے تخلیق کیا ہے ۔ وادئ کرم کے آباد کار توریوں کا دعویٰ ہے کہ وہ وادئ سندھ اور نیلاب کے قدیم ترین باشندوں کی اولاد ہیں[۳] ۔

---

۱ ۔ لنگوسٹک سروے آف انڈیا ۔ جلد ۸ ۔ ۱۱ ۔ ۱ ۔ ۳ ۔
رابرسٹن کافرز آف ہندوکش ، ص ۴۴۳ ۔

۲۔ نارتھ ویسٹ فرنٹیئر ، ص ۲۸ ۔
ایڈورڈزیٹیر ان پنجاب فرنٹئر ، ص ۶۹-۷۱ ۔

۳۔ نارتھ ویسٹ فرنٹیئر ، ص ۵۸ ۔ ۶۲ ۔ ۶۳ ۔ ۶۸

وادی کابل کے جنوب میں سفید کوہ ہے اور اس کے جنوب اور وادی کرم اور درۂ گومیل کے مابین وزیرستان کا علاقہ ہے جو خشک پہاڑیوں اور وادیوں پر مشتمل ہے ۔ اس کے مغرب میں خوست اور برمل کی پہاڑیاں ہیں جو مغربی پاکستان کی سرحد سے باہر ہیں ۔ اس کے باشندوں میں درویش خیل ، محسود ، دواری اور بیٹانی بہت ممتاز ہیں ۔ وزیرستان کی شمالی سرحد پر درۂ گومیل اور مروات واقع ہیں ، جہاں بیٹانیوں کی اکثریت ہے ۔ بنوں سے لے کر کوہاٹ تک کے پہاڑی علاقہ اور وادیوں میں خٹک قبیلے آباد ہیں ۔ بنوں میں بنوچی اور مرواتی رہتےہیں ۔ ڈیرہ اسماعیل خاں کے اس پہاڑی علاقہ میں جو تخت ِ سلیمان کے گرد پھیلا ہے شیرانی پٹھانوں ں آبادیاں ہیں ۔ ۱

فاضل ھیو کینڈی کی رو سے ، بہت قدیم عہد میں ، جو راستہ قندھار سے چلتا اور کرم وادی کے اندر سے ہوتا پنجاب تک پہنچتا تھا اس پر چلنے والے مسافر کافر کوٹ کے مقام پر سندھ کو عبور کرتے اور پھر آگے چنیوٹ تک بڑھے چلےجاتے ۔ ایک اور راہ ، ڈیرہ غازی خاں اور ڈیرہ اسماعیل خاں تک پہنچتی اس کے ذریعہ آنے والے کاروانوں کو ان دونوں مقامات سے دریائے سندھ عبور کرنا پڑتا تھا ۔

فاضل کینڈی کا بیان ہے ۔ کہ گو ان مقامات کے نام نئے ہیں ، لیکن جگہیں بہت پرانی ہیں ۔۲ کوہ سلیمان بھی کوہ ھندوکش کی طرح ، پاکستان کی مغربی فصیل ہے ۔ اس کی سب سے اونچی چوٹی گیارہ ہزار فٹ بلند ہے ۔ یہ پہاڑ پاکستان کی حدود میں خاصا آگے کی طرف بڑھ آیا ہے اور قدیم پنجاب کے خطہ اور بلوچستان میں حائل ہے ۔ اس کی ایک شاخ کوتھار نامی ، ارضِ سندھ اور بلوچستان کو ایک دوسرے سے الگ کرتی ہے ،۳۔کوتھار یا کیرتھر کےدرمیان میں وہ مشہور درۂ بولان ہے جس میں سے ازمنۂ قدیم سے ایک راہ ، چمن سے ہوتی قندھار پہنچتی ہے اور جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ شاید ، پاکستان کے سب سے پہلے آباد کار سومریوں نے اسے استعمال کیا تھا اور یہ وقت آج سے سات ہزار سال پہلے کا

۱۔ ھیو کینڈی ، لینڈ آف فایو ریورز ، ص ۸۳ ۔

۲۔ ریجنل جغرافی ص ۲۳٦ ۔

۳۔ آؤٹ لائن آف ھسٹری ص ، ۱۹۳ ۔

وقت تھا ۔ درۂ بولان اور درۂ خیبر کے مابین کرم ، ٹوچی اورگومل کی وادیاں ھیں اور ان ھی کے ناموں کے درے بھی ھیں جن کے راستہ غزنی اور کابل تک پہنچا جا سکتا ھے ۔ ان دروں کے راستے بھی بہت قدیم ھیں ۔ خصوصیت سے ماضی بعید میں درۂ گومل کی راہ تو تجارتی کاروانوں کی محبوب ترین راہ تھی ۔ ۱

کوہ ھندوکش اور کوہ سلیمان اور ان کی متعدد شاخوں کے علاوہ ، مغربی پاکستان میں دو اور پہاڑی سلسلے یا سطح ھائے مرتفع بھی ھیں ۔ پہلی مرتفع سطح نے کوھستان نمک یا سطح مرتفع پونٹھوھار کا نام پایا ھے اور دوسری جنوب مغربی سطح بلوچستان کے نام سے موسوم ھے ۔ یہ دونوں مرتفع سطحیں کہیں کہیں تو ایک ھزار فٹ اونچی ھیں ، کہیں دو ھزار اور کہیں تین ھزار تک بلند ھیں ۔ پہلی سطح مرتفع زیادہ خشک نہیں ھے مگر دوسری حد درجہ خشک ھے ۔

مذکورہ بالا پہاڑی سلسلوں اور سطح ھائے مرتفع کے علاوہ ، قدرت نے مغربی پاکستان کو ایک وسیع و عریض ھموار میدان سے بھی نوازا ھے ۔ جو دریائے سندھ کی عظمت و بزرگی کے اعتراف میں سندھ کا بالا اور زیریں میدان کہا گیا ھے ۔ درحقیقت یہی وسیع و عریض میدان ھے جس سے نہ صرف پاکستان کی زرعی خوشحالی وابستہ ھے بلکہ اس پر ، اس کی ساری تہذیبی اور تمدنی رفعتوں کا انحصار ھے ۔

۱۔ لینڈ آف فائیو ریورز ، ص ۷۶ ۔ ھولڈچ ص ۸۰ (ایچ ۔ جی ۔ ولز)

دریائے سندھ اور اس کا میدان

یہ طویل و عریض میدان کشمیر سے شروع ہو کر بحیرۂ عرب تک پھیلا چلا گیا ہے ۔ اس میدان کی تخلیق ، دریائے سندھ اور اس کے معاونوں نے کی ہے ۔ دریائے سندھ کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے ، مشہور یونانی سیاح میگاستھین نے بجا طور پر اسے ایشیا اور یورپ کے دریاؤں پر تقدم بخشا ہے[۱] ۔ وہ کہتا ہے کہ اگر ایشیا اور یورپ کے بڑے دریاؤں کو یکجا بھی کر دیا جائے تو بھی یہ سارے کے سارے دریا ، سندھ سے ہم سری نہیں کر سکتے جو بجائے خود ایک بہت بڑا دریا ہے اور جس کی عظمت اس وقت تو بہت بڑھ جاتی ہے جب اس میں اس کے پندرہ معاون آن شامل ہوتے ہیں[۲] (دوسرے یونانی مصنف آرین نے ، دریائے سندھ کے معاونوں کی تعداد انیس بیان کی ہے) میگاستھین کے نزدیک اگر کوئی دریا سندھ کا رقیب ہو سکتا ہے تو وہ گنگا ہے ۔ مگر سندھ نے اپنے اس بڑے رقیب پر اس لئے سبقت پا لی ہے کہ اس کے نام سے یہ سر زمین منسوب ہے[۳] ۔

اس اجمال کی تفصیل مشہور مستشرق ماکس مولر نے کی ہے ۔ ان کی رو سے دریائے سندھ کا اصل نام سندھو تھا ، اس نام سے ، اسے رگ وید نے بھی خراج تحسین ادا کیا ہے اور اسی نام سے قدیم یونانی سیاحوں نے اسے یاد کیا ہے ۔ خصوصیت سے سکائی لیکس نے اسے یہی نام دیا ہے ۔ اس سیاح نے دارا گشتاسپ (۵۲۱ - ۴۸۶ ق م) کے عہد میں پشتو یا پختو سے لے کر دریائے سندھ کے دہانہ تک کا سفر کیا تھا ۔

ماکس مولر کی رو سے ہندو درحقیقت سندھو تھا ۔ چونکہ دریائے سندھ کے آس پاس رہنے والے آرین قبائل ، ایرانیوں کی طرح س کا تلفظ ہ کے ساتھ

۱- ۲- میگاستھین ، اینشنٹ انڈیا ترجمہ میک کرنڈلے مطبوعہ کلکتہ ، ص ۴۵

۳- انڈیکا آرین مطبوعہ کلکتہ ، ص ۱۳۳ -

بدل لینے کے عادی تھے اس لئے انہوں نے سندھو کو ھندو کیا اور امتداد زمانہ سے ، ھندو کی ہ بھی حذف ہوئی اور انڈو بولا جانے لگا ۔ اس انڈو کے تناسب سے ، یونانی سیاحوں نے دریائے سندھ کو انڈس کا نام دیا ہے ۱ ۔

فاضل میک کرنڈلے کا بیان ہے کہ سندھو کے معنیٰ قاسم ، محافظ اور ناصر و دافع کے ہیں اور اس کا اصل لفظ سدھ ہے ، جس کا معنی دور رکھنے کے ہیں اور وسیع و عریض دریا کا نام اس کے سوا اور کوئی نہ رکھا جا سکتا تھا ، جو امن پسند باشندگانِ ملک کو بیرونی حملہ آوروں ، وحشی قبیلوں اور درندوں سے محفوظ رکھتا تھا ۲ ۔

میک کرنڈلے ، دریائے سندھ کے اضطرابی مزاج اور شدت و ہیجان پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں ،کہ اس عظیم دریا نے اپنے تموج اور اضطراب کے سبب ، قدیم ادوار میں کئی راستے بدلے ہیں ۔ وہ کبھی ایک جگہ بہتا رہا ہے اور کبھی دوسری جگہ ۔ مثلاً مقدونی حملہ کے وقت اس نے سوگدی سلطنت کے پایۂ تخت آرور کے قریب دو شاخےدریا کی شکل اختیار کر لی تھی اور دو درجوں یا منزلوں کے فاصلے میں دو پیندوں میں بہتا چلا گیا تھا اور اس کے ان دو پیندوں کے درمیان ایک لمبا جزیرہ تخلیق ہو گیا تھا جسے پلینی نے پرسیکے کا نام دیا ہے ۔ لیکن اب وہ اس فاصلے میں دوبارہ ایک پیندے میں بہنے لگا ہے ۔ اس نے اپنا مشرقی پیندا ترک کر دیا ہے اور اس طرح کبھی جو علاقہ بہت زرخیز و شاداب تھا اب مکمل ریگستان بن گیا ہے ۔"

فاضل میک کرنڈلے نے ، اس تصریح کے بعد مشہورِ عالم جغرافیہ دان ٹولمی کی اس غلطی کی طرف اشارہ کیا ہے ، جو اس عظیم جغرافیہ دان کو دریائے سندھ کے منبع کے بارے میں ہوئی تھی ۔کیونکہ اس نے ، اس کا منبع دارادرآئی کے ملک میں بیان کیا ہے اور کہتا ہے کہ یہ دارا درآئی کے علاقہ سے نکل کر مشرق کی سمت پیراپنیسیس کی طرف بہنے لگا ہے ۔ حالانکہ اس

۱۔ اینشنٹ انڈیا ص ۸۲، مطبوعہ کلکتہ ۔ اینشنٹ انڈیا اینڈ انڈین سویلزیشن مصنفہ پان میسن مطبوعہ لندن ، ص ۱ ۔ انڈیا ، ایچ جی راولسن ، ص ۳ مطبوعہ کریسنٹ پریس ۔

۲۔ انسائیکلو پیڈیا آف ارسچ اینڈ گوبیرل مقالہ بنفرےبہعنوان انڈین ص ۲۰۱ ۔

کی تخلیق کافی دور کے جنوبی علاقہ تبت سے ہوئی ہے اور اس کا منبع دریائے ستلج کے قریب کوہ کیلاسا کے شمالی سمت واقع ہے ۔ اور یہ جگہ ہندوستانی مذہبی روایات میں بڑی اہمیت رکھتی ہے ، کیونکہ یہ کوبیرا کا مسکن تھی ، اور شیوا کی جنت تھی ۔ اس کی اصل سمت شمال مغرب ہے ، یہاں تک کہ وہ اس سمت سے بہتا بد خشاں تک پہنچتا ہے اور وہاں سے ایک دم جنوب کی طرف مڑ جاتا ہے ۔۱

ٹولمی کی طرح ایرین کو بھی یہی غلطی لگی تھی اور اس نے بھی سندھ کے ماخذوں ، سرچشموں اور سوتوں کو پیراپنیسیس کے زیرین حصہ میں واقع ظاہر کیا ہے ۔ فاضل میک کرنڈلے مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بہرحال یہ غلطی پرانے مصنفوں میں سے کئی اور کو بھی لگی تھی اور دریائے سندھ کے اصل منبع و دھانہ کے بارے میں ، صرف حال ہی میں صحیح صحیح تعین ہوا ہے ۔

دریائے سندھ کے معاون

فاضل میک کرنڈلے کے نزدیک ٹولمی نے دریائے سندھ کے منبع کے بارے میں جو غلطی کی ہے ویسی ہی غلطی اس سے ، سندھ کے پہلے بڑے معاون دریائے کابل اور اس کے اتصال کے بارے میں بھی ہوئی ہے ۔ وہ ان دونوں کے اتصال کا مرحلہ منبعے سے لے کر اتصال تک ۱۱ منازل و درجات میں تقسیم کرتا ہے حالانکہ ، یہ کل دس درجات ہیں ۔۲

بہرحال ٹولمی اور ایرین دونوں کی رو سے دریائے کابل ، دریائے سندھ کا پہلا وہ بڑا معاون ہے جو مغرب کی سمت سے اس کے ساتھ ملتا ہے ۔ باقی معاون سارے کے سارے مشرق ہیں ۔ یونانی سیاح جغرافیہ دان سٹریبو نے ان معاونوں کی تعداد ۱۵ اور پلینی نے ۱۹ بیان کی ہے ۔ (ایرین نے بھی انیس۳ کی تعداد پر انحصار کیا ہے) ان میں سے کئی معاونوں کا ذکر رگ وید میں بھی ہوا ہے ۔ مثلاً رگ وید کا ایک منتر ہے "اے سندھو ! تم پہلے اپنے بہاؤ میں ترشتا ، ساسارتو ، راسہ ، سرسوتی سے ملتے ہو ، پھر ، گوماتی

۱۔ میک کرنڈلے ، ص ۸۳ ، مطبوعہ کلکتہ ۔

۲۔ اینشنٹ انڈیا ٹولمی مترجمہ میک کرنڈلے ، ص ۸۵ ، مطبوعہ کلکتہ ۔

۳۔ ایرین انڈیکا مطبوعہ کلکتہ ، ص ۱۴۳ ۔ ،

کروسو ، کوبھا ، اور ھتنو کو بھی اپنے ساتھ لیتے ھو اور انھیں اپنے دامن میں بھرکر ، آگے کی طرف بہتے رھتے ھو - ۱"

مغربی معاون

ٹولمی نے ، دریائے کابل کو کوہ کا نام دیا ھے اور تصدیق کی ھے کہ یہی وہ تنہا بڑا دریا ھے جو مغرب میں ، دریائے سندھ سے متصل ھوتا ھے - دوسرے قدیم مصنفین نے ، دریائے کابل کو کوبھین یا کوپھیس کے نام سے یاد کیا ھے۲ - یوں رگ وید ، اسے کبھ کہتا ھے اور تائید کرتا ھے کہ دریائے کابل ، دریائے سندھ سے اتصال سے پہلے کئی دریاؤں کو اپنے سینے سے لگا چکتا ھے - مثلاً سطح مرتفع پامیر سے نیچے کو گرنے والے دریائے کنار اور دریائے سوستوس ، یا دریائے سوات، دریائے پنجکوڑہ اور دریائے چترال کو جب تک اپنے ساتھ نہیں ملا لیتا ، اپنے آپ کو سندھ کے سپرد نہیں کرتا -

سر تھامس ھنگر فورڈ ھولڈچ کی رو سے ، سندھ کے مغربی معاونوں میں جہاں دریائے کابل ، اس کے ضمنی معاون کنار ، سوات ، چترال ، ھنزہ ،گلگت خاصی اھمیت رکھتے ھیں ، وھاں شمال مغربی سرحدی وادیوں کی زرخیزی و شادابی کے ضامن کرم ، گوچی اور گومیل بھی قابلِ ذکر ھیں جو پہاڑی راہ گزروں میں سے بڑی تندی اور تیزی کے ساتھ بہتے اپنے تخلیق کردہ کھلے میدان ڈیرا جٹ میں سے گزر کر سندھ کے ساتھ آن ملتے ھیں -

فاضل سرتھامس ھنگر فورڈ کی رو سے ، کرم و ٹوچی ، اور گومیل کی رفتار حالانکہ بہت تیز ھے ، تا ھم ، ان کی گزر گاھیں ، دریائے سوات اور کابل کی طرح صدیوں سے تبدیل نہیں ھوئیں ، لیکن سندھ کے مشرقی معاونوں اور خود جناب سندھو نے ، ماضی بعید میں اپنی راھیں اکثر تبدیل کی ھیں - البتہ یہ تنکمزاج ، ھرجائی اور شوریدہ سر دریا ، جب تک پہاڑوں کے اندر محدود رھتے ھیں ، سوات اور کابل اور دوسرے پہاڑی دریاؤں کی طرح اپنے پیندے تبدیل نہیں کرتے کیونکہ ان کے پیندوں کے دونوں سمت کے پہاڑ انہیں آپے سے باھر ھونے نہیں دیتے ، حالانکہ وہ اپنے دامن میں مٹی

۱- رائل ایشائک سوسائٹی - این - ایس جلد ، ص ۳۵۹ - ۳۶۰ -

۲- بنفے انڈین ، ص ۴۴ کننگھم ، ص ۳۷ - ۳۸ - راولسن ایریانہ اینٹک ، ص ۱۳۸ - ۱۸۸

کا خاصا بھاری مواد لے کر آگے بڑھتے ھیں ۔

فاضل ہولڈوچ کہتے ھیں ، ماضی بعید میں کبھی شاید ایسا بھی ہوا ہو کہ عظیم سندھ کی پہاڑی گزرگاہ کے سر پر نگران چٹانیں ، اس کے بہاؤ کی شدت وھیجان کے سبب یا قدرتی اثرات کے ماتحت اپنی جگہ سے کھسک کر سندھ کے پیندے میں آن گری ھوں ، اور اس کی روانی پر اثر انداز ہوئی ھوں ۔ مگر اس شدید رو ، ھیجانی دریا نے ایسے حادثوں کو کبھی زیادہ اھمیت نہیں دی ، اس کی تند و تیز موجیں ان چٹانوں سے زور زور سے سر پھوڑتیں اپنی راہ ھموار کر لیتی رھی ھیں ۔ اس سلسہ میں سیلابوں اور شدت کی بارشوں نے ان سے ھمیشہ تعاون کیا ھے ۔۱

دریائے سندھ کا منبع

فاضل ھولڈچ نے عام جغرافیہ نویسوں سے سندھ کے منبع کے تعین و تشخص میں اتفاق کیا ھے اور کہا ھے کہ سندھ کا منبع مغربی تبت کے اسی حصہ میں واقع ھے ، جہاں سے ستلج اور برھم پترا کے چلے سوتے پھوٹتے ھیں ۔ اس جگہ سے ھندوستان کے عظیم و جلیل دریا گنگا کا دھانہ بھی کچھ دور نہیں ھے اور ستلج اور سندھ کے ابتدائی سوتوں کے تقریباً وسط میں چناب اور راوی کے سر چشمے ھیں ۔

دریائے سوات

دریائے سولتاس یا سوات کے بارے میں فاضل میک کرنڈلے نے تصریح کی ھے کہ تمام قدیم ماخذ اس باب میں متحد الخیال ھیں کہ سنسکرت یا رگ وید کا گوری ، اور قدیم مصنفین کا سوساتوس دریا ، دریائے سوات ھی ھے جو پنج کوڑہ دریا کا سب سے بڑا معاون ھے اور جو ، دریائے سندھ سے اتصال سے کس قدر پہلے ، اس سے بغل گیر ھوتا ھے ۔ سوساتوس ، یوں تو چھوٹا سا دریا ھے ، لیکن بڑی تاریخی عظمت کا حامل ھے ۔ حتیٰ کہ مقدس رگ وید میں اس کا ذکر موجود ھے اور مہا بھارتہ میں بھی اسے یاد کیا گیا ھے ۔ یونانی سیاح ایرین نے بھی اس کا نام لیا ھے ۔۲

۱۔ سر ھولڈچ ، انڈیا، ص ۱۳۳ - ۱۳۴ - ۱۳۵ (مطبوعہ ھنری نورڈ لندن ۱۹۰۵ء) ۔

۲۔ ٹولمی بہضمن اینشنٹ انڈیا ، ص ۸۹ ترجمہ میک کرنڈلے مطبوعہ کلکتہ ۔

دریائے سندھ کے مشرقی معاون

ٹولمی نے دریائے سندھ کے مشرقی معاونوں اور پنجاب کے پانچ مشہور دریاؤں کے نام بیان کرتے وقت انہیں ، بید اسپیس (جہلم) ، سنداببل (چناب) ، ادریس یا روندیس (راوی) ، بیباس (بیاس) اور زراد روس (ستلج) ظاہر کیا ہے ۔

فاضل میک کرنڈلے اور سر ایچ راولنسن کہتے ہیں کہ یہ ملک پنجاب دراصل ھفت آب یا سپتا سندھو کہلاتا تھا ۔ ویدک آرین ، اسے اسی نام سے یاد کرتے تھے ، کیونکہ راوی ، بیاس ، ستلج ، چناب اور جہلم کے علاوہ سندھ بھی تو اسی علاقہ کا عظیم آبی سرمایہ تھا ۔ مزید براں دریائے سرسوتی بھی کبھی اس ملک کا ایک بڑا دریا تھا ، اور ان دونوں کو شامل کر کے پانچ کی تعداد سات بن جاتی ہے ۔

بہر حال یہ سارے کے سارے معاونین سندھ ، سندھ کی طرح اضطرابی مزاج رکھتے ہیں اور ان سب نے ، ویدک زمانہ سے لے کر میک کرنڈلے کے زمانہ تک کئی بار اپنی راہیں تبدیل کی ہیں ۔۱ ٹولمی نے جب اس ملک کی سیاحت کی تھی تو جہلم یا بیداسپس کے بارے میں رائے قائم کی کہ یہ ان پانچ یا سات دریاؤں کی نسبت سب سے زیادہ مغربی سمت کا دریا ہے ۔ یہ وادیٔ کشمیر کے مقام ویری ناگ سے نکل کر ، سرینگر کی طرف بہتا ، قریب قریب پوری وادیٔ کشمیر کا سفر کرتا ، چناری کے قریب پاکستان کے حدود میں داخل ہوتا ہے ۔ کشمیری ، اسے بیداستہ کا نام دیتے ہیں جو رگ وید کے عطا کردہ نام وتاستہ سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے ۔ وتاستہ کے معنی سنسکرت میں وسیع طرف کے ہیں ۔ متقدمین نے سوائے ٹولمی کے اس کا نام بیداسپس لکھا ہے ۔ میک کرنڈلے کا بیان ہے کہ یہی دریائے جہلم ہے ، جس کے کنارے سکندر مقدونی نے پورس کو شکست دی تھی اور فتح کی خوشی میں ، نکیا نامی شہر آباد کیا تھا ۔۲

۱۔ ٹولمی مترجمہ میک کرنڈلے ، ص ۸۹ ۔ راولسن انڈیا ص ۵ ، مطبوعہ کریسنٹ پریس ۔

۲۔ بہ ضمن اینشنٹ انڈیا ۔ ٹولمی مترجمہ کرنڈلے ، مطبوعہ کلکتہ ، ص ۹۰۔

ٹولمی کا سنداہل دریائے چناب ہے ۔ جو سنسکرت میں چندر بھاگا تھا ۔ رگ وید میں اس کا نام اسکینی بیان ہوا ہے ۔ مقدونی کے حملے کے وقت یونانیوں نے اس کا نام اکیسنس رکھا ۔ کہا جاتا ہے کہ فاتح مقدونی کے ساتھیوں نے اس کے اصل نام چندر بھاگا میں نحوست محسوس کی تھی ۔ کیونکہ ان کی اپنی زبان میں ایسا ہی ایک لفظ انڈرو بھاگوز یا الیگزنڈرو بھوگو "الیگزنڈر پر غالب" کے ہم معنیٰ موجود تھا ۔ اس لیے انہوں نے اس دریا کے دونوں ناموں سے زیادہ قدیم نام اکیسنس کو اپنا لیا ۔

ٹولمی کہتا ہے کہ یہ دریا ، پنجند کے تمام دریاؤں سے زیادہ طویل ہے ۔ وگنی نے اس جھیل کا نام چندر بھاگا بیان کیا ہے جس سے یہ دریا نکلتا ہے ۔ پلینی نے چندر بھاگا کا تلفظ بگاڑ کر ، چنتبرا یا کینٹابا کر لیا ہے ۔

مقدونی مؤرخین کی رو سے یہ دریا جب بداسپس یا جہلم کو اپنے ساتھ ملا لیتا ہے ، تو اس کے تموج میں خطرناک حد تک اضافہ ہو جاتا ہے ۔ مقدونی مؤرخین کے اس بیان کو کرنڈلے نے مبالغہ پر مبنی قرار دیا ہے ۔ یوں ہو سکتا ہے کہ تین سو سال قبلِ مسیح میں جہلم اور چناب کے باہم ضم ہو جانے کے بعد یہی کیفیت پائی گئی ہو اور امتدادِ زمانہ نے اس میں بہت کمی کر دی ہو ۔ فاضل کرنڈلے نے یہ بات تسلیم کی ہے ، کہ مقدونی کے حملہ کے وقت یہ دونوں دریا اوچ کے قریب ایک دوسرے میں ضم ہوتے تھے ۔ لیکن ان دنوں ان کا مقام اتصال خاصا پیچھے ہے ۔۱

جغرافیہ دان ٹولمی کا آدریس یا رھوڈیس موجودہ دریائے راوی ہے ۔ راوی ، سنسکرت کے لفظ ایراوتی کا مخفف ہے ۔ فلسفی ایرئن نے اس کا نام ہائی ڈروٹس ، اور سٹرابو نے ہائی روٹس بتایا ہے ۔۲

۱۔ بہ ضمن اینشنٹ انڈیا ٹولمی مترجمہ کرنڈلے ، مطبوعہ کلکتہ ، ص ۹۰ ۔

۲۔ اینشنٹ انڈیا ۔ ٹولمی ص ۹۳–۹۴ ۔ مترجمہ میک کرنڈلے ، مطبوعہ کلکتہ ۔ نیز ملاحظہ ہو انڈین اینٹک ۔ جلد پنجم ۔ ص ۳۳۰–۳۳۱–۳۳۳ ۔

ایرئن کے نزدیک دریائے راوی کے تین معاون تھے ، ھائی فس ، سرنگیز ، اور نیوڈ روز ۔ یہ تینوں معاون ھندی میں کن ناموں سے موسوم ہوئے ھیں ، کرنڈلے اس پر کوئی روشنی نہیں ڈالتا ، اور نہ اس کے منبع اور کسی دوسری وضاحت سے دلچسپی لیتا ھے ۔

ٹولمی جسے بیبئیس کا نام دیتا ھے وہ ھندی کا دریا بیاس ھے ۔ سنسکرت میں اسے ویپاسہ کہا گیا ھے ۔ ویپاسہ کے معنی پھندا کاٹنے والے کے ھیں ۔ روایت ھے کہ رشی وسِشتھ نے خود کو جس پھندے کے ذریعہ پھانسی دینے کی کوشش کی تھی ، اسے دریائے بیاس کی غضب ناک موجوں نے بہا دیا تھا ۔ سٹرابو نے اس کا نام ھائی پنس اور پلینی نے ھائی پیس تحریر کیا ھے ۔

یونانی مصنفوں کی رو سے ، یہی دریائے بیاس ھے ، جس کے کنارے تک پہنچ کر ، سکندر مقدونی نے واپسی اختیار کی تھی ۔۱

ٹولمی کے نزدیک جس دریا کا نام زیرا ڈوروس تھا وہ ستلج ھے اور یہ پنجند کے تمام دریاؤں میں زیادہ مشرق سمت کا دریا ھے ۔ سنسکرت میں اس کا نام ستادرو تھا ۔ پلینی نے اس کا نام ھیسی ڈروس لکھا ھے ۔ ٹولمی کہتا ھے کہ ستلج ، سندھ میں اس وقت ملتا ھے جب پنجند کے تمام دریاؤں کو اپنے اندر ضم کر لیتا ھے ۔ حالانکہ یہ بات حقیقت کے خلاف ھے ۔ یہ ستلج نہیں دریائے چناب ھے جو سندھ کے بعد پنجاب کے تمام دریاؤں پر تقدم رکھتا ھے اور یہی وہ دریا ھے جو راوی ، جہلم ، اور چپرایا زیریں ستلج کو اپنے ساتھ ضم کر لینے کے بعد مٹھن کوٹ کے قریب سندھ سے مل جاتا ھے ۔۲

ٹولمی نے دریائے کابل اور دریائے سندھ کے مقام اتصال سے ، سندھ کے منبع اور سمندر میں گرنے کے مابین مسافت بھی متعین کی ھے ۔ وہ کہتا ھے کہ جس مقام پر دریائے کابل پہاڑوں سے سر پھوڑتا اور انتہائی شور مچاتا دریائے سندھ میں اپنے آپ کو ڈال دیتا ھے یہ مقام سندھ کے منبع سے ۸۷۳ میل اور سمندر سے ۹۴۲ میل دور ھے ۔ ٹولمی نے ستلج

۱۔ آرین ، انڈیکا ص ۱۴۳—۱۴۴

۲۔ انڈین انٹیک جلد ششم، ص ۱۳۳ ۔ جلد پنجم، ص ۳۳۰ ۔ ۳۳۱ ۔ ۳۳۳

اور سندھ کے مقامِ اتصال کا فاصلہ دریائے کابل کے اتصال سے ۴۹۰ میل متعین کیا ہے۔

دریاؤں کے کناروں کی آبادیاں

بہرحال پاکستان کے یہی مذکورہ بالا دریا، اس کے طویل و عریض میدان کے خالق اور اس کی زرعی حیات کے ضامن ہیں۔ اور یہی وہ دریا ہیں جن کے کناروں پر، عراق سے آنے والے سومیرین اور ڈراویڈن نے آج سے کوئی سات ہزار سال تبل۔ پہلی بستیاں بسائی تھیں اور پہلے کھیت بوئے تھے۔ ان دنوں نہریں نکالنے پر آدمی نے چونکہ قدرت نہیں پائی تھی اور دریاؤں کا پانی زیادہ فاصلہ پر لے جایا نہ جا سکتا تھا اس لیے پاکستان کی تمام تر پہلی آبادیاں، دریاؤں ہی کے کناروں تک محدود تھیں۔

خصوصیت سے، وادیٔ سندھ کی وہ تہذیب، جسے ماہرینِ آثار قدیمہ نے بابل اور مصر کی تہذیب کا ہم پلہ ٹھہرایا ہے سندھ کے کنارے کنارے ہی پروان چڑھی تھی۔ اسی طرح ہڑپا کا تہذیبی دور بھی، راوی کے کنارے کنارے تک محدود رہا۔[1]

رگ وید سے، ایسی کئی شہادتیں میسر آئی ہیں جن سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ پہلے قبائل بھی شروع شروع میں دریاؤں ہی کے کنارے آباد ہوئے تھے۔

مثلاً، کورو قبیلہ کی شاخیں، اترا مدرا، چناب اور راوی کے کناروں پر صدیوں آباد رہیں اور یہیں سے یلغار کرتیں بھرت ورتہ میں پہنچیں۔[2]

دریاؤں سے نہریں نکالی گئیں

اس میں کوئی کلام نہیں ہے، کہ جب پاکستان کے باشندے دریاؤں سے نہریں نکال لینے پر قادر ہوگئے، تو ان کی بستیاں، دریاؤں سے دور ہٹتی چلی گئیں۔ یوں بھی کثرتِ آبادی نے بستیوں کا

۱- ویلر ص ۱۵—۱۶۔

۲- کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول ص ۱۲۱۔

دامن چاروں طرف پھیلا دیا ۔

ان دریاؤں سے کب اور کس وقت پہلے پہل نہریں کھودی گئیں اس بارے میں کچھ وثوق سے کہنا بہت دشوار ہے ۔ ہیو کینڈی کا خیال ہے کہ آرین قبائل نے گو دریاؤں سے کہیں کہیں نہریں نکال تو لی تھیں مگر انہیں اس فن میں مہارت تامہ حاصل نہ تھی -۱

البتہ ایچ جی ویلز کا بیان ہے کہ آرین تو خیر آرین تھے ، سات ہزار سال قبل کے عراقی سومیرین دریاؤں سے نہریں کھودنے کے فن میں بڑے ماہر تھے -۲

اگر فاضل ایچ جی ویلز کے اس بیان پر بھروسہ کیا جائے اور ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ عراقی سومیرین ہی میں سے وہ انسانی گروہ تھے جو پہلے پہل شمال مغربی ہند میں آباد ہوئے تھے تو پھر یہ ماننا پڑے گا ، کہ مغربی پاکستان کے ان دریاؤں سے نہریں کھودنے کا زمانہ بہت قدیم ہے ۔ یوں تاریخ نے حتماً ، جس عہد کو دریاؤں سے نہریں کھودنے کا عہد قرار دیا ہے ، وہ بکرما جیت ، چندر گپتا اور اشوکا کا عہد ہے ۔ اور جوں جوں زمانہ اور آگے کی طرف چلا ، دریاؤں سے نہریں نکالنے کے فن نے مزید ترقی کے منازل طے کیے ، اور زمانہ حال میں تو مغربی پاکستان کی زرعی زیست کا زیادہ تر انحصار ان نہروں ہی پر ہے ، جو ان دریاؤں سے ، تقسیم سے پہلے اور تقسیم کے بعد نکالی گئی ہیں ۔

گو یہ نہریں قریب قریب پاکستان کے تمام دریاؤں سے نکالی گئی ہیں مگر تقسیم کے بعد ، چونکہ مغربی پاکستان کے اکثر دریاؤں کے شروع کے راستے بھارتی حدود میں آ گئے ہیں ، اس لیے اب زیادہ تر بوجھ سندھ پر پڑ گیا ہے ۔ اس وجہ سے اس پر زیادہ سے زیادہ بند باندھے جا رہے ہیں تاکہ اس سے زیادہ سے زیادہ نہریں نکالی جائیں ۔ اس وقت تک دریائے سندھ پر جو بند باندھے گئے ہیں ، ان میں سے تونسہ بیراج ، گدو بیراج ، جناح بیراج ، سکھر اور غلام محمد بیراج نے تو مغربی پاکستان کے ریگزار کے ریگزار لہلہاتے سبزہ زاروں میں بدل ڈالے ہیں ۔

۱- لینڈ آف فائیوریورز ، ص ۷۵ ۔

۲- آؤٹ لائن آف ہسٹری ، ص ۱۶۳ ۔

کوؤں سے آبپاشی

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اب بھی سندھ اور اس کے معاون دریاؤں کی سرزمین میں کئی علاقے ایسے ہیں جہاں نہروں کے ذریعہ پانی پہنچایا نہیں جا سکا اور ان علاقوں کا زیادہ تر انحصار ماضی کی طرح بارش پر ہے ، یا لوگوں نے کنویں کھود لیے ہیں۔

دریاؤں کی گزرگاہوں کے آس پاس کے علاقوں میں کنویں آسانی سے کھد جاتے ہیں اور پانی عموماً سات سے بیس فٹ زمین کھودنے پر نکل آتا ہے۔[1]

اور جو علاقے دریاؤں سے جتنے جتنے دور ہیں وہاں کنویں کھودنے میں اتنی ہی زیادہ دشواری پیش آتی ہے اور پانی پچیس فٹ سے لے کر پچھتر فٹ گہرے کنویں کھودنے پر حاصل ہوتا ہے۔[2]

بارش کی کمی

یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ سندھ اور اس کے معاون دریاؤں کے بنائے ہوئے اس میدان میں بارش کا تناسب کچھ زیادہ موزوں نہیں ہے ، کیونکہ بارش بحیرۂ عرب کی ان مون سون ہواؤں کی محتاج ہے جو جنوب مغرب سے شمال مشرق کی طرف چلتی ہیں اور میدانی علاقے کو پار کر کے شمال مشرق میں کوہ ہمالیہ سے جا ٹکراتی ہیں اور پھر کوہ ہمالیہ کے ملحقہ شمالی علاقوں میں تو خوب برستی ہیں لیکن جوں جوں مغرب کی طرف بڑھتی ہیں خشک ہوتی جاتی ہیں۔

بارش کا تناسب

ہمالیہ پہاڑ کے وہ دامن جو سیالکوٹ ، گجرات ، جہلم اور راولپنڈی پر مشتمل ہیں برسات میں جل تھل ہو جاتے ہیں۔ ان علاقوں میں تقریباً ہر سال تیس انچ بارش ہوتی ہے اور راولپنڈی میں تو چالیس انچ سے بھی کبھی کبھی تجاوز کر جاتی ہے۔

جہاں پنجاب ، سندھ اور بلوچستان کی سرحدیں ملتی ہیں وہاں بارش کا اوسط محض پانچ انچ ہے۔ خصوصیت سے مغربی بلوچستان میں تو بارش

---

۱ و ۲۔ لینڈ آف فائیو ریورز ، ص ۹۔

شاذ و نادر هی کبھی ہوتی ہے ۔ اس وجہ سے یہ سطح مرتفع حد درجہ خشک اور بے آب و گیاہ ہے ۔

بارش عموماً جولائی ، اگست اور ستمبر میں ہوتی ہے ۔ پاکستان کے باقی مہینے تقریباً خشک رہتے ہیں ۔ البتہ سردیوں میں کبھی جنوری کے شروع اور کبھی فروری میں چھینٹے پڑ جاتے ہیں ۔ زراعت کے نقطۂ نگاہ سے ان دنوں کی بارش بہت مفید نتائج پیدا کرتی ہے ۔

آب و ہوا

پاکستان کی آب و ہوا میں سخت شدت ہے ، سردیوں میں سخت سردی پڑتی ہے اور گرمیوں میں سخت گرمی ۔ البتہ پہاڑی اور ساحلی علاقے اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں ۔ پہاڑوں پر گرمیوں میں بھی خاصی ٹھنڈ ہوتی ہے ۔ خصوصیت سے مری اور نتھیا گلی کے پہاڑ تو خوشگوار حد تک سرد ہیں ۔ ایبٹ آباد اور کوئٹہ بھی خاصے خنک رہتے ہیں ۔ ساحل کی آب و ہوا نہ تو زیادہ گرم ہوتی ہے اور نہ خنک ۔ تقریباً سارا سال معتدل رہتی ہے ۔

درخت اور جنگلات

پہاڑوں پر جہاں بارش زیادہ ہوتی ہے چیڑ ، دیودار ، کیل اور اخروٹ کے جنگل بہت ہیں ۔ کہیں کہیں شاہ بلوط اور پرتل کے درخت بھی ملتے ہیں ۔ چترال اپنے جنگلات کی وجہ سے بہت مشہور ہے ۔ نتھیا گلی اور مری کے جنگلات بھی بہت گھنے ہیں ۔

کم بلندی کے مقامات پر سمبل ، چنار ، املتاس اور سفیدہ کے درخت پائے جاتے ہیں ۔

مری اور راولپنڈی کے درمیانی حصہ اور کوہستانِ نمک کے بعض مقامات پر خودرو زیتون کے ذخیرے بھی ہیں ۔ جن کی نگہ داشت حکومتِ مغربی پاکستان نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے ۔

میدانی حصوں میں زیادہ تر شیشم ، کیکر ، پیپل ، نیم ، بکائن ، شاہ توت اور بھان کے درخت ہوتے ہیں ۔ جہاں موسم زیادہ خشک ہے وہاں جنڈ ، کریل ، فراش کے سوا کوئی دوسرا درخت نہیں اگتا [۱] البتہ

---

۱ ۔ لینڈ آف فائیو ریورز ، ص ۹ ۔

بعض ریگستانی مقامات پر کھجور خوب پیدا ہوتی ہے ۔ ان دنوں پھلوں کے باغات عام ہو گئے ہیں ۔ خصوصیت سے سنگترہ ، مالٹا ، امرود ، اور آم کے باغات تو بڑے شوق سے لگائے گئے ہیں ۔ گوجرانوالہ اور مردان کے سرخ رنگ کے مالٹے تو بہت مشہور ہیں ۔ شجاع آباد ، مظفر گڑھ ، ملتان اور منٹگمری کے قلمی آم بھارت کا مقابلہ کرنے لگے ہیں ۔ کہیں کہیں کیلا بھی پیدا ہوتا ہے ، مگر اس میں وہ لذت پیدا نہیں ہو سکی ، جو بنگالی کیلے کا امتیازی وصف ہے ۔ سرحدی علاقوں مثلاً چترال ، سوات ، میں ناشپاتی ، آلو بخارا ، سیب اور آڑو اور بلوچستان کے شمالی مشرقی حصہ میں انگور ، انار ، سیب اور سردہ پیدا ہوتا ہے ۔

زرعی پیداوار

گندم پاکستان کی خاص پیداوار ہے ۔ آج سے نہیں تقریباً سات ہزار سال پہلے سے پاکستان کو گندم پیدا کرنے میں خصوص نصیب ہے ۱ ۔

ایچ ۔ جی ویلز کی رو سے یہ گندم تھی جو سومیرین ، ڈراویڈن نے پہلے پہل پاکستان کے کھیتوں میں بوئی تھی ۲ ۔

ہیو کنیڈی کا خیال ہے کہ ابھی پاکستان کے باشندے خانہ بدوشی کی زندگی گزار رہے تھے ، جب انہوں نے گندم بونا شروع کر دیا تھا ، کیونکہ گندم ، چاول کی نسبت بہت کم محنت لیتی ہے اور اسے بونے کی خاطر ایک جگہ ٹک کر بیٹھنا ضروری نہیں ہوتا ۔ اس لیے پنجاب کے پہلے دور کے ان خانہ بدوش کاشت کاروں کے لیے ، اسے بونا کچھ زیادہ مشکل نہ تھا جو دریاؤں سے سیراب ہونے والے خطوں میں چلتے پھرتے تھے ۳ ۔

جہاں پانی کم تھا وہاں ان خانہ بدوشوں نے کنویں کھود کر ، گندم بوئی تھی ۔ بالکل آج کی طرح ان دنوں بھی سال میں دو فصلیں بوئی

---

۱ ۔ سر ہولڈچ ، انڈیا ص ۲۵۶ (مطبوعہ لندن)

۲ ۔ آؤٹ لائن آوف ہسٹری ، ص ۱۶۲ ۔

۳ ۔ لینڈ آف فائیو ریورز ، ص ۱۷ ۔

جاتی تھیں۱ - ایک موسم بہار میں اور دوسری موسم خزاں میں - چاول ، باجرہ اور مکی کی فصلیں گرمی میں بوئی جاتیں اور گندم اور باجرہ کی کاشت سردیوں میں ہوتی - سرسوں ، مختلف پھلیاں اور دوسرے تیل اور بیج ، موسم برسات میں کاشت کیے جاتے -۲

چاول کے بارے میں ہیو کنیڈی کہتے ہیں کہ اس کی کاشت اس وقت شروع کی گئی تھی جب پاکستان کے پہلے آباد کار وحشی قبائل نے ، وحشت اور خانہ بدوشی کی زندگی ترک کر کے گاؤں بسائے تھے ، کیونکہ اس کی کاشت ، خاصی دقت طلب ہوتی ہے اور خاص ماحول کی محتاج ہے - یہ جس ماحول میں پیدا ہوتا ہے اس میں کم سے کم چھ مہینے تک درجۂ حرارت ۷۰ رہنا ضروری ہے اور پانی کی بہم رسانی اپنے قابو میں ہونا لازم ہے ، تاکہ جب کاشت کار ضروری سمجھے کھیت کو پانی سے بھر لے اور جب چاہے اسے کھیت سے نکال دے -

کھیتوں میں چاول کا بیج تقریباً کیچڑ میں بویا جاتا ہے ، جہاں پانی بونے والے کے ٹخنوں تک ہوتا ہے - بیج بو لینے کے بعد بھی کھیتوں میں پانی کھڑا رکھا جاتا ہے - چاول کے کھیت صرف اس وقت خشک کیے جاتے ہیں ، جب فصل پکنے کے قریب ہوتی ہے -۳

بہ ہر نوع چاول کو پاکستان میں گندم کے بعد بویا گیا تھا تاہم اس کی کاشت بھی کم سے کم پانچ ہزار سال پہلے شروع ہو گئی تھی -

ماضی میں پاکستان کے کون کون سے علاقوں میں چاول کاشت کیا جاتا تھا ان کا تعین آسان نہیں ہے - غالباً یہ ایسے مقامات میں بویا جاتا تھا جہاں پانی بہت ہوتا - دریاؤں کے کناروں پر یا ایسی جگہوں پر جہاں بارش زیادہ ہوتی ، اس کی کاشت کی جاتی تھی - ان دنوں شیخو پورہ ، گوجرانوالہ ، سیالکوٹ ، حیدر آباد میں اس کی کاشت زیادہ ہوتی ہے - باقی مقامات گندم اور مکی اور چنے پر اکتفا کرتے ہیں -

چاول کی نسبت کپاس کو گرم آب و ہوا اور معمولی بارش کافی رہتی ہے - البتہ شرط یہ ہے کہ زمین بہت زرخیز ہو - اس بنا پر بعض علمائے

۱- میکاستھنز اینشنٹ انڈیا - ترجمہ میک کرنڈلے مطبوعہ کلکتہ ص ۵۳

۲- ... کنیڈی ص ۱۶ -

4314

آثارِ قدیمہ کا خیال ہے کہ سندھ وادی کی تہذیب کے بانی چاول بونے کے فن سے واقف تھے - کیونکہ ان کی زمین بہت زرخیز تھی اور اس میں چاول کی فصل خوب ہو سکتی تھی ۱-

کپاس کی کاشت سے متعلق بھی ہیو کینیڈی کا خیال ہے کہ یہ بھی پنجاب میں بہت قدیم زمانہ سے بوئی جا رہی ہے - غالباً اسی کا عہد گندم سے بعد اور چاول سے پہلے کا ہے ۲ -

یوں کیمرج ہسٹری کی شہادت ہے کہ یہ بھی سب سے پہلے عہد کی پیدا وار ہے - ہو سکتا ہے گندم اور وہ ایک ہی وقت میں بوئی گئی ہوں ۳- سر جان مارشل اور میکے کے نزدیک سندھ وادی کے معمار ، کپاس بھی بویا کرتے تھے - اس طرح کپاس کے پنجاب میں بوئے جانے کا زمانہ تین ہزار سال قبلِ مسیح تک جا پہنچتا ہے ۴ -

اس وقت کپاس ملتان ، بہاولپور ، سرگودھا ، خیرپور ، حیدرآباد ، لائل پور اور منٹگمری کے اضلاع میں زیادہ بوئی جاتی ہے -

مکی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ آرین جب پاکستان میں آباد ہونے لگے تھے تو ان کے بعد کے کاروان مکی کے بیجوں کا تحفہ عراق سے اپنے ساتھ لائے تھے ۵ - مکی کے لیے بھی چاول کی طرح مناسب پانی اور دھوپ کی خاصی مقدار ضروری ہوتی ہے - اس لیے یہ مغربی پاکستان کے میدانی علاقوں میں صرف ان جگہوں پر ہوتی ہے جہاں نہروں کا پانی بہ فراغت میسر ہوتا ہے - البتہ پہاڑی مقامات پر مثلاً مری ، ایبٹ آباد ، مانسہرہ میں یہ خوب ہوتی ہے -

گنا بھی مخصوص ماحول کا محتاج ہے - اس کے لیے بھی گرم موسم اور بہ فراغت پانی لازمی ہے - کپاس کی طرح یہ بھی زرخیز زمین میں پیدا ہوتا

---

۱ - ویدک ایج ص ۱۷۳ - چائلڈ ، نیو لائٹ ص ۹ . ہڑپا ص ۶ ، ڈکشٹ ص ۵ -

۲ - ہیو کینیڈی لینڈ آف فائیو ریورز ص ۱۸

۳ - کیمرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول ص ۳۹۶—۳۰۳

۴ - ویدک ایج ص ۱۳۷ -

۵ - لینڈ آف فائیو ریورز ص ۱۷ -

ہے ۔ اضلاع پشاور اور مردان کا ماحول اس کی کاشت کے لیے بہت موزوں ہے ۔ سیالکوٹ کا گنا بھی اپنے خصوص کے لحاظ سے بہت شہرت رکھتا ہے ۔ ہیو کنیڈی کے نزدیک یہ بھی بہت پرانی پیداوار ہے اور بہت شروع دور میں دریاؤں کے کناروں پر بویا جاتا تھا[۱] ۔

پاکستان میں چنا اور دوسری دالیں بھی بکثرت پیدا ہوتی ہیں ۔ سرسوں ، توریا ، السی اور تل بھی نہری علاقوں میں کاشت کیے جاتے ہیں ۔

چھچھ ، چار سدہ ، حضرو اور اوکاڑہ کے مقامات تمباکو کی کاشت کے لیے بہت موزوں ہیں ۔ یوں تمباکو قریب قریب پاکستان کے تمام نہری علاقوں میں پیدا ہوتا ہے ۔

حیوانات

گائے ، بیل ، بھینس ، بھیڑ ، بکریاں ، گھوڑے ، اور گدھے مغربی پاکستان کے مخصوص حیوانات ہیں ۔ بکریاں اور بھیڑیں پہاڑی علاقوں یا بلوچستان کے خشک مقامات پر زیادہ پائی جاتی ہیں ۔ باقی جانور تقریباً مغربی پاکستان کے ہر مقام پر پالے جاتے ہیں ۔ خصوصاً گائے اور بیلوں پر تو زرعی زندگی کا بہت انحصار ہے ۔

معدنیات

پاکستان میں معدنیات کی بہت کمی ہے ۔ بلوچستان میں شاہ رگ ، کھوسٹ ، سلسلہ کوہ سر ، مچھ ، ڈگاری میں اور کوہ نمک کے مقامات ڈنڈوت اور مکڑوال میں کوئلہ کی کانیں ہیں ۔ سندھ میں بھی ایک دو جگہوں مثلاً جھمپیر اور میٹنگ سے کوئلہ نکلتا ہے ۔

کوہستان نمک کے مقام کھیوڑہ نے اپنے نمک کے سبب بڑی شہرت پائی ہے ۔ وہاں نمک کے ذخائر بے حساب و بے پناہ ہیں ۔ جٹہ ، بہادر خیل اور کالا باغ میں بھی نمک کی کانیں ہیں ۔ کالا باغ سے لوہا بھی نکلتا ہے ، چترال اور چاغی میں بھی اس کے کچھ ذخائر پائے گئے ہیں ۔ جویا میر ، بالکسر ، چکوال ، ڈھلیان اور کھوڑ سے مٹی کا تیل نکالا گیا ہے کوئٹہ ڈویژن کے ضلع سبی سے جو ماضی میں خاصا مشہور مقام تھا قدرتی گیس

---

۱ ۔ لینڈ آف فائیو ریورز ، ص ۱۷ ۔

کے ذخائر دریافت ہوئے ہیں ۔ یہ گیس ، سوئی گیس کے نام سے مشہور ہے، اور اسے پائپ لائن کے ذریعہ کراچی ، ملتان اور لائل پور لایا گیا ہے ۔ ملتان میں اس سے بجلی بھی پیدا کی جا رہی ہے ۔ بلوچستان کے علاقہ کوہ سلطان سے گندھک نکلتی ہے ۔ جس ریت سے شیشہ بنایا جاتا ہے ، یہ کوہستانِ نمک اور جنگ شاہی کی پہاڑیوں سے دستیاب ہوتی ہے ۔

داؤد خیل ، حیدر آباد ، کراچی ، روھڑی ، واہ اور ڈنڈوت میں سیمنٹ تیار ہوتا ہے ۔ کیونکہ ان علاقوں میں وہ پتھر بہت ہے جو سیمنٹ بنانے کے کام آتا ہے ۔ وادیٔ زوب سے کروسائیٹ بھی حاصل کیا گیا ہے ۔ یہ لوہا صاف کرنے اور رنگ سازی و فوٹو گرافی میں استعمال کیا جاتا ہے ۔

راستے اور گزر گاہیں

پاکستان کے قدیم بڑے شہروں اور اہم مقامات کے بارے میں ہیو کنیڈی کا بیان ہے کہ شروع شروع میں جو راہیں بیرونی ملکوں سے اندرونِ ملک میں داخل ہوتیں اور آگے کو چلتیں ان کے ان مقامات پر جہاں تجارتی کارواں عموماً پڑاؤ ڈالتے ، ہولے ہولے شہر آباد ہوتے چلے گئے ۔ ان میں سے پہلے ، وہ جگہیں آباد ہوئیں جو دریاؤں کے کناروں پر تھیں اور جہاں سے کاروانوں کو دریا عبور کرنا پڑتا تھا ۔

مثلاً ، جو راہیں غزنی اور قندھار سے درۂ گومل اور درۂ ٹوچی تک رسائی پاتیں ، اور آگے کو چل کر موجودہ ڈیرہ اسماعیل خاں اور ڈیرہ غازی خاں سے دریائے سندھ کو عبور کرتیں ، انہوں نے پہلے پہل یہی مقامات آباد کیے تھے ۔ کافر کوٹ بھی ان ہی ابتدائی دنوں کا شہر ہے ۔ درۂ کرم کے راستے آنے والے تجارتی کارواں کافر کوٹ پر رک کر سندھ کو عبور کرتے ، اور پھر آگے بڑھ کر چنیوٹ کے مقام پر چناب سے پار ہوتے ۔ چنیوٹ اور کافر کوٹ کے مابین سانگلہ بھی ایک اہم مقام تھا ۔ شور کوٹ اور ملتان کو بھی اسی وجہ سے مرکزیت حاصل ہوئی کہ یہ دونوں مقامات بھی بیرونی راہوں پر واقع تھے[۱] ۔

درۂ خیبر کے سبب ، جمرود ، پشاور اور ٹیکسلہ کی بنا پڑی ، شمالی سمت کی ایک اور راہ ، مشہورِ عالم تاریخی مقام ہڑپا ، اور تلمبا کی اساس کا

۱۔ لینڈ آف فائیو ریورز ، ص ۸۳

موجب بنی تھی ۔

فاضل ویلر نے اپنی تصنیف فائیو تھاؤزنڈ ییئرز آف پاکستان میں تقریباً تین اور ڈھائی ھزار سال قبلِ مسیح کے ان مقامات کو نقشہ کی صورت میں مرتب کیا ھے جو وادیٔ سندھ کے تہذیبی دور میں بہت اھم تھے ۔

ان کی رو سے ، دریائے راوی کے مقامات لاھور ، ھڑپا اور چک پربن سیال ، بہت قدیم آبادیاں ھیں ۔ خصوصیت سے ھڑپہ تو تین ھزار سال قبلِ مسیح میں آباد ھوا تھا ۔ موجودہ بہاولپور ریاست کے ماحول میں ، سندھن والا بھی ایک نمایاں مقام تھا ۔ اس کے آس پاس کئی اور بستیاں بھی تھیں جن کے آثار تو ملے ھیں مگر نام معلوم نہیں ھوئے ۔ ۱

افغان علاقہ سے جو راہ درۂ بولان کے اندر سے پاکستان کی سرحد میں داخل ھوتی ھے ، اس پر کوئٹار اور دیر کوٹ کے قصبات کبھی بہت ممتاز تھے ۔ وادیٔ زوب کے ایک شہر پیرانو غنڈیا کو بھی خاص اھمیت حاصل تھی ۔

ایرانی سرحد سے جو راہ اندرونِ ملک کی سمت آتی ، اس نے شاھی ٹمپ اور ستکاگن ڈور آباد کیے تھے ۔ شاھی ٹمپ سے آگے کے مقامات ، کلی ، شاھدین زئی ، نوکیو ، ماھی اور نل بھی قدیم تہذیب کے اھم مرکز بتائے گئے ھیں ۔

دریائے سندھ کے کنارے پر واقع مقام موھن جو ڈیرو ، تو آج سے کم سے کم پانچ ھزار سال قبل کی ایک عظیم تہذیب کا نقطۂ اتصال تھا ۔ موھن جو ڈیرو کے پہلو میں ایک اور شہر لوھلی لجو ڈیرو بھی کچھ کم اھم نہ تھا ۔ کوٹ اسود اور دجی ٹکری بھی دریائے سندھ کے نواحی قصبات تھے اور لوھری کے دائیں بائیں ، آگے پیچھے تو مسلسل کئی قصبے آباد تھے ۔ جن کے نام علی الترتیب پنڈی داھی ، سیٹھاڈھنو ، ڈھمب بتھی ، گورنڈی ، چینھو دڑو ڈھل اور امری تھے ۔ ان سے آگے ، دریائے سندھ کے کنارے کنارے کے شہروں کے نام کرچٹ ، شاھجو ، کوٹیرو اور تھانو بلا تھے ۲ ۔

---

۱ و ۲ ۔ ویلر ص ۲۵ ۔ نقشہ نمبر ۵ ۔

سیوا پور ، موجودہ جھنگ اور شور کوٹ کا ایک درمیانی شہر تھا ۔ ارتھ پرا اور جٹ اڑوڑ کو بھی عہد قدیم میں بڑی اھمیت حاصل تھی۱ ۔

۱۔ پری بدھسٹ انڈیا ص ۵۲ - ۵۳ پولٹیکل ھسٹری آف اینشنٹ انڈیا ۔ ص ۱۷۰

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

دوسرا باب

پاکستان کے قدیم ترین باشندے

۱- برفانی یا عہدِ حجرِ اول تک

۲- کول ، سنتال اور منڈا

۳- ڈراویڈن یا سومیرئن

فصل اول

زمانۂ حجرِ اول سے لے کر زمانۂ حجرِ نو تک

پہلا انسان سر زمینِ پنجاب میں
وادیٔ سون پہلی انسانی آبادی تھی

نئے دور کے علمائے تاریخ ، ییل کیمبرج ایکسپیڈیشن ۱۹۳۵ء کے بہت ممنون ہیں ، جس کے سبب آریوں سے پہلے کے باشندگانِ پنجاب اور سندھ کے بارے میں بہت وزنی معلومات میسر آئی ہیں ۔ اور ان معلومات کی بنا پر یہ کہا جا سکا ہے کہ پاکستان میں پہلا آدمی ، شمال مغربی پہاڑی دامنوں میں آباد تھا ۔ یہ پہاڑی دامن ، ایک تو وہ ہیں جنہیں دریائے ہرو اور دریائے سون سیراب کرتے ہیں ۔ یعنی موجودہ راولپنڈی اور اٹک کے اضلاع اور دوسرے دامن ، جموں ، سیال کوٹ اور پونچھ ہیں۔۱

ان دامنوں میں ، ان علمائے تاریخ کی رو سے انسان پہلے درمیانی برفانی عہد کے آخر اور ثانی برفانی دور کے شروع میں رہتا تھا ۔ موسم بہت زیادہ ناخوشگوار تھا ، ہر وقت تند و تیز ہوائیں چلتی رہتی تھیں ، ٹھنڈ ناقابل برداشت تھی اور جینا بڑا مشکل تھا ۔

بہر حال اس دور کے آدمی نے بھی اپنے آثار پیچھے چھوڑے ہیں اور یہ آثار ، نیم گھڑ قسم کے وہ پتھر کے اوزار ہیں جو ، کلر ، چومکنہ ، ملک پور اور سون نالے ، اور توی کے آس پاس سے ملے ہیں ۔ پہلے تین مقامات دریائے جہلم اور اس کے معاون ندی نالوں سے۔ سیراب ہونے والے علاقے سے متعلق ہیں۲ ۔

۱۔ ویدک ایج ص ۱۲۳ ۔

۲۔ سٹڈیز آن آئس ایج ان انڈیا اینڈ اسوشیئڈ ہیومن کاچرز ص ۳۱۰–۳۰۱ ۔

علمائے تاریخ نے ان اوزاروں کو بعد کے اوزاروں سے ممیز کرنے کے لیے انہیں پری سون انڈسٹری یا قبل از سون "صنعت" کا نام دیا ہے، اور دوسرے درمیانی برفانی عہد کے انسان کے بنائے ہوئے اوزاروں کو دوسری سون صنعت کا عنوان بخشا ہے۔

علمائے تاریخ کا یہ بھی خیال ہے، کہ دوسرا درمیانی برفانی عہد کافی لمبا تھا اور انسان اس دوران میں کافی دن زندہ رہا اور کاروبارِ حیات کے دوران، اپنے بہت سے آثار چھوڑے۔ اس دوران، موسم خاصا خشک تھا لیکن پیر پنجال سلسلہ کی مسلسل بڑھتی ہوئی اٹھان نے ایکا ایکی، صورتِ حال بگاڑ دی اور آدمی کے لیے جینا سخت دشوار ہوا۔

اس دور کے آدمی نے اپنے پیچھے پتھر کے جو اوزار چھوڑے ہیں وہ پری سون انڈسٹری یا قبل از سون صنعت سے کافی اچھے اور عمدہ ہیں۔

تیسرا برفانی عہد جب شروع ہوا تو یہ پچھلے برفانی عہدوں کی نسبت بہت کم شدید تھا، لیکن طوفان اور آندھیاں بڑی قوت سے چلتیں اور اپنے ساتھ مٹی اور پتھر اٹھائے لیے پھرتیں۔ پوٹھوار کی سطح مرتفع کی خالق یہی طوفانی آندھیاں ہیں۔

علمائے تاریخ و آثارِ قدیم نے اس دور کے انسانی آثار و علامات میں، بعض جانوروں، مثلاً گھوڑوں، بھینسوں اور ہاتھیوں کے آثار بھی برآمد کیے ہیں اور نتیجہ نکالا ہے کہ تیسرے برفانی درمیانی عہد میں انسان کے ساتھ یہ جانور بھی موجود تھے اور اس برفانی عہد کی شدت اور طوفانوں کا شکار ہوئے تھے۔

چوتھے برفانی عہد کے اوزار، ڈھوک پٹھان میں دستیاب ہوئے ہیں اور اس امر کی دلیل ہیں، کہ آدمی اس دور میں بھی، اس علاقہ میں آباد تھا۔

ویدک ایج کے ایک مقالہ نگار، پروفیسر سنکیلا کا بیان ہے کہ پہلا آدمی، پنجاب کی سرزمین میں، دورِ حجرِ اول کے پہلے حصہ یا دوسرے برفانی عہد سے لے کر، چوتھے برفانی عہد اور اس کے درمیانی وقفوں میں، گو متواتر اور مسلسل آباد رہا تھا، لیکن یہ کہنا بہت مشکل ہے، کہ یہ پہلا آدمی یا پنجاب کا پہلا آباد کار، ایک ہی نسل سے تھا، یا مختلف النسل تھا اور آیا پہلی نسل جب ختم ہوئی تو

دوسری نسل نے اس کی جگہ لی ، یا متعدد نسلیں ایک ساتھ اس سر زمین میں آباد رہی تھیں۱ ؟

یوں بعض علمائے تاریخ نے جن میں ڈی ٹیرہ بھی ہیں ، یہ بات بھی کہی ہے کہ پنجاب کا پہلا آدمی پہلے برفانی عہد کے آخر یا دوسرے برفانی عہد کے شروع شروع میں جنوب کی طرف سے پنجاب میں داخل ہوا تھا ، کیونکہ جنوبی میدان، پنجاب کے میدانوں کی نسبت زیادہ گرم تھے۲ - پروفیسر رنگ اچاریہ کے نزدیک ، عہدِ حجر، اول میں آدمی نے خوب نقل و حرکت کی تھی - کیونکہ موسم بدلتا رہتا تھا ، اور موسم کی یہ تبدیلی ، نباتات اور حیوانی زیست پر بہت اثر ڈالتی رہتی تھی اور آدمی کو بقائے حیات کی خاطر نقل، مکانی ضروری ہو جاتی تھی -

اس دور کا آدمی تقریباً دو طرز کا تھا - ایک نوع کے سر لانبے تھے اور ایک کے چوڑے - اصلاً یہ آدمی ایک وطن میں رہتا تھا ، یا کئی اوطان میں ، اس سے متعلق علمائے یورپ کا خیال ہے کہ لانبے سر کی نوع، انسان ، شروع شروع میں ایک تو یورپ میں پھیلی تھی ، اور وہاں سے پروٹونارڈک ، اور پروٹو میڈیٹرین کے قالب میں ڈھلی اور دوسرے ایوراسیا ، جنوبی سائبیریا ، گرانس بیکالیا ، ترکستان اور چین میں پروان چڑھی ، اور کئی نام پائے - اس پہلی نسل کا تیسرا وطن امریکہ اور چوتھا افریقہ تھا -

مسٹر رنگ اچاریہ کہتے ہیں کہ افریقہ میں جو نوع، انسان ، عہد حجر، اول میں پروان چڑھی ، وہی مؤخرالزمان مصریوں اور بربر کی اصل ہے - اور ذرا جنوب میں ہٹ کر ، یہ نوع، انسان جب نیگرو نسل سے مخلوط ہوئی تو اس سے بنٹو ، بولی بولنے والے لوگ اور نیگریلوئی تخلیق ہوئے۳ -

مسٹر رنگ اچاریہ ہی کا خیال ہے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ ہندوستان اور انڈونیشیا کے پہلے آباد کار وہ لانبے سر والے لوگ ہوں ، جو عمومی ترک، وطن کے وقت ادھر ادھر دوڑتے پھر رہے تھے اور غالباً

۱- ویدک ایج ص ۱۳۳ -

۲- سٹڈیز آن آئس ایج ان انڈیا ، ص ۳۱۰-۳۱۳ -

۳- پری ہسٹارک انڈیا بہ سلسلہ پری مسلمان انڈیا، ص ۴۰ مطبوعہ مدراس -

ان ہی کی اولاد میں سے ، منڈا قبائل ، انڈونیشین اور پروٹو ڈراویڈن ہیں ۔

چوڑے سروں والی نوعِ انسان ، گو پہلی نوع کی طرح وسیع التعداد نہ تھی ، لیکن یہ پہلی جتنی قدیم ہے ۔ یہ فرانس میں پہنچ کر کرو میگنن کہلائی اور غالباً بعد کی الپائین نسل کو جنم دیا ۔ اور عین اس وقت ، جب لانبے سروں والی نوع ، یورپ ، ایشیا ، افریقہ اور امریکہ میں پھیل رہی تھی ، چوڑے سروں والی نوع ، دنیا کی سطح ہائے مرتفع ، یورپ کے جنوبی حصوں اور مغربی ایشیا میں پروان چڑھ رہی تھی ۔ برٹین سے لے کر ہندوکش تک اس کا عمل دخل تھا ۔ حتیٰ کہ یہ ہندوکش کو عبور کر کے بنگال ، بمبئی اور میسور تک رسائی پا گئی تھی ۔ یہ بھی بہت ممکن ہے کہ اس عہد کے بہت ابتدا میں ، بڑے سروں والی اس نوع نے چوڑی اور ابھری ہوئی ہڈیوں والے چہروں ، چپٹی ناکوں ، اور نیلگوں آنکھوں والی منگولی نسل کو جنم دیا ہو اور اسے یہ شکل ، مشرق ایشیا میں آباد ہونے کے سبب نصیب ہوئی ہو ۔

بہر حال حجرِ نو کے آغاز میں چوڑے سروں والی نوع سے جو انسانی نسلیں وجود میں آ چکی تھیں ، ان میں الپائین اور سونگولین بھی تھے اور لانبے سروں والی نوعِ انسان ، میڈی ٹیرین ، نورڈیک ، اجیشن ، نیگیریلوئی ، بنٹو ، کول ، منڈا اور پروٹو ڈراویڈن کے نام حاصل کر چکی تھی ۱ ۔

ڈاکٹر بلین فورڈ ، کا گمان ہے کہ عہدِ حجرِ اول میں جو نسل ، جنوبی ہندوستان ، برما ، نربدا اور کرنول کے غاروں میں زندگی گزارتی رہی تھی وہ پہلی انسانی نسل تھی اور اس نے پہلا برفانی عہد دیکھا تھا ۔ ڈاکٹر بلین فورڈ نے استدلال کیا ہے کہ اگر ان علاقوں میں آدمی موجود نہ ہوتا تو پھر شمالی ہمالیہ کے مزاج دان جانور اور نباتات ، کس طرح جنوبی ہندوستان اور سیلون تک رسائی پاتے ؟

اس خیال آرائی کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر بلین فورڈ کو جنوبی ہند میں پہلی نسلِ انسان کی موجودگی کا یقین ان آثار سے بھی ہوا ، جو پہلی نسل نے وہاں چھوڑے ۱ ۔

۱۔ پری ہسٹاریک انڈیا ، ص ۳۰ ۔

اس ادعا کے باوجود کہ انسان کی پہلی نسل ، جنوبی ہندوستان میں پروان چڑھی تھی ، پیل اکسپیڈیشن نے اپنی تحقیقات کا موضوع زیادہ تر 'سون وادی' کو بنایا ہے اور یہاں کے ان اوزاروں کو بہت عمیق نظر سے دیکھا ہے ، جو عہدِ حجرِ اول سے منسوب کیے جا سکتے تھے اور ایک ایسے پتھر کے بنے ہوئے تھے ، جس میں " دھاتیت " کی صلابت موجود تھی - یہ خاص نوع کے پتھر ، جنوبی ہندوستان کی نربدا وادی ، بندی ، اندرگڑھ ، ربوہ ، سوکور ، ڈیمولی اور بندھیل کھنڈ میں بھی پایا جاتا تھا -

چونکہ وادیٔ سون سے برآمد ہونے والے پہلے اوزار ، اس خاص نوع کی " دھاتیت " رکھنے والے پتھروں کے ہیں ، اس لئے گمان کیا گیا ہے کہ یہ عہدِ حجرِ اول کے آثار وباقیات میں سے ہیں - خصوصیت سے نوشہرہ (صوبۂ سرحد) سے برآمد ہونے والے پتھر کے اوزار تو قطعاً جنوبی ہندوستان کے آثار سے مشابہ ہیں[١] -

عجیب بات ہے کہ فاضل باشم نے وادیٔ سون سے برآمد ہونے والے خاص نوع کے پتھر کے اوزاروں کو جنوبی ہند سے برآمد ہونے والے اوزاروں سے تشبیہ نہیں دی ، بلکہ وادیٔ سون کے اوزاروں کو اولیت و فوقیت دی ہے اور قابلِ تشابہ ، ٹھہرایا ہے - مثلاً ان کے الفاظ ہیں :

In the south there existed an other prehistoric stone industry, which is not conclusively dated, but which may have been the approximate contemporary of the soan valley.

ادھر جنوب میں ، تاریخ سے قدیم عہد کی ایک اور صنعتِ سنگ کارفرما تھی، جس کی کوئی متعین تاریخ مقرر نہیں کی جا سکتی ، لیکن اسے تخمیناً سون وادی کی ہم عصر ٹھہرایا جا سکتا ہے[٢]-

فاضل باشم ہی کا بیان ہے کہ جنوبی ہند میں جو اوزار ملے ہیں ، ان کے صناعوں کو سون وادی کے صناعوں کی نسبت اپنے فن میں زیادہ

١- ویدک ایج ، ص ١٣٣ -

٢- باشم ، ونڈر دیٹ واز انڈیا ، ص ١٠ -

مہارت تھی - اس بیان سے یہ بات بھی سمجھی جا سکتی ہے کہ جنوبی ہند کا آدمی سون وادی کی مخلوق سے کسی قدر بعد کا تھا -

بہرحال عہدِ حجرِ اول یا پہلے برفانی عہد کے آدمی کو گزرے کتنے برس ہوئے ہیں ، اس سوال کا جواب حتماً دینا تو آسان نہیں ہے ، یوں علماء تاریخِ جدید کا تخمینہ ہے کہ عہدِ حجرِ اول یا پہلے برفانی عہد کی عمر پانچ لاکھ ، پچاس ہزار سال سے لے کر پانچ لاکھ سال تک تھی اور دوسرے ، تیسرے اور چوتھے برفانی اوقاف ، علی الترتیب چار لاکھ ، ڈیڑھ لاکھ اور پچاس ہزار سالوں تک دراز رہے تھے ۱ -

اس سلسلے میں فاضل ویلر کی روایت ہے کہ سون یا سوہان وادی کا درمیانی وقفہ چار لاکھ سے دو لاکھ سال پہلے کا ہے - اور جوں جوں سون کا آدمی اس وقفہ میں سے گزرتا گیا ، اس کی فنی صلاحتیں بہتر ہوتی گئیں اور آخری دورِ حجر میں اس آدمی نے جو پتھریلے تیشے ، تبر ، کلہاڑے ، بھالے ، چاقو اور نیزے بنائے وہ بہت عمدہ اور بہتر ساخت کے تھے ۲-

اگر بہتر ساخت کم عمری کی دلیل ہے تو پھر جنوبی ہند سے برآمد ہونے والے پتھریلے اوزار ، لازماً سون وادی سے کم عمر ہیں -

قریب قریب یہی بات مسٹر رنگ اچاریہ نے بھی کہی ہے اور استدادِ زمانہ کو بہتر اوزاروں کی تخلیق کا موجب ٹھہرایا ہے - لیکن اس کے باوجود ان کے نزدیک تقدم ، جنوبی ہند کو حاصل تھا اور سون وادی کی صنعتِ سنگ بعد کی تھی -

بہر حال یہ برفانی عہد یا دورِ حجرِ اول ، ساری دنیا پر محیط تھا - اور اس کے دوران انسان نے جو اوزار بنائے وہ انگلستان ، افریقہ اور چین سے بھی برآمد ہوئے ہیں ۳ - کیونکہ اس زمانہ کا آدمی ، خانہ بدوش تھا اور اسے اپنی خوراک کے لیے جنگلی جانوروں اور پرندوں کا شکار کرنا پڑتا تھا - ان کا گوشت وہ کھاتا اور ان کی کھال جسم کے گرد لپیٹ کر

۱- پری ہسٹارک انڈیا ، رنگ اچاریہ ، ص ۳۷ -

۲- ویلر ، ص ۱۶ -

۳- ونڈر دیٹ واز انڈیا ، ص ۱۰ -

موسم کی شدت برداشت کرتا ۔ اور یہ زندگی کسی ایک خاص خطہ کے ساتھ مخصوص نہ تھی ۔ اس وقت کے آدمی کی یہ عالمگیر زیست تھی۱ ۔

اس طویل عہدِ حجرِ اول سے گزر کر آدمی کب حجرِ نو یا آخری عہدِ حجر میں داخل ہوا اس سے متعلق ، بروس فوٹ کا خیال ہے کہ گجرات کاٹھیاوار کے دریائے سابرمتی سے جو قدیم آثار ملے ہیں ، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ حجرِ اول اور حجرِ نو کے زمانوں میں خاصا بُعد تھا۲ ۔ یہ بُعد کتنا تھا ، فاضل بروس فوٹ اسے متعین نہ کر سکے ۔ البتہ رنگ اچاریہ کا بیان ہے کہ ہندوستان میں حجرِ نو کا زمانہ مسیح علیہ‌السلام کی پیدائش سے دس ہزار سے لے کر سات ہزار سال قبل تھا ۳ ۔ مسٹر باشم نے سات ہزار کی بجائے اس کی عمر کم سے کم چھ ہزار سال قبلِ مسیح متعین کی ہے اور گورڈن چائلڈ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ دس ہزار سال سے چھ ہزار سال قبلِ مسیح تک کے زمانے میں انسان میں بہت تبدیلیاں آئیں ، اس نے فصلیں بونے اور غلہ اگانے کا فن سیکھ لیا ۔ اس نے جانور پالنے اور انہیں سدھانے کا گر جان لیا ، وہ مٹی سے برتن بنانے اور اپنے لیے لباس بننے لگا ۔ اور جب تک اسے دھاتوں کا علم نہیں ہوا ، اس نے پتھر سے بہتر اوزار بنانے شروع کر دیے ۔ اس کے یہ اوزار عہدِ حجر اول کے اوزاروں سے کہیں بہتر اور عمدہ تھے ۔ ایسے ہتھیار پورے ہندوستان کے مختلف مقامات سے برآمد ہوئے ہیں لیکن ان کی زیادہ تعداد شمال مغربی ہند اور دکن سے ملی ہے ۔ اور یہ اوزار یا تو سطحِ زمین پر پڑے تھے یا زمین کی اوپر کی تہ میں دبے تھے ۔ البتہ مرتب اور منظم کاشت اور مستقل بستیوں کی تعمیر وسط ایشیا میں پانچ ہزار سال قبلِ مسیح سے شروع ہوئی ۔

ہندوستان میں یہ کام زیادہ سے زیادہ چار ہزار سال قبلِ مسیح سے متعلق کیا جا سکتا ہے ۔ فاضل باشم کے نزدیک ہندوستان میں پہلی منظم کاشت بلوچستان اور زیریں سندھ میں ہوئی ، اور یہیں پہلی بستیاں بھی آباد

۱- ونڈر دیٹ واز انڈیا ، ص ۱۰ ۔
۲- پری ہسٹارک انڈیا ، ص ۶۲ ۔
۳- ونڈر دیٹ واز انڈیا ، ص ۱۱ ۔

کی گئیں ۱۔

قریب قریب یہی خیال مسٹر ویلر نے بھی پنجاب کے پہلے آباد کاروں کے بارے میں ظاہر کیا ہے ۔ لیکن وہ فرماتے ہیں کہ زمانۂ قدیم میں جو لوگ پنجاب کے دریاؤں کے کناروں پر آباد تھے اور پتھر کے تیشے ، تبر ، کلہاڑے اور دوسرے اوزار استعمال کرتے تھے زراعت پیشہ نہ تھے اور جب وقت کا کاروان ، دھیرے دھیرے آگے بڑھتا ، آج سے پانچ ہزار سال قبل کی منزل میں داخل ہوا ، تو یہ لوگ زراعت پیشہ بھی تھے اور بستیوں میں بھی رہتے تھے ۔ گو ان کی بستیاں زیادہ تر پہاڑی علاقوں میں قائم تھیں تاہم وہ دریاؤں کے کناروں پر بھی بس گئے تھے ۲۔ ان کے پاس گائے ، بیل ، بھیڑ ، بکریاں اور حتیٰ کہ گھوڑے بھی تھے ۔ وہ جوار ، گندم اور بعض دوسری اجناس بھی بوتے تھے اور ان کی زندگی بڑی محدود تھی ۔ وہ اپنے محدود ذرائع کے اندر رہ کر ، اپنے لیے اور اپنے خاندان کے لیے خوراک پیدا کرتے ۔ ان میں خوراک کی چیزوں کو بیچنے کی رسم ابھی رائج نہیں ہوئی تھی ۔ مسٹر ویلر کا گمان ہے کہ پنجاب کے لوگوں کی دیہی زندگی پتھر کے زمانہ سے ایک ہزار سال بعد شروع ہوئی تھی ۔

۱۔ ویدک انڈیا مطبوعہ ۱۸۹۵ء ، ص ۲۸۸ و ۲۸۷ ۔
۲۔ ویلر ص ۱۷ ۔

فصل دوئم

حیوانیت تامه سے زراعت کے زمانہ تک

فاضل ایچ - جی ولز نے ، اپنی شہرۂ آفاق کتاب آوٹ لائن آف ہسٹری ، میں اس موضوع پر کسی قدر کھل کر بحث کی ہے - ان کی رو سے ، آدمی نے ، جب ''حیوانیت تامہ'' کے دور سے باہر قدم رکھے تو اسے ، زراعت کے زمانہ تک پہنچتے ، ہزاروں سال لگ گئے تھے اور اس نے بہت آہستہ آہستہ ، یہ سفر طے کیا تھا - یہ سفر ، زیادہ سے زیادہ بیس ہزار سال پہلے اور کم سے کم آٹھ ہزار سال قبل شروع ہوا تھا ۱ -

اس سفر کے آغاز سے پہلے آدمی ، نرا جانور تھا - وہ چھوٹے چھوٹے گروہوں میں بٹ کر آوارہ و سرگرداں پھرتا رہتا تھا - اس کی زندگی کا تنہا مقصد اس وقت محض خوراک کی تلاش تھی - وہ جنگلی جانوروں کے پیچھے ، انہیں لقمۂ تر بنانے کے لئے بالکل اسی انداز میں دوڑتا ، جس طرح جنگلی درندے شکار کے پیچھے اب بھی لپکتے ہیں - وہ اپنا تن اگر موسم کی شدت کے سبب کبھی ڈھانک لینے پر مجبور ہوتا ، تو درختوں کے پتوں اور جانوروں کی کھالوں کو کام میں لاتا -

اس دور کے بعد ، آدمی کو قدرت نے ، خوراک بونے اور اسے ذخیرہ کرنے کی سمجھ دی - یہ دور بھی تدریجی تھا - آدمی پہلے جن جانوروں کو وقتی طور پر پیٹ بھرنے کے لئے شکار کرتا ، اور انہیں کاٹ کر ، ان کا گوشت کھاتا ، اب انہیں ریوڑوں کی شکل میں پالنے لگا - وہ انہیں جنگل جنگل ، چراگاہ چراگاہ ، ہانکتا پھرتا ، چوپایوں کے ریوڑوں کو ہانکنے ، اور انہیں چراگاہ

۱- ایچ جی ویلز ، آوٹ لائن آف ہسٹری ، آٹھواں ایڈیشن ، ۱۵۸ (شائع کردہ کیسیل اینڈ کمپنی)

چراگاہ لیے لیے پھرنے کے زمانے ہی میں اس نے خوراک کے بیج دریافت کر لیے - کچھ پھل بھی ، اس کے علم میں آ گئے - وہ خوراک کے ان بیجوں اور پھلوں کو جھولی میں بھر لیتا ، اور نہ صرف ان سے وقتی طور پر پیٹ بھرتا ، انہیں ذخیرہ بھی کر لیتا - گو جانوروں کا گوشت وہ اب بھی کھاتا لیکن پہلے کی نسبت ، اس کی گوشت خوری میں بہت کمی آ گئی -

جب آدمی زندگی کے اس مرحلے میں داخل ہوا تو اس کی آوارہ خرامی میں بھی فرق پڑا - اس کی تعداد بہت بڑھنے لگی اور اس نے مکان بنا کر رہنا شروع کر دیا اور بستیاں بسا لیں ۱ -

ایچ جی ویلز کی رو سے ، یہ زمانہ کم و بیش آٹھ ہزار سال پہلے کا زمانہ تھا اور یہ عورتیں تھیں جن پر آدمی کی حیاتِ نو کی بقا کا زیادہ تر بوجھ پڑا تھا - وہ مردوں کی نسبت کہیں زیادہ محنتی اور جفا کش تھیں ۲- محقق ہیو کینیڈی کا بیان ہے ، یہ بھی عورتیں ہی تھیں ، جنھوں نے پہلے پہل محدود پیمانے پر کھیتی باڑی کا کام شروع کیا تھا ۳- فاضل ایچ جی ویلز نے ، اس خیال کی صحت پر کوئی شبہ وارد نہیں کیا اور اس امکان کو تسلیم کر لیا ہے - کیونکہ پتھر کے عہد میں ، مرد عموماً جنگلوں میں شکار کی خاطر آوارہ و سرگرداں پھرتے رہتے تھے اور گھر کی دیکھ بھال اور بچوں کی پرورش کے سلسلے میں عورتوں کو اپنے ٹھکانوں ہی پر رہنا پڑتا تھا -

بہت ممکن ہے کہ ابتدائی اناج کے بیج کسی ایسی عورت نے دریافت کیے ہوں جس کا بچہ بھوک سے اسی طرح بے تاب ہو جس طرح عربوں کے جدِامجد حضرت اسماعیل علیہ‌السلام اس وقت بے تاب ہوئے تھے جب سیدنا ابراہیم علیہ‌السلام ، انہیں اور ان کی مقدس ماں سیدہ ہاجرہ کو مکہ کے بے آب و گیاہ ماحول میں تنہا چھوڑ گئے تھے اور پیاسے اسماعیل علیہ‌السلام کی پیاس بجھانے کے لئے سیدہ ہاجرہ صفا و مروہ کے مابین کوئی سات بار دیوانہ وار دوڑتی پھری تھیں -

---

۱- آؤٹ لائن آف ہسٹری ، ص ۱۶۱ -
۲- لینڈ آف فائیو ریوز ، ص ۱۵ (آٹھواں ایڈیشن) -
۳- طبری جز اول ، ص ۱۲۹ - ابن کثیر جز اول ۱۵۵- ابنِ اثیر ، جز اول ، ص ۳۶ - ۳۷ مسعودی اول ، ص ۸۶ -

یہ بزرگ نبی اسماعیل علیہ‌السلام کے بچپن کا قصہ تھا ، اس لیے عرب تاریخ نے اسے اپنے حافظہ کی گرہ میں مضبوطی سے باندھ لیا اور اس نے ایک مذہبی روایت کی حیثیت اختیار کر لی ۔ ہو سکتا ہے کہ پاکستان کی جس پہلی عورت نے ، اناج کا پہلا بیج دریافت کیا ہو ، اور اسے اپنے گھر کے آس پاس ، زمین کھود کر پہلی بار بویا ہو ، اور پہلی فصل کاٹی ہو ، وہ بھی کوئی مقدس ماں ہو ۔

لیکن اس امکان کے باوجود تاریخ تو ابھی تک حتماً یہ فیصلہ بھی نہیں کر سکی کہ یہ کون سا خطۂ ارض تھا جہاں پہلے پہل اناج بویا گیا تھا ۔ اور یہ دور آیا پتھر کا زمانہ تھا یا مابعد کا دور ہے ۔ یوں ایچ ۔ جی ۔ ویلز نے ، کیپٹن آر ۔ کیمبل تھامپسن کی تحقیقات کو بنیاد مان کر ، یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ پتھر کے زمانے کے وحشی لوگوں نے ، آخری دور میں زراعت شروع کر دی تھی ۔ کیونکہ عراق کے قدیم ترین شہر ایریڈو ، کی کھدائی کے وقت جو زراعتی اوزار برآمد ہوئے ہیں وہ پتھر کے ہیں ١۔

ایچ ۔ جی ۔ ویلز کی رو سے نئے پتھر کا زمانہ ، حضرت مسیح علیہ‌السلام کی پیدائش سے پندرہ ہزار سال سے لے کر دس ہزار قبل تک چلا تھا ، اور یہ زمانہ جب ختم ہوا ، اور آدمی نے جنگلوں میں وحشی جانوروں کی طرح رہنے کی بجائے اپنی خوراک اپنے ہاتھ سے بونا شروع کی اور پتھر کی جگہ تانبے سے کام لینے لگا تو تقریباً سات ہزار سال اور گزر چکے تھے ٢ ۔

ایچ ۔ جی ۔ ویلز نے بڑے اعتماد کے ساتھ پتھر کے زمانے کے بعد سے شروع ہونے والے تانبے کانسی کے دور کو آٹھ ہزار سال قبل مسیح کا دور قرار دیا ہے ۔ یہ نو عمر زمانہ ٨٠٠٠ سال قبل مسیح سے لے کر ٦٥٠٠ سال قبل مسیح تک چلا ۔ اس میں ، آدمی نے تانبا اور پیتل ، دریافت کیا اور پختہ اینٹوں کے مکانات میں رہنے لگا ۔

مسٹر ویلر کے نزدیک ، پاکستان کے باشندے ، پتھر کے دور سے نکل کر ، جب تانبے ، کانسی اور ٹین کے عہد میں پہنچے تھے تو بھی

١۔ آؤٹ لائن آف ہسٹری ، ص ١٦۔
٢۔ آؤٹ لائن آف ہسٹری ، ص ١٦٣ ۔

عام آبادی ابھی تک پتھر کے اوزار استعمال کیا کرتی تھی اور یہ استعمال تین ہزار سال قبل مسیح تک جاری رہا تھا اور یہ بات صرف پاکستان کے باشندوں کے ساتھ مخصوص نہ تھی ، پورے ایرانی پلیٹو پر آباد انسانوں کا یہی عالم تھا [۱] -

۱- ویلر ص ۱۲ -

فصل سوئم

کیا پاکستان کے پہلے آباد کار دراویڈی تھے یا کول؟

تہذیبی اور ثقافتی استشہاد

مسٹر راولنسن نے مشہور پروفیسر وان آکسڈٹ کا یہ خیال بڑے وثوق کے ساتھ نقل کیا ہے کہ ارضِ پاکستان کے سب سے پہلے آباد کار وہ سیاہ فام لوگ تھے جو برفانی عہد میں افریقہ اور ملنشیا سے یہاں پہنچے اور کسی ایک حصے میں نہیں پورے ملک میں پھیل گئے تھے ۱ -

اس باب میں پروفیسر پال مسین اورسیل نے گو بات بہت مختصر کی ہے مگر فیصلہ کن انداز میں کہا ہے کہ ارضِ پاکستان کی سب سے پہلی آبادیاں، ان لوگوں کی تھیں، جو کولیری یا منڈا زبانیں بولتے تھے اور جو انڈو چائنا نسل کے ایک گروہ مون کھمیر سے متعلق تھے ۲-

پروفیسر رنگ آچاریہ نے اپنی کتاب، پری ہسٹارک انڈیا، میں عہدِ حجرِ اول میں یہاں کے پہلے آباد کاروں کو، لانبے سروں والی نسل میں شمار کیا ہے اور انہیں، افریقہ کے نیگروں اور آسٹریلیا کے لوگوں سے مشابہ ٹھیرایا ہے اور کہا ہے کہ یہ بہت ممکن ہے کہ ان قبائل کے اختلاط نے ان دراویڈن کو جنم دیا ہو، جن کی اولاد، اب بھی ہندوستان کے پہاڑوں اور میدانوں میں رہتی ہے - اپنے چھوٹے قدوں، تنگ پیشانیوں، چوڑے چہروں، چپٹی ناکوں اور سیاہ رنگتوں کے سبب یہ اب بھی نیگرو نسل سے مشابہ نظر آتی ہے اور سیلون کے ویدوں، ملایا کے ساکوں، اور آسٹریلیا کے قدیم باشندوں سے ان کا اشتباہ، ان کے آسٹریلوی نسل ہونے پر دال ہے -

---

۱- راولنسن، انڈیا، ص ۹، ۱۰ -

۲- اورسیل، اینشنٹ انڈیا، ص ۱۱ -

فاضل رنگ اچاریہ کے نزدیک ، یہ پہلی نسل ، جسے ہم پری ڈراویڈن کا نام دیتے ہیں کول اور منڈا لوگوں کے ہاتھوں مغلوب ہوئی تھی جو آسٹریلیا کی وسعتوں سے لے کر ، مغربی بنگال تک ایک وقت پھیل گئے تھے ۔ ہو سکتا ہے یہ لوگ ویڈی طرین ہوں ۔ بہرحال وہ ٹڈی دلوں کے سے انداز میں آسٹریلیا سے لے کر مغربی بنگال تک کی سرزمین پر محیط ہو گئے تھے ۔ ڈاکٹر سٹین کنور نے یہ رائے بھی ظاہر کی ہے کہ کولیرن ارض پاکستان میں بھی آباد ہو گئے تھے اور ان کے سیاسی اور سماجی اثرات ملک گیر تھے ۔

آیا منڈا زبان بولنے والے کول ، اور ڈراویڈن ایک ہی نوع انسان کے افراد ہیں یا دونوں کی نسلیں مختلف ہیں یہ بات علماء کے نزدیک خاصی متنازعہ‌فیہ رہی ہے ۔ یوں، رنگ اچاریہ کے نزدیک یہ مسلمہ حقائق میں سے ایک حقیقت ہے کہ ڈراویڈن ، عہد حجر اول کے اختتام اور عہد حجر نو کے آغاز میں اقتدار کی طرف لپکے تھے اور اس ملک کی سیاسی زندگی میں اہمیت حاصل کر لی تھی ۱ ۔

ڈراویڈی حسب نسب

ڈراویڈن کے اصل کے بارے میں بھی علماء تاریخ متحدالخیال نہیں ہیں ۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ منگولین نسل سے ہیں اور یہ تبت کی اونچائیوں سے ہمالیہ کے ان دروں تک پہنچے جو اس ملک میں باہر سے داخل ہونے والوں نے ، اکثر استعمال کیے ہیں ۔ اس خیال کی یہ ندرت بھی قابل ملاحظہ ہے کہ ڈراویڈن اس وقت یہاں آئے جب آریائی قبیلے پنجاب پر قابض ہو چکے تھے ۔ مشہور عالم ، سر ہربرٹ رسلے نے اس خیال پر کئی وزنی اعتراضات کیے ہیں ۔ ان کے نزدیک یہ خیال بنیادی طور پر ، تو اس لیے ناقص ہے کہ تبت کے لوگوں کی رنگتیں پیلی اور سفید ہیں اور چہروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی ہیں ۔ اگر ڈراویڈن ، منگولین نسل کے تھے اور تبت سے آئے تھے تو ان کے رنگ بھی پیلے ہوتے اور چہرے مہرے بھی تبتیوں سے مشابہت رکھتے۔ اس کے برعکس ، ڈراویڈن کی سیاہ رنگت تو ان کے لیے ، ان کے بعد کے آباد کار آریوں کے نزدیک تو ایک غیر معمولی عیب تھی ۔

۱۔ پری ہسٹارک انڈیا، ص ۶۸ ۔

فاضل کالڈول کے نزدیک ، ڈراویڈن تورانی الاصل ھیں اور ان کا گھر وسطی ایشیا میں تھا ۔ کیونکہ ، ان کی زبان میں سکھیتیئن ، ترکش ، منگولین اور فینش زبانوں کے کئی الفاظ موجود ھیں اور ان تمام زبانوں کی گرائمر اور لسانی خدو خال کی بنیاد ایک سی ھے ۔

فاضل کالڈول نے ، اس سلسلے میں ، دارا اول کے ان کتبوں کی زبان سے استناد کیا ھے جو بھشتون کے کتبات کے نام سے مشہور ھیں ۔ یہ بھشتون ، مغربی میڈیا میں واقع ھے ۔ وھاں جو کتبات نصب ھیں ، وہ تین زبانوں میں لکھے ھوئے ھیں ۔ یہ تین زبانیں ، بابلونی ، سکھیتی اور میڈی زبانیں ھیں ۔ ان کتبات کی سکھیتی زبان اور ڈراویڈن زبان کا اگر باھم تجزیہ و مقابلہ کیا جائے تو ان کی گرائمر نو مراحل میں ایک دوسرے سے مشابہت رکھتی ھے ۔

یوں کالڈول نے سکھیتی زبان اور ڈراویڈن زبان ، کے کئی اختلافات بھی شمار کیے ھیں تا ھم اس نے بہت سے مشترک الفاظ پیش کرنے کے بعد ، یہ حتمی رائے قائم کی ھے کہ ڈراویڈن زبان ، سکھیتی الاصل ھے ۱ ۔

اس سلسلے میں ایچ ۔ جی ۔ ولز کی یہ روایت ، بہت زیادہ قرین قیاس ہو گی کہ ڈراویڈن اور عراق کے سومیری ، دونوں ہم نسل تھے ۲ اور ان کی بہت سی باتیں ، شروع دور میں مشترک تھیں ۔

اگر ایچ ۔ جی ۔ ولز کا یہ گمان صحیح ہو ۳ تو پھر یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ ارض پاکستان میں یہ دونوں قبیلے یا تو ایک ساتھ آباد ہو گئے تھے یا ایک دوسرے سے کسی قدر بعد ، اس سرزمین میں وارد ہوئے تھے ۔ بہرحال یہ امر مسلمہ ھے کہ ڈراویڈن قبائل ، بیرونی لوگ تھے یہ پاکستان کے اصل باشندے نہ تھے ۔ اور یہ جب یہاں آئے تھے تو پاکستان پہلے سے آباد تھا ، اس لیے ہمارے نزدیک یہ پاکستان کے دوسرے آبادکار ھیں ۔

پروفیسر ، ای ۔ جے ۔ راپسن نے ڈراویڈن کے معلوم حالات کو قیاسی اور انہیں قبل از تاریخ کی قوم ٹھہرایا ھے ۔ یوں انہوں نے اس امر کو تسلیم

---

۱ ۔ پری ھسٹارک انڈیا ص ۸۱ ، ۸۲ ۔
۲ ۔ آوٹ لائن آف ھسٹری ، ص ۱۶۳ ۔
۳ ۔ آوٹ لائن آف ھسٹری ، ص ۱۶۳ ۔

کیا ہے کہ یہ لوگ خاصے مہذب اور شائستہ تھے اور انہیں جینے کے آداب سے خوب آگاہی تھی ۱ -

مسٹر پانیکار نے تو بڑے اعتماد کے ساتھ دعویٰ کیا ہے کہ ان ڈراویڈن قبائل نے ترقی کے بہت سے مدارج طے کر لیے تھے اور ان کا نظامِ زیست ٹائمی اصولوں پر قائم تھا - وہ وحشی جانوروں کو رام کرنا جانتے تھے اور چوپاؤں کے استعمال سے آگاہ تھے - وہ گو جنگلوں میں شکار کھیلتے تھے ، پھر بھی ان کے معاش کا انحصار زراعت اور کھیتی باڑی پر تھا - وہ پہاڑوں اور جنگلوں میں رہنے کی بجائے کھلے میدانوں میں بستیاں بسا کر رہتے تھے اور اُن کے تجارتی تعلقات مصر ، بابل ، اسویر اور کریٹ سے قائم تھے ۲ -

ہسٹری آف آرین رول ان انڈیا کے مصنف ای - بی - ہوسل نے ڈراویڈن قبائل کے بارے میں نسبتاً زیادہ معلومات مہیا کی ہیں - ان کی رو سے جب آرین قبائل شمال مغربی پاکستان کے میدانوں میں داخل ہوئے تھے تو یہاں ڈراویڈن کے علاوہ دوسری بعض اقوام بھی آباد تھیں اور ڈراویڈن ان سب سے زیادہ مہذب اور شائستہ تھے - اور ان میں جو دیہی نظام رائج تھا اس کو بنیاد و اساس مان کر آرین فاتحین نے اپنی حیاتِ اجتماعی کی بنیاد کھڑی کی تھی ۳ -

زیریں سندھ ، مکران ، اور بلوچستان
کے آباد کار اور ان کا نظامِ حیات

فاضل ہاشم نے گو کوئی نسلی تمیز پیدا نہیں کی ، یوں وہ چار ہزار سال قبلِ مسیح کے ان آباد کاروں کے بارے میں جو زیریں سندھ ، مکران اور بلوچستان میں آباد ہو گئے تھے ، حتماً یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ ان کی آبادیاں چھوٹی چھوٹی ہوتی تھیں - ان کا رقبہ شاذ و نادر ہی کبھی چند ایکڑ سے زیادہ وسیع ہوتا تھا ، پھر بھی ان کے مکانات خاصے آرام دہ ہوتے تھے ۴ - ان کی بنیادوں میں اور نچلے حصہ کی دیواروں میں پتھر استعمال کیے

---

۱ - کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ، ص ۳۷ -
۲ - ارلی ہسٹری آف انڈیا بائی پانیکار ، ص ۲ ، ۳ -
۳ - ہسٹری آف آرین رول ان انڈیا ، ص ۱۲ -
۴ - ونڈر دیٹ واز انڈیا ، ص ۱۳ -

جاتے اور اوپر کے حصے کی دیوار مٹی کی اینٹوں سے تعمیر کی جاتی ۔ یہ اینٹیں ، شروع دور میں تو دھوپ میں خشک کر لی جاتی تیں ۔ بعد میں بھٹوں میں پکائی جانے لگیں ۔ یہ لوگ مٹی کو پکا کر اس سے برتن بھی بنا لیتے تھے ، اور برتن سازی کے فن میں رفتہ رفتہ انہوں نے بڑی مہارت پیدا کر لی تھی ۱ ۔

کوئی تین ہزار سال قبل مسیح کے جو آثار بلوچستان اور وادیٔ ژوب سے برآمد ہوئے ہیں ، ان سے یہ شہادت بھی میسر آتی ہے کہ ان لوگوں نے پیتل اور تانبا دریافت کر لیا تھا اور ان کے اکثر اوزار اب پیتل اور تانبے کے ہوتے تھے ۔ بعض ظروف بھی ، یہ لوگ تانبے اور پیتل کو ڈھال کر بنانے لگے تھے ۔

فاضل ہاشم کا خیال ہے کہ شروع دور کے ان دیہات کی سماجی زندگی اور رسوم و رواج میں خاصا بُعد تھا ، خصوصیت سے بروھی پہاڑ کے آباد کاروں کی رسوم اور تھیں اور سندھ اور مکران کے علاقوں کے آباد کاروں کی اور ۔ مزاج اور عادات و اطوار میں بھی خاصی دوری تھی ۔

فاضل ہاشم کی اس رائے کی بنیاد یہ ہے کہ اوپر کے حصے کے آباد کار سرخ رنگ کی زمین والے ظروف تیار کرتے تھے اور جنوبی اضلاع کے باشندے، اپنے برتنوں کی زمینیں سیاہ رکھتے تھے ۔

مکران کے علاقہ کلی کے رہنے والے، اپنے مردوں کو جلا دیتے تھے اور بروھی پہاڑوں میں نل کے ماحول میں بسیرا کرنے والے اپنے مردوں کے جسموں کی کھالیں اور گوشت تو جلا دیتے مگر ہڈیاں اور ڈھانچے دفن کر دیتے تھے ۲ ۔

ان کا مذہب بھی قریب قریب ویسا ہی تھا جیسا کہ اس دور میں وسط ایشیا کے دوسرے آباد کاروں کا تھا ۔ یہ سارے کے سارے آباد کار دھرتی ماتا کی فرضی روایتوں کی پرستش کرتے تھے ۔ جو مورتیاں ، وسطی ایشیا کے قریب قریب ہر مقام سے کھدائی کے بعد نکالی گئی ہیں ان میں حد درجہ تشابہ موجود ہے ۔ جس سے ماہرین آثار قدیمہ نے یہ بجا قیاس کیا ہے کہ اس دور میں وسطی ایشیا کی ساری زراعت پیشہ قومیں ایک ہی قسم

---

۱ ۔ ونڈر دیٹ واز انڈیا ، ص ۱۵ ۔

۲ ۔ لینڈ آف فائیو ریورز ، ص ۳ ۔

کے بت پوجتی تھیں ۱ ۔ ان بتوں میں ، یا تو دھرتی ماتا کے بت نمایاں تھے یا بیلوں کے ۔ بابل سے لے کر ، بلوچستان اور سندھ کے میدانوں تک ، دھرتی ماتا اور بیلوں کو برابر ایک جیسا تقدس نصیب تھا ۔ اس پوری سرزمین کے لوگ ایک جیسی عقیدت سے ان دونوں طاقتوں کے بتوں کے سامنے جھکتے ، اس لیے کہ یہ دونوں ان کے عقیدے کے مطابق ان کے رزق رساں تھے ۔ دھرتی ماتا بیج اگاتی ، پھل ، پھول اور سبزہ لہراتی اور بیل ھل جوتتے اور گائیں دودھ دیتیں ۔ اس دور کے سادہ مزاج لوگوں کو ، ان دونوں کے احسانوں کے شکریے میں ان کے آگے اپنے سر جھکانے ضروری معلوم ہوئے ۔ اور جن لوگوں نے ان کے آگے سر جھکانے پر کم توجہ کی ، انہوں نے بھی ان کے بتوں اور مجسموں میں نئے نئےاور خوبصورت رنگ بھر کر انہیں خراج عقیدت پیش کیا ۔ کلی اور رانا چندائی کے علاقوں سے برآمد ہونے والے مجسمے ، اپنی خوبصورت اور فن کارانہ نقاشی کے سبب ، باقی علاقوں کے مجسموں سے کافی نمایاں ھیں ۔

یوں بھی اس دور میں نقاشی خاصی ترقی کر گئی تھی اور مشاق اور ھنر مند بلوچی ، سندھی ، کلی اور ژاھی مٹی اور پتھروں کے ظروف بالکل اسی مہارت سے تیار کرتے جو بابل اور ایران کے قدیم ترین مقامات کے لوگوں کو حاصل تھی۱ ۔

فاضل ہاشم کا یہ خیال بھی سو فی صدی درست ہے کہ اس دور کے تریب قریب تمام ایشیائی باشندوں کی ظروف سازی، ایک دوسرے سے بے حد ملتی جاتی تھی ۔

زمینوں کا رنگ بھی ایک جیسا تھا اور بیل بوٹے بھی ایک ھی طرح کے تھے ۔ اور یہ بات اس امر پردال ہے کہ ایرانی پلیٹو پر آباد ، لوگ ذھن کے لحاظ سے بھی ایک تھے ، مذھب کے اعتبار سے بھی ایک اور ان کی تہذیب بھی ، ایک دوسرے کی شبیہ تھی اور ان میں وہ تہذیبی اور ثقافتی حد بندیاں قطعاً پیدا نہ ھو پائی تھیں جو نئے دور نے انہیں بہ طور تحفہ نذر کیں ۔

اس سلسلے میں فاضل ھیو کنیڈی نے جے ، ایل ، مائرس کے حوالے

---

۱ ۔ ونڈر دیٹ واز انڈیا ، ص ۵ ۔

سے ایک اور دلچسپ بات بھی کہی ہے کہ جب ارضِ پاکستان کے وسیع میدانوں میں زراعت پر مبنی ایک قدیم تہذیب ہولے ہولے اوپر کو اٹھ رہی تھی تو وسطی ایشیا کے بہت زیادہ منظم اور زیادہ طاقت ور خانہ بدوش قبائل نے پنجاب کے غیر مسلح میدانوں پر حملہ بول دیا تھا اور بجائے اس کے کہ وہ لوٹ مار کر کے واپس چلے جاتے ، یہیں بس گئے تھے ۔ اب زمینوں کے مالک وہ تھے ۔ یہ حملہ آور آیا ڈراویڈن تھے یا سومیری ، یہ سوال خاصا الجھا ہوا ہے ۔ اگر ڈراویڈن سومیریوں سے پہلے کے آباد کار تھے تو پھر نئے حملہ آور سومیری تھے اور اگر بات برعکس تھی یعنی سومیری پہلے تھے تو پھر نئے حملہ آور ڈراویڈن قرار پائیں گے ۔

ڈراویڈن قبائل نے شمال مغربی پہاڑی راستوں کو آزمایا تھا

ڈراویڈن کے متعلق ھیو کنیڈی نے بڑے وثوق کے ساتھ یہ بات بھی کہی ہے کہ وہ شمال مشرقی دروں اور شمال مغربی پہاڑی راستوں سے پنجاب کے بالائی میدانوں ، وادیٔ کشمیر اور سندھ کے کناروں کی طرف بڑھے تھے ۔ یہ لوگ یا تو تبت کے رہنے والے تھے یا چین کے باشندے تھے ۔ اور اس درجہ مہذب تھے کہ جب پنجاب میں داخل ہوئے تو ہندوستان کے دوسرے علاقوں کے آباد کاروں نے ان کی تہذیب کو مشعلِ راہ بنایا ۱۔

فاضل ھیو کنیڈی کی یہ روایت اگر صحیح سمجھی جائے تو پھر ماننا پڑے گا کہ ڈراویڈن اور سومیرین ایک دوسرے کے رشتہ دار نہ تھے ، نہ دونوں کی نسل ایک تھی اور نہ ھجرت سے پہلے کا وطن ایک تھا ۔ کیونکہ یہ امر مسلمہ ہے کہ سومیرین نے بابل سے ، بلخ ، ھرات اور ہندوکش تک رسائی پانے والے راستے کو پامال کیا تھا اور درۂ بولان اور وادیٔ ژوب میں پہلے پہل آباد ہوئے تھے ۲۔

اگر ڈراویڈن اور سومیرین ایک نہ تھے دو تھے ، تو پھر اس بات کا بھی امکان ہے کہ ڈراویڈن کی آمد کے باوجود ، سومیرین ، سندھ اور

۱۔ لینڈ آف فایوریورز ، ص ۳۰ ۔

۲۔ پروفیسر اے ۔ جے ۔ راپسن کا مقالہ کیمرج ہسٹری آف انڈیا میں ، ص ۳۲ ، ۴۲ ، ۴۳ ۔

بلوچستان میں برابر آباد رہے ہوں اور ڈراویڈن کا عمل دخل کشمیر ، وادیٔ کانگڑہ ، راولپنڈی اور سیال کوٹ کے اضلاع تک محدود ہو -

ڈراویڈن باہر سے آئے تھے

پروفیسر اے - جی - راپسن کے نزدیک تمام وہ قبائل جو ڈراویڈن زبانیں بولتے تھے ، ڈراویڈن نسل میں سے نہ تھے - یوں یہ سب کے سب باہر کے لوگ تھے اور ان کے میل جول سے ایک مخلوط نسل پیدا ہوگئی تھی - اور یہی وہ مخلوط نسل تھی ، جو آرین کی آمد کے وقت ارضِ پاکستان میں بسی تھی ۱ اور ڈراویڈن کے نام سے موسوم تھی اور ڈراویڈن زبان بولتی تھی -

بروھی زبان کے استشہاد

اس اظہارِ خیال کے باوجود پروفیسر راپسن کو یہ یقین نہیں ہے کہ ڈراویڈن قبائل کس راہ سے ہندوستان میں داخل ہوئے تھے اور ان کی اصل کیا تھی - وہ فرماتے ہیں کہ ڈراویڈن کے اصل کے بارے میں غور کرتے وقت ہمیں بروھی زبان کو کسی طرح بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے جو بلوچستان کے اس پہاڑی حصے میں اب بھی بولی جاتی ہے جس میں ہندوستان کے مغربی درے واقع ہیں -

اور کیا اس زبان اور اسے بولنے والے قبیلے کے وجود سے یہ شہادت میسر نہیں آتی کہ ڈراویڈن زبان بولنے والے قبائل مغربی سمت سے شمال مغربی علاقے میں داخل ہوئے تھے - یا اس کے معنی یہ سمجھنے جائیں کہ شمالی سمت کی آبادی جب بہت بڑھ گئی تھی تو اس کا زوردار ریلا بلوچستان پر آن رکا تھا ۲-

فاضل راپسن نے خود ھی آخر کے امکان کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ چونکہ یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ آدمیوں کے انبوہ کے انبوہ اس ملک میں باہر سے داخل ہوئے تھے نہ کہ ہندوستان کے اندر کے لوگ باہر گئے تھے ، اس لیے یہ نظریہ کہ ہندوستان کی بڑھتی ہوئی آبادی نے اس سرحدی پہاڑی حصہ تک رسائی پا لی تھی زیادہ قرینِ قیاس نہیں ہے ۳-

---

۱- پروفیسر اے - جے - راپسن کا مقالہ کیمرج ہسٹری آف انڈیا میں ، ص ۴۲ ، ۴۳ -

۲ و ۳- کیمرج ہسٹری آف انڈیا ، جلد اول ، ص ۴۲ ، ۴۳ -

اس سلسلے میں پروفیسر راپسن نے ایک اور نکتہ بھی پیدا کیا ہے کہ بروھی قوم ، جسے ڈراویڈن کی یادگار ٹھیرایا گیا ہے ، زیادہ تر ایرانی الاصل ہے ۔ اور ان دنوں جو لوگ بروھی زبان بولتے ھیں ، ان میں کردوں ، جدگل اور بلوچوں کی اکثریت ہے ، اور ان میں سے کوئی بھی ڈراویڈن نسل کا نہیں ہے ۔

اس گفتگو کے بعد ، پروفیسر راپسن نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ بلوچستان میں ڈراویڈن نسل کی نشانی بروھی زبان اس امر کی بین دلیل ہے کہ ڈراویڈن ارضِ پاکستان میں بلوچستان کے راستے سے داخل ہوئے تھے ۔

فاضل راپسن سے اختلاف کی جرأت کیے بغیر ہم یہ کہنے پر مجبور ھیں کہ فاضل راپسن کو ان تہذیبی انکشافات کا علم نہ ھوا تھا ، جو پروفیسر سٹورٹ پگٹ کی کھدائی کا نتیجہ ھیں ورنہ وہ ڈراویڈن قبائل کی آمد کی راہ درۂ بولان کو متعین کرنے پر اصرار نہ فرماتے ۔ کیونکہ جیسا کہ ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ھیں کہ یہ ڈراویڈن نہیں تھے جو درۂ بولان کے راستے ارضِ پاکستان میں داخل ھوئے تھے ۔ یہ سومیرین تھے ۔ اور یہی بروھی زبان جس کی موجودگی سے فاضل راپسن نے استدلال فرمایا ہے ، اس امر کی شہادت بھی دیتی ہے کہ وہ ایک ایسی نسل کی وارث ہے جو ایرانی سطح مرتفع پر کافی وسیع حلقے میں آباد تھی ۔ جس کی نہ صرف زبان ایک تھی ، تہذیب بھی ایک تھی اور رہن سہن کے طریقے بھی ایک سے تھے ۔

سومیری تہذیب اور ڈراویڈن

ہمارے نزدیک وہ آثار جو موہن جوڈیرو ، ہڑپا اور بلوچستان اور سندھ کے مختلف '' ٹیلوں '' سے برآمد ھوئے ھیں ۔ اسی ایک نسل کے ھیں ۔ یوں لازماً ، اس بات کا بھی امکان ہے کہ ڈراویڈن اور ان کے میل جول سے جو تہذیب پیدا ھوئی ہے ، وہ بھی کچھ الگ نہ ھو ۔ اس سلسلے میں فاضل ، ایچ ۔ جی ۔ ویلز اور لیوس سنپس کی یہ شہادت بھی قابلِ توجہ ہے کہ سومیرین تہذیب اس درجہ اونچی اور اعلیٰ تھی کہ جن سامی حملہ آوروں نے سومیرین سے لڑ کر اور انہیں مغلوب کر کے عراق کے میدانوں پر تسلط پایا تھا وہ بھی اسے اختیار کرنے پر مجبور ھوگئے تھے۱ ۔

۱۔ اؤٹ لائن آف ھسٹری ص ۱۶۴ ۔ (مصنفہ ایچ ۔ جی ۔ ولز)

فاضل لیوس سنپس نے تو بڑے اعتماد کے ساتھ کہا ہے کہ عراق پر حملہ آور ہونے والے سامیوں نے اس سومیری تہذیب کو بڑی خوشی و رغبت کے ساتھ اپنا لیا تھا، جو ان کے داخلۂ عراق کے وقت وادیٔ فرات میں پنپ رہی تھی ۔ انہوں نے نہ صرف سومیری تہذیب کو اپنایا، جو زبان وہ بولتے یہاں آئے تھے، اسے بھی سومیری رسم الخط کا جامہ پہنا دیا تھا ۱۔

بالکل یہی بات ڈراویڈن اور سومیریوں کے باب میں بھی عمل میں آئی تھی ۔ اور ڈراویڈن نے بھی سومیری تہذیب اختیار کر لی تھی ۔

یوں فاضل راپسن کا یہ خیال بہت صحیح ہے کہ امتدادِ زمانہ کے سبب، سومیری اور ڈراویڈی بالکل ایک ہوگئے تھے، اور جو مخلوط نسل آگے کو پھیلی، وہ ڈراویڈین کہلائی ۲۔

اور یہ ادغام ۳۸۰۰ سال قبلِ مسیح سے لے کر پندرہ سو سال قبل مسیح تک کے زمانہ میں ہوا تھا ۔ اور اس دوران میں بلوچستان، وادیٔ زوب، وادیٔ سندھ اور پنجاب کے ہڑپا ایسے مقامات پر جو تہذیب پروان چڑھی، وہ قریب قریب ایک جیسی تھی ۔

وادیٔ زوب، وادیٔ سندھ اور پنجاب کی تہذیب میں یکسانیت

فاضل ویلر بڑے فخریہ انداز میں فرماتے ہیں کہ ڈھائی ہزار سال اور پندرہ سو سال قبلِ مسیح کے دوران میں اگر کوئی شخص کراچی کے مغرب میں واقع ستاگین ڈور سے شملہ پہاڑ کے دامن میں آباد روپڑ کا سفر اختیار کرتا، تو گو ان دونوں مقامات کے مابین ایک ہزار میل کی مسافت حائل تھی، تاہم اسے سڑک کے دونوں کناروں پر آباد بستیوں میں جو تہذیب پنپتی نظر آتی وہ ایک جیسی تھی، کہیں کے رہن سہن اور اندازِ زیست میں بھی تو کوئی اختلاف نمایاں نہ تھا ۔

اس پورے علاقہ کی صنعتیں بھی ایک تھیں اور رسوم و رواج بھی ایک

۱۔ مائتھس اینڈ لیجنڈز آف بیبیلونیا اینڈ اسیریا مصنفہ لیوس سپنس ص ۱۶ ۔

۲۔ راپسن کیمرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول ص ۴۳ ۔

جیسے تھے اور غالب خیال یہ ہے کہ یہ سارا علاقہ ایک ہی حکومت کے تابع تھا ۱ ۔

فاضل ویلر نے اس بات پر بھی فخر کیا ہے کہ اس وسیع و عریض علاقہ کی تہذیب نہ صرف باہم مشابہ تھی ، یہ اس وقت کی دو عظیم تہذیبوں وادیٔ نیل اور تہذیبِ وادیٔ فرات کے ہم پلہ تھی ۲ ۔

لندن یونیورسٹی کے استاد تاریخ ہند پروفیسر باشم نے ، سر ویلر کی طرح ، وادیٔ سندھ کی تہذیبی عظمت کے گیت نہیں گائے تاہم ، ان کے نزدیک بھی وادیٔ سندھ کی تہذیب ، اپنے ثقافتی معیار کے لحاظ سے ، بابل اور مصر کی تہذیب سے بہت مشابہ تھی ۳ ۔

فاضل باشم نے شکایت کے سے انداز میں لکھا ہے کہ دریائے نیل و فرات کی تہذیبوں کے بارے میں ہمیں خاصی معلومات حاصل ہیں ۔ کیونکہ یہ اپنے بارے میں بہت کچھ تحریری مواد اپنے پیچھے چھوڑ گئی ہیں ۔ لیکن وادیٔ سندھ کی تہذیب نے ایسا کوئی مواد ، اگلی نسل تک منتقل نہیں ہونے دیا ۴ ۔ اور بدنصیبی تو یہ ہے کہ جو مختلف مہریں ، متعدد مقامات سے برآمد ہوئی ہیں ، ان پر جو رسم الخط کندہ ہے وہ ہزار کوشش کے باوجود آج تک پڑھا نہیں جا سکا ۔ اور اگر یہ رسم الخط ہی پڑھا جا سکتا ، تو بہت ممکن ہے کہ موہن جوڈیرو اور ہڑپا کے آثار سے وابستہ بہت سے سربستہ راز منکشف ہو جاتے ۔ ان مہروں کے رسم الخط پر جی ۔ آر ۔ ہنٹر نے ایک مستقل کتاب تالیف کی ہے ۔ گو ، وہ بھی ، اس رسم الخط کو پڑھنے میں کامیاب نہیں ہو سکے ، تاہم ان کا خیال ہے کہ یہ رسم الخط نہ تو سومیرین ہے اور نہ اسے کوئی اور معلوم نام دیا جا سکتا ہے ۔ یوں ، اس میں اور بعض دوسرے رسم الخطوں میں خاصا تشابہ موجود ہے ، جس سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے ، کہ اس رسم الخط اور موجودہ رسم الخطوں کا اصل ایک ہی رسم الخط تھا ۔ اور استدادِ زمانہ کے سبب ، ان میں باہم کچھ اس درجہ دوری پیدا ہوئی کہ ہر ایک کی ماہیت و نوعیت قطعاً بدل گئی ۔ جی ۔ آر ۔ ہنٹر کے نزدیک یہ خیال کسی لحاظ سے بھی درست نہیں

---

۱ ۔ ۲ ۔ ویلر ص ۲۵ ۔

۳ ۔ ونڈر دیٹ واز انڈیا ، ص ۱۴ ۔

ہے کہ اس رسم الخط کے بانی آریائی قبائل تھے ۔ کیونکہ آریائی بارہ سو سال قبل مسیح سے پہلے ہندوستان میں داخل نہیں ہوئے تھے ۔ اور جہاں تک اس رسم الخط کا تعلق ہے یہ بارہ سو سال قبل مسیح سے کئی سو سال پہلے کا ہے۱ ۔ اس باب میں ، جی ۔ آر ۔ ہنٹر نے میکے کی اس رائے سے استناد کیا ہے جو فاضل محقق نے کش سے برآمد ہونے والی ایک مہر کے رسم الخط کے متعلق قائم کی تھی ۔

جی ۔ آر ۔ ہنٹر کے نزدیک یہ نظریہ صحیح ہو سکتا ہے کہ موہن جوڈیرو اور ہڑپا کے آبادکار ڈراویڈن ہوں ۔ اس خیال کی صحت کو ممکن بنانے کے لیے فاضل ہنٹر نے بلوچستان کے پہاڑی علاقہ میں آباد قبیلہ بروہی کے وجود اور اس کی زبان سے بھی سند لی ہے۲ جی آر ، ہنٹر کے نزدیک یہ بھی ممکن ہے کہ ڈراویڈن سمندر کے راستے، ارض پاکستان میں داخل ہوئے ہیں ۔ وہ پہلے پہل ، بلوچستان کے اس ساحل پر اترے ہوں ، جس کے قریب بروہی قبیلہ اب بھی آباد ہے ۔ فاضل ہنٹر نے یہ گمان بھی ظاہر کیا ہے کہ باہر سے سمندر کے راستے اس ملک میں داخل ہونے والے ڈراویڈن قبائل ، بلوچستان کے ساحل پر اتر کر ، ان دریاؤں کے راستے اندرون ملک کی طرف بڑھے ہوں جن میں جہاز رانی ممکن تھی ۔ فاضل ہنٹر کو یہ خیال اس لیے بھی پیدا ہوا کہ موہن‌جوڈیرو اور ہڑپا سندھ اور راوی کے کناروں پر آباد تھے اور ان دونوں دریاؤں میں ، اس دور میں خوب جہاز رانی ہوتی تھی ۳۔

ایس وی فرنکٹ سومیرا نے اپنی کتاب انڈین کلچر تھرو ایجز میں ، فاضل ہنٹر کے اس خیال کی تردید کی ہے اور بڑے وثوق کے ساتھ دعویٰ کیا ہے کہ ڈراویڈن قبائل قطعاً باہر سے سمندر کے راستے یا درۂ خیبر کی راہ

۱۔ ونڈر دیٹ واز انڈیا ، ص ۱۴ ۔

۲۔ سکرپٹ آف ہڑپا اینڈ موہن جوڈیرو مصنفہ جی آر ہنٹر ، مطبوعہ لندن ۱۹۳۴ء ص ۱۲ - ۱۳ — ۱۷ - ۱۸ سائنسی سے انٹیکوٹی جون ۱۹۲۷ء ص ۲۰۶ ۔

۳۔ جی ۔ آر ۔ ہنٹر ، سکرپٹ آف ہڑپا اینڈ موہن جوڈیرو ، مطبوعہ لندن ، ص ۱۷ — ۱۸ ۔

اس ملک میں داخل نہیں ہوئے تھے ۔ یہ لوگ اصلاً یہیں کے باشندے تھے۔ ایس ۔ وی ونکٹ سومیرا نے جنوبی ہند میں اب تک ڈراویڈن تبائل کی موجودگی سے سند لی ہے ، جو نہ صرف ڈراویڈن زبان بولتے ھیں ، جن کے رسوم و رواج اور عقائد تقریباً وھی ھیں جو عہدِ قدیم میں ھڑپا اور موھن جوڈیرو میں آباد ڈراویڈن کے تھے ۔ فاضل ایس ۔ وی ۔ ونکٹ سومیرا کے نزدیک بلوچستان کے ساحلی علاقے سے متصل بروھی قبیلے کی آبادی اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ ڈراویڈن سمندر کے راستے ھندوستان میں داخل ھوئے تھے ۔ ان کے نزدیک یہ لوگ ھندوستان بھر میں آباد ڈراویڈن اور سمندر پار کے ملکوں کے مابین تجارتی واسطہ تھے ۔ یہ بروھی اپنی قوم کی طرف سے ساحل پر اس لیے رہتے تھے کہ ان کی تجارت کی نگرانی کریں ۱ ۔ عجیب بات ہے پروفیسر باشم ریڈر انڈین ھسٹری لندن یونیورسٹی نے بلوچستان میں موجود بروھی قبیلے اور اس کی زبان کے وجود سے جو رائے قائم کی ہے ، وہ ونکٹ .سومیرا کے خیال کے قطعاً برعکس ہے ، فاضل باشم کے خیال میں ھندوستان کے جنوبی علاقوں میں جو ڈراویڈن نسل آباد ہے ، یہ کبھی بلوچستان اور سندھ میں بھی آباد تھی ، محض وھیں نہیں ، پورے کے پورے آباد ھندوستان میں اسی کا عمل دخل تھا ، جیسے جیسے بیرونی حملہ آور بلوچستان ، سندھ اور شمالی مغربی سرحدی علاقوں پر قابض ھوتے گئے ، ڈراویڈن تبائل پیچھے کی طرف ھٹتے گئے ۔

فاضل باشم نے اپنے اس خیال کی تائید میں مشہور مستشرق ، فادر ایچ ۔ ھیرس کے اس نظریے کو بھی دھرایا ہے ، جس کی بنا پر فادر ایچ ھیرس نے یہ ادعا کیا ہے کہ ھندوستان کے جنوبی حصے میں بولی جانے والی تامل زبان کی اصل ھڑپا کے آباد کاروں کی بولی تھی۲۔ غالباً ایسا معلوم ھوتا ہے کہ فاضل باشم نے فادر ایچ ، ھیرس کے اس نظریہ کو دھراتے وقت یہ امر ملحوظ نہیں رکھا کہ ھڑپا اور موھن جوڈیرو کا رسم الخط ابھی تک ھزار جستجو کے باوجود پڑھا نہیں جا سکا ۔

۱۔ انڈین کلچر تھرو ایجز ، ص ۷ — ۱۲ (مطبوعہ لانگسمین گرین . اینڈ کمپنی)

۲۔ ونڈر دیٹ واز انڈیا ص ۲۴ ۔

ڈراویڈن پہلے آباد کار نہ تھے

بہر نوع ، یہ بات اب کسی مزید استدلال کی محتاج نہیں رہی کہ شمال پاکستان کے شروع دور کے آباد کاروں میں ڈراویڈن اپنے بعد آنے والے آرین قبائل سے کسی طرح بھی کم اہم نہ تھے ۱ ۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ڈراویڈن ، اس خطۂ ملک کے پہلے آباد کار نہ تھے ، ان سے پہلے کئی نسلیں یہاں آباد رہ چکی تھیں ، جن میں سے بعض ایسی نسلیں بھی تھیں ، جن کی اصلیت کے بارے میں بجز اس کے کچھ اور معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ اس زمانے میں یہاں رہتی تھیں جب کہ آدمی ابھی پتھر کے عہد میں تھا ۔ البتہ کول ، سنتال اور منڈا کے بارے میں جو اب بھی چھوٹا ناگپور اور بنگال میں بکثرت آباد ہیں ۔ فاضل بیڈن پاویل نے مسٹر ہیوٹ کے واسطے سے خاص معلومات بہم پہنچائی ہیں ۔ لیکن چونکہ یہ قبائل ، اس وقت بھی ہندوستان کے باشندے ہیں اس لیے ہم ان کے بارے میں مزید جستجو کو اپنے موضوع سے خارج سمجھتے ہیں ، البتہ اتنی وضاحت ضروری جانتے ہیں کہ یہ قبائل ، موجودہ دور کی طرح ماضیٔ بعید میں بھی جتھہ بندی اور جماعتی تنظیم کے پابند نہ تھے ، اس لیے ڈراویڈن نے جو بیڈن پاول کے نزدیک بڑے منظم اور متحد لوگ تھے ۲ انہیں بری طرح کچل ڈالا ، ان کی املاک ان سے چھین لیں ، پہلے انہیں شمال مغربی پاکستان کی وسعتوں سے خارج کیا اور پھر جب آرین حملہ آوروں نے خاصی مدت بعد خود ڈراویڈن کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا تو یہ بھی موجودہ اڑیسہ بہار اور بنگال کی طرف سمٹ آئے ، اور یہاں آباد کرلوی ، سنتالوی اور منڈوی سے ان کی زمین بھی چھین لیں اور سیاسی اقتدار بھی حاصل کر لیا ۳ ۔

بیڈن پاول کا نظریہ

ڈراویڈن کے بارے میں بیڈن پاول نے ایک عجیب بات یہ بھی کہی

۱۔ انڈین کلچر تھرو ایجز ص ۱۰ — ۱۱ ایشیاٹک کوارٹرلی ریویو اپریل ۱۸۸۷ء ص ۳۹۶ ۔

۲،۳ بیڈن پاول ، انڈین ولیج کمیونٹی ، ص ۱۵۳ ۔ مطبوعہ لانگسمین گرین اینڈ کمپنی (۱۸۹۶ء) ۔

ہے کہ یہ قبائل ، آرین یا کرلوی سے اختلاط کو قطعاً برا نہ جانتے تھے ۔ اس کے باوجود ، چھوٹا ناگپور اور اڑیسہ کے پہاڑی اضلاع میں ان کی تعداد بہت ہے اور ان کے دیہات کا نظام قریب قریب وہی ہے ، جو ماضیٔ بعید میں تھا ۱۔ فاضل ہیڈن پاول کے نزدیک بھی یہ حقیقت مزید وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ ڈراویڈن قبائل ماضیٔ بعید میں پاکستان کے آباد کار تھے ، البتہ فاضل ہیڈن پاول نے اس سوال کےجواب میں اپنے عجز کا اعتراف کیا ہے کہ ان ڈراویڈن کا ماضی کیا تھا اور آیا یہ وادیٔ سندھ کے راستے جنوبی ہند میں پہنچے تھے یا جنوب سے شمال کی طرف گئے تھے ؟ البتہ اس امکان کو تسلیم کیا ہے کہ ڈراویڈن قدیم زمانے میں وندھیا پہاڑ کے دونوں سمت آباد تھے ، اور شمالی علاقے میں آرین کی آمد اور سیاسی غلبے کے بعد کچھ اس درجہ دل شکستہ ہوئے ، کہ انھوں نے ، اپنے الگ وجود کو قائم رکھنا ضروری نہ جانا اور عام ہندو آبادی میں خود کو گم کر دیا ۲۔

فاضل ہیڈن پاول نے بہت اختصار سے کام لیا ہے ۔ ہم آگے چل کر اس کی وضاحت کریں گے ، کہ ڈراویڈن اور نووارد آرین قبائل میں ، سیاسی تغلب کی خاطر ، بڑی سخت معرکہ آرائی ہوئی تھی اور ڈراویڈن نے اس وقت مغلوبیت تسلیم کی تھی جب وہ قدم قدم پر آرین قبائل سے مقابلہ کرچکے تھے اور غالباً یہ ان کا جذبۂ تقابل اور تخاصم تھا جس کی بنا پر ، رگ وید نے ان کی تحقیر ضروری جانی اور اس کے مؤلفین نے ، ان کے خلاف کئی منتر کہہ ڈالے تھے ۔ فاضل ہیڈن پاول نے موضوع کو وسعت دیتے ہوئے یہ بات بھی کہی ہے کہ جب آرین وندھیا پہاڑ کے اس سمت تک محدود تھے تو وندھیا پہاڑ کے دوسرے رخ پر یعنی جنوبی ہند میں ، ڈراویڈن ہی کی شاہی تھی ، سیاست بھی ان کی باندی تھی اور سماج بھی ان کا غلام تھا ۔ فاضل ہیڈن پاول نے یہ کہتے وقت ، ان کھنڈرات کو پیشِ نظر رکھا ہے ، جو جنوبی ہند کی وسعتوں میں جا بہ جا موجود ہیں ۔ یہ کھنڈرات اونچے محلات کے بھی ہیں اور تالابوں اور سراؤں کے بھی ، اور انہیں دیکھ کر ہر شخص یہ اندازہ بہ آسانی کر سکتا ہے کہ ڈراویڈن اپنے وقت کے عظیم معمار تھے ۔

---

۱ ۔ ہیڈن پاول ص ۱۶۰ ۔

۲ ۔ ہیڈن پاول انڈین ولیج کمونیٹی ص ۱۶۱ ۔

زراعت نے بھی ، ان کے اقتدار کے دنوں میں خوب عروج حاصل کیا تھا ۔ اور یہ ماننے میں بھی ہمیں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے کہ ان کا دیہی نظام بھی ہر طرح سے مکمل تھا اور یہ آرین اساتذہ نہیں تھے جنھوں نے ڈراویڈن کو یہ ہنر سکھائے تھے ۔ وہ آپ ہی اپنے معلم تھے ۱ ۔ ورنہ چھوٹا ناگپور اور بالائی نربدا وادی میں ، وہ انگریزوں کے اقتدار تک زندہ نہ رہ سکتے اور ڈراویڈن ریاستیں ماضی سے نکل کر حال کے مرحلہ میں قطعاً داخل نہ ہوتیں ۲ ۔

ڈراویڈن معماری کے معلم

ہم نے فاضل پیڈن پاول کی گفتگو کا یہ ملخص اس لیے پیش کیا ہے ، کہ پڑھنے والوں پر واضح کر سکیں کہ ماضی بعید میں آج سے کوئی چھ ہزار سال پہلے جن ڈراویڈن نے سندھ اور راوی کے کناروں پر موہن جوڈیرو اور ہڑپا جیسے عظیم شہروں کی بنا رکھی تھی انہوں نے ، تعمیر کا ہنر ، آرین سے نہیں ، ان معلمین سے سیکھا تھا ، جو بابل اور اہرام مصر کے معماروں کے استاد بنے تھے اور فاضل ونکٹ سومیرا کے علی‌الرغم ، انہوں نے اپنے ان اساتذہ سے یہ فن تعمیر شمال مغربی ہند میں آنے سے پہلے ہی سیکھ لیا تھا ۔

ڈراویڈن کا راستہ اور ہولڈوچ

ہمیں سر تھامس ہولڈچ کے اس خیال سے مکمل اتفاق ہے کہ ڈراویڈن ماضیٔ بعید میں ایشیا کی سطح مرتفع سے ، بلوچستان میں ، اسی راستہ سے داخل ہوئے تھے ، جو لس بیلہ سے شروع ہو کر مغربی ایران تک پہنچتا ہے اور جس کی مسافت چودہ پندرہ سو میل ہے ۳۔

سر ہولڈچ کا یہ قیاس بھی جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ ڈراویڈن جب ماضیٔ بعید میں شمال مغربی پاکستان میں در آئے تو وہ کئی صدیوں تک

۱۔ پیڈن پاول ص ، ۱۶۲ ۔
۲۔ ایضاً ص ۱۶۵ ۔
۳۔ گیٹس آف انڈیا ، مصنفہ سر ہولڈچ ، ص ۱۳۲ ۔
(مطبوعہ میکملن اینڈ کمپنی لندن)

متواتر و مسلسل ، بلوچستان کے ساحلی مقامات پر آباد رہے تھے - یہاں تک کہ بلوچستان کے کرتھار پہاڑ میں بروھی قبیلے نے جو ترک منگول نسل میں سے تھا ، ان پر فتح پائی اور ان کو مغلوب کر لیا - ڈراویڈن قبائل نے اپنے فاتحین سے بڑے گہرے مراسم پیدا کر لیے اور باھمی اختلاط کا نتیجہ یہ نکلا کہ بروھی قبیلہ نے مفتوح ڈراویڈن کی زبان بھی اختیار کر لی اور آدابِ زیست بھی اپنا لیے ۱ - سرتھاسں ھولڈچ کے اس خیال کو اگر صحیح سمجھا جائے ، تو پھر ماننا پڑے گا کہ بروھی باوجود فاتح ہونے کے ایک تو کم تعداد میں تھے ، دوسرے مہذب و متمدن نہ تھے اور ان کی حالت بالکل ان سامیوں کی تھی ، جنھوں نے ، تین هزار سال قبلِ مسیح میں عراق کے سومیرین پر فتح حاصل کی اور ان کی زبان بھی اپنا لی اور آدابِ زیست بھی اختیار کرلیے تھے ۲-

سر ھولڈچ کی اس تصریح سے ، اس سوال کا جواب مل جاتا ھے ، جو اکثر مؤرخین کے لیے وجۂ اضطراب بنا ھے کہ کیا وجہ تھی کہ ڈراویڈن زبان بولنے والا بروھی قبیلہ ، آرین کے دورِ اقتدار میں تو بلوچستان کے اس پہاڑی علاقہ میں اب تک موجود ھے اور باقی کے ڈراویڈن نہ صرف وادیٔ سندھ سے نکل گئے اور شمالی ھند کے آخری کونوں میں جا بسے بلکہ بہار ، اڑیسہ اور بنگال میں بھی محدود ھو گئے -

سر ھولڈچ نے بجائے خود یہ سوال اٹھایا ھے کہ عجیب بات ھے کہ بروھی قبیلہ زبان تو جنوبی ھند کے آباد کاروں کی بولتا ھے اور دعویٰ یہ کرتا ھے کہ وہ منگول نسل سے ھے - فاضل ھولڈچ فرماتے ھیں کہ اگر ان کے اس دعویٰ کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ بروھی جو زبان ان دنوں بول رہے ھیں ، یہ ان کے آبا و اجداد کی زبان نہ تھی ، دادیوں اور ماؤں کی زبان تھی - اور دادیوں اور ماؤں کی یہ زبان تو محفوظ رہ جائے ، لیکن باپوں کی زبان ماضی کے دھندلکوں میں گم ھو جائے ، سر ھولڈچ کو اس بات پر بہت حیرت ھوئی ھے -

فاضل ھولڈچ کے نزدیک یہ حقیقت ، حقیقتِ مسلمہ کی حیثیت رکھتی ھے

۱- گیٹس آف انڈیا ، ص ۱۴۲ -

۲- سرھولڈچ ، ص ۱۴۳ -

کہ ڈراویڈن قبائل بلوچستان کے راستے سے ارض پاکستان میں داخل ہوئے تھے ۔ اور جیسے جیسے ، نئے قبائل اس راستے یا دوسرے راستوں سے مغربی ایران سے اس سمت آتے گئے اور ان کا دباؤ بڑھتا گیا ، پہلے قبائل پیچھے ہٹتے گئے ۔ یہاں تک کہ جنوبی ہند میں پہنچ گئے ۔

بلوچستان سے داخل ہونے پر اصرار

سر ہولڈچ کے نزدیک یہ میڈا تھے جنھوں نے وادیٔ سندھ میں ڈراویڈن کی جگہ لی تھی اور ان کی بسائی ہوئی بستیوں اور محلات میں بسیرا کیا تھا[1] ۔ سر ہولڈچ نے اس لق و دق رہگزار کی نادشوار گزاری پر بھی گفتگو کی ہے ، جو بلوچستان سے لے کر ملتان تک اور ملتان سے لے کر پورے راجپوتانہ تک بڑھا چلا گیا ہے ۔ سر ہولڈچ کی رو سے یہ رہگزار ماضیٔ بعید میں اتنا دشوار گزار نہ تھا جتنا کہ اب ہے ۔ اس وقت نہ صرف سندھ دریا اس ریگ زار میں گم ہو جاتا تھا ، دریائے سرسوتی بھی یہاں تک آن پہنچتا تھا اور دریائے سندھ سے مل جاتا تھا ، اور ان کا درمیانی علاقہ ریگزار نہ تھا ، سرسبز و شاداب وادی کی حیثیت رکھتا تھا اور بلوچستان میں آنے والے کارواں ، سندھ کے کنارے کنارے چلتے ، دریائے سرسوتی کے کنارے پر ہو لیتے اور انبالے تک بڑی آسانی کے ساتھ رسائی پا لیتے تھے ۔

ڈراویڈن تورانی الاصل تھے

سرہولڈچ نے اپنی دوسری تصنیف " انڈیا " میں ڈراویڈن کو تورانیٔن یا تورانی کا عنوان دیا ہے[2] ۔ جس کے معنی یہ ہوئے ، کہ ڈراویڈن ، توران کے رہنے والے تھے ۔ اور انہیں بلوچستان میں داخل ہوتے وقت کچھ زیادہ مسافت طے کرنا نہیں پڑتی تھی ۔ اگر ڈراویڈن ، توران کے باشندے تھے اور وہاں سے ترک وطن کر کے بلوچستان میں داخل ہوئے تھے تو پھر بروھی قبیلے کو اپنی اصلیت ڈراویڈن ظاہر کرنے میں کوئی شرم لاحق نہیں ہونا چاہیے ۔

سر ہولڈچ کی رو سے ان کے زمانے میں بھی ڈراویڈن قبائل کچھ حقیر نہ سمجھے جاتے تھے وہ صرف آرین یا راجپوتوں سے دوسرے درجے پر تھے

۱۔ سر ہولڈچ ، گیٹس آف انڈیا ، ص ۳۳ا ۔
۲۔ انڈیا ، ص ۲۰۲ ۔ (مطبوعہ لندن) ۔

اور باقی سب لوگوں پر مقدم تھے ۱ -

فاضل سر ہولڈچ کے زمانے میں چونکہ موہن جوڈیرو اور ہڑپا کے شہروں کی کھدائی نہ ہوئی تھی اور ماہرینِ آثار قدیمہ نے ان شہروں کی عمریں متعین نہ کی تھیں اس لیے انہیں مجبوراً یہ کہنا پڑا تھا کہ تورانی یا ڈراویڈن جس زمانے میں بلوچستان میں داخل ہوئے تھے وہ اس درجہ قدیم عہد ہے کہ اس کے بارے میں کچھ کہنا ممکن نہیں ہے ۲ -

سکندر کے زمانے میں ڈراویڈن آبادیاں

سر ہولڈچ کو اس بات کا بھی یقین ہے کہ ڈراویڈن اس وقت بھی مکران میں آباد تھے جب سکندر اعظم نے بلوچستان کے صحرا میں سے اپنا راستہ زبردستی تلاش کیا ، اور ایران میں داخل ہوا تھا۔ یوں سرہولڈچ نے یہ حقیقت بھی تسلیم کی ہے کہ اس وقت بھی ڈراویڈن کی اکثریت آج کی طرح جنوبی ہند میں آباد تھی -

زنیدے راگوزین کا نظریہ

اس باب میں مشہور مستشرق خاتون زنیدے ۔ اے راگوزین نے بھی خاصے حتمی انداز میں کچھ گفتگو کی ہے اور ہیلے برنڈت اور جے ۔ ایف ہیوٹ جیسے فاضل زمانہ محققین کو سند مانا ہے ۔ راگوزین کے نزدیک کو کول زمانہ و عہد کے لحاظ سے ڈراویڈن سے قدیم العہد ہیں ، تاہم وہ جس وقت ہندوستان کے وسط میں پہنچے تھے ۔ تو ڈراویڈن بھی پاکستان کے راستے ہندوستان میں ہو کر وھندیا پہاڑ تک آن پہنچے تھے ۔ دونوں میں یہاں خاصا زور دار ٹکراؤ ہوا تھا ۔ نتیجۃً "کول" ہارے اور ڈراویڈن جیتے ۔ اس ہار سے کول اس درجہ دل شکستہ ہوئے کہ پہاڑوں اور جنگلوں میں جا چھپے اور ڈراویڈن سیلاب کے سے انداز میں پورے جنوبی میدانوں میں پھیل گئے ۔ فاضل راگوزین کے نزدیک یہ لوگ ہر دور میں ہندوستان کی آبادی میں بہت اہم شمار ہوتے رہے ہیں اور تقریباً پوری آبادی کا تیسرا

۱۔ انڈیا ، سر ہولڈچ ، ص ۲۰۲ -

۲۔ انڈیا ، ص ۲۰۲ -

۳۔ راگوزین ویدک انڈیا ، ص ۲۸۳ - (مطبوعہ ۱۸۹۵ء) جے ۔ ایف ہیوٹ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۸۸۸ء — ۱۸۸۹ء -

حصہ ھیں ۔ وہ شروع دور سے اب تک نیم جمہوریت قسم کی دیہاتی تہذیب کے حامل ھیں ۔ وہ اچھے کاشتکار ہونے کے ساتھ ساتھ کامیاب تاجر بھی ھیں ۔ اور حوصلہ مند اور صابر سپاھی بھی ۔ قابلِ احترام راگوزین نے اسے حقیقت کو خاصی تلخی کے ساتھ محسوس کیا ھے کہ ڈراویڈن کا مذھب حالانکہ بربرانہ اور وحشیانہ تھا اس کے باوجود پوری ھندوستانی آبادی اس سے متاثر رھی ۔ اس نے نہ صرف بھوتوں پریتوں اور وھمی موجودات سے عقیدت کا جذبہ ڈراویڈن سے مستعار لیا ، شیش ناگ اور دوسرے ناگوں کی پرستش بھی سیکھ لی ۔

آرین روایات سے استشہاد

راگوزین ، اس اجمال کی تفصیل پیش کرتے ہوئے کہتی ھیں کہ گو رگ وید نے اپنے ان حقیر دشمنوں کا کئی بار ذکر کرتے وقت انہیں بڑی حقارت سے شیش ناگ دیو کا پرستار ظاھر کیا ھے لیکن اس ذکر کے وقت وہ خاصا مرعوب نظر آتا ھے ، اور ایسا لگتا ھے جیسے وہ سانپوں اور اژدھوں کی خفیہ قوت و طاقت کا قائل ھے ۔ مثلاً وہ آرین دیوتا اندر اور ڈراویڈن کے ناگ دیوتا کی باھمی لڑائی اور اس میں اندر کی فتح کی روداد کو بڑی اھمیت دیتا ھے ۔ حالانکہ وہ جانتا ھے کہ یہ قصہ محض فرضی ھے مگر وہ یہ فرضی قصہ محض اس لیے دھراتا ھے کہ اس کے تحت الشعور میں ڈراویڈن سے مرعوبیت بسی ہوئی ھے ۔ وہ اس فرضی قصے میں اندر کی فتح پر اس لیے خوش ہوتا ھے کہ آرین کو ڈراویڈن پر عملاً سیاسیات میں مکمل فتح نصیب ھو سکی تھی۱ ۔

راگوزین کےخیال میں آرین نے ڈراویڈن کو داسیو کا لقب بھی محض اس لیے دیا تھا کہ وہ ان سے بری طرح مرعوب تھے ، کیونکہ شعرائے رگ وید کے نزدیک داسیو صرف وہ بد روحیں تھیں جو ان کے حال اور مستقبل کا راستہ ان دیکھے انداز میں روک لیتی تھیں ۔

اس کے باوجود حیرت کی بات تو یہ ھے کہ ناگ دیوتاؤں اور اس کے پرستاروں سے نفرت کرنے والے آرین خود بھی ایک دور میں ناگ پرست بن گئے ۔ اور ” آریا “ نام کا ایک ناگ دیوتا پرستش کے لیے گھڑ لیا ۔

۱۔ راگوزین ، ویدک انڈیا ، ص ۲۹۶ — ۲۹۷ — ۲۹۸ ۔

اس کے ماسوا نا گوں کی شکل و صورت کئی اور دیوتاؤں کو بھی نصیب ہوئی ۔ نا گا مندر تعمیر ہوئے اور ہر سال عوامی آرین نے نا گوں کی تعظیم و احترام میں ناگ میلے منعقد کیے ۔

زنیڈے ، راگوزین نے ویدک عہد کے ہندو اربابِ اقتدار کے ذہن کے خلاف احتجاج کی خاطر یہ جتانا بھی ضروری جانا ہے کہ نہ صرف آرین نے ڈراویڈن سے ناگ پرستش ستعار لی تھی ، بلکہ دیوتاؤں اور دیویوں کے نام پر انسانی جانیں بھینٹ چڑھانے کی رسم بھی مانگ لی ۔ اور زمانۂ حال سے چند دن پہلے تک ڈراویڈن کی طرح دیوتاؤں کے حضور جانیں قربان کرنے میں قطعاً تاسل نہیں کیا ۔

زنیڈے راگوزین فرماتی ہیں کہ ڈراویڈن سے آرین کے تاثر و مرعوبیت کا اندازا اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ آرین ذہن ان کے بعض افراد کو جادو گر سمجھتا ۔ ان کو ہواؤں ، بادلوں اور آندھیوں کا رنگ اختیار کر کے فضا میں اڑتا محسوس کرتا ۔ وہ ان کو جابر شیطانوں۱ کے روپ میں بھی کبھی کبھی دیکھ لیتا ۔ وہ انہیں راکبشس اور دیو ، بھوت کا قالب تو اکثر بخش دیتا تھا ، جو ان کی حوروں اور پریوں ایسی کنواریوں کو عموماً اغوا کر لے جاتے تھے۲ ۔

خصوصیت سے رامائن میں جو آرین کی غیر فانی مقدس کتاب ہے ، رام چندر مہاراج کی راہ بار بار روکنے والے راکشسوں کی تو مصنف نے بہت شکایت کی ہے ۔ یہ راگوزین کے نزدیک رام چندر جی نے جنوب کے ڈراویڈن کے خلاف جو لڑائی لڑی تھی ۔ اس میں انہیں حقیقتاً وہ کامیابی نہیں ہوئی تھی جو رامائن کے مصنف نے ظاہر کی ہے ۔ ورنہ آج جنوبی ہند میں آباد ڈراویڈن کی تعداد دو کروڑ اسّی لاکھ نہ ہوتی ۔ ان کا وجود اس امر کا ثبوت ہے کہ ڈراویڈن نے گو ارضِ پاکستان کے علاقے آرین کے سپرد کر دیے تھے اور پیچھے ہٹتے چلے گئے تھے مگر شکست تسلیم نہیں کی تھی ۔

فاضل راگوزین نے ڈراویڈن قدیم تہذیب اور ماضیٔ بعید میں

۱- راگوزین ، ویدک انڈیا ، ص ۲۹۶ — ۲۹۷ ۔

۲- راگوزین ، ص ۲۹۸ ۔

وسطی ایشیا کے باھمی تعلق پر گفتگو کی ہے اور کہا ہے کہ پینتیس سال گزرے ھیں (۱۸۹۵ء سے پچھلے پینتیس سال مراد ھیں) کہ کسی کو یہ خیال بھی نہیں آیا تھا کہ آرین سے پہلے کے ھندوستان اور بیبی لونیا کے لوگوں میں کسی قسم کا کوئی تعلق رہا ہے، اول تو یہ سوال، کوئی پوچھتا ھی نہ تھا اور اگر پوچھتا بھی تو اس کا جواب اسے نہ مل سکتا تھا۔

پاکستان کے قدیم آباد کار اور وسطی ایشیا

راگوزین کے نزدیک بیبی لونیا اور قدیم ھندوستان کے مابین لسانی اور تہذیبی تعلق سے متعلق، پہلا سوال، فرینسکیوس لینارمنٹ کے ذھن میں ابھرا، اور انھوں نے رگ وید کے ایک لفظ ''مانا'' بمعنی '' سونے کی ایک خاص مقدار '' پر غیر معمولی توجہ فرمائی اور ثابت کیا کہ رگ وید[1] کا یہ لفظ ھو بہ ھو ان ھی معنوں میں قدیم بابل میں بھی استعمال ھوتا تھا۔ پھر یونان اور لاطینی میں بھی چل نکلا۔ (منا اور مینا) زنیڈے راگوزین کہتی ھیں اس چھوٹی سی بات نے، تحقیق کا دروازہ کھول دیا اور یہ بات مؤرخین کی زبانوں پر آ گئی کہ قدیم بیبی لونیا (بابل) اور ماضی کے ھندوستانی ڈراویڈن میں تجارتی لین دین ھوتا تھا۔ کچھ سال بعد کا ذکر ہے کہ موغیر کے آثار باقیات میں سے شہر عر کے کھنڈرات بر آمد ھوئے ھیں، یہ شہر ار ای یا ارباغاش نے آباد کیا تھا جو متحدہ بابلی حکومت کا پہلا بادشاہ تھا اور جس کا زمانہ تین ہزار سال قبلِ مسیح کا زمانہ تھا۔ بظاھر یوں بات تو چھوٹی سی ہے، لیکن اس شہر کے آثار میں سے جہاں اور بہت سے نوادر دستیاب ھوئے ھیں وھاں ھندوستانی ساگوان کا ایک ٹکڑا بھی برآمد ھوا ہے اور یہ ٹکڑا جس ساگوانی درخت کا ہے۔ وہ ھندوستان کے ساحلی علاقے مالا بار کے جنگلات کے سوا اور کسی جگہ پیدا نہیں ھوتا[2]۔

سندھو نامی کپڑا

جو قیمتی اشیاء اور سامان تعیش، کبھی ماضی میں شاھانِ بابل کو بہت عزیز تھا۔ اس میں ایک اعلیٰ درجے کے کپڑے کا نام سندھو بھی

۱۔ رگ وید جز ھشتم، ص ۶۷۔ راگوزین، ویدک انڈیا، ص ۳۰۵۔

۲۔ مسائی سے ھبرٹ لکچرز برائے ۱۸۸۷، ص ۱۸ - ۱۳۶ - ۱۳۷۔

تھا ۔ اس کپڑے کو سندھو کا نام اس لیے ملا تھا کہ یہ سندھ میں بنتا تھا اور وھاں سے بابل لایا جاتا تھا ۔

اس میں بھی کوئی کلام نہیں ہے کہ ڈراویڈن کے بعد کے آباد کار آرین بھی سندھو کپڑے کے تیار کرنے میں بڑے ماہر تھے ۔ رگ وید ایسی کئی شہادتیں مہیا کرتا ہے ، لیکن بیبی لونیا کے ماضی کے آثار میں ''سندھو'' کا وجود اس کی صنعت کو ڈراویڈن دور تک لے جاتا ہے ، اور لازماً ذہن اس طرف منتقل ھو جاتا ہے کہ آرین قوم نے سندھو ، یا ٹشو بننے کا کا فن ڈراویڈن فن کاروں سے اس وقت سیکھا تھا جب وہ ارض پاکستان میں داخل ہوئے تھے ۔ اس بات کا بھی تاریخی ثبوت موجود ہے کہ وہ تاجر جو ماضیٔ بعید میں ھندوستان اور بیبی لونیا اور دوسرے ایشیائی ممالک کے ساتھ تجارت کا کاروبار کرتے تھے ، ڈراویڈن تھے ۔ پنجاب کے آرین نے اس باب میں کوئی خصوص نہیں پایا تھا ۔

راگوزین کی رو سے رگ وید ھی اس امر کا بھی شاھد ہے کہ پنجاب کے آرین ، رگ وید کے دور میں سندھ کے سمندری علاقوں تک نہیں پہنچے تھے کیونکہ رگ وید میں نہ تو سمندر کا ذکر ہے اور نہ کسی ساحل کا اور نہ ایسی کشتیوں ھی کی کوئی روداد موجود ہے جو سمندر کے سینے پر لد کر ، ملک ملک کا سفر اختیار کرتی تھیں ۔

راگوزین کہتی ھیں ، فرض کر لیا جائے کہ آرین جلاھوں کو ٹشو یا سندھو کپڑا بنانے کے فن میں بڑی مہارت حاصل تھی تو بھی وہ صرف کپڑا تیار کرتے ، اور ڈراویڈن جو انتہائی ماہر تاجر تھے ، آرین گھروں میں پھر کر یہ کپڑا ان سے خرید لیتے اور باھر کے ملکوں میں لے جاتے تھے ۔ یہ صرف ڈراویڈن تھے جو جہازوں میں چڑھ کر تجارت کی خاطر ملک ملک کا سفر کرتے تھے ۱-

قدیم تجارت سے استناد

عظیم محقق ماکس مولر نے اپنی کتاب سائنس آف لینگو ایج میں ایک عجیب حقیقت واشگاف کی ہے کہ قدیم عہد میں فلسطین و شام کے بادشاہ حضرت سلیمان کے تجارتی جہاز جو سامان لے کر ان کے حضور باریاب ہوتے

۱- راگوزین ویدک انڈیا ، ص ۳۰۶ ۔

وہ ہیبرو ساز و سامان نہ ہوتا تھا ، کیونکہ اس سامان میں صندل کی لکڑی بھی ہوتی تھی ، ہاتھی دانت کی مصنوعات بھی تھیں - بندر بھی تھے اور مور بھی - اور ان کے جو نام ہیبرو زبان میں زمانے کی دستبرد کے باوجود محفوظ رہ گئے ہیں وہ سنسکرت کے نام ہیں اور اس امر پر دال ہیں کہ یہ چیزیں ہندوستان سے لائی جاتی تھیں ۱-

مسٹر راگوزین نے ماکس مولر کے اس بیان میں اتنا اضافہ ضرور کیا ہے کہ حال میں ڈراویڈن زبان کے ایک عالم ، ڈاکٹر کالڈول نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ نام جو سنسکرت زبان سے منسوب کیے گئے ہیں۲ در حقیقت ڈراویڈن زبان کے ہیں - مزید برآں یونانی سیاح امیرین نے اپنے سفرنامے میں وادیٔ سندھ کے جس ساحلی مقام پٹالہ کا ذکر کیا ہے یہ مقام ماضیٔ بعید میں بیرونی تجارت کے سلسلے میں ایک اہم تجارتی مرکز تھا - یہیں سے وادیٔ سندھ کا بنا ہوا کپڑا "ململ" باہر کے ملکوں کو برآمد ہوتا تھا ۳-

راگوزین کی رو سے ، سابق عہد کا یہ ساحلی مقام موجودہ حیدرآباد کے سوا کوئی دوسرا نہ تھا اور زمانۂ بعید کے متعلق سندھی کے لوک گیت اور قدیم کہانیاں اس امر پردال ہیں کہ یہ مقام پٹالہ ، ڈراویڈن بادشاہوں کا پایۂ تخت تھا ، اور اس شاہی خاندان کی بنا سانپوں کی پرستش کرنے والے بادشاہ وسوکی نے رکھی تھی ، اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ آرین کے یہاں آباد ہوجانے کے بعد بھی یہ بادشاہت اور ایسی ہی کئی دوسری ڈراویڈن ریاستیں رگ وید کے عہد میں قائم رہی ہوں -

پری بدھسٹ انڈیا کے فاضل مصنف رتی لال مہتہ اور ویدک انڈکس کے مولف نے اس سلسلے میں راگوزین سے کئی قدم آگے بڑھائے ہیں اور شواہد سے یہ ثابت کیا ہے کہ ۱۲ سو سال قبل مسیح سے لے کر ۸ سو سال قبل مسیح تک کے زمانے میں ، ایک سیوی ریاست موجود تھی ۴ -

---

۱- سائنس آف لینگوایج ماکس مولر جز اول مطبوعہ ۱۸۶۲ -

۲- کمپیرٹو گریمر آف ڈراویڈن - لنگو ایج سٹوری ، آف اسیریا ، ص ۱۸۵—۱۹۵ - راگوزین ، ص ۳۰۷ -

۳- آرین انڈیکا -

۴- ویدک انڈکس جز ۲ - ص ۳۸۱ — ۳۸۲ -

را چودھری مصنف پولٹیکل ہسٹری کا تو بیان ہے کہ سکندر مقدونی نے جب تین سو سال قبل مسیح میں وادیٔ سندھ میں عمل دخل پایا تھا تو سیوی کی ریاست باقی تھی ، البتہ اس کا نام سیوی سے سیبی ہو گیا تھا ۔ اور یہ نسل اس پورے علاقے میں پھیلی تھی جو شورکوٹ اور جھنگ کا درمیانی علاقہ تھا ۱ ۔

رتی لال مہتہ کہتے ہیں کہ جغرافیہ دان پٹولمی نے پنجاب کے شمالی حصے میں جس سیوا پور کا وجود ظاہر کیا ہے ۔ یہ وہی سیوا پور ہے جس کا ذکر پتن جلی میں بھی کیا گیا ہے اور جس کے بارے میں کیا گیا کہ وہ موجودہ جھنگ اور شور کوٹ کا ایک درمیانی شہر تھا ، ٹولمی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۲ ۔

جتکا کہانیوں میں بھی اس سیوی خاندان اور اس کے بعض بادشاہوں کا حال لکھا ہے ، مثلاً جتکا کہانیوں کی رو سے اس کا پہلا بادشاہ اُس رانا تھا ، جس کا بیٹا سیوا تھا جس نے سیواپر کی بنا رکھی تھی ۔

ان کہانیوں میں سیوی شہروں میں سے ارتھ پڑا اور چٹوٹرا کے نام بھی بتائے گئے ہیں ۔ غالباً اس دور میں یہ دونوں شہر بہت اہمیت رکھتے تھے ۔ ٹولمی کے عہد میں بھی یہ شہر موجود تھا ، ٹولمی نے اس کا نام ارتھ پڑا کی بجائے ارسٹو بوتھرا لکھا ہے اور وضاحت کی ہے کہ یہ پنجاب کے شمالی شہروں میں سے ایک شہر تھا ۔ مؤرخ البیرونی نے دوسرے شہر جڑوٹرا کو جٹ آردڑ کا نام دیا ہے ، جو ان دنوں سیواڑ کا پایۂ تخت تھا ۔

رتی لال مہتہ بجا کہتے ہیں کہ یہ بات اس امر کی دلیل ہے کہ سیوی یا ڈراویڈن لوگ شمال سے جنوب کی سمت ترک وطن کر کے گئے تھے اور ان کے راستے یہی تھے ۔

جتکا کہانیاں یہ روداد بھی کہتی ہیں کہ پنجاب کے یہ دو قدیم شہر یکے بعد دیگرے سیوی بادشاہت کے پایۂ تخت تھے ۔ پہلا پایۂ تخت ، ارتھ پرا تھا اور دوسرا جٹ آرور ۔ پہلے سیوی بادشاہوں سیوا اور اس کے وراثوں نے غالباً ارتھ پرا میں رہ کر سیوی قبیلہ اور سیوی رعایا پر حکومت

۱۔ پولٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا ۔ تیسرا ایڈیشن ۔ ص ۱۲۰ ۔

۲۔ پری بدھسٹ انڈیا ، باب ۳ ۔ نمبر ۱۰ ۔ ص ۵۲ — ۵۳ ۔

کی تھی ۔

البتہ آخر کے بادشاہوں میں سے وسنترا نے جٹ آروڑ کو پایۂ تخت بنا لیا تھا ۔ وسنترا جتکا کی رو سے سیوی بادشاہوں کا شجرۂ نسب حسب ذیل ہے ۔ سیوی ، سجنا ، وسنترا ، جالی ، کہنا ۔ مادا ، پھساتی اور مادا رتی لال مہتہ کا خیال ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ سارے بادشاہ تخت نشین نہیں ہوئے تھے تاہم اس شجرۂ نسب سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ سیوی اور ماد خاندان ایک دوسرے سے منسلک تھے، کیونکہ ایک مادی شہزادی وسنترا سے بیاہی ہوئی تھی اور اسی کے بطن سے اس کے وارث جالی اور کہنا پیدا ہوئے تھے ۱ ۔

اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ دونوں خاندان جغرافی لحاظ سے ایک دوسرے کے کچھ زیادہ فاصلے پر آباد نہ تھے اور دونوں کی ریاستیں قریبی ہمسایہ نہ سہی ، ماحول کی ہمسایہ ضرور تھیں ۔

جتکا میں جو کہانی وسنترا راجہ کے متعلق بیان ہوئی ہے وہ بڑی دل چسپ ہے ، اس کی رو سے وسنترا بڑا فیاض اور سخی بادشاہ تھا، اور اس کے دربار کے طاقت ور امرا اور سیوی عوام نے اسے اس لیے جلا وطن کر دیا تھا کہ اس نے ایک بہت قیمتی ھاتھی کلنگا کے برھمنوں کو بخش دیا تھا ۲ ۔

یہ کہانی بجائے خود اس باب کی شہادت ہے کہ سیوی خاندان آرین نسل سے نہ تھا اور برھمنوں سے اسے کوئی عقیدت نہ تھی ، برھمنوں کو ھاتھی دے دینے پر عوام نے سیوی بادشاہ وسنترا کو جلا وطنی کی سزا دی تھی ۔

اگر سیوی ریاست ڈراویڈن ریاست تھی ، تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ ڈراویڈن ریاستیں رگ وید کے شروع عہد میں قائم تھیں اور فاضل راگوزین نے حیدر آباد سندھ کے سابق مقام پٹالہ میں جس ناگا ریاست کی موجودگی کی خبر دی ہے ، اس کے حدود لازماً جھنگ شور کوٹ تک پھیلے ہوں گے ۔

۱۔ پری بدھسٹ انڈیا ، ص ۵۳ ۔

۲۔ ویدک انڈیا راگوزین ، ص ۳۰۸ ۔

شمال مغربی پنجاب کے باشندوں اور بابل کے آباد کاروں کا باھمی خونی تعلق اور ذھنی اور تجارتی رابطہ

راگوزین اس سلسلے میں مزید کہتے ھیں کہ شمال مغربی پنجاب کے ڈراویڈن اور بیبی لونا کے پہلے بادشاھوں میں تجارتی روابط کے ماسوا خونی رشتہ داری بھی تھی - دونوں کے دونوں گروہ تورانی النسل تھے - نہ صرف دونوں کی زبان ایک دوسرے سے مشابہ تھی دونوں کے لباس اور سروں کی وضع قطع ایک دوسرے سے بالکل ملتی جلتی ہے ۱ -

اس باب میں فاضل راگوزین نے قدیم اکاڈین مقام تل لوح سے برآمد ہونے والی کلدی شبیہوں اور (۰۰۰ ۴ سال قبل مسیح) اورگونڈ سروں کو ایک دوسرے کے ھو بہ ھو نمونہ ٹھیرایا ہے اور ان شبیہوں کی تصویر اپنی کتاب کے صفحہ تین سو نو پر چھاپ کر پڑھنے والوں پر یہ تاثر قائم کرنے کی کوشش کی ہے کہ اکاڈی اور ڈراویڈن شبیہیں ایک تھیں ، نہ صرف ان کے چہروں کے خد و خال بالکل ایک جیسے تھے ان کے سروں کے لباس بھی حد درجہ ایک دوسرے سے مشابہ تھے اور دونوں سروں کو گھیرے ہوئے سانپوں کی شباھت تو بہ درجۂ اتم تھی - جس سے یہ ثبوت مہیا ھوتا ہے کہ شروع کے اکاڈی بھی ڈراویڈن کی طرح سانپ پرست تھے ۲- اکاڈیوں کے سب سے بڑے دیوتا ایا کے بارے میں راگوزین کہتی ھیں کہ اس کا جو مجسمہ اریدو سے برآمد ھوا ہے ، وہ سانپ کی شکل کا ہے - اور یہ حقیقت تریب تریب ھر علم دوست کو معلوم ہے کہ اریدو کلدانی یا اکاڈیوی تہذیب کا سب سے بڑا مرکز تھا - اور اس سے برآمد ہونے مجسمے کو کلدانی اور اکاڈیوی قوم کے مذھب اور خاندان کا سب سے بڑا نمونہ قرار دیا جا سکتا ہے -

اس امر کی تاریخی شہادتیں بھی میسر آ گئی ھیں کہ میڈا سے پہلے کے تورانیوں پر جب زرتشت کے ماننے والے ایرانیوں یا آرین نے فتح پائی تھی تو یہ لوگ سانپوں کے مجسموں میں دھرتی ماتا کی پرستش کیا کرتے تھے - اور آرین نے جب ان کی جگہ لی ، تو ان کے ذھن بھی سانپوں

۱- سٹوری آف کلدیہ باب ۳ — ۴ -

۲- ویدک انڈیا ، ص ۳۰۹ - سٹوری آف کالدیہ ، ص ۲۱۵ - ۳۴۶-۲۸۷

کی پرستش سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

فردوسی نے اپنے شاھنامے میں جس اژدھاک کا ذکر کیا ہے۔ وہ بدمعاش تورانی بادشاہ افراسیاب تھا ۔ جس کے کندھوں پر سے دو ناگ آپ ھی آپ اٹھ کھڑے ہوتے تھے اور جسے ایرانی بادشاہ نے شکست فاش دے کر مار ڈالا تھا اور دنیا کو اس کے جبر سے پناہ دی تھی ۱ ۔

راگوزین کے خیال میں ڈراویڈن چونکہ تورانی تھے ، توران سے آکر قدیم عہد میں ارض پاکستان میں آباد ہوئے تھے اس لیے ان میں اور نووارد آرین میں باھمی منافرت لازمی تھی کیونکہ دونوں قومیں ماضی بعید میں ایک دوسرے سے لڑتی جھگڑتی آئی تھیں ۔ توران ایرانی کا دشمن تھا اور ایران توران کا ۲ ۔

فاضل راگوزین کےاس کلیے کی تائید سرتھامس ہولڈچ۳ نے بھی کی ہے ۔ کہ ڈراویڈن اصل میں تورانی تھے اور توران سے شمال مغربی ھندوستان میں وارد ہوئے تھے ۔ ان دونوں روایات سے یہ گمان پیدا ھوتا ہے کہ ڈراویڈن نے اس وقت ترک وطن کیا تھا جب میڈا ان پر غالب آ گئے تھے ۔

راگوزین نے ایران و توران کے اصل پر بھی گفتگو کی ہے اور کہا ہے کہ آریہ کے معنی ھل جوتنے والے کے ھیں اور تورا کے معنی گڈریوں اور جنگلی شیروں کے ھیں ۔ ایران کے پہلے باشندے آریہ جب ایران کے میدانوں میں اترے تو انہوں نے اپنے آپ کو آریہ یعنی ھل جوتنے والا کہا اور گڈریوں اور جنگلوں میں زندگی گزارنے والے قبائل کو تورا۴ کا خطاب دیا ۔ جو بعد میں توران کے آبادکار کہلائے ۔ گو وہ آبادکار بن گئے تھے تاھم بھیڑوں اور بکریوں کے گلے اب بھی ھنکاتے تھے اور تورانی کہے جانے کے لغواً مستحق تھے ۔

تورانی اور ایرانی تعلق پر لسانی شہادتیں

مشہور ماہر لسانیات ماکس مولر نے اپنی تصنیف سائنس آف لینگوایج کی جز اول میں (جو ان کے متعدد لکچروں کا مجموعہ ہے) تورانی اور ایرانی

۱۔ ویدک انڈیا ، ص ۳۱۰ ۔
۲۔ ویدک انڈیا راگوزین ، ص ۳۱۰ — ۳۱۱ ۔
۳۔ انڈیا سر ہولڈچ ، ص ۲۲۴ ۔
۴۔ راگوزین ، ص ۶۲ ۔

زبانوں اور قوموں کے اصل پر سیر حاصل بحث کی ہے فاضل مولر کی رو سے تورانیئن کی اصطلاح ، آرین کی ضد ہے ، اور اس کا اطلاق ایشیا کے خانہ بدوش قبائل پر اس لیے ہوا کہ وہ آرین کی طرح کاشتکار نہ تھے ۔ اور گڈریے تھے ۱ ۔

اگر ڈراویڈن تورانیئن کا بگڑا ہوا لفظ ہے اور ان کی زبان شروع دور ہی سے وہ ہے جو سندھ کے بروہی قبیلے کی زبان ہے تو پھر بروہی قبیلے کا یہ دعویٰ غلط نہیں قرار دیا جا سکتا کہ وہ ترک ہیں ۔ اور ان کے آبا و اجداد ایرانیوں کی طرح ایشیائی ہیں اور کسی لحاظ سے بھی ایرانی نسل سے کم تر نہیں ہیں ۔ اور ہمارا تو خیال ہے کہ سندھ میں بولی جانے والی موجودہ سندھی اور اس سے ملحقہ علاقے کی پنجابی زبان بھی ڈراویڈن یا تورانی الاصل ہے ۔ اور وہ زبان جو ہنٹر نے موہن جو ڈیرو اور وادیٔ ژوب اور بعض دوسرے مقامات سے برآمد ہونے والی مہروں پر کندہ پائی ہے ان سب زبانوں کی اصل‌الاصل تھی ۔ یہ ساری زبانیں اسی ایک زبان سے نکلی ہیں جسے بولنے والے تورانی یا ڈراویڈن کم سے کم پانچ ہزار سال قبلِ مسیح میں وادیٔ سندھ اور بلوچستان میں داخل ہوئے تھے اور جنھیں بعد میں آنے والے آرین نے اپنا رقیب بنا لیا تھا ۔

۱۔ ماکس مولر سائنس آف لینگوایج ، جز اول ، ص ۳۲۴ ۔ مطبوعہ ۱۸۶۶

فصل چہارم

پاکستان کے قدیم ترین باشندوں
ڈراویڈن کی بعض تہذیبی خصوصیات

گو ڈراویڈن کی تہذیبی خصوصیات اور حیاتِ اجتماعی کی مخصوص شکل کے بارے میں پورے وثوق سے کچھ کہنا آسان نہیں ہے تاہم علمائے تاریخ نے ارضِ پاکستان کے ان دوسرے یا تیسرے آباد کاروں کی حیاتِ اجتماعی کی کچھ خصوصیات شمار کی ہیں۔

ماؤں کا اقتدار

مثلاً سب سے بنیادی بات یہ کہی ہے کہ حجرِ آخر کے دور میں ڈراویڈن سماج میں عورت یا ماں کو مرد یا باپ کی نسبت کہیں زیادہ اقتدار حاصل تھا اور یہ صرف عورت تھی جسے اجتماعی گھریلو زندگی میں ہمہ وقتی مصروفیت رہتی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ حجرِ اول سے حجرِ آخر کے عہد میں داخل ہو جانے کے باوجود ڈراویڈن مردوں کا زیادہ وقت اب بھی جنگلوں میں کٹتا۔ وہ جنگلی جانوروں کے شکار میں اس درجہ مصروف رہتے کہ کئی کئی دن تک گھروں میں نہ آتے۔ ان کی غیر موجودگی میں عورتیں گاؤں میں رہتیں، گھروں کا انتظام کرتیں اور بچوں کی دیکھ بھال کرتیں جو، ہمہ تن، ماؤں کی ملکیت تھے، باپوں کا ان سے کوئی واسطہ نہ ہوتا۔ ماؤں ہی پر بچوں کی نگہداشت، ان کی کفالت اور ان کے حال و مستقبل کا انحصار تھا۔ باپوں کی حیثیت بالکل ''برادری باہر'' افراد کی تھی اکثر باپوں کو تو یہ بھی معلوم نہ ہوتا تھا کہ ان کی اولاد کون ہے اور نہ اولاد اپنے باپوں کے بارے میں کچھ جانتی اور نہ ان سے کوئی دلچسپی ہی رکھتی۔

ایک بستی کے باشندے ہونے کے باوجود عورتوں اور مردوں کے محلے

الگ الگ ہوتے تھے ۔ عورتیں اپنے محلوں میں رہتیں اور مرد اپنے حصوں میں زندگی گزارتے ۔ ایک قبیلے کے مردوں اور عورتوں کو باہمی ازدواج کی اجازت نہ تھی ۔ یہ باہمی بہن بھائی تھے ۔ جن عورتوں کے ہاں اولاد ہوتی ، یہ اولاد ان مردوں سے جنسی تعلقات کا نتیجہ ہوتی ، جو قومی میلوں اور تہواروں پر رقص کرتے وقت ان سے قریب ہوتے ۔ ۱ یہ لازماً غیر قبیلوں کے مرد ہوتے اور اپنی جنسی امانتیں عورتوں کے سپرد کرنے کے بعد ان سے بہت کم واسطہ رکھتے ۔ کیونکہ ان کی بستیاں دوسرے قبیلہ کے افراد ہونے کے سبب ان عورتوں سے دور ہوتیں ۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ اولاد کی محبت کا مرکزی نقطہ صرف مائیں تھیں ۔ اور ان کی نسبت ماؤں ہی کی طرف ہوتی تھی ۔

البتہ گاؤں کا چودھری ، جو مرد ہوتا ، اپنے قبیلے کی عورتوں کی کوکھوں اور غیر قبائل کی صلبوں سے پیدا ہونے والے بچوں کا قانونی اور رسمی اتالیق ہوتا تھا ۔ وہ ان کی تعلیم و تربیت کا ذمہ دار بھی تھا اور ان کے حقوق کا محافظ بھی ۔ وہی انہیں شکار کے آداب بھی سکھاتا ، اور قبیلے کے قدیم رسوم و رواج سے انہیں آگاہ بھی کرتا۲ ۔

ڈراویڈن سماج کو ایک طرح سے اشترا کی سماج کا نام دیا جا سکتا ہے ۔ کیونکہ گاؤں کی ساری زمینیں پورے قبیلے کی ملکیت ہوتی تھیں اور تمام افراد مل جل کر اپنے چودھری یا سربراہ کی نگرانی میں اس کا اہتمام و انتظام کرتے تھے ۔ بعض اوقات اس نظام کار سے کچھ افراد باغی بھی ہو جاتے تھے ، اور قبیلے کی عام رسوم و رواج سے کنارہ کشی اختیار کر کے غیر قانونی حرکات کرنے لگتے تھے ۔ ایسے لوگوں کو قبیلہ کا سربراہ قبیلے سے خارج کر دیتا ۔

زرعی ملکیتیں

یہ سزا یافتہ افراد ڈاکو اور لٹیرے بن جاتے اور امن پسند قبیلوں کی املاک پر ڈاکے ڈالتے اور ان کی عورتیں اغوا کر کے جنگلوں اور پہاڑوں

---

۱ ۔ ہسٹری آف آرین رول ان انڈیا ، ص ۱۲ ۔

۲ ۔ ایضاً ص ۱۲ ۔

میں لے جاتے ۱ -

یہی وہ ڈراویڈن قبائل تھے جن میں پہلے پہل انفرادی ملکیت اور بادشاہت کا احساس پیدا ہوا تھا اور ان کے زیادہ قوی افراد نے اپنی ملکیتیں بھی بڑھا لیں اور بادشاہ بھی بن بیٹھے تھے -

گو ، آہستہ آہستہ ڈراویڈن سماج کے اصول و ضوابط بدلنے لگے تھے ، لیکن ماؤں کے اقتدار اور منصب پر کسی دور میں بھی کوئی مضر اثر نہ پڑا - مائیں ہر دور میں بچوں کی مالک متصور ہوئیں اور بچے ان ہی سے منسوب کیے گئے ۲ -

آبادیاں بسائی گئیں

فاضل بیڈن پاول اور ہیو کنیڈی کی رو سے ، جب شروع دور کے خانہ بدوش ڈراویڈن قبائل نے خانہ بدوشی ترک کر دی ، اور ایک مخصوص خطۂ زمین کی کاشت کا بوجھ اپنے کاندھوں پر لے لیا تو جگہ بہ جگہ گاؤں آباد ہو گئے - اور خاندان کے سارے افراد مل جل کر ایک ہی گاؤں میں رہنے لگے - کیونکہ الگ الگ رہنے کی نسبت یکجائی و اتحاد میں زیادہ فوائد تھے - اکیلے افراد اپنے کھیتوں اور گھروں کی رکھوالی اتنی اچھی طرح نہ کر سکتے تھے جتنی کہ مل جل کر کرتے - چونکہ ان دنوں جنگلوں کی بہتات تھی ، اور جنگلی جانور بہت تھے ، اس لیے بھی یکجائی و اتحاد زیادہ ضروری سمجھا گیا تھا ، اس کے ماسوا ، خانہ بدوش لٹیرے قبائل کی کمی نہ تھی ، اور ان کی دستبرد سے بچنے کے لیے اجتماعی گھروندوں کی تعمیر بہت ضروری تھی - گو جو گھروندے شروع شروع میں تعمیر کیے گئے ان کی دیواریں مٹی کی تھیں مگر دروازے مضبوط لکڑی کے ہوتے تھے ، کاشتکار ان میں خود بھی رہتے اور اپنے جانوروں کو بھی رکھتے تھے ۳ ، فاضل سیبوم اور اروِن نے شمالی ہندوستان کی دیہی جتھہ بندی کی بہت تعریف کی ہے اور شروع ہی دور سے اسے دیہی جتھہ بندی کا مکمل نمونہ قرار دیا ہے ۴ -

---

۱ - ۲ ہسٹری آف آرین رول ان انڈیا ، ص ۱۲ — ۱۳ -

۳- انگلش ولیج کمونیٹی ، ص ۳۷ - ۴۳ - سیکنگ آف رورل یورپ ، ص ۱۱۷

۴- لینڈ آف فائیو ریورز از ہیو کنیڈی - ص ۱۸ - انڈین ولیج کمونیٹی مصنفہ بیڈن پاول - ص ۶۷ - ۲۰۵ -

فاضل هیو کنیڈی ، اپنی کتاب لینڈ آف فائیو ریورز میں بڑے اعتماد کے ساتھ لکھتے ہیں کہ بہت شروع دور کے گاؤں میں ہر شخص اتنی زمین ہی کاشت کرتا تھا ، جو اس نے خود جنگل سے اپنے لیے منتخب کی ہوتی تھی - یا جو اس نے کسی پہلے انتخاب کرنے والے کی مرضی سے حاصل کی تھی ، یا اسے یہ ورثے میں ملی تھی ۱ -

ذاتی ملکیت کا احساس

اگر فاضل ہیو کنیڈی کا یہ بیان سند مانا جائے ، تو پھر پہلی وہ روایت ، جو اوپر درج ہوئی ہے کہ ڈراویڈن قبائل میں ذاتی ملکیت کا احساس نہ تھا ، غلط ٹھہرتی ہے - بہر نوع فاضل ہیو کنیڈی نے بھی ، شروع دور کی بعض ملکیتوں کو مشترکہ ملکیت مانا ہے ، مثلاً گاؤں کے گرد جتنی زمین ہوتی ، وہ پورے گاؤں کی ملکیت تھی ، جوہڑ ، ندی ، نالے اور چراگاہیں بھی مشترکہ ملکیت سمجھے جاتے تھے ، جنگل کی لکڑی اور درختوں کے مالک بھی پورا گاؤں یا قبیلہ ہوتا تھا۲ -

بعض پیشے

فاضل ہیو کنیڈی نے گاؤں کی سربراہی کو بھی موروثی قرار دیا ہے - یہ وراثت غالباً ماں کی طرف سے بیٹے کو ملتی تھی - چونکہ باہر کے علاقوں تک جانے والے راستے مخدوش بھی تھے اور دشوار گزار بھی اس لیے ہر گاؤں اپنی ضروریات کی کفالت کا خود اہتمام و انتظام کر لیتا تھا - اسی وجہ سے ہر گاؤں میں کاشت کاری کے علاوہ بعض پیشے بھی ابھر آئے تھے - کچھ لوگ لکڑی کا کام کرتے ، کچھ لوہے سے اوزار بناتے ، ھل کے پھل ، چھریاں ، چاقو اور دوسری چیزیں تیار کرتے - اور کچھ مٹی سے عام استعمال کے برتن گھڑ لیتے اور کسی نقد اجرت کے کے بغیر سال بھر کاشتکاروں کے کام کرتے رہتے تھے ، اور پیداوار کے سوا کوئی صلہ نہ مانگتے تھے۳ -

---

۱- لینڈ آف فائیو ریورز ، ص ۲۰ - ایڈورڈ جینکس - اے ہسٹری آف پالٹیکس ، ص ۴۹ - ۵۳ -

۲- بیڈن پاول ، انڈین ولیج کمونٹی ص ۱۲ — ۲۴۲ - ہولڈرنس ،

باقی نوٹ صفحہ ۱۰۵ پر

اس نظام کار کے سبب گاؤں کے کاشتکار اور غیر کاشتکار یعنی پیشہ ور افراد ایک دوسرے سے حد درجہ منسلک ہوگئے تھے ، اور ان میں باہمی دوستی و رفاقت کے جذبات پوری طرح کار فرما تھے ۔ گاؤں کے یہ لوگ ، خواہ کاشتکار تھے یا غیر کاشتکار ، خود کو ایک برادری کا رکن جانتے ، اور ایک دوسرے کی امداد کو فرض سمجھتے۱ ۔

پہلی زراعت

فاضل ڈکسن ، پیڈن پاول جے ۔ ایل مائرس اور ہیو کنیڈی نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے کہ شروع شروع کے دور میں یہ غالباً ڈراویڈن عورتیں تھیں ، جنہوں نے خوراک کے مختلف پودے قدرتی طور پر بعض چراگاہوں میں اگے پائے تھے اور جن کے بارے میں انہوں نے تجربہ کیا تھا کہ ان کے سٹے اگر سکھا لیے جائیں تو ان سے جو دانے نکلتے ہیں ، وہ خوراک کے کام آ سکتے ہیں اور کافی دنوں تک ذخیرہ کیے جا سکتے ہیں ۔

اس انکشاف کے بعد ہی ان وحشی ڈراویڈن میں بستیاں بسا کر مشترکہ طور پر رہنے کا احساس پیدا ہوا تھا۲ ۔

شروع شروع میں جب کھیت بوئے جاتے ، انہیں زیادہ اچھی طرح صاف نہ کیا جاتا تھا ۔ اور جب پہلی فصلیں کٹ جاتیں تو پودوں کے باقی ماندہ حصوں کو جلا کر نئی فصل کے لیے زمین تیار کر لی جاتی ۔ آغاز کار میں ہلوں کے ذریعے کھیت تیار نہ کیے جاتے تھے ، یہ فن آدمی نے ذرا بعد میں سیکھا ۔ فصل کٹ جاتی تو قبیلے کو اگلی کاشت تک فرصت

باقی حاشیہ صفحہ ۱۰۴

پیپلز اینڈ پرابلزم آف انڈیا ص ۱۳۸ ۔ مینن ولیج کیمونٹیز ان ایسٹ اینڈ ویسٹ ص ۱۲۶ ۔

۱۔ ڈارلنگ ، کواپریشن ان انڈیا اینڈ یورپ ، ص ۱۶۳ ۔ لینڈ آف فائیو ریورز ، ص ۱۵ ۔

۲۔ ڈکسن ، کلائمیٹ اینڈ ودر ، ص ۲۳۳ ۔ پیڈن پاول ، ص ۵۱ - ۵۲ - ۵۶ جے ۔ ایل مائرس ڈان آف ھسٹری ۲۳ - ۲۵ ۔

مل جاتی تھی ، اور مرد شکار کے لیے جنگلوں میں نکل جاتے تھے اور ہفتوں گھروں سے غائب رہتے تھے ۔

کھیتوں کی پیداوار جوں جوں بڑھنے لگی ، اور خوراک کے ذخیرے کافی ہوتے گئے تو کاشتکار جنگلوں میں زیادہ وقت بسر نہ کرتے ۔ مزید خوراک پیدا کرنے ، اور زمین کی قوتیں بڑھانے پر زیادہ توجہ دینے لگے ۔ اب ان کا وقت زیادہ تر کھیتوں اور گاؤں کے ماحول میں کٹتا ۔[1] یوں یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ یہ ڈراویڈن قبائل تھے ، جنھوں نے پہلے پہل سابقہ صوبۂ سرحد ، پنجاب ، سندھ اور بلوچستان کے میدانوں میں کاشتکاری کو بہ طور شغل اختیار کیا تھا اور دیہاتی زندگی کی طرح ڈالی تھی ۔ جیسے کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ڈراویڈن سے پہلے کے آباد کار وہ سومیرین تھے جو بابل سے اس سمت آئے تھے اور وہ بھی زراعت پیشہ تھے ۔ لیکن چونکہ مؤرخین نے ڈراویڈن قبائل کو پہلے کے آباد کاروں کی نسبت زیادہ مہذب ٹھہرایا ہے ، اس لیے یہ قیاس غلط نہیں ہوگا کہ یہ ڈراویڈن ہی تھے جنھوں نے زیادہ منظم طریقوں پر زراعت کا کام شروع کیا اور دریاؤں کے کناروں پر جا بہ جا گاؤں بسائے تھے ، اور یہ خیال بھی خاصا وزن رکھتا ہے کہ یہ بھی ڈراویڈن ہی تھے جنھوں نے پنجاب ، سندھ اور بلوچستان کے میدانوں میں پہلے پہل گیہوں بوئی تھی ۔ چاول کا تجربہ بھی ان ہی نے کیا تھا[2] ۔

فاضل ہیو کنیڈی کا گمان ہے کہ پہلے دور کے کاشتکاروں نے کاشت کا کام دریاؤں کے آس پاس کے بالائی میدانوں میں شروع کیا تھا ۔ وہ گیہوں اور جو سردیوں میں بوتے تھے ، مکی اور چاول کی کاشت گرمیوں میں کرتے تھے ۔

١۔ اگریکلچر پریکٹس ص ١٥ - ١٦ ، لینڈ آف فائیو ریورز ، ص ١٥ ۔

٢۔ لینڈ آف فائیو ریورز ص ١٧ ۔ سائرس ڈان آف ہسٹری ، ص ١٤—١٥
ایچ سولز آوٹ لائن آف ہسٹری ۔ ص ١٦٥ ۔

تیسرا باب

ہڑپا اور موہن‌جوڈیرو کے تہذیبی اور تمدنی انکشافات

ان انکشافات نے اس مفروضہ کو حقیقت کی شکل دے دی کہ موہن جو ڈیرو اور ہڑپا ، آج سے پانچ ہزار سال ساقبل ، تہذیب و تمدن کے گہوارے تھے اور یہ تمدن ، اس مدنیت و حضارت سے بہت مشابہ ہے جو قدیم ترین عہد میں عراق کے لیے وجۂ امتیاز بنا

فصل اول

موہن جو ڈیرو اور ہڑپا کی نقــاب کشائی

سر جان مارشل نے اپنی مشہور عالم کتاب موہن جوڈیرو اینڈ انڈس سویلزیشن کی تمہید میں سولہ آنے ٹھیک بات کہی ہے کہ ۳۲-۳۱-۱۹۲۸ء تک " دنیا بھر کے علما کا " عام خیال یہ تھا کہ ارضِ پاکستان کے قدیم باشندے تہذیبی اور تمدنی لحاظ سے آرین فاتحین سے حد درجہ پست تھے، ان کی مثال بالکل ہیلوٹز کی تھی اور آرین سپارٹن تھے یا آرین بیزنطینی تھے اور یہ لوگ ان کے غلام تھے ۔ یوں بھی آرین فاتحین نے ہندوستان کے قدیم باشندوں کو کچھ اس درجہ حقارت بخشی تھی کہ ان کا نام ہی داسیو یا " غلام بن غلام " پڑ گیا تھا ۱ ۔

رگ وید کے اندر سے ان داسیوں کی جو تصویر باہر کو جھانکتی ہے وہ کالے کلوٹے چپٹی ناکوں والے بربر کی ہے ، جو گوری رنگت کے آرین سے جسمانی ساخت کے اعتبار سے بھی ہیچ تر تھے ۔ اور لسانی اور مذہبی لحاظ سے بھی ۔ یوں رگ وید نے جا بہ جا اعتراف کیا ہے کہ یہ لوگ گائے بیلوں ، بکریوں اور بھیڑوں کے مالک تھے اور ان کے پاس یہ " دولت " کافی تھی ۔ یہ اچھے لڑنے والے بھی تھے اور کئی قلعوں کے مالک بھی تھے۔ جن کے اندر محصور ہو کر وہ حملہ آوروں سے دفاع کرتے تھے ۔ ویدک علماء نے ان قلعوں کی جو تعریف بیان کی ہے ، اس کی رو سے یہ قلعے وقتی دفاع کے قابل تو تھے لیکن کچھ زیادہ محفوظ نہ تھے ۔

چونکہ آرین فاتحین خود بھی کسی بڑی تہذیب و تمدن کے حامل نہ تھے ، وہ آوارہ خرامی فرماتے ، شہروں میں داخل ہوئے تھے اور ان کی

۱۔ سر جان مارشل ، موہن جو ڈیرو اینڈ انڈس سویلزیشن ، تمہید ص ۵ ۔

تہذیبی زندگی ابھی دیہی نوع کی تھی - اس لیے یہ تسلیم کر لیا گیا کہ ان کے مفتوح بھی کچھ زیادہ مہذب نہ تھے - یہ بات تو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ رگ وید کے زمانہ کے یہ حقیر تر لوگ ایک ہزار دو ہزار سال قبل نہیں پورے پانچ ہزار سال قبل کے عہد میں سندھ اور پنجاب کےباشندے تھے- انتہائی مہذب اور اعلیٰ درجہ کی متمدن زندگی گزارتے تھے ، وہ تہذیبی اور تمدنی اعتبار سے نہ صرف اپنے ہم عصر مصری اور عراق تمدن کے ہم پلہ تھے ، بلکہ بعض اعتبارات سے ان پر بھی سبقت لے گئے تھے ، سر جان مارشل کے نزدیک یہ حقیقت تو دنیا کو صرف موہن جو ڈیرو اور ہڑپا کے آثار و باقیات کے چہرے سے تہ بہ تہ پردے ہٹنے کے بعد معلوم ہوئی ہے۱ -

ہڑپا اور موہن جوڈیرو نامی یہ قدیم شہر کبھی آباد تھے ، یہ راز ۱۹۲۲ء سے پہلے کسی کو بھی معلوم نہ تھا - یوں جبکہ مسٹر میکے ، مصنف انڈس سویلزیشن کہتے ہیں کہ کبھی کبھی اس جگہ سے جس کی سطح نے ہڑپا کو اپنے نیچے چھپا رکھا تھا ، بعض مہریں ملتی رہتی تھیں اور خیال ہوتا تھا کہ اس جگہ کچھ آثار دبے ہیں - بلاشبہ یہ مہریں ماہرینِ آثار قدیمہ کے نزدیک بہت قدیم عہد کی غمازی کرتی تھیں حتیٰ کہ سر الیگزنڈر کننگھم تو ان مہروں پر کندہ تصویری نقوش نما رسم الخط کے بارے میں یہ رائے رکھتے تھے کہ ہندوستان کا برھمی رسم‌الخط اسی تصویری نقوش نما رسم‌الخط سے نکلا ہے -

سر الیگزنڈر کننگھم کے علاوہ پروفیسر سٹیفن کا خیال بھی یہی تھا۲ - ان مہروں کی قدامت کے اعتراف کے باوجود ۱۹۲۲ء تک کوئی بھی ماہرِ آثارِ قدیمہ یہ دعویٰ نہ کر سکتا تھا کہ یہ مہریں جس جگہ سے برآمد ہو رہی ہیں وہاں ماضی کا کوئی عظیم شہر دفن ہے۲ -

قریب قریب یہی کیفیت ان ٹیلوں کی بھی تھی جہاں موہن جو ڈیرو دبا ملا ہے - ان کے بارے میں بھی ماہرینِ آثار قدیمہ کو صرف اس قدر معلوم تھا کہ ان کی سطح کوئی ستر فٹ اونچی ہے ، اور وہاں قدیم

۱- سر جان مارشل موہن جوڈیرو دیباچہ ، ص ۵ -

۲- انڈس سویلزیشن ، ص ۲ -

سندھیوں کی کوئی عبادت گاہ کبھی بنی تھی -

یہ تو مسٹر ، آر ، ڈی ، بینرجی سپرنٹنڈنٹ محکمۂ آثارِ قدیمہ پونا جنوبی پنجاب ، بیکانیر ، بہاولپور اور سندھ کے دورہ پر تشریف لائے تو قدامت کے چہرے بے نقاب ہوئے - انہیں ان بارہ پتھر کے معبدوں کی تلاش تھی جو سکندر مقدونی نے پنجاب سے واپسی کے وقت پنجاب کے مختلف مقامات پر تعمیر کیے تھے - مسٹر بینرجی بہاولپور کے خشک شدہ ھکڑو دریا کی گزرگاہ پر چلتے چلتے ضلع سکھر کے رتی سٹیشن تک گئے -

اپنی اس مہم میں مسٹر بینرجی نے دریائے سندھ کے اٹھارہ قدیم ''پیندے'' یا گزرگاھیں ملاحظہ کیں کیونکہ یہ ھرجائی دریا ، اس وقت تک اٹھارہ بار اپنی راھیں بدل چکا تھا - مسٹر بینرجی نے ان گزرگاھوں کے ماسوا ، پرانے زمانے کے ترپن چھوٹے بڑے تباہ شدہ شہر و قصبات بھی دیکھے - عام ماہرینِ آثارِ قدیمہ کے نزدیک یہ شہر بدھ مت ماننے والوں نے کبھی بسائے تھے١ -

مسٹر بینرجی نے کہیں کہیں کھدائی بھی کی اور کچھ پرانے سکے بھی برآمد ہوئے - جن سے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ شہر و قصبات دوسری صدی بعد از مسیح کے وقت میں تباہ و برباد ھو گئے تھے کیونکہ ان کے کھنڈرات سے کشن شہنشاہ واسودیو اول کے سوا کسی بعد کے بادشاہ کا کوئی سکہ دستیاب نہیں ھوا - کشن شہنشاہ کا زمانہ ١٥٨ء - ١٧٧ء بعد از مسیح ہے٢ -

ان قصبات و شہروں کے کھنڈرات کا معائنہ کرنے کے بعد مسٹر بینرجی موھن جو ڈیرو بھی پہنچے - یہ ١٩٢٢ء کی بات ہے ، اس وقت موھن جو ڈیرو چند ٹیلوں پر مشتمل تھا جہاں کانٹے دار جھاڑیاں جا بہ جا اگی تھیں اور آمد و رفت آسان نہ تھی - البتہ وہ بدھ معبد دور ھی سے ھر نووارد کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتا ، جو غالباً پہلی دوسری صدی عیسوی میں تعمیر کیا گیا تھا اور جیسے مسلمانوں کے زمانے میں کبھی کسی سیاح نے قابلِ توجہ نہ سمجھا - لیکن مسٹر بینرجی کے لیے یہ معبد

١- موھن جو ڈیرو ، مہر چند - ص ٨ - انڈس سویلزیشن ، ص ٢ -
٢- سر جان مارشل جلد اول ، ص ١٠ -

خاصی دلچسپی کا موجب ہوا ۔ وہ کانٹے دار جھاڑیوں کو کٹوا کر اور جا بہ جا راستہ ہموار کروا کر اس تک پہنچے اور ابھی اوپر کی سطح کھدوائی تھی کہ انہیں پتھر کے زمانے کے کچھ چاقو بھی دستیاب ہوگئے اور دو ایک بالکل انوکھی طرز کے برتن بھی مل گئے ۔ اور انہوں نے اپنے سارے پروگرام کو ملتوی کر کے اس خانقاہ اور معبد کے آس پاس کو کھودنے کے لیے انتخاب کر لیا ۔

جب کھدائی شروع ہوئی تو مسٹر بینرجی یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ دھوپ میں خشک کی ہوئی اینٹوں سے بنا ہوا یہ معبد ایک ایسے مینار پر قائم کیا گیا تھا جو آگ کی مدد سے پکائی ہوئی لال سرخ اینٹوں سے تعمیر ہوا تھا اور جو دریا کی عام سطح سے کوئی چالیس فٹ اونچا تھا ۔

عجیب بات ہے کھدائی کے وقت معبد (سٹوپا) کے اندر سے کچھ جلی ہوئی لکڑیوں کے ٹکڑے بھی دستیاب ہوئے اور راکھ اور کوئلے بھی ملے ، جس سے مسٹر بینرجی اس نتیجے پر پہنچے کہ بعد کے کسی زمانے میں لوگوں نے اس معبد کو شاید آگ لگا دی تھی ۔ اور شاید آس پاس کے لوگ اس معبد اور اس کی ملحقہ عمارتوں سے اینٹیں چراتے رہے تھے ۔ اس معبد کی دیواروں پر مسٹر بینرجی نے برھمی دیو نا گری اور خروشتی رسم الخط میں لکھے ہوئے کتبات بھی دیکھے ۔

مسٹر مہر چند کا بیان ہے کہ خروشتی رسم الخط ، ایرانی بادشاہ دارا نے اس وقت ارض پاکستان میں متعارف کرایا تھا جب سندھ اور پنجاب پر اس نے قبضہ کیا تھا ۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ رسم الخط سندھ سے تیسری صدی بعد از مسیح میں غائب ہوا اور اس کی جگہ دیونا گری رسم الخط نے لے لی -۱ اس اعتبار سے یہ معبد لازماً ۴۰۰ بعد از مسیح سے پہلے کے زمانے میں تعمیر ہوا ہوگا ۔

مسٹر میکے مصنف انڈس سویلزیشن کی رو سے اس معبد کی تعمیر کا زمانہ ۱۵۰ اور تین سو سال بعد از مسیح کے مابین کا زمانہ ہے ، ان کے خیال میں بدھ سادھوؤں نے جب اپنا معبد اور اس کے ملحقہ خانقاہ تعمیر کی تھی تو پختہ اینٹیں اور پتھر ، ان ہی کھنڈرات سے لیے تھے جو دو ہزار

۱- موہن جو ڈیرو ، ص ۲۶ ۔

چھ سو سال سے تقریباً زمین میں دفن پڑے تھے۱ ۔

اس مصنف کا بیان ہے کہ موہن جو ڈیرو پر مسٹر بینرجی نے جو کھدائی کی وہ بڑی حوصلہ افزا ثابت ہوئی تھی اس لیے سر جان مارشل نے جو ان دنوں محکمہ آثار قدیمہ کے ڈائرکٹر تھے ، اس سلسلے میں ذاتی دلچسپی لی ۔ بذات خود موقعہ پر پہنچے ، اور ہزار بارہ سو آدمیوں کی مدد سے وسیع پیمانے پر کھدائی کا کام شروع کر دیا ۔ جوں جوں کھدائی ہوتی گئی ، سر جان مارشل اور ان کے ساتھیوں کے سامنے ، نت نئے تہذیبی عجوبے آتے گئے ، کبھی عمدہ طرز کے پیتل ، تانبے اور پتھر کے مجسمے برآمد ہوئے ، کبھی رنگ بہ رنگ کے بت ملے ، اور کبھی زیورات سے بھرے ہوئے مرتبان نمودار ہوئے ، اور سب سے عجیب بات یہ ہوئی کہ کھودنے والے جیسے ہی نچلی سطح تک پہنچے ایک پورے کا پورا اعلیٰ درجے کا شہر پایا جو کسی زمانے میں بستا تھا ۔ اور سر جان مارشل اور ان کے ساتھیوں کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں ۔

مسٹر مہر چند کہتے ہیں جوں ہی اخبارات میں موہن‌جو ڈیرو کی نقاب کشائی کے حالات چھپے ، دنیا بھر کے علماء ورطۂ حیرت میں آ گئے ، کیونکہ ایک سو سال سے برابر یورپ کے علمائے تاریخ کا عام خیال یہ تھا کہ تخلیق عالم چھ ہزار سال قبل مسیح میں ہوئی تھی ۲ اور اس سے صرف چند سو سال بعد کی ایک اعلیٰ درجے کی تہذیب کے وجود کی خبر واقعتاً ان کے لیے حیرت انگیز تھی ۔ خصوصیت سے اس لیے بھی کہ یہ تہذیب ایک ایسے ملک میں پروان چڑھی تھی ، جس کی تہذیبی سربلندی کے بارے میں یورپ کو خاصے شبہات تھے ۔

بہرحال جیسا کہ سر جان مارشل کہتے ہیں کہ موہن‌جو ڈیرو اور ہڑپا کے انکشافات نے اب یہ بات یقیناً ثابت کر دی ہے کہ وادیٔ سندھ کی تہذیب چوتھے اور تیسرے ہزار سال قبل مسیح میں بہت اونچے معیار پر پہنچ چکی تھی ۔ یوں بلا شبہ ، باقی مغربی ایشیا کی طرح چار ہزار سال قبل مسیح کی یہ تہذیب سندھ و پنجاب میں ابھی پتھر کے عہد سے باہر نہیں نکلی تھی ، لوگ ابھی تک پیتل اور تانبے کے اوزاروں اور اسلحہ کے

۱۔ انڈس سویلزیشن ، ص ۲ ۔ سر جان مارشل ، ص ۱۲—۱۳ ۔

ساتھ ساتھ پہلے ھی کی طرح پتھر کے اوزار اور اسلحہ بھی استعمال کرتے تھے۱ -

سر جان مارشل کا استدلال ہے کہ ہڑپا اور موہن‌جو ڈیرو ، دونوں شہروں کی انتہائی کھدائی پر جو اوزار اور اسلحہ برآمد ہوئے ھیں ان میں سے بے شمار چاقو پتھر سے تراشے ہوئے ھیں ، کچھ کلہاڑے اور دوسرے اوزار بھی پتھر کے ھیں ۲- سر جان مارشل کی رو سے پتھر اور تانبے ، پیتل کے ملے جلے عہد کے یہ لوگ عام طور پر شہروں میں رہتے تھے اور ان کی معیشت اور دولت و ثروت کا انحصار زیادہ تر زراعت اور تجارت پر تھا - جو خاصی ترقی یافتہ تھی ، خاص طور پر ان کی تجارت تو ہر چہار اطراف عالم میں پھیلی تھی - یہ لوگ زیادہ تر گیہوں اور جو کی کاشت کرتے تھے ، پھلوں میں کھجور کثرت سے بوتے تھے -

ان کے پالتو جانوروں میں بھینس ، بیل ، بھیڑیں ، سؤر اور کتے زیادہ ممتاز تھے ، یہ لوگ ھاتھی بھی رکھتے اور اونٹ بھی - لیکن گھوڑے سے ابھی متعارف نہ ہوئے تھے - نقل و حمل کے لیے یہ لوگ بیل گاڑیوں کا استعمال کرتے - سونے ، چاندی اور پیتل ، کانسی کی دھاتوں کو ڈھالنے اور ان سے ضرورت کی اشیاء بنانے میں ان لوگوں نے بڑی مہارت پا لی تھی ، سکہ اور ٹین بھی ان کے استعمال میں آتا - مگر بہت کم - انہیں کپڑے کی صنعت میں غیر معمولی کمال حاصل تھا - ان کے ھتھیار تیر کمان ، بھالے ، کلہاڑے اور خنجر تھے - ابھی تلوار کی لڑائی وہ لڑنے کے اھل نہیں ہوئے تھے یا ایسی ضرورت انہیں لاحق نہیں ہوئی تھی - وہ شاید زیادہ لڑاکے نہ تھے اور لڑنے کی ضرورت نہ سمجھتے تھے وہ زیادہ تر صلح پسند تھے اور صلح پسندی پر بھروسہ رکھتے تھے - ان کے گھریلو استعمال کے برتنوں میں عمدہ قسم کے مٹی کے برتنوں کے علاوہ پیتل ، کانسی اور چاندی کے برتن بھی دستیاب ہوئے ھیں - زیورات میں سونے چاندی ، پیتل اور تانبے کے زیورات زیادہ استعمال کیے جاتے - ھاتھی دانت اور سیپی اور دوسرے قیمتی پتھروں کو بھی بہ طور زیور پہنا جاتا - غریب

۱- سر جان مارشل جلد اول دیباچہ ، ص ۵ -

۲- انڈس سویلزیشن ، ص ۲ -

لوگ گھونگھوں اور سیپیوں سے اپنی طلب پوری کرتے ۔

سر جان مارشل نے پانچ ہزار سال پہلے کے ان سندھیوں اور پنجابیوں کے بارے میں خاص طور پہ صراحت ضروری جانی ہے کہ وہ لکھنے کے فن سے آشنا تھے ۔ اور ان کا یہ فن ، گو خصوصی حیثیت رکھتا تھا تاھم مغربی مشرق اور مشرق قریب میں رائج رسم‌الخطوں سے ملتا جلتا تھا ۱۔

فاضل سر جان مارشل نے اپنی کتاب ، موھن‌جو ڈیرو کی پہلی جلد میں مختصراً یہ استشہاد کرنے کے بعد حکم لگایا ہے کہ موھن‌جو ڈیرو اور ھڑپا میں آباد لوگوں کی تہذیبی و تمدنی کیفیت ، وادیٔ نیل اور وادیٔ فرات کی سومیری تہذیب کے ھم پلہ تھی اور بعض اعتبارات سے ، اس سے بازی لے گئی تھی ، خصوصیت سے کپڑا بننے کی صنعت میں وادیٔ سندھ کے لوگ اپنا جواب آپ تھے ۔ سوتی کپڑا تو وادیٔ سندھ کے سوا قطعاً کہیں اور نہ بنتا تھا ۔

سر جان مارشل کو یقین ہے کہ وادیٔ سندھ کو یہ خصوص ، کوئی دو ھزار سال تک نصیب رھا ، خصوصیت سے مغربی ممالک تو کپڑا بننے کے فن سے دو تین ھزار سال بعد آشنا ھوئے تھے ۔ اس خصوصیت کے ساتھ ساتھ وادیٔ سندھ کی تہذیب کو وادیٔ نیل اور وادیٔ فرات کی تہذیبوں اور تمدنوں پر ایک اور تفوق بھی نصیب تھا اور وہ یہ کہ موھن جو ڈیرو اور ھڑپا کے شہریوں کے مکانات نسبتاً زیادہ آرام دہ ، زیادہ عمدہ اور مفید تھے ۔ ان کے اندر غسل خانے اور حمام بھی ھوتے اور دوسری سہولتیں بھی ۔

یہاں کے مکانات کی عمومیت ، شہری زندگی کی غماز ہے ۔ اس سے معلوم ھوتا ہے کہ یہاں کے شہروں میں عام شہریوں کو زیادہ سہولتیں دی جاتیں ۔ ان کے مکانات زیادہ سے زیادہ عمدہ بنائے جاتے ۔۱ آب رسانی کے ذرائع بہتر ھوتے ، اور نکاس تو آج کے زمانے کو بھی شرماتا ہے ۔

۱۔ ''موھن جو ڈیرو'' سر جان مارشل جلد اول ، ص ۶ ۔

فصل دوئم

ارضِ پاکستان کے مقامات

سوہن جو ڈیرو اور ہڑپا ، آج سے پانچ ہزار سال پہلے عظیم تہذیبی مرکز تھے سوہن جو ڈیرو اور ہڑپا ، اس وقت آباد ہو چکے تھے ، جب عیلام اور سومر نے انسانی بستیوں کی شکل اختیار کی تھی

سر جان مارشل نے بڑے اعتماد کے ساتھ دعویٰ کیا ہے کہ ہر وہ شخص جو مغربی ایشیا کے قبل از تاریخ آثار و باقیات سے آشنا ہے جوں ہی وادیٔ سندھ کے تہذیبی و ثقافتی آثار پر نگاہ ڈالے گا معاً جان لے گا کہ وہ اس دور کے ہیں جس دور سے عیلام اور عراق اور سومر سے برآمد ہونے والے آثار و باقیات متعلق ہیں ۔

فاضل سر جان مارشل کے خیال میں اس دور کی خصوصیات حسبِ ذیل ہیں ۔

(۱) اس وقت کی سوسائٹی ، شہروں میں محدود تھی ۔ (۲) پتھر کے آلات و اوزار اور اسلحہ کا استعمال یوں تو باقی تھا لیکن خاصا کم ہو گیا تھا (۳) تانبے اور کانسی کے آلات آہستہ آہستہ پتھر کے آلات و اوزاروں کی جگہ لیتے جا رہے تھے۔ (۳) گھروں میں استعمال ہونے والے ظروف اب پہیوں کی مدد سے زیادہ‌تر بنتے۔اس لیے ان میں پہلے کی نسبت زیادہ صفائی پیدا ہوگئی تھی ۔ (۴) گاڑیاں بھی پہیوں کی مدد سے چلائی جاتیں ۔ (۵) اینٹیں کہیں کہیں دھوپ میں خشک کی جاتیں ، لیکن زیادہ تر بھٹوں میں پکائی جاتیں ، اور جو مکانات بنتے ، ان میں زیادہ تر پختہ اینٹوں کا استعمال ہوتا ۔ عمارتوں ی تعمیر سے پہلے، پلیٹ فارم بنا لیے جاتے تا کہ سیلاب کی زد سے بچ جائیں ۔ (۶) ایسے نقش و نگار اور تصویری خطوط ایجاد کر دیے گئے تھے جو تحریر کا کام دیتے ۔ اور (۷) سونے ، چاندی ، تانبے اور پیتل کی مصنوعات کافی مقدار

میں تیار ہونے لگی تھیں ۔

سر جان مارشل کے خیال میں موہن جو ڈیرو اور ہڑپا کے شہر ایک زمانے اور ایک عہد کی غمازی نہیں کرتے ۔ وہ کئی زمانوں کے ترجمان ہیں ۔ مثلاً موہن جو ڈیرو کو جب کھودا گیا تو عمارت کی سات تہیں برآمد ہوئیں ۔ جن میں سے تین تہیں بعد کے زمانے کی ہیں ۔ تین درمیانی عہد کی ہیں اور ایک قدیم تر دور کی ہے[۱] ۔

اور اس بات کا امکان ہے کہ اس سے بھی پہلے زمانے کے آثار ابھی تک زمین میں دفن ہوں اور اگر مزید کھدائی ہوئی تو اور زیادہ انکشافات ہوں گے ۔

عمومی حالات میں ہم موہن جو ڈیرو کی تہ بہ تہ عمارات کو دیکھ کر یہ آسانی سے کہہ سکتے تھے کہ موہن جو ڈیرو شہر کم سے کم ایک ہزار سال تک آباد رہا ہو گا ۔ لیکن چونکہ موہن جوڈیرو کے حالات عمومی نہیں خصوصی ہیں اور اس کی تباہی اور بربادی مخصوص نوعیت کی ہے اس لیے ہمیں اس کی عمر کے بارے میں خاص غور و فکر لازم ہے ۔ مثلاً ہمیں سب سے پہلے یہ بات ملحوظ رکھنا ہو گی کہ اس شہر کی مختلف تہوں اور مختلف ادوار کی عمارتیں ایک دوسرے سے فن تعمیر اور سامان کے لحاظ سے قطعاً مختلف نہیں ہیں ۔ انہیں دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ پہلی عمارات جب کسی حادثے کے سبب تباہ ہو گئی تھیں تو جو نئی عمارتیں ان کی جگہ بنیں ان میں پرانی عمارتوں کی اینٹیں ہی استعمال ہوئیں ۔ یوں اس میں کوئی کلام نہیں ہے کہ پہلی عمارتیں اپنے فن تعمیر کے لحاظ سے پچھلی سے بہتر تھیں ۔ اس کے ماسوا جو سامان مثلاً مہریں ، اسلحہ اور اوزار مختلف تہوں سے برآمد ہوئے ہیں ان میں بھی مکمل یکسانیت پائی جاتی ہے ۔ کہیں بھی تو کوئی فرق نہیں ملتا ۔ اس لیے احتیاطاً ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے موہن جو ڈیرو کے آباد رہنے کی عمر پانچ سو سال متعین کی ہے[۲] ۔

سرجان مارشل موہن جو ڈیرو کے آباد رہنے کی یہ عمر متعین کرتے وقت ٹیکسلا کی مثال دیتے ہیں جو دو سو سال قبل مسیح سے لے کر ایک سو

۱۔ سر جان مارشل ۔ جلد اول ، صفحہ ۱۰۲ ۔

۲۔ سر جان مارشل جلد اول ، ص ۱۰۳ ۔

سال بعد مسیح تک چھ بار تباہ ہوتا اور آباد ہوتا رہا تھا ۔ اس کے باوجود سر جان مارشل کا خیال ہے کہ وادیٔ سندھ کا یہ شہر موہن جو ڈیرو جس تہذیب کی غمازی کرتا ہے وہ کوئی مبتدی تہذیب نہ تھی ۔ خاصی ترقی یافتہ تھی اور اس کی عمر سینکڑوں نہیں ہزاروں سال تھی ۔ اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں سر جان مارشل نے فن ظروف سازی اور تصویروں کے رنگ میں تحریری خد و خال و حروف کی پختگی کو بطور استشہاد پیش کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر موہن جو ڈیرو اپنی آبادی کے معلوم عہد سے بہت پہلے کا شہر نہ ہوتا تو اس کے اندر سے جو عمدہ ظروف نفیس ترین مہریں اور تصویری حروف کے پختہ نمونے دستیاب ہوئے ہیں ، قطعاً میسر نہ آتے ۔ ان چیزوں کی نفاست اور عمدگی اس امر کی دلیل ہے کہ جس دور کی یہ اشیاء ہیں ۔ اس وقت وادیٔ سندھ کے صناع اور فن‌کار کئی سو سال کے معمر فن کے نمائندے تھے ۔

یوں سر جان مارشل نے اس بات کا امکان بھی تسلیم کیا ہے کہ موہن جو ڈیرو کے بعض فنون باہر سے آئے ہوں ۔ اور جس وقت آئے ہوں وہ تکمیل کے کئی مدارج طے کر چکے ہوں ۔ موہن جو ڈیرو کے باقی فنون کی پختگی کو دیکھ کر ہمیں وہی رائے قائم کرنا پڑتی ہے جو ہم پیچھے قائم کر چکے ہیں ۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ موہن جوڈیرو کی تباہی کے بعد بھی یہ تہذیب صدیوں زندہ رہی تھی ۔ فوراً فنا کے گھاٹ نہیں اتر گئی تھی ۔

سر جان مارشل کے نزدیک اس وقت جب موہن جو ڈیرو ابھی تباہ نہیں ہوا تھا اس میں اور عیلام و بابل کے مابین بہت گہرے تجارتی اور معاشرتی روابط قائم تھے ۔ اس کا ثبوت ان پانچ مہروں سے ملتا ہے جو قطعاً وادیٔ سندھ کی مہریں تھیں ۔ مگر وہ برآمد وادیٔ دجلہ و فرات سے ہوئی ہیں[۱] ۔ ان میں سے دو مہریں لازماً ” سارغونہ “ اول بادشاہ عراق کے عہد سے پہلے کی ہیں ۔ ان کے علاوہ دو اور شواہد جو عر اور کش سے برآمد ہوئے ہیں ، وادیٔ سندھ کی تہذیب کو ۲۸۰۰ سو سال قبل مسیح تک لے گئے ہیں ۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وادیٔ سندھ کی جو تہذیب ۲۸۰۰ سال قبل مسیح

۱۔ گورڈون چائلڈ ، موسٹ اینشنٹ ایسٹ ، ص ۲۰۰۔

میں جوان تھی وہ اس زمانے کے بعد مر گئی تھی اور زندہ نہ رہی تھی۔ اس امر کا سب سے بڑا ثبوت بھی وہ مہریں ہیں۔ جو موہن جو ڈیرو کی ساتوں تہوں سے برآمد ہوئی ہیں اور ان کی نوعیت و کیفیت میں حد درجہ یکسانیت پائی جاتی ہے۔ یوں سر جان مارشل کے نزدیک احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ موہن جو ڈیرو کی عمر تین ہزار دو سو سال قبل مسیح سے لے کر ستائیس سو سال قبل مسیح تک متعین کی جائے۔

اس سلسلے میں پروفیسر لینگ ڈون کی یہ رائے بھی قابل لحاظ ہے کہ موہن جو ڈیرو سے برآمد ہونے والی مہروں پر جو حروف کندہ ہیں، وہ سومیری رسم الخط سے بہت مشابہ ہیں۔ ان کے نزدیک سومیری رسم الخط اور وادیٔ سندھ کے اس رسم الخط میں کئی چیزیں مشترک ہیں۔ خصوصیت سے یہ دونوں دائیں سے بائیں طرف لکھے گئے ہیں[۱]۔

فاضل سر جان مارشل کے خیال میں یہ اعتراض کوئی وزن نہیں رکھتا کہ موہن جو ڈیرو اور ہڑپا کے آثار و باقیات جس تہذیب کی غمازی کرتے ہیں وہ چونکہ حد درجہ ترقی یافتہ تھی اس لیے وہ زیادہ قدیم نہیں ہو سکتی۔ خصوصیت سے اس لیے کہ اس کے مکانات اور ان مکانات میں بہت تشابہ ہے جو مسٹر وولی نے عر کے مقام پر برآمد کیے ہیں اور جن کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ وہ ۲۲۷۸ اور ۲۱۷۰ قبل مسیح کے زمانہ کے ہیں۔

سر جان مارشل نے اس تشابہ کو تسلیم کیا ہے لیکن ان کا اعتراض ہے کہ یہ تشابہ موہن جو ڈیرو کے صرف ان مکانات میں ہے جو بعد کے ادوار کے ہیں، موہن جو ڈیرو پہلے کے ادوار کے مکانات اور عر کے مکانات کے فن تعمیر میں بہت کافی فاصلہ ہے۔ بہرحال اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ان میں تشابہ موجود ہے تو ہو سکتا ہے کہ سومر کے معماروں نے وادیٔ سندھ کے فن کاروں سے یہ فن سیکھا ہو، اور یہ فن کار موہن جو ڈیرو کی تباہی کے بعد کے زمانہ کے ہوں۔

سر جان مارشل نے دریائے گنگا جمنا کی سرزمین سے برآمد ہونے والے آثار و باقیات کو بھی وادیٔ سندھ کی تہذیبی آثار سے بہت بعد کا قرار

۱- سر جان مارشل جلد اول، ص ۱۰۴۔

دیا ہے ، خصوصیت سے اس لیے کہ وہاں سے جو تلواریں برآمد ہوئی ہیں وہ زیادہ عمدہ ساخت کی ہیں اور ان جیسی کوئی تلوار موہن جو ڈیرو اور ہڑپا سے دستیاب نہیں ہوئی ۔

سر جان مارشل کے نزدیک یہ سوال کہ وادیٔ سندھ کی اس نفیس اور انتہائی ترقی یافتہ تہذیب و ثقافت کے مالک لوگ کون تھے ، آیا یہ ہندوستان ہی کے رہنے والے تھے یا باہر سے آئے تھے ، خاصا الجھا ہوا ہے ۔

سر جان مارشل نے اس سلسلے میں بعض ان ہندوستانی مؤرخین کا ذکر بھی کیا ہے جو اس تہذیب کی تخلیق کا سہرا ویدک دور کے آرین کے سر باندھتے ہیں ۔ ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جو وادیٔ سندھ کے خالقوں کو سومیری کہتے ہیں ۔ اس گروہ میں مشہور فاضل گورڈون چائلڈ زیادہ ممتاز ہیں ۱۔ سر جان مارشل کے خیال میں ابھی تک وہ وقت نہیں آیا کہ فیصلہ کیا جا سکے کہ موہن جو ڈیرو ، ہڑپا اور وادیٔ سندھ میں پنپنے والی قوم دراصل کون تھی ۔ یوں جو چوبیس پنجر دستیاب ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ موہن جو ڈیرو کے آخر دور میں یہاں کئی قسم کے لوگ رہتے تھے ، ان میں سے کچھ عراقی تھے ، کچھ منگول تھے اور کچھ روم کے ساحلوں کے رہنے والے تھے ، یہ بھی ممکن ہے کہ یہ لوگ بیرونی تاجر ہوں جو وقتی طور پر اس شہر میں آئے ہوں ۲۔

ہم نہیں کہ سکتے کہ سر جان مارشل نے موہن جو ڈیرو ، ہڑپا اور وادیٔ سندھ کے پہلے باشندوں کو سومیری الاصل ماننے میں اس درجہ تامل اور تذبذب سے کیوں کام لیا ہے ۔ حالانکہ انہوں نے خود اس تشابہ کو تسلیم کیا ہے جو عر کی کھدائی کے وقت مسٹر وولی اور دوسرے ماہرین آثار قدیمہ نے وہاں کے سومیری آثار و باقیات اور ہڑپا کی عمارات میں محسوس کیا ہے اور جس کی بنا پر انہوں نے رائے دی ہے کہ ان تینوں مقامات کی تہذیب ایک تھی۳ ۔

۱- (Gordon Child) ۔ آرینز ، ص ۳۵ ۔
۲- سر جان مارشل جلد اول ، ص ۱۰۲—۱۰۳ ۔
۳- وولی ۔ سمیریز ، ص ۶ ۔ جلد اول ص ۲۱۶—۲۴۰ ۔ ہنٹر سکرپٹ آف ہڑپا ، ص ۲ ۔

مسٹر وولی کے علاوہ ڈاکٹر ایچ ۔ آر ۔ ہال ، سر جنرل کننگھم ، پروفیسر لنگڈن ، ہنٹر اور باشم نے بھی اس تشابہ کو تسلیم کیا ہے[۱] ۔ خصوصیت سے ڈاکٹر ایچ ۔ آر ۔ ہال نے تو بڑے واضح الفاظ میں یہ اعلان ضروری سمجھا ہے کہ یہ ڈراویڈن جو سندھ ، پنجاب اور بلوچستانی باشندے تھے ۔ عراق کے مشرقی میدانوں کے رہنے والے تھے اور وہاں سے ترک وطن کر کے شمال مغربی ہند کے میدانوں میں آن بسے تھے ۔

سر جان مارشل نے خود ڈاکٹر ایچ ۔ آر ۔ ہال کے اس اعلان کو نقل کیا ہے اور اعتراف فرمایا ہے کہ موہنجو ڈیرو اور ہڑپا سے انہوں نے جو آثار برآمد کیے ہیں ، ان سے ڈاکٹر ہال کے نظریہ کو بہت تقویت ملی ہے ۔ سر جان مارشل نے ڈاکٹر ہال کے علاوہ فاضل وولی کا ذکر بھی کیا ہے اور ان کی رائے بھی نقل کرنا ضروری جانی ہے[۲] ۔

خیال رہے کہ مسٹر وولی ان بڑے ماہرین آثار قدیمہ میں سے ہیں جنھوں نے عراق کے مشہور تاریخی مقام عر اور کش پر کھدائی کی ہے ۔ اور ان مقامات کی قدیم سومیری عمارات کا پورا محاکمہ فرمایا ہے ۔

ہم نہیں سمجھ سکتے کہ جب ان ماہرین آثار قدیمہ نے جنھوں نے عر اور کش کے سومیری آثار و باقیات کا تجزیہ کیا ہے ، انہیں وادیٔ سندھ کے آثار و باقیات سے مکمل مشابہ ٹھیرایا ہے تو پھر سر جان مارشل نے اس تشابہ کو کیوں کافی نہیں سمجھا ۔ جبکہ یہ تشابہ دنیا بھر کے ماہرین آثار قدیمہ کے نزدیک ایک ٹھوس حقیقت کا سا وزن رکھتا ہے ۔ مثلاً ارلی ہسٹری آف اسیریا کے مصنف سڈنی سمتھ کہتے ہیں ۔

Excavations in India at Mohan-jo-Dero, and Harppa two sites in the Indus Valley, have revealed a civilisation which to judge from material objects found had much in common with the early Summarian period in Babylonia.

کہ ہندوستان میں موہن جو ڈیرو اور ہڑپا کی کھدائی سے جو وادیٔ سندھ

۱۔ ونڈر دیٹ واز انڈیا ، ویدک ایچ ۔

۲۔ سر جان مارشل جلد اول ص ۱۱۰ ۔

کے دو مقامات ھیں جو مواد برآمد ھوا ھے وہ بابل کے قدیم تر سومیری عہد سے بہت ساری باتوں میں بڑی حد تک مشابہ ھے ۔ فاضل سڈنی سمتھ نے اس اشتراک اور بعض دوسری وجوہ کی بنا پر بابل کے سمیریوں اور وادیٔ سندھ کے لوگوں کے باھمی خونی اشتراک کے امکان کو بھی بہمہ وجوہ تسلیم کیا ھے ، ان کے الفاظ ھیں ۔

It has, indeed, been thought, on other grounds, that a racial connection may exist between the Sumarians and certain early stocks in India, and there is no occasion to deny the possibility of this.

فاضل سڈنی سمتھ کے نزدیک بابل کے سومیرین اور وادیٔ سندھ کے آباد کاروں کے مابین جو خونی رشتہ تھا وہ سومیر کے تاریخی دور سے پہلے کی حقیقت ھے ۔ اور سومیریوں کا تاریخی دور سڈنی ھی کی رو سے تین ھزار سال قبل مسیح سے شروع ھوا۱ ۔ یوں بعض علماء کے نزدیک سومیریوں کا تاریخی دور تین ھزار پانچ سو سال قبل مسیح کا دور ھے ۔ بہرحال اگر بابل کے سومیری اور موھن‌جو ڈیرو اور ھڑپا کے باشندوں کی رشتہ داری ساڑھے تین ھزار سال سے بھی پرانی ھے تو اس کے معنی یہ ھوں گے کہ وہ سومیری جو نہ جانے کن وجوہ کی بنا پر ڈراویڈن کہلائے ، کوئی چار ھزار سال پہلے کے زمانہ میں سومیر یا عاشور (آشور) سے نکل کر ، اس راستے پر چل پڑے تھے ، جو بابل سے ھوتا پہلے رے پہنچتا ھے اور پھر ھمدان سے مشہد آتا ھے ۔

فاضل سڈنی سمتھ نے اس باب میں ، اس غیر معمولی ، انسانی نقل و حرکت کی خبر بھی دی ھے ، جو چار ھزار سال قبل مسیح اور تین ھزار سال قبل مسیح کے درمیانی وقفہ میں انسانوں نے کی تھی اور بڑے وسیع پیمانہ پر وطن بدلے تھے۲ ۔ فاضل سڈنی کہتے ھیں ۔ مہاجرین نے وطن تبدیل کرتے وقت جو راستے اختیار کیے ، ان راستوں کو وہ بالکل نہیں بھولے ، صدیوں بعد تک ان کے تجارتی کاروان ان پر دوڑتے

---

۱ ۔ ارلی ھسٹری آف اسیریا ، ص ۵۰ــ۷۷ــ۷۸ مطبوعہ ۱۹۲۸ ۔

۲ ایضاً ص ۷۸ ۔

پھرتے رہے تھے ، کیونکہ نئے اوطان میں پہنچ کر اور وہاں بس جانے کے باوجود وہ اپنے سابق وطن میں آتے جاتے رہتے - کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ان کے سابق وطن کی کون کون سی پیداوار اور مصنوعات ، وہ نئے وطن میں لا کر بیچ سکتے ہیں اور نئے وطن کی کون سی اشیاء وہ پرانے وطن پہنچا سکتے ہیں - گویا اس ترکِ وطن اور مہاجرت نے ، سوہن جو ڈیرو اور ہڑپا کے لوگوں پر تجارت کی ایک نئی شکل کھول دی - اور لازمی بات ہے کہ جو لوگ پرانے اور نئے وطن کی پیداوار کو ادھر ادھر لے جاتے وہ جن راستوں سے گزرتے اور جن پڑاؤں پر راتیں بسر کرتے ان کی تجارتی ضروریات کو قطعاً فراموش نہ کرتے - وہ نئے اور پرانے وطن کی پیداوار اور مصنوعات کی نمائش جا بہ جا کرتے اور لین دین میں بھی کوئی تکلف نہ برتتے ، کیونکہ وہ تو تاجر تھے اور لمبے لمبے کاروانوں کی نقل و حرکت کے ذمہ دار اس لیے بنے تھے کہ فائدہ اٹھائیں -

سڈنی کا یہ خیال سو فی صدی درست ہے کہ اس دور کی ھجرت ، بابل اور وادیٔ سندھ کے مابین وسیع پیمانے پر تجارت کی محرک اول تھی[۱] - اس زمانے کی تجارت کی وسعت کو سمجھنے کے لیے ایک اور بات بھی ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ بابل سے جو تجارتی کارواں ، ہڑپا اور سوہن جو ڈیرو کی نیت سے چلتے یا ادھر سے بابل کا رخ کرتے وہ بحری راستوں کو لازماً اختیار کرتے تھے - لیکن ان کی پسندیدہ اور بے خطر راہ وہ خشکی کی راہ تھی جس پر چل کر وہ کبھی سوہن جو ڈیرو آتے تھے ، اور اس راہ میں کئی چھوٹے بڑے ملک پڑتے تھے - اور یہ تجارتی کارواں ان سب چھوٹے بڑے ملکوں کی پیمائش کرتے بابل اور سوہن جو ڈیرو کی مصنوعات ان کے پاس بیچتے اور ان کی مصنوعات شریک کارواں کر کے آگے بڑھ جاتے - سڈنی اور دوسرے علماء تاریخ نے اس دور کی تجارت پر سیر حاصل تبصرہ کرنے سے احتراز کیا ہے ، تاہم اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ سوہن جو ڈیرو ، ہڑپا اور بابل کے درمیان بہت گہرے تجارتی روابط قائم تھے -

ہمارا مقصود اس وقت ، تجارتی امکانات پر گفتگو نہیں ہے ، ہم تو صرف یہ واضح کرنا چاہ رہے ہیں کہ بابل کے مشرقی میدانوں میں کبھی

۱- ارلی ہسٹری آف اسیریا ص ۷۸ -

آباد سومیری ہی تھے جو نہ جانے کن وجوہ کی بنا پر ڈراویڈن کے نام سے موسوم ہوئے ، جنھوں نے موہن جو ڈیرو اور ہڑپا کی تعمیر کی تھی ۔ اور یہ لوگ جب سومیریا اشیر عنیر سے چلے تھے ، تو ان کی قوم ، متمدنی زندگی گزارنے لگی تھی ۔

ہمیں سر جان مارشل کی نسبت مسٹر سڈنی ، مسٹر وولی ، سر ۔ ایچ ۔ ہال ، لنگڈن ، جنرل کننگھم ، ہنٹر اور باشم سے اتفاق ہے کہ قدیم سومیریوں کی پہلی بستیوں ، عر ، کش ، العبید ، حتیٰ کہ العیلام (ارم ذات العماد) کی عمارتوں اور وادیٔ سندھ کی عمارتوں کے مابین حد درجہ تشابہ اس امر پر دال ہے کہ دونوں خطوں کے آباد کار ایک ہی نسل سے تھے اور ان کا زمانۂ تمدن بھی قریب قریب ایک ہے ۔

سر جان مارشل کو مسٹر وولی سے جو اختلاف پیدا ہوا ، اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ مسٹر وولی نے عر کی بعض عمارات کا زمانۂ تعمیر ، ۲۲۷۸—۲۱۷۰ ق م ٹھیرایا تیا اور سر جان مارشل کے نزدیک وادیٔ سندھ کا تمدن تین ہزار سال پہلے کا ہے ۔ ہمارے نزدیک ، یہ کوئی ایسی وجۂ اختلاف نہیں ہے ، جو قرینِ قیاس سمجھی جائے یا جو عام اذہان کو مطمئن کر سکے ۔ خیال رہے کہ فاضل سر جان مارشل کو ایک اعتراض ، مسٹر وولی کی رائے پر یہ بھی تیا کہ عر سے برآمد ہونے والے مکانات ، کا فنِ تعمیر ، موہن جو ڈیرو کی قدیم عمارات کے فنِ تعمیر سے ناقص ہے اور ان میں جو تشابہ ہے وہ بعد کے زمانہ کے مکانات سے کسی قدر زیادہ ہے ۔

ہمارے نزدیک یہ اعتراض بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتا ۔ تشابہ خواہ بعد کی عمارات میں ہو یا اول کی عمارات میں ، دیکھنے کی چیز صرف یہ ہے کہ یہ تشابہ آیا ، عر اور موہن جو ڈیرو کی ان تمام عمارات میں ہے جو بعد کی ہیں یا اول دور کی ۔ جیسے کہ ہم نے سڈنی کا حوالہ پیچھے دیا ہے کہ یہ تشابہ ، عر سے برآمد ہونے والی تمام عوامی عمارتوں میں پایا جاتا ہے ۔ خود سر جان مارشل نے وولی کی یہ رائے نقل کی ہے کہ عر کے تمام عوامی مکانات کا اندازِ تعمیر موہن جو ڈیرو اور ہڑپا کے اندازِ تعمیر سے مشابہ ہے ۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہ مکانات زیادہ تر دو دو کمروں پر مشتمل

ہیں۱ -

اگر یہ تشابہ مکمل ہے ، اور عر کے مکانات اور موہن‌جو ڈیرو کے سارے مکانات میں استعمال ہونے والی اینٹیں اور دوسرا ساز و سامان ایک طرح کا ہے تو پھر کوئی رکاوٹ بھی اس بات کے ماننے میں حائل نہیں ہو سکتی کہ عر کے سومیری اور موہن جو ڈیرو اور ہڑپا کے لوگ ایک نسل سے وابستہ نہ تھے - محض تجارتی روابط ، دنیا کے کسی دور میں بھی ، تہذیبوں اور تمدنوں میں یکسانیت کا موجب نہیں بنے - یہ صرف ، خونی رشتہ اور نسلی اشتراک ، تہذیبوں اور تمدنوں میں یکسانیت کا موجب ہوا کرتا ہے -

پھر محض عمارات کا تشابہ ہی تو تنہا ، اس باب میں دلیل نہیں ہے - عمارات کے ماسوا ، جو متعدد کتبات عر ، کش ، جمدت نصر ، عیلام اور العبید سے برآمد ہوئے ہیں ان کے رسم‌الخط اور موہن جو ڈیرو اور ہڑپا کی مہروں کے تصویری حروف میں حد درجہ تشابہ موجود ہے - بلاشبہ یہ بھی ایک عجیب حقیقت ہے کہ ان میں سے جتنے کتبات زیادہ پرانے ہیں ان کا تشابہ اتنا ہی زیادہ ہے - مثلاً جمدت نصر کے سومیری کتبات ، چونکہ چار ہزار سال قبلِ مسیح کے ہیں ، اس لیے ان کا رسم‌الخط اور ہڑپا کی مہروں پر کندہ تصویری حروف کا رسم‌الخط آپس میں بہت زیادہ مشابہ ہے - اور جوں جوں کتبات کی عمر کم ہوتی گئی ہے ، ان کا تشابہ بھی کم ہوتا گیا ہے ، خصوصیت سے دو ہزار سال قبلِ مسیح اور اس کے بعد کی عمر کے سومیری کتبات اور موہن‌جو ڈیرو کی مہروں کے رسم‌الخط میں مشابہت برائے نام رہ گئی ہے۲ - اور یہ محض اس لیے کہ اشوری سومیرین پر جو قدیم ترین سومیرین ہیں ، ۲۴ سو سال قبلِ مسیح میں زوال آ چکا تھا اور ان کی جگہ ان سامیوں نے لے لی تھی جو عرب کے صحراؤں کے تپتے ریگزاروں سے نکل کر عراق کے دجلہ و فرات کے میدانوں میں آن داخل ہوئے تھے۳ - جو سراسر وحشی تھے - جن کا اپنا

۱- سر جان مارشل جلد اول ، ص ۱۰۰ -
۲- سکرپٹ آف ہڑپا ، ص ۲۱ -
۳- سائنس سے ، انٹی کیوٹی ، ص ۲۰۶ ارلی ہسٹری آف اسیریا ، ص ۷۸ -

نہ کوئی تمدن تھا اور نہ تہذیب ، اور جنہوں نے مجبوراً ، سومیری زبان اختیار کر لی تھی اور آشور پر قبضہ کرنے کے بعد نہ صرف سومیری کہلانے لگے تھے ، بلکہ سومیری زبان بولتے بھی تھے اور یہ وہی تھے جن کے سبب سومیری زبان میں غیر معمولی تبدیلیاں رونما ہوئیں ۔ یہ تبدیلیاں بالکل اس نوعیت کی تھیں ، جو موہن‌جو ڈیرو اور ہڑپا کی زبان کی اولاد برھمی میں ، استدادِ زمانہ کے سبب رونما ہوئی تھیں ۱ ۔

یہ برھمی ، جو علمائے لسان کے نزدیک سنسکرت اور پراکرت ھندی بولیوں کی ماں ھے ، کن تبدیلیوں میں سے گزر کر ، مہاراج اشوک کے زمانہ میں اس قابل ہوئی تھی کہ ملک کی رسم‌الخط بنتی اور اس میں کتبات تحریر کیے جاتے ؟ ھمیں اس بارے میں پوری تفصیل معلوم نہیں ھے ، ہم تو صرف یہ جانتے ھیں کہ مہاراج اشوک نے جب اس رسم‌الخط میں متعدد کتبات کندہ کرائے تو یہ اپنے اصل رسم‌الخط ہڑپا سے خاصی بدلی ہوئی تھی ۔

فاضل باشم نے ، اپنی کتاب '' ونڈر دیٹ واز انڈیا '' میں ، اشوک کے ایک اس کتبے کی نقل پیش کی ھے ، جو برھمی رسم‌الخط میں کندہ کیا گیا ھے اور جو اشوک کے زمانہ کا سب سے پہلا کتبہ ھے اور لورائی نندن گڑھ میں نصب ھے ۔

اس کتبے کے رسم‌الخط ، برھمی کے بارے میں مسٹر باشم کہتے ھیں کہ اس کے اصل سے متعلق علمائے لسان کے دو نظریات ھیں ۔ زیادہ تر علمائے تاریخِ ھند کا خیال ھے کہ یہ رسم‌الخط ہڑپا کے رسم‌الخط کی اولاد ھے ۔ اور بعض علماء کے نزدیک یہ سامی رسم‌الخط کی پیداوار ھے ۔ پہلے علماء جو برھمی کو ہڑپا رسم‌الخط کی اولاد گردانتے ھیں ، ان میں سر جنرل کننگھم ، پروفیسر لنگڈن اور ھنٹر ، زیادہ ممتاز ھیں ۔ اگر برھمی ، سامی النسل بھی سمجھ لی جائے تو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا ۔ صرف ذرا فاصلہ بڑھ جاتا ھے کیونکہ یہ سامی رسم‌الخط بھی اس سومیری رسم‌الخط کی پیداوار ھے ، جسے لکھتے ، ہڑپا اور موھن‌جو ڈیرو کے باشندے وادیٔ سندھ میں پہنچے تھے ۔ البتہ اس سلسلے میں ایک دشواری ضرور پیش آتی ھے ۔

۱۔ ونڈر دیٹ واز انڈیا ، ص ۳۹۳ ۔

کیونکہ برھمی بائیں سے دائیں کی طرف چلتی ہے اور سامی زبان اور ہڑپا اور موھن جو ڈیرو کی زبان دائیں سے بائیں کو لکھی جاتی ہے ۔

مسٹر ہاشم نے یہ دشواری اس انکشاف سے بالکل دور کر دی ہے کہ برھمی شروع دور میں دائیں سے بائیں ھی لکھی جاتی تھی اور دائیں سے بائیں کی طرف لکھے ہوئے کئی ان کتبات سے استناد کیا ہے جو مدھا پردیش اور سنہالی سے برآمد ہوئے ھیں ۱۔

اس سلسلے میں ، ویدک ہند کی مصنفہ ، میڈیم زیڈ ۔ اے ۔ راگوزین کی یہ تصریح بھی پیشِ نظر رہے کہ شمال مغربی ہند کے ڈراویڈوں اور بابل کی پہلی سلطنت کے درمیان جو خونی تعلق تھا اس میں اس وقت تو بالکل کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی جب ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ علاوہ اتفاقی اور غیر پائدار تعلقات کے یہ دونوں قومیں تورانی کہی جاتی تھیں اور پھر ڈراویڈن جو زبان بولتے تھے ان میں بھی سومیری زبان کی طرح منفرد الفاظ ھیں جنہیں ایک دوسرے سے جوڑ دیتے ھیں ۔ پھر علمِ کاسۂ سر سے بھی اس قول کی تصدیق ہوتی ہے کیونکہ موجودہ گونڈوی (ڈراویڈن) اور قدیم سومیری بابل کے خط و خال ایک دوسرے سے بہت مشابہ ھیں ۔ علاوہ ازیں قدیم سومیریوں اور ڈراویڈن کی مذھبی بنیادی علامت ایک ھی ہے ، یعنی سانپ جس کو یہ دونوں زمین کا مظہر خیال کرتے تھے ۔ اھلِ بابل کے بڑے دیوتا ای آ کی پرستش بھی العریدو ، کے بڑے مندر میں سانپ ھی کی شکل میں ہوتی ۔ العریدو گو عاشور کش اور عر کے بعد کا مقام ہے تاھم وہ تین ہزار سالِ قبل مسیح کا ہے ۔ اور اس کا مذھب وھی تھا جو ''عاشوریوں کا تھا ۔''

میڈیم ، زیڈ ، اے راگوزین کے نزدیک میدیہ کے پہلے باشندے بھی تورانی النسل ہونے کے سبب ، سانپ دیوتا کے پرستار تھے اور اس کی پرستش اس خیال سے کرتے تھے کہ وہ زمین کا نمائندہ ہے۲ ۔

ھمارے نزدیک ، اس باب میں ، ایک اور بڑی حقیقت بھی پیشِ نظر رکھنا لازم ہے اور وہ یہ کہ رگ وید نے جو غالباً ۱۵۰۰ سال قبلِ مسیح

۱۔ ونڈر دیٹ واز انڈیا ، ص ۳۹۳ ۔

۲۔ ویدک ھند ، ص ۲۳۳ (ویدک انڈیا) ۔

کی تصنیف ہے ، شمالی مغربی ہند کے ڈراویڈوں یا داسیوں کو جو آریاؤں کے مدِ مقابل تھے ، " اشوریہ " کے نام سے موسوم کیا ہے ۔ اور اندر سے مدد مانگتے وقت رگ وید کے ایک شاعر نے دیوتا اندر سے کہا ہے کہ ان اشوریوں کو تباہ کر دے جو اس کو نہیں مانتے۱ ۔

رگ وید میں ، شمالی مغربی ہند کے پہلے باشندوں کو کئی اور القاب بھی دیے گئے ہیں ۔ اور ان میں اور آریوں کے دیوتاؤں میں مسلسل لڑائیوں کا ذکر بھی ہوا ہے ۔ اور بعض لڑائیوں کے درمیان تو ایسا لگتا ہے کہ یہ لڑائیاں ، شمالی مغربی ہند میں نہیں ، توران اور سومر کے پہاڑی علاقوں میں لڑی گئی تھیں ۔

ڈاکٹر ہوگو ونکلر پروفیسر برلن یونیورسٹی کی رو سے شہر آشور ، (عاشور) جس سے رگ وید کے پروہتوں نے وادیٔ سندھ کے ڈراویڈن کو منسوب کیا ہے ، دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر آباد ایک بہت اہم قدیم شہر تھا ۔ اسے گو بابل سے ثانوی حیثیت حاصل تھی اور وہ اپنی جغرافی نوعیت کے سبب بابل کے حکمرانوں کے تابع فرمان ہونے پر مجبور تھا تاہم وہ اس سرزمین کا مرکزی مقام تھا جو سرزمینِ آشور (عاشور) کہی گئی ہے اور اسے تاریخِ قدیم میں بابل کی شہرت تو یقیناً نہیں ملی ، البتہ وہ نینوا ، اور اربل کے ہم پلہ سمجھا جاتا رہا ہے ۔ یوں بھی ، اشوریوں نے اس مقام کو ہمیشہ ایک "مقدس" قومی امانت سمجھا ، اور اسے اپنا ملی منبع قرار دیا ہے ۔ بلاشبہ ، اسیری فرمانرواؤں نے جب سیاسی عظمت کی شاہ راہ پر دوڑنا شروع کر دیا تھا تو وہ آشور سے اپنا پایۂ تخت اربل میں لے آئے تھے ۔ لیکن آشور کی مذہبی ، اخلاقی اور مجلسی حیثیت پہلے کی طرح قائم رہی تھی ، اسے زوال نہیں آیا اور ہمیشہ اشوری یا اسیری یا دوسرے بادشاہوں نے اس کی عظمت و بزرگی کو بحال اور قائم رکھنے پر خاصی توجہ مبذول کی ۔ مثلاً ، تیغ لاس پیل سر اول کے متعلق بیان ہوا ہے کہ اس نے اپنے ایک کتبے میں لکھا ہے کہ اس نے اشور کے ایک مندر کو ازسرِ نو رونق و زیبائش بخشی ہے اور یہ مندر اس کے دادا سے بھی پہلے زمانے میں کوئی چھ سو اکتالیس سال پہلے تعمیر ہوا تھا ۔ محض اسی نے نہیں اس کے دادا نے بھی ساٹھ سال پیشتر ، اسی طرح

۱۔ ویدک انڈکس جلد اول ۔

اس مندر کی تزئین و زیبائش اور ترمیم و مرمت میں دلچسپی لی تھی ۱ -

تیغ لاس فیل سر کا زمانہ ھوگو ونکلیر کی رو سے گیارہ سو سال قبل مسیح کا ھے - گویا سترھویں صدی قبل مسیح میں اشور کا یہ مندر تعمیر ھوا تھا اور شمشی عدد نے اس کی تعمیر کا فخر پایا تھا - یہ شمشی عدد ، اشمی داغان ، مذھبی سربراہ آشور کا بیٹا تھا اور اس وقت یہ غالباً بابل کے ماتحت تھا -

اس شہر کا واضح ذکر پہلی بار ، خمورابی کے عہد میں ھوا ھے۲ - جو ۲۲۱۳—۲۲٦۷ ق م کا عظیم تاجدار ھے اور جس کے بارے میں ھم پیچھے کہہ چکے ھیں کہ آوارہ سرگردان پھرنے والے آرین اس کے عہد میں بابل کے قریب سے گزرے تھے اور اگر وہ طاقت ور نہ ھوتا تو لازماً بابل کو آتی شاہ راہ پر ھو لیتے -۳

خمورابی کے عہد میں آشور کا ذکر ، اس امر کی بین دلیل ھے کہ اس شہر کو ، تیسری قرن قبل مسیح میں بھی تفوق حاصل تھا - کم سے کم اس کا ذکر ضرور ھوتا تھا - خمورابی شاھان ''کنعان'' کا چھٹا بادشاہ ھے اور اس سے پہلے کے کنعانی بادشاھوں سن موبلیت ، ایل سن سیر ، زبوسیر ، سمولا ، ایلوسیر اور سومو آبی سیر حکومت کر چکے تھے - سومی آبی اس سلسلے کا پہلا بادشاہ تھا جو دو ھزار چار سو سال قبل مسیح میں تخت نشین ھوا تھا اور دو ھزار تین سو پچھتر قبل مسیح تک حکومت کی تھی - اس سے پہلے کی لارسہ حکومت تقریباً سو سال قائم رھی تھی اور اس کا آغاز ۲۵ سو سال قبل مسیح میں ھوا تھا اور اس کا پایۂ تخت عیلام تھام -

ان سے پہلے کے بادشاہ خود کو آسین کہتے تھے اور ان کا دارالحکومت آسین نامی شہر تھا - ان بادشاھوں نے ، عر کے بادشاھوں کی جگہ لی تھی جو تین ھزار سال قبل مسیح کے تاجدار تھے اور ان کا پایۂ تخت عر تھا - ان کے بارے میں کہا گیا ھے کہ وہ سومیرین رسم الخط

۱- ھسٹری آف بیبی لونیا اینڈ اسیریا ، ص ۱۷۹—۱۸۰—۱۸۱ -
۲- ایضاً ، ص ۵۹ -
۳- ایضاً ، ص ۵۹ -

میں خط کتابت کیا کرتے تھے ۔ ان کے جو کتبات دستیاب ہوئے ہیں ، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مختلف شہروں میں مندر تعمیر کیے تھے ، آیا آشور میں بھی کوئی مندر بنایا تھا یا نہیں بنایا تھا کچھ معلوم نہیں ہوتا۱ ۔

اس سے ذرا اور پیچھے جائیے تو لاغاش کے بادشاہوں کا دور دورہ ہے ۔ ان کے کتبات میں سے ای عانہ دو کی فتوحات کا حال معلوم ہوتا ہے اس نے اپنے ایک کتبے میں کئی فتوحات کی روداد لکھی ہے اور کئی مفتوحہ شہروں کے نام لکھے ہیں ۔ ان میں عروق ، عر ، لارسہ ، آد ، سوسہ کے نام مذکور ہیں ، ''عاشور'' یا آشور کا کہیں ذکر نہیں ہے ۔

اس سے پہلے کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ ان غال ذاغ غی سی ، کے نام، نامی سے بھی ایک کتبہ دستیاب ہوا ہے ۔ اس کتبے میں اس بادشاہ کا نام بادشاہ، عروق بن اوکش رقم ہے ۔ وہ خود کو ، عروق ، عر اور لارسہ کا بادشاہ کہتا ہے ، عشور یا آشور کا ذکر نہیں کرتا ۔

اس سے پہلے کی تاریخ جو ڈاکٹر ہوگو ونکلیر کی رو سے ان سامی بادشاہوں کی تاریخ ہے جو عر ، عروق اور کش کے الگ الگ تاجدار تھے اور ایک دوسرے سے لڑتے رہتے تھے ۔ ان کا زمانہ تین ہزار پانچ سو سال قبل، مسیح تک کا ہے ۔ غالباً ان لوگوں نے سومیریوں سے ، تین ہزار پانچ سو سال قبل، مسیح میں اقتدار چھینا تھا ۔ ڈاکٹر ہوگو ونکلیر کےنزدیک جس وقت سامی ، جو حضرت سام کے بیٹے ارم یا عیلام کی اولاد تھے ، عراق اور شام اور ایران کی سرزمین کے مالک بنے تو اس وقت حسب ذیل شہر آباد تھے ۔ العریدو ، (ابوشہرین) جہاں معبود عی کا معبد تھا ، دوسرا شہر عر تھا ، (مغیر) جہاں چاند دیوتا کی پرستش ہوتی تھی ، لاغاش تیسرا بڑا شہر تھا ، ایک اور شہر جوخہ ، غیشا ، یا حران نامی بھی بہت مشہور تھا ۔ اسین ، یا نسیسن ، یا بیشئے ، بھی اہم مقامات میں سے تھا ۔ لارسہ ، نوفر ، عروق ، (ورقہ) اور دوسرے شہر بھی تھے ۔ ان شہروں میں ڈاکٹر ہوگو ونکلیر نے ، آشیر کا نام بھی لکھا ہے ۔ اگر آشیر ، سامیوں کے تشریف لانے سے پہلے کا آباد شہر ہے تو پھر یہ لازماً سومیریوں نے آباد

۱۔ ہسٹری آف بیبیلونیا اینڈ اسیریا ، ۵۱ ۔

کیا تھا ۔ اور ساڑھے تین هزار سال قبل مسیح میں آباد ہو چکا تھا ۔

سومیریوں کے بارے میں ڈاکٹر ہوگو کا بیان ہے کہ یہ لوگ بابل ، عر ، کش اور باقی کے شہروں کے معمار تھے ۔ اور اس تہذیب کے پہلے بانی تھے جس نے تہذیب بابل کا نام پایا ۔ یہی لوگ بابل کے پہلے رسم الخط کے بھی خالق ہیں ۔ اور اس زبان کے بھی موجد ہیں جو چار هزار سال قبل مسیح کے عہد میں ، سرزمین بابل میں بولی جاتی تھی اور جو سامیوں کے عہد میں آہستہ آہستہ متروک ہوتی گئی۱ ۔

فاضل سڈنی نے اپنی مشہور عالم تصنیف ارلی هسٹری آف اسیریا میں شہر آشور یا عاشور کے بارے میں ڈاکٹر ہوگو سے زیادہ معلومات بہم پہنچائی ہیں ۔ اور چونکہ ان معلومات کا تعلق ڈراویڈن یا سومیرین کے اصل سے ہے اس لیے ہم ان کا اعادہ یہاں ضروری جانتے ہیں ۔ سڈنی کے نزدیک آشور کی کھدائی کے بعد یہ بات ، اب مسلمہ حقیقت بن گئی ہے ، کہ یہ سومیری تھے جنھوں نے شہر عاشور ، (اشور) کی بنا رکھی تھی ، یہی اس کے پہلے معمار تھے۲ ۔ سومیریوں کا ابتدائی دور اس شہر آشور سے شروع ہوا ، اور جب اس قوم پر زوال آیا تو وہ اس شہر آشور ہی میں تھی ۔ سڈنی کے نزدیک اس بات کا بڑا ثبوت وہ ہزاروں من راکھ و دھول ہے ، جو شہر عاشور کو اپنی تہوں میں ہزاروں سال سے چھپائے رہی ہے اور جس کے نیچے سے ماہرین آثار قدیمہ نے اشتر نامی وہ عظیم مندر نکال لیا ہے ، جو سومیری تہذیب و تمدن کے سب سے پہلے آثاروں میں شمار ہوتا ہے اور جسے سامی دور اور بعد کے ادوار میں برابر تقدس نصیب رہا ہے۳ ۔

فاضل سڈنی نے تریب تریب یہی بات ، ایک اور موقعے پر بھی کہی ہے اور کسی قدر زیادہ وضاحت برتی ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ اسیریا کی قدیم ترین عمارت ، جو اب تک برآمد ہوئی ہے ، وہ بھی شہر عاشور (آشور) کی چہار دیواری کے اندر سے ملی ہے ۔ یہ عمارت اس مندر کے تلے دبی ہوئی تھی جو تین ہزار سال قبل مسیح سے ، ایک مخصوص دیوی کی پوجا کا

۱۔ ہوگو ، هسٹری آف بیبیلونیا اینڈ اسیریا ص ۱۲—۱۳—۱۴ ۔
۲۔ ارلی هسٹری آف اسیریا ، ص ۷۷—۷۸ ۔
۳۔ ارلی هسٹری آف اسیریا ، ص ۶۱ ۔

سب سے بڑا مرکز تھا۔

سڈنی کی رو سے لفظ آشور یا اشیر سے قدیم زمانے میں تین چیزیں مراد لی جاتیں، شہر آشور، سرزمین آشور اور "معبود آشور"۔ فاضل سڈنی نے آعسر، یا اسر کی شکل کو بھی قدیم ٹھیرایا ہے اور یہ امکان ظاہر کیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہی اصل سومیری نام ہو، اس سلسلے میں فاضل سڈنی نے یہ روایت بھی پیش کی ہے کہ اصل میں اس شہر کا نام "آشور" یا عاشور کا شہر تھا۔ یعنی اس بت کا شہر جسے سومیری پوجتے تھے، فاضل سڈنی نے شہر نینوا سے مثال لی ہے جو دیوی نینا ۱ سے منسوب تھا اور تہذیب عالم میں کبھی اپنی مثال آپ تھا۔

سٹوری آف اسیریا کے مصنف کا بیان ہے کہ ان دنوں دریائے دجلہ کے دائیں کنارے پر جو قلعہ شیر گھاٹ آباد ہے، کبھی یہیں ماضی قدیم میں وہ شہر اعشار، آباد تھا جس کے معنی سرسبز و شاداب زمین کے ہیں۔ کافی دنوں تک اس شہر کا یہی نام رہا۔ بعد میں یہ نام کسی قدر بدلا اور آعشار، عشور ہوا۔

مادام زنیڈے اے راگوزین کہتی ہیں کہ "عشور" کے آثار قدیمہ میں سے ایک تختی برآمد ہوئی ہے، جس پر اشمی داگان اور شاماش رامن کے نام لکھے ہیں اور یہ دونوں بادشاہ ۱۸۰۰ سال قبل مسیح کے تھے اور سامی الاصل تھے۲۔

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ سامی تقریباً ۳۲ سو سال قبل مسیح میں عشیر پر غالب آئے تھے، اس سے پہلے یہاں سومیری تہذیب پنپ رہی تھی۔ مادام زنیڈے کی نگاہ اٹھارھویں صدی سے پہلے کے شہر عشیر پر نہیں اٹھی، اسی وجہ سے انہوں نے اسے "سامی" شہر قرار دیا ہے۔ بہرحال سامیوں کے شروع دور میں بھی "اشور" کو بڑی اہمیت نصیب رہی، اور اسی نسبت سے وہ خود کو عاشوری یا اشوری کہتے رہے۳۔ اور چند صدیوں کے اندر اندر سارے کے سارے ہمسایہ ملکوں نے

۱۔ ارلی ہسٹری آف انڈیا، ص ۲۶۷۔

۲۔ زنیڈے۔ راگوزین۔ اسیریا۔ ص ۲۔ "Aushar" مطبوعہ نشر انون (لندن)۔

۳۔ ایضاً، ص ۳۔

اس شہر اور اس کے بسنے والوں کے اس نام سے آگاہی پا لی ۔

میڈیم ، زنیڈے ، اے ، راگوزین ہی راوی ہیں کہ جوں جوں عشور کے لوگ ترقی کرتے گئے اور آگے ہی آگے پھیلتے گئے تو سارے ماحول اور اس مفتوحہ سر زمین کو بھی عشور کہا جانے لگا حتیٰ کہ نینوا ، آربیلہ ، کالہ اور درشارکین (شارقین) جیسے بڑے شہر بھی سر زمین آشور کے سے یاد کیے گئے ۔ قدیم تحریروں میں اس سر زمین کو اتیریہ یا "اسیریہ" بھی کہا گیا ہے ۔ اسیری حکومت کے انتہائی عروج کے دنوں میں آرمینیا کی پہاڑیوں سے لے کر دجلہ اور فرات کے مابین واقع ساری کی ساری سر زمین "اسیریوں" یا آشوریوں کی ملکیت سمجھی جاتی تھی ۔ اس کا طول تین سو پچاس اور عرض کہیں تین سو اور کہیں ایک سو ستر میل تھا ۔ اور کسی طرح بھی پچھتر ہزار میل سے کم نہ تھا۱ ۔ میڈم راگوزین کے نزدیک یہ اسیری ، سامی الاصل تھے اور ان کا ذکر مقدس صحیفہ میں بھی موجود ہے ۔

مادام راگوزین نے اس اختلاف کا ذکر بھی کیا ہے جو اس شہر اور اس شہر کے معبود آشور کے نام کے سلسلے میں علمائے تاریخ میں موجود ہے ۔ وہ کہتی ہیں کہ معبود کا نام اصل میں عاشور (آشور) تھا یا شہر کا نام یا پہلے پہل ، معبود اس نام سے یاد کیا گیا یا معبود نے شہر سے یہ نام پایا ، اور پھر اسی نسبت سے شہر کے لوگ آشوری ہوئے ۔ یہ مسئلہ خاصا متنازع فیہ ہے۲ ۔

یوں آشور ، معبود ، اسیریوں کے نزدیک سارے بتوں اور معبودوں سے افضلیت رکھتا تھا ، مثلاً اسیری بادشاہ تگلاس پلسر ، اول اپنے ایک کتبہ میں لکھتا ہے ۔

> "اشور" سب خداؤں میں سے بڑا خدا ہے ، جو سب معبودوں کا نگران اور ان کا حاکم ہے ، اسی کو تاجِ سلطنت زیب دیتا ہے اور وہی ہر سروری اور ہر سربراہی کا اہل ہے ۔"

۱۔ اسیریا ، راگوزین ، ص ۴ ۔ جی ، راولنسن ، فائیو اینشنٹ سوفار کنیز جلد اول ، ص ۲۲۷ ۔ (مطبوعہ ۱۸۶۲)

۲۔ ایضاً ص ۳۰۰ ۔

یہ خیال کہ شہر عاشور اسی معبود سے منسوب تھا شہر اربل کے نام سے بھی تقویت پاتا ہے کیونکہ اس کتبے میں " بعل" کو خداؤں کا خدا ، معبودوں کا معبود اور بتوں کا باپ کہا گیا ہے ۔ شہر اربل ، آشور سے دوسرے درجے کا شہر تھا اور اس کے اندر جو سب سے بڑا مندر بنا تھا اس میں " بعل " کا بت رکھا تھا ۔

بہرحال " آشور " اسیریوں کا سب سے بڑا بت تھا ۔ اور جب بھی اسیری مخالفین پر فتح حاصل کرتے تو اس بت کے حضور نذرانے پیش کرتے اور اس کا شکر ادا کرتے ، مثلاً ایک کتبے کی عبارت ہے ۔

" آشور کے فضل و کرم سے ، جو میرا خدا ہے ۔ دشمن میرے پاؤں میں گر پڑے ۔

"میرے معبود آشور نے ، ان کے دلوں میں میری ہیبت ڈال دی اور انہیں میرے سامنے جھکا دیا ۔"

بہت ممکن ہے کہ رگ وید کے شعرا نے شمال مغربی ہند کے ڈراویڈن یا داسیوں کو اس لیے بھی " آشوریہ " کہا ہو کہ وہ ایران اور بابل کے جن اسیریوں یا آشوریوں سے لڑتے لڑتے وادیٔ سندھ میں داخل ہوئے تھے ، ان کی شکل و صورت ان ڈراویڈن سے ملتی جلتی تھی ۔ جیسا کہ اب بھی علمِ کاسۂ سر ، کے ماہرین کا گمان ہے[۱] ۔

بہرحال رگ وید کی یہ شہادت کہ شمال مغربی ہند کے لوگ " آشوریہ " تھے تاریخی لحاظ سے بڑا وزن رکھتی ہے اور یہ عقدہ حل کر دیتی ہے کہ آریوں کی آمد کے وقت شمال مغربی ہند میں کون لوگ آباد تھے ۔

جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا ہے ، ہمیں مسٹر ہاشم کے اس نظریہ سے مکمل اتفاق ہے کہ ہڑپا ، سولھویں صدی قبلِ مسیح میں موجود تھا اور اس کی تباہی ۱۵۵۰ سال قبلِ مسیح میں ہوئی تھی ۔ ہو سکتا ہے کہ یہ تباہی آریہ حملہ آوروں کے ہاتھوں عمل میں آئی ہو اور یہ آریہ ہوں ، جنھوں نے تجارت پیشہ " ہڑپائیوں " کو شکست دی ہو ۔ ان کے جوان مردوں کو مار دیا ہو ، اور ان کے بچوں اور عورتوں کو گرفتار کر کے

۱۔ ونڈر دیٹ واز انڈیا ، ص ۳۹۳ ۔

غلام بنا لیا ہو۔ یہ بھی امکان ہے کہ آریوں کی آمد کی خبر سنتے ہی ہڑپا کے بزدل شہری جو محض تجارت پیشہ تھے، لڑاکے سپاہی نہ تھے گھروں کو چھوڑ کر جنگلوں میں جا چھپے ہوں۔

ایسی مثال ایک تاجر پیشہ قوم قریش کی تاریخ میں موجود ہے، مؤرخ ابن ہشام اور الطبری راوی ہیں کہ جب ابرہ نے اپنی فوج مکے کے گرد اتار دی تو مکہ کے لوگ گھر کھلے چھوڑ کر مکے کی پہاڑیوں میں جا چھپے تھے[۱]۔

وادیٔ سندھ کے موہن جو ڈیرو، ہڑپا اور دوسرے شہروں پر جس نوعیت کی تباہی آئی، اور جس جس وقت آئی، مسٹر باشم مصنف ونڈر دیٹ واز انڈیا، نے اس پر خاصی مفصل روشنی ڈالی ہے۔

مسٹر باشم کے نزدیک جب ہڑپا شہر پہلے پہل بسا تو اس کے گرد ایک فصیل بھی بنی تھی، جس کے کنگورے تھے۔ وہ چالیس فٹ چوڑی اور پینتیس فٹ اونچی تھی۔ وقتاً فوقتاً یہ چہار پناہ اور بھی زیادہ مضبوط بنتی گئی اور جب ہڑپا کا آخری وقت آیا تو اس کو پہلے سے بھی مضبوط کر لیا گیا تھا، یہاں تک کہ اس کا بیرونی دروازہ جو مغرب کی سمت کھلتا تھا، بالکل بند کر دیا گیا تھا کیونکہ حملہ آور مغرب کی سمت سے آئے تھے[۲]۔

فاضل باشم کے نزدیک، وادیٔ سندھ کی تہذیب جب اپنے عروج پر تھی، تو پہلے پہل بلوچستان پر تباہی نازل ہوئی، اور حملہ آور جو گھوڑوں پر سوار تھے بلوچستان کے چھوٹے چھوٹے گاؤں اور قصبات میں گھس آئے۔ لیکن وہ یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھیرے، جلد ہی واپس ہوگئے اور تیسری قرن قبلِ مسیح میں، بلوچستان کی دیہاتی تہذیب، اس جھٹکے کے بعد بڑے سکون و آرام کے ساتھ ایک بار پھر اپنی ڈگر پر چل نکلی۔ غالباً دو ہزار سال قبلِ مسیح یا اس سے کسی قدر بعد میں، اس دیہاتی تہذیب پر ایک بار اور تباہی آئی۔ گاؤں جلا دیے گئے اور ایک نئی قسم کی ظروف سازی متعارف ہوئی۔ بہ ظاہر ایسا لگتا ہے کہ حملہ آور، ان دیہات میں بس گئے تھے اور پہلوں کی جگہ لے لی تھی۔ تھوڑی مدت بعد، کوئی اور حملہ آور

۱۔ الطبری جلد اول، ابن ہشام جلد اول، مطبوعہ مصر۔

۲۔ ونڈر دیٹ واز انڈیا، ص ۲۶۔

ادھر آئے ، اور ایک نئی زندگی کی طرح ڈالی اور نئی قسم کی ظروف سازی متعارف کرائی ۔

فاضل ہاشم کے بیان کے مطابق شمالی بلوچستان اور جنوبی بلوچستان ، دونوں حصوں کے بعض مقامات پر جو کھدائی ہوئی ہے ، اور اس سے جو ظروف برآمد ہوئے ہیں ، وہ دو قسم کی آبادیوں کی خبر دیتے ہیں اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہی ٹمپ کے آبادکاروں نے کلو تہذیب کی جگہ اپنی تہذیب متعارف کرائی تھی ۔

دوسرے لفظوں میں ، شاہی ٹمپ میں جو لوگ بعد میں آن کر آباد ہوئے تھے وہ پہلوں سے مختلف تھے ۔ شاہی ٹمپ ، ستکن ڈور کے قریب واقع ہے اور ستکن ڈور ایرانی سرحد سے ملتا ہوا مقام ہے ۔ اور یہ لوگ جو یکے بعد دیگرے ، شاہی ٹمپ اور بلوچستان کے دوسرے علاقوں میں آن کر آباد ہوئے تھے ، ایران سے آئے تھے ۔

ہاشم مزید کہتے ہیں کہ یہ وحشی لوگ تھے ۔ انہوں نے ، پورے دیہاتی نظام کو الٹ ڈالا ۔ ان کے سبب وادیٔ سندھ کی تہذیب خاصی متاثر ہوئی اور دیہات کے لوگوں نے بھاگ کر موہن‌جو ڈیرو شہر میں پناہ لے لی تھی ۔ چنانچہ اس کے بڑے بڑے کمرے ، چھوٹے چھوٹے کمروں میں تقسیم ہوئے اور بڑی بڑی عمارتیں ، کٹڑیاں بن گئیں ۔ حملے کے خطرے نے چونکہ پورے ماحول کو متاثر کر دیا تھا ، اس لیے کمہاروں کی جو بھٹیاں شہر سے باہر تھیں ، وہ بھی اندرونِ شہر میں آ گئیں اور بازاروں کے حلیے ہی بدل گئے ۔ ظاہر بات ہے کہ یوں شہر کی آبادی بہت بڑھ گئی تھی اور امن و امان اور ضبط و نظم میں خاصا انتشار پیدا ہوگیا تھا ۔ کیونکہ دیہات اور بیرونِ شہر کے جو لوگ شہر میں مجبوراً رہنے لگے تھے ان کی عادات و اطوار اور خصوصیات ، شہری زندگی کے منافی تھیں ۔

اس مرحلے پر مسٹر ہاشم ، خاصے ابہام سے کام لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب شہر کا انجام قریب آیا یعنی حملہ آوروں نے ادھر کا رخ کیا تو بہت سے شہری ، شہر چھوڑ کر جنگلوں میں بھاگ گئے ۔ چند افراد رہ بھی گئے اور یہ وہی افراد ہیں ۔ جن کے پنجر چوبیس کی تعداد میں ، کھدائی کے وقت ہاتھ لگے ہیں ان کے بارے میں خیال ہے کہ انہوں نے بھاگنے کی شاید کوشش کی تھی لیکن بھاگنے کی مہلت نہ پائی تھی کہ حملہ آور

آن پہنچے ۱ -

مسٹر ہاشم کا یہ خیال ، ہمیں سو فی صد درست نظر آتا ہے ۔ سر جان مارشل اور مسٹر میکے نے کھدائی کے وقت جو پنجر برآمد کیے ہیں ان میں سے چند سیڑھیوں میں پڑے ہوئے ملے تھے ۔ جو غالباً ان لوگوں کے ہیں جو بھاگ کر سیڑھیوں میں آن پہنچے تھے ۔

ہم نے پیچھے عرب کے مشہور شہر مکہ مکرمہ کی مثال دی تھی کہ کس طرح ابرہ کی آمد پر ، پوری آبادی گھر چھوڑ کر پہاڑوں میں جا چھپی تھی ۔ بالکل اسی طرح موہن‌جو ڈیرو کے لوگوں نے بھی کیا تھا ۔ وہ شہر چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے اور حملہ آوروں نے ان کی جگہ لے لی تھی ۔

مسٹر ہاشم نے موہن‌جو ڈیرو سے بات ہڑپا کی طرف چلا دی ہے ۔ اور کہا ہے کہ ہڑپا کے آثار جو شہادت دیتے ہیں وہ بالکل مختلف نوعیت کی ہے ، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حملہ آور ، ٹھنڈے ملک کے رہنے والے تھے اور ان کے پاس گھوڑے بھی تھے اور وہ عمدہ اسلحہ سے بھی لیس تھے ۔ اور انھوں نے نہ صرف ہڑپا پر قبضہ کیا ، پوری وادیٔ سندھ پر آندھی کی طرح چھا گئے ۔

یہ لوگ کون تھے اور ان کا زمانہ کیا تھا ، ہاشم بہت دھیمی آواز کے ساتھ کہتے ہیں کہ ان کے زمانے کی جستجو میں ہمیں مشرقِ وسطیٰ کا سفر کرنا ہوگا ۲ ۔

ہمیں افسوس ہے کہ مشرقِ وسطیٰ کا سفر کرتے وقت ، مسٹر ہاشم منزل ، منزل نہیں چلے ۔ اور ایک دم ان کیسائی حملہ آوروں تک پہنچ گئے ہیں جو ان کے نزدیک ایران کی پہاڑیوں سے اتر کر بابل کے قریب آئے تھے اور خمورابی کے پایۂ تخت پر قبضہ کر لیا تھا ۔ مسٹر ہاشم کی رو سے ان کے پاس جو رتھیں تھیں ان میں گھوڑے جتے ہوئے تھے ۳ ۔

فاضل ہاشم کا خیال ہے کہ بابل پر حملہ آور کیسائی اور وادیٔ سندھ پر تباہی لانے والے آرین ایک تھے اور یہ تباہی سولھویں صدی عیسوی

۱- ہاشم ، ونڈر دیٹ واز انڈیا ، ص ۲۷ ۔
۲- ایضاً ، ص ۲۷ ۔
۳- مسٹر ہاشم ، دی ونڈر ، دیٹ انڈیا واز ، ص ۲۸ ۔

میں آئی تھی ۱ ۔ فاضل باشم نے اس سلسلے میں اس بات سے بھی سند لی ہے ۔ کہ رگ وید ، دوسری قرن قبل مسیح کے نصف آخر کی تصنیف ہے اور جس وقت یہ مقدس کتاب تالیف ہو رہی تھی اس کے شعرا کے قبیلے کے لوگ ، شمال مغربی ہند میں ادھم مچاتے پھر رہے تھے ۔

مسٹر باشم نے سولھویں صدی قبل مسیح کے سلسلہ میں ، سر جان مارشل کا حوالہ بھی دیا ہے اور کہا ہے کہ سر مارشل کے نزدیک ، موھن جو ڈیرو اور ھڑپا کی تباھی اور آریوں کے حملہ کے مابین صرف دو سو سال کا فاصلہ ہے ۲ ۔

مسٹر باشم نے مسٹر ویلر کی یہ رائے بھی بطور سند نقل کی ہے کہ ھڑپا کی بعد کی کھدائی سے یہ راز کھلتا ہے کہ ھڑپا پر تباھی لانے والے آرین تھے اور یہ پہلی آبادی کو مغلوب و مفتوح کرنے کے بعد ھڑپا میں خود رہنے لگے تھے ، کیونکہ ھڑپا کے جدید تر قبرستان کی کھدائی کے وقت جو قبریں ملی ھیں وہ آرین کی ھیں ۔

مسٹر ویلر کی یہ رائے نقل کرنے کے بعد مسٹر باشم کہتے ھیں کہ رگ وید میں اس کے شعرا نے اندر سے جن قلعوں کی تباھی منسوب کی ہے وہ ھڑپا اور وادیٔ سندھ کے قلعے تھے ۱ ۔

جہاں تک مسٹر باشم کے اس خیال کا تعلق ہے کہ وادیٔ سندھ کے شہروں پر تباھی لانے والے آرین تھے ھمیں ان سے پورا پورا اتفاق ہے ۔ لیکن اس بات میں کہ یہ لوگ کیسائی تھے اور سولھویں صدی میں یک وقت بابل اور وادیٔ سندھ پر مسلط ہو گئے تھے ہم ان سے اتفاق نہیں کر سکتے ۔ کیونکہ سڈنی سمتھ مصنف ارلی ھسٹری آف اسیریا نے بہ دلائل قاطع ثابت کیا ہے کہ کیسائیوں نے بابل کے اسیری بادشاھوں سے اٹھارھویں صدی اور سترھویں صدی میں خراج لینا شروع کیا تھا ۲ ۔

اس سلسلے میں سڈنی سمتھ نے خاصی تفصیل بیان کی ہے ۔ ان کا بیان ہے ۔

"Of the early history of the Kassite dynasty our ignorance is almost complete; it may be that exca-

---

۱۔ مسٹر باشم ، دی ونڈر ، دیٹ انڈیا واز ، ص ۲۸ ۔

۲۔ ارلی ھسٹری آف اسیریا ، ص ۲۱۶ ۔ (مطبوعہ لندن) ۔

vations or the site of the town which later became their capital, Dur Kuri galzu (A Gar gul) would reveal some part of their story. It is now certain that Gandash the founder of the Kassite dynasty, and a certain number of his successors, were contemporay with number of the dynasty of the Sealand, and it is probable that at the end of the eighteenth and during the seventeenth centuries they were intermittently able to exact some kind attribute from the Assarian King.۱"

ہم نے یہ اقتباس محض اس لیے نقل کیا ہے کہ واضح کر سکیں کہ کیسائیوں کا گندیش نامی سردار، غالباً، انیسویں، بیسویں صدی قبل مسیح میں اوپر کو ابھرا تھا اور اس کے جانشین اٹھارھویں صدی میں اس قابل ہوئے تھے کہ اسیریا کے بادشاہ سے خراج وصول کر سکیں۔

اس شہادت کی بنا پر ہمارا خیال ہے کہ وادئ سندھ کی طرف آنے والے آریائی تو تھے لیکن کیسائی نہ تھے، غالباً یہ متینی یا ہری تھے جو کیسائیوں سے کسی قدر بعد کے زمانے میں ارضِ اسیریا پر بڑی تیزی سے غالب آ گئے تھے، اور جن کا پہلا بادشاہ ساالشتار اور دوسرا ارت آتما تھا۔ عراق کی تاریخ نے یہ واضح شہادت دی ہے کہ متینی اور ہری قبیلے، دونوں ایک ہی اصل سے پھوٹے تھے۔

ہری قبیلے کے متعلق سڈنی سمتھ نے صراحت کی ہے کہ ان کے دیوتا آشور دیوتا تھے۔ اور ہری زبان میں، اشتر دیوتا کی قصیدہ خوانی کی گئی ہے۔ سڈنی نے اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ سارے کے سارے متینی بادشاہوں کے نام انڈو آرین تھے۔ ان معبودوں کے نام بھی وہی ہیں جو اس زمانے کے ہندوستانی آرین کے تھے۔ متیانی کے ایک قبیلے انو کے بارے میں تو سڈنی نے مشور عالم ونکلیر کی رائے نقل کی ہے کہ وہ آرین تھا۔۲

۱۔ ارلی ہسٹری آف اسیریا، ص ۲۱۵—۲۱۶۔
۲۔ ایضاً ۲۳۶۔

خیال رہے کہ آنو، وہی قبیلہ ہے جو پہلے وادیٔ سندھ اور پھر وادیٔ گنگا میں آباد ہوا تھا ۔ اسی آنو کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ ہری زبان بولنے والا تھا۲ ۔

متیانی قبیلے نے کس دور میں سیاسی برتری حاصل کی ، سڈنی نے اس پر بھی روشنی ڈالی ہے اور کہتا ہے کہ متیانی پہلے پہل سولھویں صدی میں اوپر اٹھے تھے۳ ۔

ہمیں پختہ یقین ہے کہ یہ آنو قبیلہ ، جس نے ویدک ایج کے مؤلفین کی رو سے ارضِ پاکستان میں ایک بڑی سلطنت کی بنا رکھی تھی اور جو ہری زبان بولتا تھا اپنے ''متیانی'' آباؤ و اجداد اور بزرگانِ قبیلہ سے کسی طرح بھی سولھویں صدی عیسوی سے پہلے الگ نہیں ہوا ، کیونکہ صرف اس صدی میں میتانی خون میں حرارت پیدا ہوئی تھی ۔ بلکہ زیادہ قرینِ قیاس تو یہ ہے کہ متینی اصل کے آرین ، ۱۳۷۵ سال قبلِ مسیح میں ہندوکش کی طرف دوڑے تھے، کیونکہ اس زمانے میں ، متینی خاندان میں پھوٹ پڑ گئی تھی ۔ ہری اور متینی اور آنو آپس میں لڑ پڑے تھے ، متینی بادشاہ کے قتل کی سازش تک نوبت پہنچ گئی تھی ، اور رقیب آرنندا نے جو شاہی خاندان سے نہ تھا تخت پر قبضہ کر لیا تھا۴ ۔

۱۳۷۵ سال قبلِ مسیح کا یہ زمانہ ، یوں بھی سخت ہیجانی دور تھا ، اشوری بادشاہ آشور ابالت اور متینیوں میں قدم قدم پر لڑائیاں ہو رہی تھیں ۔

اس سلسلے میں ایک اور بات بھی قابلِ لحاظ ہے جس کی سمت ویدک ایج کے فاضل مصنفین نے کمال وثوق سے اشارہ کیا ہے۵ ۔

"And in India we meet with the curious situation that in the oldest period all the great gods received the title Asura as a decorative epithet, though later

---

۱۔ ویدک ایج اینڈکس I متعلقہ ص ۳۱۸—۳۱۹ ۔
۲۔ ارلی ہسٹری آف اسیریا ، ص ۲۳۸ ۔
۳۔ ایضاً ۲۳۸ ۔
۴۔ ایضاً ص ۲۳۸ - ۲۴۳ ۔
۵۔ ویدک ایج مطبوعہ لندن ، ص ۲۲۰ ۔

it came to be used exclusively as a term of abuse. The fact that about 1400 B.C., in the well known treaty record discovered at Boghazkoi, the Daiva gods Indra and Nasatya appear side by side with the Asura gods Variena and Mitra, clearly suggests, as Christensen has pointed out, that, the antagonism between the worshippers of the Daiva gods and the Asuar gods, which is the central feature of early Indo, Iranian History had not yet broken out.''

''کہ ہندوستان میں ، ہمیں ایک عجیب الجھی ہوئی صورتِ حال سے متقابل ہونا پڑا ہے ، کیونکہ قدیم ترین دور میں تمام بڑے دیوتاؤں کو آشور کا لقب حاصل تھا ۔ اور یہ لقب ، ان کے تقدس کی ضمانت سمجھا جاتا تھا ۔ لیکن بعد کے دور میں ، اس نے واضح طور پر ایک گالی کی حیثیت اختیار کر لی ۔

پھر تقریباً ۱۴۰۰ قبلِ مسیح کے ایک مشہور معاہدے سے متعلق جو کتبہ بوغوزکوئی سے برآمد ہوا ہے اس میں ''دیو'' اندر اور ناستایا اشورہ معبود ، وارونہ اور مترا کے ساتھ ساتھ مذکور ہوئے ہیں ، اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس وقت اندر اور ناستایا کے پرستاروں اور اشور معبودوں کے چاہنے والوں کے مابین دشمنی نہیں پھوٹی تھی ۔''

یہ بات پیشِ نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ ، یہ شہادت بھی ملحوظِ خاطر رہے جو ارلی ہسٹری آف اسیریا کے فاضل مصنف سڈنی سمتھ نے بوغوزکوئی سے متعلق پیش کی ہے کہ بوغوزکوئی کا اصل نام ہتوشار تھا اور یہ ۱۳۷۵ قبلِ مسیح کے لگ بھگ آباد ہوا تھا ، اس سے پہلے متینیوں کا پایۂ تخت کششار تھا[۱] ۔

گویا دوسرے لفظوں میں تقریباً چودھویں صدی قبلِ مسیح میں ، کوئی بھی آرین قبیلہ ، اشوری معبودوں کا مخالف نہیں تھا ۔ آریائی قبیلے بھی ان ہی بتوں کی پرستش کرتے تھے جو سومیری ، یا ایران و بابل کے

۱- ارلی ہسٹری آف اسیریا ، ص ۲۴۳ ۔

دوسرے اشوری یا اشیری قابلِ پرستش گردانتے تھے -

ہمارا گمان ہے کہ آرین خواہ متینی تھے یا میدی یا پارسی تھے یا غیر پارسی ، چودھویں صدی قبلِ مسیح کے لگ بھگ ہندوستان میں آنا شروع ہوئے تھے - اور ان کا سلسلۂ آمد چھٹی صدی قبلِ مسیح تک جاری رہا تھا - اور یہی زمانہ رگ وید کی تصنیف و تالیف کا ہے - پہلے پہل یہ لوگ جب آئے تو ان کی آمد فاتحانہ انداز کی نہ تھی - وہ بڑے سکون کے ساتھ بالکل آباد کاروں کی حیثیت سے بالائی سندھ کے علاقوں میں داخل ہوئے تھے -

ہم نے شروع میں ، فاضل میکس مولر کی یہ رائے بھی پیش کی ہے کہ انڈو ایرانئین اور انڈو آرین ، طبقات میں ، اختلاف کی بنیادی وجہ زرتشت پیغمبر ایرانی بنے تھے۱ - جن کے بارے میں ، ویدک ایج کے مؤلفین نے دعویٰ کیا ہے کہ ان کا زمانہ ایک ہزار سال قبلِ مسیح کا ہے۲ -

اگر زرتشت انڈو آرین اور انڈو ایرانئین طبقات میں منافرت کا موجب بنے تھے تو پھر یہ منافرت ، انتہائی احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک ہزار سال قبلِ مسیح میں رونما ہوئی تھی - یعنی ایک ہزار سال قبلِ مسیح تک ایران و بابل کے آسیری اور متین ، ہری ، آنو اور دوسرے آرین اور غیر آرین قبیلے مذہبی لحاظ سے ایک دوسرے سے دور دور نہیں ہٹے تھے - یوں ہمارا قیاس ہے کہ اشوریوں یا اسیریوں اور " آریوں " میدوں اور آرارتوں میں دشمنی اور عناد نے سار غونہ (سارگون) کے عہد میں انتہائی نازک شکل اختیار کی تھی -

ہمارے اس قیاس کی بنیاد وہ فاتحانہ روداد ہے جو سارگون اسیری نے میڈیا یا آرین قبیلوں کے دوسرے وطن میں سن ۷۲۲ کے بعد مرتب کی تھی -

دی سٹوری آف اسیریا اور دی پاسنگ آف امپائرز کی رو سے۳ ، اسیری حکومت کے خلاف میڈیا کافی دنوں سے بغاوت کا ایک بڑا مرکز بنا رہا تھا اور اشور نذر پال کے زمانے سے لے کر وہاں بڑی زور دار بغاوتیں ہوتی رہی

۱- میکس مولر دی سائنس آف لینگو ایج جلد اول ، ص ۲۵۳ -

۲- ویدک ایج ، ص ۲۳۱ -

۳- سٹوری آف اسیریا ، ص ۲۶۶ -

تھیں ، اور اسیری بادشاہ ان بغاوتوں کو پوری قوت سے دباتے رہے تھے ۔ سارگون کے زمانے سے پہلے بغاوتوں کے اصل مرکز پہاڑی علاقے تھے ، سارگون کے عہد میں بغاوت کی آگ میڈیا کے زرخیز اور شاداب میدانوں میں بھی پھیل گئی ، اور سارگون کو بنفس نفیس میڈیا کے میدانوں میں آنا پڑا ۔ اس نے میڈیا کے پانچ ضلعوں میں کچھ اس قسم کی خوفناک حربی نمائش کی کہ بغاوت دم توڑ گئی ۔ سارگون کے ایک کتبے کے الفاظ ہیں ۔

"میں الپ کے دالتا کی مدد کو آیا ۔ جو میرا ماتحت تھا اور جو آشور (معبود) کی پرستش کرتا ہے ۔ میڈیا کے پانچ شہر اس کے خلاف باغی ہو گئے ہیں اور میرے ماتحت الپ کی سر براہی سے انکار کر گئے ہیں ۔

میں نے ان پانچوں شہروں کا محاصرہ کیا ، اور ان پر فتح پائی ۔ میں نے ان میں آباد لوگوں کو قیدی بنا لیا اور ان کے مال و متاع کو اسیریا لے گیا ۔ میں نے ان سے بے شمار گھوڑے بھی چھینے ۱ ۔"

ایک اور کتبے سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ سارگون کے خلاف پنتالیس میڈی سربراہوں نے بغاوت کی تھی اور ان سب کے مزاج اس نے ٹھکانے لگا دیے تھے ۔ ان سب نے اس کے سامنے ہتھیار ڈالے اور اسے ہزاروں گھوڑے نذر کیے ۲ ۔

یہ دونوں شہادتیں جو پتھروں کی پیشانی پر ساگون نے خود کندہ کی تھیں گیو سمتھ نے اپنی کتاب اسیرین ڈسکو ریز میں چھاپ دی ہیں اور یہ سمجھنے کے لیے کافی ہیں کہ سارگون نے میڈیا کے آرین کی بغاوت کے وقت ان پر غیر معمولی سختی کی تھی ۔ ان کے مردوں ، عورتوں ، بچوں اور املاک کو اسیریا لے گیا تھا اور پورے میڈیا میں انتہائی دہشت پھیلا دی تھی ۔ ہمارا خیال ہے کہ بہت سے میڈی باغی قبائل ۔ سارگون سے ڈر کر کوہ ہندوکش کی طرف بھاگ اٹھے تھے اور یہ وہی لوگ تھے جنھوں نے سیالکوٹ میں ایک میڈی سلطنت کی بنا رکھی تھی۳ ۔ یہ لوگ آٹھویں

۱۔ اسیرین ڈسکوریز ، ص ۲۹۰ ۔
۲۔ سٹوری آف اسیریا ، ص ۲۶۶ ۔
۳۔ ویدک ایج ، ص ۳۵۰ ۔

صدی قبل مسیح میں اسیری بادشاہ سارگون اور اسیری قوم و مذہب کے انتہائی شدید احساسات و تاثرات لے کر شمال مغربی ہند میں داخل ہوئے تھے اور انہوں نے ارض پاکستان کے آرین کو اشوری معبودوں کے خلاف اس درجہ اکسایا تھا کہ آرین انہیں " بد روحیں " قرار دینے پر مجبور ہو گئے تھے ۔ سارگون کے پہلے کتبے میں یہ عبارت خاصی توجہ چاہتی ہے کہ الپ کا دالتا اشور ، معبود کی پرستش کرتا ہے اور اس پر ایمان رکھتا ہے ۔ ہمارے خیال میں یہ عبارت اس امر کی بین شہادت دیتی ہے کہ اس وقت سر زمین ایران و بابل میں مذہبی اختلاف خاصا ترقی کر گیا تھا ، اور " اشور " کے ماسوا کئی اور معبود بھی پوجے جاتے تھے ورنہ سارگون ، الپ کے دالتا کا بہ خصوص بیان نہ کرتا کہ وہ آشور معبود کی پرستش پر قائم ہے ۔

ویدک ایج کے فاضل مؤلفین نے اس سلسلے میں ایک اور بات بھی کہی ہے ۔

"The Asur as are generally referred to as enemies of vadic people and of their gods, but some passages use the term in a good sense. One probable, explanation of this has been hinted at before. Another suggested by Bhandarkar, is that the hymans in which vedic deities receive the appellation Asura were composed by seers of Amria stock who had embraced the Aryan religion and the deprecations were composed by Aryan seers antagonistic to the Asures.

It is indeed difficult to identify the Asuras with any of the ancient people. Banerji Shastri considers the Asuras as immigrants from Assyna, the follower of the Asura Cult, who preceded the Aryans in India and were the authors of the Indus Valley Civilisation. Bhandarkar takes the Asuras to be the Asura or Assyrians and suggests that the sata-

patha Brahmans refers to the Asura settelments in Magadha or south Bihar.۱

آشور کو عموماً ویدک کے زمانے کے آرین اور ان کے دیوتاؤں کے دشمنوں کے طور پر پیش کیا جاتا ہے ۔ لیکن ویدوں میں سے بعض ایسے اقتباسات بھی نقل کیے گئے ھیں جن سے ظاہر ھوتا ہے کہ اشور ویدک لوگوں کے دشمن نہ تھے ۔ اس کے بارے میں ایک امکانی وجہ کی طرف پیچھے اشارہ کیا جا چکا ہے ، ایک اور وجہ مسٹر بھنڈھارکر نے تجویز کی ہے کہ وہ منتر جن میں سے اشورہ معبودوں کی تعریف جھلکتی ہے ، وہ ان شعرا نے تصنیف کیے تھے جو پہلے اشوری مذھب کے تھے یا اشوری خاندان سے متعلق تھے لیکن بعد میں آرین مذھب قبول کر لیا اور جن منتروں میں آشوریہ کی مخالفت کی گئی ہے وہ ان شعرا کے ھیں جو ' اشور ' کے مخالف تھے۲ ۔''

اشورا کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ کہاں کے رھنے والے تھے اور ان کا تعلق کس نسل سے تھا خاصا مشکل ہے ، تاھم بینرجی شاستری کا خیال ہے کہ اشورا یا اشوریہ ، اسیریا سے ترک وطن کر کے وادیٔ سندھ آئے تھے ۔ یہ اشور کے پرستار تھے اور آرین سے پہلے ھندوستان میں موجود تھے ، یہی لوگ تہذیب وادیٔ سندھ کے خالق ھیں ۔

بھنڈھارکر بھی ھندوستانی اشوریہ کو اسیریا سے متعلق گرداتا ہے اور کہتا ہے کہ ساتا پاتھا برھمنا ، جو رگ وید کی ایک شرح ہے ۔ اشوریہ کو مگدھ یا جنوبی بہار میں آباد ظاھر کرتا ہے۳ ۔

اشورا کے بارے میں ساتا پاتھ برھمنا کی سند ، مسٹر بھنڈھارکر کے نزدیک ''مہر'' کی حیثیت رکھتی ہے ۔ اور ھم سمجھتے ھیں کہ اس شہادت کے بعد ، اس بات کا قطعاً احتمال نہیں رھتا کہ آریوں کی آمد کے وقت جو لوگ ، وادیٔ سندھ میں آباد تھے وہ آشوری یا دراوڑ نہ تھے ۔

۱- سم آسپکٹس آف اینشنٹ انڈین کلچر ، ص ۳۴ ۔
۲- ویدک ایج ، ص ۲۵۰ ۔
۳- سم آسپکٹس آف اینشنٹ انڈین کلچر ، ص ۳۴ ۔

بلاشبہ ، جنوبی بہار یا مگدھ کے آس پاس آباد موجودہ دراوڑوں کو دیکھ کر قطعاً مایوسی ہوتی ہے ، اور یہ خیال وہم و گمان کی شکل اختیار کر لیتا ہے کہ یہ وحشی لوگ ، جو سانپوں کے آگے رقص کرتے اور انتہائی وحشیانہ عادات و اطوار کے مالک ہیں کبھی وادیٔ سندھ کی عظیم و جلیل شہری زندگی کے عادی تھے -

اہلِ علم جانتے ہیں کہ جن قوموں پر بھلا وقت آتا ہے ، وہ وحشی و بربر ہونے کے باوجود ، تہذیبی اور شہری زندگی اختیار کر لیتی ہیں اور زندگی کے دوائر میں انہیں جو آرام و آسائش کے سامان میسر آتے ہیں ، ان کے سبب ، ان کی عادتیں تو خیر بدل ہی جاتی ہیں ، ان کی ''کالی رنگتیں'' تک سفیدی مائل ہو جاتی ہیں - اور ان کے چہروں پر کچھ ایسی شگفتگی جھلکنے لگتی ہے کہ شعرا اسے ملاحت کا نام دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں - اور مہذب قومیں ، جب بلندی سے گرتی ہیں اور ادبار اور پستی کا شکار ہوتی ہیں تو ان کے افراد چند صدیوں کے اندر اندر 'کمینوں' اور رذیلوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں -

اس کارخانۂ حیات میں روز روز یہی کچھ ہوتا ہے اور ہم تو سمجھتے ہیں کہ پندرہ سو سال قبلِ مسیح میں ، وادیٔ سندھ کے سومیروں یا دراوڑوں پر ، آرین جس قسم کی تباہی لائے تھے وہ تو انوکھی تباہی تھی - آرین نے نہ صرف ان سے ان کے آرام دہ گھر چھین لیے تھے ، ان سے ان کی عورتیں بھی ہتیا لی تھیں - بچے ماؤں سے محروم ہوگئے تھے اور شوہروں سے ان کی بیویاں چھن گئی تھیں -

جو قوم صدیوں ، جنگلوں میں آوارہ پھرتی رہے - جس کے بچے ، مٹی پھانک پھانک کر اور درختوں کے پتے جسموں سے لپیٹ لپیٹ کر جوان ہوں وہ اپنے ماضی ہی کو نہیں بھولتی ، اپنے آپ کو بھی بھول جاتی ہے - وہ تہذیب سے نفرت کرنے لگتی ہے اور تمدن کی دشمن بن جاتی ہے -

یہی کیفیت جنوبی بہار کے دراوڑوں کی ہے ، انھوں نے ۱۵ سو سال قبلِ مسیح میں وادیٔ سندھ کو چھوڑا تھا ، اور آرین کے ہاتھوں ہزار ہزار مصائب برداشت کرتے ، جنگلوں میں رہتے ، غاروں میں چھپتے، بھوکے پیاسے ، ننگے بچے ، جب جنوبی بہار تک پہنچے ، تو کئی صدیاں بیت چکی

تھیں اور وہ ماضی کے ہر تہذیبی احساس اور تمدنی یاد کو قطعاً فراموش کر گئے تھے۔

بہرحال یہ امر اب کسی مزید بحث کا محتاج نہیں رہا کہ وادیٔ سندھ کے تمدن کے معمار کون لوگ تھے۔ یہ سو فی صدی آشوری سومیری تھے اور تقریباً چار ہزار قبل مسیح میں "اشور" سے ھجرت کر کے وادیٔ سندھ میں پہنچے تھے۔

فصل سوئم

موھن جو ڈیرو کا ماحول ، قدیم ترین دور میں ، ایک سدا بہار
باغیچہ کی حیثیت رکھتا تھا ۔
بے شمار قدرتی جھیلیں ، اس کے چاروں طرف پھیلی تھیں
دریا بھی اس پر مہربان تھے اور قدرت بھی شفیق تھی
موھن جو ڈیرو کا تمدن ، موجودہ لنکا شائر سے مماثلت رکھتا ہے
حفظانِ صحت کے اصولوں کا خوب لحاظ رکھا جاتا ،
زمین دوز پختہ نالیاں ہر جگہ موجود تھیں

سر جان مارشل کا بیان ہے کہ آج سے پانچ ساڑھے پانچ ہزار قبل کے زمانے سے لے کر ، کسی قدر ماضیٔ قریب تک ، لاڑکانہ کا وہ علاقہ جو سندھ اور کوھستان کے مابین واقع ہے وادیٔ سندھ کا انتہائی زرخیز و شاداب علاقہ سمجھا جاتا تھا ، کیونکہ ایک تو دریائے سندھ کی مہربانیاں اس کے شاملِ حال تھیں ، دوسرے مغربی نارہ تو اس پر بڑی ھی شفقت فرماتا ، ان کے علاوہ اس کے کئی اور مہربان بھی تھے ۔ کتنی ھی قدرتی جھیلیں ، جگہ بہ جگہ موجود تھیں ۔

لاڑکانہ کے ارد گرد کی زمین تو خصوصاً سندھ کے باغیچے کے نام سے موسوم کی گئی ہے ، بہر حال سندھ کے اس باغیچے میں کبھی سندھ کا وہ عظیم شہر واقع تھا جسے ان دنوں موھن‌جو ڈیرو ، ”مردوں کا ڈھیر“ کا نام دیا گیا ہے ۔ یہ جگہ جہاں موھن‌جو ڈیرو واقع ہے ، جزیرہ نما سی ہے ۔ اس کے ایک طرف ، سندھ کی گزر گاہ ہے اور دوسری سمت نارہ تشریف فرما ہے ۔ یہ شہر ، لاڑکانہ سے پچیس میل اور ڈوکری ریلوے سٹیشن سے سات میل کے فاصلے پر ہے ۔ یہ عام سطحِ آب سے ستر فٹ اونچا ہے ، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اس جگہ ایک کے اوپر دوسرا اور دوسرے کے اوپر تیسرا شہر آباد ہوتا چلا گیا تھا ۔ قدیم شہر کی عمارتیں اگر کسی وجہ سے گر

پڑتیں تو ان کے ملبوں پر دوسری عمارتیں تعمیر کر لی جاتیں ۔ اس طرح عام سطح بلند سے بلند ہوتی چلی گئی ۔ ماہرین آثار نے جہاں کھدائی کی ہے وہ جگہ تقریباً دو سو چالیس ایکڑ میں پھیلی ہے ، لیکن سر جان مارشل کا خیال ہے کہ اصل شہر اس سے کہیں زیادہ رقبے میں بنا تھا ۔ جو غالباً دریا کی تند و تیز موجوں نے تباہ کر دیا ہے اور اس کا نام و نشان باقی نہیں رہنے دیا[۱] ۔ اس وقت بھی جو آثار موجود ہیں ، ان پر بھی دریا نے خاصی توجہ مبذول کر رکھی ہے ۔ اور جب بھی کبھی سیلاب آیا تو اس کے دھارے قدیم شہر کے بازاروں اور گلی کوچوں میں ناقوس لمن الملک خوب خوب بجاتے پھرے ۔ یوں "شور" نے بھی ، ان آثار کو کافی نقصان پہنچایا ہے ، اس بات کا اندازہ اس طرح سے کیا جا سکتا ہے کہ اب بھی موہن جو ڈیرو کے رقبے کے چاروں طرف کی زمین شور زدہ ہے ۔

موسم کے لحاظ سے ، یہ جگہ ان دنوں سردیوں میں حد درجہ سرد ہوتی ہے ۔ پورے موسم سرما میں یخ بستہ ہوائیں چلتی رہتی ہیں ، گرمیوں میں خوب آندھی چلتی ہے اور ریت بہت اڑتی ہے ۔ ان دنوں بارش بہت کم ہوتی ہے عموماً چھ انچ سے زیادہ نہیں بڑھتی ۔ جس سے گمان گزرتا ہے کہ آج سے پانچ ہزار سال پہلے بھی شائد موسم اسی طرح کا ہو ۔

فاضل جان مارشل کی رو سے آج سے پانچ ہزار سال قبل بات قطعاً یہ نہ تھی ۔ ان دنوں موسم بہت ہی خوشگوار تھا ۔ اپنے اس خیال کے ثبوت میں سر جان مارشل نے ایک تو یہ بات پیش کی ہے کہ موہن جو ڈیرو کی ساری کی ساری عمارتیں آگ میں پکائی ہوئی (پختہ) اینٹوں سے بنی ہیں ۔ دھوپ میں خشک کی ہوئی اینٹیں استعمال نہیں کی گئیں حالانکہ اس دور میں ، دھوپ میں خشک کی ہوئی اینٹیں بھی عمارات میں استعمال کرنے کا رواج موجود تھا ۔

اگر موسم آج کی طرح خشک اور گرم ہوتا تو مکانات ، آگ میں پکی ہوئی اینٹوں کی بجائے کچی اینٹوں سے بنائے جاتے ، کیونکہ کچی اینٹوں کے مکانات زیادہ ٹھنڈے رہتے ہیں ۔

سر جان مارشل نے اس سلسلے میں ، ان مہروں کو بھی بہ طور ثبوت

---

۱ ۔ سر جان مارشل کخز اول موہن جو ڈیرو ، ص اول ۔

پیش کیا ہے جو کئی سو کی تعداد میں برآمد ہوئی ہیں اور جن پر ایسے جانوروں کی تصویریں بنی ہیں جو گھنے جنگلوں اور آبی زمینوں میں پائے جاتے ہیں ۔

سر جان مارشل کا خیال ہے کہ یہ دونوں باتیں اس امر کا یقین دلاتی ہیں کہ کبھی وادیٔ سندھ میں بارش بہت زیادہ ہوتی تھی ۔ سر جان مارشل نے اس سلسلے میں، سر اورل سٹین کے ان مشاہدات کا بھی حوالہ دیا ہے جو فاضل موصوف نے بلوچستان کی سیاحت کے دوران کیے تھے ۔ سر اورل سٹین نے جا بہ جا کتنی ہی آبادیاں زمین میں مدفون پائی تھیں، حالانکہ ماحول سخت بے آب و گیاہ ہے اور دور دور تک پانی کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا ۔

سر جان مارشل کہتے ہیں کہ بلوچستان کی یہ آبادیاں، جن کا پتا سر اورل سٹین نے لگایا ہے، کئی بڑے بڑے تالابوں پر مشتمل ہیں، اگر بارش نہیں ہوتی تھی تو پھر یہ تالاب کیوں بنائے گئے تھے، ؟

سر جان مارشل بلوچستان کا ذکر یوں ہی بہ طور امدادی دلیل کے لے آئے ہیں ورنہ بات موہن‌جو ڈیرو کی ہو رہی تھی ۔

بہرحال موہن‌جو ڈیرو آج سے کوئی ساڑھے پانچ ہزار سال قبل، بہت زرخیز و شاداب علاقہ تھا ۔ اور نہ صرف اس وقت بلکہ ساتویں آٹھویں صدی عیسوی تک کے زمانہ میں بھی اس کی آب و ہوا آج کی نسبت بہت مختلف تھی اور بارش بہت ہوتی تھی ۔ اس امر کی شہادت، ان مسلمان مؤرخین نے بھی دی ہے جو سندھ اور ملتان آئے تھے ۔ خصوصیت سے ملتان کے متعلق تو انہوں نے صراحت کی ہے کہ وہاں برسات کے موسم میں بہت بارش ہوتی تھی ۔۲

اس سلسلے میں یہ بات بھی ملحوظ رکھنی جا سکتی ہے کہ وادیٔ سندھ کی زرخیزی و شادابی کا انحصار ان دنوں، محض دریائے سندھ پر

۱۔ سر جان مارشل موہن جو ڈیرو جز اول، ص ۳ ۔

۲۔ امپریل گزیٹ آف انڈیا ۔ پراونس پنجاب جلد اول، ص ۳۰ ۔

مہران آف سندھ اینڈ اٹز ٹریبوٹریز، ایف اے ایس بی جلد ۹۲،

ص ۲۸۱ — ۲۸۲ ۔

ہے ۔ لیکن زمانۂ قدیم میں صورتِ حال یہ نہ تھی ۔ زیادہ دور نہ جائیے جب عرب اس ملک میں پہلے پہل آئے ، تو اس سرزمین میں دو دریا بہتے تھے ، دریائے سندھ مغربی سمت کا دریا تھا اور عظیم دریائے سہران ، جسے ہکرہ ، اور واھندہ بھی کہتے تھے مشرق میں بہتا تیا ۔ آیا زمانۂ قدیم میں یہ دونوں دریا ایک دوسرے سے بے نیاز ہو کر جاری و ساری تھے یا وہ ایک دوسرے سے مل گئے تھے ، یہ سوال ابھی تک ٹھیک طرح حل نہیں ہو سکا ۔ یوں میجر راورٹی اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ دریائے سہران کبھی اس جگہ بہتا تھا جہاں ان دنوں مشرقی نارہ کی گزرگاہ ہے ۔ میجر راورٹی کی رو سے ، شہر موہن‌جو ڈیرو دریائے سندھ کی جس شاخ کے کنارے پر آباد تھا یہ دریائے سہران کی ایک مددگار شاخ تھی ۔ لیکن یہ شاخ ، جہاں اس وقت بہتی ہے ، پہلے دور میں یہاں نہ بہتی تھی ۔ میجر راورٹی نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ یہ دریائے سہران تھا ، جس کی گزرگاہ میں پنجاب کے باقی دریا آن کر گرتے تھے اور سمندر تک کی مسافت طے کرتے تھے ۔۱

سر جان مارشل نے میجر راورٹی کے اس بیان سے اتفاق نہیں کیا ، تاہم وہ بھی یہ اعتراف فرماتے ہیں کہ زمانۂ قدیم میں جب موہن‌جو ڈیرو آباد تھا ، ایک کی بجائے دو دریا ایک دوسرے کے متوازی بہتے سمندر تک پہنچتے تھے اور ان دونوں دریاؤں نے پنجاب کے باقی دریاؤں کا پانی آپس میں بانٹ رکھا تھا ۔ پانچ ہزار قبل سے لے کر عربوں کی آمد تک کے زمانے میں ان دریاؤں میں کیا تبدیلیاں آئیں ۔ ہم ان کے بارے میں حتماً کچھ نہیں کہہ سکتے ۔ یوں بعض لوگوں نے دریائے سہران کو بھی دریائے سندھ کا اور دریائے سندھ کو سہران کا نام بھی اکثر بخش دیا ہے ۔

میجر راورٹی کا بیان ہے کہ دریائے ستلج کی دریائے ہکرہ سے بے رخی اور دریائے بیاس پر توجہ ، دریائے ہکرہ کی خشکی کا باعث بنی تھی ۔ اس کی دوسری وجہ ، دریائے سندھ کی دریائے سہران سے دوری تھی ۔ یہ دوری

سر جان مارشل ص د ۔ انٹی کیوٹیز آف سندھ ۔ راورٹی ص ۲۹۷ جلد اول ص د ۔ آئین اکبری ترجمہ ۔ بلوچ مین جلد ۲ ، ص ۳۲۲ ۔

غالباً اس بڑے سیلاب کے وقت پیدا ہوئی تھی جو چودھویں صدی عیسوی میں آیا تھا اور جس نے چناب اور ستلج کے مابین واقع ساری سرزمین میں انقلاب پیدا کر دیا تھا ۔

سر جان مارشل کا خیال ہے کہ قطع نظر اس روداد کے ، پنجاب کے یہ سارے دریا ، ہرجائی مزاج کے مالک ہیں اور ان کی گزرگاہوں میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں ، اور اب بھی ہر سال کچھ نہ کچھ تبدیلی رونما ہو جاتی ہے ۔ خصوصیت سے سندھ کے جغرافی حدود میں کوئی جگہ بھی ایسی مخصوص نہیں کی جا سکتی جو دریائے سندھ و سہران کی گزرگہ بننے کے شرف سے محروم رہی ہوا ۔

جب صورت حال یہ ہو ، تو پھر تیسری یا چوتھی قرن قبل مسیح میں ان دریاؤں کی گزرگاہوں کی تبدیلی کے سوال پر زیادہ بحث کچھ معنیٰ نہیں رکھتی ۔ یوں یہ یقینی بات ہے کہ بہرحال سہران یا سندھ ، آج سے پانچ ہزار سال قبل میں بھی ، اس ماحول میں بہتے ہوں گے جہاں موہن‌جو ڈیرو یا جھکر کے دو قدیم شہر آباد تھے ۔ اگر یہ دریا اس ماحول میں نہ بہتے ہوتے تو یہ بڑے متمدن شہر یہاں کی بجائے کہیں اور آباد ہوتے ۲۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ سکندر مقدونی نے جب سندھ پر حملہ کیا تھا تو اس کے ساتھی مؤرخین نے وادیٔ سندھ کے اس حصے کو جس کا ذکر ہم کر رہے ہیں ، شمال مغربی ہند کے ان سب علاقوں سے زیادہ زرخیز و شاداب بتایا تھا جہاں سے سکندر مقدونی کا گزر ہوا ۔ سکندر مقدونی کے دور ہی میں نہیں اس سے دو صدیاں پیشتر بھی ، یہ سرزمین اپنی زرخیزی و شادابی کے اعتبار سے شہرۂ آفاق تھی ۔ یوں اس سرزمین کے باشندے آئے دن ، سیلابوں کی کارفرمائیوں اور تباہ کاریوں سے بہرہ مند ہوتے رہتے تھے ۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ موہن جو ڈیرو اپنی معلوم عمر میں ، کئی بار تباہ ہوا اور کئی بار پھر سے آباد ہوا ۔

۱۔ سر جان مارشل جلد اول ، ص ٦ ۔

۲۔ سر جان مارشل جلد اول ، ص ٦ ۔ سویلزیشن اینڈ کلائمیٹ مصنفہ ایلس ورتھ ، ص ۲۳٦ — ۳۸ ۔

مہران اور سندھ میں جب بھی سیلاب آتا ۔ موہن جو ڈیرو کے باشندوں کو نقصان پہنچاتا ، ان کے محلے کے محلے تباہ ہو جاتے تھے ۔ اور منتظمین شہر کو برباد شدہ مکانوں کی بنیادوں پر نئے مکانات بنوانے پڑتے ۔ ان نئے مکانات کے اخراجات حکومت دیتی یا مظلوم عوام خود برداشت کرتے تھے ، کچھ کہا نہیں جا سکتا ۔

ستر فٹ اونچے ٹیلے اور ان کے نیچے دبی ، تہ بہ تہ عمارتیں جو مختلف تمدنوں اور تہذیبوں کی نشان دہی کرتی ہیں ، اس باب میں بڑی ٹھوس دلیلیں ہیں ۔ یوں فاضل راورٹی نے کچھ تاریخی اسناد بھی پیش کی ہیں ۔ گو یہ تاریخی اسناد فیروز شاہ کے عہد کے سیلابوں سے متعلق ہیں ، تاہم ان سے یہ بات بہ‌خوبی ظاہر ہوتی ہے کہ سیلاب آیا کرتے تھے اور ان سے تباہی خوب عام ہوتی تھی ۱۔

طرزِ تعمیر

سر جان مارشل کے نزدیک ، موہن جو ڈیرو کی کھدائی کے بعد جو زائرین بھی موقعہ پر آئیں گے انہیں یہاں کے برآمد شدہ آثار اور باقیات کو دیکھ کر ایسا گمان ہوگا جیسا کہ وہ لنکا شائر کے کسی نو تعمیر شہر کو بنتے دیکھ رہے ہیں ۔ یہ تاثر ان ننگی بچی لال سرخ اینٹوں سے بنی دیواروں سے پیدا ہوتا ہے جو کہیں کہیں تو پانچ سات فٹ اونچی ہیں ۔ اور کہیں ۱۸ ، ۱۸ فٹ تک اٹھتی چلی گئی ہیں ۔ سر جان مارشل کی رو سے ، ان دیواروں میں جو لال سرخ پختہ اینٹیں استعمال ہوئی ہیں وہ اسی سائز و حجم کی ہیں جو ان دنوں عام طور پر انگلستان میں استعمال کی جاتی ہیں ۔

سر جان مارشل کے نزدیک موہن جو ڈیرو کے آثار و باقیات کی چھوٹی بڑی ننگی بچی دیواریں جہاں یہ تاثر پیدا کرتی ہیں کہ لنکا شائر کا کوئی شہر بن رہا ہے وہاں یہ دیکھ کر حیرانی بھی ہوتی ہے کہ دیواریں یوں ننگی بچی کیوں ہیں حالاں کہ گپتا عہد میں ہندوستانی فنِ تعمیر نے بہت ترقی کر لی تھی اور دیواروں کو سجانے اور ان کو خوبصورت بنانے کا فن

۱- راورٹی ، ص ۳۶۱ — ۳۹۲ ۔

۲- سر جان مارشل جلد اول ، ص ۷ ۔

حیرت انگیز حد تک آگے بڑھ چکا تھا ۔

سر جان مارشل یہ نکتہ پیدا کرنے کے بعد کہتے ہیں ، ہو سکتا ہے کہ اصل میں یہ دیواریں ننگی بچی نہ ہوں اور جب تعمیر ہوئی ہوں تو ان کے معماروں نے ان کی زیبائش پر اپنی ہنر مندی کے مظاہرے خوب کیے ہوں لیکن یہ مظاہرے پتھر کی شکل میں نہ ہوں ، لکڑی کی شکل میں ہوں ۔ اور یہ لکڑی جو بیل بوٹوں یا آرائش کی شکل میں ان دیواروں پر چسپاں کی گئی ہو امتدادِ زمانہ کی نذر ہو گئی ہو ۔

سر جان مارشل کے نزدیک یہ قیاس آرائی مضبوط دلائل کے بغیر کچھ زیادہ وزن نہیں رکھتی ۔ ہمیں موہن جو ڈیرو کے ان آثار و باقیات سے متعلق بیان کے وقت اپنے آپ کو اس صورتِ حال تک محدود رکھنا ہو گا جو یہ آثار و باقیات ہمارے سامنے رکھتے ہیں ، اور ان آثار و باقیات سے جو پہلی بات ہمارے ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ موہن جو ڈیرو کے تمام مکانات کی بنیادیں بہت زیادہ مضبوط ہوتی تھیں ۔ عمارتیں جتنی بڑی ہوتیں ، ان کی بنیادیں اتنی ہی گہری کھودی جاتیں ۔

سر جان مارشل کے نزدیک موہن جو ڈیرو کے زیادہ تر مکانوں کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ ان معماروں کے نزدیک بلاوجہ بڑی عمارتیں بنانا اسراف کے ہم وزن تھا ، کیونکہ شہر کی زیادہ‌تر عمارتیں چھوٹی چھوٹی ہیں ۔ بہرحال ان چھوٹی عمارتوں میں بھی دو کمروں سے چھوٹی عمارت کوئی نہیں ہے ۔ یوں بڑی عمارتیں بھی بہت ہیں اور بیس بیس کمروں کی عمارتوں کی تو خاصی تعداد موجود ہے ۔

'' انڈس سویلیزیشن ''کے مصنف مسٹر میکے راوی ہیں کہ موہن جو ڈیرو کے آثار دیکھ کر ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ جب اس شہر کی تعمیر کا خیال اس قوم کے دل میں پیدا ہوا جو اس سر زمین کی مالک تھی تو اس کے ماہرینِ تعمیرات نے اس کا باقاعدہ نقشہ پہلے سے تیار کر لیا تھا ، اور یہ نقشہ بنانے والا یا والے بہت سمجھدار اور اپنے کام میں ماہر تھے ۔ جب تعمیر شروع ہوئی ، تو اس بات کا خاصا خیال رکھا گیا کہ نقشہ کی ہر بات کی پابندی کی جائے ، اور کوئی سڑک ، کوئی گزرگاہ حتیٰ کہ کوئی مکان بھی

۱۔ سر جان مارشل جلد اول ، ص ۱۵ - ۱۶ - ۱۷ ۔

اس تناسب اور اندازے کے خلاف نہ بنے جو نقشہ بنانے والوں کے پیش نظر تھا ۔ اس مرحلے پر جبکہ موہن جو ڈیرو کے مرتب ، منظم اور بڑے قاعدے اور طریقے سے بنے ہوئے کوچہ و بازار اور گھر ہمارے سامنے ہیں ہم ان کے تناسب اور توازن کی داد تو دے سکتے ہیں ، لیکن ہمارے لیے یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ ان کی تعمیر کی نگرانی کرنے والا کوئی ایک افسر تھا یا ایک بڑی جماعت اس کی محاسب تھی ۔

ہمیں یہ اظہار کرتے وقت خاصی تعلی کا احساس ہوتا ہے کہ دنیا بھر کے ماہرین آثار قدیمہ نے آج تک جتنے بھی قدیم شہروں کو زمین تلے سے برآمد کیا ہے ، ان میں سے بہ خصوص صرف وادی٘ سندھ کے شہروں کو حاصل ہے کہ وہ مرتب اور منظم طریق پر بنائے گئے تھے ۔ حتیٰ کہ وادی٘ فرات اور وادی٘ نیل کے شہروں کے آثار بھی ایسی کسی تنظیم و باقاعدگی کی شہادت مہیا نہیں کرتے ۔ جو موہن جو ڈیرو اور ہڑپا کی تعمیر کے وقت ملحوظ رکھی گئی تھی ۔ ایسا لگتا ہے کہ شہر کئی سال تک متواتر بنتا رہا تھا ۔

خیال گزرتا ہے کہ شروع شروع میں اس شہر کی آبادی کچھ زیادہ گھنی نہ تھی ۔ بعد میں یہ آبادی خاصی گھنی ہو گئی ۔ لیکن یہ اس وقت جب شہر دوسری ، تیسری یا چوتھی ، پانچویں بار آباد ہوا ۔ پہلے ادوار کے شہر میں حفظان صحت کے اصولوں کو زیادہ ملحوظ رکھا گیا ہے اور بعد کے ادوار میں یہ اصول کافی حد تک نظر انداز کر دیے گئے ۔ یوں ہر دور کے بازار اور کوچے یا تو مشرق سے شروع ہو کر مغرب کی سمت چلتے ہیں یا شمال سے جنوب کے رخ کھلتے ہیں کیونکہ ہواؤں کے یہی رخ تھے ۔ اور ہر دور میں صاف ہوا گلی کوچوں کی فضا صاف رکھنے کے لیے ناگزیر سمجھی گئی تھی ۔ قریب قریب یہی پابندی بابل کے قدیم شہروں میں بھی ملحوظ رکھی گئی ہے ، اس لیے خیال ہوتا ہے کہ بابل کے قدیم شہری اور موہن جو ڈیرو کے آباد کار ایک ہی نسل کے لوگ تھے۲۔ موہن جو ڈیرو کی بعض سڑکیں بہت بڑی ہیں ، مثلاً ایک بڑی سڑک جو تقریباً آدھ میل لمبی

۱۔ انڈس سویلزیشن ، ص ۲۳ ۔ موہن جو ڈیرو ص ۳۰ ۔

۲۔ انڈس سویلزیشن ، موہن جو ڈیرو ، ص ۳۱ ۔

ہے شمال سے جنوب کی سمت بڑے توازن کے ساتھ سیدھی بڑھی چلی گئی ہے ۔ اس نے شہر کو دو حصوں میں بانٹ دیا ہے ۔ یہ سڑک تینتیس فٹ چوڑی ہے اور اس قابل ہے کہ اس پر سے بیک وقت کئی بیل گاڑیاں گزر جائیں ، غالباً یہ سڑک اندرونِ شہر کی سب سے بڑی سڑک تھی ۔ یوں اس سے بھی ایک بڑی سڑک دریافت ہوئی ہے ، جس کا ابھی تک صرف ایک حصہ کھلا ہے ۔ اس لیے اس کے بارے میں حتماً سر دست کچھ نہیں کہا جاسکتا ۔ غالباً یہ باہر سے آتی تھی ، اور شہر میں آن کر شہر کی اندرون بڑی سڑک کو کاٹ دیتی تھی ۔ ایک اور سڑک بھی برآمد ہوئی ہے جو ان دونوں سے چھوٹی ہے ۔ ان سڑکوں کے علاوہ بودھ معبد والے ٹیلے کے اندر سے ایک اور سڑک نمودار ہوئی ہے ۔ جو سر جان مارشل اور ان کے ساتھیوں کے نزدیک سیدھے راستوں میں سے سب سے ممتاز ہے ، اس کی چوڑائی ، ساڑھے اٹھارہ فٹ ہے اور اس میں کتنی ہی چھوٹی گلیاں اور کوچے ، جا بہ جا شامل ہوتے گئے ہیں ۔ ان گلیوں اور کوچوں میں سے کوئی ۹ فٹ چوڑا ہے اور کوئی بارہ فٹ ، بعض گلیاں اس سے بھی چھوٹی ہیں ۔ ان گلیوں اور کوچوں میں سے کوئی بھی پختہ نہیں ہے ۔ البتہ بڑی سڑکوں پر کہیں کہیں پختہ روڑی ڈالی گئی ہے ، جس سے خیال ہوتا ہے کہ کسی دور میں ان سڑکوں کو پختہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی ۔

مسٹر میکے کا خیال ہے کہ چھوٹی اور اندرونی محلوں کی سڑکیں بڑی سڑکوں کی نسبت زیادہ اچھی حالت میں ہیں اور دیکھنے میں بھلی لگتی ہیں کیونکہ ان کے دونوں طرف کی دیواریں کسی حد تک قائم ہیں ۔ جو دیواریں برآمد ہوئی ہیں ، ان میں سے زیادہ تر " ننگی " ہیں ۔ اس لیے یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ ان پر عموماً پلستر کیا جاتا تھا یا نہیں ۔ البتہ کہیں کہیں چونے کا پلستر موجود ہے ۔ یہ غالباً وہ جگہیں ہیں جہاں آگ جلتی تھی ؛ پلستر کی اس موجودگی سے گمان ہوتا ہے کہ شاید "مٹی" کا پلستر اندر کی دیواروں پر کیا جاتا تھا ۔

عام دیواروں کی چنائی میں بھی " مٹی کا گارا " استعمال ہوا ہے ۔ چونا صرف ان جگہوں پر برتا گیا ہے ، جہاں زیادہ پختگی مطلوب تھی ۔ مثلاً نالیوں اور غسل خانوں میں ۔

موہن جو ڈیرو کے آثار و باقیات پر جن لوگوں کی نگاہ بھی اٹھی ہے

وہ سارے شہر کی عمارتوں کی ہمہ گیر یکسانیت اور حد درجے سادگی کو دیکھ کر دنگ کے دنگ رہ گئے ہیں ۔ حالانکہ دوسرے ملکوں میں اس دور کے جو شہر برآمد ہوئے ہیں ان کی عمارات کی دیواروں پر خوب نقاشی کی گئی ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ موہن جوڈیرو کے مکانات کی دوسری منزلوں میں بھی ایسی نقاشی کی گئی ہو ۔ مگر چونکہ یہ منزلیں تباہی کی نذر ہوچکی ہیں اس لیے ان کے بارے میں کچھ کہنا غلط ہے ۔

موہن جو ڈیرو کی عام عمارتوں میں پتھر شاذ و نادر ہی کہیں استعمال ہوا ہے ، اگر کہیں استعمال ہوا ہے تو ستونوں کی بنیادوں اور پلیٹ فارموں میں کہیں کہیں لانبے لانبے گول پتھر بھی ملے ہیں جن سے غالباً ستونوں کی حد بندی کی جاتی تھی۱ ۔

مسٹر میکے اور سر جان مارشل کہتے ہیں کہ بازاروں کی دوکانوں کی عمارات کو چھوڑ کر باقی شہر کی عمارتوں میں ایک تو کھڑکیوں کی عدم موجودگی کھٹکتی ہے ، دوسرے ان کے چھوٹے چھوٹے دروازے کچھ اچھا تاثر پیدا نہیں کرتے ، خاص طور پر یہ کیفیت بڑی عمارتوں میں زیادہ نمایاں ہے غالباً وجہ یہ تھی کہ امرا اور بڑے لوگ اپنی دولت دیواروں کے پیچھے چھپانے کے طالب ہوتے تھے اور محض دروازوں کو کافی سمجھ لیتے اور یہ دروازے بھی ایسی گلیوں میں کھلتے ، جو بڑے بازاروں سے الگ ہوتی تھیں ۔ ان دروازوں پر باقاعدہ چوکیدار پہرہ دیتے تھے ، کیونکہ ان سے ملحق ، ایسے چھوٹے چھوٹے کمرے بھی پائے گئے ہیں جو چوکیداروں قسم کے لوگوں کی رھائش میں استعمال کیے جا سکتے تھے ۔ یہ بھی یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ پورا شہر مختلف محلوں میں بٹا ہؤا تھا اور ہر محلے کے گرد فصیل کھینچی تھی ، جو اسے دوسرے حصۂ شہر سے الگ کرتی اور جس کے بازار میں کھلتے دروازے خاصے مضبوط ہوتے تھے اور ان پر پہرہ دار بیٹھتے ۔ دن کو نہ سہی رات کو تو لازماً پہرہ دیتے تھے ، عام محلوں کے مکانات دو قسم کے ہیں ، ایک قسم کے مکانات کی لمبائی چوڑائی ۳۰ × ۲۷ فٹ ہے ۔ دوسری قسم کے مکانات اس سے دگنے بڑے ہیں ۔ بعض مکانات اس تقسیم سے ماوریٰ ہیں اور خاصے بڑے بڑے

۱۔ انڈس سویلزیشن ۔

ھیں ۔ ان کے بارے میں یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ ان میں ایک ھی خاندان رھتا تھا یا یہ کئی مشترک خاندانوں کی رھائش گاھیں تھیں ۔ بعض مکانوں کی دیواریں ھمسایہ مکانوں سے ایک ایک فٹ کے فاصلے پر بنی ھیں شاید اس کی وجہ یہ ھو کہ مشترک دیواریں ھمسایوں میں وجہ نزاع بنی تھیں ۔ اس لیے بہتر یہی سمجھا گیا کہ اپنے اپنے مکان کی دیواریں الگ الگ بنا لی جائیں ۔ تاھم ان دیواروں کو باھر سے بند کر دیا جاتا ، تاکہ موذی جانور ان میں پرورش نہ پا سکیں ۔

اکثر دیواروں کی موٹائی ، اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ مکانات دو منزلہ یا سہ منزلہ تھے ۔ یہ بات ان سوراخوں سے بھی ظاھر ھوتی ہے ، جو دیواروں کے اوپر کے حصوں میں موجود ھیں ۔ غالباً ان سوراخوں میں چھتوں کے شہتیر رکھے گئے تھے ۔

کئی مکانوں کے اندر کے حصوں میں پختہ اینٹوں کی سیڑھیاں موجود ھیں جو اس امر پردال ھیں کہ یہ یا تو اوپر کی چھت کو جاتیں یا اوپر کی منزل کو یہ سیڑھیاں خلا چھوڑے بغیر بنائی گئی ھیں ۔ بہت سے مکانوں میں سیڑھیوں کا نام و نشان نہیں ہے ۔ خیال ھوتا ہے کہ شاید ان مکانوں کی سیڑھیاں لکڑی کی تھیں عموماً سیڑھیاں اندر کی طرف بنی ھیں ۔ کہیں کہیں بازار کے رخ بھی کھلتی ھیں ۔ جس سے اندازہ ھوتا ہے کہ شاید نچلی منزل میں کوئی اور رھتا تھا اور اوپر کی منزل میں کوئی دوسرا ۔ چھتیں مسطح طرز کی ھوتی تھیں ۔ انہیں بارش سے کس طرح محفوظ رکھا جاتا ، یہ کچھ کہا نہیں جا سکتا کیونکہ چھتیں موجود نہیں ھیں ۔ البتہ مٹی کی پلیٹوں اور نالیوں کی موجودگی یہ خیال پیدا کرتی ہے کہ چھتوں کا پانی ان نالیوں کے ذریعے گلیوں میں پہنچایا جاتا تھا ۔ کہیں کہیں لکڑی کے پرنالے بھی موجود ھیں۱ ۔

اس وقت ایسی کوئی شہادت میسر نہیں ہے جس کی بنا پر یہ کہا جا سکے کہ مکانات میں کھڑکیاں ھوتی تھیں یا نہیں ھوتی تھیں ۔ غالب خیال یہ ہے کہ ھوا اور روشنی کے لیے چھتوں میں بالکل اسی انداز کے روشن دان رکھے جاتے تھے ، جو پہاڑی مقامات یا حیدر آباد کے مکانات کی

۱- موھن جو ڈیرو ، انڈس سویلزیشن ، ص ۳۴ - ۳۵ -

چھتوں میں اب بھی عام ھیں ۔ اور چونکہ کسی مکان کی چھت اس وقت موجود نہیں ہے ، اس لیے روشن دانوں کے بارے میں انکار یا اقرار نہ درایتاً درست ہے اور نہ روایتاً ۔ خصوصیت سے اس لیے بھی کہ یہ روشن دان لکڑی کے ہوتے تھے اور استدادِ زمانہ نے لکڑی کی کمزور ساخت کو چاٹ لیا ہے ۔

ان مکانات میں ایسی بھی علامات نظر نہیں آئیں ، جن سے یہ یقین ھو کہ اس وقت کی عورتیں ، پردہ دار تھیں اور بعض امراء کے گھر موجودہ دور کے ''حرموں'' کی حیثیت رکھتے تھے ؟ مکانات کے راستوں یا دروازوں کی جگھوں کو دیکھ کر یہ اندازہ مشکل ہے کہ دروازے کس طرح فٹ کیے جاتے تھے ۔ چونکہ کسی بھی دروازے کی جگہ پر پتھر کے حاشیے موجود نہیں ھیں اس لیے یقیناً عام دروازے لکڑی کے ہوتے تھے ۔ اور ان کے فریم خاصے موٹے ہوتے کہ دیواروں کا بوجھ برداشت کر جائیں ۔ عام دروازوں کی چوڑائی تقریباً سوا تین فٹ تھی ، بعض دروازے سات فٹ دس انچ چوڑے بھی تھے ۔ یہ دروازے غالباً ان مکانات کے ھیں جہاں چوپائے بھی رکھے جاتے تھے ۔

بعض مکانات میں پختہ اینٹوں کے ستون بھی برآمد ہوئے ھیں ، جو بنیاد میں تین فٹ چوڑے ھیں اور اوپر کے حصے میں پہنچ کر ڈھائی فٹ چوڑے رہ گئے ھیں ۔ زیادہ تر ستون گول یا تکونہ ھیں ۔ یہ ستون نیچے سے اوپر تک ایک گولائی اور ایک ھی ساخت کے ھیں۱ ۔

عام گھروں کے فرشوں پر گوبر ملی ہوئی مٹی لیپی جاتی تھی ، لیکن امراء اور کھاتے پیتے متمول گھروں کے فرش پختہ اینٹوں کے ہوتے ، بعض گھروں میں ٹائلز بھی استعمال کیے جاتے تھے ۔ بعض دیواروں میں الماریوں جیسے خلا بھی موجود ھیں ، غالباً ان خلاؤں میں لکڑی کے فریم فٹ کیے گئے تھے ۔ ھڈی اور گھونگوں سے بنے ہوئے قبضے اور کنڈے بھی بعض جگھوں سے دستیاب ہوئے ھیں ، جن سے گمان ھوتا ہے کہ اس زمانے میں صندوق بھی رکھے جاتے تھے ، اور دوسرا فرنیچر بھی استعمال ھوتا ۔ مگر یہ محض گمان ہے ، ٹھوس شہادت اس سلسلے میں کوئی بھی میسر نہیں آئی ہے ۔

۱۔ انڈس سویلزیشن ، ص ۴۲ — ۴۳ ۔

گو کھانا پکانے کا کام عام طور پر کھلے صحنوں میں ہوتا تھا تاہم گھروں میں باورچی خانے بھی موجود ہیں۔ جن میں اینٹوں کی چوکیوں پر چولھے بنے ہیں۔ اور ان کے فرشوں میں پختہ مٹی کی ''مٹیاں'' اور گھڑے، گڑے ہیں۔ غالباً ان میں یا تو تازہ پانی جمع رکھا جاتا یا ان میں مستعمل پانی ڈال دیا جاتا تھا۔

ہر گھر کی عمارت میں ایسے چھوٹے کمرے بھی پائے گئے ہیں جن کے بارے میں خیال ہے کہ یہ غسل خانے تھے یہ کمرے گلی یا کوچے کی سمت بنے ہیں، ان میں سے بعض میں دیواروں کے رخ کھڈیاں بھی موجود ہیں، غالباً بعض پاخانے اور غسل خانے، ان دنوں آج کی طرح مشترک ہوتے تھے اور غلاظت کی نکسی دیوار میں بنی ہوئی نالی کے ذریعے ہوتی۔

سر جان مارشل اور مسٹر میکی نے اس بات پر بڑے فخر کا اظہار کیا ہے کہ موہن‌جو ڈیرو کے لوگ بڑے صفائی پسند تھے۔ انھیں حفظانِ صحت کے اصولوں کا بڑا لحاظ تھا اور گندے پانی کی نکاسی کا انتظام خوب کر رکھا تھا۔ ہر گھر کے اندر اور باہر کی نالیاں نہ صرف پختہ ہوتیں بلکہ اوپر سے ڈھکی ہوتیں اور ڈھکی ڈھکی، بازار یا کوچہ کی بڑی زمین دوز نالیوں میں مل جاتیں۔ کہیں بھی تو گندا پانی یا غلاظت ماحول کو پریشان اور پراگندہ نہ کرتی۔ ہر غسل خانے کی نالی کے قریب ایک 'کھرا' لازماً بنتا، فرش کی اینٹیں نالی کے قریب کچھ اس طرح جھکا کر لگائی جاتیں کہ سارا مستعمل پانی نالی میں پہنچ جاتا جو مشترک پاخانہ کے اندر سے ہوتی باہر کی سمت پہنچتی۔ اس خیال سے کہ پانی دیواروں یا فرش کو خراب نہ کر دے، فرش اور کسی حد تک دیواروں کے ساتھ ٹائلز قسم کی پختہ مٹی کی تختیاں مسالوں سے جوڑ دی جاتیں[۱]۔

زیادہ تر گھروں کے دروازے ملحقہ گلیوں اور کوچوں میں کھلتے ہیں، مالکانِ مکان، اپنی حیاتِ فانی میں آمد و رفت کے وقت یہ دروازے استعمال کرتے۔ بڑے گھروں کے رہنے والے عموماً ان دروازوں سے آتے جاتے جو صحنوں میں کھلتے، یعنی گلی کی سمت صحن ہوتے۔ ان کھلے

۱۔ انڈس سویلزیشن، ص ۴۳۔

صحنوں میں بعض جگہیں ایسی بھی بنی ہوئی ہیں جن کے متعلق ماہرینِ تعمیرات کا خیال ہے کہ یہ کھلے باورچی خانوں کے طور پر استعمال ہوتی تھیں ۔ سر جان مارشل اور مسٹر میکے نے ایسی جگہوں پر ''تنور'' زمین میں مدفون پائے ہیں ۔ جن سے ان کا خیال ہے کہ بڑے گھروں کے صحنوں کی یہ چھتی ہوئی جگہیں باورچی خانے کے طور پر استعمال کی جاتیں اور زیادہ تر کھانا وہاں پکتا ۔

مسٹر میکے کا بیان ہے کہ عراق کے مدفون شہروں کی کھدائی کے وقت بھی ایسے '' تنور'' برآمد ہوئے ہیں ، اور خیال گزرتا ہے کہ عراق کے سومیری اور وادیٔ سندھ کے سومیری ، ایک ہی طرح کے '' تنوروں '' میں روٹیاں پکاتے ۔

بعض مکانوں کے صحنوں میں ''کھوریاں'' بھی بنی ہوئی پائی گئی ہیں ۔ غالباً ان گھروں کے مالک ، اپنے پالتو دودھ دینے والے جانوروں کو اپنے مکانوں کے صحنوں میں باندھ لیتے تھے جیسے کہ ان دنوں بھی پنجاب ، سندھ اور سرحد کے دیہات میں عام دستور ہے ۔

لیکن فاضل میکے کے نزدیک ، کھوریوں کی موجودگی ، اس بات کی شہادت نہیں بن سکتی کہ موہن‌جو ڈیرو کے وہ لوگ جن کے پاس ایک یا دو جانوروں سے زیادہ جانور ہوتے ، اپنے جانوروں کو شہر کے گھروں میں باندھتے ، ان کے خیال میں بات یہ نہ تھی ، اکا دکا جانور تو اندر باندھ لیے جاتے باقی سب نواحی بستیوں میں رکھے جاتے ۔ مسٹر میکے کا یہ خیال بھی خاصا وزن رکھتا ہے کہ ان دنوں موہن جو ڈیرو کے لوگ صرف گائے ، بیل اور گدھے سے متعارف تھے ، شاید انھوں نے باربرداری میں ابھی اونٹ سے کام لینا شروع نہیں کیا تھا اور اس جانور نے ابھی موہن جو ڈیرو کے بازاروں کو پامال کرنے کا شرف نہیں پایا تھا ؟ موہن جو ڈیرو کے گندے پانی کی نکاسی کے انتظام پر ، مسٹر میکے نے نسبتاً زیادہ روشنی ڈالی ہے ۔ ان کے نزدیک موہن‌جو ڈیرو اس باب میں پورے مشرق سے سبقت لے گیا تھا ۔ پورے شہر کے ہر بازار اور کوچے کے نیچے ڈھکی ہوئی پختہ نالیاں تعمیر کی گئی تھیں ۔ اور ان ڈھکی ہوئی پختہ نالیوں میں ، گلی ، کوچوں کی دونوں سمت بنے ہوئے مکانات کی نالیاں مل جاتی تھیں ۔ اور شہر بھر کی غلاظت زمین کے اندر ہی اندر شہر سے بہت دور باہر کے کھیتوں میں پہنچا دی

جاتی تھی ۔ جو نالیاں کھدائی کے وقت برآمد ہوئی ہیں ، ان میں سے بعض بارہ اور نو انچ گہری اور اس سے دگنی چوڑی ہیں ۔ یہ پختہ اینٹوں سے بنی ہیں ، کہیں کہیں تو ان کی تعمیر میں گارا استعمال ہوا ہے اور کہیں کہیں چونے سے کام لیا گیا ہے ۔ زمین کی سطح کے اندر بنی ہوئی نالیوں کو اوپر سے زیادہ تر کھلی اینٹوں سے ڈھک گیا ہے ۔ تاکہ اگر کبھی نالی بند ہو جاتی تو اینٹیں اٹھا کر اسے کھول دیا جاتا ۔ بڑی نالیاں چونے سے بنی ہیں اور ان کو بڑے سائز کی اینٹوں اور پتھروں سے ڈھکا گیا ہے ۔

آج کے زمانے میں جس طرح ڈھکی ہوئی زمین دوز نالیوں میں جا بہ جا 'مین ہول' بنائے جاتے ہیں ، اس طرح ان نالیوں میں بھی بنائے گئے ہیں ۔ اور اس بات کی خاص احتیاط رکھی گئی ہے کہ انفرادی گھروں کی نالیاں سیدھی آن کر بڑی نالیوں میں نہ مل جائیں ۔ وہ اپنے اپنے ''مین ہول'' میں پہلے پہنچیں اور جب مین ہول ایک خاص سطح پر آجائے تو پانی پھر آگے کو بہ کر ، بڑی نالی میں داخل ہو ۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ نالیاں یک دم بڑی نالی کو بھر نہ دیں ۔ جو شہری اینٹوں کے مین ہول بنانے پر قادر نہ تھے ، وہ اپنی اپنی نالی کے بہاؤ کو روکنے کے لیے پختہ مٹیاں زمین میں گڑھ دیتے ، جن کے نیچے معمولی سا سوراخ ہوتا اور گندا پانی آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر بڑی نالی میں پہنچتا ۔ نالیوں کے سروں پر ایسی پختہ مٹیوں کی برآمدگی اس امر کی دلیل ہے کہ امراء تو امراء ، عوام اور غریب شہری بھی ، احساس ذمہ داری سے مالا مال تھے اور حفظانِ صحت کے اصولوں کی لازماً پابندی کرتے تھے[۱] ۔

ان دنوں لاھور یا کراچی کے زمین دوز نالوں کے کنوؤں میں جس طرح سیڑھیاں بنائی جاتی ہیں کہ اگر کسی وقت ان گندے کنوؤں میں صفائی کی غرض سے اترنا پڑ جائے تو آسانی رہے ۔ بالکل اسی طرح سوھن جو ڈیرو کے بڑے نالوں کے اندر مناسب فاصلوں پر سیڑھیوں والے کنویں تعمیر کیے گئے ہیں ۔ نیز جہاں اونچی نالیاں ، نچلی سطح کے نالوں میں آن کر ملتی ہیں وہاں جا بہ جا پختہ اینٹوں کے سٹیج موجود ہیں ۔ تاکہ گندا پانی بہاؤ کے وقت آس پاس کی زمین میں '' سیلن '' نہ پیدا کر دے ۔

---

۱ ۔ انڈس سویلزیشن ، ص ۴۴ — ۴۵ — ۴۶ — ۴۷ ۔

ان دنوں چونکہ سندھ میں بارش بہت ہوتی تھی اس لیے بارش کے پانی کی نکاسی کا انتظام بھی بہت عمدہ ہے۔ پورے شہر کے ارد گرد پختہ نالیوں کا جال پھیلا ہے، جن کی تعمیر میں موہن جو ڈیرو کے معماروں نے حد درجہ ہنرمندی کا مظاہرہ کیا ہے[۱]۔ اور اگر یہ نظام کسی موجودہ شہر میں موجود ہو تو اسے مہذب دنیا کے سامنے قطعاً شرمسار نہ ہونا پڑے[۲]۔ اس نظام میں، فاضل میکے نے ایک نقص بھی نکالا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ زمین دوز نالیاں اور بازار میں واقع پانی کے عام کنویں، کچھ اس درجہ قریب تھے کہ کنوؤں میں نالیوں کی گندگی کا اثر پہنچ جاتا تھا اور بیماریوں کا موجب بنتا تھا۔

گندے پانی کی نکاسی کی طرح، پینے کے پانی کی بہم رسانی کا انتظام بھی موہن جو ڈیرو میں بہت اچھا اور عمدہ تھا۔ امراء کے گھروں میں سے ہر گھر میں لازماً ایک کنواں ہوتا، جو گھریلو ضروریات کے لیے مکتفی ہوتا۔ محلوں میں پرائیویٹ کنوؤں کے علاوہ عوامی استعمال کے کنویں تھے یا نہ تھے، حتماً کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ جب آبادی بڑھ گئی ہو، امراء نے اپنے ہاں کے انفرادی کنوؤں کو عام کر دیا ہو[۳]۔ جن کمروں میں کنویں بنائے جاتے ان کے فرش بہت پختہ ہوتے اور اس بات کا پورا اہتمام کیا جاتا کہ پانی کی سیلن عام عمارت کو نقصان نہ پہنچائے۔ بعض کنوؤں کے بیرونی فرشوں میں بڑی تعداد میں پختہ مٹیاں مدفون پائی گئی ہیں، غالباً خیال یہ ہے کہ کنوؤں سے پانی نکال کر، بہ وقت ضرورت استعمال کے لیے ان مٹیوں میں جمع کر لیا جاتا تھا[۴]۔

عوامی استعمال کے کنوؤں کے اوپر کے حصے میں مضبوط گول دیوار بنائی گئی ہے اور اس دیوار کے ساتھ ساتھ منتظر عوام کے لیے نئی نشست گاہیں ہیں۔ جہاں عوام اپنی باری آنے تک آرام سے بیٹھ کر ایک دوسرے

۱۔ انڈس سویلزیشن، ص ۵۰ - ۵۱ - موہن جو ڈیرو، ص ۳۷ -

۲۔ ایضاً

۳۔ مانچسٹر گارڈین جنوری ۱۹۳۲ء میں السٹرئیڈ ویکلی، لندن نیوز ۲۷ فروری ۱۹۲۶ء -

۴۔ مسٹر بریس فورڈ کا مضمون ہندوستان ٹائمز فروری ۱۹۳۲ء -

سے گپیں ھانک سکتے تھے ۔ انفرادی استعمال کے کنوؤں کی چوڑائی عموماً تین فٹ ، کہیں کہیں دو فٹ اور کہیں سات فٹ بھی ہے ۱ ۔ معلوم ہوتا ھے کہ سات فٹ چوڑے کنویں عوامی استعمال کے تھے اور باقی انفرادی ملکیت تھے ، اور غالباً اتنے مختصر اور چھوٹے دائرے کے اس لیے ہوتے تھے کہ ان میں بچوں کے گرنے کا احتمال کم سے کم ہو جائے ۔ ہو سکتا ھے کہ ان انفرادی کنوؤں کے اوپر لکڑی کے ایسے جنگلے بھی بنے ہوں جن کے ذریعے مزید حفاظت کی جا سکتی تھی ، لیکن چونکہ لکڑی امتدادِ زمانہ کے پتھروں کی مار نہیں کھا سکی ، اس لیے ایسا کوئی ' جنگلہ ' دستیاب نہیں ہوا ۔

چونکہ دریائے سندھ کی لائی ہوئی مٹی کے سبب پچھلے پانچ ہزار سال میں ماحول کی زمین کم سے کم پندرہ فٹ اونچی ہو گئی ھے اس لیے بہت سے کنویں نچلی سطح تک کھودے نہیں جا سکے ۔ اس لیے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کتنے گہرے تھے اور ان کے اندر اتفاقاً کیا چیزیں گر گئی تھیں۲ ۔

انڈس سویلزیشن کے مصنف کے نزدیک بعض ایسی عمارتیں بھی برآمد ہوئی ھیں جن کے بارے میں گمان ہوتا ھے کہ یہ ہوٹلوں یا ریستورانوں کی تھیں ۔ موھن جو ڈیرو کے باشندے آج سے ساڑھے پانچ ہزار سال قبل ، ان میں بیٹھ کر مشروبات پیتے اور کھانا کھاتے ۔ انہوں نے اس وقت شراب ایجاد کر لی تھی یا نہیں ، کچھ کہا نہیں جا سکتا ۔ بہرحال ان کی مجلسی زندگی اس حد تک ترقی کر چکی تھی کہ وہ ریستورانوں یا ہوٹلوں میں جمع ہوتے۳ ۔

بودھ معبد کے آثار سے کسی قدر فاصلے پر جنوبی رخ کی جو بڑی عمارت واقع ھے یہ شاید " منڈی " تھی ، اور موھن جوڈیرو کے لوگ اس منڈی میں آن کر سودا سلف خریدتے تھے ۔ یہ عمارت ایک بہت بڑے ھال پر مشتمل ھے ، جو تقریباً پچاسی فٹ کے رقبہ میں ھے اور اس کے اندر مختلف سٹال بنے ھیں ، جو دوکانوں کے طور پر استعمال کیے جاتے ھیں ۔ بددھ معبد

۱۔ انڈس سویلزیشن ص ۵۱ ۔

۲۔ سر جان مارشل جز اول ص ۲۷۰ ۔

۳۔ انڈس سویلزیشن ص ۵۶—۵۷

کے مغرب میں ، موہن جو ڈیرو کی اب تک برآمد ہونے والی عمارات میں سے سب سے عمدہ اور عجیب عمارت بھی دستیاب ہوئی ہے ۔

سر جان مارشل نے یہ عمارت ، ۱۹۲۵ - ۱۹۲۶ء میں برآمد کی تھی ۔ اس عمارت میں ایک بڑا وسیع حمام یا تالاب واقع ہے ، جو انتہائی پختہ عمدہ اینٹوں سے بنا ہے ، اس کی لمبائی ۳۹ فٹ تین انچ اور چوڑائی تیئیس فٹ دو انچ ہے ۔ جس کے دو راستے ہیں ۔ اور ان راستوں تک پہنچنے کے لیے سیڑھیاں بنی ہیں ۔ ان سیڑھیوں کے نیچے ، سولہ انچ اونچا اور انتالیس انچ چوڑا پلیٹ فارم ہے ۔ یہ غالباً بچوں کے حمام کے طور پر استعمال ہوتا تھا ۔ اس کے گرد دو پختہ راستے ہیں ، ایک کی لمبائی پندرہ فٹ اور ایک کی سات فٹ ہے ۔

سرجان مارشل نے اپنی عظیم تصنیف موہن جو ڈیرو اینڈ انڈس سویلزیشن میں اس حمام کا ایک مرتب نقشہ بھی شامل کیا ہے ۔ اس نقشے میں حمام یا تالاب ساری عمارت کے بالکل وسط میں واقع ہے ۔ تالاب یا حمام کے چاروں طرف برآمدے بنے ہیں ۔ جن میں سے متعین برآمدوں کے پیچھے یا ان میں کھلتے چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں ۔ جنوب میں ایک لمبی گیلری ہے جس کے ہر کونہ میں ایک چھوٹا کمرہ ہے ۔ مشرق میں چھوٹے چھوٹے کمروں کا ایک سلسلہ خاصا دور تک بڑھا چلا گیا ہے ۔ شمال میں کئی ہال اور خاصے بڑے بڑے کمرے ہیں ۔ تالاب کو اس کنویں کے ذریعے بھرا جاتا جو کمرہ نمبر ۱۶ میں اب بھی موجود ہے ۔ خیال ہوتا ہے کہ تالاب کو بھرنے کے لیے کئی آدمی بیک وقت ، حمام میں موجود رہتے تھے اور اسے بھرتے رہتے تھے ۔ ہو سکتا ہے کہ اس عمارت کے دوسرے حصوں میں جو کنویں موجود ہیں ، ان سے بھی تالاب بھرنے کے لیے پانی نکالا جاتا ہو ۔ کنوؤں والے کمروں کے نیچے سے نالیاں تالاب تک آتی ہیں ۔ پانی نکالنے والے ان نالیوں میں پانی ڈالتے جاتے اور یہ نالیاں تالاب کو بھرتی جاتیں ۔ تالاب کے جنوب مغربی کونے میں ایک بہت عمدہ اور پختہ نالی اور بھی ہے ۔ اس نالی کے ذریعے تالاب کا گندا پانی باہر نکالا جاتا ۔

کمرہ نمبر ۱۹ میں ایک سیڑھی بھی واقع ہے جس سے سر جان مارشل نے اندازہ کیا ہے کہ یہ سیڑھی حمام کی اوپر کی منزل کو جاتی تھی اور غالباً حمام کے اوپر ایک اور منزل بھی بنی تھی ۔ اس وقت نچلے حصے کی

عمارت میں حمام کے چاروں طرف پھیلے برآمدوں کے جو آدھے آدھے ، غیر ملکی ستون موجود ھیں ۔ یہ اوپر تک جاتے تھے اور اوپر کے چھار طرفہ برآمدے کے ستون تھے ۔ بہرحال چونکہ یہ منزل اس وقت موجود نہیں ہے اس لیے یہ سب قیاسات ھیں ۔ اس شاندار عظیم عمارت کی ساری دیواریں ، حمام اور ستون ، ننگے ھیں ۔ کسی پر بھی پلستر موجود نہیں ہے ، نہ کوئی اور زیبائش ھی موجود ہے ، اس لیے نہیں کیا جا سکتا کہ ساڑھے پانچ ہزار سال پہلے کے اس حمام میں کس قسم کی زیبائش کی گئی تھی اور زیادہ زیبائش لکڑی کی تختیوں کے ذریعے کی گئی تھی یا کوئی اور صورت اختیار کی گئی تھی ۔

بہرحال سر جان مارشل نے اس حمام یا تالاب کو عظیم حمام یا تالاب کا نام دیا ہے ۔ ان کے نزدیک پوری عمارت کا طول شمال سے جنوب کی سمت ۸۰ فٹ اور مشرق سے مغرب کے رخ ۱۰۸ فٹ ہے ۔ بیرونی دیواریں ۷ اور ۸ فٹ کے قریب چوڑی ھیں ۔ اور اندرونی دیواریں تقریباً بیرونی دیواروں سے آدھے حجم میں ھیں[۱] ۔ اس خیال سے کہ حمام کا پانی دیواروں کو نقصان نہ پہنچائے حمام کے چاروں طرف کی دیواریں جب چنی گئیں تو اینٹوں کو جوڑنے کے لیے چونہ استعمال کیا گیا تھا ۔ تالاب سے کسی قدر فاصلہ پر مسٹر میکے نے ایک اور عمارت بھی برآمد کی ہے جو غالباً گرم ''حمام'' کی عمارت تھی اس میں آٹھ منفرد اور تنہا کمرے بنے ھیں ، جو غالباً تنہا پسند لوگوں کے استعمال میں آتے تھے ۔ ان کے دروازے کچھ اس قسم کے تھے کہ باھر کے لوگ اندر جھانکنا چاھتے تو جھانک نہ سکتے ۔ پھر ھر کمرے کا دروازہ ، ایک دوسرے کے مقابل نہیں ہے کسی قدر ھٹ کر بنایا گیا ہے ۔ دونوں سمت کے کمروں کے مابین ایک گزر گاہ یا غلام گردش بھی ہے جس میں غالباً وہ خادم موجود رھتا ہے ، جو غسل خانوں میں نہانے والوں کو گرم یا سرد پانی بہم پہنچاتا ہے ۔

اس کے علاوہ ایک اور بڑی عمارت بھی نمودار ہوئی ہے ۔ یہ شمال کی سمت واقع ہے ۔ یہ دو سو بیالیس فٹ لمبی اور ایک سو بارہ فٹ چوڑی ہے اور اس کی دیواریں پانچ فٹ موٹی ھیں ، اور اس کے جنوب اور مغرب میں

۱۔ سرجان مارشل جلد اول ، ص ۲۵ ۔

دو راستے ھیں - جو پوری عمارت کو محیط ھیں - بڑا ھال کئی چھوٹے چھوٹے کمروں میں بٹا ھے ، لیکن ایسا معلوم ھوتا ھے کہ یہ کمرے بعد میں بنے - اصل عمارت صرف بڑے ھال کی تھی - ھو سکتا ھے کہ یہ کوئی معبد ھو یا اسمبلی ھال ھو - اس لیے کہ اس سے تھوڑے فاصلے پر ، ایک محل نما کی عمارت بھی واقع ھے - جس میں اس دور کے '' محلات '' کے تمام آثار موجود ھیں - بیرونی حصوں میں ملازموں کی اقامت گاھیں ھیں اور چاروں طرف عمدہ اور نفیس صحن ھے بڑی عمارت ، پہلی عمارت کی طرح ایک بڑے ھال پر مشتمل ھے - جو دو سو بیس فٹ لمبا اور ایک سو پندرہ فٹ چوڑا ھے ، اور پہلی عمارت کی طرح اس کی دیواریں بھی پانچ فٹ موٹی ھیں - اور اس کے ھر طرف کھلے کھلے بازار ھیں - اس کے اندر تین کنویں بھی ھیں اور اس کے بیرونی دروازے اور عام رھائشی مکانات ایسے ھیں ، جس سے خیال ھوتا ھے کہ یہ عمارت حاکم شہر کی رھائش گاہ تھی اور اس سے ملحقہ عمارت شہر کی سبھا یا سمیتی یا اسمبلی ھال کی تھی -

موھن جو ڈیرو کی عمارات میں سے کسی ایک عمارت کے نیچے بھی کوئی تہ خانہ یا گودام اور خزانہ دستیاب نہیں ھوا - جس سے خیال ھوتا ھے کہ اس شہر کے لوگ زمین میں خزانے مدفون کرنے کے عادی نہ تھے جیسا کہ مصر کے لوگوں میں عام رواج تھا [۱] -

مذھبی علامات

موھن جو ڈیرو اور اس کے آثار و باقیات میں سے ایسی کوئی شہادت میسر نہیں آئی ھے جس سے اس کے آباد کاروں کے مذھب سے متعلق کوئی رائے قائم کی جا سکے - ھو سکتا ھے کہ وہ عمارت جو مسٹر بینرجی کے نزدیک بدھ مذھب کے بھکشوؤں کی تھی اپنی نچلی تہ میں کوئی مندر چھپائے ھو لیکن چونکہ اس عمارت کے اندر سے کوئی بت برآمد نہیں ھوا اس لیے اسے مندر ٹھیرانا محض قیاس ھے -

اگر کوئی بت ملا ھے تو وہ جسم کے اندر کے حصے کا ھے - جو تقریباً سات انچ اونچا ھے - چونکہ اس کا نچلا حصہ ندارد ھے اور ٹوٹا ھوا معلوم ھوتا ھے اس لیے خیال ھے کہ اصل مجسمہ اس سے زیادہ بڑا ھوگا -

---

۱- انڈس سویلزیشن ، ص ٦ -

اس مجسمے کے بائیں کندھے کے اوپر چادر کا ایک کونہ لپٹا ہے جو سینے پر سے ہوتا ہؤا دائیں بغل تک پہنچتا ہے ، یہ مجسمہ ، ہڑپا اور موہن جو ڈیرو میں کئی جگہوں پر ملا ہے - اس لیے ماہرینِ آثارِ قدیمہ ، خصوصیت سے مسٹر واٹس ، مسٹر میکے اور سر جان مارشل کا خیال ہے کہ یہ کسی باعظمت اور مقدس شخصیت کا ہے -

قریب قریب یہی نوعیت ان مجسموں کی بھی ہے جو قدیم سومر کی کھدائی کے وقت برآمد ہوئے ہیں - مجسمہ کی آنکھیں آدھی کھلی ہیں اور آدھی بند ہیں ، چہرہ پر داڑھی ہے ، مگر مونچھیں منڈھی ہیں - دونوں ہونٹ پورے ہیں - ناک البتہ کٹی ہوئی ہے ، ایسا لگتا ہے کہ اصل میں ناک پورے حجم کی تھی - مجسمہ کے گرد لپٹی عبا سے خیال ہوتا ہے کہ یہ مجسمہ کسی راہب یا تارک الدنیا شخص کا تھا اور وہ دراصل آدمی تھا -

سر جان مارشل اور مصنف انڈس سویلزیشن کا گمان ہے کہ موہن جو ڈیرو ، ہڑپا اور عر اور کش کے باشندے ، اس مجسمے کے پرستار تھے اور بت پرستی ان کا مذہب تھا ۱-

اس بات کی شہادت ماتا دیوی کے ان مجسموں سے بھی ملتی ہے ، جو موہن جو ڈیرو اور ہڑپا سے یکساں برآمد ہوئے ہیں اور عر ، کتر ، سوسا اور العبید میں بھی مدفون پائے گئے ہیں - غالباً یہی وہ ماتا دیوی ہے جو اب بھی مشرقی ہندوستان کے بعض طبقات میں پہلے ہی کی طرح پوجی جاتی ہے ۲ -

کچھ اور مجسمے بھی ایسے برآمد ہوئے ہیں ، جنہیں دیوتاؤں کے مجسمے قرار دیا جا سکتا ہے - مثلاً وہ مجسمے جن کے سروں پر ، بکریوں یا بیلوں کی طرح کے سینگ بنے ہیں - ان کے چہروں کی ندرت ان کے دیوتا ہونے پر دال ہے - کھنڈرات میں مدفون بعض مہروں اور برتنوں پر بھی کچھ ایسی تصاویر بنی ہیں ، جو دیوتاؤں ایسی ندرت رکھتی ہیں - ان کے بارے میں بھی قیاس گزرتا ہے کہ وہ بھی پوجی جاتی تھیں - ان تصاویر

۱- انڈس سویلزیشن ، ص ۶۶ — ۶۷ -

۲- سر جان مارشل جلد اول ، ص ۵۰ -

میں نر تصاویر بھی ہیں اور مادہ بھی ، مادہ تصاویر عموماً ننگی ہیں ۔ صرف گلوں میں ہار اور بانہوں میں کنگن پہنے ہیں ۔

بعض عجیب‌الخلقت جانوروں کے مجسمے جو خاصی محنت اور توجہ سے بنائے گئے معلوم ہوتے ہیں ، کئی جگہوں سے ملے ہیں ۔ ان میں سے بعض مجسمے تو دس فٹ دس انچ اونچے ہیں اور پتھر کی تختیوں پر کاٹے گئے ہیں ۔ ان کی ندرت بھی اس امر پر دال ہے کہ وہ جانوروں کی شکل میں دیوتا تھے ۔ اور موہن جو ڈیرو اور ہڑپا کے لوگ ان عجیب‌الخلقت مجسموں کی شاید پرستش کرتے تھے ۔ ان مجسموں میں سے بہت سے ٹوٹے ہوئے ہیں اور اچھی طرح پہچانے نہیں جاتے ۔ صرف ایک مجسمہ اچھی حالت میں ہے جس کی شکل تو مینڈھے کی ہے مگر منہ کے آگے ہاتھی کی طرح سونڈ لگی ہے ۔

بعض مجسمے ، بیلوں کی شکل کے بھی ہیں ۔ جن کے گلوں میں ہار پڑے ہیں ۔ مگر چونکہ مجسمے بری طرح مسخ شدہ ہیں اس لیے ان کی شکل و صورت سے متعلق حتمی رائے قائم کرنا بہت مشکل ہے ۔ ان مجسموں کی شکلیں کس نے بگاڑیں اور کب بگاڑیں ، یہ کہنا بہت مشکل ہے ۔ چونکہ ، جانوروں کے مجسموں کے ساتھ ساتھ ، انسانی مجسمے بھی مسخ شدہ ہیں ، اور ٹوٹے ہوئے ہیں اس لیے خیال ہوتا ہے کہ یہ کسی ایسے فاتح نے بگاڑیں تھیں جو بت پرستی کے خلاف تھا ۔ یہ کون تھا تاریخ اس کے بارے میں قطعاً خاموش ہے ۔ چونکہ یہ تباہی وادیٔ سندھ میں آرین قبائل کی آمد پر وقوع میں آئی تھی۱ ۔ اس لیے خیال ہوتا ہے کہ یہ کارنامہ آرین کا ہے جو موہن جو ڈیرو پر حملہ آور ہوئے تھے اور اس پر تباہی لائے تھے۲ ۔

سر جان مارشل کے نزدیک ، بعض وہ مجسمے جن کے سر تین تین اور چار چار ہیں ، شیوا دیوتا کے مجسمے ہیں اور قریب قریب ویسے ہی ہیں جیسے کہ ان دنوں مشرقی ہندوستان میں مروج ہیں۳ ۔

۱- ونڈر دیٹ واز انڈیا ، ص ۲۸ ۔

۲- انڈس سویلزیشن ، ص ۷۰—۷۱ ۔

۳- سر جان مارشل ، جلد اول ص ۵۲ ۔

شیو دیوتا کے بارے میں عـام علمائے تاریخ کا خیـال ہے کہ یہ ہندوستان کے بہت قدیم دیوتاؤں میں سے ہے اور اس کی پرستش قدیم از تاریخ کے دور سے مروج ہے ۔ یوں یہ حتماً نہیں کہا جا سکتا کہ وادیٔ سندھ میں سے جس تین یا چار چہروں والے دیوتا کی تصویریں ملی ہیں یہی شیو دیوتا ہے ۔

بہرحـال اس دیوتا کی تصویروں پر مشتمل کئی مہریں بھی موہن جو ڈیرو سے برآمد ہوئی ہیں ۔ جن میں سے تین تو بڑی اہمیت رکھتی ہیں ۔ دو مہروں کی تصاویر میں دیوتا ایک سٹول پر بیٹھا ہے اور تیسری میں زمین پر تشریف فرما ہے ۔ اس کا جسم ننگا ہے بجز کمر کے جس کے گرد ایک فیتہ لپٹا ہے اور ہاتھوں میں کئی کڑے پہنے ہوئے ہے ۔ دو تصویروں میں اس کے چہرے تین تین ہیں اور ایک میں صرف ایک ہے ۔ جس ماتا دیوی کے مجسمے ، موہن جو ڈیرو اور ہڑپا سے برآمد ہوئے ہیں ، ان کے بارے میں یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ وہ آیا کنواری دیوی تھی یا اس دیوتا کی بیوی تھی جس کی تصاویر مہروں پر کھدی ہیں ۔ ہندوستان میں اب بھی جس ماتا دیوی کی پرستش ہوتی ہے اس کے کئی نام ہیں ۔ مثلاً روما ، پاربتی ، درگا اور کالی مائی جو تباہی اور بربادی کی دیوی ہے ۔ وادیٔ سندھ کی دیوی ، آیا ان دیویوں کے صفات سے متصف تھی یا اس کے صفات ان سے جداگانہ تھے یہ کہنا بھی آسان نہیں ہے ۔

وادیٔ سندھ کے معبودوں سے متعلق ایک عجیب سا نظریہ ، اس تصویر کو دیکھ کر پیدا ہوتا ہے جس میں ایک سینگوں والی دیوی پیپل کے درخت پر تشریف فرما دکھائی گئی ہے جس کے آگے ایک اور بت جھکا ہؤا ہے ، ہو سکتا ہے یہ موجودہ ہندو مذہب کی لکشمی دیوی ہو ، جس کے بارے میں خیال کیا گیا ہے کہ وہ پیپل کے درخت پر مقیم ہؤا کرتی تھی ۔

فاضل میکے کے نزدیک موہن جو ڈیرو اور ہڑپا سے کئی ایسی مہریں بھی برآمد ہوئی ہیں جن پر عجیب نوعیت کے درختوں کی تصاویر ہیں ۔ ان تصاویر کو دیکھ کر فاضل میکے اور سر جان مارشل کو خیال ہوا ہے کہ

۱۔ انڈس سویلزیشن ، ص ۷۴ ۔

۲۔ سر جان مارشل جلد اول ، ص ۶۳ ۔

یہ تین درخت ، ان شہروں کے باشندوں کے نزدیک مقدس تھے اور بعض لوگ ان کی پرستش کرتے تھے ۔

سر جان مارشل نے ، موہن جو ڈیرو اور ہڑپا سے ایسے لنگ اور یونی بھی برآمد کیے ہیں ۔ جنھیں دیکھ کر وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ وادیٔ سندھ کے آباد کار 'لنگ اور یونی' کے بھی پرستار تھے اور انھیں اپنے بنائے ہوئے پتھر کے بتوں کے آگے جھکنے میں خاصی تسکین ملتی تھی ۔ سر جان مارشل نے موہن جو ڈیرو اور ہڑپا سے ایسی لاتعداد مہریں برآمد کی ہیں ، جن پر بیل ، ہاتھی ، شیر ، چیتے ، زیبرے اور بھینس کی تصویریں بنی ہیں ۔ گو یہ تصاویر عام شکل و صورت کے جانوروں کو ظاہر کرتی ہیں اور ان کی تصویری کیفیت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ معبود ہیں ، تاہم سر جان مارشل کا خیال ہے کہ یہ جانور بھی ، موہن جو ڈیرو اور ہڑپا کے لوگوں کے معبود تھے ۔ وہ ان پر قربانیاں چڑھاتے اور انھیں فارغ البالی کا ضامن گردانتے تھے ۔

سر جان مارشل نے موہن جو ڈیرو اور ہڑپا کی کھدائی کے وقت ، بندروں ، ریچھوں ، سؤروں ، کتوں ، ہرنوں اور مینڈھوں کے بت یا مجسمے بھی برآمد کیے ہیں ۔ یہ بت یا مجسمے پتھر کے بھی ہیں اور تانبے ، پیتل یا کانسی کے بھی ۔ ان میں سے اکثر کو تو سر جان مارشل نے 'بچوں' کے کھلونے مانا ہے لیکن بعض کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ یہ بھی ان لوگوں کے معبود تھے ، یا اگر معبود نہ تھے تو بہر حال برکت کا ضرور موجب تھے ۔ سر جان مارشل کا خیال ہے کہ موہن جو ڈیرو اور ہڑپا میں بندر دیوتا کی پرستش خوب ہوتی تھی ۔ یہ بندر دیوتا آدھا آدمی کی شکل کا تھا اور آدھا جانور کی شکل کا ، سر جان مارشل کے نزدیک موہن جو ڈیرو اور ہڑپا مکانات میں غسل خانے یا حمام بنانے پر جو غیر معمولی توجہ کی گئی ہے اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ پانی کے پرستار تھے ۔ اور روزانہ غسل ان کی مذہبی رسوم میں شامل تھا ، اور وہ غسل کیے بغیر دنیاوی کام کاج کا آغاز نہ کرتے تھے ۔ اس اظہار خیال کے ساتھ ساتھ سر جان

۱۔ سر جان مارشل جلد اول ، ص ۶۳ ۔

مارشل نے یہ اعتراف بھی کیا ہے کہ ان کے پاس یہ ثابت کرنے کے لیے ٹھوس دلائل نہیں ہیں ۔ یوں انھوں نے اس سلسلہ میں اپنے دور کے آریوں اور غیر آریوں کی دریا پرستی اور صبح صبح گنگا و جمنا پر اشنان کرنے کی رسم کو بہ طور استشہاد پیش کیا ہے ۔

موہن جو ڈیرو اور ہڑپا کے باشندوں کے نزدیک ' رقص ' کہ عبادت کا حصہ بنا تھا یا نہیں اس سلسلے میں کوئی واضح شہادت ماہرینِ آثارِ قدیمہ کے ہاتھ نہیں لگی ۱۔ حالانکہ ان دنوں ہندوستان کے غیر آرین قبائل میں رقص ایک اہم مذہبی جزو ہے ۔

بلا شبہ موہن جو ڈیرو کے آثار میں سے ایک ایسی تصویر بھی میسر آئی ہے جس پر ایک شخص ڈھول پیٹتا دکھائی دیتا ہے اور اس کے گرد بہت سے لوگ ناچ رہے ہیں ۔ اس سے یہ ثبوت تو واقعتاً ملتا ہے کہ رقص کا ان دنوں رواج تھا ۔ لیکن آیا ، رقص مذہبی عبادت کا جزو تھا یا نہ تھا اس سوال کا جواب اس وقت تک کے شواہد کی روشنی میں دیا نہیں جا سکتا ۔ ہڑپا سے بھی ایک ایسی تصویر ملی ہے جس میں ایک آدمی ایک شیر کے سامنے ڈھول پیٹ رہا ہے ۔ ایک اور تصویر پر ایک عورت ، ایک بیل کے سامنے ناچتی نظر آتی ہے ۔ اور یہ بیل وہی ہے جو پیچھے ، دیوتاؤں میں مذکور ہو چکا ہے ۔ اگر یہ بیل دیوتا تھا اور عورت اس کے سامنے ناچ رہی تھی تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ رقص نے ' تقدس ' کا جامہ بھی پہن لیا تھا ۔

' رائے بہادر دیا رام ساہنی نے ایک رقاصہ کا تانبے کا مجسمہ بھی برآمد کیا ہے ۔ یہ مجسمہ بالکل ایسی ہی رقاصوں سے مشابہ ہے جو بعد میں ' دیو داسیاں ' کہلائیں ۔ اور ہندو مندروں کے ساتھ لازماً مخصوص ہوتیں ۔ ہو سکتا ہے تانبے کے مجسمے والی یہ ناچنے والی دیوداسی ہو اور موہن جو ڈیرو کے کسی مندر کے ساتھ متعلق ہو ۲۔

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب موہن جو ڈیرو میں مندر ہی نہ تھے اور کوئی مندر برآمد ہی نہیں ہوا ، تو مندر سے متعلق دیو داسی کا

۱۔ انڈس سویلزیشن ، ص ۹۳ ۔
۲۔ ونڈر دیٹ واز انڈیا ، ص ۲۸ ۔

وجود کیا معنی رکھتا ہے ؟

سوھن جو ڈیرو میں سے کوئی قبرستان برآمد نہیں ھوا اور نہ ایسے واضح پختہ آثار ملے ھیں ، جو قبروں کے ھوں اور جن میں مردے مدفون پائے گئے ھوں ، یقیناً ابھی تک کھدائی مکمل نہیں ھوئی ، ھو سکتا ہے کہ تکمیل کے بعد کوئی قبرستان برآمد ھو جائے ، تاھم ابھی تک یہ کہنا قبل از وقت ہے کہ سوھن جو ڈیرو یا ھڑپا کے باشندے اپنے مردوں کو آج کل کے مسلمانوں کی طرح دفن کرتے تھے یا ھندوؤں کی طرح جلایا کرتے ۔

بلا شبہ چوبیس انسانی ڈھانچے مختلف مکانوں کے اندر سے دستیاب ھوئے ھیں ، ان میں سے بعض سیڑھیوں پر گرے پڑے پائے گئے ھیں جن کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ یہ شاید کسی اچانک موذی بیماری میں مبتلا ھو گئے تھے یا کسی حملہ آور نے انھیں سیڑھیوں میں آن لیا تھا ۔

مسٹر واٹس نے ھڑپا میں سے ایسے کئی مرتبان برآمد کیے ھیں جن میں انسانی اعضا کی ھڈیاں بند ھیں ۔ انڈس سویلزیشن کے مصنف کے نزدیک چونکہ ان پر بڑے عمدہ نقش و نگار بنے ھیں اور وہ خاصے بعد کے زمانے کے ھیں اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ انسانی اعضاء کا گوشت اتار کر ان کی ھڈیوں کو مرتبانوں میں بند کرنے کا رواج بعد کے زمانے کا ہے۱ ۔

انڈس سویلیزیشن کے مصنف کا خیال ہے کہ وادیٔ سندھ کے لوگ دریاؤں کے کناروں پر اپنے مردوں کو جلانے کے عادی تھے ۔ وہ نعشیں جلانے کے بعد ان کی راکھ دریا میں بہا دیتے تھے۲ ۔ یہ بھی امکان ہے کہ وہ راکھ کو مرتبانوں میں بند کر کے زمین میں دفن کر دیتے تھے ۔ انڈس سویلیزیشن کے مصنف دلیل دیتے ھیں کہ اگر سوھن جو ڈیرو یا ھڑپا کے باشندے اپنے مردوں کو دفن کرتے تو ان شہروں کے کھنڈرات میں سے کئی قبرستان برآمد ھوتے ۔ چونکہ اب تک یہاں کوئی قبرستان برآمد نہیں ھوا اس لیے ان کا خیال وزنی ہے ، مسٹر ہاشم نے ویلر کے زمانے کی

۱۔ انڈس سویلزیشن ، ص ۹۴—۹۵ ۔
۲۔ ونڈر دیٹ واز انڈیا ، ص

کھدائی کی بنا پر اس امر کی تردید کی ہے کہ ہڑپا کے لوگ اپنے مردوں کو دفن کیا کرتے تھے۱ ۔

انداز زیست اور رہن سہن

مسٹر واٹس ، سر جان مارشل اور ان کے ساتھیوں نے ، موہن جو ڈیرو اور ہڑپا سے برآمد ہونے والے ان مجسموں کو دیکھ کر جو ماتا دیوی سے منسوب کیے گئے ہیں ، یہ رائے قائم کی ہے کہ اس وقت کی عورتیں ایسے شلوکے پہنتی تھیں جو گھٹنوں سے کوتاہ تھے ۔ بعض شلوکوں پر بیل بوٹے بھی بنے ہوتے اور زردوزی کا کام بھی کیا گیا ہوتا ۔ بعض اوقات عورتیں ، مختصر قسم کی چادریں بھی جسم کے گرد لپیٹ لیتی تھیں ۔ یہ چادریں کندھوں سے لے کر گھٹنوں تک محیط ہوتیں ۔ بعض عورتیں ، گردنوں میں ایسے کالر بھی پہنتیں جو گردنوں کو زیادہ لمبا ظاہر کرتے تھے ۔ یہ کالر پیتل ، تانبے ، کانسی ، چاندی یا سونے کے ہوتے تھے ۔ بعض عورتیں ، ان کالروں کی بجائے گلوں میں ہار یا دوسرے زیورات پہنتی تھیں ، باہوں یا بازوؤں میں کڑے بھی پہنے جاتے ۔

مردوں کا لباس کئی قسم کا تھا ، ممتاز لوگ ، کڑھی ہوئی چادریں کچھ اس طرح جسم کے گرد لپیٹ لیتے کہ ایک سرا بائیں کندھے کے اوپر رکھا ہوتا اور دوسرا سرا دائیں بغل کے نیچے رہتا ۔ قمیصیں بھی پہنی جاتیں اور بند دھوتیاں بھی جو پاجامہ نما ہوتی تھیں ۔ کپڑے عام طور پر سوتی ہوتے تھے ۔ بھیڑوں اور بکریوں کی موجودگی کے باوجود یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ ان دنوں اونی کپڑے بنے جاتے تھے یا نہیں ۔ یوں عراق کے عیلام اور سومرین میں اونی کپڑوں کی موجودگی کا ثبوت ملتا ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ وادیٔ سندھ کے یہ لوگ جو بہت ترقی یافتہ تھے ، اونی لباس بھی بن لیتے ہوں یا سومر اور عیلام سے اونی کپڑا وادیٔ سندھ میں درآمد ہوتا ہو ۔

پیتل اور تانبے کے مرتبانوں ، ہنڈیوں اور اس قسم کے اور برتنوں میں جو متعدد گھروں کے فرشوں کے نیچے سے برآمد ہوئے ہیں ، بہت سے زیورات بھی ملے ہیں ۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ موہن جو ڈیرو اور ہڑپا

---

۱ ۔ انڈس سویلزیشن ، ص ۱۰۶ ـ ۱۰۷ ـ ۱۰۸ ۔

کے لوگ قیمتی زیورات ، چاندی اور پیتل کے مرتبانوں میں بند کر کے فرشوں کے نیچے دفن کر دیتے تھے ۔ جو زیورات برآمد ہوئے ہیں ، ان میں سونے ، چاندی کے خالص زیورات بھی ہیں اور ان دونوں دھاتوں سے مرکب دھات کے بھی ۔ چاندی ، سونے ، کانسی اور تانبے کی نسبت بہت دستیاب ہوئی ہے ۔

ان دنوں ہار ، کنگن ، بندے ' چونک ' بازو بند ، پہنچیاں ، ٹکے اور کئی دوسری انواع کے زیورات بھی عام پہنے جاتے تھے ۔ قیمتی موتی اور جواهرات بھی استعمال ہوتے ۔ چمکیلے پتھروں کی زیبائش کا بھی رواج تھا ۔ ان دنوں پنجاب کی دیہاتی عورتیں ، سروں پر جس طرح کے چونک پہنتی ہیں ، ایسے بے شمار چونک ' دفینوں ' میں سے برآمد ہوئے ہیں ، یہ چونک سونے کے بھی ہیں اور دوسری دھاتوں کے بھی ۔ ناکوں میں سوراخ کر کے ان میں ' لونگ ' بھی پہنے جاتے تھے اور انگوٹھیوں کا بھی استعمال ہوتا تھا ۔ بالوں کی ' سوئیاں ' بھی بہت مروج تھیں ، کیونکہ مرد بھی بالوں کو گوندھنے کے عادی تھے ۔ اور عورتیں بھی ۔ بعض عورتیں اور مرد کنگھیاں بھی بالوں میں سجا لیتے تھے ۔ ہاتھی دانت سے بنی ہوئی دو نفیس '' کنگھیاں '' ان نعشوں کے قریب پڑی پائی گئی ہیں جن میں سے ایک مسٹر واٹس کے نزدیک ایک نوجوان عورت کی ہے ۔ پیتل ، تانبے اور کانسی کے گول بٹن بھی کافی تعداد میں متعدد جگہوں سے ملے ہیں ، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ بٹن کپڑوں میں کس طرح ٹانکے جاتے تھے ، یوں ان کی پشت میں دو سوراخ ہیں ۔ غالباً ان میں تاگا ڈالا جاتا تھا ۔ تین عدد شیشے بھی برآمد ہوئے ہیں ، ان میں سے ایک بہت چھوٹے حجم کا ہے ، خیال ہے کہ یہ بچوں کے استعمال میں آتا تھا ۔

انڈس سویلزیشن کے مصنف کا گمان ہے کہ ان دنوں شیشے بہت عام تھے ورنہ زیبائش کی جو بہت سی چیزیں دستیاب ہوئی ہیں ۔ وہ بے کار اور بے مصرف قرار پائی گئیں ۔ مثلاً بعض ' بوتلوں ' میں ایسا سفوف بند پایا گیا ہے جو پوڈر سے مشابہ ہے اور جس کے بارے میں گمان ہے کہ عورتیں اسے چہروں کو سفید کرنے کے لیے استعمال کرتی تھیں ۔ بعض بوتلوں میں سرمہ بھی بھرا ہوا ملا ہے ۔ یہ آنکھوں میں ڈالا جاتا تھا ۔

درجنوں استرے بھی جگہ جگہ سے برآمد ہوئے ہیں جن سے قیاس گزرتا ہے کہ عورتیں اور مرد ان استروں کے ذریعے جسم کے بعض حصوں کے بال مونڈھتے تھے۔ ورنہ اس کثرت سے استرے برآمد ہونے کے کیا معنیٰ ہیں۱۔

مختلف دھاتیں اور ان کا استعمال

انڈس سویلزیشن کے مصنف نے بڑے اعتماد کے ساتھ دعویٰ کیا ہے کہ ۲۸۰۰ سال قبل مسیح میں تانبا، پیتل اور کانسی قسم کی دھاتوں کی، وادیٔ سندھ میں قطعاً کمی نہ تھی۔ ان کے نزدیک خصوصیت سے تانبا تو موھن جو ڈیرو کی نچلی تہوں میں سے بھی بکثرت دستیاب ہوا ہے۔ اس تانبے میں ڈاکٹر فرینک فورٹ اور ڈاکٹر وولے کے بیان کے مطابق بائیس فی صدی ٹن کی آمیزش ہے۔ ان ہی ماہرین آثار قدیمہ کا خیال ہے کہ قریب قریب اس زمانے میں سومیر میں ٹن کا خوب استعمال ہوتا تھا۔

ٹن، ان دنوں برما اڑیسہ، بہار اور صوبۂ بمبئی کے بعض مقامات سے برآمد ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وادیٔ سندھ کے لوگ ٹن ان جگہوں سے منگواتے تھے یا کہیں اور سے، البتہ پیتل کے متعلق گمان ہے کہ یہ راجپوتانہ اور بلوچستان سے دستیاب ہوتا تھا۔ ڈاکٹر ڈلچ کا بیان ہے کہ وادیٔ سندھ میں استعمال ہونے والے پیتل اور تانبے میں ویسی ہی نکل کی مقدار موجود ہے جیسی کہ سومیر کے پیتل اور تانبے میں تھی اور سومیر کے بارے میں مسٹر پیک نے یہ امکان ظاہر کیا ہے کہ وہاں تانبا اور کانسی 'عمان' سے آتا تھا۔ عمان دنیائے عرب کا ایک مشہور مقام ہے اور شرق اردن کا پایۂ تخت ہے، خیال ہے کہ سومر کی طرح وادیٔ سندھ کو بھی عمان ہی تانبا اور پیتل مہیا کرتا ہو۲۔

چھوٹے ناگ پور سے جو تانبا اور پیتل ملا ہے، اس میں بھی نکل کی خاصی مقدار موجود ہے، اس سے خیال ہوتا ہے کہ قدیم دور میں وادیٔ سندھ کے شہری شاید چھوٹے ناگ پور سے یہ دونوں دھاتیں منگواتے تھے۔

موھن جو ڈیرو اور ہڑپا سے برآمد ہونے والے برتنوں کی اکثریت تانبے

۱۔ انڈس سویلزیشن، ص ۱۱۸ - ۱۱۹ - ۱۲۰۔

۲۔ ایضاً، ص ۱۲۲ - ۱۲۳۔

اور پیتل کے برتنوں کی ہے ، صرف تین برتن اب تک چاندی کے ملے ہیں ۔ اس سے خیال ہوا ہے کہ چاندی ان دنوں بہت کم ملتی تھی ۔ ان برتنوں میں ہر شکل اور ہر ضرورت کے برتن ہیں ۔ مرتبان بھی ہیں ۔ مٹیاں بھی اور گھڑے بھی ، دیگچیاں بھی اور گلاس اور پیالے بھی ۔ ھتھیاروں اور اوزاروں میں پیتل کے اوزار و ھتھیار بھی ہیں اور تانبے کے بھی ۔ زیادہ تر ھتھیاروں میں ایسے پھل ہیں جو کلھاڑی کے طور پر استعال کیے جاتے تھے ۔ آج کل کی طرح ان دنوں بھی کلھاڑیوں کے دستے لکڑی کے ہوتے تھے اس لیے پھلوں کے اوپر کے حصے بالکل اسی نوعیت کے ہیں جس طرح کے آج کل کے ۔

کلھاڑی کے ایک پھل کے متعلق جو موھن جو ڈیرو سے برآمد ہوا ہے ، کہا گیا ہے کہ وہ گیارہ انچ لمبا ہے اور اس کا وزن چار پونڈ تین اونس ہے ۔ یہ غالباً سب سے بڑا کلھاڑا ہے اور اس سے لکڑی کاٹنے کا کام لیا جاتا تھا چونکہ وادیٔ سندھ کے یہ شہر لڑائی کو پسند نہ کرتے تھے اور نہ باھر کی اقوام اس وقت تک ان پر حملہ آور ہوئی تھیں ، اس لیے یہ کلھاڑے لڑائی میں استعال نہ ہوتے تھے ۔ یوں عام سندھی جس طرح ان دنوں نازک نازک خوبصورت خوبصورت سی کلھاڑیاں شوق کے طور پر ھاتھوں میں لیے پھرتے ہیں ، اسی طرح اس دور میں بھی یہ رواج عام تھا ۔ تبھی چھوٹی کلھاڑیوں کی کافی مقدار موھن جو ڈیرو سے بھی دستیاب ہوئی ہے ۔

ایک دس انچ لمبی کلھاڑی کے متعلق جو موھن جو ڈیرو سے برآمد ہوئی ہے ، مسٹر میکے کہتے ہیں کہ وہ بالکل اسی ساخت کی ہے جس ساخت کی[۱] کا کیشیا کے دریائے کوبان کے پیندے سے دستیاب ہوئی ہے ، اور شمال مشرقی ایران سے ملی ہے ۔ چونکہ وادیٔ سندھ سے برآمد ہونے والی اس کلھاڑی کی تعداد صرف ایک عدد ہے اس لیے اس کے زمانے اور عہد کے بارے میں ماھرینِ آثارِ قدیمہ کوئی حتمی رائے اب تک قائم نہیں کر سکے ۔

موھن جو ڈیرو اور ھڑپا سے جو اوزار اور ھتھیار برآمد ہوئے ہیں ، ان میں سب سے عجیب کانسی کی ایک آری ہے جو ساڑھے سولہ انچ لمبی ہے ،

۱۔ انڈس سویلزیشن ، ص ۱۲۴ - ۱۲۵ ۔

اس کے دندانے بالکل اسی نوعیت کے ھیں جس طرح آج کل کی آریوں کے ھوتے ھیں ۔ اس کے ایک سرے پر تین چھوٹے چھوٹے سوراخ ھیں ۔ جن سے اندازہ ھوتا ھے کہ ان دنوں بھی آریوں میں لکڑی کے دستے لگائے جاتے تھے ۔

موھن جو ڈیرو سے برآمد ھونے والے ھتھیاروں میں تانبے کی دو تلواریں بھی ھیں جو ساڑھے ۱۸ انچ لمبی ھیں ۔ دونوں بیچ کے حصوں میں دوسرے کناروں کی نسبت زیادہ موٹی ھیں ۔ دونوں کی حالت بہت اچھی ھے اور انھیں دیکھ کر ایسا لگتا ھے کہ یہ حال ھی میں بنی ھیں ۔

قدیم زمانے کے باقیات میں سے برآمد ھونے والی تلواروں کی مقدار بہت ھی کم ھے اس لیے ماھرینِ آثار قدیمہ نے موھن جو ڈیرو سے برآمد ھونے والی ان تلواروں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا ھے ۔

انڈس سویلزیشن کے مصنف راوی ھیں کہ موھن جو ڈیرو سے برآمد ھونے والی ان دو تلواروں کے نمونے کی ایک تلوار حال ھی میں فلسطین کے ایک مقام تل العجل سے سر فلنڈرس پٹرائی نے برآمد کی ھے ۔ اس کے بارے میں ان کا خیال ھے کہ یہ قدیم مصر کی نمائندگی کرتی ھے اور موھن جو ڈیرو کی تلواروں کی ھم عصر ھے ۔

موھن جو ڈیرو سے برآمد ھونے والے بھالوں کے پھل غیر معمولی نوعیت کے ھیں ، ان میں سے سب سے لمبے پھل تقریباً پندرہ انچ لمبے اور پانچ انچ چوڑے ھیں اور بہت لطیف اور نازک نوعیت کےھیں ، اور آسانی سے دوھرے کیے جا سکتےھیں ۔ ان پھلوں کے متعلق جو چھوٹے سائز کے ھیں ۔ ماھرینِ آثارِ قدیمہ کا خیال ھے کہ یہ لکڑی کے نیزوں کے سروں میں نصب کیے جاتے تھے ۔

جو چھرے اور چاقو برآمد ھوئے ھیں وہ باھم بہت مشابہ ھیں ۔ ان میں سے بعض کے دونوں کنارے کٹائی کے قابل ھیں اور بعض کا ایک کنارا تیز ھے اور دوسرا نہیں ھے ۔ ایک چاقو ایسا بھی ملا ھے جس کا لکڑی کا ' دستہ ' اچھی حالت میں ھے اور امتدادِ زمانہ کے باوجود گلاسڑا نہیں ھے اس سے قیاس کیا گیا ھے کہ ان دنوں چاقوؤں اور چھروں کے دستےعام طور پر

۱۔ انڈس سویلزیشن ، ص ۱۳۰ ۔

لکڑی سے بنائے جاتے تھے - ہو سکتا ہے کہ ہاتھی دانت کے دستے بھی مروج ہوں -

تیروں کے نوکدار پر والے پھل بھی کافی مقدار میں دستیاب ہوئے ہیں - یہ پھل کانسی اور تانبے کے ہیں اور ان کی کثرت، تعداد ظاہر کرتی ہے کہ ان دنوں تیروں کا خوب رواج تھا - کمانیں بھی یقیناً ہوں گی - لیکن چونکہ یہ بانس کی ہوتی تھیں اس لیے وقت انہیں محفوظ نہیں رکھ سکا -

دریائے سندھ یا دریائے مہران میں ان دنوں موہن جو ڈیرو کے باشندے مچھلی کا شکار بھی خوب کھیلتے تھے - اس کا ثبوت مچھلی پکڑنے والی ''کنڈیاں'' ہیں جو موہن جو ڈیرو اور ہڑپا کے کھنڈرات سے بڑی تعداد میں ملی ہیں - یہ کنڈیاں چھوٹی بھی ہیں اور بڑی بھی - بعض کنڈیوں پر تو بٹے ہوئے تاگے بھی لپٹے ہوئے ہیں -

موہن جو ڈیرو کی بالکل نچلی تہوں کو کھودنے کے بعد بعض ایسے اوزار بھی ملے ہیں جن پر نقش و نگار بنے ہیں - چونکہ یہ آخری تہوں سے برآمد ہوئے ہیں اس لیے ماہرینِ آثارِ قدیمہ کا خیال ہے کہ موہن جو ڈیرو کے قدیم ترین زمانہ میں منقش اوزار اور اسلحہ استعمال ہوتے تھے -

چونکہ ایسے منقش اسلحہ ، ہڑپا سے کافی تعداد میں دستیاب ہوئے ہیں اس لیے ماہرینِ آثارِ قدیمہ کو گمان ہوا ہے کہ ہڑپا ، موہن جو ڈیرو کی نسبت زیادہ قدیم ہے -

ان نقوش کے بارے میں ماہرینِ آثارِ قدیمہ کہتے ہیں کہ یہ اعداد و شمار ہیں اور چونکہ یہ سرکاری اسلحہ خانہ کے اسلحہ تھے اس لیے ان پر گنتی کندہ کر دی گئی تھی تاکہ چوری کا امکان کم ہو جائے [۱]- قدیم مصر سے برآمد ہونے والے اسلحہ پر بھی ان کی ''گنتی'' اسی طرح کندہ کی گئی ہے -

موہن جو ڈیرو اور ہڑپا کے آثار و باقیات میں سے ، تانبے اور کانسی کے بہت سے چھوٹے بڑے مجسمے اور بت بھی برآمد ہوئے ہیں - یہ بت اس امر پر دال ہیں کہ فنِ مجسمہ سازی خاصا ترقی کر گیا تھا اور اس دور کے مجسمہ ساز بڑے ماہر اور بلند پایہ فن کار تھے - وہ تانبے اور کانسی کو

۱- انڈس سویلیزیشن ، ص ۱۳۱ -

اپنی مرضی سے جس طرح چاہتے ڈھال لیتے تھے اور ان کو وادیٔ سندھ میں خاصا احترام حاصل تھا اور ان کے پاس سواد کی بالکل کمی نہ تھی۔
اس زمانے میں سکہ بھی متعارف تھا۔ اس کی بعض مصنوعات بھی برآمد ہوئی ہیں۔ لیکن ان کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے۔

پتھر کی چکیاں بھی کافی تعداد میں ، دونوں شہروں سے ملی ہیں۔ یہ چکیاں آٹا پیسنے کے کام آتی تھیں اور تقریباً ہر گھر میں موجود تھیں۔ ان چکیوں کے نیچے بڑے بڑے 'کنال' بھی رکھ لیے جاتے تھے تاکہ چکیوں کے پاٹوں میں پستا ہوا آٹا ضائع نہ جائے۔ وادیٔ سندھ کے لوگ ان چکیوں میں گیہوں اور جو دونوں قسم کا غلہ پیستے تھے۔ پتھر سے بنے ہوئے مصالحہ پیسنے کے دورے اور دوریاں بھی برآمد ہوئی ہیں اور سلیں بھی جن پر مختلف رنگ پیسے جاتے تھے۔ بعض رنگ اب تک ان پر نمایاں ہیں۔ مثلاً سرخ رنگ ، اس رنگ کو پیس کر اور پانی میں بھگو کر ، برتنوں پر خطوط بنائے جاتے تھے۔ پتھروں کے مختلف اوزان ، چھوٹے بھی اور بڑے بھی بہت کافی تعداد میں ملے ہیں۔ ان میں سے بعض تو پچیس پچیس پونڈ وزن کے ہیں اور ان میں سوراخ کیے ہوئے ہیں۔ جو رسی یا ڈوری یا لوہے کی زنجیر کے واسطے سے اٹھائے جاتے تھے۔

سوھن جوڈیرو کے اوزان کے بارے میں ماہرین آثارِ قدیمہ کا خیال ہے کہ بابل کے اوزان اور ان میں کوئی ربط نہ تھا ، البتہ اوزان کی ایک قسم قدیم مصر کے وزن 'بقہ' نامی سے ملتی جلتی ہے۔ گو اوزان بڑی مقدار میں ملے ہیں۔ اور چھوٹے بھی ہیں اور بڑے بھی ، لیکن ان کے تول سو فی صدی درست ہیں۔ غلط باٹوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے ، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ موہن جوڈیرو اور ہڑپا کے لوگ غلط تولنے کے عادی نہ تھے۔ تانبے اور پیتل کے ترازو بھی دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ چھوٹے بھی ہیں اور بڑے بھی۔ دونوں شہروں میں سے ہزار جستجو کے باوجود صرف ایک ساپ دستیاب ہوا ہے جو شل کا بنا ہے۔ اور جس پر برابر ، برابر نشان بنے ہیں۔ بہت سے نشان تو ضائع ہو گئے ہیں نو نشان اب تک باقی ہیں۔ ایسی بٹیاں بھی ملی ہیں جن کے بارے میں گمان کیا گیا ہے کہ ان پر اوزار تیز کیے جاتے تھے اور چمک بڑھائی جاتی تھی۔

پکی ہوئی مٹی کی ایک ''مشعل بردار'' بھی برآمد ہوئی ہے ، جو اس

سوال کا جواب ہے کہ وادیٔ سندھ کے شہروں میں روشنی کس طرح کی جاتی تھی ۔ چراغ بھی ان دنوں ضرور استعمال ہوتے ہوں گے ۔ مگر ان دنوں موم بتیاں بھی جلتی تھیں یہ بات خاصی دلچسپ ہے ۔

ہڑپا اور موہن جو ڈیرو دونوں شہروں سے چوکور اور گول قسم کے چرخے بھی برآمد ہوئے ہیں ، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر مرد نہیں تو زیادہ تر عورتیں چرخوں پر تاگا کاتنے کا کام کرتی تھیں اور ان کا فاضل وقت چرخہ کاتنے ہی میں صرف ہوتا تھا ۔ چونکہ چرخوں کی ساخت چھوٹی ہے اس لیے خیال ہے کہ ان چرخوں پر سوتی تاگا بنا جاتا تھا ۔ کرگھے اور کھڈیوں کے ڈھانچے اور مختلف حصے بھی برآمد ہوئے ہیں ۱۔

برتن بنانے کے فن نے تو ان دونوں شہروں میں بڑی ترقی کر لی تھی ۔ مرد تو مرد عورتیں بھی اس لطیف فن کی لطافتیں بڑھانے میں مردوں کے ہاتھ بٹاتیں ۔ جن ''آووں'' میں برتن پکتے وہ تو متعدد دستیاب ہوئے ہیں ، لیکن جن پہیوں پر گھوم کر گیلی چکنی مٹی برتن کی شکل اختیار کرتی وہ چونکہ لکڑی کے ہوتے تھے اس لیے ان میں سے ایک بھی باقی نہیں رہا ۔

برتنوں کو پکانے والے جو آوے دستیاب ہوئے ہیں ان کا طول و عرض تقریباً چھ سات فٹ مربع ہے ۔ آگ جلانے میں خاصی احتیاط برتی جاتی اور توازن ملحوظ رہتا ۔ اس لیے برتن حسب منشا تیار ہوتے ۔ بعض اوقات برتن زیادہ بھی پک جاتے تھے ایسے زیادہ پکے ہوئے برتن بھی دستیاب ہوئے ہیں اور ڈھیروں کی تعداد میں ہیں ۔

برتن جب پہیے پر گھوم کر مناسب اور مطلوب شکل اختیار کر لیتے تو انھیں گیرو سے رنگ لیا جاتا ۔ یہ رنگ زیادہ تر ہرمز (ایران) سے درآمد ہوتا تھا ۔ گیروے رنگ سے رنگ لینے کے بعد ماہر کمہار برتنوں پر اپنی صناعی اور مہارت فن کے مظاہرے بھی کرتے ۔ موہن جو ڈیرو اور ہڑپا سے برآمد ہونے والے پکے ہوئے برتنوں کی زمین عموماً گیروے رنگ کی ہے ۔ ان میں سے بعض پر سیاہ رنگ کے خطوط دائرے کی شکل میں بنائے گئے ہیں ۔ کہیں کہیں چارخانے قسم کی رنگ آمیزی بھی کی گئی

۱۔ انڈس سویلزیشن ، ص ۴۴۱ ۔

ہے ۔ کوئی حصہ ، جس تناسب میں سرخ ہے ، اتنا ہی حصہ سیاہ ہے ۔ کچھ ایسے برتن بھی ہیں ، جن پر مختلف پرندوں ، سانپوں اور جانوروں کی تصویریں بنی ہیں ۔ زیادہ تر برتنوں پر مچھلی کی تصویریں ہیں ۔ پرندوں اور جانوروں کی تصویریں بناتے وقت ، گھاس اور پتوں پر بھی توجہ مبذول کی گئی ہے ۔ انھیں بھی نظر انداز نہیں کیا گیا ۔ ایک آدھ برتن پر اُلوؤں کا جوڑا اپنے گھونسلے اور اس درخت کے ساتھ موجود ہے جس پر گھونسلہ بنا ہے ۔

عجیب بات ہے کہ ان صناعوں نے اپنے برتنوں کے چھروں پر ، انسانی تصویر نہیں بنائی ۔ بجز ایک ڈھکنے کے جو ہڑپا سے ملا ہے ۔ اس واحد ڈھکنے پر ایک آدمی اور ایک بچہ تشریف فرما ہے ۔ ہلکے سرخ رنگ کے علاوہ ، بادامی رنگ اور سبز رنگ کی زمین کے برتن بھی بکثرت برآمد ہوئے ہیں ۔ کہیں کہیں زرد رنگ کے برتن بھی ملے ہیں مگر بہت تھوڑے ۔ ان برتنوں کے مشاہدے کے بعد آسانی سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ رنگ آمیزی ، اور مصوری ، برتن پکا لینے کے بعد کی جاتی تھی ۔

یوں جو برتن برآمد ہوئے ہیں ان میں زیادہ تعداد سادہ برتنوں کی ہے یہ اس لیے کہ موہن جو ڈیرو کے شہریوں کو زیادہ تر سادہ برتن پسند تھے اور وہ بھی ایسے جن کے ''دستے'' نہ ہوتے ۔

بعض مرتبان ڈیڑھ انچ سے لے کر بیس انچ لمبے ، ایسے بھی دستیاب ہوئے ہیں جن میں جا بہ جا سوراخ ہیں ۔ ماہرینِ آثارِ قدیمہ کا خیال ہے کہ[۱] یہ مرتبان ، ' ہیٹروں ' کے طور پر استعمال ہوتے تھے ۔ ان میں کوئلے بھر لیے جاتے اور کمروں میں رکھ لیا جاتا ۔ کئی چھوٹے چھوٹے فرمے بھی ملے ہیں ۔ اور چھوٹے چھوٹے خوبصورت جام بھی دستیاب ہوئے ہیں ۔ برتن پکانے والے '' آووں '' کے قریب کئی ڈھیر ایسے سالم اور ٹوٹے ہوئے مٹی کے برتنوں کے بھی پڑے ہوئے پائے گئے ہیں ۔ جن کی شکل ، ان '' ٹنڈوں '' سے ملتی جلتی ہے جو ان دنوں ان رہٹوں میں استعمال ہوتی ہیں جنھیں بیل کھینچتے ہیں اور جن کے ذریعے کنوؤں کے اندر سے پانی نکالا جاتا ہے ۔

۱۔ انڈس سویلزیشن ۱۴۳ — ۱۴۴ — ۱۴۵ ۔

فصل چہارم

ہڑپا کے آثار شاہد ہیں کہ اس کے باشندے ، موہن جو ڈیرو کے ہم عصر تھے

دونوں شہروں کی تہذیب بھی ایک تھی اور تمدن بھی ایک

عمدہ سڑکیں ، پختہ نالیاں ، سرکاری اناج گھر اور اسمبلی ہال ، اعلیٰ تمدن کے غماز ہیں

ماضیٔ بعید کا یہ شہر ہڑپا ، جو موہن جو ڈیرو کی طرح ، ہزاروں سال سے پردہ پوش ، زمین کی تہوں میں چھپا ہؤا تھا ، موجودہ شہر منٹگمری سے کوئی پندرہ میل کی مسافت پر واقع ہے ۔ یہ جگہ کبھی دریائے راوی کی گزرگاہ تھی ، اور ہڑپا کو ایک بڑے دریا کے کنارے پر آباد ہونے کے سبب زندگی کی ہر سہولت نصیب تھی ۔ ماضیٔ بعید کے اس شہر ہڑپا کے بارے میں جب تک اس کی کھدائی نہیں ہوئی ، کوئی مؤرخ اور کوئی جغرافیہ نویس یہ کہنے پر قادر نہیں ہوا تھا کہ اس شہر کو کبھی وادیٔ سندھ کے سب سے بڑے تہذیبی مرکز کی حیثیت حاصل تھی ۔ یوں اس کے سربستہ راز کی اہمیت پچھلی صدی میں پوری طرح محسوس کر لی گئی تھی ، تب ہی مسٹر مسہون جیسے ماہر آثار قدیمہ نے ۱۸۲۶ء میں اس جگہ کی زیارت ضروری جانی ۔ مسٹر مادھو سروپ واٹس کا بیان ہے کہ ہڑپا پر ماہرین آثار قدیمہ کی توجہ کچھ اس لیے بھی مبذول ہوئی کہ اس کے اونچے اونچے ٹیلے ، دور ہی سے ہر آنے جانے والے کو اپنا راز دار بنانے کی پیشکش عموماً فرماتے رہتے اور عجیب عجیب تصویروں والی مہریں اوپر کو اچھال دینے میں قطعاً تامل نہ برتتے[1] ۔“

۱۔ انڈس سویلزیشن ، ص ۳ ۔

غالباً یہ مہریں ہی پہلے پہل مسٹر سیون کو ادھر لے گئی تھیں۔ ان سے پانچ سال بعد مسٹر برنز بھی ان ہی کے سبب وہاں پہنچے، اور ان دونوں نے یکے بعد دیگرے، جو رودادیں مرتب کیں وہ مشہور جغرافیہ دان، جنرل کننگھم کی جستجو کی وجہ بنیں۔ جنرل کننگھم دو بار ہڑپا کے آثار دیکھنے کے لیے آئے[1]۔

پہلی بار ۱۸۵۳ء میں اور دوسری بار ۱۸۵۶ء میں جنرل کننگھم نے دونوں مواقع پر ہڑپا کے ٹیلوں کو کئی جگہ سے کریدا، لیکن کسی خاص نتیجے پر نہ پہنچے۔ البتہ انھوں نے ٹیلوں کا طول و عرض اور رقبہ ناپ لیا۔ اور ۷۳—۱۸۷۲ء میں جو جغرافی سالانہ رپورٹ شائع کی، اس میں بعض بہت دلچسپ اور ہنگامہ خیز باتیں لکھیں۔ مثلاً تحریر کیا کہ لاہور سے ملتان کو جو ریلوے لائن جاتی ہے، وہ منٹگمری کے آس پاس کوئی سو میل کے رقبے میں ان اینٹوں کے پلیٹ فارم پر بچھائی گئی ہے جو مقامی ٹھیکہ داروں نے ہڑپا کے ٹیلوں کو کھود کر برآمد کی ہیں۔ اس الزام کے ساتھ ساتھ جنرل کننگھم نے یہ شکایت بھی کی کہ ہڑپا کے آس پاس میں آباد زیادہ تر دیہات کے پختہ مکانات، ہڑپا کی اینٹوں سے بنائے گئے ہیں''[2]۔

گو یہ دونوں باتیں صحیح تھیں مگر انگریز کو ان دنوں آثارِ قدیمہ کی تلاش و جستجو کی نسبت، سیاسی داؤ پیچ لڑانے میں کچھ زیادہ دلچسپی تھی اور وہ پنجاب کے قومی جسم میں اپنی آہنی انگلیاں چبھونے پر زیادہ زور صرف کر رہا تھا۔ اس لیے اس نے برابر پچاس سال تک جنرل کننگھم کی رپورٹ پر غور ضروری نہ جانا۔ اور ان پچاس سال کے اندر ہڑپا کے ٹیلوں کے نیچے چھپی اینٹوں کو آس پاس کے ٹھیکہ دار اپنانے میں برابر مشغول رہے۔ بیل گاڑیاں، صبح شام اینٹوں سے بھری، ادھر ادھر دوڑتی نظر آتی رہیں۔ اگر حکومت ہذا جنرل کننگھم کی رپورٹ پر فوراً متوجہ ہو جاتی اور ہڑپا کی کھدائی کا کام شروع ہو جاتا۔ تو ساری دنیا ہڑپا کے آثار و باقیات کو دیکھ کر دنگ رہ جاتی۔

۱۔ اکسویکشنز ایٹ ہڑپا بائی مادھو سروپ واٹس جلد اول، ص ۲۔

۲۔ واٹس جلد اول، ص ۲۔

بہر حال حکومتِ ہند نے ۱۹۲۰ء میں ہڑپا کے ان ٹیلوں کو اپنی حفاظت میں لے لیا اور حکم جاری کیا کہ لوگ، ان کے نیچے چھپی اینٹوں کا کاروبار بند کر دیں۔ اس سے تقریباً دو سال بعد مسٹر واٹس کو حکم ملا کہ ہڑپا کی کھدائی شروع کریں۔ مسٹر واٹس نے یہ کھدائی شروع کی، تو پھر اصل راز کھلے۔

مسٹر واٹس کے نزدیک ہڑپا، موہن جو ڈیرو سے کئی گنا بڑا شہر تھا اور کئی بار آباد ہوا اور کئی بار برباد۔ مسٹر واٹس نے اپنے اس دعوے کے ثبوت میں، ٹیلہ بہ عنوان 'ف' کی کئی تہوں سے نکلے ہوئے آثار بہ طور شہادت پیش کیے ہیں۔ مسٹر واٹس کو یقین ہے کہ یہ آثار، اس شہر کے ہیں، جو ۲۷۵۰ سے لے کر ۳۰۰۵ قبل مسیح میں تین بار تباہ اور تین بار آباد ہوا۔ بعض آثار کو دیکھ کر مسٹر واٹس کو یہ گمان بھی ہوا ہے کہ ہڑپا، شاید تین ہزار پانچ سو قبل مسیح میں آباد ہوا تھا اور دو ہزار سال قبل مسیح تک برابر آباد رہا تھا ۱۔

جیسا کہ ہم مسٹر باشم کے حوالے سے پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ہڑپا کے بارے میں یہ شہادتیں بھی میسر آتی ہیں کہ وہ ۱۵۰۰ قبل مسیح تک آباد رہا تھا اور یہ آرین قبائل تھے جنھوں نے اس کی قدیم آبادی پر آخری تباہی نازل کی تھی ۲۔

مسٹر واٹس نے ایکسکویشنز ایٹ ہڑپا کے عنوان سے جو کتاب دو حصوں میں شائع کی ہے اس میں ہڑپا سے برآمد ہونے والے مکانات کے آثار پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ ان کی رو سے ہڑپا کے یہ مکانات دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن میں سراسر پختہ اینٹیں استعمال کی گئی ہیں اور دوسرے وہ جن میں دھوپ میں خشک کی ہوئی اینٹیں کام میں لائی گئی ہیں۔ پہلے مکانات امراء اور خوشحال لوگوں کے ہیں اور دوسرے عوام کے۔

بعض مکانوں میں دونوں قسم کی اینٹیں استعمال کی گئی ہیں۔ اینٹوں کو جوڑنے کے لیے زیادہ تر گارا استعمال ہوا ہے، کہیں کہیں چونا یا

۱۔ ایکسکویشنز ایٹ ہڑپا، ص ۱۲۔
۲۔ باشم ونڈر دیٹ واز انڈیا، ص ۲۸۔

گچ یا دوسرے مصالحوں سے بھی کام لیا گیا ہے۔ دیواروں پر بھوسا ملی ہوئی مٹی کا پلستر عام ہے۔ فرش کہیں تو مٹی کے ہیں، کہیں اینٹوں کے۔ بعض مکانوں کے غسل خانوں میں عمدہ قسم کی ٹائلیں بھی استعمال ہوئی ہیں۔

ان دنوں کھڑکیاں رکھنے کا شاید رواج نہ تھا کیونکہ کسی بھی مکان میں کوئی کھڑکی دکھائی نہیں دیتی۔ بعض بڑی عمارات میں سیڑھیاں بھی بنی ہوئی ہیں، جس سے گمان ہوتا ہے کہ یہ عمارتیں دو یا تین منزلہ تھیں۔ لیکن یہ رائے اس لیے حتمی نہیں ہے کہ سیڑھیاں نامکمل ہیں، اور اوپر کی منزلوں کا تو کہیں کوئی نشان بھی باقی نہیں رہا ہے۔

گندے پانی کی نالیاں کئی قسم کی ہیں۔ ڈھکی ہوئی بنی ہیں اور اوپر سے کھلی ہوئی بھی۔ بعض نالیوں کو کافی چوڑی اینٹوں سے ڈھکا گیا ہے اور بعض کے لیے ہلکی قسم کی اینٹیں استعمال ہوئی ہیں۔ عام نالیاں چھوٹی ہیں، جو غالباً عوام کے گھروں سے گندے پانی کو بڑے نالوں میں ڈالنے کے کام آتی تھیں۔ اب تک صرف دو بڑے نالے برآمد ہوئے ہیں، جو آبادی نمبر ۱ اور ۲ کے ایک سرے سے شروع ہوکر آخری کونے تک بڑھے چلے گئے ہیں۔ وہ اوپر سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ کہیں کہیں بڑے بڑے گڑھے بھی کھدے ہیں، جو پختہ ہیں خیال ہوتا ہے کہ یہ گڑھے اس لیے کھودے گئے تھے کہ عوام اپنے گھروں کی غلاظتیں اور کوڑا کرکٹ سڑکوں یا میدانوں پر پھینکنے کی بجائے ان میں ڈالیں۔ عوام کے گھروں سے جو نالیاں گندے پانی کو بہا کر لاتیں، ان کا پانی پہلے ان گڑھوں کے ساتھ ساتھ نصب متعدد پختہ مٹیوں یا مرتبانوں میں جمع ہوتا اور پھر سڑک کے بڑے نالوں تک اندر ہی اندر سے رسائی پاتا ۱۔

موھن جو ڈیرو کی نسبت ھڑپا میں کنوؤں کی تعداد بہت کم ہے۔ اب تک صرف چھ کنویں برآمد ہوئے ہیں جو ایک دوسرے سے خاصے فاصلے پر بنے ہیں۔

تقریباً یہ سارے کنویں عوامی استعمال میں آتے تھے۔ ان میں سے بعض ایک فٹ دس انچ اور بعض سات فٹ کے دائرے میں ہیں۔

۱۔ ایکسکویشنز ایٹ ھڑپا، ص ۱۲—۱۳۔

خصوصیت سے ٹیلہ نمبر 'ف' کے کنوؤں میں سے کوئی کنواں بھی ایک فٹ دس انچ سے بڑا نہیں ہے - البتہ وہ کنویں جو راوی کے سابق پیندے سے خاصے فاصلے پر ہیں ، ان کے منہ سات فٹ چوڑے ہیں ، ماہرین آثار قدیمہ کا خیال ہے کہ شہر کی جو آبادی راوی سے فاصلے پر تھی وہ بڑے کنویں بناتی اور ضرورت کا پانی ان سے حاصل کرتی تھی -

مسٹر واٹس نے ہڑپا کے مکانات میں سے دو عمارتوں کو بہ طور مثال پیش کیا ہے - ان میں سے ایک عمارت ، عوامی گھروں میں سے منتخب کی ہے اور ایک سرکاری عمارات میں سے - عوامی گھروں میں سے جو عمارت لی ہے اس کی پیشانی سو فٹ لمبی ہے اور اس میں تقریباً بارہ کمرے بنے تھے جن میں نو کمروں کے آثار باقی ہیں - دو کی چہار دیواری پوری کی پوری گر چکی ہے - سات کی دیواریں کھڑی ہیں - ان سات کمروں میں سے دو مردانہ استعمال کے تھے اور باقی سات میں خاندان کے لوگ رہتے تھے - ان میں سے بیرونی کمرا ، شاید ملازم یا چوکیدار کا تھا ، جو باقی تمام کمروں سے چھوٹا ہے - باقی کے کمروں میں سے ایک کمرا ساڑھے ۱۰ فٹ ۶ انچ × ۷ فٹ ۲ انچ کا دوسرا گیارہ فٹ پانچ انچ لمبا ، اور ساڑھے تین فٹ چوڑا ہے - تیسرا سولہ فٹ × بارہ فٹ اور چوتھا بارہ فٹ × نو فٹ ہے -

مسٹر واٹس کے نزدیک یہ مکان کسی اچھے خاصے کھاتے پیتے آدمی کا تھا کیونکہ اس کی تعمیر میں پختہ اینٹیں استعمال کی گئی ہیں اور اس کے گرد ایک چہار دیواری بھی بنی ہے -

اس عوامی مکان کی مثال پیش کرنے کے بعد مسٹر واٹس ایک سرکاری عمارت کا حال لکھتے ہیں - یہ سرکاری عمارت بھی ٹیلہ نمبر 'ف' کے تلے سے برآمد ہوئی ہے - یہ دو حصوں پر مشتمل ہے - دونوں حصے ایک دوسرے کے آمنے سامنے بنے ہیں - دونوں کے مابین ۲۳ فٹ کا فاصلہ ہے - آیا یہ فاصلہ اوپر سے چھتا ہوا تھا یا خالی تھا ، اس وقت کچھ کہا نہیں جا سکتا - ہر حصہ ، چھ ہال کمروں پر مشتمل ہے ، اور ہر ہال کمرا ۵۲ فٹ لمبا اور ۱۷ فٹ چوڑا ہے - اور ہر کمرے کے سامنے ایک غلام گردش بنی ہے جو غالباً برآمدے کے طور پر استعمال ہوتی تھی اور جس میں ہر کمرے کا دروازہ کھلتا تھا - ہر ہال کمرے میں تین چھوٹی دیواریں بھی بنی ہیں - یہ غالباً بعد کے زمانے میں تعمیر ہوئیں -

پوری عمارت کے پلیٹ فارم کے نیچے ، تین فٹ چھ انچ چوڑی دیوار چھاروں طرف موجود ہے ، غالباً یہ دیوار اس لیے بنائی گئی تھی کہ عمارت سیلاب کے پانی سے محفوظ رہے ۔

پوری عمارت کے گرد ایک فصیل بھی بنی تھی ، جس کے آثار بھی برآمد ہوئے ہیں ۔ مسٹر واٹس کا خیال ہے کہ یہ عمارت سرکاری اناج گھر کی تھی اور سرکار یہاں وہ اناج جمع کرتی جو خراج کے طور پر عوامی پیداوار سے حاصل ہوتا ۔

اس سلسلے میں ، مسٹر واٹس نے سر جان مارشل کے حوالے سے انگلستان اور جرمن کے بعض اناج گھروں کا ذکر بھی کیا ہے ، جو قدیم قلعوں میں موجود تھے[۱] ۔

مسٹر واٹس کے زمانہ میں ہڑپا کی کھدائی مکمل نہیں ہوئی تھی ، اس لیے ان کے مشاہدات کو آخری حجت کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا ۔ کھدائی کا کام ان کے بعد بھی جاری رہا ۔ چنانچہ مسٹر ویلر نے ۱۹۴۶ء میں ایک ایسا قبرستان بھی برآمد کر لیا ، جہاں ہڑپا کے لوگ اپنے مردوں کو دفن کیا کرتے تھے اور ہو سکتا ہے کہ اگر اور کھدائی کی جائے تو بہت سے تہذیبی راز منکشف ہو جائیں ۔

---

۱ ۔ ایکسکویشنز ایٹ ہڑپا ، ص ۱۶ ۔

فصل پنجم

پوری وادیٔ سندھ ، بالا اور زیریں حصے ایک ھی تہذیب کے حامل تھے ہڑپا اور موھن جو ڈیرو کے علاوہ دوسرے تمدنی آثار یہی شہادت دیتے ھیں دریائے سندھ کے کناروں پر آباد ھونے والے دریائے نیل کے آبادکاروں اتنے قدیم العہد ھیں

سر جان مارشل کے الفاظ میں موھن جو ڈیرو اور ہڑپا کی کھدائی کے بعد جو حقیقت واضح اور بین شکل میں ھمارے سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ ان دونوں شہروں کے باشندوں کی تہذیب و ثقافت قطعاً ایک جیسی تھی - بلاشبہ ان دونوں مقامات میں کوئی چار سو میل کی مسافت یا بُعد حائل ہے لیکن دونوں شہروں کے باقیات میں غیر معمولی تشابہ موجود ہے - ان کی عمارتیں بھی ایک ھی طرح کی ھیں ، آب رسانی کا نظام بھی ایک جیسا ھے اور گندے پانی کا نکاس بھی ایک ھی طرح کیا گیا ہے - بلاشبہ موھن جو ڈیرو کا بڑا حمام یا تالاب اور ہڑپا کا غلام گردشوں پر مشتمل اناج گھر اپنی وضع میں منفرد ھیں ، اس کے باوجود ان دونوں شہروں کی عمارتوں ساز و سامان ، بتوں اور دوسری برآمدات میں سے کسی ایک پر انگلی رکھ کر ھم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ خصوصاً ہڑپا کی ہے اور یہ موھن جو ڈیرو سے متعلق ہے -

ان دونوں شہروں کے باقیات و آثار میں یہ حد درجہ تشابہ اور یکسانیت اس امر کی دلیل ہے کہ نہ صرف ان دونوں شہروں کے باشندے بلکہ پوری وادیٔ سندھ کے باشندے سندھ کے بالائی حصوں سے لے کر زیریں مقامات تک ایک ھی طرح کی بود و باش رکھتے تھے -

سر جان مارشل کے نزدیک ان کے اس دعوے کے شواھد موھن جو ڈیرو اور ہڑپا کے شواھد کی طرح ٹھوس ھیں - اور یہ ٹھوس شواھد سندھ اور

پنجاب کے مختلف مقامات سے برآمد ہوئے ہیں اور سب کے سب اس عہد سے متعلق ہیں جو سوہن جو ڈیرو اور ہڑپا کا عہد ہے ۔

اگر ان آثار و باقیات کا شمار کرتے وقت ہم جنوب کے علاقے سے آغاز کریں تو سب سے پہلے ہمیں 'گجو' ملے گا جو ٹھٹھہ سے بارہ میل اور بھمبور سے چودہ میل کے فاصلے پر واقع ہے ۔ پھر دریائے سندھ کے بائیں کنارے پر جارک کے سامنے بودھ جو ٹاکار ہے ۔ کوٹری کے شمال میں کاری نامی مقام بھی قدیم زمانہ کی یادگار ہے ۔ لاڑکانہ ضلع میں لوھم جوڈیرو تو خاص مشہور جگہ ہے ۔ ایسی ہی ایک اور جگہ لاڑکانہ کی نواحی بستی جھکار ہے ۔ سوہن جو ڈیرو کے قریب بدھ نامی جگہ بھی پہلے دور سے متعلق ہے ۔ روھڑی سے تھوڑی دور جنوب کی طرف چلیں تو تاریخِ قدیم کا ایک مشہور شہر ارور یا الور اپنے تمام تر خزینوں اور تہذیبی آثار و باقیات کے ساتھ کئی مسلسل ٹیلوں کے اندر دبا پڑا ہے[۱] ۔ بالائی سندھ کے سرحدی ضلع میں لیمو جو نیجو نامی بستی کبھی بڑی اہمیت رکھتی تھی ۔ کبھی سکھر ضلع میں وجنوٹ نام کا ایک قدیم شہر آباد تھا ۔ ان میں سے ایک کے سوا باقی مقامات پر ابتدائی کھدائی کے وقت جو چیزیں برآمد ہوئی ہیں ان میں رنگین برتن ، پتھر کے چاقو ، کانسی کے اوزار اور اسلحہ بالکل اسی نوعیت کے ہیں جس نوعیت کے سوہن جو ڈیرو اور ہڑپا سے ملے ہیں ۔ ان میں سے جس جگہ کا استثنے اوپر کیا گیا ہے وہ بودھ کی ٹاکار ہے ۔ وھاں فاضل جی ، ای ، ایل ، کارٹر نے کھدائی کی تھی ۔ ان کا بیان ہے کہ وھاں کانسی یا تانبے کے اوزار یا ظروف و اسلحہ نہیں پائے گئے اس لیے یہ مقام عہدِ حجرِ نو سے متعلق ہے اور سوہن جو ڈیرو اور ہڑپا سے زیادہ قدیم ہے ۔

عہدِ حجرِ نو کے آثار و باقیات کی بھی سندھ میں کمی نہیں ہے ۔ روھڑی کے قریب مل وادی کی پہاڑیوں میں تو وہ بے حساب و بے شمار ہیں ۔ اس طرح سلسلۂ کوہ کرتھار میں ان کی بڑی کثرت ہے اور مسٹر آر ۔ جی بینرجی تو فرماتے ہیں کہ نان چمر جھیل کے کناروں اور ترتھ لکی کے گرم چشموں کے نواح میں تاریخ سے قدیم عہد کی کئی یادگاریں ابھی تک

۱- سر جان مارشل جلد اول ص ۹۲ - سوہن جو ڈیرو ۔

باقی ھیں ۔ لیکن ان یادگاروں کے بارے میں ابھی ماہرینِ آثارِ قدیمہ کوئی حتمی رائے قائم کرنے کے قابل نہیں ھوئے ۔

ایسے غیر حتمی آثار بلوچستان میں بھی بکثرت موجود ھیں ۔ جن میں سے بعض کے بارے میں بھی خیال کیا گیا ھے کہ وہ موھن جو ڈیرو اور ھڑپا کے عہد سے قدیم تر دور سے متعلق ھیں ۔ یوں بعض ایسے بھی ھیں جو موھن جو ڈیرو کے زمانہ مابعد کے ھیں ۔

اوپر جن مقامات کا ذکر ھوا ھے ، ان میں سے موھن جو ڈیرو کے سوا صرف ایک جگہ اب تک کھودی جا سکی ھے یہ جگہ جھکار نامی ھے جو لاڑکانہ کے نواح میں واقع ھے ۔ اس جگہ سے جو آثار برآمد ھوئے ھیں وہ تین ادوار سے متعلق ھیں ۔ ایک دور تو موھن جو ڈیرو کا ھے ۔ ایک اس کے بعد کا اور آخری کشن عہد کا ھے ۔

ان مقامات اور ان سے برآمد ھونے والے آثار و باقیات کا ذکر کرنے کے بعد سر جان مارشل نے یہ نتیجہ برآمد کیا ھے کہ سندھ کے شمال سے لے کر جنوب تک کا سارا علاقہ ایک ھی تہذیب و ثقافت کا علمبردار تھا[۱] ۔

سر جان مارشل کے نزدیک یہ تہذیب محض سندھ تک محدود نہ تھی ۔ پنجاب کی سر زمین میں شمال مشرق کی سمت انبالہ کے ایک قریبی شہر روپڑ تک پھیلی تھی ۔ وھاں گو زیادہ وسیع پیمانے پرکھدائی نہیں ھوئی ، تاھم جتنی ھوئی ھے اس سے جو آثار برآمد ھوئے ھیں وہ موھن جو ڈیرو اور ھڑپا کے آثار سے حد درجہ مشابہ ھیں ۔ اس طرح ھم کہ سکتے ھیں کہ شمال مشرق میں روپڑ اس تہذیب کا آخری نقطہ تھا ۔ اگر کوئی شخص روپڑ سے چل کر پورے پنجاب میں سے گزر کر سندھ کے مغربی رخ آتا تو اسے لورا لائی ، ڈیراجت اور ژوب اور پھر شمالی سمت بنوں تک ایک ھی تہذیب پنپتی دکھائی دیتی ۔

مسٹر سروپ کی طرح ، سر جان مارشل کا بھی خیال ھے کہ راوی کے کنارے پر آباد شہر ھڑپا ، موھن جو ڈیرو سے کہیں بڑا شہر تھا اور غالباً

۱۔ کٹیلاک آف پری ھسٹارک انٹیک ان انڈین میوزیم ، ص ۱۲۰ ۔
سر جان مارشل ، جلد اول ص ۹۲ ۔

ساری تہذیب کے مرکز کی حیثیت رکھتا تھا - اور روپڑ سے لے کر لورا لائی اور زوب اور بنوں تک کی سرزمین میں جا بہ جا جو بہت سے دیہات ، قصبات اور شہر آباد تھے وہ ہڑپا کے نظام سیاسی کے ماتحت تھے اور اگر کسی طرح ان تمام علاقوں میں واقع غیرآباد ٹیلوں کی کھدائی ہو گئی تو یہ قدیم بستیاں اور شہر ہماری آنکھوں کے سامنے آ جائیں گے اور ہم یقین کر لیں گے کہ وادئ سندھ کی تہذیب کتنی ہمہ‌گیر و وسیع تھی -

فاضل سر جان مارشل ان علمائے تاریخ میں سے ہیں جن کے نزدیک وادئ سندھ کی تہذیب محض اس وادی کی تہذیب نہ تھی وہ اس عالمگیر تہذیب کا حصہ تھی جو عہدِ حجر، عہدِ حجرِ نو اور اس کے مابعد کے قریبی زمانوں میں مغربی ایران اور عراق میں پھیلی تھی - فاضل سر جان مارشل کہتے ہیں کہ جوں ہی وادئ سندھ کے آثار و باقیات کے چہرہ سے پردہ اٹھا ، ہم سب معاً جان گئے کہ یہ ان آثار و باقیات سے حد درجہ مشابہ ہیں جو عراق و ایران سے برآمد ہوئے ہیں۱ -

سر جان مارشل کے نزدیک جب تک آدمی خانہ بدوش تھا اور چراگاہ چراگاہ اور جنگل جنگل شکار کی تلاش میں گھومتا رہتا تھا ، اس وقت کا ذکر لاحاصل ہے - لیکن جب اس نے زراعت کو پیشہ بنا لیا اور کھیتی باڑی کر کے پیٹ بھرنے لگا تو اسے ایسی جگہوں کی تلاش ہوئی جہاں پانی میسر آ سکتا - ظاہر بات ہے کہ بڑے دریاؤں کے کنارے ہی ایسے تھے جہاں کی زمین سے وہ زیادہ خوراک بھی پیدا کر سکتا اور جہاں وہ بہتر اور بڑی بستیاں بھی تعمیر کر سکتا تھا - دریاؤں کے کناروں پر آباد ہونے سے وہ دوسرے علاقوں کے باشندوں سے تجارتی روابط بھی آسانی سے قائم کر سکتا تھا - کیونکہ ابتدائی دنوں میں ایک تو ذرائع آمد و رفت بہت محدود تھے ، دوسرے ہر سمت جنگل ہی جنگل پھیلے تھے اور ان جنگلوں کے اندر سے راہیں بنانے کا فن ابھی آدمی نے سیکھا نہ تھا - دریا تو آپ اپنے رہنما بنے تھے اور ان کی راہ‌نمائی پر آدمی کو بھروسہ کرنا لازم معلوم ہوا اور اس نے ضروری جانا کہ دریاؤں کے کناروں پر زیادہ تعداد میں آباد ہو جائے - اس طرح اس کی تجارتی ضرورتیں بھی آسانی سے پوری ہو جائیں گی اور دریا

۱- سر جان مارشل جز اول ص ۹۲ - ۹۳ -

کے کنارے اس کے کھیتوں کو بھی اتنی زرخیزی بخش دیں گے کہ وہ خوراک کے انبار کے انبار اپنے گرد لگا لے۔

فاضل سر جان مارشل نے اس سلسلے میں مصر کے دریائے نیل ، عراق کے دریائے فرات و دجلہ ، مغربی ایران کے دریائے کرون اور دریائے کرخ کے نام گنوائے ھیں ، جہاں پہلے پہل انسانی بستیاں آباد ہوئیں[۱] ۔ نہ جانے وہ دریائے جیحون و سیحون و بلخ کو کیوں فراموش کر گئے ھیں۔

بہر حال یہ حقیقت ھے کہ قدیم ترین انسانی بستیوں کی زیادہ تر تعداد ان ھی بڑے دریاؤں پر بسی تھی اور یہی دریا قدیم ترین انسانی تہذیب کے سب سے بڑے رازدار ھیں۔

جب تک ، سندھ اور راوی کے موھن جو ڈیرو اور ھڑپا اور دوسرے شہروں کے آثار ھاتھ نہیں آئے تھے اس وقت تک علمائے تاریخ قدیم اور ماھرین آثار قدیمہ کا غالباً خیال یہی تھا کہ تہذیب انسانی کی قدامت صرف دریائے نیل ، دریائے دجلہ و فرات اور دریائے کرخ و کرون سے وابستہ ھے ۔ بہت کم لوگ اس سلسلے میں دریائے سندھ کا نام لیتے تھے۔

بہر حال یہ مشرق کے دوسرے بڑے دریاؤں کی طرح دریائے سندھ تھا جس کے کنارے پر پہلی انسانی بستیاں آباد ہوئی تھیں۔ اور پھر یہ تہذیب امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ کافی وسیع علاقے میں پھیل گئی تھی۔ سر جان مارشل کا خیال ھے کہ وادیٔ سندھ کی تہذیب راجپوتانہ کی راہ چلتی خلیج کمبے اور اس کے پرے کے علاقوں تک پہنچ گئی تھی۔ یوں ھو سکتا ھے کہ ان دنوں جب وادیٔ سندھ کی تہذیب اپنے جوبن پر تھی جمنا اور گنگا کی تہذیبیں بھی جوان ھوں۔ مگر چونکہ ابھی تک ایسے آثار برآمد نہیں ھوئے جن سے اس خیال کو تقویت پہنچے اس لیے ھم نہ تو ان تہذیبوں کے بارے میں کوئی رائے قائم کر سکتے ھیں اور نہ یہ کہ سکتے ھیں کہ وادیٔ سندھ کی تہذیب نے اس سمت کس حد تک عمل دخل پایا تھا۔ سر دست جو بات یقینی ھے وہ صرف اس قدر ھے کہ سندھ تہذیب مشرق میں صرف کاٹھیاواڑ اور خلیج کمبے تک پہنچی تھی اور مغرب میں اس نے نل ، کلو ، زوب اور موجودہ ریاست قلات اور بلوچستان

۱۔ "موھن جو ڈیرو" سر جان مارشل جلد اول ، ص ۹۳—۹۴ ۔

تک کو اپنے دامن میں لے لیا تھا ۔

سر اورل سٹین نے سر جان مارشل کے زمانہ میں بلوچستان اور جنوبی وزیرستان کا دورہ کیا تھا ۔ ان کا بیان ہے کہ بلوچستان بھی کبھی بڑا مہذب علاقہ تھا ، وھاں بھی خاصی گھنی اور اچھی بستیاں آباد تھیں اور اس کی آب و ھوا قدیم زمانہ میں قطعاً آج کی طرح خشک نہ تھی۱ ۔

سر جان مارشل نے (۲) سر اورل کی تحقیقات و جستجو کے باوجود یہ رائے قائم کرنے میں تامل نہیں برتا کہ بلوچستان اس قدیم ترین دور میں بھی خود کفیل نہ تھا اور تہذیبی و تمدنی اور معاشی اعتبارات سے سندھ ، پنجاب ، سیستان ایران اور عراق کا محتاج تھا ۔

سر جان مارشل نے اپنے اس نظریہ کی بنا ان ظروف ، اور دوسرے آثار پر رکھی ھے جو سر اورل سٹین اپنے ساتھ بلوچستان سے لائے تھے ۔

ان میں سے بعض کی زمین سرخ ھے ، اور حاشیے اور خطوط سیاہ اور بادامی رنگ کے ھیں ، کہیں کہیں قرمزی اور شوخ بادامی رنگ بھی استعمال ھوا ھے ۔ سر اورل سٹین نے یہ ظروف زیادہ تر مشرق بلوچستان ، لورالائی ، ژوب اور ڈیرا جت سے برآمد کیے ۔ بعض برتنوں کی زمین سبز بھی ھے، مٹیالی بھی ھے اور سرخ بھی ۔ اور ان پر سیاہ ، زرد ، بادامی اور سرخ رنگ کے خطوط و حاشیے بنے ھیں ۔ یہ برتن مغربی بلوچستان اور سیستان میں پائے گئے ھیں ۔ اور ان ظروف سے مشابہ ھیں جو ایران اور عراق کے مختلف مقامات سے برآمد ھوئے ھیں ۔

فاضل جان مارشل کا بیان ھے کہ کوئٹہ پشین کے علاقہ میں سے دونوں قسم کے برتن ملے ھیں ۔ کہیں کہیں دونوں قسموں کے رنگ باھم مخلوط کر دیے گئے ھیں ۔ جس سے ایسا لگتا ھے کہ یہ علاقہ دونوں طرز کے ظروف بناتا تھا ۔

سر جان مارشل ھی کا خیال ھے کہ بلوچستان کے سیاہ اور سرخ رنگ کے برتن قریب قریب ویسے ھی ھیں جیسا کہ موھن جو ڈیرو اور ھڑپا سے

۱- سر اورل سٹین این آر چیولاجیکل ٹور ان وزیرستان اینڈ ناردرن بلوچستان میموریز نمبر ۳۷ ۔

۲- سر جان مارشل جلد اول ، ص ۹۶ ۔

برآمد ہوئے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہ زیادہ کھردرے اور خام ہیں۔ غالباً اس لیے کہ یہ کسی قدر پہلے دور کے ہیں اور مشرق بلوچستان، سیستان، ڈیرا جت، جنوبی وزیرستان، شمال مشرق بلوچستان، بنوں، لورا لائی، ڈبرا، کوٹ کاٹ، شاہ زمانی ڈھیری، شاھدان، سرخ ڈھیری، چوھدوان، متصل ڈیرہ اسماعیل خاں، پیرانو، غنڈئی، کوڈانی، مغل غنڈئی، وغیرہ مقامات سے بکثرت ملے ہیں۔

سر جان مارشل مزید فرماتے ہیں کہ بلوچی سرخ اور سیاہ ظروف اور وادیٔ سندھ کے ظروف کا زمانہ ایک ہے۔ اس کا مزید ثبوت یہ ہے کہ ان میں مکمل تشابہ ہے۔ اگر اختلاف ہے تو بہت معمولی ہے[۱]۔

یوں فاضل سر جان مارشل نے اعتراف فرمایا ہے کہ ان مقامات سے بعض ایسے ظروف بھی برآمد ہوئے ہیں جنھیں مقامی تخلیق یا مقامی صنعت کی پیداوار قرار دیا جا سکتا ہے۔

سر جان مارشل نے اس سلسلے میں بعض ان ظروف کا ذکر بھی کیا ہے جن کی زمین سرخ کی بجائے بالکل زرد، یا سیاھی مائل زرد ہے۔ کہیں کہیں زمین بادامی رنگ اور کہیں کہیں سبزی مائل زرد بھی ہوگئی ہے۔ اور اس کے خطوط اور حاشیے کہیں تو بادامی رنگ کے ہیں، کہیں سیاہ ہیں اور کہیں سرخ۔ یہ بلوچستان کے مغربی اضلاع اور سیستان میں بکثرت پائے گئے ہیں۔ یوں بعض مشرقی مقامات، مثلاً لورالائی، ژوب اور ڈیرا جٹ سے بھی ملے ہیں۔ شاھی ٹمپ اور نل سے برآمد ہونے والے ظروف کو تو فاضل سر جان مارشل نے نسبتاً بڑی اہمیت دی ہے۔ ان کے خیال میں یہ ظروف، وادیٔ سندھ کے عام تہذیبی و ثقافتی مزاج سے کسی قدر مختلف ہیں۔ اور یہ جس دور کی غمازی کرتے ہیں وہ وادیٔ سندھ کا تہذیبی دور نہیں ہے۔ فاضل سر جان مارشل کی یہ رائے، ظروف کی وضع قطع سے استشہاد کے ساتھ ساتھ بعض اور دلائل پر بھی مبنی ہے، مثلاً وہ کہتے ہیں کہ وادیٔ سندھ سے جو تیز دھار کی کلھاڑیاں برآمد ہوئی ہیں۔ وہ نل میں قطعاً پائی نہیں گئیں۔ اور نل سے جو لمبی کلھاڑیاں ملی ہیں وہ اس نوع کی سندھی کلھاڑیوں سے مختلف ہیں۔ اس طرح نل کے 'آرے'

۱- سر جان مارشل، ص ۹۷-۹۸-

اور وادیٔ سندھ کے آرہ کی شکل و صورت میں بھی بڑا فرق ہے ۔ وادیٔ سندھ کا آرہ ، قدیم مصری آرہ سے مشابہ ہے ۔ لیکن نل کے آرہ کی ساخت اپنی ہی نوع کی ہے ۔ اس کے علاوہ وادیٔ سندھ کے اکثر مقامات سے نیزوں اور بھالوں کے جو 'پھل' ملے ہیں ، ویسا کوئی بھی نل سے برآمد نہیں ہوا ۔ وادیٔ سندھ ایسے خنجر بھی نل میں پائے نہیں گئے ۱ ۔

سر جان مارشل آخر میں گفتگو کو سمیٹتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے یہ گفتگو یہ ثابت کرنے کے لیے کی ہے کہ وادیٔ سندھ کی تہذیب بلوچستان کے مشرق اضلاع اور جنوبی وزیرستان ، ڈیرا جٹ ، کلوا اور کیچ وادی تک تو دراز تھی ، لیکن اس کا تعلق مغربی بلوچستان سے قطعاً نہ تھا ۔ وہاں ایک دوسری حریف تہذیب کا عمل دخل تھا ۔ جو سیستان کے راستے ایران سے آئی تھی اور جس کے حدود جنوبی سندھ تک دراز ہو چکے تھے ۔

---

۱ ۔ ''موھن جو ڈیرو'' سر جان مارشل جلد اول ، ص ۱۰۰ــ۱۰۱ ۔

چوتھا بـاب

آریـائی قوم ۔اُس کا حسب و نسب
اصل وطن اور ھجرت

فصل اول

ایشیا آریوں کا اصل وطن تھا

سارے کے سارے آریائی ایک ہی چھت تلے صدیوں آباد رہے تھے

آریہ سنسکرت زبان کا لفظ ہے اور رگ وید اور مانا واس میں اس کا اطلاق قوم پر ہوا ہے جو ماضیٔ قدیم میں آریہ ورتہ یا آریہ دیسہ کی آباد کار تھی اور برہمنوں کے دیوتاؤں کی پرستار ہونے کےسبب معزز و محترم سمجھی جاتی تھی ۔ مثلاً رگ وید کے جز اول میں ایک منتر ہے ، جس میں دیوتا اندر سے خطاب کرتے وقت ایک شاعر کہتا ہے ۔ '' اے اندر تو آریوں کو بھی جانتا ہے اور داسیوں کو بھی ۔ تو اے اندر ان گنہگار اور اپنے قانون سے باغی داسیوں کو سزا دے اور اپنے پرستاروں کا سب سے بڑا مددگار بن جا ۔ میں تیرے شکرانے میں تیری حمد گاؤں گا اور تیرے نام پر قربانی کی تقریب منعقد کروں گا[1] ۔''

گو بعد کے ویدوں میں لفظ آریہ سے مراد صرف برہمن کشتریہ اور ویشیا طبقات لیے گئے ہیں[2] لیکن دراصل سنسکرت زبان کے قدیم دور میں جبکہ آریائی اقوام نے ابھی ترک وطن نہیں کیا تھا اور اپنے متحدہ وطن میں رہتی تھیں ۔ آریہ سے مراد صرف وہ انسانی گروہ تھا جو زمین کاشت کرتا اور زراعت پر انحصار رکھتا تھا ۔

فاضل میسکس مولر کا بیان ہے کہ لفظ آریہ ' آرار ' سے مشتق ہے ، جس کے لغوی معنی ہل جوتنے اور زمین کاشت کرنے کے ہیں ، اور پہلے دور کے آریوں نے اپنے آپ کو آریہ کہلانا اس لیے بھی پسند کیا تھا

۱۔ رگ وید جز اول ، منتر ۵۷ - ۵۸ ۔

۲۔ میسکس مولر جز اول ، ص ۲۶۷ ۔

کہ اپنے مخالفوں سے جو خانہ بدوش گڈریے تھے اور گھوڑوں کے گلے ھانکنے کے سبب تورانی کہلاتے تھے ، ممتاز ھو جائیں ۔

کسی قدر اگلے دور میں گو سنسکرت میں آریہ کے معنیٰ بدل گئے تھے ، لیکن زند میں خاصے بعد کے وقت تک بھی لفظ آریہ کے معنیٰ اور اس کا اطلاق اشراف پر بھی ھوتا اور پوری کی پوری اس قوم پر بھی جو پاس پاس آباد ملکوں کی باشندہ تھی ۔

مثلاً وندیدار کے پہلے باب میں آھرمزد ، زردشت کے سامنے زمین کی تخلیق کی روداد بیان کرتے وقت ان سولہ ملکوں کے نام لیتا ھے ۔ جنھیں اس نے تخلیق کیا ھے ۔ (اور جو تخلیق کے وقت پوتر اور پاک تھے) ان میں سے پہلا ملک ایریانم ویجو ، آرنیم سیمن ھے ، جس کے معنیٰ آرین بیج یا آرین قوم کے اصل وطن کے ھیں ، یہ ملک کسی زمانے میں بلرطاغ اور مضطاغ سلسلۂ کوہ کے ڈھلوانوں میں واقع تھا۱ ۔

زند روایت کی رو سے اس ملک سے آریائی قوم کے تمام تر چشمے پھوٹے تھے ، یہیں سے یہ مشرق اور مغرب کی سمت بڑی پھیلی ۔ اپنے اس ملک سے نکل کر یہ قوم ایک رخ پر ھندوستان تک جا پہنچی ، دوسرے رخ پر پڑپاسیس اور کاکیشس کے جنوب میں دریائے جیحون وسیحون سے سیراب ھونے والی ساری کی ساری سر زمین پر مسلط ھو گئی اور اس کے کئی گروہ تو بحیرۂ کیسپیئن کے ساتھ ساتھ چلتے ھرسینیا ، رغنہ اور نیشیا اور ان تمام حصوں میں آباد ھو گئے جن پر کسی دور میں اتی مندروس اور آرا چوٹس نے سخت تباھی نازل کی تھی۲ ۔

آوستہ سے یہ شہادت بھی میسر آتی ھے کہ ھرسینیا کی سرحدوں پرجو قوم شروع میں آباد تھی وہ غیر آرین تھی ، جسے آوستہ ان اسیریاؤ ڈین ھاڈؤ کا لقب دیتا ھے ۔

یونانی سیاحوں اور مؤرخین نے ایرانہ کو اوستہ کی نسبت زیادہ

۱۔ پٹولمی جغرافیہ مترجمہ میک کرنڈلے باب ۶ ص ۱۳ ۔ لیسن ص ۶ ۔ برنوف ۔ لیسنا پرحواشی ص ۶۱ ص ۴۴۲ ص ۷۰ ۔ ص ۶۲ ۔ خطبات مسیکس مولر جز اول ص ۲۶۸ ۔ ۲۶۹ ۔

۲۔ اسٹریبو باب گیارھواں ص ۱۱ ۔ برنوف لیسنا ۱۱۰ ۔

وسعت دی ہے ۔ مثلاً سٹریبو نے ایرانا کا نام اس تمام سرزمین کو بخش دیا ہے جو جنوب میں بحیرۂ ہند ، مشرق میں دریائے سندھ شمال میں ہندو کش اور پیروپامیسس مغرب میں کرہ مانیہ بحیرۂ کسپین کے دروازوں اور خلیج فارس تک پھیلی ہے۱ ۔

سٹریبو نے بختریہ کو اس سارے علاقے کی جان اور روح کا خطاب دیا ہے ۔ اور ژند اوستہ میں اس باب کی تصریح موجود ہے کہ زراشتر (زرتشت) مذہب چونکہ مغرب کی سمت پھیلا تھا اس لیے پرشیا ، ایمیا اور میڈا سب کے سب آرین کہے جاتے تھے ۔ مشہور یونانی سیاح ہیروڈوٹس کے ایک ہمعصر یونانی مؤرخ ہیلینی کس نے سارے کے سارے ایریا کو فارس یا پرشیا کا نام دیا ہے ۲ ۔ خود ہیرو ڈوٹس نے بھی تسلیم کیا ہے ۔ کہ میڈا کے رہنے والے خود کو ' آری ' کہتے تھے اور میڈیا کے انتہائی شمالی علاقہ کو آریانہ کا نام ملا تھا۳ ۔

جہاں تک اسیمیا کا تعلق ہے ، یہ لفظ ایلامہ سے مشتق ہے ، اور خیال یہ ہے کہ ایلامہ اسیریامہ سے بگڑا ہوا ہے ۔ جب سٹریبو نے ان ملکوں کی سیاحت کی تھی تو اس وقت پرشیا ، میڈیا ، بختریہ اور صفدیہ کے تمام تر باشندے ایک ہی زبان بولتے تھے اور توران کے رہنے والوں کی مخالفت میں خود کو ایرین کہتے تھے ۔

داراسل کے وہ کتبات جو مختلف مقامات سے دستیاب ہوئے ہیں اس بات کا ثبوت مہیا کرتے ہیں کہ آرین لفظ کے معنی داراسل کے زمانے تک ' شریف ' کے تھے ۔ اس کے کتبات میں اس کا اپنا نام آریہ رقم ہے اور اسے اس بات کا فخر ہے کہ وہ آریہ نسل سے تھا ۔ ان کتبات سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ آہرمزد آریوں کا خداوند خدا تھا ۔ اس کے علاوہ ایرانی یا پرشین بڑوں میں سے کئی کے نام اسی نوع کے ہیں مثلاً داراسل کا ایک جد امجد آریامنہ کہلاتا تھا ۔ آریو بارزن ، آریومانی اور آریو ماردو نام بھی اسی اصل سے متعلق معلوم ہوتے ہیں ۳۔

۱۔ ہیلن کوس مرتبہ مولر ص ۱۶۶ ۔
۲۔ ہیرو ڈوٹس باب ہفتم ص ۶۲ ۔ سٹریبو ص ۱۰۵۴ ۔
۳۔ ہیرو ڈوٹس جلد اول ص ۱۰۱ ۔

هیرو ڈوٹس راوی ہے کہ میڈیہ کے باشندوں میں سے ایک آریہ جنتو کے نام سے بھی موسوم تھا، ارسطو کے ایک شاگرد ایوڈیموس نے بھی یہ شہادت دی ہے کہ اوستہ میں جس علاقے کو آریہ کا نام بخشا گیا ہے، وہاں جو قوم رہتی تھی وہ آرین کہلاتی تھی۔

ڈی موس کی رو سے ساسانی مملکت جب قائم ہوئی تھی تو اس کے بادشاہوں کا لقب آرین اور نا آرین اقوام کے بادشاہ تھا۔ زبان پہلوی میں ان کتبات کی عبارت یوں تھی 'ایران وا ان ایران'۔ موجودہ دور میں ایران کا جو نام ہے وہ ماضی کی ہر روداد کا بین ثبوت ہے۔ یوں آرمینیا کے بارے میں بھی کہا گیا ہے کہ وہاں بھی آرین قوم آباد تھی اسی لیے اس کا نام آرمینیا ہوا۔ فاضل میکس مولر کی رو سے آرمینی زبان میں آری کے معنی بہادر، جری اور حوصلہ مند کے ہیں اور اس کا اکثر اطلاق ان میڈین پر ہوا ہے، جو سٹریبو اور دوسرے یونانی سیاحوں کے نزدیک خالص آرین تھے۔ جنرل ایشیاٹک سوسائٹی کے ایک فاضل مقالہ نگار جوس مولر نے آرمینی زبان کے لفظ 'آریا کہ' کا بھی ذکر کیا ہے جو میڈین کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ فاضل میکس مولر کا خیال ہے کہ بلاشبہ آرمینی زبان کا لفظ آریا یا آریا کا کے معنی ہو بہ ہو وہ نہیں ہیں جو سنسکرت اور زند زبان کا لفظ آریہ کے ہیں، تاہم اس کا مفہوم قریب یہی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ آرمینی زبان کی رو سے صرف بہادر، جری اور حوصلہ مند لوگ آریا یا آریا کہ کہلانے کے مستحق تھے اور وہ بھی جو میڈین نسل سے ہوتے ۲۔

آرمینی زبان کا یہ خصوصی مفہوم شاید اسی طرح بعد کے زمانے کی پیداوار ہے جس طرح سنسکرت زبان میں رگ وید کے بعد کے زمانے میں آریہ سے مراد صرف برہمن، کشتری اور ویشیا لیے گئے ہیں۔

فاضل بور نے آرین قوم کا دامن آرمینیا کے مغرب میں بحیرۂ کسپین کے کنارے پر واقع ملک البانیہ تک پھیلا دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں آرمینی زبان

۱- میکس مولر سائنس آف لینگوایج۔ جز اول، ص ۲۷۰۔
جرنل ایشیاٹک ۱۸۳۹ ص ۲۸۹۔ ہیلن کوس مرتبہ مولر ص ۱۶۶۔

۲- لیسن جلد اول ص ۸۔ میکس مولر جز اول ص ۲۷۲۔

میں البانئین آغووان لکھے گئے ھیں ۔ غ یا 'gh' آرمینی زبان میں آر، یا ایل ۔ (ریال) کے مترادف ھے ۔ گویا اغوان آروان ھوئے ۔ فاضل میکس مولر نے گو اس باب میں اشتباہ کا اظہار کیا ھے تاھم انھوں نے بور کی یہ رائے نقل کرنا ضروری جانی ھے ، اور یہ اظہار بھی لازمی سمجھا ھے کہ کاکیشیا کی وادیوں میں اب تک ایک ایسی آرین نسل آباد ھے جو ایک آرین زبان بولتی ھے اور خود کو ' آئرن ' کہتی ھے[۱] ۔

فاضل میکس مولر کا خیال ھے کہ بحیرۂ کیسپین اور دریائے جیحون و سیحون سے سیراب ھونے والی سر زمین میں صدیوں تک برابر آرین بھی اور غیر آرین بھی آباد رھے تھے اور یہ ایک دوسرے کے ساتھ خاصے شیر و شکر تھے ۔

فاضل میکس مولر نے آریہ لفظ سے ملتے جلتے نام مغرب یا یورپین ممالک میں سے بھی ڈھونڈ لیے ھیں ، ان کے بیان کے مطابق ایشیا سے ایک راہ شمال کی طرف بڑھتی ھوئی اس ملک تک پہنچتی تھی جسے ان دنوں ' رشیا ' یا روس کہا جاتا ھے ، روس سے یہ راہ بحیرۂ اسود اور پھر تھریس پہنچتی تھی ۔ دوسری راہ آرمینیا سے شروع ھوتی اور کاکیشیا کے اندر سے بڑھتی ، بحیرۂ اسود کے ساتھ ساتھ گھسٹتی شمالی گریس تک رسائی پا لیتی اور پھر ڈنیوب کے اوپر سے چلتی جرمنی تک پہنچ جاتی ۔

آریائی اقوام کی نقل و حرکت

ان دونوں راستوں پر آرین کاروانوں نے اپنی گردر راہ کے طور پر کچھ نشانات چھوڑے ھیں ، پہلی راہ پر واقع تھریس کا پرانا نام آریہ تھا[۲]۔ دوسری راہ پر ، جرمنی کے مشرقی حصہ میں واقع وسٹولا کے قریب ایک جرمن قبیلہ آباد تھا جس کا نام آری تھا ۔ جرمن تاریخ میں آری اووستس قسم کے جو نام موجود ھیں ، وہ بھی آریائی اقوام کے سفر مغرب کی خبر دیتے ھیں ۔ مزید براں آئرلینڈ کا اسم گرامی تو بعض اساتذۂ زبان کے نزدیک آریہ دیسا کے ھم معنیٰ و ھم وزن تھا[۳] ۔ قدیم دور میں یہ ایرو تھا

۱۔ سجگرن سسٹک گریمر ص ۳۹٦ ۔ میسکس مولر جز اول ۲۷۲ ۔

۲۔ مولر جز اول گرم ، ص ۲۷۴ رچٹسالٹر تھوسر ۔ ۲۹۲ ۔ ص ۲۷۴ پکٹ ص ۳۱ ۔

۳۔ انڈو آرین ، ص ۴۴ ۔

پھر ایرو سے حال ھی میں آئر ھوا ، اور ایرن بنا جس کا اصل ”ار“ یا اری تھا ، اور جیسا کہ فاضل او ۔ ریلے کا خیال ھے ، ار کے معنی آئرش زبان میں بالکل اسی طرح شریف کے ھیں جیسا کہ سنسکرت کے لفظ آریہ کے ھیں ۔

فاضل میکس مولر نے اس تشریح کے بعد ایک آئرش فاضل زبان دان کی رائے نقل کرنا بھی ضروری جانی ھے ۔ اس فاضل آئرش کی رو سے قدیم ترین آئرش میں لفظ ایرن ’ ھیرن ‘ یا شروع میں ’ہ‘ کے اضافہ سے لکھا جاتا تھا ، بعد میں یہ شروع کی ہ حذف کر دی گئی ۔ کتاب ارماغ میں لفظ آئرن کی اصلیت ’ھیبرون‘ بتائی گئی ھے ۔ اور آئرش قوم کو ھیبر ایرونس کا نام دیا گیا ھے ۔ جو لاطینی رسم‌الخط میں ایویرو تھا ۔

مشہور زبان دان گرم اپنی کتاب ھسٹری آف جرمن لینگوایج میں شہر ھرات کے بارے میں وضاحت کرتا ھوا لکھتا ھے کہ یہ دراصل ھریوا تھا اور اس کا ماخذ آری تھا خیال رھے کہ ھیرو ڈوٹس نے ’ میڈاؤں ‘ کو آری کے نام ھی سے یاد کیا ھے ۔

فاضل میکس مولر کے نزدیک گرم کی یہ رائے حقیقت سے بعید ھے کیونکہ ھرات کو ھری بھی کہا گیا ھے اور یہ جس دریا کے کنارے پر آباد ھے اس کا نام ھری رڈ ھے [۱] ۔

فاضل میکس مولر نے اس سلسلے میں زند اوستہ سے شہادت لی ھے ، اور کہا ھے کہ زنداوستہ میں ھرات یا ھرایو کا ذکر موجود ھے اور یہ وہ چھٹا دیس ھے جسے آھرمزد کی ذاتِ گرامی نے تخلیق کیا تھا ، اس کے ماسوا زرتشت کے زمانہ سے بھی پہلے کے دور میں ھرات موجود تھا ۔

فاضل میکس مولر نے رگ وید سے بھی ھرات کی قدامت اور اس کے تلفظ کے باب میں استناد کیا ھے ۔ مگر فاضل میکس مولر کے ھر احترام کے باوجود ، ھم قارئین کرام کی توجہ اس امر کی طرف بھی مبذول کرانا ضروری جانتے ھیں کہ آریانہ کو بعض لوگوں نے ھریانہ بھی لکھا ھے اور ہ ، کبھی الف سے بدل گئی ھے اور کبھی الف نے ہ کی شکل اختیار کر لی

۱۔ اورینٹل جغرفی آف ابن جوقل بہ‌حوالہ برنوف یا سونہ مترجمہ ڈبلیو اوسلے ص ۱۰۲ ۔

ہے ، اس لیے فاضل اجل ، گرم کی یہ رائے کہ ھرات اصل میں آریات تھا ، غلط نہیں کہی جا سکتی۱ -

آریائی اقوام کاشتکار تھیں

بہر حال فاضل میکس مولر ان انگریز مستشرقین میں بے حد ممتاز ھیں جنھوں نے آریائی اقوام کے اصل وطن اور ان کی اصل زبان کے سلسلے میں غیر معمولی تحقیقات کی ہے اور اس نتیجہ پر پہنچے ھیں کہ آریائی اقوام جب آگے کو پھیلیں تو گو وہ خانہ بدوش تھیں ، لیکن کاشت کار تھیں ، انھیں ھل جوتنے ، سڑکیں بنانے ، جہاز تیار کرنے اور سینے پرونے کے فن میں پوری مہارت حاصل تھی - وہ مکانات بھی تعمیر کرنا جان گئی تھیں اور ایک سو تک گنتی بھی کر لیتی تھیں - انھوں نے کچھ جانوروں کو سدھا لیا تھا ، ان کے پاس ، گھوڑے ، کتے بھی تھے اور گائے بیل بھی - وہ پیتل ، سونے ، چاندی ، تانبے اور لوھے سے بھی واقف تھیں - نیز ان میں یہ شعور بھی پیدا ہو چکا تھا کہ وہ خون کی حرارت کو محسوس کر سکیں - انھیں ماں کی محبت اور باپ کی شفقت سے بھی آگاھی تھی - وہ اپنے بڑوں ، رھنماؤں اور بادشاھوں سے عہدِ وفا بھی باندھ چکی تھیں ۲ -

لسانی شہادتیں اور آریہ قوم کا ماضی

فاضل میکس مولر کا دعویٰ ہے کہ یہ ساری باتیں ، آریائی اقوام کی اس زبان سے ظاھر ھوتی ھیں - جو جدائی سے پہلے ، وہ بولتی رھی تھیں - فاضل میکس مولر نے اس باب میں بڑی فاضلانہ بحث کی ہے - وہ فرماتے ھیں فرض کیجیے ، کہ دنیا کی بڑی زبانوں میں سے لاطینی ، روسی ، یونانی اور سنسکرت ، اپنی تاریخ سے محروم ھو جائیں اور کوئی تاریخی ثبوت ایسا موجود نہ بھی رہے جس سے پتہ چل سکے کہ ان زبانوں نے کونسے مراحل طے کیے تھے اور ان کا ماضی کیا تھا ، اس کے باوجود یہ زبانیں بجائے خود اس امر کی قاطع شہادت ھیں کہ انھیں بولنے والی اقوام پر ایک دور وہ بھی آیا تھا جب وہ ایک ساتھ مل کر ایک ھی ماحول ، ایک

۱- میکس مولر جز اول دی سائنس آف لینگوایج ، ص ۲۴۸ -

۲- اینشنٹ انڈین ھسٹری ، ص ۲۴ -

ھی سر زمین اور ایک ھی آب و ھوا میں سانس لیتی تھیں حتیٰ کہ ان کے سروں پر ایک ھی چھت کا سایہ تھا - اور اس کے افراد ایک ھی زبان میں ماں ، باپ ، بیٹے ، بیٹی اور بھائی بہن کو پکارتے تھے ، اور رھن سہن کے طریقے بھی ایک تھے -

سب آریائی اقوام کی اصل ایک تھی

فاضل میکس مولر نے یہ کہتے وقت ، بوپ کی مشہور کمپریٹو گریمر سے استناد و اشتہاد کیا ھے اور بوپ کا یہ نظریہ دھرایا ھے کہ اطالوی ، رومی ، زند ، کیلٹک ، گوتھک ، سلیوونک اور سنسکرت زبانوں کی گریمر کے مبادیات و اصول قریب قریب ایک ھیں اور اس امر پردال ھیں کہ یہ ساری زبانیں کسی ایک زبان کی کوکھ سے پیدا ھوئی ھیں - یہ سب ایک ھی لسانی شجر کی مختلف شاخیں ھیں اور ان میں جو اختلاف ان دنوں ظاھری شکل و صورت اور معنوی انداز کا موجود ھے ، یہ اس وقت کی پیداوار ھے جب اصل قوم کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی اور اس کے افراد مختلف گروھوں میں بٹ کر اکنافِ عالم میں پھیل گئے تھے -

ترکِ وطن کے وقت کی قیام گاہ ــــ سفر اور منزلیں

فاضل میکس مولر ، اس بات کے بھی دعویدار ھیں کہ آریائی اقوام کے آباؤ اجداد نے جب ترکِ وطن کیا تھا تو وہ ایشیائے وسطیٰ کی انتہائی بلندیوں پر مقیم تھے - ان بلندیوں سے اترنے کے بعد بھی انڈو آرین قبائل ، ایک ساتھ رہے ، البتہ انڈو یورپین نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا - فاضل میکس مولر کے الفاظ میں ایشیائے وسطیٰ کی بلندیوں سے اترنے کے بعد انڈو آرین قبائل نے جنوب کا رخ اختیار کیا تھا اور انڈو یورپین میں سے یونانی ، رومن ، کلٹک ، ٹیوٹانک اور سالاینک یورپ کے ساحلوں کی سمت بڑھ گئے تھے - انڈو یورپین کا سفر خاصا لمبا تھا - یورپ کے مختلف حصوں میں پہنچتے پہنچتے کئی سو صدیاں بیت گئیں - البتہ انڈو آرین اپنے اصل وطن سے نکل کر بہت تھوڑی مدت میں اپنے نئے وطن میں جو آرمینیا ، بختریہ ، صفدیہ اور ارضِ فارس پر مشتمل تھا ، قابض ھوگئے ۱-

---

۱- میکس مولر سائنس آف لینگوایج ، ص ۲۳۸ - اینشنٹ انڈین ھسٹری ص ۲۴ -

فاضل میکس مولر نے یہ رائے ۱۸۶۲ء میں جس وقت ظاہر کی تھی اس وقت ڈاکٹر سچریڈر کی رو سے عظیم جرمن عالم ایڈی لانگ کے یہ الفاظ ابھی تک فضا میں گونج رہے تھے -

ایشیا آریوں کا اصل وطن تھا -

" ایشیا تمام پہلے ادوار میں اس تختۂ ارض کا وہ خطہ مانا گیا ہے جہاں نسلِ انسانی کا بیج پہلے پہل بویا گیا تھا - جہاں شروع میں انسانی شجر کی تخم ریزی ہوئی اور جہاں نوعِ انسانی نے قدرت کی گود میں پہلا جھولا ، جھولا - یہیں اس کی زبان کو قوتِ گویائی نصیب ہوئی اور یہیں اس نے پہلے مکتبِ تہذیب و ثقافت میں زانوئے ادب طے کیے اور ابتدائی تعلیم پائی -

ڈاکٹر سچریڈر کے نزدیک ایڈی لانگ اس نظریہ کے عظیم علمبرداروں میں سے تھا اور اس نے اپنی مشہورِ عالم تصنیف متھریڈ میں اپنے اس نظریہ کا اظہار بار بار کیا ہے[۱] -

ایڈی لانگ کے ماسوا ، ایچ - ایف - لنک ، مصنف انٹی کیویٹی اینڈ دی پریمول ورلڈ ایکسپینڈ بائی نیچرل سائنس" بھی اس خیال کے مبلغ ہیں - فاضل لنک نے تو بڑے واضح الفاظ میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ مشرق اور مغربی ، ساری کی ساری اقوام دراصل آرمینیا کی بلندیوں اور میڈیا اور جارجیا کے میدانوں اور ڈھلوانوں کی آباد کار تھیں - فاضل لنک کی رو سے یہ قومیں جو زبان قدیم عہد میں بولتی تھیں وہ 'زند' تھی اور وہ ھی اصل زبان ہے ، البتہ سنسکرت زند کی پہلی یا بڑی بیٹی ہے جس کی کوکھ سے یونانی ، لاطینی اور سلووینک زبانیں پیدا ہوئی ہیں -

ڈاکٹر سچریڈر فاضل لنک کی یہ رائے نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ لنک سے پہلے کے بعض علمائے لسان اور ماہرینِ قدامت میں سے ، انکیوٹل ڈپرون ، ہرڈر ، ہیرین کا خیال بھی یہی تھا -

---

۱- پری ہسٹارک انٹی کیوٹیز ، ص ۴ - تھریڈ جلد اول ، ص ۵ — ۲۴۳ - (مطبوعہ لندن ۱۸۹۰ء) انٹی کیوٹی اینڈ پریمول ورلڈ مطبوعہ برلین ۱۸۲۲—۱۸۲۱ء -

زبان کا اشتراک

گویا دوسرے لفظوں میں لنک سے پہلے کے جرمن ماہرینِ لسانیات اور قدامت کے نزدیک یہ حقیقت تو قطعاً متنازعہ فیہ نہ تھی کہ آریائی اقوام میں سے انڈو یورپین اور انڈو آرین سب کی سب ایشیائے وسطیٰ کی بلندیوں کی رہنے والی تھیں ۔ البتہ یہ بات بحث طلب تھی کہ ان کی زبان زند تھی یا کوئی دوسری ۔ لنک ، انکیوٹل ڈپرون ، ہرڈر اور ہیرین زند کے حامی تھے اور بعض کے خیال میں عبرانی یا ہیبرو سب سے قدیم زبان تھی ۔

ڈاکٹر سچریڈر ہی کا بیان ہے کہ بہر نوع اس کے بعد ایک زمانہ وہ بھی آیا جب نہ صرف زند اور سنسکرت میں ماں بیٹی کے رشتے سے علمائے لسان نے انکار کیا ، یورپین زبانوں کو سنسکرت کی اولاد ماننے میں بھی تامل برتا ، اور یہ بات قریب قریب ثابت کر دی کہ یہ ساری کی ساری قدیم زبانیں ، ایک دوسری کی بہنیں ہیں اور ان سب کی ماں ایک ہے۱ ۔

بلاشبہ یہ دعویٰ بھی کیا گیا ہے کہ یورپین اور مشرقی آرین اقوام کے آباؤ اجداد کبھی ہندوستان میں رہتے تھے اور یہیں سے نکل کر مشرق اور مغرب کی سمت گئے تھے ۔ اس بعید از یقین قیاس کے بانی جے ۔ میؤر مصنف اورجنل سنسکرت ٹیکسٹس ہیں۲ ۔ سیکرڈ سٹوریز آف زند پیپل کے مؤلف جے ۔ جی روڈ وہ پہلے فاضل ہیں ، جنھوں نے قیاسی حد بندی کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ انڈو جرمن قبائل میں سے ''بعض'' باقی کے لوگوں کے ماں باپ ہیں ۔

ان ہی نے پہلے پہل اندرونی مشرق کے اس سمت انگلی اٹھائی جو اب بھی اکثر مستشرقین کے نزدیک انڈو یورپین لوگوں کا اصل وطن ہے۳ ۔ روڈ نے اس بحث کا آغاز زند بولنے والوں کے وطن کی جغرافی نشان دہی سے

۱- اورجنل سنسکرت ٹیکسٹس جلد ۲ ، ۳۰۱ ۔

۲- سیکرڈ سٹوریز آف زند پیپل بہ‌حوالہ سپیگل ان آس لینڈ ، ص ۵۵ ۔

۳- پری ہسٹاریک انٹی کیوٹیز ، ص ۹ ۔

کیا ہے جو روڈ کے نزدیک کبھی متحد تھے ، اور بختیرین میڈین اور پرشین کہلاتے تھے ۔ یہ سب کے سب شروع دور میں زند زبان بولتے تھے اور ان پاس پاس واقع علاقوں میں رہتے تھے جن کے بارے میں زند اوستہ اور وندیداد میں لکھا ہے کہ انھیں ہرمزد نے تخلیق کیا تھا ۔ زند اوستہ کی رو سے پہلا ملک ایریانہ تھا ۔ اپنے اصل سے نکل کر مشرقی آرین قوم ، پہلے پہل اسی ایریانہ میں آباد ہوئی تھی ، ایریانہ سے وہ آگے کو پھیل کر قدیم صفدیہ اور حال سمرقند پہنچی ، روڈ نے اس امر کی شہادت بھی دی ہے کہ ایریانہ اور صفدیہ یا سمرقند کے مابین علاقے میں آباد ہونے سے پہلے آرین قوم ان برفانی پہاڑیوں کے دامنوں میں آباد تھی جہاں دریائے جیحوں اور سیحون کے منبع واقع ہیں ۔

زند اور سنسکرت کا تشابہ

روڈ نے ہندوستانی برہمنوں اور ایران کے آرین کے ہم نسل ہونے کے باب میں زند اور سنسکرت کے ایک دوسرے سے حد درجہ مشابہ ہونے سے سند لی ہے اور بڑے سخت محاکمہ کے بعد یہ رائے قائم کی ہے کہ زند اور سنسکرت ایک دوسری کی بہنیں ہیں اور ایک ماں کی اولاد ہیں اور سنسکرت بولنے والے ہندوستانی برہمن بھی وسط ایشیا کی ان ہی بلند و بالا چوٹیوں پر مقیم تھے جہاں زند نے آنکھ کھولی تھی ۔

فاضل میکس مولر بھی ان علمائے لسان میں سے ہیں جنھوں نے زند اور سنسکرت کے باہمی تقابل کے بعد ان کے ہم نسل اور بڑی حد تک مشترک ہونے کا اعلان کیا ہے اور کہا ہے کہ ویدوں اور زرتشت کی الہامی کتاب کی زبان میں جو غیر معمولی اشتراک موجود ہے ، وہ دونوں کے ایک بڑے ماضی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور یہ ثبوت بہم پہنچاتا ہے کہ انھوں نے اصل وطن سے ہجرت کرنے کے بعد خاصی لمبی مدت ، ایک ساتھ ، ایک ھی ماحول میں مذہبی شعور کی آنکھیں کھولی تھیں اور یہ زرتشت تھا ، جس کی وجہ سے ایرانی اور ہندوستانی آرین کے آباو اجداد میں جدائی پڑی تھی۲ ۔

۱۔ سیکرڈ سٹوریز آف زند پیپل ، ص ۸۶—۹۶ ۔

۲۔ میکس مولر ، سائنس آف لینگوایج جز اول ، ص ۲۳۸—۲۳۷ ۔

اختلاف کا موجب

دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب تک زرتشت نے اپنی تعلیات کا اعلان نہیں کیا تھا اور اس کے ماننے والوں نے ایک خاصی بڑی جماعت کی شکل نہ اختیار کر لی تھی ، اس وقت تک موجودہ ایرانیوں اور شمال مغربی ہند کے دوسرے بڑے آباد کار آرین قبائل کے بڑوں نے اس علاقے سے ہجرت نہیں کی تھی جہاں یہ مغرب کی سمت روانہ ہونے والے کاروان سے جدا ہونے کے بعد آباد ہوگئے تھے ۔

پیغمبر زرتشت

یہ آرین پیغمبر زرتشت یا زوراشٹر ، جو انڈو آرین کے مابین اختلاف کا بانی بنا ، کون تھا ؟ اس سوال کا جواب علمائے تاریخ نے مختلف دیا ہے ۔ بعض کے نزدیک وہ حضرت موسیٰ علیہ‌السلام کا مثیل اور بعض کی رو سے وہ حضرت عیسیٰ علیہ‌السلام کے انداز سے بھولی بھٹکی روحوں کو سیدھی راہ دکھانے آیا تھا[۱] ۔

فاضل میکس مولر نے اس باب میں ، بادشاہ داروس کے کتبات سے استناد کیا ہے ۔ جن میں لکھا ہے کہ زرتشت ، قدیم دور کا ایک دانا ، بینا پیغمبر تھا ، یونانی فلسفی افلاطون اور ارسطو کو بھی زرتشت اور اس کے خداوند خدا آہرمزد کا علم تھا ۔ خصوصیت سے افلاطون تو اسے ”اورامزیز“ کا بیٹا بیان کرتا ہے ۔ فاضل میکس مولر کے نزدیک ”اورامزیز“ سے ایرانیوں کا قدیم دیوتا آہرمزد مراد ہے ، جو داروس اور ایکسرکس کے کتبات میں اورامزدا کے طور پر تحریر ہے اور جو افلاطون کے اورامزیز کے قریب تر ہے ۔

بادشاہ داروس نے اپنے ایک کتبے میں لکھا ہے ۔ ”اورامزدا کے فضل و کرم اور عنایت سے میں بادشاہ ہوں“ ، ”اورامزدا نے مجھے بادشاھت عطا کی ہے“۔

فاضل میکس مولر نے اورامزدا کے بارے میں زیادہ تفصیل میں جائے بغیر زند اوستہ کا حوالہ دیا ہے اور کہا ہے کہ زند اوستہ کے قریب قریب ہر صفحے پر آرین کے قدیم دیوتا اورامزدا کا ذکر موجود ہے جو

۱۔ راگوزین ویدک انڈیا ۔

آھرمزد کی صورت میں جا بہ جا رقم کیا گیا ہے اور جس کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے کہ وہ خالقِ کائنات اور مالکِ ارض و سما ہے، جو سچائی اور حقیقت کو پسند کرتا اور جھوٹ اور برائی کا مخالف ہے۔ گو زند اوستہ میں برائی کی قوت کا کوئی واضح نام موجود نہیں ہے تاہم یہ اعلان کیا گیا ہے کہ زرتشت یا زوراشٹر اس برائی کو مٹانے کے لیے اھرمزد کی طرف سے معبوث ہوا تھا۔ میکس مولر سوال اٹھاتے ہیں کہ آھرمزد کے اصل معنیٰ کیا ہیں۔ زندِ اوستہ قدیم دستاویز ہونے کے باوجود اس پر کوئی روشنی نہیں ڈالتی، اس باب میں ہمیں زند سے بھی زیادہ معمر اور بزرگ زبان سنسکرت کا سہارا لینا ہوگا جو رگ وید کی زبان ہے اور جس کی رو سے آھرمزد دراصل اسورا میداز تھا"۔

جس کے معنیٰ دانا، بینا، اور حکیم و علیم روح یا ذات کے ہیں"۔ آھرمزد کے پیغمبر زرتشت سے منسوب زندِ اوستہ کی قدامت کی شہادت، عظیم محقق برنوف، بروک ھاؤس، سپیگل اور وسٹر گارڈ نے بھی دی ہے۔ خصوصیت سے اس کے بعض حصے تو بہت قدیم ہیں، البتہ بعض کی قدامت، زرتشت کے عہد کو نہیں چھوتی۔

فاضل میکس مولر نے ادعا کیا ہے کہ "گاتھاز" کے سوائے باقی زندِ اوستہ کو زرتشت کی زبان نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ گاتھاز لازماً زرتشت کا کلام ہے، گو اس کی بحریں اور قوافی باہم مختلف ہیں۔ ڈاکٹر ھیگ کے نزدیک گاتھاز کی بحریں اور قوافی، حتیٰ کہ مضامین، رگ وید کے مضامین، بحور اور قوافی سے بہت ملتے جلتے ہیں۔ اس اشتراک کے علاوہ رگ وید میں زرتشت "جرادشتی" کے نام سے کئی بار مذکور ہوا ہے۔ گو فاضل میکس مولر نے ڈاکٹر ھیگ کے اس نظریہ کی صحت پر اعتراض کیا ہے تاہم اسے نقل کیے بغیر نہیں رہ سکے[۱]۔

ھمیں زرتشت کے عہد سے متعلق صراحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ اس کی ذات "با برکات" انڈو آرین میں اختلاف و تضاد کا موجب ہوئی تھی اور اس کی خاطر یہ لوگ ایک دوسرے سے کٹ جانے پر مجبور ہوئے تھے۔

۱۔ میکس مولر، سائنس آف لینگوایج جز اول، ص ۲۳۵۔ کیمرج ھسٹری آف انڈیا، ص ۳۷۔

میکس مولر کا خیال ہے کہ زرتشت کے زمانے کا تعین بہت مشکل ہے - تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ دانا و بینا پیغمبر ، ان کتبات کے عہد سے قدیم تر ہے جو مختلف مقامات سے برآمد ہوئے ہیں۱ اور جن میں سے بعض تو سولہ ، سترہ سو سال قبل مسیح سے بھی پہلے کے ہیں -

میکس مولر نے ، آرینئین ٹرانسلین آف ایوسیبوس کے حوالے سے یہ قول بیروسوس سے منسوب کیا ہے کہ بادشاہ زوراشٹر نے نینوس سے بھی کافی دن پہلے، بیبلون کی میڈن حکومت کی بنا ۲۲۳۴ سال قبلِ مسیح میں رکھی تھی ، گویا اس تاریخی سند کی رو سے ، زور اشٹر یا زرتشت ، دو ہزار دو سو چونتیس سال قبلِ مسیح کی شخصیت ہے - ایک اور قدیم مؤرخ اکستھرس کا بیان ہے کہ زرتشت جنگ گروجن سے جو اٹھارہ سو سال قبلِ مسیح میں لڑی گئی تھی چھ سو سال پہلے پیدا ہوا تھا - اس حساب سے زرتشت چوبیس سو سال قبلِ مسیح کا آدمی ہے -

یوں یونانی مؤرخ پلینی زرتشت (۱) کو ، افلاطون سے چھ ہزار سال اور ھرمیپ پلوس جنگ گروجن سے پانچ ہزار سال قبلِ مسیح کا وجود قرار دیتا ہے ، پلینی ہی راوی ہے کہ زرتشت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کئی ہزار سال پہلے اس دنیا میں آیا تھا - کئی ہزار کو احتیاطاً اگر تین ہزار سال بھی سمجھا جائے تو بھی زرتشت تقریباً چار ہزار قبلِ مسیح کی شخصیت ٹھیرتا ہے اور خاصی قدیم شخصیت بن جاتا ہے -

زرتشت کے بارے میں یہ وضاحت پیش کرنے کے ساتھ ساتھ یہ ظاہر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فاضل میکس مولر کے نزدیک تو زرتشت کے سبب ، انڈو آرین یا انڈو یورپین میں اختلاف پیدا ہوا اور جدائی پڑی تھی ، لیکن عظیم جرمن متشرق روڈ کی رو سے یہ جدائی زرتشت کے سبب نہیں موسم کی وجہ سے ہوئی تھی فاضل روڈ کے الفاظ ہیں ۲-

"A Sudden lowing of the previously warm temperature of Central Asia compelled them to

---

۱- ونڈر دیٹ واز انڈیا ص ۴۲ - ویدک ایج - اورسیل ، ص ۱۵ -

۲- پری ہسٹارک انٹی کیوٹیز ، ص ۶ - روھڈ ص ۹۶ -
سائنس آف لینگوایج جز اول ، ص ۲۳۵ -

abandon their old home for the warmer districts of Sogdinia, Bactoria, Persia etc.

پہلے کے گرم موسم میں جو تبدیلی اچانک رونما ہوئی اور درجۂ حرارت میں یک بہ یک جو کمی پیدا ہوئی ، یہ اس امر کی محرک بنی تھی کہ آرین اپنے قدیم وطن سے نکل کر صفدیہ ، بختریہ ، پرشیا وغیرہ کے گرم علاقوں میں چلے جائیں ۔''

اگر روڈ کی یہ شہادت زیادہ صحیح سمجھی جائے تو پھر زرتشت پر یہ الزام عائد نہ ہوگا کہ اس کے سبب انڈو آرین یا انڈو یورپین میں پھوٹ پڑی تھی ۔

بعض تاریخی واسطے اس امر کے مدعی ہیں کہ ارضِ پاکستان کے آرین آباد کار ، حضرت نوح علیہ‌السلام کے طوفان کے بعد یہاں پہنچے تھے۔

مثلاً مشہور جرمن عالم اے ویبر کا یہ اشتہاد تو خاصا وزنی ہے کہ آرین قوم کے جدِ اعلیٰ منو سہاراج حضرت نوح علیہ السلام سے ملتے جلتے وجود تھے ، کیونکہ کیتھ پاتھا برھمنا میں (رگ وید کی تشریحات میں سے ایک اہم تشریح ہے) بیان کردہ ایک کہانی کا لب لباب یہ ہے کہ منو سہاراج کو ایک مچھلی نے اطلاع دی تھی کہ ایک خطرناک سیلاب آنے کو ہے ، کشتی تیار کر لیں اور سیلاب کے وقت اس کشتی میں سوار ہو جائیں ۔

سچ مچ سیلاب اژدھے کی طرح پھنکارتا آن پہنچا ، ہر شے زیر و زبر ہوگئی ، منو سہاراج جلدی سے کشتی میں سوار ہوگئے ۔ سیلاب اس قدر منہ زور تھا کہ اس نے ہر بلندی کو چھو لیا ، اور منو سہاراج کی کشتی ، ہمالیہ کی اونچی سے اونچی چوٹی پر سے تیرتی ہندوستان کے میدانوں میں آن پہنچی ۔ یہاں منو سہاراج کے ہاں اولاد ہوئی ۱۔

کیتھ پاتھا برھمنا کی یہ روداد ہمارے تبصرے کی محتاج نہیں ہے ، اور نہ کسی مؤرخ کو ماضی کی کسی داستان پر تبصرے کا حق پہنچتا ہے ۔ یوں بھی یہ کہانی ، طوفانِ نوح علیہ‌السلام سے متعلق ان کہانیوں سے

۱۔ پری ہسٹارک انٹی کیوٹیز ، ص ۹ ۔ بہ‌حوالہ زمر ص ۱۰۱ ۔
سٹڈیز اے ویبر جلد اول ص ۱۶۱ ۔

بہت ملتی جلتی ہے ، جو مختلف اقوام عالم کے مذہبی ادب میں موجود ہیں ۔ خصوصیت سے مشرق کی قدیم کتابیں تو ان کہانیوں سے بھری پڑی ہیں ۔

کیتھ پاتھا برھمنا کی اس کہانی میں منو مہاراج مرکزی نقطہ ہیں جن کے گرد کہانی گھومتی ہے ۔ اس کے برعکس ، بنی اسرائیلی اور عرب روایات میں منو کی جگہ حضرت نوح علیہ‌السلام ، اصل شئے ہیں ۔ بنی اسرائیلی اور عرب روایات کے مطابق سیلاب نے جب خطرناک شکل اختیار کر لی تو حضرت نوح علیہ‌السلام کی کشتی موصل کی ایک پہاڑی جودی پر ٹھہر گئی تھی اور سیلاب اتر جانے پر حضرت نوح علیہ‌السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ ، جودی کے دامن میں کچھ دیر رک کر بابل کی طرف چلے آئے تھے جہاں ان کی اولاد خوب پھلی پھولی ۔

مؤرخ ابن سعد کی رو سے بابل جو کبھی ماضیٔ بعید میں ، تاریخ اقوام عالم میں اپنے تمدن کے لحاظ سے غیر معمولی اہمیت کا حامل تھا حضرت نوح علیہ‌السلام کے ایک بیٹے یوناطن ، نے آباد کیا تھا ۔ بابل کی آبادی کے وقت حضرت سام اور یوناطن ، ایک ساتھ رہتے تھے ۔ سام بابل ، آباد ہونے کے بعد آج کے ملک شام کی سمت نکل گئے ۔ جس نے سام کی نسبت سے شام نام پایا [۱]۔

مؤرخ مسعودی کا بیان ہے کہ یہ حضرت نوح علیہ السلام کے ایک پوتے بیصر کے بیٹے مصر تھے جن کے نام پر ارضِ فراعنہ نے مصر نام پایا ۔ مصر کے ایک بیٹے کا نام قفط ، دوسرے کا اتریب اور تیسرے کا صا تھا۔ ان تینوں ناموں کے شہر اب تک ارضِ فراعنہ میں موجود ہیں ۔ اور شام ملک کی طرح جو حضرت سام سے منسوب ہوا ، عرب کی تاریخی روایات کا تمدنی سرمایہ ہیں ۔

ہمیں احساس ہے کہ یہ بحث کسی قدر موضوع سے خارج ہے لیکن ہم نے یہ چند سطور اس لیے تحریر کرنا ضروری جانی ہیں کہ فاضل اے ویر نے کیتھ پاتھا برھمنا ، سے سفر اور مچھلی کی جو کہانی مستعار لی ہے اور جس سے ہمالیہ کے اوپر سے نزول کے باب میں استناد کیا ہے ، ویسی کئی

۱۔ ابن سعد جز اول ص ۱۹ ۔

کہانیاں حضرت نوح علیہ‌السلام کی اولاد کے بارے میں عرب تاریخوں میں موجود ھیں اور ان کا تسلسل اور تواتر ، کیتھ پاتھا برھمنا کی نسبت زیادہ مستند اور زیادہ منطقی ھے - مثال کے طور پر مسعودی کی یہ روایت ملاحظہ فرمائیے -

''ثم سار امیم بن لاوذ بن سام بن نوح علیه السلام بعد جرهم بن قحطان فحل بارضی فارس - فاالفرس من ولد کیومرث بن امیم بن لاوذ و انه اول من ابتن البنیان ورفع‌الحیطان و قطع‌الاشجار وسقف السقوف واتخذ السطوح ۱-

پھر لاوذ بن سام بن نوح کے بیٹے امیم جرھم بن قحطان کے بعد اپنے اصل کاروان سے جدا ھوئے اور ارضِ فارس میں جا اترے - پس فرس ، کیومرث بن امیم کی اولاد ھیں اور امیم ھی وہ ھیں جنھوں نے پہلے پہل عمارتیں بنانا شروع کیں ، جنھوں نے دیواریں اٹھائیں ، درخت کاٹے اور چھتیں ڈالیں اور فرش بنائے -''

مؤرخ مسعودی کے اس بیان کے ساتھ ساتھ ، اگر بابل کے سامیوں سومیریوں اور اسیریوں کے متعلق وہ روداد پڑھ ھی جائے جو محقق ، سائے اور دوسرے مستشرقین نے رقم کی ھے تو اس امر کی تصدیق ھوتی ھے کہ بابل میں ، سامیوں نے بھی حکومت کی تھی اور ان کا عہد سومیریوں سے ذرا بعد کا تھا - ھو سکتا ھے کہ یہ سومیری ، یوناطن کی اولاد میں سے تھے جو سام کے بھائی تھے -

ھمارا دامن بہت محدود ھے ھم یہاں صرف یہ اشارہ کرنا چاھتے تھے کہ عرب مؤرخین گیارہ سو سال پہلے ، سے یہ اعلان کر چکے ھیں کہ مشرق اور مغرب کی ساری اقوام ایک ھی نسل سے ھیں - اور وہ سب کی سب کبھی ایک ھی زبان بولتی تھیں اور ان کی زبانوں میں جو اختلاف پیدا ھوا ھے وہ اصل وطن سے نکلنے کے بعد رونما ھوا تھا۳ اور وہ جب اپنے اصل وطن سے نکلی تھیں - تو ابھی تک خانہ بدوش تھیں اس سلسلے میں مسعودی کے یہ

۱- ابوالفدا ص ۵۹ -
۲- المسعودی مروج الذهب جلد ۲ ، ۱۴۲ - ۱۴۳ -
۳- ابن جریرالطبری جز اول ص ۱۰۵-۱۲۷ - (مطبوعه مطبعه حسینی مصر)

الفاظ پیش نظر رھیں ۔

''و قد ذکر جماعة من اهل السیر و الاخبار ان جمیع ما ذکر نا من هذه القبائل کانوا اهل خیم و بدو ۱۔

تاریخ دانوں اور واقعہ نویسوں'' کی ایک جماعت نے بیان کیا ھے کہ مذکورہ بالا قبائل میں سے سب کے سب خیموں میں رھنے والے بدو تھے ۔''

خیال رہے کہ فاضل ''مسعودی ..۳ ھجری کی شخصیت ھیں۔ یعنی آج سے کوئی ساڑھے دس سو سال پہلے پیدا ھوئے تھے اور اس وقت کے عرب علمائے تاریخ کے نزدیک یہ حقیقت مسلمہ حقیقت تھی کہ انڈو یورپین اور اور انڈو آرین قبائل ، جودی پہاڑ سے متصل سر زمین سے جب آگے کو چلے تو خانہ بدوش اور بدو تھے ۔

ڈاکٹر سچریڈر نے ۱۸۹۰ء میں اپنی مشہور عالم کتاب پری ھسٹارک انٹی کیوٹیز تصنیف کی ھے ۔ اس کتاب کے صفحہ تیرہ پر وہ بڑے وثوق سے لکھتے ھیں ۔

" On the whole, Grimm is of the opinion that the Indo-Europeans, when they moved from Asia to Europe, were still shepherds and warriors.

بہرحال ، گرم کا نقطۂ نگاہ یہ ھے کہ انڈو یورپین جب ایشیا سے یورپ کی سمت بڑھے تو وہ ابھی گڈریے اور لڑاکے تھے ۔''

گرم ھی کا بیان ھے کہ انھیں یورپ پہنچنے تک بڑی لڑائیاں لڑنا پڑی تھیں ۔ یہی حال ان انڈو آرین کا تھا جنھوں نے ، اپنے اصل وطن سے اترکر عراق ، بختریہ ، صغد ، یا آریانہ کی سرزمین میں قدم رکھے تھے ، انھیں پہلے سے آباد غیر آرین سے قدم قدم پر الجھنا پڑا تھا ۔ یوں ایچ ۔ جی ولز کی یہ روایت بھی جھٹلائی نہیں جا سکتی کہ یہ لوگ جب بابل کے قریب پہنچے تھے تو وھاں ایک بڑی مضبوط حکوست قائم تھی اور حموراھی یا خموراھی بابل کا حکمران تھا ، آرین کاروانوں نے اس سے الجھے بغیر اس شاھراہ پر قدم بڑھا لیے جوھرات ، تہران اور مشہد کو باھم ملاتی ھے ۔

۱- مسعودی مروج الذھب جز ۲ ص ۱۴۳ ۔

۲- گرم ۔ ص ۱۵-۶۸- ۶۹ ۔ پری ھسٹارک انٹی کیوٹیز ص ۱۳ ۔

۳- اوٹ لائن آف ھسٹری ص ۱۶۳ ۔ اینشنٹ انڈین ھسٹری ص ۲۴ ۔

فصل دوئم

ترکِ وطن اور باھمی جدائی کے وقت انڈو آرین کا تہذیبی اور لسانی سرمایہ

انڈو آرین اقوام بابل سے کترا کر ھرات ، تہران اور مشہد کو باہم ملانے والی سڑک پر چلتے چلتے جب اپنے نئے وطن میں داخل ھوئیں تو انھیں اپنی منزل تک پہنچنے میں کتنی مدت لگی تھی اور پھر ان میں باھم کس وقت جدائی پیدا ھوئی ، اس باب میں بھی حتماً کچھ کہنا بہت مشکل ھے البتہ ڈاکٹر سچریڈر کا یہ خیال بہ ظاھر بڑا وزنی معلوم ھوتا ھے کہ انڈو آرین اقوام جب ایک دوسرے سے الگ ھوئی تھیں تو تمام ضروری دھاتوں سے واقف ھو چکی تھیں ۱-

ڈاکٹر سچریڈر نے بات سونے سے شروع کی ھے کہ یہ سب دھاتوں میں سے افضل اور انتہائی قیمتی ھے - ان کی رو سے ویدوں کی زبان سنسکرت میں سونے کو ''ھرنیا'' اور زندِ اوستہ میں زرنیا کہا گیا ھے - گویا سنسکرت میں ہ ، ر سے پہلے ھے اور زند میں ز ، ر پر مقدم ھے اور کوئی حرف ایک دوسرے سے مختلف نہیں ھے - فاضل سچریڈر کے نزدیک ایک حرف کا اختلاف کوئی وزن نہیں رکھتا ، اور یہ اس امر کا بین ثبوت ھے کہ دونوں قومیں ، جب ایک دوسرے سے الگ ھوئی تھیں ، تو سونے سے واقف تھیں اور ہ نے ز ، کی شکل اور ز ، نے ، ہ کی صورت کچھ امتدادِ زمانہ کے سبب اور کچھ جغرافی ماحول کی وجہ سے اختیار کر لی -

اب تک ایران ، کردستان ، افغانستان ، بلوچستان اور بخارا و سمرقند میں ، سونے کے لیے زر کا لفظ استعمال ھوتا ھے - بخارا میں صرف تلفظ زر ھے -

اس باب میں ڈاکٹر سچریڈر نے سپگل اور گیگر جیسے علما سے سند لی ھے ۲ نیز اس ملک کے جغرافی حالات بھی پیش نظر رکھے ھیں ، جس میں ،

۱- پری ھسٹارک انٹی کیوٹیز ، ص ۱۷۲ -

۲- سپیگل ارسچ پیریڈ ، ص ۳۳ ، موسیون جلد چھارم ، ص ۱۷ -

زند اور سنسکرت زبان بولنے والے لوگ شروع میں ایک ساتھ رہتے تھے۔ اس ملک کے ایک بڑے دریا جیحون کا ایک معاون دریا زرانشان ہے ، جو جیجون کی طرح بڑی قدامت کا دعویدار ہے اور یہی وہ دریا ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کی ریت میں سونا ملا ہوتا تھا ، اور سونے کے ذرات نے ہی اپنی چمک دمک سے پہلے پہل انڈو آرین قبائل کی توجہ اپنی طرف مبذول کی ۔ غالباً ، اس نسبت سے اس دریا کا نام زر افشاں ہوا ، اور اس کی ریت سے سونے کے ذرات پانی کے ذریعے الگ کرنے کا کام بھی اول اول انڈو آرین ہی نے شروع کیا تھا ۔ جیحون کے اس معاون دریائے زرافشاں کا نام رگ وید میں سندھو کو بھی برہمن شعرا نے عطا کیا ہے ، اور کئی جگہ اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا ہے ۔

”تو سونا اچھالنے والا دریا ہے ۔ تو ایک ایسا دریا ہے جس کے پیندے میں سونا بچھا ہے“۔

بلا شبہ دریائے سندھو ، جیحون کے معاون دریا جتنا ہی قدیم ہے لیکن اسے اس کا اصلی نام سندھو کی بجائے زرافشاں یا سونے کے پیندے والا دریا کہنا ، اس امر کی بین دلیل ہے کہ رگ وید کے برہمن سندھو سے پہلے زر افشان سے آگاہ ہو چکے تھے اور انھوں نے سندھو کو زر افشان کا نام دے کر ایک تو اپنا ماضی دھرایا تھا ، دوسرے سندھو کو زر افشاں اتنی اہمیت دینے کی کوشش کی تھی ۔

فاضل زمر ، اور مشہور جغرافیہ دان پلینی نے رگ وید کے دور میں ، ہندوستان میں سونے کی کانوں کی موجودگی کی روداد لکھی ہے اور شہادت دی ہے کہ اس دور میں دریاؤں سے سونا نکالنے کا کام بھی بعض لوگ کرتے تھے ، خصوصیت سے رگ وید کے برہمنوں کے نزدیک ’سونا‘ بڑی اہمیت رکھتا تھا ۔ حتیٰ کہ رگ وید کے برہمنوں نے رگ وید میں کانوں کے اندر سے نکلنے والے سونے کو پانی کی مدد سے صاف کرنے کا حال لکھا ہے [۱] اور یونانی سیاح ہیروڈاٹس تو راوی ہے کہ شمالی ہند میں [۲] کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اونٹوں پر سوار ہو کر صحراؤں کا رخ کرتے

۱- پیلنی جز ششم ، ص ۲۵ - زمر ، ص ۹ م -
۲- پری ہسٹارک انٹی کیوٹیز ، ص ۱۷۲ -

تھے کہ وہاں سے سونا لے کر آئیں ۔ کیونکہ صحرا میں کتے اور لومڑی کے مابین حجم کی کچھ چیونٹیاں ہیں جو زمین کے اندر گھس جاتی ہیں اور زمین کو کھود کھود کر سونے کی ریت باہر پھینکتی ہیں اور خود سورج کی تپش سے بچنے کے لیے زمین میں چھپی رہتی ہیں ۔ البتہ جب دھوپ کم ہوتی ہے تو باہر آ جاتی ہیں ۔ اس لیے سونے کی ریت اونٹوں پر لاد کر لانے والے صبح صبح منہ اندھیرے صحرا کا سفر اختیار کرتے ہیں تاکہ دوپہر تک اپنا کام ختم کر لیں''۔ ایسا سونا جو یہ لوگ لے کر آتے تھے سنسکرت میں پپلکا کہلاتا تھا ۔ جس کے معنی چیونٹیوں کے ہیں ۱۔ مشہور عالم ، لیسن نے بھی اس امر کی شہادت دی ہے کہ شمال مغربی علاقے کے ایک اس قبیلے کا نام دردا تھا جو تبت کے میدانوں میں رہتا تھا ، اور اس قبیلے کو یہ نام ان جانوروں کی وجہ سے ملا تھا جنھیں سونے کی چیونٹیاں کہا گیا ہے اور جو اب بھی تبت میں موجود ہیں ۔ اس کے علاوہ حال ہی میں ، یہ بات بھی ظاہر ہوئی ہے کہ تبت کے ایک علاقے میں اب تک ایک ایسی قوم آباد ہے جس کے افراد سردی کے موسم میں سر سے پاؤں تک کھالوں میں اپنے آپ کو چھپا کر بعض مقامات کو لوہے کے کدالوں کی مدد سے کھودتے اور ان میں سے سونا نکالتے ہیں اور اس دوران میں ان کی حفاظت ان کے کتے کرتے ہیں ۔

ڈاکٹر سچریڈر نے یہ بات شاید اس لیے دہرائی ہے کہ ہیرو ڈاٹس کی اس کہانی کا غیر منطقی تاثر دور کر سکیں جو لومڑی اور کتوں کے درمیانے حجم کی چیونٹیوں سے ذہن میں پیدا ہوتا ہے ۔

خواہ بات کچھ بھی ہو ، یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ تبت کے صحراؤں میں ایسے مقامات ماضی میں بھی تھے اور اب بھی ہیں جہاں سے سونا نکلتا ہے اور اس سونے کے بارے میں ماضیٔ بعید میں جو روایات عام تھیں وہ برہمنوں کی زبان سنسکرت میں بھی رائج تھیں اور زند میں بھی ۔

فاضل سچریڈر کی رو سے اس کی وجہ یہ تھی کہ شروع شروع میں سونا محض وسطی ایشیا میں دریافت ہوا تھا ، اور اس کے بارے میں ساری معلومات یہیں سے فنیشیا کی وساطت سے یونان پہنچیں ، اور ایران کے ذریعے

۱۔ مہا بھارتہ جلد ۲ ۔ ص ۱۸۶ ۔

تمام مشرقی ممالک میں عام ہوئی تھیں - فاضل سچریڈر نے یہ کہتے وقت بہت سے لسانی سہارے تلاش کیے ہیں اور مغربی زبانوں میں 'سونے' کے لیے استعمال ہونے والے تمام الفاظ کا ماخذ یونانی زبان کو قرار دیا ہے ، اور محقق بام سٹراک کی یہ رائے نقل کی ہے کہ سونے کے بارے میں اس وقت تک جب تک یہ یورپ میں دریافت نہیں ہوا تھا یہ خیال عام تھا کہ وہ مشرق سے آتا ہے ۱-

فاضل میکس مولر نے حضرت سلیمان علیہ‌السلام کے ایک بحری بیڑے کا ذکر کیا ہے جو مقدس 'صحیفہ' کی رو سے وادیٔ سندھ کے کسی ساحلی مقام سے سونا اور دوسرے نوادارت لے کر حضرت سلیمان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۲ -

میکس مولر نے اس ساحلی مقام کا نام ارفیر یا 'اپھیر' بتایا ہے اور بڑی کوشش کی ہے کہ اس مقام کو قدیم سندھ کا ایک ساحلی مقام ثابت کر سکیں جہاں گو سونے کی کانیں نہ تھیں لیکن وہاں وسط ملک کے علاقوں سے زمین میں دفن سونا لایا جاتا تھا اور حضرت سلیمان علیہ‌السلام کے کارندے یہ سونا خریدتے اور جہازوں پر لاد کر شام کے ساحلوں تک پہنچا دیتے تھے -

یہ بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے کہ شمال مغربی ہند کے کس مقام سے سونا برآمد ہوتا تھا - موضوع زیرِ بحث صرف یہ ہے کہ زند اوستہ اور سنسکرت میں سونے کے نام مشترک ہیں -

سونے کی طرح چاندی کے لیے بھی دونوں زبانوں کے الفاظ قریب قریب ایک ہی جیسے ہیں ، مثلاً قدیم سنسکرت میں چاندی کو رجاتہ ، 'سفید سونا' سے موسوم کیا گیا ہے اور قدیم زمانہ یا اوستہ کی زبان میں اس کے لیے رزاتہ کا لفظ ہے - سنسکرت میں 'ج' ہے اور زند میں اس کی جگہ 'ز' نے لے لی ہے - اس کے سوا کوئی 'حرفی' اختلاف موجود نہیں ہے - البتہ ان دنوں افغانی ، کرد اور شمالی فارس کے لوگ چاندی کے لیے دوسرے الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں - افغان اسے سپین زر

۱- پری ہسٹارک انٹی کیوٹیز ، ص ۱۷۲—۱۷۹ -

۲- میکس مولر جز اول ، ص ۲۲۷ -

کہتے ہیں ۔ شمالی فارس میں اس کا نام سیم اور کردستان میں ز یو ہے جو یقیناً قدیم سنسکرت اور قدیم زند سے مختلف ہے۱ ۔

فاضل سچریڈر کی رو سے قدیم آرسینیا میں چاندی کو 'ارتساتھ' کہا جاتا ہے اور یہ غالباً آرمینیا ہی تھا جہاں مشرقِ وسطیٰ کے علاقوں میں چاندی کے مدفون ذخائر پہلے پہل دستیاب ہوئے تھے ۔ یہ علاقہ اب بھی اپنی چاندی کے ضخیم اور بوجھل ذخائر کے سبب ممتاز ہے ۔ سٹریبو نے شہادت دی ہے کہ پائپی نے جب آرمینیوں کو شکست دی تھی تو ان سے چھ ہزار من چاندی وصول کی تھی ۔

فاضل سچریڈر نے اس باب میں ڈبلیو گیگر سے استناد کیا ہے اور بڑے اعتماد کے ساتھ دعـوی کیـا ہے کہ چاندی چونکہ پہلے پہـل مشرقِ وسطیٰ میں آرمینیا کی پہاڑیوں سے برآمد ہوئی تھی اس لیے اس زبان میں چاندی کے لیے جو لفظ ارتیساتھ تھا وہی سنسکرت اور زند میں نقل ہوا ۔ چاندی یہیں سے ایران پہنچی اور پھر ایران سے شمال مغربی ھند میں داخل ہوئی ۔ یہی خیال اے ۔ وبر کا بھی ہے۲ ۔

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ماضیٔ بعید میں انڈو آرین بہ شمول ایرانی و ہندوستانی آرمینیا کی بلندیوں سے لے کر جیحون وسیحون سے سیراب ہونے والی وادیوں اور میدانوں میں ایک ساتھ آباد تھے ، تو پھر آرمینیا سے چاندی کے ایران و ھندوستان پہنچنے کی داستان پر کیوں زیادہ زور دیا جائے کیوں نہ سیدھے سادے الفاظ میں یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آرمینیا اور اس سے ملحقہ سر زمین سے جب ایرانی اور ہندوستانی قبائل کے آباء و اجداد نکل آئے تو مختلف فضا اور آب و ہوا کے سبب آرسینی لفظ ارتساتھ نے زند کے رزاته اور سنسکرت کے رجاته کی شکل اختیار کر لی ، اصل لفظ ارتساتھه ہی تھا ، جس کے حروف ت اور س زند میں 'ز' میں اور سنسکرت میں 'ج' میں تبدیل ہوئے ۔ فاضل سچریڈر نے اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ آرسینی زبان کا یہ لفظ کاکیشیا کی دوسری بولیوں کا بھی ماخذ ہے ۔ مثلاً

۱۔ سپیگل ادب فارسی جلد ۲ ص ۳۷۰ ۔

۲۔ اے وبر مونانٹ سچر فٹ ، مطبوعہ ۱۸۵۳ء ص ٦٧١ ، ڈبلیو گیگر اوسیٹران کلچر ص ۱۴۷ ۔ ۳۹۹ ۔

اراتاز ، آراز اور ارز وغیرہ ۔

فاضل سچریڈر نے سونے اور چاندی کے ذکر کے بعد پیتل اور کانسی کی داستان کہی ہے ، حالانکہ ان دھاتوں میں سے پہلی وہ دھات جو پتھر کے بعد آدمی پر ظاہر ہوئی تھی ، یہی کانسی ، پیتل کی دھات تھی اور اس کا ذکر پہلے لازم تھا ۔ خود سچریڈر نے بھی یہ بات کہی ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ انڈو یورپین کی قریب قریب تمام قومیں جدائی سے پہلے کے وقفے میں کانسی اور پیتل سے واقف ہو چکی تھیں ۔ اس باب میں انہوں نے ان مصری آثار و باقیات سے سند لی ہے جن کی رو سے مصر کی تہذیب میں کانسی اور پیتل کو باقی تمام دھاتوں پر تقدم حاصل ہے ۔ نیز لاطینی ، گوتھ ، سنسکرت اور زند میں اس دھات کے لیے جو الفاظ ماضی میں استعمال ہوتے تھے وہ ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں ، مثلاً سنسکرت میں اس کے لیے لفظ ایاس ہے ۔ زند میں ایان ، لاطینی میں انیس اور گوتھ میں ائیز ، اس لفظ کا اشتراک ، سنسکرت ، لاطینی اور گوتھ میں صوتی لحاظ سے زند کے لفظ ایان سے زیادہ واضح ہے ۔ زند میں 'ز' یا 'س' کی جگہ نون نے لے لی ہے ۔ سنسکرت ، زند اور دوسری زبانوں کے اس لفظ کے باھمی اشتراک سے قطع نظر ایران ، عراق اور شمال مغربی ہندوستان میں انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع نصف میں جو کھدائیاں ہوئی ہیں ان سے بھی یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ کانسی ، پیتل کی دھات سے شمال مغربی ہند اور دوسرے ایشیائی ممالک کے لوگ قریب قریب ایک ہی زمانے میں واقف ہوئے تھے ۔ شروع شروع میں رگ وید جہاں کہیں بھی ایاس کا ذکر کرتا ہے اس سے مراد وہ پیتل ہی لیتا ہے اور جہاں وہ 'لوہے' کا ذکر کرتا ہے تو اسے سیاہ لم ایاس ، کالا ایاس اور کرشن ایاس کے الفاظ استعمال کرنے پڑے ہیں ۔

ڈاکٹر سچریڈر نے سنسکرت کے پہلے یا دوسرے دور میں لفظ پتیلا اور پیتل لوہا کے الفاظ بھی ڈھونڈھ لیے ہیں ۔ اور چونکہ یہ بعد کے دور کے الفاظ ہیں اس لیے ہم اس باب میں ان پر گفتگو ضروری نہیں سمجھتے ۔ البتہ یہ سوال ضرور اٹھائیں گے کہ لفظ 'آہن' جو فارسی میں اب بھی

موجود ہے اور جو اوستہ میں آیانہ تھا سنسکرت کے آیاس سے کس طرح آیانہ ہؤا ؟ س سے ز ، ت اور ' ث ' تو صوتی لحاظ سے قریب ہو سکتی ہے ، س اور ن کی صوت میں خاصا فاصلہ ہے ۔

یوں فاضل سچریڈر کا یہ استدلال خاصا قوی ہے کہ ایرانی زبان کے لفظ آھن یا ' آھین ' کے مضراب سے انڈو جرمن زبانوں کے لفظ آئرن نے اپنا وجود تراشا ہے اور زند زبان ہی لفظ آئرن کی ماں ہے ۔ فاضل سچریڈر نے یہ شہادت بھی عطا کی ہے کہ زند زبان کا لفظ آھن عمر کے لحاظ سے زیادہ بزرگ ہے ، کیونکہ وہ اصل ہے اور یورپین زبانوں کا لفظ آئرن اس سے نکلا ہے ۔

ہمارے نزدیک اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر ' زند ' زبان اصل ٹھیرے گی اور سنسکرت اس کی بیٹی ثابت ہوگی ۔ جیسا کہ قدیم جرمن علمائے لسان کا خیال تھا ، یا پھر یہ ماننا پڑے گا کہ انڈو یورپین اقوام آھن سے اس وقت متعارف ہوئی تھیں ، جب وہ یکجا تھیں اور ان کی زبانوں میں اس وقت اس لفظ کے جو مترادفات موجود ہیں اور ان میں جو صوتی اور ' حرفی ' اتحاد ہے یہ عہد قدیم کی یادگار ہے ۔

فاضل سچریڈر نے انڈو آرین کے ہتھیاروں کے ناموں میں اشتباہ کی داستان بھی کہی ہے ۔ ان کی رو سے کمان کے لیے سنسکرت میں لفظ دھنوان ہے ۔ زند اسے دھنوار کہتی ہے ۔ کمان کی بندش کے لیے سنسکرت میں لفظ جیا ہے زند میں بھی یہ جیا ہے ۔ اس لفظ کا ایک اور مترادف بھی ہے ۔ سنسکرت میں یہ سنوان ہے اور زند میں سنوار ۔ سنسکرت میں تیر کے لیے اشو اور زند میں بھی ایشو ہے ۔ سنسکرت میں ہتھیار کو وھدر کہتے ہیں اور زند میں ودر(۱) ۔ دونوں زبانوں کے بعض اور مشترک ہتھیاروں کے نام حسبِ ذیل ہیں ۔

نیزہ ۔ سنسکرت میں رشتی ، زند میں ارشتی ۔
تلوار ۔ سنسکرت میں آسی ، زند میں آھی ۔
چاقو ۔ سنسکرت میں کرتی ، زند میں کرتیا ۔
کلھاڑی ۔ سنسکرت میں تیجا ، زند میں تیغا ،

۱۔ پری ہسٹارک انٹی کیوٹیز ص ۲۱۹

لوہے کا پنجہ سنسکرت میں وجرا ہے اور زند میں وزرا
زرہ ، سنسکرت میں ورسن زند اوستہ میں درتھمن

فاضل سچریڈر کے نزدیک کمان اور تیر کے لیے شروع شروع میں زند اور سنسکرت کا لفظی اشتراک جہاں دونوں قوموں کے لسانی اتحاد اور نسلی یکجہتی کی خبر دیتا ہے وہاں اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ یہ اتحاد بہت پرانا ہے۱ ۔

فاضل سچریڈر نے اس باب میں ان جانوروں کے نام بھی تحریر کیے ہیں ۔ جن سے انڈو آرین جدائی سے پہلے واقف تھے ۔ مثلاً سنسکرت میں کتے کو سوا اور زند میں سکہ کہتے ہیں ۔ بھیڑئیے کے لیے سنسکرت کا لفظ ورکا ، زند میں وھرکا کی شکل اختیار کر گیا ہے ۔ صرف ہ زائد ہے ۔ شکاری کتے کو سنسکرت میں بھی اورا اور زند میں بھی اورا کہتے ہیں ۔

گیدڑ کے لیے سسگالہ کا لفظ ملتا ہے اور موجودہ فارسی میں اس کے لیے شغال ہے ۔ ممکن ہے زند میں ' شگال ' ہو ، گھوڑے کو سنسکرت میں اسوا اور زند میں اسپا کہتے **ہیں** ، ایک زبان کی ' و ' دوسرے میں پ بن گئی ہے ۔ ہندی کی گائے زند **میں** گاؤ اور سنسکرت ' گئو ' ہے ۔ اونٹ کے لیے دونوں زبانوں میں ایک ہی **لفظ** ہے یعنی اشترا ، گدھے نے بھی دونوں زبانوں میں ایک جیسا نام پایا **ہے** مثلاً سنسکرت خرا اور زند خرا ، حتیٰ کہ لفظ پسو بھی دونوں زبانوں **میں ایک ہی معنوں** میں استعمال ہوا ہے اور اس سے مراد ' پشو ' یا جانوروں کی **ایک مختصر** سی ٹولی ہے ۲۔

کھیتی باڑی کے باب میں دونوں زبانوں کے الفاظ بھی بھی بڑی حد تک مشترک ہیں ۔ مثلاً ' یوا ' دونوں زبانوں میں ایک ہی طرح لکھا جاتا ہے اور اس سے جو مراد ہوتا ہے ۔ لفظ دانہ زند میں دانہ اور سنسکرت میں داھنہ ہے ۔ زند میں کھیتی بونے اور جوتنے کو کرشا اور سنسکرت میں کرشو کہتے تھے ۔ اور اگر کسی کھیت میں فصل بوئی ہوتی تو دونوں زبانیں اسے اردرا سے موسوم کرتیں ۔ دونوں زبانوں میں کرش کے لغوی معنی

۱- پری ہسٹارک انٹی کیوٹیز ، ۲۲۱ - ۲۶۶ -
۲- ایضاً ، ص ۲۶۲ -

کھیتی باڑی کے ہیں۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر سچریڈر نے شمال مغربی ہند کے ایک بڑے طبقے کشتریہ کا نام نہیں لیا۔ یہ کشتریہ ماضی قدیم میں برہمن کے بعد کا طبقہ تھا اور اس کا اصل بھی یہی لفظ کرش تھا اور یہ طبقہ کشتریہ اس لیے کہلاتا کہ کھیتی باڑی کا کام کرتا تھا۔

گندم کے لیے بھی دونوں زبانوں کے الفاظ مشترک ہیں، صرف ایک حرف کا فرق ہے، مثلاً سنسکرت میں گندھا ہے اور زند میں گندم۔ گندم اور جو وہ دو پہلی اجناس ہیں جو انڈو آرین نے اس وقت بونا شروع کی تھیں جب وہ متحد تھے ۱۔

زراعت کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ کے اشتراک کی طرح دونوں زبانوں میں موسم کے کئی نام بھی مشترک ہیں، مثلاً دونوں زبانوں میں سم سے مراد وہ زمانہ ہوتا ہے جب فصلیں پک جاتی ہیں۔ دونوں زبانوں میں، زند میں بھی اور سنسکرت میں بھی لفظ سرد اور سردہ مشترک ہیں۔ جن کا اصل 'سار' ہے البتہ سردی کو زند میں زمہ اور سنسکرت میں ھمہ کہتے ہیں ۲۔ اسی قسم کا صوری اختلاف لفظ ہیا اور زیانہ میں بھی ہے۔ جس کے معنی سال کے ہیں۔ اور اس صوری اختلاف سے اس کے سوا کوئی اور نتیجہ برآمد نہیں ہوتا کہ یہ اختلاف بعد کے زمانے کا ہے۔

البتہ ڈاکٹر سچریڈر کا یہ خیال بڑا وزنی ہے کہ انڈو آرین ایک دوسرے سے الگ ہونے سے پہلے صبح شام اور دن اور رات کے فرق سے واقف ہو چکے تھے، مثلاً صبح کے لیے زند اور سنسکرت کے الفاظ علی الترتیب اشاس اور اوشان ہیں اور شام کے لیے 'دوشا' ہیں ۳۔ اوشاس اور اوشان کے 'ش' اور 'ن' گو باہم مختلف ہیں تاہم یہ اختلاف معمولی ہے۔

اس باب میں ڈاکٹر سچریڈر اور دوسرے علمائے لسان اور ماہرینِ علومِ اقوامِ عالم نے انسانی خوراک کے اشتراک اور تشابہ سے بھی سند لی ہے، مثلاً کہا گیا ہے کہ شروع شروع کے تمام آرین قبائل گوشت خور

۱- گیگر ارسٹرن کلچر، ص ۱۵۰—۲۹۹ - پری ہسٹارک انٹی کیوٹیز، ص ۲۸۲—۳۰۳ -

۲- پری ہسٹارک انٹی کیوٹیز، ص ۳۰۱ - ۳۰۳ -

۳- ایضاً، ۳۱۳ -

تھے اور دیوتاؤں کے حضور جو قربانیاں پیش کرتے، ان میں بیل بھی ہوتے، گھوڑے بھی اور بھیڑیں بھی ۔ گاؤ کشی قریب قریب ہر قوم کے نزدیک ممنوع تھی ۔ فاضل سچریڈر نے روسر سے ایک شہادت مہیا کی ہے کہ قدیم اٹلی میں ہل جوتنے کے قابل بیلوں کو ذبح کرنا گناہ سمجھا جاتا تھا ۔ ان کی بجائے، گھوڑے ذبح کیے جاتے، اور زیادہ تر ان ہی کا گوشت کھایا جاتا ۔ فاضل گیگر نے تو کئی مثالیں پیش کی ہیں کہ شمالی علاقوں کے لوگ ایرانی تغلب اور سیاسی تسلط کے زیرِ اثر گھوڑوں کا گوشت زیادہ تر کھانے کے عادی ہوگئے تھے ۱۔ پرندوں کا شکار شروع میں قطعاً نہ ہوتا اور نہ ان سے خوراک حاصل کی جاتی ۔ البتہ پھل انسان کی بہت قدیم خوراک تھی، اور وہ شروع ہی سے سبزی خور تھا ۔ خوراک کے بعض مشترک ناموں کے سلسلے میں فاضل سچریڈر اور گیگر نے سنسکرت اور زند کے ایک مشترکہ لفظ مدہ اور مدھو کو بہ‌طور مثال پیش کیا ہے ۔ دونوں زبانوں میں اس سے مراد 'شیریں طعام' تھا اور پھر اس سے کئی دوسرے الفاظ اور نام نکال لیے گئے تھے ۔

شراب سوما اور ہوما اور سورا اور ہورا بھی اس سلسلے میں مذکور ہوئی ہے ۔ جس کے نام میں دونوں زبانوں میں کسی قدر اختلاف ہے، سوما سنسکرت کا لفظ ہے اس کے برعکس ہوما زند میں سوما کی جگہ استعمال ہوا ہے اور سنسکرت کے سورا کی جگہ زند نے 'ہورا' کی شکل اختیار کر لی ہے ۔ یہ اختلاف اس امر پردال ہے کہ دونوں لفظ شروع میں ایک ہی تھے، استدادِ زمانہ کے سبب ان کی شکل کسی قدر بدل گئی ۔

انسانی لباس کے بعض مشترکہ عناصر کو بھی علمائے لسان نے انڈو آرین اقوام کی یکجہتی اور ہم نسلی کے سلسلہ میں بہ طور شہادت پیش کیا ہے، مثلاً فاضل ٹوما سچک کا خیال ہے کہ زند اور سنسکرت میں تاگہ بٹنے والے آلے کو ترکو اور ترخ کہتے ہیں، اور ان دونوں لفظوں کا اصل ترک ہے جس سے اطالوی زبان کا لفظ ''ترکیو'' نکلا ہے، اور جس کے بٹنے یا بل دینے کے ہیں ۔

۱۔ گیگر اوسٹرین کلچر ص ۳۶۹ ۔ پری ہسٹارک انٹی کیوٹی ص ۳۷۲ ۔ سائنس آف لینگویج جلد اول ۔ راگوزین، انڈو آرین، ص ۲۳ ۔

یوں علمائے لسان نے زیادہ تر جن مشترک الفاظ پر زور دیا ہے اور به طور وزنی استشہاد پیش کیا ہے انسان کے باہمی رشتوں کے نام ہیں -

مثلاً باپ کے لیے سنسکرت میں پتار زند میں پتار ، لاطینی میں پاتار اور گوتھ میں فادار ہے -

ماں کے لیے سنسکرت میں ماتر ، زند میں ماتر اور لاطینی میں بھی ماتر ہے -

بیٹے کو سنکرت میں پترا کہتے ہیں ، زند میں ایک ہ بڑھ گئی ہے یعنی که پتھرا -

بیٹی کے لیے سنسکرت میں دوھتر کا لفظ ہے ، زند میں دختر بن گیا ہے - سنسکرت میں بھائی کو بھراتر ، اور زند میں براتر کہتے ہیں ، اس لفظ میں بھی زند کی نسبت ایک ہ زائد ہے - پوتی ، پوتے کے لیے زند اور سنسکرت کے الفاظ نپت اور نپتی مشترک ہیں - دونوں کے حروف بھی یکساں ہیں اور صوتی یکجہتی بھی قائم ہے - بھتیجے کے لیے بھی دونوں زبانوں میں جو الفاظ رائج ہیں ، ان میں اشتراک موجود ہے - صرف ایک واؤ اور ایک الف کا اضافہ ہے مثلاً سنسکرت میں بھرترویه ہے اور زند میں بھرا توریه ۱ - اس قسم کا معمولی اختلاف لفظ زمتار اور جمتار میں ہے - زند میں ز استعمال ہوئی ہے اور سنسکرت میں وہ ج بن گئی ہے -

دونوں زبانوں میں الفاظ کے باہمی اشتراک کے سلسلے میں فاضل ایچ - جی ;راولسن مصنف انڈیا نے تو یه دعویٰ بھی کیا ہے که ان دونوں قوموں کے دیوتاؤں کے نام بھی مشترک تھے -

فاضل راولسن کا خیال ہے که آرین زبان پورے کے پورے ایشیائے وسطیٰ میں بولی جاتی تھی اور اس کے لسانی حدود سلیشیا کے مقام بوغوز کوئی تک دراز تھے جو ماضیٔ بعید میں ہٹی سلطنت کا پایۂ تخت رہ چکا ہے - اسی وجه سے چودہ سو سال قبلِ مسیح میں بالائی فرات کے میتن بادشاہوں نے ایک معاہدہ کے وقت ان دیوتاؤں کو گواہ بنایا تھا جو شمال مغربی ہند کے بھی دیوتا تھے ۲ -

فاضل راولنسن کی رو سے اگر کوئی اور شہادت اس سلسلے میں میسر نه بھی آئے تو بھی پنجاب میں داخل ہونے والے آرین اور ایرانی سطح مرتفع

۱- پری ہسٹارک انٹی کیوئیز ص ۳۱۲ -

۲- راولنسن ، انڈیا - مطبوعه کریسنٹ پریس ، ص ۱۷ -

پر آباد لوگوں کے باھمی تعلق و رشتہ کی شہادت ان دونوں قوموں کی مذھبی کتابیں دیتی ھیں۔ جن میں حد درجہ تشابہ موجود ھے۔

فاضل راولنسن نے اس تشابہ کی وضاحت ضروری نہیں سمجھی تاھم پروفیسر گیلس کا خیال ھے کہ ان دونوں کتابوں میں مصرعے کے مصرعے، حتیٰ کہ پورے کے پورے منتر ایک دوسرے سے اخذ ھیں۱۔ اور چونکہ زند اوستہ اور زردشترا، رگ ویدا اور اس کے برھمنوں سے قدیم العصر ھیں اس لیے یہی ماننا پڑے گا کہ رگ وید کے شعرا نے زردشترا اور زندِ اوستہ سے خوشہ چینی کی تھی۲۔

ویدک ایج کے مؤلفین نے پنجاب کی آرین قوم اور ایرانی سطح مرتفع کے چودہ سو سال قبلِ مسیح کے آبادکاروں میں باھمی تعلق و تشابہ کے باب میں یہ صراحت بھی ضروری جانی ھے کہ نہ صرف بوغوز کوئی سے برآمد ھونے والے کتبات یہ شہادت دیتے ھیں کہ چودہ سو سال قبلِ مسیح میں عراق کے بادشاھوں کے نام آرین ناموں سے ملتے جلتے تھے بلکہ مصر کے ایک مقام الاعمارنہ سے دستیاب ھونے والے کتبات سے بھی یہی گواھی ملتی ھے (کہ ارتامانیہ، آرزویہ، یسدتہ، ستارنہ) جیسے آریائی ناموں کے بادشاہ اس زمانے کے قریب قریب شام میں بھی حکمران تھے۳۔

اس استدلال سے ویدک ایج کے مؤلفین نے یہ نتیجہ برآمد کیا ھے کہ کوئی پندرہ سو سال قبلِ مسیح میں آریائی زبان پنجاب سے لے کر عراق و شام تک بولی جاتی تھی۔ ان کے خیال میں اس بات کا بھی امکان ھے کہ یہ زبان، پندرہ سو سال سے بھی پہلے کے زمانے میں یہاں رائج ھو۔ مثلاً وہ کہتے ھیں کہ تقریباً ۱۷۶۰ قبلِ مسیح میں بابل پر وہ کیسائی غالب آ گئے تھے جن کے بارے میں کہا گیا ھے کہ لفظ سورائی سے واقف تھے (سورائی بمعنی سورج) اور یہ لفظ انھوں نے انڈو ایرانیوں سے اس وقت مستعار لیا تھا جب وہ اپنے وطن سے باھر نکلے تھے۔

ویدک ایج کے مؤلفین نے ایڈورڈ میئر کی یہ رائے بھی نقل کی ھے کہ یہ انڈو آرین ھی تھے جو بیک وقت پنجاب کی طرف بھی سیلاب کے

۱۔ کیمرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول، ص ۷۶۔

۲ ویدک ایج، ص ۲۲۰—۲۲۱۔

۳۔ ایضاً، مطبوعہ لندن (۱۹۵۱) ص ۲۰۵۔ اینشنٹ انڈیا اینڈ سولزیشن ص ۱۴۔

سے انداز میں بڑھے تھے اور عراق کی سمت بھی یلغار کی تھی ، اور یہ یلغار انھوں نے پامیر کی سطح مرتفع سے شروع کی تھی ۱-

ان ہی مؤلفین نے اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ پامیر کی سطح مرتفع سے باہر آ جانے کے بعد یہ لوگ دریائے جیحون وسیحون سے سیراب ہونے والے علاقوں میں صدیوں آباد رہے تھے - جیسے کہ محقق ارنسٹ ہرز فیلڈ کا خیال ہے کہ تین ہزار سال قبل مسیح سے لے کر دو ہزار سال قبل مسیح کے درمیانی عہد میں ، ان دونوں دریاؤں کی سر زمین میں یہ لوگ مدتوں آباد رہے تھے اور یہیں ان کی پہلی تہذیب اور پہلے مذہب کے خطوط واضح ہونا شروع ہوئے تھے - اس لیے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ایران اور شمال مغربی ہند کے آباد کار آرین چودہ سو سال قبل مسیح کے عہد میں مذہب اور تہذیب کے لحاظ سے ایک تھے - البتہ پنجاب میں آباد ہونے کے بعد آرین قبائل کے عقائد میں غیر معمولی تبدیلی پیدا ہوئی اور تہذیب بھی بدلی - غالباً اس کا سبب اس ملک میں پہلے سے آباد لوگوں سے غیر معمولی میل جول ہوا تھا۲ -

یوں تو فاضل پال میسن اوورسیل نے بھی آرین قوم کی نقل مکانی کے باب میں بوغوز کوئی سے برآمد ہونے والے کتبات اور سکوں کا حوالہ دیا ہے ، لیکن ان کے خیال میں چونکہ آرمینیا میں قدیم آرین کے موجود ہونے کے آثار اب تک دریافت نہیں ہوئے ، اس لیے یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ آرین مغرب سے کاکیشیا کے راستے ایشیا میں داخل ہوئے تھے - ان کے نزدیک زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آرین اپنے قدیم ایشیائی مسکن سے نکل کر خلیج الیگزیداٹہ اور ایران کی سمت بڑھے تھے ، اور ایران میں داخل ہونے کے کافی دن بعد ہندوستان کی طرف آئے تھے ۳-

گویا دوسرے لفظوں میں فاضل پال میسن اوورسیل کو بھی عام مستشرقین کے اس خیال سے اتفاق نہیں ہے کہ آرین اقوام کا اصل وطن

۱- راولسن ، انڈیا ، ص ۱۷ -

۲- ویدک ایج ، ص ۲۱۸ -

۳- اینشنٹ انڈیا اینڈ انڈین سویلزیشن مطبوعہ لندن (کنگن پال) ، ص ۱۵ -

مغرب تھا ۔ ان کے نزدیک زبانوں کا تشابہ یقیناً بڑا وزن رکھتا ہے ۔ لیکن اس سے یہ بات پورے طور پر ثابت نہیں ہوتی کہ آرین کا اصل وطن مغرب تھا ۔ ان قیاسات سے زیادہ یقینی صورت یہی ہے کہ یہ لوگ وسطی ایشیا کے اصل باشندے تھے اور یہیں سے نکل کر ان کے کارواں آگے کو پھیلے تھے ۔

فصل سوئم

آرین قوم کا اصل وطن اور اس سے متعلق اختلاف رائے

ایک پچھلے باب میں گو آرین قوم کے اصل وطن کے بارے میں کچھ اشارات کیے جا چکے ھیں ، لیکن چونکہ یہ موضوع علمائے تاریخ کے نزدیک بڑی اھمیت رکھتا ھے ، اس لیے ھم نے اسے ایک مستقل عنوان دینا ضروری سمجھا ھے ۔ یہ اختلاف خاصا پرانا ھے اور اس کے سلسلے میں قدیم ترین نظریہ مومنسن کا تھا ۔ ۱۸۰۰ء میں عظیم محقق ایڈی لانگ نے یہ آواز اٹھائی کہ آرین پہلے پہل کشمیر میں رھتے تھے ، یہ ایڈی لانگ تھا ، جس نے یوروپین آرین کے بارے میں بھی پہلے پہل یہ نظریہ قائم کیا تھا کہ یہ مشرق سے مختلف امواج کی شکل میں سر زمین یورپ میں داخل ھوئے تھے ۔

اس کے بعد جن علمائے لسان نے زند اور سنسکرت کے حروف کی محرابی طرز پر تحقیقات فرمائی ، انہوں نے 'کشمیر' کو آرین اقوام کا اصل وطن ٹھیرانے کا نظریہ ترک کر کے کسی ایسے شمالی ملک کا تصور روشناس کرایا جہاں انڈو آرین کے یہ دو گروہ باھم مل کر رھے تھے ۔ ۱۸۲۰ء میں عظیم فاضل روڈ نے تجویز پیش کی کہ انڈو آرین کا وطن بختریہ تھا ۔ ۱۸۸۰ء تک علمائے لسان نے اس نظریے کو حقیقت سمجھا ، اور اس کے ثبوت میں دلائل کے انبار لگا دیے ، ان دلائل میں کچھ وزنی تھے اور کچھ غیر وزنی ۔ کلیپروتھ اور کیٹر جیسے علما نے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی کہ بعض یوروپین قبیلے چینی حسب و نسب رکھتے ھیں ۔

جن علما نے وسطی ایشیا کو آرین اقوام کا اصل وطن گردانا ھے ، ان میں لسین (۱۸۴۷) گرم (۱۸۴۸) اور میکس مولر (۱۸۵۹) پیش پیش ھیں ۔ پکٹ نے (۱۸۵۹) میں یہ دعویٰ کیا کہ آرین اقوام نے پے در پے یا بتدریج ھجرت وطن کی ، اس نے یوروپین آرین کو یونان اور اٹلی میں لاتے وقت ایک ایسی راہ تجویز کی جو کسپین کے جنوب میں سے ایشیا کے اندر سے ھوتی ، یونان اور اٹلی پہنچتی ھے ۔ اس کے برعکس وہ کیلٹ کو مغربی

یورپ میں کسپین کے جنوب میں سے گزرتی اس راہ سے لایا جو بحیرۂ اسود کے شمال اور ڈنیوب کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتی ہے ۱۔

اس کے خیال میں سلیو اور ٹیوٹان کسپین کے شمال میں سے ہوتے روس میں داخل ہوئے تھے ۔ اس باب میں فاضل محترم نے لسانی سہاروں کے ساتھ ساتھ علوم نباتات اور حیوانات سے بھی دلیلیں مستعار لی تھیں ۔

اس باب میں جیسا کہ ہم پیچھے بھی کہ چکے ہیں فاضل اجل میکس مولر نے بہت صحیح راہ تجویز فرمائی ہے ۔ اور متعدد لسانی دلائل اور امثلہ کی مدد سے یہ حقیقت ثابت کی ہے کہ انڈو آرین اور انڈو یورپین اقوام کا وطن ایک ہی تھا اور یہ وطن وسطی ایشیا کی سطح مرتفع میں تھا ، جو ارل جھیل سے شروع ہو کر کاکیشیا کے ساتھ سے ہوتا مشرق یورپ کے ہموار میدانوں کو مغربی ایشیا سے ملا دیتا ہے ۔ یہ بحیرۂ کسپین کے اردگرد کا علاقہ ہے اور یہ زمانۂ قدیم میں بہت زیادہ زرخیز و شاداب تھا ۔

فاضل میکس مولر نے اپنے اس نظریے کی عمارت جن ستونوں پر کھڑی کی ان میں ایک یہ ہے کہ زبان کے حرف دو دریا ہیں ، جن میں سے ایک شمال مغرب کی سمت سے یورپ میں بہتا ہے اور دوسرا جنوب مشرق کے رخ ایشیا میں رواں ہے اور یہ دونوں دریا آگے بڑھ کر جب وسط ایشیا میں پہنچتے ہیں تو ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے ہیں ۔ فاضل میکس مولر کی ایک اور بڑی دلیل ہے کہ شروع دور میں انسانی تہذیبی گہوارہ صرف ایشیا تھا ۔

مشہور عالم سائسے بھی ان علما میں سے ہے جو وسطی ایشیا کو آرین اقوام کا اصل وطن مانتے ہیں ۔ جو علمائے لسان یورپ کو آرین اقوام کا اصل وطن ٹھیراتے ہیں ان کے پیشرو فاضل 'لاتھم' (Latham) نے ۱۸۷۴ء میں لسانی اتحاد کے نظریے پر بھرپور وار کیا اور دعویٰ کیا کہ آرین اقوام کا اصل وطن یورپ ہے اور قیاس اس خیال کا نسبتاً زیادہ موید ہے ۔

گیگر ان علما میں سے بہت اہم ہیں جنھوں نے وسطی اور مغربی جرمنی کو آرین کا اصل وطن ٹھیرایا ہے اور کئی ایسے درختوں کے نام پیش کیے

۱۔ پری ہسٹارک انڈیا ص ۱۹۵ - ۱۹۶ ۔

ھیں جو تمام آریائی زبانوں میں موجود ھیں اور دعویٰ کیا ھے کہ یہ درخت وسطی جرمنی میں پائے جاتے ھیں ۔

گیگر کا استدلال یہ بھی ھے کہ چونکہ قدیم ترین آرین برف سے آشنا تھے اور سردی اور موسم بہار کو پہچانتے تھے اس لیے ان کی زبانوں میں ان چیزوں کے نام ایک جیسے ھیں ، اس کے برعکس قدیم آرین زبانوں میں گرمی اور خزاں کے لیے کوئی بھی مشترک لفظ نہیں ھے ۔

فاضل کونو کا دعوی یہ ھے کہ آرین اقوام کا اصل وطن وہ شمالی یورپ تھا ، جو ارل کے سلسلۂ کوہ سے شروع ھو کر روس کے اندر سے ھوتا ، شمالی جرمنی ، شمالی فرانس اور اٹلانٹک تک پھیلا ھے۱ ۔ نئے دور کے بعض انگریز علمائے تاریخ نے جن میں ھیو کنیڈی مصنف لینڈ آف فائیو ریورز اور پروفیسر گیسلس استاد سنسکرت زبان کیمبرج یونیورسٹی پیش پیش ھیں ، انڈو یورپین اقوام کا اصل وطن آسٹرو ھنگری اور بوھیما کے مابین کے علاقے کو ٹھیرایا ھے ۔ مثلاً ھیو کنیڈی کا بیان ھے کہ عین اس وقت جب شمال مغربی ھند اور جمنا ، گنگا سے سیراب ھونے والے وسیع میدانوں میں ھر سمت اور ھر طرف ھیلولیتھی تہذیب پروان چڑھ رھی تھی ، خانہ بدوشوں اور آوارہ و سرگردان پھرنے والوں کا ایک گروہ ھنگری کے اس زرخیز و شاداب میدان میں آباد تھا جس میں جھیلیں بھی تھیں اور جنگل بھی ۔

ان لوگوں کے چہرے بیضوی تھے ، پیشانیاں کشادہ تھیں ، ناکیں لانبی اور اونچی تھیں اور اعضا مضبوط و توانا تھے ۔ وہ اب تک گڈریے تھے ۔ ان کے پاس بکریوں بھیڑوں کے ریوڑ کے ریوڑ بھی تھے اور گائیں ، بیل بھی ۔ وہ گھوڑوں کو بھی پالتے تھے اور کتوں کو بھی۲ ۔

فاضل ھیو کنیڈی ھی کی رو سے بھیڑوں اور بکریوں کے ریوڑ ھنکاتے اور ادھر ادھر آوارہ و سر گردان پھرتے پھرتے ان لوگوں نے اناج کے بیج دریافت کر لیے اور ھل جوتنے اور زراعت کا کام کرنے لگے ۔ انھوں نے پہلے پہل گندم کاشت کی ۔ ان کے ھل بڑے وزنی اور بے تکے تھے ۔ وہ درختوں کو ھل کی شکل میں کاٹ کر ان کے آگے بیل جوت لیتے تھے ۔ زراعت کا

۱- پری ھسٹارک انڈیا ص ۲۰۰ - ۲۰۱ - ۲۰۲ -

۲- لینڈ آف فائیو ریورز ص ۳۲ -

کام کرتے کرتے ان کی آبادی بڑی تیزی سے بڑھنے لگی ۔ اور ایک وقت وہ آیا جب ھنگری کی وسعتیں آبادی میں مزید اضافه کا بوجھ برداشت کرنے کے قابل نه رھیں اور ان لوگوں کو مجبوراً ھنگری سے ھجرت کرنا پڑی ۔

فاضل کنیڈی کا خیال ھے که ان لوگوں نے حضرت مسیح علیه‌السلام کی پیدائش سے کوئی ڈھائی ھزار سال قبل ھنگری سے ھجرت کی تھی ۔ ھجرت کے وقت ان کی تعداد چونکه بے انتہا و بے پناہ تھی اس لیے وہ کئی حصوں میں بٹ گئے تھے اور انھوں نے مختلف اکناف عالم کا رخ کیا تھا ۔ کچھ گروہ مغرب کی سمت بڑھے تھے اور فرانس ، انگلستان اور جرمنی میں بس گئے تھے، کچھ لوگوں نے ٹیوٹانک فاتحین کی شکل اختیار کی ، یہی شروع دور کے اطالیه کے سابین اور لاطین تھے ۔ ذرا جنوب کی طرف اور بڑھ کر یہی لوگ یونان میں داخل ھوئے اور یونانی کہلائے اور ان ھی نے باسفورس عبور کر کے ایران میں اپنی آبادیاں قائم کیں ۱۔

باقی داستان پروفیسر گیسلس کے الفاظ میں سنئے ۔

"ان دنوں جب آرین نے مغرب کو چھوڑا اور مشرق کی سمت بڑھے تو دجله اور فرات کے درمیانی علاقے میں ایک بڑی متمدن سلطنت قائم تھی جس کے بارے میں آرین کو اندیشه ھوا که اگر وہ فرات کے میدانوں میں داخل ھوں گے تو وہ ان کے سد راہ ھوگی ، اس لیے وہ کترا کر اس پہاڑی راہ پر ھو لیے جو جھیل وین اور جھیل ارمیه کے مابین واقع ھے اور جو از منهٔ قدیم سے تبریز اور تہران کو باھم ملاتی ھے ۔ اس راہ پر چلتے چلتے یه لوگ جب کسپین کے جنوبی کنارے پر پہنچے ، تو مشهد کا رخ اختیار کیا ۲۔"

پروفیسر گیسلس نے سر تھامس ھولڈچ کے اس خیال سے بھی اتفاق کیا ھے که ان لوگوں نے کافی مدت تک ملک باختر میں قیام کیا تھا ۔ وہ فرماتے ھیں که اس میں بھی کوئی شبه نہیں ھے که یه لوگ جب قدیم زمانے کے ملک باختر میں داخل ھوئے تھے ، تو دور شمال اور دور مشرق تک پھیل گئے تھے اور دریائے آمودارا اور دریائے شیردارا کے درمیانی علاقے

۱- ڈان آف ھسٹری ص ۱۸۹ ۔

۲- کیمرج ھسٹری آف انڈیا جلد اول ، ص ۷۱ ۔ گیٹس آف انڈیا سر ھولڈچ ، ص ۱۲۸ ۔

میں بہت سی فتوحات حاصل کی تھیں ۔

پروفیسر گیسلس نے ان آوارہ خرام آرین کا اصل وطن ہنگری ، آسٹریا اور بوہیما کا علاقہ قرار دینے کے بعد ، ان کے انتقالِ وطن کی تاریخ بھی متعین کی ہے ۔ ان کی رو سے یہ تاریخ ڈھائی ہزار سال قبلِ مسیح تھی ۔ اس کے ساتھ ساتھ پروفیسر موصوف نے یہ ادعا بھی کیا ہے کہ جب یہ انتقالِ وطن ہوا اور آرین قوم نے ، ہندوستان کی راہ لی تو وہ جن علاقوں سے گزری وہ غیر آباد نہ تھے ۔ اس لیے اسے ہندوستان پہنچنے تک راستہ میں واقع ملکوں کے باشندوں سے بڑی سخت لڑائیاں لڑنی پڑی تھیں ۔ جو ان کے لاتعداد و بے حساب افراد پر مشتمل کارواں کو ٹڈی دلوں سے مشابہ سمجھتے تھے ، اور انہیں گمان ہوا تھا کہ یہ ٹڈی دل ان کے ذرائع زیست کو قطعاً تباہ کر دیں گے ۔ اس لیے ہمارا گمان ہے کہ نقلِ وطن کرنے والے گروہوں کا سلسلہ برابر و متواتر قائم رہا ۔ ایک گروہ کے پیچھے دوسرا گروہ چلا ، دوسرے کے پیچھے تیسرے نے سفر اختیار کیا تا کہ پہلے گروہوں کی راہ روکنے والے مخالفین ان پر غالب نہ آ جائیں۲ ۔

پروفیسر گیسلس نے اس نظریے کی تردید کی ہے کہ آرین کی مشرقی شاخیں بحیرۂ اسود کے شمال سے ایشیا میں داخل ہوئی تھیں اور بحیرۂ کسپین کے شمال کے گرد ہو کر کاکیشیا کے درّے کے اندر سے راہ پائی تھی۳ ۔

پروفیسر گیسلس کے خیال میں یہ سمندر چونکہ اندرونی سمندر ہے ، اور بتدریج بہت محدود اور تنگ ہوتا گیا ہے ، اور اگر یہ وسیع بھی ہوتا تو بھی اس سے ترکستان اور ارل جھیل کے مابین جو راستہ جاتا ہے ، وہ بہت تکلیف دہ صحرا ، اُست اُرت سے ہوکر جاتا ہے اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ یہ صحرا ، وائرس یا آرین کی نقلِ مکانی کے وقت موجود تھا ، تو اس سے ایسے کاروان کا گزرنا ، قریب قریب ناممکن تھا ، جس میں عورتیں ، بچے ، بوڑھے اور حتیٰ کہ گائے بیلوں اور بھیڑوں کے ریوڑ بھی شامل تھے ۔

۱۔ اینشنٹ انڈین ہسٹری ، ص ۲۸ ۔

۲۔ اورسیل انشنٹ انڈیا اینڈ سولزیشن ، ص ۱۴ ۔

۳۔ کیمرج ہسٹری آف انڈیا ، ص ۷ ۔

پھر ایسی جغرافی شہادتیں بھی ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں بحیرۂ کسپین ، زیادہ دور تک شمال کی طرف نہیں پھیلا تھا ، اور اس میں جھیل ارل اور نچلی سطح کے میدان شامل تھے ، اور اس راستہ سے ترکستان پہنچنا امر محال تھا ۔ اس کے برعکس ایسی کوئی شہادت موجود نہیں ہے جو یہ ثابت کر سکے کہ فارسیوں ، افغانیوں اور ہندوؤں کے آباو اجداد ترکستان کے راستے مغرب سے مشرق میں داخل ہوئے تھے ۱۔

پھر یہ بھی امکان نہیں ہے کہ یورپ کے آوارہ و سرگردان پھرنے والوں نے کاکیشیا کے راستے مشرق میں راہ پائی ہو ۔ اس لیے امکان صرف اسی بات کا ہے کہ ان آوارہ و سرگردان قبیلوں نے اس عام راستے کے سوا کوئی دوسرا راستہ اختیار نہیں کیا تھا ، جو مغرب سے مشرق کی سمت ہجرت کرنے والے قبیلوں نے عموماً اختیار کیا ہے اور یہ درۂ دانیال یا باسفورس سے سطح مرتفع ایشیائے کوچک میں سے گزرتا ہے یا بحیرۂ اسود سے ملے ہوئے زرخیز میدانوں میں سے ہوتا آگے کو بڑھتا ہے ۲۔

مسٹر رنگ اچاریہ نے اپنی کتاب پری ہسٹارک انڈیا میں آرین قوم کے یورپ سے ترک وطن کر کے ایشیا میں داخل ہونے کے سلسلے میں کچھ نئی اسناد بھی پیش کی ہیں ، اور کہا ہے کہ آرین اثر ، سامی ، سومیری اور حتی (ہٹی) الفاظ اور تہذیب میں سے بھی کرید لیا گیا ہے ۔ کیونکہ عراق کے ایک مقام میتانی میں سے کئی ایسے کتبات برآمد ہوئے ہیں ، جو بہت بداہت سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ آرین ، عراق میں ، دوسری قرن قبل مسیح کی پہلی صدیوں میں موجود تھے ، اور مصری اور عراقی تہذیب کو خاصا متاثر کیا تھا ۔

اس سلسلے میں بحث کرتے وقت مسٹر رنگ آچاریہ کہتے ہیں کہ تین ہزار سات سو پچاس قبل مسیح میں سارگون الال نے سومیری آرکیڈی (عرقدی) سلطنت کی بنا رکھی ۔ تقریباً ۲۲ سو سال قبل مسیح کے وقت ، مشرق کی طرف سے علامی اور مغرب کی سمت سے عموری سلطنتوں نے

۱۔ اورسیل ، اینشنٹ انڈیا اینڈ انڈین سولزیشن ، ص ۱۵۔

۲۔ لینڈ آف فائیو ریورز ، ص ۳۳ ۔ کیمرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول ، ص ۷۰ ۔

سومیری 'عقدی' (اکادی) کو اپنے احاطہ میں لے لیا ۔ اس کے بعد بابل کے عروج کا زمانہ آیا ، اور وہ سامی ، سومیری علامی حکومت کا پایۂ تخت بنا ۔ خمورابی کے زمانۂ حکومت میں ۲۱۰۰ قبلِ مسیح میں بابل نے اپنا انتہائی عروج دیکھا ۔ اس کے بعد کی صدیوں میں بابل کی سربراہی کو بیرونی لوگوں نے بھی چیلنج کیا اور اندرونی طاقتیں بھی اس سے آنکھیں چار کرنے لگیں ۔ اندرونی طاقت جو بابل کی حریف بنی وہ سامی اسیری طاقت تھی اور بیرونی دشمنوں میں ہٹی قبائل تھے ، یہ مغربی سمت کے رہنے والے تھے ۔

مسٹر رنگ اچاریہ نے دعویٰ کیا ہے کہ اس وقت جبکہ بابل میں سامی اسیری اور ہٹی برسر پیکار تھے ۔ آرین جو اپنی جنگی رتھوں اور گھوڑوں کے سبب ، اپنے ہم عصروں پر فوقیت رکھتے تھے ، بابل اسیری قوتوں سے نبرد آزما ہوئے ، ایک آرین گنداجب (Gandajib) نے بابل فتح کر لیا اور ایک آرین سلطنت کی بنا رکھی جو چھ سو سال تک چلی ۔ بابل کی آرین سلطنت نے اکادی سامیوں میں آرین تہذیب متعارف کرائی اور علامی مرکز سوسا پر غلبہ حاصل کر لیا ، اور آرین تہذیب تور (طور) کے پہاڑوں سے لے کر خلیج فارس تک کے علاقے میں سامی تہذیب پر مسلط ہوگئی ۔

زوال کے دنوں میں جو ۱۳۰۰ قبل مسیح سے شروع ہوا ، میتانی کے آرین بادشاہوں اور مصر کے تھوتھمس ، چہارم ایمن ہتپ سوئم اور ایمن ہتپ چہارم کے مابین شادی بیاہ کا تعلق قائم ہوا اور آرین شہزادیاں مصری حرم میں داخل ہوئیں ۱ ۔

مسٹر رنگ اچاریہ نے آرین شہزادیوں کے مصری حرم میں داخل ہونے سے یہ نتیجہ برآمد کیا ہے کہ ان شہزادیوں نے اپنے اثر و رسوخ سے آرین تہذیب مصر میں متعارف کرائی تھی ۔

یہ داستان جو ہم نے مسٹر رنگ اچاریہ کی وساطت سے اوپر دھرائی ہے ، پروفیسر گیسلس ، اورسیل اور ہولڈچ نے بھی اسے چھیڑا ہے ۔ لیکن عجیب بات ہے ، ان علما کی رو سے آرین قبائل جب بابل کے قریب پہنچے تو بابل میں داخل نہیں ہوئے ، کیونکہ وہاں ایک عظیم سامی بادشاہ

---

۱ ۔ پری ہسٹارک انڈیا ، ص ۲۰۲ ۔ ۲۰۳ ۔

حمورابی کی سیاسی عظمت انتہائی بلندیوں پر تھی ، اور آرین کارواں کو اپنے ساتھیوں کی کثرت کے باوجود حمورابی کو للکارنے کا حوصلہ نہ ہوا ۱-

فاضل لیوس سپنس نے جو مائتھس آف بیبلونا کے مصنف ھیں ، عراق ی بادشاہ حمورابی کا نام خمورابی تحریر کیا ھے اور اس کے زمانۂ اقتدار کو ۲۳۳۸ سال قبل مسیح کا زمانہ ٹھیرایا ھے - جس کے معنی یہ ہوئے کہ آرین قبائل اپنے اصل وطن سے نکل کر جب عراق پہنچے تو یہ ۲۳۳۸ سن قبل مسیح تھا ۲-

یہاں فاضل ایچ جی ولز کی صراحت بھی ملحوظ رہے کہ انڈو آرین قبائل جب شمالی ایران اور افغانستان میں پہنچے تھے تو وھاں پہلے سے میڈز اور پرشنز موجود تھے اور یہ دونوں آرین تھے ۳-

---

۱- کیمرج ھسٹری آف انڈیا ، ص ۷۰ - اورمیل ، ص ۱۵ -

۲- مائتھس آف بیبلونا ، ص ۲۰ -

۳- آؤٹ لائن آف ھسٹری ، ص ۱۷۴ -

پانچواں باب

انڈو آرین سب سے پہلے ارضِ پاکستان میں آباد ہوئے

رگ وید کی تصنیف ، وادیٔ سندھ یا سپتا سندھو کی مرہون منت ہے

فصل اول

انڈو آرین اور ارضِ پاکستان

دریائے سندھ اور اس کے معاون دریاؤں کے کناروں پر پہلی آریائی آبادیاں

ہندوکش کو عبور کر کے انڈو آرین قبائل ٹھیک ٹھیک کس وقت ارضِ پاکستان میں داخل ہوئے۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جسے علمائے تاریخ نے گو بہت اہمیت دی ہے لیکن اس کا صحیح جواب آج تک کسی ایک سے بھی بن نہیں پڑا کیونکہ کوئی ٹھوس شہادت ایسی نہیں ہے، جس سے اس باب میں استناد کیا جا سکے۔

رگ وید سے استناد

آرین قوم کی مذہبی کتاب رگ وید ایک ایسی تنہا سند ہے، جس کے مختلف منتروں کے مبہم مفہومات پر عالمِ تاریخ نے اپنے قیاس کی عمارت کھڑی کی ہے اور اس زمانے کا تعین کرنا چاہا ہے، جس میں رگ وید کی تالیف ہوئی۔ بعض ہندوستانی علما کے نزدیک رگ وید چھ ہزار قبلِ مسیح میں تصنیف ہوا، لیکن اس خیال پر اعتراض وارد کرتے ہوئے، فاضل ہاشم بجا کہتے ہیں کہ وادیٔ سندھ کے شہروں کے انکشاف کے بعد جن کی تہذیب و تمدن اور رگ وید کی تہذیب و ثقافت میں قطعاً کوئی تشابہ موجود نہیں ہے، یہ بات ثابت کر دی ہے کہ رگ وید کے منتر کسی طرح بھی ہڑپا کے خاتمے سے قبل تالیف نہیں ہوئے تھے۔ اس سلسلے میں فاضل ہاشم نے ایک قوی قیاس کا سہارا لیا ہے اور کہا ہے آخری دور کے ویدک لٹریچر میں جو عظیم تہذیبی، مذہبی اور لسانی ارتقا رونما ہوا، وہ اس امر کا داعی ہے کہ رگ وید کے آخری منتروں کی تالیف اور مہاتما بدھ کی پیدائش کے وقت تک

کافی زمانہ بیت چکا ہے ، کم سے کم پانچ سو سال تو ہو چکے ہیں ، اس لیے غالباً رگ وید کا زیادہ تر حصہ پندرہ سو سال قبل مسیح سے لے کر ایک ہزار سال قبل مسیح تک تالیف ہوا تھا ۱ ۔

زمانۂ تالیف

مشہور مستشرق اور عالم لسانیات پروفیسر میکس مولر نے بھی ایک زمانہ میں یہی تاریخ قرین قیاس ٹھہرائی تھی ، اور اکثر علما نے اس کے تتبع میں بارہ سو سال قبل مسیح کی تاریخ کو ہی حقیقت سمجھ لیا ۔ لیکن پروفیسر جیکوبی اور بل گنگا دھارا تلک نے بالکل ایک الگ دعویٰ کیا اور بعض ایسے قیاسات کی بنا پر جو زیادہ تر علم نجوم اور ہیئت کے غیر یقینی ' قضیات ' پر مبنی تھے رگ وید کی تالیف کو ساڑھے چار ہزار سال قبل مسیح سے ڈھائی ہزار سال قبل مسیح تک کے زمانہ سے متعلق کر دیا ۔ تلک اور جیکوبی کے نظریہ سے جن لوگوں نے اتفاق کیا ان میں پروفیسر ہرپرشاد شاستری بھی تھے ، لیکن پروفیسر کیتھ ، میکڈانل وائٹن تھیبوٹ اور اولڈن برگ جیسے بڑوں نے تلک اور جیکوبی کی خیال آرائی کو قطعاً بے کار جانا اور اعلان فرمایا کہ تلک اور جیکوبی تو دو ہزار سال سے پیچھے چلے گئے ہیں ، مگر لسانی ترویج کے اصول و مبادیات تو اس امر کی اجازت بھی نہیں دیتے کہ ہم رگ وید کی تالیف کو دو ہزار سال قبل مسیح تک بڑھا لے جائیں ۲۔

ان علما میں سے مسٹر میکڈانل نے اس باب میں پروفیسر میکس مولر کی چالیس سال پہلے کی رائے کو صحیح قرار دیا اور کہا کہ اگر زیادہ سے زیادہ اس تاریخ کو لمبا کیا جائے تو پندرہ سو سال قبل مسیح تک لے جایا جا سکتا ہے اور دلیل دی کہ زند اوستہ اور رگ وید کے منتروں میں اس درجہ لسانی قرب اور مشابہت موجود ہے کہ ایک زبان کے منتر دوسری زبان میں بڑی آسانی سے نقل کیے جا سکتے ہیں ۔ حتیٰ کہ شعری عروض و قوافی بھی برقرار رہتے ہیں ۔ اس کے معنیٰ صرف یہ ہیں کہ رگ وید اور زند آوستہ کے خالقوں کو ایک دوسرے سے جدا ہوئے بہت تھوڑی مدت

۱- باشم ، ونڈر دیٹ واز انڈیا ص ۳۱ ۔

۲- پری ہسٹارک انڈیا ص ۲۲۴ - ۲۲۳-

ہوئی تھی اور دونوں تہذیبیں ابھی بالکل نئی تھیں ۔

اس سلسلے میں فاضل میکڈانل نے اور بھی کئی دلائل پیش کیے اور نتیجہ برآمد کیا کہ انڈو آرین اپنے ایرانی ساتھیوں سے کٹ کر ارضِ پاکستان میں زیادہ سے زیادہ پندرہ سو سال قبلِ مسیح میں داخل ہوئے ۔

رگ وید کے ایڈیٹر گرس وولڈ نے گو آرین اقوام کی باھمی جدائی تین ہزار قبلِ مسیح سے لے کر دو ہزار قبلِ مسیح سے متعلق کی ہے لیکن انڈو آرین کے شمالی مغربی علاقہ میں ورود کو پندرہ سو سال قبلِ مسیح تک محدود کیا ہے اور رگ وید کے پہلے منتروں کی تصنیف بارہ سو سال قبلِ مسیح سے ایک ہزار سال قبل تک متعین کی ہے۱ ۔

فاضل ٹی برو مصنف سنسکرت لنگوایج کے خیال میں گو ۱۷۰۰ سے ۱۳۰۰ قبلِ مسیح انڈو آرین حملے کی تاریخ تو متعین کی جا سکتی ہے لیکن رگ وید کی تصنیف لازماً بارہ سو اور ایک ہزار قبلِ مسیح میں ہوئی تھی ۔ ان کا خیال ہے کہ گو انڈو آرین تاریخ کا آغاز اس وقت سے ہوا جب آرین بولی شمال مغربی علاقے میں پہلی بار متعارف ہوئی لیکن اس تعارف کے زمانہ اور رگ وید کے منتروں کی تالیف میں خاصا بُعدِ زمان تھا ۔

فاضل ٹی برو نے اس سلسلے میں ایک عجیب دلیل پر انحصار کیا ہے ، کہتے ہیں۲ کہ رگ وید میں کوئی ایک منتر بھی ایسا نہیں ہے جس میں ترکِ وطن یا ہجرت کا ذکر کیا گیا ہو ، حتیٰ کہ کوئی ایسا واضح اشارہ بھی موجود نہیں ہے جو اس امر کی دلیل ہو کہ ہجرت کی یاد تازہ تھی اور لوگ اسے بھولے نہ تھے۳ ۔

فاضل ٹی برو نے بعض لسانی تبدیلیوں سے بھی اس باب میں استشھاد کیا ہے ، مگر ہم یہاں اس موضوع کو چھیڑنا مناسب نہیں سمجھتے ۔ آگے چل کر ہم ایک مستقل عنوان کے تحت اس پر گفتگو کریں گے ۔

۱۔ سنسکرت لٹریچر ص ۱۲ ۔ پری ہسٹارک انڈیا ، ص ۲۲۳ ۔ جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۱۷ ص ۱۳۵ ۔

۲۔ سنسکرت لینگوایج ، مطبوعہ فیبر اینڈ فیبر لنڈن ص ۳۲ ۔

۳۔ سنسکرت لینگوایج ص ۳۲ ۔

رگ وید کی تصنیف اور ارضِ پاکستان

اس سلسلے میں ڈاکٹر ونٹر نٹز کا یہ خیال بھی ملحوظ رہے کہ رگ وید کے منتروں سے یہ شہادت بھی میسر آئی ہے کہ یہ جب تالیف ہو رہے تھے تو آرین شمالی افغانستان اور ارضِ پاکستان کے ابتدائی حصوں میں آباد تھے (بالائی سندھ ، چترال ، سوات اور پشاور غالباً مراد ہیں) اور جب ان کی تکمیل ہوئی تو وہ کافی آگے پہنچ چکے تھے ۔ ڈاکٹر ونٹرنٹز کے نزدیک رگ وید کی تالیف کوئی تیسری قرن قبلِ مسیح سے آٹھ سو سال قبلِ مسیح کے مابین ہوئی تھی[۱] اور یہی ان کے داخلۂ ھند کا وقت تھا ۔ مسٹر رنگ اچاریہ کی رو سے جب آرین شمال مغربی علاقوں میں داخل ہوئے تو ھڑپا اور موھن جو ڈیرو ابھی تک موجود تھے اور یہ آرین تھے جنھوں نے موھن جو ڈیرو اور ھڑپا کے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجائی تھی ۔

پروفیسر باشم کے الفاظ میں رگ وید دوسری قرن قبل کے آخری ادھواڑے میں تصنیف ہوا اور یہ لازماً ان لوگوں کی تالیف تھا ۔ جو ابھی تک اپنی فتوحات مکمل نہیں کر سکے تھے اور جنھوں نے شمالی مغربی علاقہ کے باشندوں پر پورا سیاسی تغلب حاصل نہیں کیا تھا[۲] ۔

سر جان مارشل نے موھن جو ڈیرو کے انکشافات و نقاب کشائی کی روداد بیان کرتے وقت اپنی عظیم تالیف میں یہ خیال ظاھر کیا ہے کہ ھڑپا اور دوسرے سندھی شہروں کی تباھی اور آرین کے ورود ھندوستان کے مابین دو سو سال کا فاصلہ تھا ۔ مسٹر باشم اس خیال کی تردید کرتے وقت ھڑپا کی بعد کی کھدائی سے استناد کرتے ھیں اور کہتے ھیں کہ ھڑپا کی بعد کی کھدائی اور بعض دوسرے قدیم شہروں کے تہذیبی و تمدنی انکشافات سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ آرین کے ورودِ ارضِ پاکستان اور ھڑپا کی تباھی میں وہ فاصلہ نہیں تھا جو سر جان مارشل متعین فرماتے ھیں ، بلکہ بہت سے مستند علما جن کے قائد ، سر ، آر ، مارٹیمور ویلر ھیں ، یہ یقین رکھتے ھیں کہ ھڑپا پر آرین ھی تباھی لائے تھے اور ھڑپا کے آخری قبرستان میں سے بعض ایسے پنجر بھی دستیاب ہوئے ھیں جو خالص

۱- پری ھسٹارک انڈیا ص ۲۲۷ ۔

۲- باشم ، ونڈر دیٹ واز انڈیا ۔ ص ۲۸

ویدک آرین کے ہیں اور رگ وید میں جن قلعوں اور پڑوں کے متعلق فخریہ کہا گیا ہے کہ دیوتائے جنگ اندرا نے تباہ کیے تھے ان میں ہڑپا بھی تھا۔

ویدک ایج کے مؤلفین کے نزدیک رگ وید کی عمر زیادہ سے زیادہ ایک ہزار سال قبل مسیح کی ہے اور آریوں کے ارض پاکستان میں داخل ہونے کے زمانہ کو پندرہ سو سال پہلے تک دراز کیا جا سکتا ہے ۱۔

پہلی آرین آبادیاں سندھ کے کنارے پر قائم ہوئیں

مشہور عالم مؤرخ بیڈن پاویل کا بیان ہے کہ آرین شمال مغربی دروں کے ذریعے جب وادیٔ سندھ میں پہنچے، تو پہلے پہلے، انھوں نے بالائی سندھ کے اس پہاڑی علاقے میں قیام کیا تھا جو سندھ کے سات معاونوں سے سیراب ہوتا تھا (سپتا سندھو) ۔ ان کی پہلی آبادیاں ہمالیہ کے بیرون اور اندروں، دونوں حصوں میں قائم ہوئی تھیں ۔ یہاں خاصی مدت آباد رہنے کے بعد وہ آہستہ آہستہ آگے کی سمت بڑھتے گئے ۲۔ آگے کی سمت بڑھنے کی رفتار بہت ہی سست تھی ۔

فاضل پاویل کا بیان ہے کہ جب آرین قوم شمال مغربی علاقے میں داخل ہوئی، تو سوما شراب کے خم کے خم لنڈھاتی آئی تھی، وہ گوشت خوب کھاتی تھی اور اس کے بازو بہت مضبوط تھے ۔ وہ اپنے سرداروں کے بلاوے پر جب میدان جنگ میں اترتی تو سوما شراب پی کر اترتی تھی، اسے یہاں پہنچ کر محض غیروں ہی سے لڑنا نہیں پڑا تھا، اپنوں سے بھی خوب قوت آزمائی کی تھی ۔ فاضل پاویل نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ آرین چونکہ ایک ساتھ یہاں وارد نہیں ہوئے تھے اس لیے جو قبیلے بعد میں یہاں آئے ان میں اور پہلے قبیلوں میں خوب لڑائیاں ہوئی تھیں ۔ نووارد چونکہ زیادہ جوشیلے اور زیادہ قوی تھے، اس لیے پہلے ان کا مقابلہ خوب اچھی طرح نہ کر سکے اور پچھلے علاقوں میں ہٹ گئے ۳۔

۱۔ ویدک ایج ص ۲۰۴ ۔

۲۔ بیڈن پاویل انڈین ولیج کمونٹی (مطبوعہ لانگ مینس، گرین اینڈ کمپنی)، ص ۷۸-۹ ۔

۳۔ ہسٹری آف آرین رول ان انڈیا، ص ۱۵۔

فاضل بیڈن پاویل نے جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا ، آرین قبائل کے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے کی روداد بھی لکھی ہے ، اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ روایت اس امر کو بھی یقینی ٹھیراتی ہے کہ آرین قبائل میں سے جو لوگ سندھ کے زیریں اور پہاڑی علاقے میں آباد ہوگئے تھے ، انھوں نے عام آرین کی طرح نقلِ مکانی نہیں کی تھی -

فاضل بیڈن پاویل کے نزدیک یہ حقیقت بھی بڑا وزن رکھتی ہے ، کہ شمال مغربی ہند کے علاقے میں داخل ہونے کے بعد جب آرین سندھ کے بالائی اور زیریں میدانوں پر قابض ہوگئے تھے تو ان کی زبان سنسکرت نے پوری وادیٔ سندھ میں عمل دخل پا لیا تھا۱ -

فاضل بیڈن پاویل کا خیال ہے کہ جب آرین قبائل کا ریلا ، سرسوتی سے آگے بڑھ کر جمنا ، گنگا سے سیراب ہونے والے علاقے میں داخل ہوا ، اور وہاں عظیم سلطنتوں کی بنا رکھی تو بھی پنجاب کے دریاؤں کے کناروں پر آباد آرین نے ترکِ وطن نہیں کیا تھا۲ ، وہ لوگ بھی پیچھے رہ گئے تھے جو پہاڑی اضلاع میں یا سندھ کے زیریں میدان میں آباد تھے -

بیڈن پاویل نے اپنے اس خیال کے اظہار کے ساتھ ساتھ لیسن اور زمر کی آرا بھی نقل کی ہیں - مثلاً زمر کہتا ہے ''یہ خیال بہت عام ہے کہ آرین پنجاب میں بس گئے تھے خصوصیت سے ان کے بڑے قبیلوں نے تو اپنی بستیاں دریائے سندھ اور اس کے معاونوں سے سیراب ہونے والے ان علاقوں میں آباد کی تھیں جو ان دنوں 'سپتا سندھو' کا دیس کہے جاتے تھے' جن میں وادیٔ سوات ، وادیٔ کابل ، وادیٔ کنار، وادیٔ جہلم، وادیٔ راوی ، وادیٔ ستلج اور وادیٔ چناب شامل تھی۳-''

سندھی زبان سے ثبوت

بیڈن پاویل نے پنجاب سے آرین کے نقلِ وطن کے بعد بعض آرین قبائل کے سندھ کے زیریں میدان یا موجودہ سندھ میں مسلسل و متواتر آباد رہنے اور ترکِ وطن نہ کرنے کے باب میں سابقہ صوبۂ سندھ میں بولی

۱- لینڈ آف فائیو ریورز ، ص ۳۳ -

۲- لیسن جلد اول ، ص ٦١٧ - زمر ، ص اول -

۳- بیڈن پاویل ، انڈین ولیج کمونٹی ، ص ۷۸ (حاشیہ) -

جانے والی سندھی زبان سے بھی سند لی ہے - ان کے نزدیک سندھی زبان ، اس امر کی بین شہادت ہے - کیونکہ سندھی میں اس سنسکرت زبان کے بہت سے الفاظ موجود ہیں جسے بولتے ، پہلے آرین قبائل شمال مغربی ہند میں پہنچے تھے۱-

سندھی زبان اور سنسکرت کا اشتراک

محقق برٹن اور ڈاکٹر ای - ٹرسپ سے بھی گزٹیر آف سندھ میں یہ رائے منسوب کی گئی ہے کہ سندھی میں نہ صرف سنسکرت کے اصل الفاظ اب تک جوں کے توں موجود ہیں ، بہت سے بدلے ہوئے الفاظ کا اگر تجزیہ کیا جائے تو وہ بھی سنسکرت کے اصل الفاظ سے ملتے جلتے نظر آئیں گے -

ڈاکٹر ای - ٹرسپ کے خیال میں ہندوستان میں بولی جانے والی تمام زبانوں مرہٹی ، گجراتی ، ہندی ، بنگالی اور پنجابی کی نسبت ، سندھی ، آرین پراکرت سے بہت قریب ہے -

یوں یہ خیال بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ پنجابی زبان کی اصل بھی سنسکرت ہے ، لیکن فاضل بیڈن پاویل نے اس خیال کو صحیح نہیں سمجھا۲ -

اینشنٹ انڈین ہسٹری کے مصنف اور مشہور مستشرق عالم راولنسن نے اپنی تالیف انڈیا میں یہ وضاحت بھی ضروری جانی ہے کہ آرین قوم جب شمال مغربی علاقے میں داخل ہوئی تھی تو ڈراویڈن نے قدم قدم پر بڑے تہور کے ساتھ ان کا راستہ روکا تھا اور گو ناکام رہے تھے تاہم یہ لڑائی برابر و مسلسل جاری رکھی تھی۳ - اینشنٹ انڈین ہسٹری کے مصنف نے تو اس سلسلے میں رگ وید سے استناد کیا ہے اور دعویٰ فرمایا ہے کہ ڈراویڈن اور آرین قوم میں جو لڑائیاں لڑی گئیں تھیں وہ بڑی خونریز تھیں اور ان میں ہزاروں لاکھوں ڈراویڈن کام آئے تھے - آرین نے نہ صرف ان کے خون سے ہولی کھیلی تھی ان کی بستیوں ، ان کے قلعوں اور ان کے

۱- ہیو (Hughes) ، گزیٹر آف سندھ ، ص ۸۸ -
۲- بیڈن پاویل انڈین ولیج کمونٹی ، ص ۷۹—۸۰ -
۳- اینشنٹ انڈین ہسٹری ، ص ۲۲—۲۳ - راولنسن (انڈیا) ، ص ۲۱ -

محلات میں آگ لگا دی تھی ، ان کے مردوں کو داس اور عورتوں کو داسیاں بنا لیا تھا ۱۔ ہو سکتا ہے کہ موھن جو ڈیرو اور ھڑپا جیسے مقامات کے قریب جو لڑائیاں فریقین میں لڑی گئی ھوں ، وہ سب سے بڑی لڑائیاں ھوں ، اور ڈراویڈن نے ان ھی لڑائیوں میں ناکام رھنے پر موھن جو ڈیرو اور ھڑپا خالی کر دیے ھوں ۔

بہر حال ماھرین آثار قدیمہ ابھی اس قابل نہیں ھوئے کہ ڈراویڈن اور آرین قوم کے پہلے کے معرکوں اور ان کے ماحول کو متعین کر سکیں۔ رگ وید سے جو شہادتیں میسر آئی ھیں وہ صرف اسی حد تک محدود ھیں کہ فریقین ایک دوسرے سے لڑے اور یہ سلسلۂ تقابل واسو بادشاہ سمبرا اور آرین بادشاہ دیوداس کے عہد تک دراز رھا ۲۔ خصوصیت سے ان دونوں بادشاھوں میں جو لڑائی ھوئی وہ تو بڑی ھی ھولناک تھی ، اور غالباً یہی وہ لڑائی تھی جس کی بنا پر دیوداس آرین بادشاہ اس قابل ھوا کہ اپنی سلطنت کے حدود دریائے سرسوتی (موجودہ انبالہ) تک پھیلا لے ۔

غالباً اس لڑائی کے بعد ھی آرین قبائل موجودہ راجپوتانہ کی طرف بھی بڑھے تھے ۔ لیکن اب بھی دریائے جمنا کے کنارے ان کے لیے کھلے نہ تھے وھاں ڈراویڈن بادشاھت پہلے ھی کی طرح قائم تھی ۔

۱۔ اینشنٹ انڈین ھسٹری ، ۲۳ ۔

۲۔ راولسن انڈیا ، ص ۲۱ ۔

چھٹا باب

آرین قوم کے مذہبی خد و خال

[illegible]

۱۔ ایشنٹ انڈین ہسٹری، [illegible]

۲۔ راولنسن انڈیا، ص [illegible]

فصل اول

رگ وید اور دوسری ویدک تصانیف

آرین قوم کی مذہبی کتابیں جو اس تہذیبی ، تمدنی اور ثقافتی جد و جہد کی آئینہ دار ہیں ، مجملاً چار عظیم مجموعوں پر مشتمل ہیں ۔ رگ وید ان میں سے سب سے اہم اور پہلی دستاویز ہے ، دوسری یجر وید ، تیسری سام وید اور چوتھی اتھر وید ہے ۔ ان میں سے ہر ایک آگے تین مزید حصوں میں تقسیم کی گئی ہے ، سمتہ (مقدس متن) برہمنا (تفسیر و حواشی) آرنیا کہ (جنگلوں میں پڑھنے کے قابل صحیفے) ۔

ویدک شارح اور لغات کے ماہر یاسکا کی رو سے وید صرف دو حصوں پر منقسم ہیں ۔ برہمنا اور سمتہ یاسکا کے نزدیک آرنیا کہ ، برہمناہی کا جزو ہیں قدیم دور کے ایک اور قانون دان فقیہ اور عالم آپستابہ کا نظریہ بھی یہی ہے ۱ ۔

مشہور اپنشاد زیادہ تر آرنیا کہ کے مختلف ابواب ہیں ۔ بعض آرین علما کے نزدیک کلپاستر بھی ویدک ادب میں شامل ہیں ۔

سمتہ تعداد میں پانچ ہیں ، رگ وید سمتہ ، تائترئیا سمتہ ، سیاہ یجر وید اور سفید یجر وید ، سام وید سمتہ اور اتھر وید سمتہ ۔ آرین قوم کی یہ مقدس الہامی کتابیں سنترا کے عنوان سے موسوم کی گئی ہیں ۔ ان میں سے کچھ حصہ ابیات کا ہے ، کچھ حصہ مقفے نثر پر مشتمل ہے اور ابیات اور مقفے نثر میں سے اکثر کے مخاطب دیوتا اور دیویاں ہیں ، اور ان کا مقصود و منتہا صرف یہ ہے کہ دیوتاؤں اور دیویوں کے حضور جب قربانیاں اور

---

۱ ۔ کلچرل ہیری ٹیج آف انڈیا جلد اول ص ۲۰۳ ۔ ونڈر دیٹ واز انڈیا مصنفہ باشم ص ۳۱ ۔ لائف ان اینشنٹ انڈیا ص ۴۲ ۔ مطبوعہ (۱۸۵٦) اینشنٹ انڈین ہسٹری ، ص ۲٦ - ۲۷ - ۲۸ - ۲۹ - راولسن انڈیا ، ص ۳۹ - ۴۰ ۔

نذریں پیش کی جائیں تو ان منتروں کو پڑھا جائے ۱ -

ویدوں کا برھمنا حصہ زیادہ تر نثر میں ہے اور اس میں دیوتاؤں کے حضور قربانیاں اور نذریں پیش کرنے کے اسلوب و انداز واضح کیے گئے ھیں -

عظیم شارح سیانہ کی رو سے برھمنا وید میں آٹھ قسم کے موضوعات زیر بحث آئے ھیں ، (ا) اتہامہ(تاریخ) (ب) پرانا(قدیم روایات اور قصے کہانیاں) (ج) ودیا (مذھبی تفکر) (د) (اپنشاد) (وجدانی علم) (ہ) سلوکہ اشعار (و)ستر مختصر مفہوم(ز) وا کھیانہ (شرح) (ح) انودیا کھانہ(بسط و تفصیل و تکمیل) -

ہر وید میں ایک یا ایک سے زیادہ برھمنا شامل ھیں - رگ وید میں چار برھمنا ھیں ، کوشتکی ، ایتاریہ ، پین گرھیا اور ستیاینہ ، سام وید میں آٹھ برھمنا ھیں ، سام ودھنا ، منتر ، ارشیا ، وسمہ دیو تدھیایا ، تلواکر ، تندیا اور سمھیتو پنشد سیاہ یجر وید میں بھی چار برھمنا ھیں تیترئیا ، ولبھی، ستیاینی اور میترایني - البتہ سفید یجرا وید میں صرف ایک برھمنا ہے اور وہ ہے ستاپاتھہ ، اتھر وید میں بھی ایک ھی برھمنا ہے - (گوپاتھہ)

آرنیا کہ ، وید کا زیادہ تر جداگانہ تالیفات ھیں - یوں انھیں برھمنا کا ایک حصہ قرار دیا گیا ہے جیسا کہ نحوی یاسکا کا خیال ہے۲ -

اپنشاد کے بارے میں جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے - یہ زیادہ تر آرنیا کہ مختلف ابواب ھیں - البتہ ان میں سے چوالیسواں باب سفید یجر وید کا آخری باب ہے - آرنیا کہ کے متعلق بیان ھوا ہے کہ ان کی تعداد بہت تھی لیکن ضائع ھو گئی ہے - یہ صرف اپنشاد ھیں جو دستبرد زمانہ سے بچے رہے ھیں - گو اپنشاد کی تعداد یوں تو ایک سو آٹھ ہے ، مگر اپنشاد کے سب سے قدیم شارح سینکار آچاریہ نے ان سے صرف سولہ کو اصلی اور حقیقی تسلیم کیا ہے باقی کی صحت کو مستند نہیں جانا۳ -

وشنو پر ان کی رو سے جو حقیقی وید پہلے پہل خدا کی طرف سے رشیوں پر وحی والہام کے ذریعے نازل کیے وہ ایک لاکھ ابیات پر مشتمل تھے اور

۱- کلچرل ھیری ٹیج آف انڈیا ص ۲۰ - ۳۰ -
۲- اول ص کلچرل ھیرٹیج آف انڈیا جز۴ -
۳- راگوزین ویدک انڈیا ص ۱۳۱ - ۱۳۲ -

ان کے چار حصے تھے ۔ امتدادِ زمانہ کے سبب ان کے اجزا باہم مل گئے اور ان میں سے کافی تعداد تصرفِ زمانہ کی نذر ہو گئی ۱ ۔

سوامی شردھانند کا بیان ہے کہ دواپرا دور کے شروع میں کرشنا دوپیانہ نے ویدوں کے عمیق مطالعہ کے بعد انہیں پھر سے مرتب کیا اور اس خیال سے کہ یہ پھر باہم مخلوط نہ ہو جائیں ، ان میں سے ہر ایک جزو اپنے چار شاگردوں کو حفظ کرا دیا ، رگ وید پائیلہ نامی شاگرد کے سپرد کیا ، یجر وید ویسیاسپیانہ کی تحویل میں دیا ، سام وید جیمینی کو یاد کرا دیا اور اتھر وید سومانتہ کی دیانت کے حوالے کیا ۔ چونکہ دیو پیانہ نے ویدوں کو از سرِ نو ترتیب دی تھی ، اس لیے انہیں ویدا دیاسہ یا مرتب و جامع وید کا نام ملا ۔ سوامی شردھانند نے اپنے مقالہ مندرجہ کلچرل ہیریٹیج آف انڈیا میں صراحت کی ہے کہ ویدوں کی اس ترتیب سے متعلق ہندو علما کی یہ روایت تاریخی سند کی حیثیت رکھتی ہے اور اس قدر عام ہے کہ اس سے انکار ممکن نہیں ہے ۔

لفظ وید کے لغوی معنی علم کے بھی ہیں اور وجدان کے بھی ، اور اس کا اطلاق مذکورہ بالا مذہبی کتابوں پر اس لیے کیا گیا ہے کہ آرین ہندوؤں کے نزدیک یہ منزل من اللہ کتابیں ہیں اور ان کے ذریعے جو علوم واشگاف کیے گئے ہیں ، ان کا حصول کسی دوسرے ذریعے سے ممکن نہ تھا ۲۔

نئے دور کے تمام ہندو علما اس باب میں متفق‌الخیال ہیں کہ رگ وید سمتہ انسانی مذہبی تفکر کی سب سے قدیم دستاویز ہے ، یہ ویدک الہام میں سب سے پہلا الہام ہے اور دوسرے وید اور سمتہ زیادہ تر رگ وید کی تشریحات ہیں ۔ خصوصیت سے یجر وید اور سام وید میں تو رگ وید کے منتر جا بہ جا نقل کیے گئے ہیں ۔ چوتھے وید کے مندرجات بھی زیادہ تر رگ وید کی وضاحت کرتے ہیں ، اور بعض ہندو علما کا تو خیال ہے کہ یہ پورا وید بعد کا اضافہ ہے ۔ ان ہندو علما کی رو سے درحقیقت وید صرف تین

۱۔ اینشنٹ انڈین ہسٹری ص ۲۷ ۔

۲۔ کلچرل ہیری ٹیج آف انڈیا ۔ جلد اول ص ۴ ۔ (مقالہ سوامی شردھانند)
لائف ان اینشنٹ انڈیا ص ۴۲ (مطبوعہ ۱۸۵۶)

تھے ، رگ وید ، یجر وید اور سام وید۱ -

ان علما کے نزدیک رگ وید نہ صرف مذہبی رہنمائی کے اعتبار سے تقدم رکھتا ہے ، تاریخی نقطۂ نگاہ سے بھی بہت اہم ہے - رگ وید کا جو متن اس وقت ہندو روایت و درایت کی رو سے ہم تک پہنچا ہے اس میں کل دس سو سترہ منتر ہیں اور یہ منتر تقریباً دس ہزار مقفیٰ ابیات پر مشتمل ہیں جنہیں دس کتابوں میں تقسیم کیا گیا ہے - پروفیسر برڈلے کیتھ نے رگ وید سمتہ کی پہلی اور دسویں کتاب کے منتروں کی یکسانیت دیکھ کر یہ رائے قائم کی ہے کہ یہ ترتیب مصنوعی ہے - وہ کہتے ہیں ، پہلی کتاب میں بھی ۱۹۱ منتر ہیں اور دسویں کے منتروں کی تعداد بھی یہی ہے جو اس ترتیب کے مصنوعی ہونے کی بین شہادت ہے۲ -

پروفیسر موصوف مزید فرماتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رگ وید کے اس سمتہ کی ترتیب میں کافی مدت لگی تھی اور اس کے مرتب اور جامع نے اس پر بہت محنت کی تھی ، پروفیسر موصوف کو غالباً رشی نندا ایسی وافر معلومات نہ تھیں ورنہ وہ اس قیاس آرائی کی ضرورت نہ سمجھتے ، اور اپنے قیاس کی بجائے اس روایت کو ضرور دھرا دیتے جو ہم نے پیچھے رشی نندا کے واسطے سے دھرائی ہے کہ رگ وید اور دوسرے ویدوں کے مرتب اور جامع کرشنا دیوپیانہ تھے اور یہ وہی تھے جنھوں نے ویدوں کو نئی ترتیب دی تھی۳ -

بہر نوع رگ وید کی دوسری اور ساتویں کتابیں مرکزی ابواب کی حیثیت رکھتی ہیں - باقی کی کتابیں ان دونوں کتابوں کی نسبت ثانوی ہیں - کتاب اول کے پہلے حصے اور ساتویں کتاب کے مؤلف کنوا برہمن خاندان کے رشی تھے - دوسری کتابیں مختلف رشیوں پر الہام کے ذریعے نازل ہوئیں -

کتاب اول کے پہلے حصے اور کتاب ہفتم کے بارے میں پروفیسر برڈلے کیتھ کا خیال ہے کہ یہ بعد کی تالیف ہیں اور کافی مدت بعد اصل

۱- کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ، جلد اول ص ۷۷ -

۲- ایضاً ، لائف ان اینشنٹ انڈیا ص ۴۲ - ۴۳ -

۳- کلچرل ہسٹری ٹیچ آف انڈیا جلد اول ص ۲۰ -

سمتہ میں شامل کی گئی تھیں۱ -

نویں کتاب مقدس سوما شراب کی تعریف و حمد میں کہے ہوئے منتروں پر مشتمل ہے - گو موضوع ایک ہے لیکن کہنے والے شعرا یا رشی مختلف ہیں -

دسویں کتاب بھی بعد کا اضافہ ہے ، جس میں پہلی نو کتابوں کی وضع قطع اور قافیہ و ردیف ایسے منتر زیادہ ہیں اور کچھ منتر دوسری وضع کے بھی ہیں۲ -

مدراس یونیورسٹی کے پروفیسر سنسکرت سی کنہن راجا نے رگ وید کی ہر کتاب کو منڈلا سے تعبیر کیا ہے - ان کی رو سے دوسرا منڈلا ' رشی ' گرت سامادا اور ان کے خاندان کے دوسرے شعرا کی تالیف ہے - تیسرا منڈلا وشوامتر نے تالیف کیا تھا - ان کے خاندان کے کچھ اور شعرا بھی ان کے ساتھ شریک ہوئے - چوتھا منڈلا واما دیو اور ان کے رشتہ داروں نے لکھا - پانچواں منڈلا آتری خاندان کے شعرا نے موزوں کیا - چھٹا بھارا ووجہ اور ان کے خاندان کی تخلیق ہے اور ساتواں واسشتھا سے منسوب کیا گیا ہے۳ - آٹھویں پر کئی مختلف شعرا نے طبع آزمائی کی - جن میں اکثریت کنوا خاندان کے شعرا کی تھی - پورا کا پورا نواں منڈلا سوما پاوا مانا کی تعریف میں لکھے ہوئے گیتوں پر مشتمل ہے ، اور ان گیتوں کے خالق مختلف خاندانوں کے شاعر تھے - دسویں منڈلے اور پہلے منڈلے کے خالق بھی مختلف شعرا تھے -

پروفیسر سی کنہن راجا فرماتے ہیں - یوں ان دس منڈلوں میں سے ہم صرف چھ میں واضح یکسانیت پاتے ہیں - دوسرے اور ساتویں میں اس لیے کہ ان کے مؤلف ایک ہیں اور نویں منڈلا میں اس لیے کہ اس کا موضوع ایک ہے -

آٹھویں منڈلا میں کنوا خاندان کے شعرا نے غلبہ حاصل کر لیا ہے اور اس لیے اسے چھ خاندانی منڈلوں کے بعد رکھا گیا ہے - پہلے اور دسویں منڈلے میں سے ہر ایک میں ۱۹۱ منتر ہیں ، اور اس لحاظ سے ان میں سے

۱- کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول ص ۷۷ -

۲- ایضاً - لائف ان اینشنٹ انڈیا ، ص ۴۲ - ۴۳ -

۳- کلچرل ہیری ٹیج آف انڈیا ص ۲۰ - ۲۱

ایک کو پہلے اور دوسرے کو آخر میں رکھا گیا ہے ۔

پروفیسر برڈلے کیتھ کے نزدیک رگ وید کی جو موجودہ ترتیب ہم تک پہنچتی ہے ، یہ جب مرتب ہو رہی تھی تو اس میں چھوٹے چھوٹے اضافے بھی کیے گئے تھے ۔

اس کے باوجود پروفیسر موصوف نے اس کی اہمیت کا اعتراف کیا ہے اور اس کو وہی حیثیت دی ہے جو یونان کی مشہورِ عالم نظموں ، لیٹڈ اور اڈیسی کو حاصل ہے ۱ ۔

۱- کیمرج ہسٹری آف انڈیا ، ص ۷۸ -

فصل دوئم

رگ وید کی تالیف اور ارضِ پاکستان

مشہور مستشرقین میں سے میکس مولر، وبر اور میؤر کا خیال ہے کہ آرین قوم کی پہلی مذہبی کتاب رگ وید اس دور کی تالیف ہے جب آرین قوم، کوہ ہندوکش کے دامن سے کٹ کر پنجاب کی وسعتوں میں آباد ہو چکی تھی اور دیہات آباد کر کے کھیتی باڑی کا شغل اختیار کر لیا تھا۔

ہوپکنز، پچل اور گلڈنر نے بھی اس امر کو تسلیم کیا ہے۔ ان کے نزدیک رگ وید کی تخلیق کو پنجاب کے میدانوں سے منسوب کرنے کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ رگ وید دریائے سرسوتی کے آگے کے علاقے کا قطعاً ذکر نہیں کرتا، اور دریائے سرسوتی، اس دور میں انبالہ کے قریب بہتا تھا جو پنجاب کا ایک سرحدی شہر تھا۔ یوں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ رگ وید کے آخری حصے کے بعض اجزا اس وقت مرتب ہوئے تھے جب آرین دریائے سرسوتی کے کناروں کے مالک بن گئے تھے[۱]۔

پروفیسر برڈلے کیتھ، پروفیسر سنسکرت یونیورسٹی اڈنبرا نے اس سلسلے میں بڑی واضح بات کہی ہے کہ چونکہ رگ وید میں کابل (کبھ) سوات (سوستو) اور اس کی خوبصورت وادی، نیز دریائے کرم، اور وادیٔ گومل کا ذکر موجود ہے اس لیے یہ اندازہ غلط نہ ہوگا کہ رگ وید اس وقت معرضِ وجود میں آیا تھا، جب آرین قوم، وادیٔ کابل

۱۔ کیمرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول، ص ۷۹۔
ہوپکنز، جرنل آف امریکن اورینٹیل سوسائٹی جلد، ص ۲۸—۱۹۔
ویدک سٹڈیز جلد ۲، ص ۲۱۸۔ جلد ۳، ص ۱۵۲۔ ویدک انڈکس جلد اول، ص ۳۶۸۔

وادیٔ سوات ، وادیٔ کرم اور وادیٔ گومل سے متعارف ہو چکی تھی -

پروفیسر موصوف مزید فرماتے ہیں کہ سب سے اہم بات یہ ہے کہ رگ وید میں بہت سی جگہوں پر وادیٔ سندھ اور اس میں آباد ہونے والے آرین قبائل کا حال لکھا ہے - گو دریائے سندھ کے ذریعے آرین قوم بڑی آسانی کے ساتھ سمندر تک رسائی پا سکتی تھی - لیکن رگ وید اس امر کی شہادت مہیا نہیں کرتا کہ آرین قبائل میں سے کوئی قبیلہ دریائے سندھ کی چھاتی پر سوار ہو کر سمندر تک پہنچا تھا -

رگ وید میں ایک بھی تو منتر ایسا نہیں ہے جس سے ہم یہ اندازہ کر سکیں کہ آرین قوم پنجاب کے دریاؤں کے سوا کسی سمندر سے بھی آشنا ہوئی تھی - حتیٰ کہ رگ وید میں ماہی گیری تک کا ذکر نہیں ہے ، حالانکہ ماہی گیری پنجاب ، سندھ اور مشرق کابلستان میں ان دنوں بھی ہوتی ہوگی - لیکن چونکہ بہت کم تھی اور ان علاقوں کے لوگ مچھلی پکڑنے میں زیادہ ماہر نہ تھے ، اس لیے اسے کوئی اہمیت نہیں دی گئی - لفظ سمندر ، جو بعد کے دنوں میں بلاشبہ بحیرہ کے معنی میں استعمال ہوا کئی بار رگ وید میں آیا ہے ، لیکن اس سے سندھ کا وہ زیریں حصہ مراد لیا گیا ہے جہاں اس میں پنجاب کے دریا آن ملتے ہیں اور اس کا ظرف بہت وسیع ہوگیا ہے - ان دنوں سندھ کا یہ حصہ سمندر کہلاتا تھا ، اس کا ایک واضح ثبوت یہ بھی ہے کہ آج کل بھی سندھی ، سندھ کے اس حصے کو سندھ سمندر کہتے ہیں[۱] -

پنجاب کے پانچوں دریا ، جن کے نام پر اس خطۂ ارض نے پنج آب کا نام پایا ہے ، رگ وید میں مذکور ہیں ، مثلاً جہلم کو رگ وید میں وتستہ کا نام ملا ہے ، چناب کو اسکنی کہا گیا ہے[۲] - راوی کو دو نام دیے گئے ہیں ، قدیم نام پارشنی ہے اور بعد کے ایراوتی ، ویپاک رگ وید کا بیاس ہے ، اور کتدری ستاردو ستلج ہے - لیکن ان سب میں

۱- ہیلے برنڈٹ - ویدک مائتھالوجی جلد اول ، ص ۹۹ - جلد ۳ ص ۸-۲۷۲ - ویدک انڈکس جلد ۲ ، ص ۴۵ -

۲- ایضاً ، ص ۱۲۶ -

زیادہ ممتاز پارشنی ، ایراوتی یا راوی ہے ، جس کے کنارے پر ویدک دور کے دس بادشاھوں کی مشہور لڑائی لڑی گئی تھی ۔ دریائے سرسوتی بھی رگ وید کے زمانے میں بہت زیادہ اھمیت رکھتا تھا جو ان دنوں جمنا اور ستلج کے مابین بہتا تھا ، اور بہت بڑا دریا تھا اور آگے چل کر دریائے سندھ میں مل جاتا تھا یا سمندر تک رسائی پا لیتا تھا ۔ اس کے علاوہ ایک دوسرے دریا ، درشدوتی کا بھی رگ وید میں نام آیا ہے ، ان دنوں یہ دریا بھرماورتا یا آریوں کے پاک دیس کی سرحد کا کام دیتا تھا ۔ ان دو دریاؤں کے ساتھ ساتھ ، دریائے آپایا کا ذکر بھی ہوا ہے ، جو موجودہ تھا نیسر کے قریب سے گزرتا تھا اور کشمیر کی جھیل ڈلر سے نکلتا تھا ، اس علاقے میں جھیل کرینونت بھی واقع تھی جو موجودہ پٹیالہ کے قریب ھی کہیں تھی١ ۔

مسٹر رنگ اچاریہ کا بیان ہے کہ رگ وید میں گنگا اور جمنا کا شاذ و نادر ذکر بعض علما کے نزدیک اس امر کی دلیل ہے کہ صرف چند آرینو ، گنگا ، جمنا سے واقف تھے ۔ اور ان کا علم محض انفرادی حیثیت رکھتا تھا ۔ آرین من حیث‌القوم گنگا و جمنا سے متعارف نہیں ہوئے تھے ، اور نہ ان کی کوئی جماعت اس علاقے میں آباد ہوئی تھی٢ ۔

فاضل لڈرگ کے نزدیک ، رگ وید میں جس مقام ھڑ اوپیا کا ذکر موجود ہے ، یہ سندھ کے ایک معاون دریا یادی آوائی کے کنارے پر آباد تھا ۔ مسٹر رنگ اچاریہ کہتے ھیں کہ یہ مقام ھڑپا تھا اور اس سے صاف ظاھر ھوتا ہے کہ رگ وید کے زمانے میں ھڑپا آباد تھا اور آرین ھڑپا تہذیب سے متعارف تھے ۔ مسٹر رنگ اچاریہ ھی اس خیال کے بھی علمبردار ھیں کہ رگ وید میں ھڑپا کی لڑائی کا حال لکھا ہے ، اور اس شکست کی تفصیل بھی بیان ھوئی ہے ، جو ھڑپا کے لوگوں کو آریوں نے عطا کی تھی ۔ آرین اس فتح کے بعد آگے بڑھ گئے تھے ، اور سمندر تک جا پہنچے تھے٣ ۔

١۔ کیمرج ھسٹری آف انڈیا ، ص ٨٠ ۔

٢۔ ویدک انڈیا بسلسلہ پری مسلم انڈیا جلد ٣ ۔ ص ٢٠ ۔ ویدک انڈکس ، ص ٤٩٩—٥٠٠ ۔

٣۔ ویدک انڈیا بہ سلسلہ پری مسلم انڈیا جلد ٢ ، ص ٢١ ۔

جیساکہ ہم نے پیچھے ، کیمرج ہسٹری آف انڈیا کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ بعض علما کا خیال ہے کہ آرین سمندر تک نہیں پہنچے تھے ۔ ان علماء میں مشہور عالم میکڈانل بھی ہیں ۔ ان کے خیال میں آرین اس طرف صرف سندھ کے ڈیلٹا اور پنج ند کے مقام تک پہنچے تھے ۔ میکڈانل نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ رگ وید میں لفظ سمندر کئی بار مذکور ہوا ہے ، لیکن اس سمندر سے مراد ، جیساکہ ہم نے پیچھے کہا ، دریائے سندھ ہے ۔ یوں بھی آرین کو سمندر کے مد و جزر اور وسعتوں اور گہرائیوں کا قطعاً علم نہ تھا ۔ پھر وہ سندھ کے دھانوں کا علم بھی نہیں رکھتے تھے ، اگر وہ سمندر تک پہنچے ہوتے تو انھوں نے سندھ کو سمندر میں گرتے ضرور دیکھا ہوتا ۔

جہاں تک جہازرانی کا تعلق ہے ، رگ وید میں صرف ایسی کشتیوں کا ذکر ہے جو دریاؤں کو پار کرنے کے کام آتی ہیں ۔

میکڈانل نے غالباً اپنا یہ خیال اس وقت بدل ڈالا ، جب کیتھ کے ساتھ مل کر انھوں نے ویدک انڈکس تیار کیا ، اس لیے کہ ویدک انڈکس میں محض موتیوں کے ذخیروں اور بحری تجارت کے فوائد کا بیان ہے ۱ ۔

رگ وید میں جس دریا سرایو کا ذکر کیا گیا ہے ، بعض علما کے تاریخ کے نزدیک یہ دریا کرم تھا ، بعض کے نزدیک ، دریائے ستلج اور بیاس جب دونوں مل جاتے ہیں ، تو سرایو نام اختیار کر لیتے ہیں اور رگ وید نے ان کا ذکر کیا ہے ۲ ۔

رگ وید میں دریاؤں کے علاوہ پہاڑوں کو بھی خراجِ عقیدت پیش کیا گیا ہے ، رگ وید کے شاعر اس بات سے خوب واقف تھے کہ درخت پہاڑوں کا گہنا ہیں اور یہ پہاڑ ہیں ۔ جن سے دریاؤں کے چشمے پھوٹتے ہیں ۔

۱- ویدک انڈکس جلد ۲ ، ص ۵۰ ۔ ہسٹری آف سنسکرت لٹریچر ، ص ۱۳۳—۱۳۴ ۔ ویدک انڈیا جلد ۲ ، ص ۲۱ ۔

۲- ویدک انڈکس ۴۳۳ ۔

مسٹر رنگ اچاریہ کہتے ہیں کہ یہ جان کر تعجب ہوگا کہ رگ وید کے نزدیک پہاڑوں کے پر ہوتے تھے اور پہاڑوں کے اندر قدرت نے قیمتی ذخیرے چھپا رکھے تھے ۱ -

ایک خاص پہاڑ جس کا ذکر رگ وید نے بڑی دلچسپی سے کیا ہے وہ تریکا کوبہ یا تین شاخہ پہاڑ ہے جس کے دامن سے چناب (اسکینی) بہتا ہے ، ایک اور پہاڑی سجاونت سے بھی رگ وید کے شعرا نے بہت دلچسپی لی ہے ، یہ کشمیر کے جنوب میں ایک زیریں پہاڑی تھی جہاں سوما بوٹی پیدا ہوتی - اس بوٹی سے رگ وید کے برھمن شعرا شراب کشید کرتے تھے - ہماونت کی برفانی چوٹیوں کا ذکر بھی رگ وید کے شعرا کی زبانوں پر آیا ہے - ہماونت جس کی برفانی چوٹیوں کا ذکر رگ وید کے شعرا نے کیا یہ ہمالیہ ہے ۲- غالباً رگ وید کے شعرا ہمالیہ پہاڑ کی چوٹیوں اس کے دامنوں اس کی وادیوں اور دریاؤں کے لطائف و حسنات سے آگاہ تھے اسی لیے ان کی شاعری میں دریاؤں ، بادلوں ، طوفانوں اور بارشوں نے خاصی اہمیت اختیار کی اور انھوں نے جن مذھبی احساسات کی تبلیغ کی ، ان میں ایسے معبودوں کی پرستش بڑی نمایاں ہے - جو دریاؤں ، طوفانوں ، بجلیوں اور بارشوں کے خالق ہیں ، مثلاً اندر دیوتا جو پہاڑوں کی انتہائی بلندیوں سے لے کر ان کے پست ترین دامنوں میں لہراتے بادلوں کا خالق ہے -

اندر کا یہ تصور صرف ایسے لوگوں کے ذہن میں تخلیق ہو سکتا تھا ، جو پہاڑوں کی بلندیوں سے لہرانے والے بادلوں ، خود پہاڑوں اور ہموار میدانوں سے ہمہ وجوہ آشنا تھے - جنھیں برسات کے طوفانی عالم سے ڈر لگتا اور جو رم جھم سے لطف اندوز ہونا بھی جانتے تھے -

مسٹر رنگ اچاریہ نے بھی اعتراف کیا ہے کہ رگ وید میں دریاؤں اور پہاڑوں کے اس ذکر سے اس کے سوا اور کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا کہ رگ وید کا شروع کا ماحول پنجاب ، کشمیر اور شمال مغربی اضلاع پر مشتمل تھا ۳ -

---

۱- ویدک انڈیا ص ۱۶۶ -

۲- ویدک انڈکس جلد ۲ ص ۱۱ -

اس کے ماسوا رگ وید میں جن درختوں ، جڑی بوٹیوں اور حیوانات کا ذکر عام ہے ، اسی علاقے سے تعلق رکھتے ہیں ۔ اسی سلسلے میں سوما کی بوٹی سب سے بڑی شہادت ہے ۔ سوما ایک ایسی بوٹی تھی جو شمال مغربی پہاڑوں کے سوا اور کہیں پیدا نہیں ہوتی تھی ۔ جب آرین رگ وید کے ماحول سے نکل گئے اور دوسرے ویدوں کا عہد شروع ہوا تو سوما نادر شے بن گئی اور اس کے کئی متبادل تلاش کر لیے گئے ۔ جب تک آرین سوما کے ماحول میں رہے ، سوما کے سوا انہیں کوئی اور شے قطعاً محبوب نہ تھی ۔

اس سلسلے میں چاول کی مثال بھی پیش کی گئی ہے ۔ چاول ان دنوں کشمیر ، شمال مغربی ہند کے اضلاع ، پنجاب اور سندھ میں عام پیدا نہیں ہوتا تھا اس لیے رگ وید میں اس کا قطعاً ذکر موجود نہیں ہے ۔ اس کے برعکس آرین جب گنگا جمنا کے علاقے میں وارد ہوئے اور بعد کے وید مرتب ہوئے تو چاول کو پوری اہمیت حاصل ہو گئی اور اس کا ذکر خوب خوب ہوا ۔

حیوانات کے سلسلے میں رگ وید نے اس ببر شیر کا ذکر خوب کیا ہے جو ستلج کے زیریں حصوں اور سندھ میں پایا جاتا ہے ، لیکن اس شیر کا ذکر قطعاً نہیں کیا جو مشرقی ہند کے جنگلوں سے مخصوص ہے اور جو بعد کے ویدوں میں بار بار مذکور ہوا ہے ۔

مسٹر میکڈانل نے ویدک انڈکس میں ' شیر ' کے ذکر کو خاصی اہمیت دی ہے اور نتیجہ برآمد کیا ہے کہ آرین جب مشرقی ہندوستان میں داخل ہوئے اور اس علاقے کے شیر سے آگاہ ہوئے تو بعد کے ویدوں میں اس کا ذکر عام ہوا ۔

عام شیر کی طرح ھاتھی سے بھی رگ وید کے شعرا کچھ زیادہ متعارف نہ تھے ۔ رگ وید میں ایک آدھ بار گو اس کا ذکر ہوا ہے ، مگر اسے درندوں میں شمار کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ ایک ایسا درندہ ہے جس کا ایک ھاتھ بھی ہے اور اس کا نام مریگا ہے اور لوگ اسے بڑی مشکل سے پکڑتے ہیں ۔

لیکن بعد کے ویدوں میں ھاتھی پر سواری کرنے کا ذکر بھی ہے اور

اسے ایک پالتو جانور قرار دیا گیا ہے اور اسے درندہ نہیں سمجھا گیا ۔

بہر حال علمائے تاریخ کے نزدیک یہ امر ایک مسلمہ حقیقت کی حیثیت رکھتا ہے کہ رگ وید جن دنوں تالیف ہوا ان دنوں آرین قبائل کشمیر سندھ اور پنجاب میں آباد تھے ۔

فصل سوئم

رگ وید کی رو سے ارضِ پاکستان کے آریائی آبادکاروں کا مذہب

فاضل هیو کنیڈی نے شمال مغربی هند کے آباد کار آرین قبائل کے مذهب کے بارے میں بڑا مختصر تبصرہ کیا ہے - ان کی رو سے ان کا مذهب ان کی حیاتِ اجتماعی کی طرح بہت سیدھا سادا مذهب تھا - وہ قدرت کی عظیم طاقتوں مثلاً سورج ، آسمان ، زمین صبح کے نور اور طوفانوں کی نمائندگی کرنے والے دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے - ان کے شاید کہیں دور ذہن میں یہ احساس بھی موجود تھا کہ ان دیوتاؤں سے پرے کوئی ذاتِ بالا بھی ہے ، جو ان تمام انوار کا سرچشمہ و منبع ہے[1] -

عجیب بات ہے جہاں فاضل هیو کنیڈی ابتدائی دور کے آرین مذهب کو بہت سیدھا سادہ ٹھیراتے ھیں ، وهاں پروفیسر برڈلے کیتھ اس میں پیدا کی ھوئی برھمنی الجھنوں سے سخت نالاں ھیں - بہرحال ان کے نزدیک بھی ویدک برھمنوں نے قدرت کے عظیم عناصر کو زندہ تصور کرتے ھوئے ، انہیں بتوں اور معبودوں کی شکل دے دی تھی - جن میں دائیوس ، پرتھوی اور ورونا شروع شروع میں زیادہ مقبول تھے - دائی یوس آسمان کی قوتوں کا ترجمان دیوتا تھا اور پرتھوی دیوی دھرتی ماتا کی قوتوں کی مظہر تھی ، بعد میں ایک اور بت ورونا کو بھی آسمانی قوتوں کی نمائندگی کا حق ملا ، اور اس نے پہلے دو کی نسبت عوام و خواص میں زیادہ قبول پایا - خصوصیت سے رگ وید کے بہت سے منتروں میں بڑے جوشیلے انداز سے اس کی حمد بیان کی گئی ہے[2] -

---

۱- لینڈ آف فائیو ریورز ص ۳۲ -

۲- کیمبرج هسٹری آف انڈیا جلد اول ص ۱۰۳ -

جہاں تک قبولیت عوام کا تعلق ہے دیوتا اندر بھی ورونا کا رقیب تھا - یہ دیوتا رعد و برق کا نمائندہ تھا - وہی بارش برساتا ، طوفان لاتا ، بادلوں میں چمکتا ، گرجتا اور برسات بن کر خشک و پیاسی زمین کی بیاس بجھاتا -

ورونا ایران کا دیوتا اہورہ مزدہ جتنا اہم تھا اور انڈو آرین دور میں اسے آرین مذہب میں بڑی اہمیت حاصل رہی تھی - لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب آرین ہندوستان کے ان علاقوں میں داخل ہوئے جہاں برسات کا ایک خاص موسم تھا اور بارش صرف چند مہینوں میں محدود ہوگئی تھی تو اس کی اہمیت بہت بڑھ گئی -

یوں آرین مذہب میں سورج کی نمائندگی پانچ دیوتاؤں نے کی ہے ، سوریا ، سوتری ، مترا ، پوشن اور وشنو - جس کے صاف معنیٰ یہ ہیں کہ آرین نے مظاہر قدرت میں سے اس مظہر کو سب سے زیادہ قوی اور سب سے اونچا جانا تھا اور اس کی قوتوں کے اعتراف کی خاطر اسے پانچ دیوتاؤں کی شکل دے کر اس کی پرستش کرنے لگے تھے جن میں وشنو سب سے بڑا تھا - وشنو جیسی اہمیت بعد کے زمانے میں شیو دیو کو ملی ، جے رگ وید میں ردرا کے نام سے یاد کیا گیا ہے - یہ طوفانوں کا دیوتا تھا - دو دوسرے درجہ کے دیوتا اسوین تھے جو صبح اور شام کے ستاروں کی نمائندگی کرتے - ان کی اہمیت دیوس کری دیو ، وایودیو اور وتہ دیوجتنی تھی - وایو ، ارروتا دیو ، ردرا دیو کے حاشیہ نشین سمجھے جاتے تھے - وہ بھی طوفان کے دیوتا تھے ، پرجانیا دیو ، نام کے ایک اور دیوتا کا ذکر بھی رگ وید میں موجود ہے ، جو دریاؤں ، برساتوں اور پانیوں کا دیوتا بتایا گیا ہے - صبح کی دیوی اوشاس تو رگ وید کی نفیس ترین شاعری کی تخلیق کا موجب بنی ہے ؛ اسے رگ وید کے آرین شعرا جب تک سرزمینِ پنجاب میں رہے ، دل و جان سے چاہا کرتے اور جھوم جھوم کر اس کی حمد کے گیت گاتے - لیکن ایسا لگتا ہے کہ جب آرین شعرا نے جمنا پار کے علاقے میں قدم رکھا تو اپنی اس محبوب دیوی کو قطعاً بھول گئے - تاہم رگ وید کے آخری دور تک وہ برابر محبوب دیوی رہی[۱] -

---

۱- کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ص ۱۰۳ -

رگ وید کی رو سے دو اور دیوتا ، اگنی دیو ، اور سومادیو بھی اندر دیو اتنے اہم تھے - خصوصیت سے برھمنوں کے نزدیک تو وہ اندر دیوتا سے بھی سبقت لے گئے تھے ۱ -

یوں پروفیسر سی کنہن راجہ کا خیال ہے کہ رگ وید میں سب سے زیادہ اہمیت اندرا اور اگنی دیو کو دی گئی ہے - رگ وید میں ایک ہزار قدیم منتر ہیں - ان میں سے آدھے سے زیادہ اندرا دیو اور اگنی دیو کی تعریف میں لکھے گئے ہیں - پروفیسر ، سی - کنہن کی رو سے رگ وید دور کے اہم آرین دیوتاؤں کے نام یہ ہیں -

اسوین ، سوتری ، سریا ، وارونا ، اشاس ، پشن ، مروتس ، ردرا ، سوما ، وشنو اور وسویدیوس -

پروفیسر سی کنہن کے خیال میں ان میں سے ہردیوتا ، اپنی جگہ سب سے بڑا خدا تھا - ان میں سے ہر ایک کائنات کا خالق بھی تھا اور اس کا نگران بھی - انسان کو مسرت بخشنے اور اسے برائیوں اور تکالیف سے بچانے ، اور دولت و سرخوشی عطا کرنے کی ذمہ داری بھی ، ہر ایک دیوتا کی جداگانہ ذمہ داری تھی ۲ - اس لیے آرین ہر ایک دیوتا کی عبادت اپنے اوپر لازم جانتے تھے -

مثلاً اندر کے بارے میں رگ وید کہتا ہے - وہی تنہا ، آدمی اور دولت کا مالک ہے -

(رگ وید ، کتاب اول ، منتر ۷—۹)

کئی اور مقامات پر اندر کو ، کائنات کا واحد خالق بھی بتایا گیا ہے -

اگنی دیو کے بارے میں بھی رگ وید کہتا ہے - وہ ورونا دیوتا کی مانند دولت و ثروت کا مالک ہے -

(رگ وید کتاب اول منتر ۱۴۳—۱۴۴)

ایک دوسرے دیوتا ھرنیا گربھ کے بارے میں رگ وید کے الفاظ

۱- کلچرل ھیری ٹیج آف انڈیا ص ۴۲ -

۲- ایضاً جلد اول ، ص ۴۲—۴۵ -

ھیں ''وھی واحد خدا ھے''

(رگ وید کتاب پنجم باب دھم منتر ۱۲۱—۱۲۲)

دیوتا اندر کے بارے میں ایک اور جگہ ارشاد ھوتا ھے '' اسی نے زمین کو سہارا دیا اور بچھایا ۔''

(رگ وید کتاب پنجم ، باب اول منتر ۱۰۲—۱۰۳)

دیوتا سوما کے متعلق کہا گیا ھے '' وہ آسمان کا سہارا ھے ۔''

(رگ وید کتاب پنجم ، باب نہم ۔ منتر ۷٦)

دیوتاؤں کی اس کثرت کے باوجود سی کنہن راجہ مدعی ھیں کہ رگ وید خدا کی توحید کا داعی ھے ۔ یہ مختلف دیوتا ، اس کی ذات باری کے مختلف پرتو ھیں ، مثلاً زمین پر وہ اگنی دیو کا روپ دھارتا ھے ، آسمان پر وہ سوتری دیو ھوتا ھے اور آسمان و زمین کے مابین وہ اندر دیو ھے ۔ اندر دیو ، زمین پر ایک خدا کا نمائندہ اور نائب بھی ھے ۔ وہ خدا اور انسان کے مابین واسطہ بھی ھے ، اور زمین اور آسمان کا خالق بھی ۔ اس نے سورج کو موجودہ ھیئت بخشی ، وھی دریاؤں کا خالق اور ان کو روانی بخشنے والا ھے ۔

اگنی دیو کو خداؤں یا دیوتاؤں کے پیغامبر کا لقب ملا ھے ۔ اسے دیوتاؤں کی زبان بھی قرار دیا گیا ھے اور دیوتاؤں اور انسان میں واسطہ بھی ٹھہرایا گیا ھے ۔ وھی آدمی پر مادی نوازشات کی بارش فرماتا ھے ، اور وھی اسے رزق میں کشادگی اور تنگی دیتا ھے ۔

ساوتری ، سورج دیوتا بھی ایک خدا کے ترجمان بتائے گئے ھیں ۔ رگ وید ، انہیں انتہائی بلندیوں کے علاقے میں خدائے واحد کا نمائندہ ٹھہراتا ھے ۔

پروفیسر سی کنہن اس مرحلے پر اعتراف کرتے ھیں کہ رگ وید میں ساوتری ، سریا ، اور مترا ، الگ الگ دیوتا بیان ھوئے ھیں ، لیکن بعد میں ان سب کو ایک وجود دے دیا گیا ھے ، اور کہا گیا ھے کہ سنسکرت میں ان تمام الفاظ کے معنی ایک ھیں[1] ۔

وشنو کے بارے میں تو خود رگ وید ھی وضاحت کرتا ھے کہ وہ

۱۔ کلچرل ھیری ٹیج آف انڈیا ، ص ۲٦—۲۷ ۔

اس تختۂ ارض پر تنہا دیوتا ہے ، اور دوسرے دیوتاؤں میں سے سب سے بڑا ہے ۔

(رگ وید کتاب پنجم ، باب اول ، منتر ۲۲)

پروفیسر سی کنہن ان دیوتاؤں کی تفصیل اور صفات بیان کرنے کے بعد اختصار سے کام لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ یاسکؔ کی رو سے ، کل ، تینتیس دیوتا ہیں ، جسے اس نے تین گروہوں میں بانٹا ہے ۔ اس کے نزدیک ہر گروہ میں گیارہ دیوتا ہیں ، اور ہر گروہ کے ذمے تین دنیاؤں کی نگرانی کا کام ہے ، گیارہ میں سے ایک سربراہ دیوتا ہے ، اور باقی دس اس کے معاون ہیں ۔

پروفیسر سی کنہن نے آرین دیوتاؤں کی تشخیص کے بارے میں اپنے عجز کا اظہار کیا ہے ۔ تاہم وہ کہتے ہیں کہ انہیں انسانی شکل و صورت دی گئی ہے ۔

ان کے بازو ہیں ، چہرے اور جسم ہیں ۔ وہ جن رتھوں میں سوار ہوتے ہیں انہیں حیوانات کھینچتے ہیں۱ ۔ وہ زیورات بھی پہنتے ہیں اور ھتھیار بھی اٹھاتے ہیں۲ ۔

پروفیسر سی کنہن کی رو سے یہ تعین اور توضیح بہت مشکل ہے کہ رگ وید کے شعرا نے ان دیوتاؤں کو انسانی تجسیم اور تشخیص کیوں دی تھی ۔ اس سلسلے میں آسان بات یہ کہی جا سکتی ہے کہ ان شعرا نے دیوتاؤں کو خود دیکھا ، اور جو دیکھا ، اسے آگے بیان کر دیا ، اور دیوتاؤں کو صرف وہی آدمی دیکھ سکتا ہے جسے رشی کہا جاتا ہے ۔ مثلاً برتھ دیوتہ ، سایا وسوا کی کہانی بیان کرتا ہوا کہتا ہے کہ وہ آرچننا کا بیٹا تھا ، اور شروع میں رشی نہ تھا مگر جب تیس کے بعد اس نے دیوتا مروتس کو دیکھ لیا ، تو وہ رشی مان لیا گیا۳ ۔

پروفیسر سی کنہن کہتے ہیں ، گو یوں دیوتا خصوصی صلاحیتیں رکھنے والے چند رشیوں کے وجدانی مشاہدات ہیں ، پھر بھی وہ عام انسانوں کے تجربہ سے قطعی بعید نہیں ٹھیرائے جا سکتے ۔ بلا شبہ عام انسان ان

۱۔ کلچرل ھیری ٹیج آف انڈیا ص ۲۶—۲۷ ۔

۲۔ ایضاً ، ص ۲۸ ۔

۳۔ ایضاً ، ص ۲۶ ۔

دیوتاؤں کو ان کی اصل شکل و صورت میں نہیں دیکھ سکتے ، مگر دیوتا ، عام انسانوں کی زندگی میں بڑا حصہ لیتے ھیں ، اور ویدک مذھب کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ عام آدمی اور دیوتاؤں کے مابین براہ راست تعلق استوار کر دے ۔

پروفیسر سی کنہن کا یہ بھی خیال ہے کہ ویدک آرین ، دیوتاؤں سے ڈرتے نہ تھے ، کیونکہ یہ دیوتا انسانوں کے دوست تھے ، اور درحقیقت یہ دیوتا ایک دور میں دوسری مادی مخلوق جیسے تھے - وہ سب کے سب پیدا ہوئے تھے ، اور رگ وید اور دوسرے ویدوں میں ان دیوتاؤں کی پیدائش کا بکثرت ذکر کیا گیا ہے ۔ مثلاً اندر کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ اپنی پیدائش کے وقت سے کوئی رقیب نہ رکھتا تھا ۔ رمبھو ، سدھان دن کے بیٹے تھے ، جو انگیرا خاندان کا ایک فرد تھا ۔

مروتہ بھی پہلے آدمی تھے بعد میں غیر فانی بن گئے ۔ اسوین دیوتاؤں کی پیدائش بھی رگ وید میں مذکور ہے ۔ ان دیوتاؤں میں سے اکثر کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ یہ اویتی دیوی کی اولاد ھیں ۔ پروفیسر سی کنہن ، اس بیان کے بعد استدلال کرتے ھیں کہ دیوتا پہلے انسان تھے بعد میں ترقی کر کے دیوتا بن گئے۱ ۔

ویدک آرین ، اپنے ان دیوتاؤں سے زیادہ تر سونا ، چوپائے ، بیٹے اور پوتے مانگا کرتے ، اور ان ھی کی خاطر ، وہ ان کے حضور قربانیاں پیش کرتے اور نذریں چڑھاتے ۔ وہ ان دیوتاؤں سے لمبی عمر بھی مانگتے اور دوسری خوشیوں کا مطالبہ بھی کرتے تھے ۔

رگ وید کی رو سے آرین اس دنیا کو تکلیفوں اور پریشانیوں کا گھر نہیں سمجھتے تھے ۔ ان کے نزدیک یہ دنیا دیوتاؤں کی توجہ اور مہربانی سے خوشیوں کا مرکز بن سکتی تھی ۔

یوں وہ دوسری دنیا کے تصور سے بھی ناواقف نہ تھے ، اور اس سے ڈرتے نہ تھے ۔ ان کے نزدیک دوسری دنیا غیر فانی اور مسرتوں سے بھرپور دنیا تھی ۔

مثلاً رگ وید کے ایک منتر میں استدعا کی گئی ہے ۔

۱- کلچرل ھیری ٹیج آف انڈیا ، ص ۲۹ ۔

''او پا واسانا ! مجھے اس غیر فانی اور لازوال دنیا میں جگہ دے جہاں جنت کا نور ہر لمحہ دمکتا رہتا ہے ۔ اور غیر فانی مسرت ہر طرف بکھری ہے ۔ مجھے بھی اس دنیا میں غیر فانی زندگی کا حامل بنا ۔ جہاں بادشاہ وسواس وان کا بیٹا قیام پذیر ہے ۔ جہاں آدمی جو چاہتا ہے پا لیتا ہے ۔ جہاں اس کی نقل و حرکت ہر پابندی سے آزاد ہے ۔ جہاں ہر آرزو کی تکمیل ہوتی ، اور ہر خواہش بروئے کار لائی جاتی ہے ۔ جو چاند کی روشن دنیا ہے اور جہاں ہر چیز کھانے کو ملتی ہے ، اور ہر خوشی میسر آتی ہے ۔''

رگ وید کے رشی ایک ایسی روح کے قائل تھے ، جو آدمی کی موت کے بعد بھی زندہ رہتی ہے اور مردہ جسم سے نکل کر دوسری دنیا کا سفر اختیار کرتی اور وہاں اپنے اعمال و افعال کی سزا و جزا پاتی ہے ۔ رگ وید سے اس امر کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ یہ روح غیر فانی شئے سمجھی جاتی تھی ، اور یہ دوسری دنیا میں پہنچ کر ترقی کر کے پہلے سے بہتر ، تجسیم اختیار کر لیتی تھی ۔ مثلاً مروت پہلے فانی تھے بعد میں غیر فانی بن گئے ۔ رسبھو بھی پہلے انسان تھے بعد میں دیوتاؤں کی شکل اختیار کر لی [۱]۔

رگ وید کے رشیوں کے ذہن میں جنت کا بھی واضح تصور موجود تھا ، اور مرنے کے بعد جو انسانی روحیں اپنے اچھے اعمال و افعال کے سبب جنت میں رسائی پا لیتیں ، وہ روحانی ترقی کے مدارج برابر طے کرتی رہتیں ۔

مثلاً رگ وید بتاتا ہے کہ یاما وہ پہلے وجود تھے جنھوں نے ترقی کرتے کرتے منزلِ مراد تک رسائی پا لی تھی ۔ پروفیسر کنہن کے نزدیک رگ وید کی جنت کے دو طبقات تھے ، ایک پہلا طبقہ اور ایک دوسرا طبقہ ۔ یہ دوسرا طبقہ وہ تھا جہاں انسانی روح پہنچ کر منزلِ مراد کو پا لیتی اور یہی اس کی معراج تھی ۔ پروفیسر کنہن اس امر کے بھی مدعی ہیں کہ رگ وید میں تناسخِ ارواح کا قطعاً عقیدہ موجود نہیں ہے ، یہ رگ وید دور سے بہت بعد کی پیداوار ہے [۲] ۔ پروفیسر کنہن کے خیال

۱- کلچرل ہیری ٹیج آف انڈیا جلد اول ، ص ۳۰ ۔

۲- ایضاً ، جلد اول ، ص ۳۳ ۔

میں رگ وید میں جہنم کا کوئی تصور موجود نہیں ہے ، اور نہ برے کاموں کی سزا اور برے آدمی کا انجام ہی کہیں مذکور ہے ۔

پروفیسر ، برڈلے کیتھ نے جو ایڈنبرا یونیورسٹی میں سنسکرت کے پروفیسر تھے رگ وید کے دیوتاؤں کے بارے میں کچھ مزید معلومات بہم پہنچائی ہیں ۔ ان کی رو سے رگ وید کے دیوتا ، مجرد نہ تھے ۔ جوڑے جوڑے تھے ، اور نر دیوتا ، مادہ دیویوں کی نسبت زیادہ قوی اور زیادہ جسیم تھے ۔ دیویوں میں زیادہ اونچی حیثیت کی دیوی اشاس ہے اور زیادہ نازک پرتھوی اور سرسوتی ہے ۔

گو شروع کے کسی دور میں بڑے دیوتا ، جانوروں کے روپ میں بھی ظاہر کیے گئے ہیں ۔ مثلاً اندر یا دائی یوس کے متعلق بیان ہوا ہے کہ وہ شروع میں بیل تھے اور سورج دیوتا ، سبک رفتار گھوڑے کا وجود رکھتا تھا ۔ اس کے باوجود رگ وید میں جانوروں کی پرستش کا تصور موجود نہیں ہے ۔ سانپ کو بھی رگ وید نے قابل پرستش نہیں ٹھہرایا اور نہ اس ٹوٹمی عقیدہ کی حوصلہ افزائی کی ہے کہ انسان کی اصل حیوان ہے اور یہ حیوان مقدس اور قابلِ پرستش ہے ۔

رگ وید دیوتاؤں کے متقابل کچھ بد روحوں اور شیاطین کا بھی ذکر کرتا ہے ۔ جن میں زیادہ اہم ، اسورہ اور کم تر درجہ کے راکشس ہیں۱ ۔

پروفیسر برڈلے کہتے ہیں دیوتاؤں سے متعلق آرین قبائل کا خیال تھا کہ اگر ہم ان کی پرستش کریں گے ، اور ان کے نام پر قربانیاں دیں گے تو وہ ہم پر مہربان ہو جائیں گے ۔ رگ وید میں جن قربانیوں کا ذکر ہوا ہے وہ ایسی ہی قربانیاں تھیں جو دیوتاؤں کی توجہ حاصل کرنے کے لیے کی جاتیں ۔ اس کے ماسوا یقیناً ، بعض مواقع پر شکرانہ کے اظہار کے لیے بھی آرین قبائل قربانیاں دیتے تھے۲ ۔

ویدک قربانیاں کئی قسم کی ہوتیں ۔ دیوتاؤں کے نام پر دودھ ، گندم ، گھی اور سوما کی خیرات بھی قربانی کا نام پاتی ۔ یوں بڑی قربانیوں

۱۔ کیمرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول ، ص ۱۰۶ ۔
۲۔ جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۰۷ء ، ص ۹۲۹—۹۳۹ ۔

کی صورت میں بیل اور گھوڑے قربان کیے جاتے تھے اور دیوتا ان کی قربانی پر زیادہ خوش ہوتے تھے -

رگ وید میں ان برھمنوں اور پروھتوں کی تفصیل بھی بیان ہوئی ہے جو قربانی کی تقریب کا اہتمام کرتے تھے - سب سے بڑا برھمن جو قربانی کا نگران ہوتا ، اسے ہوتری کہا جاتا - یہ شروع دور میں تو منتر بھی تصنیف کرتا تھا مگر بعد میں محض انہیں دھرانے کا فریضہ انجام دیتا - اس کی نیابت دوسرے پروہت کرتے ، ان میں سے جو قربانی کا اہتمام کرتا اسے اوھوریو کہا جاتا اور جو دعائیں زبان سے ادا کرتا وہ اوگتری کہلاتا تھا - باقی کچھ اور معاون بھی ہوتے جن کی تعداد تقریباً سات ہوتی - اور یہ ظاھر بات ہے کہ اس قسم کی اعلیٰ پیمانہ کی قربانیاں یا تو قبائلی سردار کرواتے ، یا بادشاہ اور یہ پروہت یا برھمن ، ان ھی بڑوں سے متعلق ہوتے تھے - ان کے انعامات یا حواصلِ خدمات مختلف ہوتے - قربانی کروانے والا جتنا بڑا آدمی ہوتا ، اتنا ھی بڑا صلہ ؛ ان برھمنوں کو ملتا ۱ -

دیوتاؤں کے نام پر اس اہتمام کے ساتھ قربانیوں کے علاوہ ، بلا شبہ آرین عوام روزانہ پوجا پاٹ بھی کرتے تھے - اور یہ ہر شخص کا انفرادی فعل تھا - اس کے ذریعہ وہ ذاتی مذھبی تسکین کا سامان بہم پہنچاتا ، مگر رگ وید میں اس موضوع پر کچھ زیادہ روشنی نہیں ڈالی گئی - البتہ تاریخ اس امر کی بین شہادت مہیا کرتی ہے کہ عوام یا خواص بعض اوقات اپنے بچے اور حتیٰ کہ اپنا آپ بھی دیوتاؤں کے حضور بھینٹ چڑھا دیتے تھے اور دیوتاؤں کے حضور اپنی جانیں یا دوسرے انسانوں کو قربان کرنے کی رسم نہ صرف بہت قدیم ہے ، قریب قریب تمام قدیم اقوام میں اس کا رواج تھا - سر گارڈنر ولکین سن ٹیلر نے ڈیڈوروس اور کرنل ٹوڈ کی رو سے بابل کے اسیری اور مصر کے فراعنہ اگر انسانوں کے گرد اپنے دیوتاؤں کے حضور ذبح کرنے کے عادی تھے تو ھندوستان کے قدیم قبائل بھی اس ' نعمت ' سے محروم نہ تھے - کرنل ٹوڈ نے ایسی کئی مثالیں دی ھیں جب کہ رومی ، یونانی اور ھندوستانی قدیم راجاؤں نے نہ صرف انسانی

۱- کیمرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول ، ص ۱۰۸ -

قربانیاں دیوتاؤں کے حضور پیش کیں ، اپنے بیٹوں اور حتیٰ کہ اپنے آپ کو بھی بھینٹ چڑھا دیا [۱] -

دیوتاؤں یا خداؤں کے حضور قربانیاں پیش کرنے کی مثال دیتے وقت کتاب انڈو آرین کے مؤلفین نے حضرت ابراہیم علیہ‌السلام کا ذکر بھی ضروری جانا ہے - جنھوں نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ‌السلام کو اپنے رب کے حضور قربان کر دینے سے دریغ نہ کیا تھا - قدیم یہود حالانکہ قربانیوں کے کچھ زیادہ حامی نہ تھے تاہم کارتھیج کی تاریخ شہادت دیتی ہے کہ اگاتھوکل کے مقابلے میں جب کارتھیجن کو شکست ہوئی تھی تو انہوں نے اپنے خداؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر ایک سو امراء کے بچوں کو ذبح کر دیا تھا -

گرام اپنی تصنیف ٹیوٹانک سائیتھالوجی میں کہتا ہے کہ انسانی جانوں کو دیوتاؤں کے حضور بھینٹ کرنے کی رسم ایک زمانہ میں جرمن اور نارسمین میں بھی رائج تھی - حتیٰ کہ رومی اور یونانی بھی اس میں روحانی لذت پاتے تھے - گوڈ نے رانا لانگ میواڑی کے بارے میں وضاحت کی ہے کہ اس نے یکے بعد دیگرے اپنے نو صاحبزادے ، دیوی چمندا کی بھینٹ چڑھائے تھے - حتیٰ کہ اپنی بوڑھی گردن بھی اس ظالم دیوی کے حضور پیش کر دی تھی -

مسٹر ٹیلر نے اپنی تصنیف پرمٹو کلچر جلد دوم (۲) میں ، قدیم رسوم کا شمار کرتے ہوئے اس رسم کا ذکر بھی کیا ہے جو قدیم دور میں ہندوؤں میں رائج تھی کہ ان میں سے اگر کوئی بڑا آدمی مر جاتا تھا تو اس کے غلام ، داس ، داسیاں ، بیویاں اور دوسرے بہت پیارے رشتہ دار اس کی روح کی ہم سفری کا شرف پانے کے لیے اپنے آپ کو ذبح کر لیتے تھے - کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ مرنے والے کی موت کے فوراً بعد جو عزیز اپنے آپ کو یوں ذبح کرے گا وہ مردہ کی روح کا فوراً ہم سفر ہو جائے گا -

---

۱- ڈیڈو روس جلد اول ، ص ۸۸ - ایتھنس جز ۴ ، ص ۱۷۲ - ولکسن اینشنٹ ایجشینز جلد ۲ ، ص ۲۸۶ وارن موونڈن ، ص ۲۸۵ -

۲- ٹیلرز پرمٹو کلچر جلد دوم ، ص ۳۶۵—۳۶۶ - (ٹوڈ راجستھان) وارن موونڈن ، ص ۲۸۵ -

ہیرو ڈوٹس نے بھی اپنے مشاہدات میں یہ بات دھرائی ہے کہ بڑے آدمی جب مرتے ہیں تو ان کی بیویوں میں سے جو سب سے زیادہ محبوب بیوی ہوتی ہے اور جو اپنے تعلق و قرب کا اقرار بڑی خوشی سے موت کے وقت خود کرتی ہے اسی وقت ذبح کر دی جاتی ہے[۱] ۔ فاضل کولبروک اور ونسن کا بیان ہے کہ رگ وید سمتہ میں کوئی سات منتر ایسے ہیں جو سنہا پاتنھ نے اس وقت پڑھے تھے جب دیوتا ورونا کے حضور اپنی جان بھینٹ چڑھائی تھی ۔

فاضل ماکس مولر نے اپنی تصنیف اینشنٹ سنسکرت لٹریچر میں بھی برھمنا اتاریہ سے ایسے کئی شواہد نقل کیے ہیں جو اس امر پر دال ہیں کہ آرین قوم میں ویدوں کے عہد میں دیوتاؤں کے حضور جانیں بھینٹ کرنے کی رسم موجود تھی ۔ لیکن یہ رسم آہستہ آہستہ کم ہوتی جا رہی تھی[۲] ۔

کتاب انڈو آرین کے مؤلفین کا خیال ہے کہ برھمن علما اس رسم کی کچھ زیادہ حوصلہ افزائی نہ کرتے تھے ، اور وہ مثالیں جو پروفیسر ولسن اور روزن نے پیش کی ہیں ہو سکتا ہے قدیم باشندوں کی انسانی قربانیوں کی ہوں[۳] ۔ یوں یہ بھی ممکن ہے کہ قدیم عہد میں جو اتاریہ برھمنا کا عہد تھا کسی آرین سنہا پاتنھ نے اپنی جان دیوتا ورونا کے حضور بھینٹ چڑھائی ہو اور برھمن علما نے اس پر تنقید نہ کی ہو ۔

یوں انڈو آرین کے مؤلفین بھی اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس دور میں دیوتاؤں کے حضور زیادہ تر جانور ذبح کیے جاتے تھے ، اور بھینٹ چڑھانے والے اس سے دیوتاؤں کی خوشنودی چاہتے تھے[۴] ۔

۱- ٹیلر پرمٹو کلچر جلد اول ، ص ۳۱۴ ۔

۲- ہیرو ڈوٹس باب پنجم ، ص ۵ ۔ انڈو آرین جلد ۲ ، ص ۶-۷ ۔
ونسن رگ وید جلد اول ، ص ۵۹ ۔

۳- میکس مولر اینشنٹ سنسکرت لٹریچر ، ص ۴۰۸ ۔

۴- انڈو آرین جلد ۲ ، ص ۳۷-۳۸ ۔

ساتواں باب

رگ وید کا سیاسی ماحول

فصل اول

ارضِ پاکستان کے پہلے آرین قبائل
ان کے دوست اور ان کے دشمن

گو پروفیسر برڈلے کیتھ نے شکوہ کیا ہے کہ رگ وید نے اپنے دور کی سیاسی حالت پر بہت تھوڑی روشنی ڈالی ہے ، اس کے باوجود خود پروفیسر موصوف نے رگ وید ہی سے کئی شمال مغربی ہند کے پہلے آرین قبائل کی باہمی دوستی و دشمنی ، باہمی خانہ جنگیوں اور مصالحتوں سے متعلق خاصی معلومات جمع کر لی ہیں اور یہ معلومات گو حتمی نہیں ہیں تاہم ان سے یہ اندازہ بآسانی ہو سکتا ہے کہ کون کون سے آرین قبیلے شمال مغربی ہند کے کن کن علاقوں میں آباد تھے ۔ ان میں سے کون کون ایک دوسرے کے حلیف اور کون کون ایک دوسرے کے دشمن تھے ۔ ان کی سب سے بڑائی لڑائیاں کب ہوئی تھیں اور ان میں کن کن گروھوں نے شرکت کی تھی ۔

اس سلسلے میں فاضل برڈلے کیتھ نے میکڈانل کیتھ زمر ، اولڈن برگ ، میکس مولر اور کئی دوسرے علمائے تاریخ قدیم کے عمیق مطالعۂ رگ وید سے بھی مدد لی ہے اور ان کے استخراج کو بھی دلیلِ راہ بنایا ہے۱ ۔

پروفیسر برڈلے کیتھ کی طرح ویدک ایج کے مؤلفین اور ویدک انڈیا کے مصنف رنگ آچاری نے بھی اس باب میں رگ وید پر بھروسہ کیا ہے۲ ۔ اور یہ حقیقت ہے کہ رگ وید سے استناد کے سوا اس باب میں اور کوئی

۱۔ ویدک انڈیا ص ۱۸۳ - ۱۸۴ ۔

۲۔ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ص ۔ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ص ۸۱ ۔ ویدک ایج ص ۲۴۴ - ۲۴۵ - ۲۴۶ - ۲۴۷ ۔

ذریعہ معلومات قطعاً موجود نہیں ہے ۔ کیونکہ شروع دور کے آرین آبادکاروں نے اپنے پیچھے کوئی آثار ایسے نہیں چھوڑے جن سے ان کی قبائلی دوستیوں دشمنیوں اور سیاسی حالات کا تجزیہ ممکن ہوتا ۔

اس سلسلے میں تنہا رگ وید ہی ایک ایسا ذخیرہ ہے ، جس کی طرف ہر عالم اور ہر طالب علم کی نگاہ اٹھتی ہے ۔ خصوصیت سے اس لیے کہ یہ رگ وید اس دور میں تالیف ہوا ، جب آرین قبیلے چھوٹے اور بڑے ماتحت اور خود مختار سب کے سب سات دریاؤں سے سیراب ہونے والی سرزمین میں رہتے تھے اور نہ صرف اس سرزمین کے گیت گاتے تھے ان دریاؤں کو بھی خراجِ عقیدت پیش کرتے تھے ، جن کے سبب یہ سرزمین جنت کا نمونہ تھی اور جن کے طفیل ان کی کھیتیاں ہری اور باغیچے لہلہاتے تھے ۔

مسز مینگ نے اپنی تصیف اینشنٹ اینڈ مڈایول انڈیا کی جز اول میں سنیٹ مارٹن اور پروفیسر ولسن مترجم رگ وید کے حوالے سے کئی متعدد ایسے گیت نقل کیے ہیں جو رگ وید کے شعرائے کرام نے شمال مغربی ہند کے مختلف دریاؤں کی شان میں کہے تھے ۔ خصوصیت سے بعض شعرا نے تو سندھ کی عظمت و جلالت کی قسمیں کھائی ہیں اور اسے خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ سندھو ایک عظیم تاجدار کے سے انداز میں بڑی شان و شکوہ کے ساتھ پہاڑوں کے اندر سے راہ بناتا ، آگے بڑھتا ہے اور ادھر ادھر کے دریا اس کے حضور سجدہ ریز ہوتے اور اس کے وجود میں اپنے وجود کو گم کر دینے کے شوق میں دیوانہ وار دوڑے چلے آتے ہیں ۔ دریائے سندھو اور ان دریاؤں کی مثال ایسے ہے جیسی اس عظیم تاجدار کی ہے جس کے دونوں طرف اس کی فوجیں چلی آ رہی ہوں[۱] ۔

ہم پچھلے عنوان کے ماتحت یہ تفصیل پیش کر چکے ہیں کہ رگ وید میں کن دریاؤں کا ذکر ملتا ہے ، یہاں ہم اس ذکر کو دھرائیں گے نہیں ، البتہ اتنا اضافہ ضرور کریں گے کہ مسز مینگ سنیٹ مارٹن اور ولسن کے نزدیک رگ وید کے شعرا نے جن دریاؤں کی حمد گائی ، وہ سندھو اور سرسوتی کے مابین واقع تھے ۔ مسز مینگ نے ایسے بھی کئی منتر پیش کیے ہیں ، جن میں سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر سرسوتی کے گیت اس لیے گاتے

۱۔ مسز مینگ اینشنٹ اینڈ مڈایول ایڈیا ص ۵ جلد اول

تھے کہ وہ دشمنوں اور ان کی قوم کے وطن کی اس سمت کی سرحد کا پاسبان اور محافظ تھا۔ وہ انہیں اور ان کے قوم کو دشمن کے حملوں سے محفوظ رکھتا تھا۔

مثلاً ایک شاعر کہتا ہے:

"سرسوتی تو اپنی ساتوں بہنوں میں سب سے زیادہ خوبصورت،
سب سے زیادہ معزز اور زیادہ خوبصورت ہے اور تو ہمیں ہمارے
دشمنوں سے محفوظ رکھتی ہے اور تیری مثال ایسے شہر کی ہے
جو ہتھیاروں سے بھرا ہے۔"

بلاشبہ شاعر نے سرسوتی کی تعریف میں خاصے مبالغے سے کام لیا ہے، لیکن چونکہ وہ اس سمت کی سرحد پر واقع تھا اور ادھر کے حملہ آوروں کو روک لیتا تھا، اس لیے ہر تعریف کے قابل سمجھا گیا اور پھر یہ شاعر بھرت قبیلہ کے شاعر تھے جو ارض مغربی پاکستان میں آباد آرین اور غیر آرین قبیلوں سے لڑتے بھڑتے، دریائے سرسوتی کے کنارے تک پہنچ گئے تھے اور اپنی بستیاں وہاں بسا لی تھیں۔ اس سلسلے میں بھرتوں کو اپنے ہم نسل قبیلوں اور دوسروں سے جو شدید لڑائیاں لڑنا پڑی تھیں ان کا حال کہتے وقت رگ وید کے شعرا نے وقتی سیاست اور آرین قبیلوں کی باہمی دوستیوں اور دشمنیوں پر خاصی روشنی ڈالی ہے۔ خصوصیت سے دس بادشاہوں اور سوداس بادشاہ کی لڑائی کے متعلق تو بہت کچھ کہا ہے۔

رگ وید کی رو سے دس بادشاہوں کی یہ لڑائی اس دور کا سب سے بڑا المیہ ہے اور یہ ایک ایسی داستان ہے جس کے حرف حرف سے عبرت لپٹی ہے۔ یہ لڑائی یوں تو عام قبائلی لڑائیوں کی طرح خاندانی عصبیت کی پیدا وار تھی لیکن اس کے بعض ہنگامی اسباب بھی تھے اور یہ ہنگامی اسباب دو شاہی پروہتوں کی باہمی دشمنی اور ہوس اقتدار کے خمیر سے پیدا ہوئے تھے، ان میں سے ایک کا نام وستھ اور دوسرے کا نام وشوا متر ہے اور دونوں کے منتر رگ وید میں موجود ہیں۔ گو وشوا متر زیادہ ذہین، زیادہ قابل اور زیادہ ہوشمند تھا، تاہم وستھ کو شاہی خاندان کی مذہبی قیادت کے سلسلے میں تقدم حاصل تھا[۱] اور بادشاہ سوداس کی اس پر

۱۔ ویدک انڈیا، ص ۱۹۳۔

بڑی توجہ تھی ۔ وشوا متر جو نسلاً پنڈت نہیں ہے ، وستھ کے راستہ میں کس طرح حائل ہوا ، اس باب میں ہمیں کچھ زیادہ معلوم نہیں ہے ۔ فاضل رنگ اچاریہ کی رو سے صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ پنڈت وشوامتر نے بھی بعض شاہی عبادات اور قربانیوں کا اہتمام کیا تھا اور سوداس نے اس پر انعامات کی خوب بارش کی تھی ۔ لیکن یہ سلسلہ کچھ زیادہ دن تک نہیں چلا اور سوداس نے وستھ کو اس پر ترجیح دینا شروع کر دی اور وشوامتر کو ناچار دربار چھوڑ دینا پڑا ۱ ۔

مسٹر رنگ اچاریہ کی رو سے وشوامتر نے سوداس کا دربار چھوڑ کر بھرتوں کے ہاں پناہ لی تھی ۔ مشہور خیال یہ ہے کہ سوداس بھرتوں کا بادشاہ تھا ۔ مسٹر رنگ اچاریہ نے اس سلسلے میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ صورتِ حال کچھ زیادہ واضح نہیں ہے اور ہمیں بھرتوں اور سوداس کے مخصوص خاندان ترتسو کے متعلق کچھ حتمی علم نہیں ہے ۔ بعض علما کے نزدیک یہ آپس میں رقیب تھے ، بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے حلیف تھے اور بعض کے نزدیک دونوں ایک ہی شے کے دو عنوان تھے ۔ یہ خیال بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ ترتسو یا سوداس سیاسی اقتدار کے مالک تھے اور بھرت ان کے ماتحت تھے ۔ تاہم بھرت ماتحت ہونے کے باوجود اس قدر طاقتور تھے کہ آخر میں پورے قبیلے کو ہی نہیں شاہی خاندان کو بھی ان ہی کا نام اختیار کرنا پڑا ۔

اس سلسلے میں فاضل ہیلے برنڈت کا خیال ہے کہ سوداس اور بھرت آرچوسیا سے ہندوستان میں ایک ساتھ داخل ہوئے تھے اور ایک جسم و جان کی شکل اختیار کر لی تھی ۔ ان کے پروہت وستھ آرچوسیا ہی سے ان کے ساتھ آئے تھے اور خاندانی پروہت تھے اور خاصے متعصب تھے ۔ ان کا خیال تھا کہ پروہت کا منصب خاندانی ہوتا ہے اور صرف برہمن ہی کو نصیب ہو سکتا ہے ، وشوامتر چونکہ برہمن نہ تھا اور اسے پروہت کے منصب تک پہنچنے کے لیے وستھ کی منظوری ضروری تھی اور اس لیے نتیجۃً وہ ہارا اور وستھ جیتا ۲ ۔

اس باب میں ویدک ایج اور کیمرج ہسٹری آف انڈیا کے مقالہ نگاروں

۱۔ ویدک انڈکس جلد ۲ - ۳۵۴ — ۳۵۵ -
۲۔ ویدک انڈیا ، ص ۱۹۲ -

نے کئی باتیں ، پروفیسر رنگ اچاری سے مختلف کہی ھیں ۔ بنیادی بات تو یہ ھے کہ سوداس جو دونوں برھمنوں کا ممدوح تھا ، بھرتوں کا بادشاہ تھا اور اس کے دربار کا پہلا پروھت ، وشوامتر تھا اور وستھ کا انتخاب وشوامتر کے بعد ھوا تھا ۔ وشوامتر نے سوداس کی رھنمائی کئی ان لڑائیوں میں کی جو اس بادشاہ نے ویپاس کے اور ستدری کے کناروں پر لڑی تھیں ۔

ویدک ایج کے مقالہ نگار کے الفاظ ھیں ۔

Sudas was a Bharata King of the tritsu family which was setteled in the country which later came to be known as Brahmavarta. At first Visvamitra, a scion of the Kusika family of the Bharatas, was the priest of Sudas, and led him, to victories campaigns on the Vipas and Satudris[1].

کیمرج ھسٹری آف انڈیا کے فاضل مقالہ نگار برڈلے کیتھ کے نزدیک بھی ، سوداس ، بھرتوں کا بادشاہ تھا ، اور وشوامتر اس کا پہلا پروھت تھا اور سوداس نے اس کی جگہ وستھ کو دی تھی[۲] ۔

بھر حال سوداس محض ترتسوؤں کا بادشاہ تھا یا بھرت بھی اس کے ماتحت تھے اور وشوامتر کو وستھ پر تقدم حاصل تھا ، یا وستھ پہلا پروھت تھا ، وشوامتر کی اقتدار سے محرومی ، دس بادشاھوں اور سوداس کی لڑائی کا موجب بنی تھی ۔ مسٹر رنگ اچاریہ کے بیان کے مطابق ، سوداس کے خلاف جو قبیلے برانگیختہ ھوئے ، ان میں متسیا ، پکھت ، ''پختو'' ، بھلان ، ''بلان ناس'' ، اسینا ، وشنی ، سیوا ، سیوی ، آجا ، سگرو اور یکشو شامل تھے ، اور ان کے بادشاھوں کے نام ، سمیو ، تُرواسا ، دھرویو ، کورشا ، پرد ، آنو ، بھیدا ، سبمھرا ، وکارنیکا اوریدو تھے[۳] ۔

فاضل اجل برڈلے کیتھ نے ان میں سے پانچ قبیلوں کو پہاڑی ظاھر کیا ھے ۔ مثلاً متسیا چترال کا باشندہ تھا ، پکھتو ، شمال مغربی سرحد کا

۱۔ ویدک ایج ، ص ۲۴۵ ۔

۲۔ کیمرج ھسٹری آف انڈیا ، ص ۸۱ ۔

۳۔ ویدک انڈیا ، ص ۱۹۲ ۔

بھولان ناسں ، کوئٹہ کے نواح کا ، سیوی ، شور کوٹ اور جھنگ کے درمیانی علاقہ کا اور وشنی راولپنڈی اور جہلم کی سرزمین کا باشندہ تھا ۔ رگ وید کے نزدیک پورو ، یدو ، تروسا ، آنو اور دھرویو ، ایک تو حتماً آرین تھے ، دوسرے انتہائی ممتاز اور شہرۂ آفاق تھے ، اور یہ سب کے سب ایک دوسرے کے قریبی ہمسائے تھے ۔

تمام علمائے تاریخ اس بات میں متفق الخیال ھیں کہ دس قبیلوں کے منظم گروہ اور سوداس کے مابین جو عظیم لڑائی اقتدارِ اعلیٰ کی خاطر لڑی گئی وہ پروشنی یا راوی کے کنارے پر لڑی گئی تھی ۔ اس کے معنیٰ اس کے سوا کچھ نہیں کہ پروشنی ، یا دریائے راوی فریقین کے مابین یا تو حدِ فاصل تھا ، یا دونوں نے اپنے اپنے علاقہ سے آگے بڑھ کر دریائے راوی پر چھاؤنی ڈال لی تھی ۔ رگ وید میں اس سلسلہ میں جو منتر درج ھیں ، وہ ھمارے نزدیک ابہام کے سوا اور کچھ ظاھر نہیں کرتے ۔ ان کے شعرا نے ان منتروں میں ستدرو اور ویپا ، ندیوں سے باتیں تو کی ھیں ، انھیں اپنی چرب زبانی سے جیتا بھی ھے ۔ لیکن یہ اعلان ضروری نہیں سمجھا کہ وشوامتر ، جن مختلف قبائل کو اپنے ساتھ لے کر ، سوداس کے خلاف لڑائی لڑنے کے لیے آیا تھا ، وہ کہاں مجتمع ہوئے تھے ۔ اس لیے کہ ان کی رھائش گاھیں یا آبادیاں مختلف اطراف میں تھیں ۔ بولان یا بھولان بلوچستان سے آئے تھے ۔ متسیا ، اور پکھتو ، چترال اور پشاور سے وشنی ، راولپنڈی سے اور سیوی جھنگ سے اور ان کے باقی کے حلیف ، ستلج ، بیاس ، جہلم ، چناب اور راوی کے درمیانی میدانوں کے باشندے تھے ۔

بہر حال اس الجھاؤ میں سے جو رگ وید کے شعرا نے اس لڑائی کے چاروں طرف اپنی چرب زبانی سے بنا ھے ، صرف ایک بات واضح ھے کہ لڑائی دریائے راوی کے کنارے لڑی گئی تھی ۔ اور اس میں سوداس کو غیر معمولی فتح نصیب ھوئی تھی ، اس کے مخالفین میں سے ۲۱ بڑے بادشاہ قتل ھوگئے تھے ، مخالفین کا سب سے بڑا سربراہ بادشاہ بھیدا بھی مارا گیا تھا ، مقتولین کی تعداد چھیاسٹھ ہزار چھ سو ساٹھ تھی ۔ ان کے علاوہ بہت سے لوگ دریا میں ڈوب مرے تھے ، اور فاتح سوداس کو غیر معمولی غنیمتیں نصیب ھوئی تھیں[۱] ۔

۱۔ رگ وید جز ۷ ۔ باب ۱۸ ۔ منتر ۱۷ ۔ ویدک انڈیا ، ص ۱۹۴ ۔

مسٹر اچاریہ کا بیان ہے کہ اس فتح کے بعد ، بھرت اور سوداس ، یا ترتسوؤں کے اختلافات ختم ہوگئے ، اور حالانکہ بھرت شکست خوردہ فریق میں سے تھے ، لیکن وہ تاریخ کے نزدیک فاتح بنے کیونکہ فریقین میں جب صلح ہوئی ، تو بھرت اور ترتسو ایک دوسرے میں ضم ہوگئے ، اور بالآخر بھرت نے کچھ اس قدر عظمت حاصل کی کہ نہ صرف قبیلہ نے بھرت نام پایا ، ان کے وطن کو بھی یہی عنوان ملا[۱] -

یہ لڑائی جس کی تفصیل اوپر بیان ہوئی ہے - گو بہت حد تک فیصلہ کن تھی اور اس کے دو شرکا ، ترتسو اور بھرت ایک دوسرے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ضم ہو گئے تھے لیکن ان دو سے سوا باقی قبائل نے اپنے نقصانات کے باوجود اپنی خود مختاری اور انفرادی اور جداگانہ قبائلی حیثیت برابر قائم رکھی - مثلاً پورو جو بھرتوں اور ترتسوؤں کے بعد سب سے بڑا آرین قبیلہ تھا ، لڑائی کے بعد بھی خوب پھلا پھولا - یہ بھرتوں اور ترتسوؤں کا قریبی همسایہ تھا ، اور دریائے سرسوتی اور ستلج کے مابین آباد تھا - چونکہ یہ قبیلہ بھرتوں اور ترتسؤں کا بہت بڑا دشمن تھا ، اور اس کی دشمنی کافی دنوں تک قائم رہی تھی ، اس لیے بعض علمائے تاریخ کا خیال ہے کہ غیر آرین تھا اور قدیم سندھ کا باشندہ تھا[۲] -

مسٹر رنگ آچاریہ کے نزدیک بھرتوں اور ترتسوؤں کی مخالفت اس امر کی شہادت نہیں ہے کہ پورو لازماً غیر آرین تھا ، کیونکہ دس بادشاھوں کی جتھہ بندی میں جو قبائل شریک ہوئے تھے ان میں کئی حتماً آرین تھے[۳] -

بھرحال پروفیسر برڈئے کیتھ کہتے ھیں ، رگ وید نے اس قبیلہ سے متعلق بہت دلچسپی لی ہے - اس کی بستیوں کے محل وقوع کے ساتھ ساتھ اس کے بادشاھوں کے نام بھی لکھے ھیں - جن میں سے پہلا بادشاہ واگہ تھا ، دوسرا گرگشت ، تیسرا پورو کتسا - آخرالذکر بادشاہ سوداس کا همعصر تھا اور یہی وہ تھا ، جس نے سوداس کے خلاف لڑائی میں اپنے قبیلے

۱- ویدک انڈیا ، ص ۱۹۵ -

۲- کیمرج هسٹری آف انڈیا ، جلد اول ص ۸۳ -

۳- ویدک انڈیا ص ۱۹۵ -

کی قیادت کی تھی۔

رگ وید ہی کا بیان ہے کہ اس کی ملکہ نے نیوگ کے ذریعے اپنی کوکھ ہری کی تھی اور نیوگ کے ذریعے جو بچہ ملکہ کی گود میں پہنچا، وہی پوروکتسا کے قتل کے بعد اس کا وارث بنا اور اس کے تخت پر بیٹھا[۱]۔

اس سلسلہ میں خیال رہے کہ پورو اپنے قبائلی وجود کو برقرار رکھنے کے لیے اس درجہ مشتاق تھے کہ انہوں نے اپنے بادشاہ کی موت کے بعد جس بچہ کو تخت نشین کیا، وہ دودھ پیتا بچہ تھا اور اس کی جوانی تک کا زمانہ اس شکست خوردہ قبیلہ نے بڑی مستعدی کے ساتھ گزارا۔ بھرتوں یا ترتسؤں کے سامنے گردنیں خم نہیں کیں اور جب بچہ جوان ہوا تو اس کو بادشاہ بنا کر اس کے جھنڈے تلے بڑی شاندار لڑائیاں لڑیں۔ گو یہ لڑائیاں بھرتوں کے خلاف نہ تھیں 'داسیو' کے خلاف تھیں تاہم ان سے پورو بادشاہ کو بڑی شہرت نصیب ہوئی اور رگ وید کے شعرا نے اس کی شان میں قصیدے کہے اور اسے 'تراس داسیو' یا داسیو کے جلاد کا خطاب بخشا۔ اس کے بعد کے کئی پورو بادشاہوں کے نام بھی رگ وید میں مذکور ہیں۔ مثلاً تراتیتھی، کوروکرونا، تریارنا، تردرلیشن اور تری واتو اور اتنے سارے بادشاہوں کے نام یہ ظاہر کرتے ہیں کہ پورو قبیلہ صدیوں با اقتدار رہا ــــ اور اگر جہلم کا پورس اسی نسل میں سے تھا، جس نے ۳۲۶ قبل مسیح میں سکندر مقدونی کی راہ روکی تھی تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ پورو قبیلہ نے چوتھی صدی قبل مسیح تک اپنی سیاسی زندگی قائم رکھی تھی۔

پروفیسر رنگ اچاریہ کا بیان ہے کہ رگ وید کے دنوں میں چناب اور راوی کے مابین جو قبائل آباد تھے ان میں آنو، تروآسا، دھریو اور بل ھیکا زیادہ ممتاز تھے۔ آخرالذکر قبیلہ زیادہ شمالی اطراف میں رہتا تھا۔ ویدک انڈکس کے مؤلفین نے اسے اترا مدرا کے ہمسایہ میں تریکا کوبہ پہاڑ کے علاقہ کا آبادکار ٹھیرایا ہے۔ عظیم محققین، وبر اور روتھ کا خیال ہے کہ بل ھیکا، دراصل بلخ کے رہنے والے تھے، مگر زمر،

۱- ویدک انڈیا ص ۱۹۵ -

میکڈانل اور کیتھ جیسے علما نے اس نظریہ کی مخالفت کی ہے۱ ۔

اسی طرح پورو قبیلہ کے محلِ وقوع کے بارے میں بھی علما متحدالخیال نہیں ہیں ۔ جیسے رگ وید کبھی تو پرتھو کہتا ہے ، کبھی پرسوا قرار دیتا ہے اور کبھی پرتھوا ٹھیراتا ہے ۔ فاضل لڈوگ اور وبر کے نزدیک یہ آرین قبیلہ پارتھی اور فارسی‌الاصل ہے۲ ۔

قبیلہ بل ہیکا یا ''بلکنھو'' کے ہمسایے ''دروھیو'' تھے ، اور بادشاہ سوداس کے خاندان سے کافی دنوں سے لڑتے آئے تھے ، مثلاً انھوں نے سوداس سے بھی کئی لڑائیاں لڑی تھیں اور اس کے باپ کے خلاف بھی متعدد بار صف آرا ہوئے تھے ، اور سوداس کے قبیلے ترتسو اور ان میں سخت قبائلی رقابت موجود تھی ، اور یہ رقابت دس بادشاہوں کی لڑائی کے وقت بہ‌ظاہر گو ختم ہوگئی تھی ، لیکن اس کے بعد بھی ان لوگوں نے ترتسوؤں کے ساتھ اتحاد کرنے کی بجائے قبیلہ گندھارا سے ادغام پسند کیا ۔

'دروھیو' قبیلہ کے ہمسایے تروا‌سا لوگ تھے ۔ رگ وید کے کئی منتر ایسے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ 'داسیو' یا اس علاقے کے قدیم ترین باشندے تھے ۔

یوں یہ بھی کہا گیا ہے کہ تروا‌سا اور یدوا قبیلے ایک ساتھ راجپوتانہ کے ساحلی علاقہ میں رہتے تھے اور ہوتے ہوتے پورے کاٹھیاواڑ میں پھیل گئے تھے ، لیکن اندر دیوتا انھیں وہاں سے نکال لائے اور سپتا سندھو کے علاقہ میں بسا دیا ۔ مسٹر رنگ اچاریہ کا خیال ہے کہ انھیں 'داسو' کا خطاب اس لیے ملا کہ بعد میں وہ آرین مذہب سے کچھ الگ راہ پر چل نکلے تھے۳ ۔

کئی بڑے علما کے نزدیک تروا‌سا اور یدوا ایک شئے کے دو عنوان تھے ، اور تروا‌سا یدو بادشاہ کا نام تھا۴ ۔

تروا‌سا کے متعلق ساتا پاتھ برھمنا میں بیان ہوا ہے کہ انھوں نے

۱۔ ویدک انڈیا ، ص ۱۹۰ ۔
۲۔ ویدک ایج ، ص ۲۴۸ ۔
۳۔ ویدک انڈیا ، ص ۱۹۰ ۔
۴۔ ویدک ایج ، ص ۲۴۷ ۔

ایک موقعہ پر پنچال کو چھ ہزار تینتیس سوار مہیا کیے تھے اور ھریا اپیا اور یاویاوتی کے کنارے پر سنجایا اور دیواتہ کی طرف سے لڑائی بھی لڑی تھی - پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ ھریا اپیا ، ھڑپا تھا ، اور یہ لڑائی وھی تھی جس میں ھڑپا پر تباھی آئی تھی -

فاضل بیڈن پاویل نے دریائے سندھ کے کناروں کے آباد کاروں میں تاکا قبائل کو بڑی اھمیت دی ہے - جن کا اقتدار شروع دور سے لے کر ۹۰۰ سال بعد تک چلا ، ان کے علاوہ یدوا اور اناوا بھی بڑے اھم قبیلے تھے - یدوا سندھ کے آباد کار تھے اور اناوا پنجاب کے - جنرل کننگھم کا نظریہ ہے کہ پنجاب کے اعوان ، آناوا آرین قبیلے کے وارث ھیں ، اور جنجوعہ قبیلہ یدوا کی یادگار ہے - بھٹی بھی یدوا کی نسل سے ھیں[۱] -

ویدک ایج کے مؤلفین کی رو سے آنو یدو 'دھرویو' اور تروااسا . چاروں باھم حلیف تھے اور ھمسائے بھی تھے[۲] -

دریائے جھلم اور چناب کے علاقے میں ان دنوں جو قبیلے آباد تھے ، ان میں رگ وید نے سجاونت ، مہاورش ، اترا کورو اور مدرا کو زیادہ اھمیت دی ہے - سجاونت جنوبی کشمیر کے باشندے تھے - سوما شراب کی بوٹی ، ان ھی کے علاقے میں پیدا ھوتی تھی - اترا کورو اور مدرا ، سجاونت اور تریکا ، کبھ کے مابین کی سرزمین کے مالک تھے - یہ بھی خیال ظاھر کیا گیا ہے کہ کورو مدرا کا علاقہ ھی دراصل آرین کا دیس تھا - اترا کورو اور مدرا کے اس علاقے کو ھم موجودہ کشمیر کا نام دے سکتے ھیں ، مشہور عالم فینکے کا تو خیال ہے کہ سنسکرت زبان دراصل کشمیر میں پروان چڑھی تھی - ویدک انڈکس کے مؤلفین نے اس رائے سے اتفاق کیا ہے -

مسٹر رنگ اچاریہ کہتے ھیں کہ کسی زمانے میں جنوبی ھندوستان کے لوگ زبان سیکھنے کے لیے کشمیر یا اترکورو مدرا دیس میں جایا

۱- بیڈن پاویل ، انڈین ولیج کمونٹی ، ص ۹۴—۹۵ - جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی جولائی ۱۸۹۱ ، مقالہ از سرجن ، سی - ایف - اولڈھم - سیک کرنڈلے ٹپولمی ، ص ۱۱۸—۱۱۹ -

۲- ویدک ایج ، ص ۲۴۷ -

کرتے ، کیونکہ عام خیال یہ تھا کہ اس علاقے کی زبان بہت ا کیزہ ہے ۔ بہر حال جغرافی لحاظ سے یہ دیس ، دریائے سندھ اور سواستو کے اس سمت تھا۱ ۔

دریائے سندھ اور دریائے جہلم کے مابین ، ان دنوں جو قبیلے آباد تھے ، ان میں آنو اور یدو کا تو اشارتاً پیچھے ذکر ھوا ۔ ان کے ماسوا گندھارا ، سیوی ، کیکائی ، دریچی ونت ، اور سرنجایا کو بھی بڑی حیثیت حاصل تھی ۔ خصوصیت سے کیکائی نے تو پنجاب و سندھ کی تاریخ میں بڑا نام پایا ہے ۔

مشہور عالم لیسن کے نزدیک یہ راوی اور بیاس کے مابین آباد تھے ؛ لیکن کننگھم کا خیال ہے کہ یہ جہلم سے ملحق علاقے میں رہتے تھے ۔ ان کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ مشہور سیوی شہنشاہ اسی نارا کی اولاد میں سے تھے ۔ پرانوں اور رزمیہ داستانوں میں لکھا ہے کہ جودھیا کے بادشاہ ترسنکو نے ایک کیکائی شہزادی سے شادی کی تھی ۔ رامائن میں مذکور ہے کہ کیکائی بادشاہ اسواپتی کی ایک بہن رام چندر جی کے باپ وسارتھ کی دوسری رانی تھی ، اور رام چندر جی کے سوتیلے بھائی بھرت ، اپنے ماموں اسواپتی کے ھاں بہت پسند کیے جاتے تھے ۔ اسواپتی کے علم کی بڑی دھوم تھی ۔ اسی اسواپتی نے اپنے بعد بھرت کو اپنا وارث قرار دیا تھا ، اور اس کے جانشین کی حیثیت سے بھرت نے جب کیکائی ریاست کو اپنی تحویل میں لیا ، تواسے بہت ترقی دی ، اور گندھارا کو بھی فتح کر لیا اور سندھ کو بھی ساتھ ملا لیا ۔ یہ بھرت کے بیٹے ، تکشا اور پشکلا تھے جنھوں نے تکشلہ اور پشکلاوتی پشاور آباد کیے تھے ۔

کیکائیوں کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ وہ بڑے اچھے تیر انداز تھے اور ان کا پایۂ تخت سر کننگھم کی رو سے جہلم کے ایک موجودہ قصبہ جلال پور میں تھا۲ ۔

کیکائی بادشاھوں میں اکشیواس اور یدہ جیت نے بڑا نام پایا تھا ،

۱- ویدک انڈیا ، ص ۱۹۱ ۔

۲- ایضاً ، ص ۲۷۳ ۔ رامائن گرنتھ طبع ۱۸۹۰ ۔ باب ۶۸ ۔

آخرالذکر تو بھرت کا ماموں تھا ۔ بہر حال رگ وید کے زمانے میں جو آرین قبیلے اس سمت آباد ہوئے تھے ان میں کیکائیوں کو بڑی حیثیت حاصل تھی ، اور ان کے تعلقات ان سومیرا ، مدرا ، سیوی اور اسبھشاتا سبھی قبیلوں سے تھے ، کیونکہ یہ سب کے سب خود کو شہنشاہ اسی نارا کی اولاد بتاتے تھے ۔

اسی نارا کا ذکر رگ وید میں موجود ہے ۔ فاضل زمر کے نزدیک یہ شمال مغربی ہند کی بہت بڑی شخصیت تھی ۔ رگ وید میں اسے سبی سے منسوب کیا گیا ہے ۔ فاضل پارگیٹر کا خیال ہے کہ اسی نارا اور اس کے وارث انوا ، پورو قبیلے میں سے تھے اور پنجاب کے باشندے تھے ، اور یہ اسی نارا کا بیٹا سیوی تھا ، جس نے جھنگ کے نواح میں سیوی ریاست کی بنا ڈالی تھی ، اور اپنے نام کا ایک شہر آباد کیا تھا ، سیوی کے چار بیٹے تھے ۔ کیکا ، سویرا ، ویشدربھا اور مدرا ، جنھوں نے چار ریاستیں قائم کیں اور چار بڑے قبیلوں کے جدِ امجد تھے ۱ ۔

بادشاہ اسی نارا کا ذکر مہا بھارت میں بھی کیا گیا ہے ، اور اس کی رو سے تو اسی نارا ' قربانیوں ' کے باب میں اندرا سے بھی بازی لے گیا تھا ۔ سنتی پروا کے باب اٹھائیس میں اسی نارا کو ساری دنیا کا بادشاہ قرار دیا گیا ہے ۔ اس کے مابعد کی مذہبی تصانیف ، حتیٰ کہ جتکا کہانیوں میں بھی اس خاندان کا ذکر موجود ہے ۔

مشہور نحوی پینینی نے بھی جو سنسکرت زبان کے غیرفانی معماروں اور زبان دانوں میں اولیت رکھتا ہے ، اسی نارا کا ذکر کیا ہے ۲ ۔

سکندر مقدونی نے جب شمال مغربی علاقہ پر حملہ کیا تو اس کے ساتھ جو روزنامچہ نویس آئے انھوں نے بھی سیوی ، سلطنت پر روشنی ڈالی ہے ۔ گویا یہ سلطنت رگ وید کے زمانے سے لے کر سکندر مقدونی کے حملہ کے وقت تک قائم رہی تھی ، گو اس کے کئی حصے ہو چکے تھے اور

۱۔ ویدک انڈیا ۲۵۸—۲۵۹ ، پینینی ، جلد ۲ ۔ باب ۴ ، ص ۲۰ ۔ سنتی پروا باب ۲۸ ۔

۲۔ مڈ انڈین کشتری ٹرائبز جلد اول ، ص ۱۵۹—۱۶۰ ۔ کوول جلد ۶ ۔ ص ۵۵ ۔

زوال نے اس کی شان و شوکت اس سے چھین لی تھی -

(ہم اس سلطنت کا ذکر آگے چل کر کسی قدر تفصیل کے ساتھ کریں گے -)

گندھارا نسل جس کے نام پر وادیٔ کابل اور وادیٔ سندھ کے درمیانی علاقے نے گندھارا نام پایا ہے رگ وید کے عہد میں دریائے کابل سے لے کر دریائے گومل تک کے جغرافی حدود میں محدود تھی - رگ وید نے اس نسل میں شامل قبیلوں کو پکتھو ، النیا ، بھلنا اور وشنی کا عنوان دیا ہے -

پکھتو اسی حصے میں رہتے تھے جہاں سے دریائے کرم کے سوتے پھوٹتے ہیں - رگ وید کے زمانے میں یہ پکھتو تھے پھر پختو بنے اور اب پختون کہلاتے ہیں - یہ خالص آریائی نسل میں سے ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جو آریائی ریلے میں ، سطح مرتفع ایران سے چلے تھے اور اس علاقے میں رک گئے تھے - النیا قبیلہ پکھتو کا ہمسایہ تھا - یہ بھی شاید زیادہ حوصلہ جو نہ تھا کہ آریائی ریلے میں آگے نہیں بڑھا ، اور پکھتو کے مشرق میں واقع اس علاقے میں ، جسے ہتنو ندی سیراب کرتی ہے ، ڈیرے ڈال لیے تھے - ہتنو ندی ، کرم اور کبھ (کابل) کے تقریباً نصف کا فاصلہ طے کر کے سندھ میں مل جاتی ہے - بعض علمائے تاریخ کے نزدیک اس قبیلہ کا وطن موجودہ کافرستان کے شمال مشرق میں واقع تھا ١ -

جیسے کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے بلوچستان کے اس حصے میں جہاں موجودہ درۂ بولان واقع ہے ، کبھی بھولان ، بولناس آریائی آباد تھے ، اور اس درے کا نام ان کے سردار 'بولان' نام پر رکھا گیا ہے - اس کے سوا کہ یہ قبیلہ بولان ، سوداس بادشاہ کے خلاف دس بادشاہوں کے ساتھ شامل تھا ، کچھ اور معلوم نہیں ہے اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ قبیلہ خالص آریائی تھا یا نیم آریائی - بہر حال اسے سوداس آریہ کی سربراہی منظور نہ تھی اور اس لیے اس نے ، دس بادشاہوں کے اتحاد میں شرکت کی تھی -

وشنین کے بارے میں بھی مذکور ہو چکا ہے کہ یہ راولپنڈی اور

١- ویدک انڈیا ، ص ١٨٤—١٨٥ - ویدک ایج ، ص ٢٤٧ -

اٹک اور کالا باغ کے درمیانی علاقہ کے باشندے تھے ، یہ خالص آریائی تھے یا ان میں کچھ دوسرے خون کا اختلاط بھی تھا ، اس مرحلہ پر کچھ کہا نہیں جا سکتا ۔ بہر حال آریائی قوم جب ٹیکشلا کے قریب سے گزر رہی تھی تو وشنی آگے نہیں بڑھے تھے ۔ ارساک اور ابھی سارا کے بارے میں بھی یہی خیال ہے ۔

دشمن قبائل

ہمارے نزدیک رگ وید کے سیاسی ماحول کی روداد اس وقت تک تشنہ رہتی ہے ، جب تک آرین قبائل کے ان دشمنوں کا مختصراً حال یہاں بیان نہ ہو جائے ، جو آریوں کی آمد کے وقت یہاں آباد تھے ، اور جن سے آریوں کو بڑی سخت لڑائیاں لڑنا پڑی تھیں اور جنھیں ان کے شعرا نے بہت بڑے بڑے نام عطا کیے تھے ۔ مثلاً رگ وید کے مختلف منتروں میں یہاں کے داسیو قبیلہ کو سب سے بڑا دشمن قرار دیتے وقت اسے جو نام ملے ہیں ، وہ یہ ہیں ، کرشنا واچہ ، (کالے) اناسا (چپٹی ناکوں والے) ، مدھر واچہ (نافہم) ، اکرمانا (تہذیب سے نا آشنا) ، اوراتہ (قانون کے مخالف) ، ابرھانہ (دیوتاؤں کے دشمن) ، آیا جاوا (دیوتاؤں کے حضور قربانیاں نہ پیش کرنے والے) ، ادیوآیو ، دیوا پیوؤ ، (دشمنان دین) ان اگنی اور ان اندرا[۱] ۔

گو یہ خطابات صرف ایک قبیلہ داسیو کے حصے میں آئے ہیں ، اور ان کا نام رگ وید کے شعرا بار بار لیتے ہیں ، لیکن یہ امتیاز بہت مشکل ہے کہ رگ وید کی رو سے مخصوص قسم کے داسیو ، کون تھے ؟

پروفیسر کیتھ نے بات بڑی مختصر کی ہے ، کہتے ہیں کہ رگ وید کے شعرا کے نزدیک ہروہ کوئی داسیو تھا جس نے آرین کے راستے میں کانٹے بچھائے تھے ۔

بعض علما نے داسیو اور داسا میں کوئی فرق پیدا نہیں کیا ، لیکن ویدک ایج کے مؤلفین کا خیال ہے کہ

In the Rigveda, Dasa is not so reproachful a terms as Dasvu.

۱۔ ویدک انڈکس جلد ۲ ، ص ۳۴۳ ۔ ویدک انڈیا ، ص ۱۷۱ ۔

(رگ وید کے نزدیک ، داس اتنے حقیر نہیں ہیں جتنے کہ داسیو)

پروفیسر رنگ اچاریہ نے بھی یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ رگ وید میں بعض مقامات پر داسا کے ذکر سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ داسیو سے مختلف ہے ۔ یوں داس ، داسا اور داسیو کی لغوی اصل ایک ہے ۔

بعض علماء کے نزدیک ، داس اور داسیو کی اصل ایران کے لفظ داہی یا دیہی ہے ، اور ایرانی ، دیہی یا داہی ، انہیں کہتے تھے جو ایران کے دیہات یا بحیرۂ کیسپین کے ساتھ ساتھ رہتے تھے ۔

یہ خیال مشہور عالم ہیلے برنڈت کا ہے ، جو ویدک مائیتھالوجی کے مصنف ہیں ۔ فاضل ہیلے برنڈت کے نزدیک آریوں اور داسوں میں جو لڑائیاں شروع شروع میں ہوئیں ، وہ ہندوستان میں نہیں آرچوسیا میں ہوئی تھیں[۱] ۔

مسٹر رنگ اچاریہ کے نزدیک ، پروفیسر ہیلے برنڈت کی رائے دور از فہم قیاسات پر مبنی ہے ۔ اصل بات صرف یہ ہے کہ یہ داسیو ، یا نو ڈراویڈن تھے یا انڈو سومیری تھے ، اور یہی وہ لوگ تھے جو ہڑپا اور موہن جو ڈیرو کے معمار تھے ، اور اگر ہڑپا اور موہن جو ڈیرو کے معمار نہ بھی تھے تو ان کے ہمعصر ضرور تھے اور آریوں کے دشمنوں کی صفِ اول میں شمار ہوتے تھے[۲] ۔

گو رگ وید نے ان کو بڑے بڑے خطابات تو دیے ہیں ، لیکن ان کی اہمیت لازماً تسلیم کی ہے ۔ مثلاً رگ وید ایک چمری نامی داسیو کا ذکر کرتا ہے ، جس سے اندر دیوتا بذات خود نبرد آزما ہوئے تھے ، اور جس کے ساتھ دھونی نامی ایک دوسرا داسیو رہنما شریک تھا ۔ اندر دیوتا نے چمری کے خلاف لڑائی ، ایک آرین ' دھبیتی ' کی خاطر لڑی تھی ۔

یہ چمری نامی داسیو کتنا بڑا سربراہ تھا ، اس کا حال رگ وید بیان نہیں کرتا ، البتہ اتنا ضرور کہتا ہے کہ اندر دیوتا نے ' دہ بیتی ' کی خاطر تیس ہزار 'داسوں' کو میٹھی نیند سلا دیا ۔

۱۔ ویدک مائیتھالوجی ، ص ۹۴ ۔

۲۔ ویدک انڈیا (رنگ اچاریہ) ص ۱۷۲ ۔

رگ وید میں ایک اور بڑے داسا ، پپرو کا نام بھی لیا گیا ھے ، اس کے پاس بڑی فوج تھی اور کئی قلعے تھے ۔ ورچین نامی ایک اور داسا یا آشورہ بھی رگ وید نے آریوں کا دشمن بتایا ھے ۱ ۔ یوں سب سے بڑے دشمنوں میں سمبھرا ، بن کلترا کا نام لیا گیا ھے ۔ یہ سمبرا ایک سو قلعوں کا مالک تھا ۔

ویدک انڈکس کے مؤلف کا بیان ھے کہ ھو سکتا ھے کہ آریوں کا یہ سب سے بڑا دشمن ، پہاڑوں کا راجہ ھو ، لیکن پرانوں میں اس کا ذکر اس طرح کیا گیا ھے جس سے ظاھر ھوتا ھے کہ وہ سمندری علاقے میں رھتا تھا ۲ ۔

داسیو یا داسوں کے سلسلے میں فاضل 'اورسیل' کا یہ بیان بھی پیش نظر رھے کہ جب آرین ، دریائے سرسوتی اور دریائے جمنا کے درمیانی علاقوں پر قبضہ کر رھے تھے ، اور ان کے بڑے قبیلے بھرت اور دوسرے چھوٹے قبیلوں میں لڑائیاں لڑی جا رھی تھیں ، تو ان لڑائیوں میں داسیوں نے بعض آریوں کی مدد کی تھی ۳ ۔

فاضل برڈلے کیتھ کا بیان ھے کہ رگ وید سے ایسی شہادت بھی ملتی ھے ، جس سے ظاھر ھوتا ھے کہ آرین قبائل نے بعض غیر مفتوح داسوں سے جو سیاسی لحاظ سے قوی تھے لڑنا پسند نہیں کیا تھا اور ان کی حدود سلطنت میں مداخلت نہیں کی تھی ۔

یوں جیسے کہ ھم نے اوپر کہا ، داسو یا داسیو ، قبیلہ یا قبیلے ، آریوں کے سب سے بڑے دشمن تھے ۔

آشور

رائے بہادر سی ۔ سی ۔ رائے نے بہار ریسرچ سوسائٹی کی جلد اول ، جلد چہارم اور جلد دوازدھم میں اپنے ان تاریخی اور تحقیقی انکشافات کی روداد تحریر کی ھے ، جو فاضل موصوف نے وسطی ھندوستان کے ' اشوری ' مقامات کی کھدائی کے وقت کیے ۔ فاضل موصوف کے نزدیک ، وسطی ھند کے

۱۔ ویدک انڈکس جلد ۲ ، ص ۴۳۴ ۔

۲۔ اورسیل ۔

۳۔ کیمرج ھسٹری آف انڈیا جلد اول ، ص ۸۷ ۔

قدیم آشوری منڈا لوگوں سے مختلف تھے اور ان سے پہلے کے باشندے تھے۱ -

اور ان کی جگہ جن منڈوں نے لی ، انہوں نے اشوریوں کے پیشے اختیار کر لیے ، خصوصیت سے 'لوھاروں کا پیشہ' -

مسٹر رائے کا بیان ھے کہ چھوٹا ناگپور میں کئی اشوری مقامات ایسے ھیں ، جن کی کھدائی پر بالکل ویسے ھی آثار برآمد ھوئے ھیں ، جیسے کہ ھڑپا اور موھن جو ڈیرو کے ھیں - حتیٰ کہ اس وقت تک چھوٹا ناگ پور میں ایک ایسا قبیلہ موجود ھے جو منڈا زبان بولتا ھے ، لیکن اس کا نام اشورا ھے - اس کے افراد لوھار کا کام کرتے ھیں اور ان کو دعویٰ ھے کہ وہ پرانے اشوروں کی اولاد ھیں۲ -

مسٹر رائے نے اس وقت جب ھڑپا اور موھن جو ڈیرو کے انکشافات ھوئے ، موقعہ پر پہنچ کر جو رائے قائم کی تھی وہ بھی قریب یہی تھی - انہوں نے اس مرحلہ پر لکھا تھا کہ میں جب ھڑپا اور موھن جو ڈیرو پہنچا اور زمین میں سے برآمد ھونے والے آثار دیکھے تو مجھے یہ پوری طرح یقین ھوگیا کہ یہ اشور ناگ تہذیب کے آثار ھیں ، اور ان آثار سے مشابہ ھیں جو چھوٹا ناگ پور سے برآمد ھوئے ھیں۳ -

دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ آرین جس وقت سندھ میں داخل ھوئے اور ھڑپا اور موھن جو ڈیرو پر تباھی لائے تو وھاں آشوری تہذیب و تمدن کا دور دورا تھا اور یہ اشوری تھے جنھوں نے وادیٔ سندھ کی تہذیب کو پروان چڑھایا تھا -

مسٹر مزمدار نے تو اس باب میں ایک اور دلچسپ بات بھی کہی ھے اور وہ یہ کہ چھوٹا ناگ پور کی ایک زمینداری کاشی پور نامی میں دو گاؤں ھیں ، جن کے نام آشور گڑھ اور منڈا گڑھ ھیں - غالباً یہ اس لڑائی کی یادگار ھیں جو منڈوں اور آشوروں میں وھاں لڑی گئی تھی -

---

۱- جرنل آف بہار ریسرچ سوسائٹی جلد اول - جلد چھارم - ویدک انڈیا ، ص ۱۷۶—۱۷۷—۱۷۸ -

۲- ویدک انڈیا ، ص ۱۷۶ -

۳- جرنل ایشیاٹک جنوری ، مارچ ۱۹۲۶ء -

مسٹر مزمدار نے بھی اس امکان کو تسلیم کیا ہے کہ چھوٹا ناگ پور میں جو اشورا نامی قبیلہ اب تک موجود ہے ، بڑے اشوروں کی یادگار ہو اور اسی نسل سے ہو ، ورنہ اشور نام رکھنے کے کیا معنیٰ ہو سکتے ہیں ۔ اس کے ساتھ ساتھ مسٹر مزمدار نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ کوئی اشوری یا ناگا قبیلہ قطعاً ایسا نہ تھا جسے ہم آرین کہہ سکتے ہیں ۔

البتہ یہ ایک بڑی حقیقت ہے کہ یہ اشور تھے یا ناگے ، یہ آرین کے بڑے دشمن تھے ۔ شروع شروع میں یہ کہاں رہتے تھے ، سندھ میں آباد تھے یا وسطی ہند میں رگ وید سے اس کی وضاحت نہیں ہوتی ، رگ وید تو صرف انہیں قوی دشمن قرار دیتا ہے ۔ البتہ رگ وید جب تالیف ہوا ، اور آرین شعراء نے اشوریوں کے خلاف منتر کہے تو اس وقت وہ کشمیر ، سندھ اور پنجاب کے اضلاع میں رہتے تھے ۔

آریوں کا ایک اور قومی اور تہذیبی دشمن ، پنی نامی قبیلہ بھی تھا ۔ فاضل ہیلے برنڈت کی رو سے لفظ 'پنی' یونانی 'پرنیمی' سے مشتق ہے اور پرنیمی کے معنیٰ پست اخلاق کے ہیں ۔ رگ وید کے شعراء نے اس قبیلہ کو پنی نام اس لیے عطا کیا تھا کہ یہ ان کے نزدیک پست اخلاق تھا ، رگ وید کے شاعر اس قبیلہ کے علاوہ ، بدروحوں اور بھوتوں پریتوں کو بھی پنی کہتے ۔ بھوت ، پریت اس لیے بداخلاق تھے ؛ کہ یہ آرین علاقوں میں بارش ہونے نہ دیتے تھے ، اور پنی قبیلہ اس لیے بدروح تھا کہ اس نے آرین دیوتاؤں کے نام پر نذریں چڑھانے کی رسم قبول نہیں کی اور قدم قدم پر ان سے لڑا اور ان کے دشمنوں کا ساتھ دیا[۱] ۔

رنگ اچاریہ کی رو سے پنی وہ تاجر تھے جو 'مال تجارت' کاروانوں کے ذریعے ایک شہر سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے تک لے[۲] جاتے اور آریوں سے خوب لڑتے تھے ۔ یہ بڑے دولت مند اور اصحابِ ثروت تھے[۳] ۔

ان بڑے دشمنوں کے بعد رگ وید نے بعض اور دشمن قبیلوں پر بھی

۱- پری ہسٹارک انڈیا ، ص ۹۸—۱۰۳ ۔

۲- ویدک انڈیا ، ص ۱۸۱ ۔

۳- ویدک ایج ، ص ۲۴۸ ۔

لعن طعن کیا ہے ، جن میں ''کیکات'' بھی تھے - خصوصیت سے ان کے رھنما پرمما گندا کا نام تو بہت حقارت سے لیا گیا ہے - یہ پنجاب کے ان پہاڑوں میں رہتے تھے جہاں سوما شراب کی اصل بوٹی اور گائیں بہت ہوتی تھیں۱ -

اگر یہ لوگ پنجاب کے ان پہاڑوں میں رہتے تھے جن میں سوما شراب کی بوٹی اگتی تھی تو پھر یہ کشمیر سے ملحق علاقے تھے ، اور اس کے معنیٰ یہ ھیں کہ آرین کا مقابلہ ان علاقوں میں خوب ہوا تھا -

'پرواتا' قبیلہ بھی آرین کے دشمنوں میں سے تھا جنھیں فاضل اجل ھیلے برنڈت نے گڈروشیا (بلوچستان) میں آباد ظاہر کیا ہے۴ - مگر رنگ اچاریہ کہتے ھیں کہ یہ 'ویدوں' کے زمانے میں جمنا کے کناروں پر رہتا تھا - البتہ چونکہ رگ وید میں ان کا ذکر پنوں کے ساتھ کیا گیا ہے جو سندھ اور بلوچستان میں رہتے تھے ، اس لیے فاضل ھیلے برنڈت کا یہ قیاس غلط نہیں ہے کہ بلوچستان یا گڈروشیا کے باشندے تھے -

رگ وید میں 'پنوں' اور پرواتا قبائل کے ساتھ ساتھ برشیا اور آجا ، قبائل کا ذکر بھی ہے - آجا ، ان قبیلوں میں سے ایک قبیلہ تھا ، جنھوں نے سودا بادشاہ کے خلاف بھیدا ، داسا کے جھنڈے تلے لڑائی لڑی - ان کے علاوہ جو مخالف قبیلے ، سودا بادشاہ کے خلاف مجتمع ہوئے ، ان میں یکشو کے بارے میں بھی بعض علما کا خیال ہے کہ وہ غیر آرین تھا - اس نے سودا کے خلاف دو لڑائیوں میں شرکت کی تھی اور رگ وید کے شاعروں نے ، سودا کو فتح کی مبارکباد دیتے وقت اسے بھی دشمنوں میں شمار کیا ہے۲ -

سگرو قبیلے کے بارے میں بھی اشتباہ ہے کہ یہ غیر آرین تھا یا آرین ، بہر حال اس کا نام بھی دشمنوں میں لیا گیا ہے ، اور رگ وید نے اسے داسوں یا داسیوں کا ساتھی ٹھیرایا ہے۳ -

---

۱- ھیلے برنڈت ویدک سائتھالوجی جلد اول ، ص ۹۴ - لڈوگ رگ وید جلد ۳ ، ص ۱۹۶ - کیمرج ھسٹری آف انڈیا جلد اول ، ص ۸۷ -

۲- رگ ویدک کلچر ، ص ۱۴۸—۱۵۲ - ویدک انڈیا ، ص ۱۸۲ -

۳- ویدک انڈکس جلد ۲ ، ص ۱۸۲ - ویدک انڈیا ، ص ۱۸۳ -

فصل سوئم

جمہوری سرداری، بادشاہت میں بدلی
شخصی اقتدار، سیاسی برتری کا موجب ہوا

جیسا کہ پیچھے بیان ہوا کہ رگ وید کے دور میں موجودہ پاکستان میں جو آرین قبائل آباد ہوئے تھے، ان میں دس قبیلے زیادہ نمایاں تھے، اور یہی وہ دس قبیلے تھے، جو اس زمانے کی سیاسی زندگی کے ترجمان تھے۔ اور ان میں کے قوی تر اور جری افراد نے اپنی اپنی جداگانہ بادشاہتیں قائم کر لی تھیں۔ رگ وید نے ان بادشاہتوں میں سے تین کے متعلق خاصی معلومات بہم پہنچائی ہیں، جن سے فاضل برڈلے کیتھ اور بلوم فیلڈ نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ بادشاہتیں موروثی تھیں، اور ان کا سلسلہ نسلاً بعد نسل چلتا رہتا تھا۔ مثلاً بھرت قبیلے کا پہلا بادشاہ ودھریاسوا تھا۔ اس کی موت کے بعد اس کے بیٹے دیواواسا نے اس کی جگہ لی۔ دیواواسا کے بعد اس کا بیٹا پیجاوانہ تخت نشین ہوا، اور اس کا وارث وہی سودا تھا جس نے رگ وید کی رو سے، دس قبیلوں سے لڑائی کی تھی اور فتح پائی تھی۔

پورو قبیلے کے چار مسلسل بادشاہوں کے نام رگ وید کی رو سے یہ تھے، درگاہ، گرکشٹ، پورو کتسا اور تراسادیو۔ ایک اور سلسلے کے بادشاہوں میں سے رگ وید نے متراٹیتھی، کروکرانا اور اوپا مکروا کے نام لکھے ہیں[1]۔

یوں مستشرقین میں ایسے کئی علما ہیں، جن کا خیال ہے کہ رگ وید کے دور میں بادشاہت موروثی نہیں، انتخابی ہوتی تھی۔ یعنی آرین قبائل کے چودھری اور سربراہ، اپنے میں سے زیادہ قابل فرد کو بادشاہ کے طور پر

۱۔ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، ص ۹۴۔

چن لیتے ، اور اسے راجن کہ کر پکارتے تھے ۔ مثلاً ہسٹری آف آرین رول ان انڈیا کے مصنف ای ۔ بی ۔ ہویل مشہور عالم مؤرخ ویر، زمر اور ہیو کنیڈی اسی خیال کے ہیں۱ ۔ خصوصیت سے ہیو کنیڈی کو تو یقین ہے کہ اس دور کے پہلے آرین بادشاہ لازماً عوامی انتخاب کے ذریعے بادشاہ بنے تھے ، اور یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے شروع شروع میں زیادہ فتوحات حاصل کی تھی ، اور ان کے ساتھیوں نے ان کی جنگی مہارت اور صلاحیت کے پیشِ نظر انھیں اپنا بادشاہ بنا لیا تھا ۔

فاضل اے ۔ بی ہویل نے اس دور کی سیاسی تنظیم کو جمہوریت قرار دیا ہے ۔ یوں اس نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ ایک بار جو بادشاہ عوامی رائے سے بادشاہ بن جاتا اور وہ بہتر ثابت ہوتا۲ ، تو اس کی بادشاہت موروثی بادشاہت میں بدل جاتی تھی ۔ لیکن اس کے معنیٰ یہ نہ تھے کہ وراثت میں بادشاہت پانے کے بعد ، آرین بادشاہ اپنے آپ کو قبائلی رسوم و رواج سے بالا سمجھنے لگتا ۔ یوں بھی رگ وید کی رو سے ان دنوں بادشاہ کو غیر معمولی اختیارات حاصل نہ تھے ۔ وہ قومی و ملکی مسائل اور عوامی نظم و نسق کے سلسلے میں اپنی قلمرو کے بڑوں یا عوامی سربراہوں کے مشوروں کا محتاج تھا ۔ اسے امورِ مملکت میں مشورہ دینے اور عوام کی رائے سے آگاہ کرنے کے لیے ایک سبھا یا سمیتی بھی موجود ہوتی ۔

فاضل لڈوگ کے نزدیک ، سبھا اور سمیتی ، دو الگ الگ ادارے تھے ۔ سمیتی ایوانِ عام تھا اور سبھا ، دارالامرا ۔ خواص کے ایوان یا سبھا میں صرف مملکت کے بڑوں برہمنوں قبیلوں کے چودھریوں یا دیہات کے سربراہوں کو شرکت کی سعادت ملتی اور سمیتی میں سارے آرین عوام شامل ہو سکتے تھے۳ ۔

پروفیسر برڈلے کیتھ نے محقق لڈوگ کی اس رائے سے اختلاف کیا ہے ۔ وہ فرماتے ہیں سمیتی اور سبھا ، جداگانہ ادارے نہ تھے ۔ سمیتی سے مقصود وہ عوامی اسمبلی تھی جو عوامی مسائل اور اجتماعی ضرورتوں پر غور و خوض

۱۔ ہسٹری آف آرین رول ان انڈیا ، ص ۲۲ ۔
۲۔ لینڈ آف فائیو ریورز ، ص ۳۴ ۔
۳۔ لڈوگ رگ وید جلد ۳ ، ص ۲۵۳ ۔

کرتی ، اور سبھا اس جگہ کو کہتے تھے جہاں اسمبلی کے ارکان مجتمع ہوتے ۔ اس سبھا میں عوامی اجتماعات کے ساتھ ساتھ ، عوامی تقریبیں بھی منعقد کی جاتیں ۔ تہوار بھی یہیں منائے جاتے اور قومی قربانیاں بھی یہیں پیش کی جاتیں ۔ لازماً راجہ بھی ان اجتماعات میں شریک ہوا کرتا تھا ۔ اگر کبھی کسی نئے راجہ کے انتخاب کی ضرورت لاحق ہوتی تو یہ ضرورت بھی اسی سبھا میں پوری کی جاتی ۔ مشہور جرمن عالم زمر کا خیال ہے ، شروع دور میں آرین لوگ اپنے بادشاہ کا لازماً چناؤ کرتے تھے ۔ ڈاکٹر بینی پرشاد مصنف سٹیٹ ان اینشنٹ انڈیا نے زمر کی اس رائے کو صائب نہیں سمجھا ، وہ کہتے ہیں زمر کو اس سلسلے میں غلط فہمی ہوئی تھی ۔ کم سے کم رگ وید سے ایسی کوئی شہادت میسر نہیں آتی ۔ البتہ گلڈنر کا یہ خیال صحیح ہو سکتا ہے کہ بادشاہ تو موروثی ہوتا تھا لیکن اس کی تخت نشینی کی منظوری عوام کے چودھری اس سبھا میں جمع ہوکر دیتے ۔ زمر کے نزدیک سبھا گاؤں کی اسمبلی تھی ۱۔

گو فاضل برڈلے کیتھ نے عوامی ملکیتوں میں راجہ اور اس کے امرا کے حصے کے بارے میں رگ وید کی کوئی شہادت نقل نہیں کی ۔ تاہم ہیو کنیڈی اور بیڈن پاویل نے آرین بادشاہوں اور امرا کے اس حصے کی وضاحت پیش کی ہے ۔

فاضل ہیو کینڈی اور بیڈن پاویل کی رو سے راجہ کو ہر قسم کی زمین اور درآمدی اشیا پر ٹیکس لگانے کا حق حاصل تھا عموماً وہ چھٹا حصہ پیداوار کا وصول کرتا اور غیرآباد زمینیں ساری کی ساری اس کی ملک تھیں ۔ مزید برآں وہ عموماً اپنی قلمرو کی انتہائی عمدہ اور زرخیز زمینیں اپنے لیے مخصوص کر لیتا تھا جس کی ساری پیداوار شاہی خزانہ میں داخل ہوتی ۔ ان مخصوص زمینوں کے ماسوا ، مرکزی علاقہ کی زمینوں کا

۱۔ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول ، ص ۹۹ ۔

۲۔ ویدک انڈکس جلد ۲ ، ص ۳۲۶—۳۲۷ ۔ اسٹیٹ ان اینشنٹ انڈیا ص ۳۰۰—۳۱ ۔ بیڈن پاویل انڈین ایج کمونٹی (مطبوعہ لانگمینس گرین اینڈ کمپنی) ، ص ۱۹۴ ۔

۳۔ بیڈن پاویل ، انڈین ولیج کمونٹی ، ص ۱۹۶—۱۹۷—۱۹۹ ۔

لگان بھی شاہی عامل براہ راست وصول کرتے ۔ البتہ جو دور افتادہ یا اضلاعی علاقے ، راجہ کی طرف سے مملکت کے بڑوں میں بہ‌طور جاگیر بانٹے گئے ہوتے ، ان کا لگان ، یہ بڑے وصول کرتے ۔ وہ اس لگان سے اپنی ضرورتیں بھی پوری کرتے اور سپاہی بھی بھرتی کرتے تا کہ بیرونی حملوں کے وقت ملکی دفاع کے سلسلے میں راجہ کا ہاتھ بٹائیں ۔

ان کے علاوہ راجہ کو یہ حق بھی حاصل تھا کہ اپنے خاص ملازمین کو غیر آباد زمینوں میں سے جو زمین چاہے بخش دے ۔ ایسے عطیات وہ عموماً برہمنوں ، شاہی خاندان کے افراد اور اپنے محبوب درباریوں کو عطا کرتا تھا ۔ مندر ، شوالے بھی اس کی بخشش سے وافر حصہ پاتے تھے ۔

جو زمینیں شروع دور میں آرین قوم نے پہلے کے آباد کاروں کو دے رکھی تھیں ان سے آرین راجوں کو بڑی معقول آمدنی ہوتی تھی ، ان میں سے ہر کھیت کی پیداوار میں بادشاہ کا حصہ مقرر تھا ۔ یہ حصہ شروع میں دسواں حصہ تھا اور شاہی کارندے ، فصل کٹنے کے موقعہ پر ہر کاشتکار سے ، یہ دسواں حصہ لازماً وصول کرتے ۔

فاضل بیڈن پاویل کا بیان ہے کہ راجہ عموماً ، ڈراویڈن بستیوں سے خراج ، ڈراویڈن چودھریوں یا سربراہوں کے ذریعے وصول کرتا تھا۲ ۔ یہ چودھری چونکہ راجہ سے وفاداری کا عہد کر چکے تھے ، اس لیے یہ ایک تو اپنے ہم قوم ڈراویڈن سے بڑی مستعدی کے ساتھ پورا پورا لگان وصول کرتے ، دوسرے ڈراویڈن عوام کو راجہ سے وفادار رہنے کی تلقین کرتے رہتے تھے ۔

یوں ان ڈراویڈن سربراہوں کی اکثریت چونکہ جاہل تھی ، اس لیے گاؤں سے وصول ہونے والے شاہی لگان کا حساب رکھنے کے لیے شاہی عامل مقرر کیے جاتے جو لگان کا حساب بھی رکھتے ، اور بادشاہ کو گاؤں کے حالات سے بھی آگاہ کرتے ۔ یہ ایک طرح سے شاہی وکیل تھے ، جو ہر ڈراویڈن گاؤں میں متعین تھے۱ ۔

فاضل بیڈن پاویل اور ہیو کنیڈی نے اس امر کی وضاحت بھی کی ہے کہ ڈراویڈن دیہات کے چودھری اور سربراہ عموماً داخلی معاملات میں

۱- لینڈ آف فائو ریورز ، ص ۳۷ ۔

خود مختار ہوتے ۔ آرین راجہ یا کسی سرکاری عامل کی طرف سے اس کے معاملات میں مداخلت نہ کی جاتی ۔ لیکن یہ اس وقت ہوتا جب ڈراویڈن چودھری کی وفا آزمائی جا چکی ہوتی ۔ یوں بھی یہ ڈراویڈن چودھری براہِ راست بادشاہ کو جواب دہ نہ تھے ۔ وہ پرگنہ کے حاکم کو اپنے حسابات پیش کرتے ۔ اور دوسرے مسائل سے بھی آگاہ رکھتے ۔ پرگنہ انتظامی سہولت کے لیے دو حکام کے سپرد ہوتا ، ایک حاکم انتظامی معاملات کی نگرانی کرتا اور دوسرا ، مالیات کا مہتمم ہوتا[۱] ۔

پروفیسر برڈلے کیتھ رگ وید سے بادشاہ کے ماتحت کارکنوں کے بارے میں تفصیل نہیں جان سکے ۔ انھوں نے رگ وید سے صرف تین شاہی عہدیداروں کا کھوج نکالا ہے ۔ ایک سنیانی کا جو رگ وید کی رو سے میدانِ جنگ میں شاہی فوجوں کو دشمن سے لڑاتا ۔ دوسرے ورجا پتی کا جو سنیانی کا مددگار ہوتا ۔ تیسرا شاہی منصبدار پروہت تھا ۔ یہ بادشاہ کے بعد سب سے بااقتدار عہدہ تھا ۔ اس کے ذمہ نہ صرف مذہبی تقاریب و مسائل کی نگرانی تھی ، وہ میدان جنگ میں بھی بادشاہ کے ساتھ ہوتا ، اور اسے نہ صرف فوج کو لڑانے کے آداب بتاتا ۔ فوج کا حوصلہ قائم رکھنے کے لیے اونچی آواز سے منتر اور اشلوک بھی پڑھتا رہتا تھا ۔

پروہت لازماً برہمن ہوتے تھے[۲] ۔ انھیں مذہبی سربراہی بھی حاصل تھی اور سیاسی بھی ۔ اسے کبھی کبھی عدالتوں کی نگرانی کے فرائض بھی تفویض کر دیے جاتے تھے ۔

رگ وید میں ایسی کئی مثالیں پیش کی گئی ہیں جن سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ بادشاہ ، ان پروہتوں کو گراں قدر انعامات دیتے اور بیش بہا تحائف سے نوازتے تھے[۳] ۔

فاضل جینکس ، بیڈن پاویل اور وارڈ فاؤلر کو رگ وید کے دور کے آرین بادشاہوں کے احساسِ ذمہ داری اور فرض شناسی کے باب میں سخت

۱۔ بیڈن پاویل انڈین کمونٹی ، ص ۲۰۴—۲۰۵—۲۰۶—۲۰۷ ۔
۲۔ تھیوری آف گورنمنٹ ان اینشنٹ انڈین ، ص ۷۷ ۔ لینڈ آف فائیو ریورز ، ص ۳۸ ۔
۳۔ سٹیٹ ان اینشنٹ انڈیا ، ص ۱۴۰ ۔

شکایت ہے ۔ ان کے خیال میں ان قدیم آرین بادشاہوں میں عوامی نگہ داشت کا جذبہ ٹھیک طور پر موجود نہ تھا ۔ خصوصیت سے ان کے برھمن وزرا کی تو زیادہ تر خواہش اور کوشش یہ ہوتی تھی کہ ان کا اقتدار فزوں سے فزوں تر ہوتا جائے ۔ اس لیے وہ بادشاہوں کو اپنے آپ سے خوش رکھتے اور انھیں عوام کے ساتھ بھلائی اور تکمیلِ فرض کی تلقین نہ کرتے ۔ ان کے جرائم اور کمزوریوں سے اغماض برت جاتے ۔ یہی وجہ تھی کہ اس دور کی بادشاھتیں ، عموماً ٹوٹ جاتیں اور ان کا شیرازہ بری طرح بکھر جاتا ۔ اگر کسی وقت عوام غیر ذمہ دار بادشاہوں کے خلاف سرگرم احتجاج نہ بھی کرتے تو ان کی موت پر ان کے بیٹے ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہو جاتے ، اور باھمی لڑائی بادشاھت کے بخیے ادھیڑ دیتی۱ ، اور پروھت اس لڑائی کو خوب ہوا دیتے ، حالانکہ مذھبی روایات کی رو سے پروھت بادشاھوں کو نیکی اور اچھائی کی تعلیم دینے اور عوامی فلاح و بہبود کا سبق پڑھانے کے ذمہ دار تھے ۔

رتی لال مہتہ نے اپنی کتاب پری بدھسٹ انڈیا میں کئی ایسی جتکا روایات نقل کی ھیں جن سے واضح ھوتا ھے کہ اس دور کے پروھت بڑے لالچی اور حریص تھے ۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بادشاھوں کو ان کی ذمہ داری کا احساس نہ دلاتے ۔ ان کے اپنے اخلاق اچھے نہ تھے ۔ وہ دوسروں کو اچھے اخلاق کی تعلیم کیسے دے سکتے تھے۲ ۔ البتہ ان کی یہ کوشش ضرور ھوتی کہ ان کا اقتدار بڑھے ، ان کی دولت میں اضافہ ھو ، اور اقتدار اور دولت میں اضافہ تو اسی وقت ممکن ھوتا جبکہ بادشاہ زیادہ سے زیادہ لڑائیاں لڑتے اور زیادہ سے زیادہ ملکوں کے عوام کو لوٹتے کھسوٹتے ۔

ھم نے پیچھے رگ وید کو سند مان کر دس آرین قبائل کی بھرتوں سے لڑائی کا حال کہا ھے ۔ اس لڑائی کا موجب بھی ایک پروھت تھا ۔

۱- بیڈن پاویل انڈین ولیج کمونٹی ، ص ۲۰۵ تا ۲۱۳ - لینڈ آف فائیو ریورز ، ص ۳۸ - وارڈ فاؤلر ، ص ۷۸ -

۲- اشوریا انڈیا ، ص ۳۳ - پری بدھسٹ انڈیا ، ص ۱۳۳ -

ڈاکٹر بینرجی نے اپنی کتاب اشورہ انڈیا میں ان لڑائیوں کی تفصیل بیان کی ہے ، جو پنڈتوں اور پروہتوں کے سبب آریوں اور اشوریوں میں راوی کے کنارے پر لڑی گئی تھیں ، اور جن میں انسانی خون بڑی روانی سے بہا تھا ۔

گو پروہت بہ‌ظاہر مذہب کے علمبردار تھے ۔ مگر سیاسی اقتدار کے لالچ نے ان سے عوامی ہمدردی کا جذبہ چھین لیا تھا ، اور وہ عوام کی پاسبانی کی بجائے ، ان کی پامالی کے منصوبے سوچتے رہتے تھے ۔ اس تلخ حقیقت کے باوجود رگ وید کے دور میں یا جتکا کہانیوں کے ماحول میں پروہت بہت بڑی شخصیت کے مالک ہوتے وہ بادشاہ کے مذہبی رہنما بھی تھے اور سیاسی قائد بھی ۔

آٹھواں باب

ایک هزار سال سے لے کر ، پیدائشِ بدھ تک
کا آریائی سیاسی اقتدار

فصل اول

یجر وید، سام وید اور اتھر وید کا سیاسی مد و جزر

پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ رگ وید کے بعد، ویدک ادب میں، یجر وید، ساما وید اور اتھر وید کو الہامی حیثیت دی گئی ہے اور ان کے سمتہ، برھمنا اور اپنشاد بھی ویسے ھی تقدس کے حامل سمجھے گئے ھیں، جیسے کہ رگ وید کے سمتہ، برھمنا اور اپنشاد کو نصیب ہے۔ البتہ رگ وید اصل ہے اور یجر وید، ساما وید اور اتھر وید کو رگ وید کی شرحوں یا اضافی کتابوں کا مقام دیا گیا ہے۔ ان کتابوں میں کہیں کہیں کچھ اضافے بھی کیے گئے ھیں۔ خصوصیت سے یجر وید کے اضافوں کے بارے میں تو پروفیسر برڈلے کیتھ کا خیال ہے کہ وہ تاریخی اور ثقافتی نقطۂ نگاہ سے بہت مفید ھیں۔ یوں برھمنا، آرنیا کہ اور اپنشاد بھی اپنی جگہ بہت اہم ھیں۔

بلاشبہ یہ الہامی کتابیں تاریخی استناد میں رگ وید اتنی اونچی نہیں ھیں تاھم ان کی مدد سے ایک ہزار سال قبلِ مسیح سے لے کر، چھ سو سال قبلِ مسیح تک آرین قوم کی سیاسی جد و جہد کی ایک سرسری سی روداد مرتب کی جا سکتی ہے۔ پروفیسر موصوف نے جن کے ویدک مطالعہ سے پروفیسر آپا سوامی، پروفیسر نندا جیسے گرامی قدر ھندو علما نے کسبِ فیض کیا ہے، رگ وید کے مابعد کی ان مذھبی تالیفات کا زمانہ ۸۰۰ سال قبلِ مسیح قرار دیا ہے، اور یہ رائے قائم کرتے وقت پروفیسر جیکوبی جیسے یگانۂ روزگار محقق سے استناد کیا ہے۔

۱۔ کیمبرج ھسٹری آف انڈیا جلد اول، ص ۱۴۸—۱۴۹۔
تلک آرکٹک ھوم ان ویداز مطبوعہ ۱۹۰۳ء۔
تھیبوٹ انڈین اینٹیکیولوجی والیوم ۱۲، ص ۸۵۔

پروفیسر برڈلے کیتھ نے ان کوششوں کا ذکر بھی کیا ہے جو ان مقدس کتابوں کو اس زمانے سے بھی پہلے کا قرار دینے کے سلسلے میں کی گئی ہیں۔

بہ ہر حال اگر ان کتابوں کا زمانہ ۸۰۰ سال قبلِ مسیح ہی کا ہو تو بھی ان سے آرین قوم کی سیاسی زندگی کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہوتا ہے، اور پھر جبکہ رگ وید کے آخری ابواب اور ابتدائی برھمنا، یجر وید، اتھر وید اور ساما وید کا زمانۂ تحریر ایک ہے۔ اس لحاظ سے رگ وید کے بیان کردہ حالات اور بعد کے سمتہ کی بیان کردہ روداد میں کوئی فاصلہ نہیں پڑتا۔

یوں بلاشبہ یہ سارے مقدس صحیفے جب عالمِ وجود میں آئے تھے تو خواہ یہ ۸۰۰ سال قبلِ مسیح کا زمانہ تھا یا ایک ہزار سال قبل مسیح کا اس وقت آرین قوم کے تند و تیز ریلے دریائے سرسوتی (موجودہ سرھند) کی ہر رکاوٹ توڑ کر جمنا پار کے علاقے میں جا پہنچے تھے، اور ان کی زیادہ تیز رو موجیں وندھیاچل پہاڑوں سے ٹکرانے لگی تھیں۔ گو اس وقت بھی، ان کی زیادہ تر آبادیاں شمال مغربی علاقوں ہی[۱] میں قائم تھیں اس کے باوجود ان کی سیاست، پانچ دریاؤں کی سرزمین اس کے سرحدی علاقوں اور سندھ کی سرحدوں تک محدود نہیں رہی تھی، اور ہم یہ ادعا نہیں کر سکتے کہ اس دور کی آرین ریاست، محض ارضِ پنجاب، سندھ اور شمال مغربی سرحد کے ماضی کا قیمتی سرمایہ ہے اور مغربی پاکستان کی تاریخ قلمبند کرنے والے مؤرخ کا خصوصی موضوع ہے۔ تاہم یہ صحیفے ہی، ایسی دستاویزیں ہیں جن سے ہم مغربی پاکستان کے اس دور کا حال جان سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں فاضل برڈلے کیتھ نے بڑی جچی تلی رائے ظاہر کی ہے۔ فرماتے ہیں:

"رگ وید کے عہد میں ہم مشاہدہ کر چکے ہیں کہ آرین تہذیب و ثقافت کا مرکز دریائے سرسوتی اور درشداوتی (راوی) کے مابین کا علاقہ

۱۔ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول، ص ۱۱۳۔
ارلی ہسٹری آف انڈیا بائی پانیکار، ص ۱۶—۱۷۔

تھا ۔ گو اس وقت بھی پنجاب کے پانچ بڑے قبیلے اور ان کے چھوٹے بڑے حلیف ارضِ پنجاب میں رہتے تھے مگر 'برھمنا' دور میں آرین تہذیب کے مرکز کسی قدر اور آگے مشرق سمت کے علاقے میں منتقل ہوگئے تھے۱۔ اور برھمنا تحریروں میں مشرق زمینوں اور اس کے باشندوں کو زیادہ اھمیت مل گئی تھی اور ارضِ پنجاب کسی قدر دب کر رہ گئی تھی ۔ خصوصیت سے پنجاب کے مغربی حصہ کے آباد کار قبائل کو تو برھمنا تحریروں کے دونوں حصوں کیتا پاتھہ اور آئتریا برھمنا میں ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا ھے۲ ۔

فاضل برڈلے کیتھ نے برھمنا مسودات کی مغربی سمت کے آرین قبائل سے منافرت کی وجہ بیان نہیں کی شاید اس کی وجہ وہ حد سے بڑھتا ھوا ، دباؤ تھا جو شمال مغرب کی طرف سے برابر و مسلسل پنجاب کے میدانوں میں اترنے والے نئے آرین قبائل ڈال رہے تھے۳ ، اور غالباً یہی وہ دباؤ تھا جس نے بھرتوں اور پوروں کو پنجاب کے دریاؤں سے سیراب ہونے والی سرزمین سے نکال باھر کیا تھا ۔

یہ دباؤ اسی وقت سے محسوس ہونے لگا تھا جب بھرتوں کے بادشاہ سودا اور دس قبیلوں میں وہ لڑائی لڑی گئی تھی ۔ جس کا حال پیچھے بیان ھو چکا ھے ۔ گو اس لڑائی میں سودا نے فتح پائی تھی ، لیکن یہ فتح نتیجہ بخش نہ ثابت ہوئی تھی ۔ اگر یہ فتح نتیجہ بخش ہوتی تو بھرت دریائے سرسوتی کی زرخیز و شاداب زمینوں کو چھوڑ کر جمنا پار نہ اترتے ۔ بلاشبہ جمنا پار اترنے کی وجہ ، بھرت اور پورو کے متحدہ رھناؤں کی ہوسِ ملک گیری بھی ہو سکتی ھے ۔ لیکن اگر یہی تنہا وجہ ہوتی اور بھرت اور پورو یا ان کے ساتھی آرین قبائل بہت زیادہ طاقت ور تھے تو ان کا اقتدار آگے پھیلنے کے ساتھ ساتھ پہلی مفتوحات پر بھی قائم رھتا ۔ برھمنا اور اپنشاد ھی سے یہ شہادتیں میسر آتی ھیں کہ آرین آگے ضرور بڑھ گئے تھے اور انھوں نے وندھیا کے پہاڑوں تک ایک طرف اور دوسری سمت بنارس کے علاقے تک رسائی پا لی تھی ، اور کاشی کوسالہ ، ناگا

۱۔ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول ، ص ۱۱۷ ۔
۲۔ ہسٹری آف آرین رول ان انڈیا ، ص ۱۳ ۔

اور مگرہ کی ریاستیں۱ قائم کر لی تھی مگر وہ انبالہ سے اس سمت کے شمال مغربی علاقوں سے کٹ گئے تھے ، اور یہاں کے نئے آباد کار آرین قبائل نہ صرف خود مختار تھے بلکہ بہت قوی اور بلند حوصلہ بھی تھے ۔

پروفیسر برڈلے کیتھ نے برھمنا دور کے آرین علاقوں کے جغرافی حدود میں تبدیلی پر بحث کرتے ہوئے ، بڑے مدلل انداز میں استدلال کیا ھے کہ جغرافی حدود میں جو تبدیلی آئی سو آئی ، بڑی تبدیلی خود قبائلی جتھہ بندی میں پیدا ہوئی ۔ بھرت قبیلہ کے لوگ جو رگ وید کی تیسری اور چوتھی کتاب کے ھیرو ھیں ، اب کوئی بڑی سیاسی اور مجلسی اھمیت نہ رکھتے تھے ، حتیٰ کہ جس سرزمین پر وہ رگ وید کے دور میں غالب تھے ، اب وھاں ان کی جگہ کورو قبیلہ کا غلبہ تھا ، اور کورو کے ہمسایہ میں ان کے حلیف پنچال آباد ہوگئے تھے ، اور یہ بدیہی امر ھے ، جیسا کہ ہم پہلے بھی کہ چکے ھیں کہ کورو اور پنچال ، نووارد آرین تھے جنھوں نے بھرت پر غلبہ پا کر انھیں بھی اپنے اندر مدغم کر لیا تھا اور پورو کی الگ حیثیت بھی ختم کر دی تھی۲۔

گو پروفیسر موصوف نے تفصیل بیان نہیں کی پھر بھی ھمارے نزدیک بھرت اور پورو کا کورو اور پنچال میں ادغام ھی اس امر کا ثبوت ھے کہ بھرت اور پورو اپنے بڑے رھنماؤں سے محروم ہو چکے تھے ، ان کے سارے سیاسی ، حوصلہ جو اور قسمت آزما ، اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے ، یہ رخصتی کورو کی قوتِ بالا اور غلبہ کے سبب عمل میں آئی تھی ، یا وہ یوں ھی انحطاط کے دور میں پہنچ چکے تھے ۔ تاھم بات ایک ھی تھی کہ وہ اپنے الگ وجود کو قائم نہ رکھ سکے تھے ۔ رھنماؤں سے محروم ہو کر انھوں نے نووارد کورو کی فوج میں نام درج کرائے تھے ۔ اب وہ اپنے قبیلہ کی سربراھی کی خاطر لڑائی نہ لڑتے بلکہ کورو کے سیاسی غلبہ کے استقرار کے لیے صف آرا ھوتے تھے ۔

ایسا معلوم ھوتا ھے کہ نو وارد کورو کا دامن بہت وسیع اور عریض تھا ۔ وہ ایک طرف سے کوہ ھمالیہ کی اترائیوں اور وادیٔ کشمیر کے

۱۔ ارلی ھسٹری آف انڈیا بائی پانیکار ، ص ۱۷ ۔

۲۔ کیمبرج ھسٹری آف انڈیا جلد اول ، ص ۱۱۸ ۔

ہموار میدانوں میں بھی آباد تھے ۔ دوسری طرف دریائے سندھ اور چناب کے کناروں پر بھی ان ھی کی شاھی تھی ، اور ان کے حلیف ، پنچال بھی بڑی تعداد رکھتے تھے ، کیتھ پاتھ برھمنا شہادت دیتا ھے کہ پنچال اصل میں پانچ مختلف قبیلے تھے جو باھم متحد ہوگئے تھے یہ بات اس قبیلے کے اپنے نام ھی سے ظاھر ھے۱ ۔

گو پروفیسر برڈلے کیتھ نے ان پانچ قبائل کے نام معلوم نہیں کیے ، جن سے پنچال مرکب تھے لیکن ان کے نزدیک غالباً یہ وہ قبیلے تھے ۔ جو رگ وید کے نزدیک شروع دور میں کچھ اہم نہ تھے اور انھوں نے یہ اھمیت حاصل کرنے کے لیے خود کو ایک دوسرے میں مدغم کر دیا تھا ۔ ھو سکتا ھے ان میں انو اور دھردیا قبائل بھی مل گئے ھوں کیونکہ برھمنا دور میں ان قبائل کا کہیں ذکر نہیں آتا ۔ برھمنا ، اپنشاد ، حتیٰ کہ یجر وید اور دوسری سمہتوں میں ، ان ھی کورو ، پنچال کا ذکر بار بار آیا ھے ۔

ان مقدس صحیفوں میں نہ صرف ان کے سیاسی اقتدار کی شہادت دی گئی ھے ۔ ان کی تہذیب ان کی ثقافت ، حتیٰ کہ ان کی پوتر زبان کو بھی خراجِ تحسین پیش کیا گیا ھے۲ ۔ حتیٰ کہ کوشتکسی برھمنا ، تو کورو پنچال کی یلغاروں کا ذکر بھی کرتا ھے اور بڑے تفاخر کے ساتھ کہتا ھے کہ کورو پنچال کی یلغاریں اتنی طویل مدت تک جاری رھتی ھیں کہ موسم بدل جاتے ھیں ، سردیاں گرمیوں میں ، اور گرمیاں سردیوں میں تبدیل ھو جاتی ھیں ۔

اس دور کے ادب میں ، بھرت قبیلے کی بعض نمایاں شخصیتوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا حالانکہ بھرت اپنی سیاسی اھمیت سے محروم ھو چکے تھے ، اور کورو میں مدغم ھوگئے تھے جس بھرت کے ذکر کو ان مقدس صحیفوں میں جگہ دی گئی ھے ۔ اس کا نام دھشنتی بھرتا تھا اور اس نے ستونت کے بادشاہ کو گنگا اور جمنا کے کناروں پر کئی شکستیں دی تھیں۳ ۔

۱۔ کیمبرج ھسٹری آف انڈیا جلد اول ، ص ۱۱۸ ۔
۲۔ ایضاً ، ص ۱۱۸ ۔
۳۔ ایضاً ، ص ۱۲۰—۱۲۱—۱۳۰ ۔

یہ حال بیان کرتے وقت ان مقدس صحیفوں میں یہ قطعاً مذکور نہیں ہے کہ جس بھرت بادشاہ نے اتنی بڑی شہرت پائی تھی ، وہ کورو کا ماتحت تھا یا خود مختار تھا ، اور اس کا پایۂ تخت کہاں تھا ۔

ظاھراً ایسا معلوم ھوتا ھے کہ یہ بھرت ، سرسوتی دریا کے آس پاس کی زمینوں کا مالک تھا ، اور اس نے ستونت کے بادشاہ کو اپنی حدود سے آگے بڑھ کر کئی شکستیں دی تھیں ۔

یہ بھی کہا گیا ھے کہ کورو قبیلہ چترال اور گلگت کے راستہ شمال مغربی ھندوستان میں داخل ھوا تھا ، اور اس میں اور پہلے کے آباد کاروں میں دردستان کے ماحول میں بڑی سخت لڑائیاں ھوئی تھیں ۔

ڈاکٹر بینرجی نے اپنی کتاب اشوریا انڈیا میں ان لڑائیوں کی تفصیل بیان کی ھے[۱] اور ان بعض شکستوں کا ذکر بھی کیا ھے جو اشوریا یا اشیرین نے ، آرین 'کورو' کو عطا کی تھیں اور غالباً یہی وہ شکستیں تھیں جو کورو کو دردستان سے وادیٔ سندھ اور پانچ دریاؤں کی سر زمین میں لے آئی تھیں ۔ بہر حال کورو ، چترال اور گلگت کے راستے پہلے کشمیر پہنچے تھے ۔ ان کے کچھ کارواں وھیں اتر پڑے تھے اور کچھ نے جہلم اور چناب کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ کر پنجاب کے میدانوں میں بسیرا کر لیا تھا ۔

جن دو کورو بادشاھوں کو ان صحیفوں میں ممتاز حیثیت دی گئی ھے ۔ وہ بادشاہ پارکشت اور بادشاہ جنامی جایا تھے ۔ ان دونوں کے زمانے میں کورو نے بڑی فتوحات حاصل کیں اور ان کا دائرۂ اقتدار دور دور تک پھیل گیا تھا ۔

کورو بادشاھوں کے ساتھ ساتھ پنچال بادشاھوں کے بارے میں بھی بہت کچھ کہا گیا ھے ۔ مثلاً کریوا ، سونا ستراشا اور درمکھا کے حالات بہ تفصیل بیان ھوئے ھیں اور آخرالذکر بادشاہ کے بارے میں تو دعویٰ کیا گیا ھے کہ اس نے ساری دنیا فتح کر لی تھی اور شاہ جہان لقب پایا تھا ۔ غالباً یہی وہ کورو بادشاہ جنم تاپی نامی تھا ۔ جس نے اپنی ریاست کی سرحد میں دریائے جمنا کے اس سمت کے کنارے سے لے کر سبی تک

۱۔ اشوریا انڈیا ، ص ۳۸ ۔ انڈین مائی تھالوفوس بول ، ص ۱ ۔

بڑھا لی تھیں ۔

فاضل برڈلے کیتھ نے لفظ سبی لکھا ہے بلاشبہ ، اس نام کا ایک شہر جیکب آباد سندھ کے قریب اب تک موجود ہے ۔ لیکن بعض دوسری تاریخی اسناد سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیوی سلطنت کا پایۂ تخت سبی نامی شہر نہ تھا ۔ یہ ایک اور مقام سیوی یا سیوا پور تھا جو موجودہ جھنگ اور شور کوٹ کے نواح میں تھا ۔

ہم پیچھے ، اس ریاست کا ذکر کر چکے ہیں ۔ یہ غالباً ، غیر آرین ریاست تھی اور اس قدر طاقتور تھی کہ اس نے دھلی کے کورو بادشاہ کو جو خود کو شاہجہان کہتا تھا زبردست شکست دی اور اس شکست نے ، کورو شاہ جہان کو جمنا کی سمت فرار پر مجبور کر دیا تھا ۔ اور یہ زمانہ کم سے کم بارہ سو سال قبل مسیح کا زمانہ ہے۱ ۔

بہ ہر حال کورو پنچال ، آرین قبائل ، ان دنوں ، بہت طاقتور تھے ۔ اور گو ایک دوسرے کے عزیز و رشتہ دار تھے تاہم ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے ، دونوں کی لڑائیاں خاصی دلچسپ ہوتیں ، کبھی تو وہ ایک دوسرے کے خون سے خوب ہولی کھیلتے اور کبھی ایک دوسرے کے گلے لگ جاتے ۔ گو کورو پنچال کے سیاسی اقتدار کی مدح سرائی ، تینوں ویدوں کے شاعروں نے خوب کی ہے اور ان کی عظمت و بزرگی کے افسانے مزے لے لے کر بیان کیے ہیں تاہم کئی بار ایسا ہوا کہ غیر آرین بادشاہوں نے انہیں ہولناک شکستیں عطا کیں مثلاً ناگا بادشاہوں نے جو اشوری تھے ان کی آبرو کے پیمانے تک توڑ ڈالے تھے ۔ کورو ، پنچال کی حدود اس سمت کے پنجاب کے کس مقام تک پھیلی تھیں اس باب میں کوئی شہادت میسر نہیں آتی ۔

البتہ جتکا داستانوں سے یہ راز کھلتا ہے کہ پنچالہ بادشاہ دومکھا ، کلنگا کے کرندو اور گندھارا کے ناگا جی کا ہم عصر تھا۲ ۔ گویا دوسرے لفظوں میں جب پنچالہ ، کا اقتدار اپنے شباب پر تھا شمال مغربی

۱- پروھان کرونالوجی آف اینشنٹ انڈیا ، ص ۲۴۸ - پری بدھسٹ انڈیا ص ۴۳ ۔

۲- ا ب ی د - ۳۸۱ - پری بدھسٹ انڈیا ص ۴۰ ۔

هند کی گندھارا ریاست بھی اپنے جوبن پر تھی - اور اس کے بادشاہ ناگے یا اشوری تھے - جو ہندوستان کے آرین قبائل کے بہت بڑے سیاسی رقیب تھے - اور ان کا پایۂ تخت شہر ٹیکسلا تھا - یوں ایتاریہ برھمنا نے گندھارا بادشاہ ناگا جیت کی بہت تعریف کی ہے اور اسے اپنے وقت کے عظیم بادشاہوں میں شمار کیا ہے۱ -

ان دنوں چونکہ ذرائع آمد و رفت کچھ بہتر نہ تھے اور اپنے ملک سے پرے کے ممالک کے بارے میں معلومات زائد نہ تھیں ، غیر آباد علاقے لاتعداد و بے حساب اور گھنے جنگلوں سے اٹے پڑے تھے ، اس لیے ، ان آرین بادشاہوں کا یہ خیال کہ وہ عالمگیر و جہاں گیر و شاھجہاں ھیں کچھ زیادہ مبالغہ پر مبنی نہ تھا - بے چارے یہ بادشاہ صدیوں تک جنوبی ہند سے نا واقف رہے - اور اتھر وید سے تو یہ شہادت بھی ملتی ہے کہ جو برھمن شمالی ہند کے پرے کے ملک و آبادی کا کھوج لگانے کے لیے جنوبی ہندوستان کی طرف گئے وہ لوٹ کر نہ آئے تھے۲ -

ان آرین بادشاہوں کے لیے اپنے آپ کو شاہِ جہان سمجھنے کا ایک اور بھی جواز تھا - پہلے جو بڑے قبائل بھرتہ ، پورو ، انو ، دھردیا ، کریوی اور دیسا ، جدا جدا ، بادشاھتیں قائم کیے تھے وہ اپنے بڑوں کے فقدان کے باعث ان کورو پنچال بادشاھوں کی فوجوں میں بھرتی ہو گئے تھے اور ظاھر بات ہے کہ ایک قبیلے کے سردار کی فوجی طاقت جب یوں فزوں ھوئی ھو اور اس کے زیرِ قیادت سپاھیوں کی تعداد ھزاروں سے لاکھوں تک بڑھ گئی ھو تو وہ اپنے آپ کو شاہِ جہاں سمجھنے پر مجبور تھا - پھر کچھ ان کے حاشیہ نشین برھمنوں اور درباری شعرا نے بھی ان کی تعریف میں قصیدے کہہ کہہ کر ان کی ذھنی پرواز میں خوب اضافے کر دیے تھے -

بہ ہر نوع اس دور کے بادشاھوں کا سیاسی اقتدار ، رگ وید کے بادشاھوں کی نسبت بہت بڑھ گیا تھا - اب وہ پہلے سے قبائلی سر براھوں کی طرح کے سادہ مزاج اور جمہوریت نواز نہ رہے تھے - وہ اونچے سے اونچے

۱- ایتاریہ برھمنا جز ۷ ص ۳۴ -
۲- کیمبرج ھسٹری آف انڈیا جلد اول ص ۱۳۰ -

محلات میں رہتے ۔ انتہائی زرق برق لباس پہنتے ، تختوں پر بیٹھتے اور برھمنوں کی قیادت میں ، شیروں کی کھالوں پر پاؤں رکھ کر ، مجبور انسانی بھیڑوں کی تقدیروں کے مالک بن جاتے تھے ۱ ۔

پری بدھسٹ انڈیا کے مصنف رتی لال مہتہ نے جتکا داستانوں میں سے کئی کہانیوں کا ملخص ان الفاظ میں پیش کیا ھے ۔ With taxes and fines and many mutilations and robberies he crushed the folk as it were sugercane in a mill. بھاری ٹیکسوں ، جرمانوں ، بیگاروں اور لوٹ مار کے سبب اس بادشاہ نے غریب رعایا کو اس طرح پیس ڈالا تھا جیسے ، گنا ، بیلنے میں کچلا جاتا ھے ۱ ۔

رتی لال مہتہ نے جتکا کہانیوں سے کئی ظالم بادشاھوں کی کہانیاں پڑھ کر یہ رائے قائم کی ھے کہ اس دور کے بادشاہ عموماً نافرض شناس ، غیرذمہ‌دار اور انتہائی ظالم و جابر ہوتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ ان بادشاھوں کے خلاف عموماً بغاوتیں ہوتی رہتی تھیں ۔ جتکا کہانیوں میں سے کئی کہانیوں کا موضوع وہ عوامی بغاوتیں ھیں جو برھمنوں ، شرفا اور عوام نے ظالم و جابر بادشاھوں کے خلاف کی تھیں ۲ ۔

ان جتکا کہانیوں میں کئی ایسی کہانیاں بھی ھیں جن سے ظاھر ہوتا ھے کہ عوامی بغاوت نہ صرف بادشاہ کے خلاف ہوئی تھی پروہت بھی بغاوت کا موضوع تھا اور عوام نے پروہت کو بھی مار دیا تھا اور بادشاہ کو بھی ۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ عوام نے فوج کے سپہ سالار کو بھی اپنا ہم نوا بنا لیا تھا ۔

ایک جتکا کہانی ایک ایسے راجے کا حال بھی کہتی ھے جو ایک کسان کی بیوی پر عاشق ہوا اور کسان کو جھوٹے الزام میں پھانسی کی سزا تجویز کی ، لیکن عین اس وقت جب کسان کا سر قلم ہونے کو تھا عوام کا ساکا معبود آڑے آیا اور اس نے بادشاہ کو ، اپنے غیرمرئی پنجہ میں دبوچ کر ، کسان کی جگہ لا کھڑا کیا اور کسان کی بجائے جلاد کی تلوار بادشاہ کے گلے کو کاٹ گئی ۳ ۔

۱۔ پری بدھسٹ انڈیا ص ۱۲۳ ۔

۲ و ۳ پری بدھسٹ انڈیا ص ۱۳۴ - ۱۳۵ ۔

رتی لال مہتہ نے یہ کہانی نقل کرنے کے بعد ، سیوی بادشاہ سنجایا کے بیٹے وسنترا کی وہ داستان دھرائی ھے جس کی رو سے اس نے ایک ھاتھی کلنگا کے برھمن کو دے دیا تھا اور یہ بات عوام کو ناپسند آئی تھی اور انھوں نے بغاوت کر کے سنجایا اور وسنترا کو پایۂ تخت سے نکال دیا تھا ۔

ھو سکتا ھے اس بغاوت کے اسباب کچھ اور ھوں ، لیکن یہ بات حتمی ھے کہ اس دور میں عموماً ایسا ھوتا کہ عوام اپنے جابر اور قاھر بادشاھوں کے خلاف اٹھ کھڑے ھوتے تھے ۔ عوامی بغاوتوں کے علی الرغم ، اس دور کے بعض بادشاہ بڑے مغرور اور حوصلہ جو تھے ۔ وہ معمولی سے معمولی بات پر اپنے ھمسایہ قبائل سے بگڑ جاتے اور ان کے خلاف جنگ چھیڑ کر ان کی زمینوں پر قبضہ کرتے تھے ۔ بیڈن پاویل اور ھیو کنیڈی کی رو سے یہ بادشاہ جن علاقوں کو فتح کرتے ، ان کی ساری زمینیں ان کی براہ راست تحویل میں آ جاتی تھیں اور ان سے متعلق پہلے کے تمام مالکانہ حقوق ختم ھو جاتے تھے اور یہ صرف بادشاہ تھا ، جو نئے یا پرانے حقوق کو ماننے یا نہ ماننے کا حق دار ھوتا تھا[۱] ۔

بیڈن پاویل کا بیان ھے کہ ھر مزروعہ زمین پر خواہ وہ نئی مفتوحہ تھی ، یا پہلے کی مقبوضہ تھی ، شاھی لگان کی ادائیگی کی پابندی ، اس امر پر دال ھے کہ کل مزروعہ یا غیر مزروعہ زمین کی ملکیت بادشاہ کی طرف منتقل ھو گئی تھی اور وھی اس کا اعلیٰ و افضل نگران تھا یوں بلاشبہ نئے دور کے آرین بادشاھوں نے اپنے وفادار قبائلی سرداروں میں ، اپنی سہولت کی خاطر ، ان زمینوں کو بانٹ دیا تھا جو بادشاہ کے نمائندے بھی تھے اور مختار کار بھی ، وہ مفتوحہ مزروعہ زمینوں سے شاھی لگان بھی وصول کرتے اور اور اپنا جاگیرداری حق بھی لیتے ۔ کاشت کار پر اب دوھرا بوجھ پڑ گیا تھا اور اس کی مشکلات بہت بڑھ گئی تھیں ۔

فاضل جنسکس کہتے ھیں اس دور میں جاگیرداری بھی موروثی بن گئی تھی ، ایک جاگیردار کا بیٹا لازماً جاگیردار ھوتا ۔ اسے جاگیرداری وراثت

۱- بیڈن پاویل ۲۰۷ و ۲۰۰ - ۲۰۳ و ۲۱۰ - ۲۲۱ - اگریکلچر پریکٹس - ص ۲۳ -

میں پہنچی اور وہ کاشتکاروں کی تقدیروں سے جس طرح چاہتا ، کھیلتا اور اگر ایک جاگیر کے کئی دعویدار ہوتے تو کاشتکار ان دعویداروں میں بازیچۂ اطفال کی حیثیت اختیار کر لیتا تھا[۱] ۔

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ فاضل بیڈن پاویل اور ہیو کنیڈی یہ تعین نہیں کر سکے ہیں کہ جس قسم کے بادشاہوں کا حال انہوں نے بیان کیا ہے یہ رگ وید کے دور سے کتنی مدت بعد کے تھے اور یہ مخصوص قسم کا جاگیرداری نظام کب بروئے کار آیا تھا ، اور زمینوں پر شاہی لگان کی پابندی کب لگی تھی ۔

یوں چونکہ رگ وید کے بعد کے سمتہ ، برھمنا اور اپنشاد بھی ، شاہی اختیارات اور اقتدار میں غیر معمولی وسعت کی خبر دیتے ہیں اس لیے یہ امکان ہے کہ بیڈن پاویل ، ہیو کنیڈی اور جنسکس نے جس قدیم بادشاہت کی مذکورہ بالا تصویر کھینچی ہے ، وہ رگ وید کے بالکل بعد کی بادشاہت تھی ۔

تیتریہ برھمنا اور ساتا پاتھہ میں اس دور کے شاہی نظام کو جن ستونوں پر کھڑا کیا گیا ہے ، وہ حسبِ ذیل تھے ۔ (۱) راجنیا ، (بادشاہ) (۲) پروھت ، (۳) ماھشی ، مہارانی (جو راجہ کی چار رانیوں میں سے ، سب سے پہلی رانی ہوتی) ۔ (۴) پہلی رانی کے بعد محبوب رانی کا مقام تھا ۔ (۵) پانچویں حیثیت پری وکتی رانی کی تھی ۔ چھٹی حیثیت شاہی رتھ کے نگران کی تھی اور ساتواں مقام سنیانی یا سپہ سالار اعلیٰ کا تھا ۔ آٹھواں درجہ گرمانی کا تھا جو دیہاتی نظام کا سربراہ ہوتا ۔ پھر کشری ، پھر سامِ گرھتری ، (خزانچی) پھر مہتمم لگان ، اور پھر مہتمم رقص تھا ۔ شکارگاہ کے نگران ، شاہی محلات اور شاہی سواریوں کے بڑے مستری ، اور رتھ کار کو بھی ، ساتا پاتھ برھمنا میں ، بڑے شاہی عہدیداروں میں شمار کیا گیا ہے ۔

مزید برآں شاہزادے ، راج کمار اور بادشاہ کے بھائی بھی شاہی نظام کے بڑے ستونوں میں شامل تھے[۲] ۔ سٹیٹ ان اینشنٹ انڈیا کے مصنف کے

۱- جنسکس - ۳۷ - ۳۹ - ۱۰۰ - ۱۷۱ ، هسٹری آف پالٹیکس ۔ لینڈ آف فائیو ریورز ، ص - ۲۷ -

۲- کیمبرج هسٹری آف انڈیا ، ص ۱۳۱—۱۳۲ -

نزدیک ریاست کا سب سے بڑا عہدیدار سیناپتی یا وزیر اعلیٰ ہوتا تھا۱۔
پروفیسر برڈلے کیتھ کا خیال ہے کہ اس دور میں گرمانی یعنی ہر گاؤں کا چودھری ، سول افسر بھی تھا اور مہتمم، مال بھی ۔ وہ بادشاہ کی طرح گاؤں یا قصبہ کے انتظامات بھی کرتا اور زمینوں سے شاہی لگان بھی وصول کرتا تھا ۔

پروفیسر برڈلے کیتھ اس دور کے بڑے حکام میں ، چیف جج کے منصب کا بھی پتہ دیتے ہیں ۔ ان کی رو سے اسے ستھاپتی کہا جاتا تھا ، اور مقدس مسودات میں سرنجیا قبیلے کے بادشاہ دسترتیو کو جس شخص نے دوبارا بادشاہت دلائی تھی اور جسے ستھاپتی کے نام سے یاد کیا گیا ہے وہ ریاست کا چیف جج بھی تھا اور گورنر بھی۲۔ سٹیٹ ان اینشنٹ انڈیا کے مصنف نے اس عہدیدار کا نام وینی چھاسا کا تحریر کیا ہے اور اسے وزارت کا قلمدان سونپا ہے ۔ اس کی رو سے وہ وزیر، عدلیہ تھا اور اس کے ماتحت تمام عدالتیں تھیں۲ ۔

سترا میں ایک اور حاکم کا نام نشدا ستھا پتی بتایا گیا ہے ۔ یہ حاکم غالباً ان مفتوح اور مطیع و منقاد غیر آرین یا پہلے کے آباد کاروں اور بادشاہ کے ماتحت واسطہ تھا جو سرحدوں پر رہتے یا دور افتادہ مقامات پر آباد تھے ۔

برھمنا اور اپنشاد میں ، بادشاہ کے فرائض پر بھی کافی روشنی ڈالی گئی ہے ۔ بادشاہ اپنی فوجوں کا سب سے اعلیٰ حاکم تھا ۔ سنیانی (سپہ سالار اعلیٰ) اس کا نائب تھا ۔ بادشاہ اپنی رعایا کے فوجداری مقدمات کے سلسلے میں آخری عدالت کا کام بھی کرتا ۔ وہ برھمنوں اور ویشا میں سے جس کو چاھتا ، ملک سے نکال دیتا ۔ آیا کشتریوں کے متعلق بھی وہ ایسا کر سکتا تھا اس کی وضاحت موجود نہیں ہے ۔

پروفیسر برڈلے کیتھ کا خیال ہے کہ ان بعد کے مسودات میں بادشاہ کے بارے میں یہ جو بیان ہوا ہے کہ وہ پوری زمین پر مختارکار تھا ، اس کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ وہ قبیلے کے جس فرد سے چاھتا زمین چھین

۱۔ سٹیٹ ان اینشنٹ انڈیا ، ص ۱۴۳ ۔
۲۔ ایضاً ، ۱۴۳ ۔

لیتا ۔ بلکہ اس سے مراد سیاسی برتری اور عمومی سربراھی ھے ۔ جاگیرداروں کے متعلق بھی پروفیسر صاحب کا خیال یہی ھے ۔ پروفیسر صاحب کے نزدیک جاگیردار بھی پہلے کے کاشتکاروں کو ان کے حق سے محروم نہیں کر سکتے تھے ۔ البتہ وہ اس سے لگان وصول کرنے کا حق رکھتے تھے ۔ لیکن اس خیال کی تائید میں پروفیسر موصوف نے کوئی شہادت پیش نہیں کی ، اور جو شہادت پیش کی ھے وہ صرف یہ ھے کہ ساتا پاتھہ اور انیتریا برھمنا میں مذکور ھے کہ بادشاہ وسوا کرمن بھاونا نے ، کچھ برھمنوں کو زمین بہ طور جاگیر عطا کی تھی ، اور زمین نے اس کے فعل کے خلاف احتجاج کیا تھا[1] ۔

بہر نوع پروفیسر موصوف نے بھی یہ تسلیم کیا ھے کہ اس دور میں بادشاہ ھی زمینیں بانٹتا اور وھی اپنے عمال اور منصب داروں کو جاگیریں عطا کرتا تھا یا وہ جس عہدیدار کو اس سلسلہ میں اپنی نیابت کا حق دیتا تھا وہ یہ فریضہ انجام دیتا ، البتہ اس سلسلہ میں قبیلہ کی قدیم رسوم و رواج ملحوظ رکھی جاتیں [2] ۔

فاضل ای ۔ بی ھویل ، مصنف ھسٹری آف آرین رول ان انڈیا کے نزدیک اس دور کی بنیادی سیاسی تنظیم کے بارے میں مختصراً یہ کہا جا سکتا ھے کہ پہلے دور کے چھوٹے پیمانے کے قبائلی وفاق ، نسبتاً کسی قدر بڑی موروثی ریاستوں میں تبدیل ھوگئے تھے[3] ۔ فاضل ، ای ۔ بی ۔ ھویل نے اس سلسلے میں مہا بھارت سے سند لی ھے ، اور پورے وثوق کے ساتھ کہا ھے کہ اس دور کی آرین روایات ، بادشاھوں کی ذات اور ان کے خاندان کے تقدس پر یقین نہ رکھتی تھیں ، آرین بادشاہ کو صرف وھی حقوق حاصل تھے جو آرین قانون نے اسے دے رکھے تھے ، اور اسے آرین عوام کی جنرل اسمبلی جرمانہ کرنے کا حق بھی رکھتی تھی اور معزول بھی کر سکتی تھی ۔ حتیٰ کہ بادشاہ کے وزرا کی جماعت کو بھی اس پر اس انداز کی بالادستی حاصل تھی کہ اگر وہ اپنے فرائض کی انجام دھی میں

---

۱ و ۲- کیمبرج ھسٹری آف انڈیا جلد اول ، ص ۱۳۲ ۔

۳- ھسٹری آف آرین رول ان انڈیا ، ص ۳۴—۳۵ ۔ مہا بھارت راجہ دھرنو کسانہ پروا ، باب xix ۷ ۔

غفلت برتے ، تو وزرا کی یہ جماعت اسے تخت سے اٹھا دے اور اس سے تاج چھین لے ۔

فاضل ہیول کی رو سے بادشاہت کی ''موروثیت'' کو محض اس لیے اہمیت دی گئی تھی کہ مرکزیت قائم رہے ، اور باربار بادشاہوں کے انتخاب کے سبب ریاست میں انتشار نہ پیدا ہو ۔ یوں آرین قبائل کی یہ رسم بڑی ہی مقدس سمجھی جاتی تھی کہ بادشاہ صرف کشتری خاندان کا ہو ، کیونکہ اس خاندان کا ماحول بادشاہت کے لیے بہت موزوں تھا اور اس کے افراد کو بادشاہت کی بہت عمدہ تربیت دی جاتی تھی ۔ اس کے باوجود یہ ضابطہ کوئی الہامی اور ناقابلِ تغیر ضابطہ نہ تھا ۔ اگر کوئی شدرا ، میدانِ جنگ میں ، غیر معمولی حربی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر کے مخالفین پر فتح پا لیتا تو وہ بھی بادشاہت کا منصب پا سکتا تھا ۔

فاضل ہیول کی رو سے مہا بھارت اور کوتیلیا ارتھ شاستر میں ، ایک بادشاہ کا سب سے بڑا فریضہ یہ قرار دیا گیا ہے کہ وہ ریاست کی حفاظت کرے۱۔

سب سے پہلے وہ اپنی ذات اور نفسانی خواھشات پر قابو پائے ۔ پھر اپنے دشمنوں کو زیرِ نگیں کرے ۔ جو بادشاہ اپنی ذات پر فتح نہیں پا سکتا ، وہ دشمنوں پر کس طرح غالب آ سکتا ہے ؟

کوتلیا شاستر میں ایک بادشاہ کے فرائض پر گفتگو کرتے وقت یہ بھی کہا گیا ہے کہ بادشاہ کی خوشی ، اس کی رعایا کی مسرت و خوشحالی پر مبنی ہے اور اس کی بھلائی کا دار و مدار رعایا کی بھلائی پر ہے ۔ اسے اپنی من پسند باتوں ہی کو موزوں و مناسب نہیں سمجھنا چاہیے''۔

فاضل ہیول نے کوتلیا شاستر سے ایک اور حوالہ لیا ہے ، اس کی رو سے آرین بادشاہ جب تخت نشین ہوتا ، تو اسے حلف اٹھانا پڑتا کہ وہ ریاست کی فلاح و بہبود کے لیے سر توڑ کوشش کرے گا اور قانون اور مقدس مذہبی روایات کی خلاف ورزی کا قطعاً مرتکب نہ ہوگا ۔

فاضل ہیول بیان جاری رکھتے ہوئے مزید فرماتے ہیں کہ آرین قانون کی رو سے بادشاہ کے ذمہ وہی فرائض تھے جو مختصر پیمانے پر ایک آرین

۱۔ کتیلیا ارتھ شاستر ، باب ۱۹ ، بادشاہت کے فرائض ۔

کے گاؤں کے سر براہ کے تھے ۔ وہ اپنے ان وزرا اور مشیروں سے مشاورت پر مجبور تھا ، جو دیہی سربراہوں کی طرح پانچ بڑے طبقات کے نمائندے ہوتے تھے اور آرین عوام ان کا انتخاب ان کی قابلیت اور آرین روایات سے واقفیت کی بنا پر کرتے تھے ۔ یہ وزرا بادشاہ کو امورِ سلطنت کی بجا آوری میں مدد دیتے ، اور اہم مسائل پر اپنے مشورے پیش کرتے تھے ۱۔

قدیم آرین قانونی کتابیں ، یہ شہادت بھی مہیا کرتی ھیں کہ آرین بادشاھوں کی مشاورتی کونسل دس وزرا پر مشتمل ھوتی تھی ۔ پہلا وزیر شاھی پروھت ھوتا تھا جس کی اونچی صلاحیتیں اسے اس اونچے منصب پر فائز کرنے کا موجب بنتی تھیں ۔ یہ بادشاہ کا سب سے بڑا وزیر ھوتا ۔ اس کے لیے فرض شناس ھونا ضروری تھا ۔ وہ ویدک علم کا بھی ماھر ھوتا ، منتروں پر بنی اسے مکمل عبور ھوتا ، وھی مذھبی تقریبات کی نگرانی کرتا اور ذاتی لحاظ سے اس قدر مضبوط کردار کا ھوتا کہ بادشاہ اس سے خائف رھتا ۔ اس کی سیاسی سوجھ بوجھ اور دانائی بھی ارفع ھوتی تاکہ بادشاہ کی رھنما بنے ۔دوسرا وزیر پراتنوھی یا نائب السلطنت کہا جاتا ، جو امورِ سلطنت اور سیاسی مسائل میں بادشاہ کا سب سے بڑا مشیر کار تھا ۔ تیسرا وزیر پرادھنا یا مشاورتی کونسل کا صدر تھا ۔ یہ مشاورتی کونسل کے ھر رکن کو اس کے فرائض سے آگاہ کرتا ۔ چوتھا وزیر ، سچیوا ، یا وزیرِ جنگ ھوتا ۔ پانچواں وزیر ، منتری یا وزیرِ خارجہ ھوتا تھا ۔ چھٹا وزیر چیف جج یا براد دوکا تھا ۔

ساتواں وزیر ، پنڈت ، آٹھواں سمنترا ، (وزیر مال) نواں وزیر اماتیا ، یا وزیر داخلہ اور دسواں ، پولیس کا سربراہ تھا۲ ۔

ھم نے فاضل ھیول کی بیان کی ھوئی یہ تفصیل اس لیے دھرائی ھے

۱- آرین رول ان انڈیا ، ص ۳٦ - بری بدھسٹ انڈیا ، ص ۱۳٦—۱۳۷—۱۳۳—۱۳۲ - سکرا نیتی سرا باب ۲ صفحہ ۱۷۸ ترجمہ بینی کمار ۔

۲- ای - بی ھویل - ھسٹری آف آرین رول ان انڈیا ص ٦۳ - ۳۷ سکرانیتی سرا باب ۲ - ص ۱۷۸ ترجمہ بینی کمار ایم - اے مہا بھارت ، باب سمتی یروا ۔

که پڑھنے والے پروفیسر برڈلے کیتھ کے ساتھ ساتھ ، فاضل ہیول کا نقطۂ نگاہ بھی پیش نظر رکھیں ۔ یوں یہ بدیہی بات ہے کہ اس سلسلہ میں فاضل ہیول نے جن اسناد پر تکیہ کیا ہے وہ ویدک دور کے بعد کی اسناد ہیں ۔ مثلاً مہا بھارتہ رامائنا ، اور مسکرا نیتی سارا ۔ اور پروفیسر برڈلے کیتھ نے یجر وید اتھر وید ، برھمنا اور اپنشاد سے استناد کیا ہے ۔

بہر نوع فاضل ای ۔ بی ۔ ہویل نے خود ہی یہ اعتراف بھی فرمایا ہے کہ یہ ضروری نہیں تھا کہ اس دور کے بادشاہ اوپر بتائے ہوئے اصولوں کی لازماً پابندی کرتے ۔ اس دور میں بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ بادشاہوں نے ان اصولوں کو نظر انداز کر دیا اور آمر یا مطلق‌العنان حکمران بن گئے۱ ۔ لیکن اس کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ بادشاہ یا ان کے وزرا نے کسی وقت بھی ، عوامی رائے یا عوامی سربراہوں کو قطعی طور پر نظر انداز کر دیا تھا ۔

بلاشبہ فاضل ۔ ای ۔ بی ۔ ہویل بہت بڑے عالم تھے ۔ ان کا ہندوستانی تاریخ سے متعلق مطالعہ بڑا وسیع تھا ۔ وہ ہندوستان کی تاریخِ قدیم پر کئی کتابیں لکھ چکے ہیں ۔ تاہم وہ ویدک علوم میں اتنی مہارت نہیں رکھتے ، جو برڈلے کیتھ کی ہے ۔ ہمارے نزدیک پروفیسر برڈلے کیتھ کی رائے اس لیے بھی تقدم رکھتی ہے کہ وہ ایڈنبرا یونیورسٹی میں سنسکرت زبان کے پروفیسر اور ویدک ادب کے معلمِ اعلیٰ تھے اور ان کو پورا یقین ہے کہ رگ وید کے بعد کے تین ویدوں ، ان کی شرحوں اور اپنشاد کے زمانہ کے آرین بادشاہ زیادہ تر مطلق العنان تھے اور وہ بسا اوقات قبائلی رسوم و رواج کر بھی نظر انداز کر دیتے تھے ۔ وہ قبائلی رسوم و رواج پر کچھ اس طرح حاوی تھے کہ قبائلی سرداروں اور برھمنوں کو ان کی مرضی کے تابع نئے قوانین بنانے پڑے اور ان کے اس حق کو تسلیم کر لیا کہ وہ اگر چاہیں تو کسی فردِ واحد کی آزادی بھی چھین لیں اور اس کی زمین بھی ضبط کر لیں ۔ پروفیسر برڈلے کیتھ نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ رگ وید کے بعد کے ویدکی مسودات ، رگ ویدی سبھا یا سمیتھی کے باب میں بالکل خاموش ہیں جس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ عوامی سبھا یا قبائلی

۱۔ سکرانیتی سرا باب پنجم ص ۱۸۰ - ۱۸۲ مترجمہ بینی کمار ایم اے ۔

کونسل کو پہلی سی اہمیت نہیں رہی تھی -

اس کے باوجود ای - ھی - ھویل کا یہ بیان خاصا وزن رکھتا ھے کہ اس دور کے بعض علاقوں میں عوامی وفاق یا کئی قبیلوں پر مشتمل جمہوریتیں بھی قائم تھیں ، جن کے ارکان اپنے سیاسی اور اجتماعی مسائل مل جل کر اور باھمی مشاورت سے طے کرتے تھے -

فاضل ھویل کے خیال ھے کہ ان جمہوریتوں کے وہ عوام ھی در اصل حکمران اعلیٰ تھے جنھوں نے زمین صاف کی اور جنگل کاٹ کر ھموار میدانوں کی تخلیق کی تھی ۱ -

فاضل ھویل کا نزدیک پنجاب ، سندھ اور شمال مغربی سرحدی علاقے ایسی جمہوری حکومتوں سے زیادہ فیض یاب ھوئے تھے - یہاں کی بادشاھتیں یوں بھی زیادہ ظالم و جابر نہ تھیں اور یہاں کے عوام کو اپنے آپ پر ، ھندوستان کی دوسری آرین ریاستوں کی نسبت زیادہ اعتماد تھا -

گو ای - بی ھویل نے ایسی کوئی مثال پیش نہیں کی ، تاھم اس سلسلے میں پنجاب کی اس سیوی ریاست کو بہ طور مثال پیش کیا جا سکتا ھے جس کے ایک راجے کو عوام نے محض اس بنا پر جلا وطن کر دیا تھا کہ اس نے ایک ھاتھی کنگا کے برھمنوں کو بخش دیا تھا - ھاتھی اس زمانہ میں ، قومی ملکیت مقرر ھوتے تھے - چونکہ آرین نئے نئے اس ملک میں آئے تھے اور ھاتھیوں کی تعداد زیادہ نہ تھی - خصوصیت سے شمال مغربی ھند میں تو وہ عنقا تھے - اس لیے بھی عوام کے نزدیک ھاتھی بہت قیمتی شے تھے اور اتنی قیمتی شے کو کوئی بادشاہ کسی بیرونی برھمن کو بخش دے ، عوام اسے اپنی حق تلفی سمجھتے تھے -

ای - بی ھوبل نے جن نیم جمہوری حکومتوں کے وجود پر اصرار کیا ھے ان کی غالب تعداد سندھ کے بالائی اور زیریں میدانوں ھی میں پائی جا سکتی ھیں جمنا پار کی ریاستیں تو بڑی مطلق العنان تھیں -

---

۱- ھسٹری آف آرین رول ان انڈیا ص ۳۷ - ۳۸ - ۳۹ -

فصل دوئم

بالائی سندھ اور زیریں علاقے کی چند بڑی ریاستیں

گندھارا سیوی مادی اور کمبوجی

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ھیں جتکا داستانیں ، اس امر کی شاھد ھیں کہ پنچالہ بادشاہ دولکھا جب اترا دیس کا حکمران تھا تو گندھارا کے ناگا جیت کا بڑا شہرہ تھا اور ایتاریہ برھمنا کے نزدیک ناگا جیت بڑے اچھے بادشاھوں میں سے تھا[1] ۔

یہ ناگا جیت لازماً اسوریہ قبیلے کے ناگ خاندان کا ایک فرد تھا ۔ فاضل ، انتاپرشاد بنیر جی شاستری کو اس امر کا یقین ھے کہ ناگا اسوری یا اسیرئن تھے اور ھندوستان میں ان کی تاریخ ایک عظیم ماضی کی حامل ھے اور جب آرین ھندوستان میں داخل ھوئے تھے تو یہ اشوری ، ناگے ، شمال مغربی ھندوستان کے کئی اھم حصوں کے مالک تھے اور ان میں اور آرین میں اقتدار کی خاطر بڑی سخت لڑائیاں ھوئی تھیں اور ان لڑائیوں کا آغاز ڈاکٹر بنیر جی کی رو سے اس وقت ھو چکا تھا جب آرین ابھی دردستان میں سے گزرنے نہ پائے تھے ۔ فاضل بینرجی کا خیال ھے کہ راوی کے کنارے پر بھرتوں کے بادشاہ سودا اوردس راجوں میں جو لڑائی لڑی گئی تھی وہ ناگوں اور آرین کی قومی لڑائی کی حیثت رکھتی تھی[2] ۔

ٹیکسلا گندھارا کا پایۂ تخت تھا

ھم پیچھے برڈلے کیتھ کی وساطت سے یہ وضاحت کر چکے ھیں کہ اس لڑائی میں بھرتوں کے خلاف جو دس قبیلے یکجا ھوئے تھے ان میں

---

۱ - پری بدھسٹ انڈیا ص ۴۰ ۔ اتاریہ برھمنا جز ۷ ص ۳۴ ۔

۲- گائڈ ٹو ٹیکسلا سر جان مارشل کرونالوجو آف اینشنٹ انڈیا ص ۲۴۸ ۔

پانچ پہاڑی قبیلے تھے اور ان میں سے ایک کافرستان اور چترال سے اور دوسرا پختون سے اس سمت آیا تھا ۔ یہ لازماً ناگے تھے ۔ ان کا پایۂ تخت ان دنوں ممکن ہے دردستان میں ہو لیکن ان کی سرحدیں ، خاصی آگے کی سمت پھیل گئی تھیں ، خصوصیت سے ناگا جیت کے زمانہ میں ، تو ان کا پایۂ تخت ٹیکسلا تھا ۔ ٹیکسلا کی عظمت و بزرگی کی داستان کہتے وقت سرمارشل نے گو بڑے اختصار سے کام لیا ہے تا ہم یہ اعتراف ضروری جانا ہے کہ ٹیکسلہ کا ماضی بہت ھی دور کا ماضی ہے ۔

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ناگا جیت دو مکھے پنچال کا ہم عصر تھا اور اس کا پایۂ تخت ٹیکسلا میں تھا تو ٹیکسلا کا ماضی ، زیادہ نہیں تو ۱۲ سو سال قبلِ مسیح کی قدامت کا حامل ہے۱ ۔

مگر بدنصیبی یہ ہے جیسا کہ پری بدھسٹ انڈیا کا مصنف رتی لال مہتہ کہتا ہے کہ گندھارا کے بادشاھوں کے بارے میں نہ تو ، رگ وید اور دوسرے ویدوں سے کچھ زیادہ معلوم ہوتا ہے اور نہ جتکا داستانیں ھی اس بڑی سلطنت کے متعلق کچھ کہتی ھیں جو کبھی ٹیکسلا میں قائم تھی اور جس کی قلمرو میں کشمیر بھی شامل تھی۲ ۔ عجیب بات ہے کہ گو راجہ ناگا جیت ناگا خاندان کا فرد تھا اور اشوری الاصل تھا اس کے باوجود اس کا پایۂ تخت ٹیکسلا سارے ہندوستان کے راجوں کے بیٹوں کی درسگاہ تھا اور ہندوستان کا کوئی راجہ ، مہاراجہ ، یا بادشاہ ایسا نہ تھا جو اپنے بیٹے کو جوانی میں قدم رکھتے ھی ٹیکسلا روانہ نہ کر دیتا ۔ ''اپنشاد'' میں راجہ ادولکا اور اس کے پسر سوتیا کیتو کے بارے میں مذکور ہے کہ انہوں نے ٹیکسلا میں تعلیم پائی تھی ۔ اور ایک بہت بڑے عالم گیر شہرت رکھنے والے استاد کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے تھے۳ ۔

اس کے ماسوا جتکا داستانیں تو اس امر کی داعی ھیں کہ خواہ بات کچھ بھی کیوں نہ ھوتی ہندوستان کے تمام بادشاہ اپنے بیٹوں کو سیاست اور دانائی و حکمت میں طاق کرنے کی خاطر لازماً ٹیکسلا بھیجتے تھے ۔

۱- پری بدھسٹ انڈیا ص ۳۴ ۔
۲- پری بدھسٹ انڈیا ص ۵۶ آر ۔ کے مکرجی
۳- بدھسٹک سٹڈیز ص ۲۴۴ ۔

کیونکہ ان دنوں ٹیکسلا کی درسگاہ میں جو علما موجود تھے وہ اپنے فضل و کمال کے لحاظ سے یگانۂ روزگار تھے اور پورے ہندوستان میں کوئی دوسرا عالم ان کی ہم سری کا دعویدار نہ تھا ۔

رتی لال مہتہ کا استدلال ہے کہ ٹیکسلا کی یونیورسٹی صرف منتہی طلبا کا ملجا و ماویٰ تھی ۔ وہاں صرف وہ طلبا داخل کیے جاتے جو ابتدائی اور درسیانی تعلیم اپنے گھروں یا اپنے ہاں کے مدرسوں میں حاصل کر لیتے تھے ۔ عموماً سولہ سال کے طلبا ، اس یونیورسٹی میں داخلہ کے لیے آتے تھے ۔ جتکا میں بنارس کے بادشاہ سے متعلق ایک کہانی بیان ہوئی ہے کہ اس کے ولی عہد جب سولہ سال کی عمر میں پہنچا تو اس نے اپنے اس ولی عہد کو اپنے حضور طلب کیا ، اسے ایک ہزار سکے عطا کیے ، کچھ ضروری ساز و سامان دیا اور اس کے ہم عمر چند امرا زادے اس کے ساتھ کیے اور اسے حکم دیا کہ وہ ٹیکسلا چلا جائے اور وہاں اپنی تعلیم مکمل کرے۔ لڑکے نے باپ کے حکم کی تعمیل کی اور ٹیکسلا کا سفر اختیار کر کے ٹیکسلا کی یونیورسٹی کے ایک بڑے استاد کی خدمت میں حاضری دی ۔

استاد شاگرد میں اس موقعہ پر جتکا داستان کی رو سے جو گفتگو ہوئی وہ یہ تھی ۔

استاد : ”تم کہاں سے آئے ہو ؟“ شہزادہ ۔”بنارس سے ۔“

استاد : ”تم کس کے بیٹے ہو ؟“ شہزادہ ۔ ”میں بنارس کے بادشاہ کا بیٹا ہوں ۔“

استاد : ”کس غرض سے یہاں آئے ہو ؟“ شہزادہ ۔ ”تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہوں ۔“

استاد : ”کیا فیس ساتھ لائے ہو یا تعلیم کے بدلے میری خدمت کرو گے ؟“ شہزادہ ۔ ”فیس ساتھ لایا ہوں ۔“

یہ کہہ کر شہزادے نے ایک ہزار سکے جو بادشاہ نے اسے دیے تھے استاد کے قدموں میں ڈھیر کر دیے اور تعلیم حاصل کرنے لگا ۔

ہم نے بنارس کے اس شہزادے کی داستان اس لیے دھرائی ہے کہ قارئین کرام پر واضح کر سکیں کہ ٹیکسلا اس دور میں جو ایک ہزار سال قبلِ مسیح کا دور تھا گندھارا کے ناگا بادشاہوں کا پایۂ تخت ہونے کے باوجود پورے ہندوستان کے شاہزادوں کی تعلیم و تربیت گاہ تھا ۔ گویا اس

کی حیثیت ان دنوں ایک ایسے غیر جانبدار مقام کی تھی جس کے دروازے دوست اور دشمن پر ایک ھی طرح کھلے ھوں ۔

گو گندھارا کی قدیم سلطنت اور اس کے بادشاھوں کے بارے میں کوئی مفصل یا مختصر روداد مؤرخین کے ھاتھ نہیں لگی ، البتہ اتنا ضرور معلوم ھوا ھے کہ یہ سلطنت چھ سو سال قبلِ مسیح تک قائم رھی تھی جبکہ اسیریوں نے کوہ ھندوکش کو عبور کر کے اسے فتح کر لیا تھا[۱] ۔

ریاست کمبوجہ

جتکا داستانوں اور برھمنا میں گندھارا کی ایک ھمسایہ ریاست کمبوجہ کا ذکر بھی آیا ھے ۔ اس ریاست کی سرحدیں گندھارا سے ملحق تھیں ۔ یہاں کے راجہ آرین نسل میں سے تھے اور اس کا محلِ وقوع کشمیر کے شمال میں تھا ۔ اس کے سیاسی حالات بھی صیغۂ راز میں ھیں ۔

سیال کوٹ بھی ایک بہت بڑا علمی مرکز تھا

البتہ مادا بادشاھوں کے بارے میں جن کا پایۂ تخت سگالا (موجودہ سیال کوٹ) میں تھا جتکا داستانوں میں بھی اور ایتاریا برھمنا اور اپنشاد میں کئی کہانیاں بیان ھوئی ھیں ۔ اور سگالا یا سیال کوٹ کو وھی اھمیت دی گئی ھے جو ٹیکسلا کو نصیب تھی ۔ وھاں بھی ایک بڑی یونیورسٹی قائم تھی اور وھاں کے علما بھی اپنے علم کے سبب پورے ھندوستان میں مشہور تھے ۔ تہذیبی و تمدنی لحاظ سے بھی یہ شہر بہت ترقی پر تھا ۔ گو مادا بادشاھوں کے ناموں سے ایتاریہ یا اپنشاد نے کوئی خاص دلچسپی نہیں لی تاھم یہ ذکر ضروری سمجھا ھے کہ مادا بادشاھوں کی رشتہ داری کا دامن سندھ کی سیوی ریاست تک بھی دراز تھا اور اوکاکا کے بادشاھوں سے بھی بندھا تھا[۲] ۔

مثلاً کہا گیا ھے کہ دو مادی شہزادیاں سیوی ریاست کے دو تاجداروں سنجایا اور دسنترا سے بیاھی تھیں ۔ ان میں سے ایک کا نام پشاوتی اور دوسری کا مادی تھا ۔

۱- پری بدھسٹ انڈیا ص ۵۷ ۔ ویدک انڈکس جلد اول ص ۱۳۸ ۔
۲- ایتاریہ برھمنا جلد ۷ ص ۲۷ ۔ ویدک انڈکس جلد ۲ ص ۱۲۳ ۔

ایک اور مادی شہزادی پبھاوتی اوکاکا کے ولی عہد کسا کی بیوی تھی جو سخت بد صورت تھا - مادا بادشاہوں کی بیٹیاں نہ صرف ہمسایہ ریاستوں میں بیاہی تھیں وہ بنارس کے دو مشہور راجوں کی بھی سہارانیاں بنی تھیں -

رتی لال ھیرا کا خیال ہے کہ مادا ریاست یوں تو چھوٹی تھی ، مگر اس کے تعلقات بڑی بڑی ریاستوں سے تھے - اس لیے اس کی عمر بہت لمبی ہو گئی تھی اور وہ ساتویں صدی قبلِ مسیح تک قائم رہی تھی -

ساتویں صدی قبلِ مسیح میں گندھارا کے ناگا بادشاہوں نے اس کے پایۂ تخت پر چڑھائی کی اور اسے کشمیر کی طرح اپنی قلمرو میں شامل کر لیا ۱ - دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ ساتویں صدی قبلِ مسیح میں ریاست گندھارا کے حدود موجودہ سیالکوٹ تک دراز ہو گئے تھے -

مسٹر ایچ - کے - ڈب کی رو سے مادا ، مدرا یا میڈا تھے اور یہی وہ لوگ تھے جو کبھی شمالی فارس میں آباد تھے اور جن کا ذکر یونانی سیاحوں اور ایچ جی ولز نے کیا ہے - بارہ سو سال قبلِ مسیح کی ایک اور پنجابی ریاست سیوا یا سیوی یا سبی کے بارے میں ہم پیچھے اشارتاً کچھ کہہ چکے ھیں - یہاں صرف اتنا اضافہ چاہتے ھیں کہ اس ریاست کا دامن سندھ کے موجودہ شہر سبی سے لے کر جھنگ اور شور کوٹ تک دراز تھا اور یہ ان ریاستوں میں سے ہے جس کا ذکر رگ وید میں بھی موجود ہے اور یہی وہ ریاست ہے جو رگ‌وید کی ہم‌عصر بھی تھی اور اس نے سکندر مقدونی کا زمانہ بھی دیکھا تھا اور اس کے جھنڈے کسی دور میں بھی سرنگوں نہ ہوئے تھے - اگر رگ وید چودہ سو سال قبلِ مسیح کی تخلیق ہے تو یہ ریاست کم سے کم بارہ سو سال برابر مسلسل قائم رہی تھی - اور اس کے تخت پر اسی نارا ، سجنایا ، وسنترا ، جالی اور کنہا راجوں نے بھی قدم رکھے اور سیالکوٹ کے مادا یا مدرا شہزادوں نے بھی یہ شرف پایا کہ اس کو پامال کریں - غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ پے در پے کئی مادی شہزادیاں ،

۱- پری بدھسٹ انڈیا ص ۵۵ - جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۹۲۲ء ص ۲۵۷ -

سیوی بادشاھوں سے بیاھی گئی تھیں اور نراولاد نہ ھونے کے سبب ، ان شہزادیوں کے بھائی سیوی تخت کے حقدار بن گئے تھے ۔ ڈاکٹر را چوھدری کے نزدیک سیوی خاندان ، سندھ ، راجپوتانہ ، جھنگ مگھیانہ ، مدھایا میکہ اور ویسا کہار اسریتا تک پھیلا تھا اور اس کی کئی بستیاں دریائے کاویری کے کنارے پر بسی تھیں[۱] ۔

مجمدار اپنی کتاب کارپوریٹ لائف ان اینشنٹ انڈیا میں رقم طراز ھیں کہ دوسری صدی قبلِ مسیح میں سیوی لوگوں نے بادشاھت ختم کر دی تھی اور '' مجھ میکیا سیوی جنا پاداشا '' کے نام سے ایک جمہوریت قائم کر لی تھی ۔ مجمدار نے ایسے کئی سکوں کا ذکر کیا ھے جو دو سال قبلِ مسیح کے ھیں اور ان پر سیوی جمہوریہ کا نام لکھا ھے[۲] ۔ یہ متعدد سکے راجپوتانہ جھنگ شور کوٹ اور سبی کے کھنڈرات سے دستیاب ھوئے ھیں اور اس امر پر دال ھیں کہ سیوی جمہوریہ کا دائرہ ان سب علاقوں پر محیط تھا ۔

اگر پنجاب اور سندھ کی سیوی جمہوریت دو سو سال قبلِ مسیح قائم ھو گئی تھی اور اسے پنجاب کے لوگوں نے پسند کر لیا تھا تو اس کے معنیٰ یہ ھوں گے کہ پنجاب اور سندھ کے لوگ ایک تو سیاسی شعور کے اعتبار سے باقی ھندوستان سے بہت بلند تھے ، دوسرے وہ اس ایرانی بادشاہ دارا سے قطعاً مرعوب نہ ھوئے تھے جس نے چھ سو سال قبلِ مسیح میں شمال مغربی ھند کی سیاسی زندگی کی عمارت ڈھا دی تھی ۔

اس کے معنیٰ یہ بھی لیے جا سکتے ھیں کہ پنجاب اور سندھ کے سیوی لوگ یونانی مقدونی کے آگے بھی جھکے نہ تھے اور اگر جھکے تھے تو ان کے سیاسی شعور نے انھیں صرف ایک سو سال بعد جمہوریت پر مائل کر دیا تھا ۔ یہ سکے اس امر کے بھی داعی ھیں کہ پنجاب اور سندھ کے سیوی لوگوں نے سوریا خاندان کی سربراھی بھی تسلیم نہ کی تھی ۔

بہرحال سیوی ، مادا ، گندھارا ، مالا اور کمبوجہ کی آزاد ریاستیں رگ وید کے دور سے لے کر یجر وید اور سام وید اور اپنشاد کے زمانہ سے بھی بعد تک قائم رہی تھیں ۔ خصوصیت سے سیوی ریاست تو بڑی ھی جاندار نکلی تھی ۔

۱۔ را چوھدری پولٹیکل ھسٹری آف اینشنٹ انڈیا ص ۱۷۰ ۔

۲۔ پری بدھسٹ انڈیا ص ۵۳ ۔ را چودھری پولٹیکل ھسٹری اینشنٹ انڈیا ص ۱۷۰ ۔ ۱۷۱ ۔ کارپوریٹ لائف اینشنٹ انڈیا ص ۲۸۰ ۔ ۲۸۲

فصل سوئم

آرین ریاستوں کے ذرائع آمدنی

آج کے دور کی طرح اس قدیم دور میں بھی جب آرین شمال مغربی ہند کے وسیع و عریض میدانوں پر آندھی کی طرح چھا گئے تھے ، آرین ریاست کی آمدنی کا زیادہ تر انحصار زمینوں کے لگان اور مصنوعات اور تجارت پر عائد کیے جانے والے ٹیکسوں پر تھا ۔ مصنوعات کی پیداوار اور تجارت چونکہ کم تھی ، اس لیے بے چاری زمین نے آرین سربراہی کا زیادہ بوجھ برداشت کیا اور زمین کی پیداوار میں بادشاہ کے حق کو ہر طرح سے تقدم نصیب ہوا ۔ پری بدھسٹ کے مصنف کی رو سے ان دنوں زمین کی پیداوار میں سے بادشاہ جو حصہ وصول کرتے وہ ' بالی ' کہلاتا اور عموماً جنس کی صورت میں بادشاھوں کے نمائندوں کو سونپا جاتا ۔ یہ نمائندے ہر گاؤں کے چودھری ہوتے تھے اور یہ ہر کھیت سے بلا کسی امتیاز پیداوار کا چھٹا حصہ ، فصل کٹتے وقت الگ کر لیتے تھے ۱ ۔

بادشاہ اگر منصف اور فرض شناس ہوتا تو اس کے آدمی پیدوار کی تقسیم کے وقت کاشتکاروں کے ساتھ بے انصافی نہ کرتے ۔ لیکن ایسی صورت میں جب بادشاہ ظالم ہوتا تھا ، اس کے کارندے پیداوار کا زیادہ حصہ بھی وصول کر لیتے تھے ۔ اس بات کی شہادتیں بھی ملتی ہیں کہ کبھی کبھی پیداوار کا تیسرا اور چوتھا حصہ بھی بادشاھوں کے خزانوں میں پہنچ جاتا تھا اور عوام کوئی احتجاج نہ کر سکتے تھے ۲ ۔

۱۔ اکنامک تھاٹ ص ۱۲۷ ۔ ویدک انڈکس جلد ۲ ص ۶۲ ۔ پری بدھسٹ انڈیا ص ۱۴۱ ۔ تھامس ۔ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۰۹ ۔ ص ۴۶۶ ۔ ۴۶۷ ۔

۲۔ اگریرئن سسٹم ان اینشنٹ انڈیا ص ۲۵ ۔ و ۔ ۱۰۸ ۔

البتہ بعض جتکا کہانیاں اس امر پر بھی دال ہیں کہ کبھی عوامی احتجاج سن لیا جاتا تھا۔ مثلاً ایک جتکا کہانی کہتی ہے کہ ایک بار ایک شہزادہ اپنے چھوٹے بھائی کو تخت و تاج سونپ کر ایک گاؤں میں رہنے لگا۔ اس نے ایک بنیے کے ہاں رہائش اختیار کی۔ کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ شاہی کارندے یا عمال گاؤں کی زمین کی ازسرِ نو پیائش کرنے کے لیے گاؤں میں آن پہنچے اور بنیے کی زمین کے ساتھ ساتھ پورے گاؤں کی زمینیں از سرِ نو ناپ ڈالیں اور لگان بڑھا دیا۔ بنیے اور گاؤں کے لوگوں نے بڑے شہزادے سے استمداد کی اور اس کی سفارش پر ان کا لگان خاصی شرح تک کم کر دیا گیا[۱]۔

ایک اور جتکا کہانی میں اس عہدیدار کا نام بھی لکھا ہے جو زمین کی پیائش کیا کرتا۔ اس کہانی کی رو سے اس عہدیدار کا نام راجو گاھکا تھا جو اس کی مدد سے زمینوں کی پیائش کرتا اور بادشاہ کے حق کا تعین فرماتا تھا۔ بادشاہ کی طرف سے لاٹھی اٹھانے والا عہدیدار لاٹھی سے رسی باندھ کر رسی کاشتکار یا مالک کے ہاتھ میں تھما دیتا اور وہ رسی اٹھائے اٹھائے کھیت کے آخری کونے تک پہنچ جاتا۔ رسی پھر اس لاٹھی سے ناپ لی جاتی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض کھیتوں کی پیداوار کو ماپنے کی ضرورت نہ سمجھی جاتی تھی۔

یوں ایک جتکا کہانی اس شاہی محاسب کا حال بھی بیان کرتی ہے جو ایک کھیت کی پیداوار کو ایک خاص پیمانہ سے ماپ کر اسے الگ کرتا جا رہا تھا، اس کے دائیں بائیں اناج کے دو ڈھیر تھے، ایک ڈھیر کاشتکار کا تھا اور ایک سرکاری۔ وہ کسی ضروری کام سے ماپنا چھوڑ کر اندر داخل ہوا، لوٹ کر آیا تو اسے یاد نہ رہا کہ کون سا ڈھیر سرکاری ہے اور کون سا غیر سرکاری۔ اس خیال سے کہ بادشاہ اور کسان کے ساتھ زیادتی نہ ہو، اس نے دوبارا ماپنا شروع کیا۔

اس داستان کو دھرانے کے بعد رتی لال مہتہ کہتے ہیں کہ یہ کہانی اس امر کا ثبوت ہے کہ پیداوار ماپی جاتی تھی اور ماپ کر بادشاہ کا حق الگ کیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ زمینوں کی پیائش بھی ہوتی۔

۱۔ اگریرئن سسٹم ان اینشنٹ انڈیا، ص ۲۵ و ۲۶۔

کاشتکار یا زمیندار اس بات کے پابند ہوتے کہ جب تک سرکاری کارندے ، پیداوار ماپ کر بادشاہ کا حصہ الگ نہ کر لیں وہ پیداوار گھر نہ لے جائیں ۱ ۔

باشاہ کی طرف سے یہ دونوں عہدیدار میگستھین کے وقت تک موجود تھے اور دونوں کا منصب جدا جدا تھا ۔ ایک زمینیں پیمائش کرتا اور دوسرا پیداوار وصول کرتا تھا ۔ غالباً ایک کو ہم پٹواری کہہ سکتے ہیں اور دوسرے کو نمبردار کا نام دے سکتے ہیں ۔ ان دونوں عہدیداروں کا تعلق ضلع کے حکام بالا سے ہوتا اور یہ اضلاعی حکام کے سامنے جواب دہ ہوتے تھے ۲ ۔

شروع دور کی ریاستیں چونکہ بہت چھوٹی تھیں اس لیے یہ کہنا غلط ہوگا کہ شروع میں ، اس طریقِ کار نے کسی منظم نظام کی شکل اختیار کر لی تھی ۔ میگستھین نے جس عہد کا حال بیان کیا ہے وہ تیسری صدی قبلِ مسیح کا عہد ہے ۔ یوں مترا نے وضاحت کی ہے کہ یہ عہدیدار اشوکا اور میگستھین سے پہلے کے عہد میں بھی موجود تھے ۳ جیسا کہ ان دو جتک کہانیوں سے اس امر کا ثبوت میسر آتا ہے جو ہم نے اوپر نقل کی ہیں ۔

انڈین کلچر کے مصنف نے اس دور کے گاؤں کو لگان کی نسبت سے دو طرح پر تقسیم کیا ہے ۔ ایک ایسے گاؤں جن کے باشندے براہ راست ریاست کے ماتحت تھے اور ان کا لگان ریاست کے خزانہ میں جمع ہوتا تھا ، دوسرے وہ گاؤں جو کسی خاص جاگیردار کی جاگیر میں شامل ہوتے ، ایسے گاؤں سے جو لگان وصول ہوتا وہ جاگیردار کو ملتا ، ریاست کو اس سے کوئی سروکار نہ ہوتا تھا ۔ ان دنوں جاگیردار کو گاما بھوجا کا اور ان کی جاگیر کو ، بھوگ گاما کہا جاتا تھا ۔ پہلے لفظ کے لغوی معنی گاؤں کے سربراہ کے ہیں ۔

عجیب بات ہے کہ رتی لال مہتہ مصنف پری بدھسٹ انڈیا نے اس باب میں جو جتکا کہانیاں بطور استشہاد پیش کی ہیں ، ان کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ یہ سب کی سب کہانیاں اس دور کے شاہی کارندوں اور لگان وصول کرنے والوں کے ظلم و زیادتی کا نوحہ کرتی ہیں ۔ ان میں سے

---

۱ ۔ میگستھین وایرین ترجمہ میک کرنڈلے ص ۸۶ ۔

۲ ۔ پری بدھسٹ انڈیا ص ۱۴۵ ۔

۳ ۔ مترا ، انڈین کلچر جلد اول ص ۳۰۹ ۔ ص ۳۰۸ ۔ ۳۱۰ ۔ پری بدھسٹ انڈیا ص ۱۴۴ و ۳۶ ۔

کوئی ایسی نہیں ھے جو اس بات کے ثبوت میں پیش کی جا سکے کہ کاشتکاروں کے ساتھ شاھی کارندے انصاف کرتے تھے۔

رتی لال مہتہ نے ایک کہانی کا یہ اقتباس بھی پیش کیا ھے۔

"کتنے ھی کاشتکار اپنے بچوں اور عورتوں کو لگان میں زیادتی کے سبب اپنے ساتھ لے کر جنگلوں میں نکل گئے۔ اور جہاں کبھی کھیت لہلہاتے تھے، جہاں کبھی سبزہ ھی سبزہ دکھائی دیتا وھاں ھو کا عالم تھا۔"

زمین کی پیداوار پر لگان کے باب میں ظلم و زیادتی کی شکایت کرتے وقت رتی لال مہتہ نے ایک ایسی جتکا کہانی بھی پیش کی ھے، جو چیخ چیخ کر کہتی ھے کہ اس دور میں تجارت پر جو محصول عائد تھے وہ بھی بہت زائد تھے۔

جتکا کہانی ایک بادشاہ کے پایۂ تخت کے متعلق تفصیل پیش کرتی ھے کہ اس کے چار دروازے تھے اور ھر دروازے پر بادشاہ کے محصولیے بیٹھے تھے۔ چاروں دروازوں سے جو مال شہر کے اندر داخل ھوتا یا شہر سے باھر لے جایا جاتا اس کا پانچواں حصہ، کبھی زائد بھی اور کبھی کم بھی، بہ طور محصول وصول کر لیا جاتا تھا[۱]۔

۱- پری بڈھسٹ انڈیا ص ۱۴۴ - ۱۴۶ - ۱۴۷ -

نواں باب

آریائی معاشرہ ، ذاتی ملکیت اور ان کا تصور

دیہی آبادیاں ، شہروں میں بدلیں اور شہروں نے
حضارت و مدنیت کی منازل طے کیں

فصل اول

رگ وید کے زمانہ کا آریائی معاشرہ

رگ وید دور میں آرین خاندان کی سر براہی باپوں کو نصیب تھی اورعورت کی نسبت مردوں کو فوقیت حاصل تھی ۔ ڈراویڈن عہد کی طرح اب مائیں ، مختار کار نہ تھیں ۔ باپ خاندان کے سر براہ تھے اور ان ہی کی طرف بچے منسوب ہوتے تھے ۔ آرین مرد عموماً ایک عورت سے بیاہ کرتے ۔ البتہ شاہزادوں ، امرا ، بادشاہوں اور بڑے لوگوں میں کثرتِ ازدواج کا بھی رواج تھا ۔ بیوی گو صاحبۂ خانہ کہی جاتی لیکن وہ ہر طرح شوہر کی مطیع و فرماں بردار ہوتی تھی ۔ یوں بلاشبہ ، اس دور کی خواتین کا معیارِ اخلاق بہت اونچا تھا[1] ۔

شادی بیاہ پر رگ وید نے کوئی پابندی بیان نہیں کی ۔ البتہ رگ وید یہ ضرور ظاہر کرتا ہے کہ بھائی بہن اور باپ بیٹی کی شادی ممنوع تھی ۔ بچپن کی شادی ان دنوں قطعاً غیر متعارف تھی اور مرد اور عورت دونوں کو میاں بیوی کے انتخاب کا حق حاصل تھا ۔ مرد اپنی پسند کی بیویاں چن سکتے اور عورتیں اپنی چاہت سے شوہروں کے چناؤ پر قادر تھیں ۔ یوں عموماً نوجوان ان بیاہتا لڑکیاں اپنے باپوں کی تحویل میں ہوتیں ۔ ان کی موت کے بعد اگر وہ پھر بھی ان بیاہتا رہتیں تو ان کی سر پرستی بھائی کرتے تھے ۔ جہیز کی رسم بھی تھی اور بیویوں کی قیمت بھی وصول کی جاتی ۔ ایسے داماد ، جو مقبول نہ ہوتے بیویوں کے حصول کے لیے بڑی قیمت ادا کرتے اور بہت تحائف دیتے اور جو لڑکیاں باپ یا بھائی کی تحویل میں ہوتی تھیں اور ان کے باپ اور بھائی ان کو جہیز دے سکتے تو انھیں بڑی آسانی سے شوہر

۱- کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ص ۸۹ بہ حوالہ انڈسچ سٹڈیز جلد ۵ - ۱۷۷ - ۲۱۳ مصنفہ وبر -

مل جاتے تھے بے باپ یا بے سہارا لڑکیاں عموماً شوہروں سے محروم رہتیں اور بداخلاقی کی ذلت اٹھاتیں ۔

رگ وید اس امر کی شہادت بھی دیتا ہے کہ دولھا ، اپنی دلھن کو تقریب کی شکل میں ، اس کے باپ کے ہاں سے اپنے ہاں لاتا ۱ ۔

اگر کسی عورت کا شوہر مر جاتا تو اسے اپنے شوہر کے بھائی سے شادی کرنا پڑتی تھی ۔ اس دور میں بیوہ کی شادی ممنوع نہ تھی جیسا کہ بعد میں ہوئی ۔

باپ ، ماں اور بچے کے باھمی تعلق پر بھی رگ وید روشنی ڈالتا ہے ۔ وہ باپ کو محبت و شفقت کا خزینہ قرار دیتا ہے ۔ اس کے باوجود باپ اپنی اولاد کا ایک طرح سے مختار ہوتا تھا وہ بیٹوں اور بیٹیوں کی شادی کا اہتمام اپنی مرضی سے کرتا ۔ متبنیٰ بنانے کی رسم بھی تھی گو رگ وید نے وستھ خاندان کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اس رسم کو نا پسند کرتا ۔

بیٹے کی شادی ہو جاتی تو وہ بیوی کو لے کر باپ سے الگ نہ ہوتا ، باپ ھی کے ساتھ رہتا اور اس کی بیوی پر باپ کی خدمت لازمی ہوتی ۔ لیکن ایسی صورت میں جب باپ بوڑھا ہو جاتا اور اس کے اعضا کمزور ہو ہو جاتے اور بیٹا گھر کے انتظام اور کاروبار کی نگرانی کی ذمہ داری سنبھال لیتا تو اس کی بیوی بھی ایک طرح سے گھر کی مالکہ بن جاتی تھی۲ ۔

جو شخص بھی خاندان کا سر براہ ہوتا وھی خاندان کی ملکیتوں کی پاس بانی کرتا ۔ رگ وید انفرادی ملکیت کو یقینی طور پر تسلیم کرتا ہے اور ایسی شہادتیں دیتا ہے جب کہ افراد چوپاؤں ، سونا چاندی ، زیورات اور دوسری املاک کا مالک ہوتے تھے اور ایک منتر سے تو معلوم ہوتا ہے کہ نوجوان لڑکی نے ، اپنے بھائی کی طرح اپنے باپ کی مزروعہ زمین ورثے میں پائی تھی ۔ زمین کی پیمائش کے بارے میں بھی رگ وید خاموش نہیں ہے ۔ بعض مشترک چراگاھوں اور اجتماعی قطعات کا بھی رگ وید میں ذکر موجود ہے ۔ باپ کی زندگی میں بیٹے زمین کے مالک نہ سمجھے جاتے تھے ۔ تنہا باپ ھی ، مالک ہوتا ۔ رگ وید میں ایسی کوئی حد بندی نہیں کی گئی

۱۔ پری بدھسٹ انڈیا ص ۲۶۶ پسچل ویدک اسٹڈیز جلد اول ص ۲۷ ۔

۲۔ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ص ۹۰ بہ حوالہ زمر ص ۱۵۹ - ۱۶۰

کہ خاندان کس حد تک پھیل جانے کے باوجود متحد رہتا تھا - یوں یہ ثبوت ملتا ہے کہ ایک خاندان تین پشتوں تک ایک ہی چھت تلے زندگی گزار دیتا تھا - کئی خاندان جو خون کے رشتے سے باہم منسلک ہوتے اور جنھیں ان دنوں برادری کا نام دیا گیا ہے رگ وید کے عہد میں ایک ساتھ مل کر جس بستی میں رہتے تھے ، وہ گرام کہلاتی - ان کا سر براہ گرمانی ہوتا - یہ فوجی اصطلاح تھی اور چونکہ جنگ کے وقت ، آرین برادریاں اپنے ہی جھنڈوں تلے صف بستہ ہوتیں اور اپنے ہی چودھریوں کے ماتحت رہ کر ہتیار اٹھاتی تھیں اس لیے وہ جب ہاتھوں سے ہتیار رکھ کر آباد کاری کی منزل میں داخل ہوئیں تو ان کے فوجی نام تبدیل نہیں ہوئے - چھوٹی برادری پر مشتمل بستی یا آبادی کو گرام کہا جاتا تو اس سے بڑی بستی کو بڑے فوجی گرو کے نام سے یاد کیا گیا اور اس سے بڑے گاؤں یا قصبہ یا کئی قصبات کے اجتماع نے جنا کا فوجی نام پایا جو بعد میں ہندی لفظ جنتا میں بدلا ۱ -

فاضل برڈلے کیتھ نے بڑے اعتماد کے ساتھ لکھا ہے کہ رگ وید کے عہد میں ، آرین شہری زندگی سے نا واقف تھے ۲ - البتہ وہ گاؤں بسا کر رہنے لگے تھے - گاؤں متعدد گھروں پر مشتمل ہوتا تھا - یہ گھر ساتھ ساتھ بنے ہوتے اور ان کی حفاظت و دفاع کی خاطر ان کے گرد مٹی کی فصیل یا چہار پناہ بنا لی جاتی تھی - بعض گاؤں کے گرد کانٹوں دار باڑ پر ہی اکتفا کر لیا جاتا ، ایسے گاؤں جن کے گرد مٹی کی فصیل بنی ہوتی انھیں پر یا پور کہا جاتا تھا اور یہ پور یا پر ڈراویڈن عہد میں بھی موجود تھے - اسی بات سے ہسٹری آف آرین رول ان انڈیا کے مصنف اے - بی ہویل اور لینڈ آف فائیو ریورز کے مولف ہیو کنیڈی نے یہ استدلال کیا ہے کہ آرین دیہاتی زندگی کی بنا و اساس ، ڈراویڈن گاؤں تھا ۳ -

بہرحال فاضل برڈلے کیتھ نے رگ وید سے ایسی اسناد جمع کی ہیں جن سے انھوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ آرین گاؤں شروع شروع میں ،

۱- کیمبرج ہسٹری آف ص ۹۱ - ۹۲ جلد اول -
۲- ایضاً ص ۹۹ -
۳- ہسٹری آف آرین رول ان انڈیا ص ۱۵ - لینڈ آف فائیو ریورز ص ۱۸ -

بانس کے شہتیروں کی چھت والے مکانات پر مشتمل ہوتے تھے ۱ -

فاضل ہیو کنیڈی نے اس بات سے اختلاف کیا ہے - ان کے نزدیک آرین گاؤں کے مکانات کی دیواریں یا تو مٹی سے بنتی تھیں یا ان کی تعمیر میں کچی اینٹیں جو دھوپ میں خشک کی گئی ہوتیں ، استعمال کی جاتیں اور چھتیں سیدھی اور صاف لکڑی کی ہوتی تھیں۲ - ہیو کنیڈی اس امر کی وضاحت بھی کرتے ہیں کہ شروع شروع کی یہ بستیاں عموماً دریاؤں کے نواحی زرخیز اور شاداب میدانوں میں کسی قدر اونچی جگھوں پر آباد کی گئی تھیں اور چونکہ مٹی کے مکانات زیادہ دیر پا نہ ہوتے تھے ، عموماً گرتے رہتے تھے اس لیے ان کی بنیادوں پر نئے مکانات بنا لیے جاتے تھے اور گاؤں عام سطح، زمین سے کافی اونچا ہوتا جاتا تھا اور اپنی اونچائی کے سبب کافی دور سے نظر آجاتا تھا۳- مزید برآں گاؤں کی اونچائی اس لیے اور بھی بڑھ جاتی تھی کہ مکانات بنانے کے لیے گاؤں کے قریب گڑھے کھود کر ان سے مٹی نکال لی جاتی تھی - یہ گڑھے خاصے طویل و عریض ہوتے اور بارش کے دنوں میں ان میں پانی بھر جاتا تھا - چوپائے ، گائے ، بیل اور بکریاں یہیں سے پانی پیتیں اور گاؤں کے لوگ یہیں سے کپڑے دھوتے تھے۴ -

ہر گاؤں کے گرد ایک فصیل بھی بنی ہوتی جس کے اندر آمد و رفت کے لیے مضبوط دروازے تعمیر کیے جاتے تھے - گاؤں کے ساتھ ساتھ تقریباً پورے ماحول میں جو زمین پھیلی ہوتی اس میں سبزیاں وغیرہ کاشت کی جاتی تھیں اور کھیتوں کے گرد کانٹےدار باڑیں باندھ دی جاتی تھیں - ذرا اور آگے کے ماحول میں گاؤں کی مشترکہ چراگاہیں تھیں جہاں گاؤں کے آبادکاروں کے جانور گائے ، بیل ، اور بکریاں ، بھیڑیں دن بھر چرتی رہتی تھیں - ذرا اور آگے جنگل پھیلے ہوتے تھے -

فاضل ہیو کنیڈی اس بات کے بھی مدعی ہیں کہ شروع دور کے آرین قبائل نے جب پنجاب کے میدانوں میں فتوحات حاصل کی تھیں تو

۱- کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ص ۹۹ -
۲- لینڈ آف فائیو ریورز ص ۱۹ -
۳- بیڈن پاویل ، انڈین ولیج کمیونٹی ، ص ۷۲ - ۷۳ -
۴- لینڈ آف فائیو ریورز ص ۱۹ -

انھوں نے اپنی فتوحات کو آپس میں بانٹ لیا تھا ۔ ہر قبیلہ نے زمین کا ایک خاصہ وسیع علاقہ اپنی ملکیت ٹھیرا لیا تھا ۔ یہ قبیلے جتنا بڑا ہوتا اتنا ھی بڑا علاقہ گھیر لیتا تھا ۔ اس باب میں فاضل بیڈن پاویل نے خاصی وضاحت سے کام لیا ھے وہ کہتے ھیں محض اتفاقاً رگ وید میں یہ ذکر آ گیا ھے کہ زمینیں اور کھیت بانس کے ڈنڈوں سے ناپی جاتی تھیں ۔ جس سے اس کے سوا اور کوئی مراد نہیں لی جا سکتی کہ رگ وید بھی ذاتی ملکیت کا قائل تھا اور اس کے عہد میں آرین آبادی میں زمینیں اور کھیت تقسیم کیے جاتے تھے ۔ یوں بڑے آرین قبائل یا بڑے لوگوں کو زمینیں اس طرح ناپنے کی ضرورت کبھی لاحق نہ ھوئی ھو ۔ کیونکہ ان کی فتوحات سے تو ملک کے ملک اور علاقوں کے علاقے ان کے زیرِ تسلط آ گئے تھے ۔ البتہ چھوٹے لوگ لازماً دیہات میں آباد تھے اور کھیتی باڑی سے شغل کرتے تھے اور انھیں اپنی زمینیں اور کھیت ناپنے پڑتے تھے ۔

فاضل بیڈن پاویل نے اس امر کی شہادت بھی دی ھے کہ ایسی صورت میں جب کوئی آرین قبیلے یا بڑا آدمی پہلے سے آباد علاقے کو فتح کرتا اور وہاں کی آبادی اس آرین قبیلہ یا بڑے آدمی کے سامنے ہتیار ڈال دیتی اور اس کی سربراھی تسلیم کر لیتی تو اس آبادی سے اس کی مقبوضہ زمینیں چھینیں نہ جاتیں ۔ اسے پہلے ھی کی طرح بحال رہنے دیا جاتا اور اس سے جنس کی صورت میں پیداوار کا ایک مخصوص حصہ لے لیا جاتا ۔ اور اگر بادشاھتیں یا بڑی ' سربراھیاں ' تبدیل بھی ھو جاتیں یا خود آرین قبائل ایک دوسرے سے لڑ کر ' سربراھی ' کی دستار ایک دوسرے سے جب چھین بھی لیتے تو بھی زرعی مقبوضات میں زیادہ مداخلت نہ کی جاتی ۔

فاضل بیڈن پاویل نے ایسی آرین زرعی ملکیتوں کی خبر بھی دی ھے جنھیں اجتماعی ملکیتوں کا نام دیا جا سکتا ھے ۔ مثلاً ایک پورا آرین قبیلہ مشترکہ طور پر گاؤں کی پوری زمینوں کا مالک تھا ۔ وہ مشترکہ طور پر زمینیں کاشت کرتا اور ان کی پیداوار مساوی تقسیم کی رو سے آپس میں بانٹ لیتا ۔ یوں فاضل بیڈن پاویل کہتے ھیں کہ جہاں تک شروع کے دور کا تعلق ھے جب آرین ابھی نووارد تھے اور فتوحات کا دامن پھیلا رہے تھے ہمیں ملکیت زمین کے بارے میں کچھ معلومات حاصل نہیں ھو سکیں ۔ رگ وید کے کسی منتر میں ایسا کوئی ذکر نہیں ھے ۔

فاضل بیڈن پاویل کی رو سے شروع دور میں جاگیرداری نظام سے بھی آرین متعارف نہ تھے - یوں اس کا ذکر ویدوں میں ضرور آیا ہے کہ راجہ زمینوں سے خراج لیتا تھا اور اس کے ماتحت حاکم گاؤں گاؤں سے اس کا حصہ وصول کرتے ۱ -

ھیو کنیڈی کا بیان ہے کہ شروع دور کے آرین زرعی نظام حیات میں یہ قانون کہ جو شخص پہلے سے کسی غیر مزروعہ زمین کو کاشت کرے اس سے لگان وصول نہ کیا جائے، کچھ زیادہ ناپسندیدہ نہ تھا۲ -

شروع دور کی دیہاتی آرین آبادی میں قتل و خون اور باھمی افساد و خونریزی بہت ھی کم تھی - اگر کبھی گاؤں کا کوئی فرد کسی دوسرے فرد کو قتل کر دیتا تو اس کا یہ جرم قطعاً معاف نہ کیا جاتا - کیونکہ خانہ بدوش قبائل میں یہ بہت پرانا دستور ہے کہ اگر کوئی کسی کا خون بہائے تو اس کا خون بھی بدلے میں لازماً بہایا جائے - البتہ یہ ضرور ھوتا کہ قاتل کے اعزا مقتول کے ورثا کو خون بہا قبول کرنے پر بھی آمادہ کر لیتے تھے - یہ خون بہا حیثیت کے مطابق کم بھی ھوتا اور زیادہ بھی مقتول کی حیثیت اس کی زمینوں اور چوپایوں کی ملکیت سے متعین کی جاتی تھی - اور قبیلے کے چودھری اور سربراہ اس بات کی سر توڑ کوشش کرتے کہ فریقین میں مصالحت ھو جائے اور بات مزید خون ریزی پر منتج نہ ھو - لیکن ایسی صورت میں جب مقتول دوسرے قبیلہ سے ھوتا تو معاملہ کسی قدر سنگین ھو جاتا اور عموماً قبائلی لڑائی شروع ھو جاتی تھی۳ -

شروع شروع میں آرین قبیلوں کے سربراہ محض اپنی صوابدید اور رائے سے باھمی جھگڑوں کا فیصلہ کرتے - ان کے فیصلے کسی اصول پر مبنی نہ ھوتے اور نہ کوئی مذھبی روایت ان کی رھنما بنتی - البتہ جیسا کہ ھیو کنیڈی کہتے ھیں - یہ قبائلی سردار حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس مشہور فیصلے کو ھمیشہ پیش نظر رکھتے جو انھوں نے ایک بچہ کی دعویدار دو

۱- بیڈن پاویل انڈین ولیج کمیونٹی ص ۲۰۵ -

۲- ھیو کنیڈی لینڈ آف فائیو ریورز ص ۲۵ -

۳- لینڈ آف فائیو ریورز ص ۲۶ -

عورتوں کے مقدمہ میں صادر فرمایا تھا۱ ۔ لیکن بعد کے قبائلی سردار ان روایات کو فیصلے کے وقت ذہن میں رکھتے ، جو ان کے پہلوں نے ایسے ہی مقدمات میں قائم کی تھیں ۔ باقی مسائلِ حیات میں بھی قبیلہ کے پہلے افراد کی قائم کی ہوئی رسوم و رواج کی پابندی لازمی سمجھی جانے لگی تھی ۔

جب تک قومی روایات کو قلمبند کرنے کا دستور نہ چلا تھا اور لکھنے کا فن عام نہ ہوا تھا پہلی قومی روایات سینہ بہ سینہ اگلی نسلوں کو پہنچتی اور بڑے اور دانا بینا لوگ انہیں زبانی یاد رکھتے اور قبائلی رہنمائی میں ان سے مثال لیتے ۔ ایسی روایات جنہیں قبولِ عام نصیب ہوتا ، اگلی نسلیں انہیں لازماً مشعلِ راہ بناتیں۲ ۔

فاضل برڈلے کیتھ کی رو سے رگ وید کے دور میں گئے بڑی مقبول تھی ، شاعر گیتوں میں اس کا ذکر کرتے اور دیوتا اندر کی محبت کو گئے کی اپنے بچھڑے سے شفقت سے مشابہ ٹھیراتے تھے ۳ ۔ گائیں رات کے وقت اور دھوپ میں سایوں میں رکھی جاتیں ، دن کو وہ چراگاھوں میں چرتی رہتیں ۔ دن رات میں کوئی تین بار ان کا دودھ دوھا جاتا ۔ بیل ھل جوتنے میں استعمال ہوتے ، چھکڑوں میں بھی جوتے جاتے ۔ گئے ، بیلوں کے بعد گھوڑوں کا درجہ تھا ۔ گھوڑے عموماً دو کام آتے تھے ، ایک تو انھیں رتھوں میں جوتا جاتا اور دوسرے عام سواری میں استعمال ہوتے ۔ گھوڑ دوڑ آرین ویدک دور کا بہت محبوب تفریحی شغل تھا ۔ بکریاں اور بھیڑیں بھی پالی جاتیں ۔ گدھے بھی عام تھے ۔ کتوں کو بھی رکھا جاتا جو رکھوالی اور شکار کے کام آتے تھے۴ ۔

اس دور کے معاشی نظام میں زراعت بڑی اھمیت رکھتی تھی ۔ آرین قبائل شمال مغربی ھندوستان میں داخل ہونے سے پہلے ہی زمین کاشت کرنا

۱۔ رابرٹن سمتھ برانٹس آف اسرائیل ص ۳۱ ۔ جنکس ، اے ھسٹری آف پالیٹکس ص ۴۰ ۔ ۴۱ ۔

۲۔ لینڈ آف فائیو ریورز ص ۲۶ ۔

۳۔ کیمبرج ھسٹری آف انڈیا ص ۹۹ ۔

۴۔ کیمبرج ھسٹری آف انڈیا جلد اول ص ۱۰۰ ۔ لائف ان اینشنٹ انڈیا ، ص ۱۵۲ (مطبوعہ ۱۸۵۶ء لندن)

جانتے تھے ، خصوصیت سے جب وہ ایران میں تھے تو بھی ہل جوتنے کے فن میں مہارت رکھتے تھے ۔

رگ وید میں ہل جوتنے کا ذکر کئی بار آیا ہے ۔ اس میں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ ہل کے آگے بیل جوتے جاتے تھے اور جب فصل کٹ جاتی تو گٹھوں میں باندھ کر سکھا لی جاتی تھی ۔ ان دنوں پنجاب میں گندم کے گٹھوں سے جس انداز سے غلہ حاصل کیا جاتا ہے ، بالکل یہی انداز رگ وید کے دور میں آرین کا تھا ۔

مزید براں ان دنوں نہروں کا بھی رواج ہو گیا تھا کیونکہ رگ وید میں بعض نہروں کا ذکر موجود ہے جو دریاؤں سے نکالی گئی تھیں۱ ۔

شکار اس دور میں بھی عام تھا شکاری شکار کی خاطر تیر کمان استعمال کرتے ۔ پھندوں کا بھی رواج تھا ۔

رگ وید میں بعض صنعتوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے ، خصوصیت سے نجاری یا لکڑی سے چیزیں بنانے کا پیشہ تو خاصا معزز تھا ۔ اس کی وجہ ایک تو یہ تھی کہ ترکھان نہ ہوتا تو جنگی رتھیں ، چھکڑے ، گھوڑ دوڑ کی گاڑیاں اور ہل اور اس قسم کی دوسری اشیا کیسے بنتیں ۔ بڑھئی کے بعد دوسرا بڑا پیشہ لوہار کا تھا جو لوہے کو بھٹی میں پگھلا کر اس سے تلواریں ، نیزے ، زرہ بکتریں ، تیروں کے پھل اور دوسرے اسلحہ ، کلھاڑیاں ، چھریاں خنجر ، اور چاقو بھی بناتا اور کھانے پینے اور گھریلو استعمال کے برتن بھی تیار کرتا ۔ یہ برتن لوہے کے ہوتے تھے یا پیتل کے یا تانبے کے رگ وید نے اس کی وضاحت نہیں کی ۔

گھریلو صنعتوں میں چرخہ کاتنے ، کپڑے بننے اور گھاس سے چٹائیاں تیار کرنے کی صنعتیں زیادہ ممتاز تھیں ، عورتیں کپڑے بھی سینا جانتی تھیں۲ ۔

فاضل پروفیسر برڈلے کیتھ نے رگ وید کی شہادتوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اس کے دور میں مذکورہ بالا پیشے حقیر نہ سمجھے جاتے تھے ۔

۱- کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ص ۱۰۰ ۔

۲- ایضاً ، ص ۱۰۱ ۔ انڈو آرین جلد اول ص ۱۶۶-۱۶۷
ولسن رگ وید جلد ۲ ص ۳۰۷ ۔

رگ وید میں گو یہ وضاحت موجود نہیں ہے کہ مفتوح عوام کے افراد یا غلاموں سے کیا کام لیے جاتے تھے، لازماً وہ مختلف گھریلو اور زرعی خدمات انجام دیتے۔ وہ صنعتوں کے فروغ کا بھی باعث ہوتے، لیکن رگ وید، اس دور کا جو آرین سماج ہمارے سامنے پیش کرتا ہے، اس میں آرین قبائل کے حر اور آزاد افراد، صنعتی اشغال یا ہل جوتنے اور اس قسم کے دوسرے کاموں سے گریز نہ کرتے تھے۱۔

ویدک دور کے آرین دریاؤں کو عبور کرنے کے لیے کشتیاں بھی استعمال کرتے تھے، وہ ان سے نقل و حمل کا کام بھی لیتے۔ لیکن رگ وید میں صرف ایسی کشتیوں کا ذکر ہے جو چپوؤں سے چلائی جاتیں، بادبانوں یا لنگروں اور مستولوں کا قطعاً ذکر نہیں کیا گیا جس سے خیال ہوتا ہے کہ آرین سمندروں تک نہیں پہنچے تھے۔

مردوں اور عورتوں کے ملبوسات کے سلسلے میں رگ وید بتاتا ہے کہ عام طور پر تین یا چار قسم کے لباس استعمال ہوتے تھے۔ عموماً ملبوسات بھیڑ کی اون سے تیار کیے جاتے تھے۔ ویدک دور میں آرین نے کپڑے کی صنعت میں بڑی مہارت حاصل کر لی تھی۔ یوں کھالیں بھی پہنی جاتیں۔ امیروں کی خواتین اور امرا کے ملبوسات پر زری کا کام بھی ہوتا اور بیل بوٹے بھی بنائے جاتے تھے، مرد اور عورتیں زیورات بھی پہنتیں۔ گلوبند، بازوبند، کنگن اور بندوں کا استعمال عام تھا۔ زیادہ تر زیورات سونے کے ہوتے تھے۔ بالوں میں تیل بھی ڈالا جاتا اور کنگھی بھی کی جاتی تھی ۲۔

ڈاڑھیاں عموماً رکھی جاتی تھیں یوں منڈوانا غیر متعارف نہ تھا۔ عورتیں سر کے بال بڑھاتیں اور انہیں زلفوں کی شکل دے لیتیں۔ مرد بھی سر کے بال رکھتے۔ رگ وید وسستھ پروہتوں کے بارے میں کہتا ہے کہ ان کے بال دائیں سمت کی طرف گوندھے جاتے تھے۔

دودھ عام خوراک کے طور پر استعمال ہوتا۔ کبھی کبھی اس میں روٹی بھگو لی جاتی۔ گھی اور مکھن بھی کھایا جاتا۔ گندم کا آٹا پیسا جاتا اور اس سے روٹی پکتی۔ یہ روٹی کیسی ہوتی، رگ وید نے اس کی

۱- کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ص، ۱۰۱ -
۲- ایضاً

وضاحت نہیں کی ۔ سبزیاں اور پھل بھی خوراک کا اہم حصہ ہوتے تھے ۔

رگ وید کے زمانہ کے آرین گوشت خور تھے ۔ وہ قربانیوں کے موقعوں پر اور مہمانوں کی خاطر تواضع کے لیے بیل ذبح کرتے ۔ رگ وید میں آرین بادشاہ دیوداس رتی تھگوا کی خصوصیت یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ مہمانوں کے لیے بیل ذبح کیا کرتا اور انہیں ان کا گوشت کھلاتا تھا ۱ ۔ اس کے سوا شادی بیاہ کی دعوتوں میں بھی بیل ذبح کیے اور کھائے جاتے ۔

بیلوں ، بکریوں اور بھیڑوں کا گوشت ان دنوں کے آرین عوام کی خوراک کا لازمی عنصر تھا ۔ وہ اپنے دیوتاؤں کے حضور ان ہی جانوروں کی قربانیاں دیتے تھے ۔ گھوڑے کا گوشت صرف اس وقت کھایا جاتا جب گھوڑے دیوتاؤں کے نام پر قربان کیے جاتے ۔ البتہ گاؤ کشی کی رگ وید نے ممانعت کی ہے ۔ وجہ یہ تھی کہ گائے دودھ کا سرچشمہ تھی ۲ ۔

گوشت یا تو لوہے کے دیگچوں میں پکایا جاتا یا بھون لیا جاتا ۔ دودھ کے علاوہ آرین قوم کے دو اور مرغوب مشروب تھے ۔ پہلا اہم مشروب سوما تھا ۔ یہ شراب تھی جو زیادہ تر مذہبی قربانیوں کے وقت استعمال کی جاتی ۔ مذہبی تہواروں اور قربانیوں کے وقت اس کے استعمال میں اس امر کی دلیل ہے کہ یہ کسی وقت بہت مرغوب تھی ۔ خصوصیت سے آرین جب ہندوستان میں کوہ ہندوکش کے دروں کے ذریعے داخل ہوئے تو یہ مشروب پیتے آئے تھے ۳ ۔

چونکہ سوما ہندوستان کی پیداوار نہ تھی ، ہمالیہ کی ایک اونچی چوٹی کے آس پاس کے علاقے کی مخصوص شے تھی اور ہندوستان میں ڈھونڈھنے سے بھی مل نہ سکی تھی ، اس لیے اس کی کمی اس کے تقدس کا باعث بنی اور برہمنوں نے اسے مذہبی تہواروں اور قربانیوں سے مخصوص کر لیا اور آرین عوامی استعمال کے لیے گندم سے شراب کشید کرنے لگے ، جو رگ وید کی اصطلاح میں سورا کہی گئی ہے ۔ سوما کے بعد یہی زیادہ استعمال کی جاتی اور یہی عوامی مشروب تھی ، چونکہ یہ زیادہ تیز بھی ہوتی

۱۔ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ص ۱۰۰ ۔

۲۔ ہسٹری آف آرین رول ان انڈیا ص ۱۳ ۔

۳۔ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ص ۱۰۲ ۔

اور زیادہ نشہ آور بھی - اس لیے برھمن اسے ناپسند کرتے اور اس کے استعمال کی حوصلہ افزائی نہ کرتے تھے بلکہ اس کے استعمال سے عوام کو روکتے اور کہتے شراب نوشی بری شے ہے ۱-

رگ وید کے دور میں آرین قوم کے قومی کھیل تماشوں اور تفریحوں میں رتھوں کی دوڑ بہت محبوب اور مسرت بخش تفریح تھی - جوا بھی خوب کھیلا جاتا ، آرین کس طرح جوا کھیلتے اور ان کی جوا بازی کی خصوصیات کیا تھیں - رگ وید سے اس کی تفصیں معلوم نہیں ہوتی - آرین رقص کے بھی دلدادہ تھے - خصوصیت سے ناچنے والیوں کے متعدد رقصوں کا رگ وید نے ذکر کیا ہے - یوں رگ وید کھلے میدانوں میں مردوں کے ناچ کے بارے بھی کہتا ہے - موسیقی کے فن نے بھی خوب ترقی کی تھی اور پختگی کی منزل میں پہنچ گیا تھا - موسیقی کے کئی آلات بھی ایجاد ہو چکے تھے - مثلاً چھینا ، ڈھولک اور ڈھول ، عود اور باجہ ، رگ وید کے کئی منتروں میں راگ اور موسیقی کی بہت تعریف کی گئی ہے -

رگ وید کے عہد کے آرین بہت سادہ منش لوگ تھے - وہ باہم لڑتے بھی تھے ، لیکن جب قبیلے کی آن کا سوال درپیش ہوتا تو باہمی لڑائی بھول جاتے اور اپنے سربراہوں کے جھنڈوں تلے مردانگی کے خوب جوہر دکھاتے ۲ -

---

۱- کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ص ۱۰۲ -
۲- اندو آرین جلد اول ص ۳۹۱ -

فصل دوئم

رگ وید کے مابعد کے آریائی معاشرہ کی بنیادی تبدیلیاں

رگ وید کے مابعد کے زمانہ کو مجلسی اور تہذیبی لحاظ سے انفرادی ملکیت کا دور قرار دیا گیا ہے ۔ یعنی اس دور میں خاندان کے سر براہ کو بڑے حقوق مل گئے تھے ۔ مثلاً ایک باپ کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنی جائداد کو چاہے تو اپنی زندگی میں اپنے بیٹوں میں بانٹ دے ۔ اگر وہ اپنی جائداد کو اپنی زندگی میں خود بانٹتا تو اسے یہ حق بھی ہوتا کہ وہ جس بیٹے کو زیادہ دینا چاہتا دے دیتا ، اسے کوئی روکنے والا نہ تھا ۔ بیٹوں کو بھی یہ حق تھا کہ باپ اگر بوڑھا ہو جائے اور اس کے اعضا جواب دے دیں تو وہ باپ کی جائداد و املاک اپنے مابین خود ھی تقسیم کر لیں ۔ یہ تقسیم مساوی ھوتی ، البتہ اگر باپ مر جاتا تو بڑے بیٹے کو چھوٹے بیٹوں کے مقابلہ میں زیادہ حصہ ملتا ۔

عورت یا بیٹی اور بہن کو وراثت میں شریک نہیں کیا گیا تھا ۔ نہ بیوی کو شوھر کی موت پر اس کی جائداد سے کچھ ملتا ، نہ بیٹی اور بہن ھی کچھ پاتی ۔ شوھر مر جاتا تو بیوی اس کے ورثا کی تحویل میں بالکل اس طرح چلی جاتی جیسے وہ بھی جائداد کا ایک حصہ تھی۱ ۔ اگر وہ بیوی کی شکل میں کچھ کماتی تو یہ اس کے شوھر کی ملک ھوتا اور اگر بیٹی کی حیثیت میں کوئی نفع بخش کاروبار کرتی تو باپ اس سے فائدہ اٹھاتا ، اسے ذاتی ملکیت کا کوئی حق نہ تھا ۔

(عورت ھی کی طرح آرین طبقات میں سے شودرا کو بھی ذاتی ملکیت رکھنے کا حق نہ تھا) ۔

فاضل برڈلے کیتھ نے رگ وید کے بعد کے سمھتہ برھمنا اور اپنشاد کے

---

۱ ۔ کیمبرج ھسٹری آف انڈیا جلد اول ص ۱۳۴ ۔

تعمیق مطالعہ کے بعد یہ رائے قائم کی ہے کہ اس دور میں عورت کا معیار حیات بہت گر گیا تھا ۔ اس کے خون بہا میں دس گائیں مقرر کرنے اور اسے ذاتی ملکیت سے محروم کرنے کا مقصد ہی یہی تھا کہ اسے اس کی سماجی حیثیت سے گرایا جائے اور اس کی قدر گھٹا دی جائے ۔ بادشاہوں کو کئی کئی بیویاں رکھنے کا حق بھی اس لیے دیا گیا تھا ۔ امرا بھی متعدد بیویاں رکھ سکتے تھے ۔ برھمنا میں ایسے کئی جملے درج ھیں ۔ جو عورت کے اخلاقی معیار کو صریحاً گھٹاتے ھیں ، برھمنا میں بیٹوں کی پیدائش کے متعلق تو کہا گیا ھے کہ وہ جنت کے نور کے دھارے ھیں ، وہ پیدا ھوتے ھیں تو ھر سو نور ھی نور پھیل جاتا ھے لیکن لڑکیاں بدنصیبی اور نحوست کی حامل ھوتی ھیں۱ ۔

گو رتی لعل مہتہ مصنف پری بدھسٹ انڈیا نے بھی بڑے واضح الفاظ میں اس دور کے ھندو باپ کے لیے لڑکی کی پیدائش اور اس کے وجود کو نحوست کا نشان ٹھہرایا ھے ۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے ایک لڑکی امرت (امرا) کی مثال بھی پیش کی ھے ، جسے اس کا باپ بہت عزیز جانتا تھا ۔

رتی لعل مہتہ کے نزدیک مہاتما بدھ کی پیدائش سے پہلے کے آرین سماج میں لڑکی کی پیدائش منحوس تو یقیناً تھی لیکن یہ لڑکیاں ماں باپ سے محبت کا خراج لازماً وصول کرتیں ، کیونکہ بچوں سے محبت ایک قدرتی امر ھے ۔

ان دنوں لڑکیوں کی تعلیم پر کتنی توجہ کی جاتی ، اس کے بارے میں نہ تو وید ھی کچھ کہتے ھیں اور نہ جتک کہانیوں سے ھی پتہ چلتا ھے ۔ بہرحال اس دور کی لڑکیوں کو آرین باپ لازماً ناچ اور گانے کی تعلیم دیتے تھے۲ اور ناچ اور گانے میں ان کی مہارت ، ایک بڑی خوبی متصور ھوتی تھی ۔ اس کے سوا نوجوان لڑکی اپنے ماں باپ کے ھاں سے کیا ھنر لے کر شوھر کے ھاں جاتی ، کچھ کہا نہیں جا سکتا ۔ اس دور میں لڑکیاں عموماً سولہ سترہ سال تک اپنے ماں باپ کے ھاں ھی رھتیں کیونکہ بچپن کی شادی ابھی متعارف نہ ھوئی تھی ، لڑکیاں صرف جوانی ھی میں شادی کے قابل سمجھی جاتیں ۔ کبھی ایسا بھی ھوتا کہ لڑکیاں بیس بیس برس تک

۱۔ کیمبرج ھسٹری آف انڈیا ص ۱۳۵ ۔

۲۔ جتکا جز ششم ص ۵۶۵ - ۵۸۵ پری بدھسٹ انڈیا ص ۲۷۷ ۔

کنواری رھتیں ، مگر یہ شاذ و نادر ھی ھوتا تھا ۔ لڑکیاں عموماً سولہ،سترہ برس کی عمر میں بیاہ دی جاتی تھیں ۔ بیاہ کے وقت لڑکوں کی عمر بھی قریب قریب یہی ھوتی برھمن البتہ بیس اکیس سال کی عمر میں بیاھے جاتے تھے کیونکہ اس عمر تک وہ تعلیم پاتے رھتے ۔

رتی لعل سبتھہ نے کئی شہادتیں ایسی پیش کی ھیں جن سے ظاھر ھوتا ھے کہ اس زمانہ میں چچا ، ماموں اور پھوپھی زاد بہن بھائی ایک دوسرے سے عموماً بیاھے جاتے تھے اور یہ رشتے اس وقت کے ھندو آرین سماج میں بہت پسندیدہ تھے ۔ رتی لعل سبتھہ کہتے ھیں ایک جتک کہانی کی ھیروئین رانی پدما کمارا سے جب اس کی مشتعل رعایا میں سے کچھ لوگوں نے پوچھا یہ تمھارے ساتھ کون شخص ھے تو اس نے بڑی تعلی سے جواب دیا تھا ''یہ میرے باپ کی بہن کا بیٹا ھے اور میرے خاندان نے مجھے اس کے ساتھ بیاہ دیا ھے '' ۔

اسی طرح سیوی شہزادہ وسنترا اپنی خالہ زاد بہن سے بیاھا گیا تھا اور ایک اور آرین بادشاہ نے اپنی بہن کے بیٹے سے اپنی بیٹی بڑی شان و شکوہ کے ساتھ بیاھی تھی ۱ ۔

شادی عموماً لڑکی اور لڑکے کے ماں باپ باھمی رضامندی سے سر انجام دیتے تھے اور یہ شادی قانوناً اور رواجاً ، ایک ھی ذات کی لڑکی اور لڑکے میں ھوتی تھی ۔ طرفین کی حیثیت بھی ملحوظ رکھی جاتی ۔ خصوصاً برھمن لڑکے تو لازماً برھمن لڑکی سے بیاھے جاتے ۔ کبھی کبھار یہ رسم ٹوٹ بھی جاتی ۔ مثلاً سیناپتی آھی پراکا نے ایک ھندو بنیے کی خوبصورت بیٹی اوماوانتی سے شادی کر لی تھی ۲ ۔

جتکا داستانیں خاصی کثرت سے ایسے واقعات دھراتی ھیں جب کہ شادی کے وقت لڑکی اور لڑکے سے ماں باپ نے رائے نہ لی تھی اور اپنی ھی مرضی سے شادی کر دی تھی ۔ بلکہ بعض اوقات تو لڑکے اور لڑکی کی مرضی بھی نظر انداز کر دی اور جبراً دونوں کو ایک دوسرے کے دامن سے ٹانک

---

۱ ۔ جتکا جز چہارم ص ۱۰۵ ۔ ۱۳۰ جتکا جز دوئم ص ۱۱۹ ۔ جز ششم ص ۴۸۶ ، پری بدھسٹ انڈیا ، ص ۲۷۹ ۔

۲ ۔ جتکا جز ۵ ص ۲۱۱ ۔ پری بدھسٹ انڈیا ص ۲۷۹ جتکا جز ۴ ص ۳۱۶ ۔

دیا تھا ۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ دو دوست ایک دوسرے سے وعدہ کر لیتے کہ اگر ایک کے ھاں بیٹا ھوا اور دوسرے کے ھاں بیٹی تو یہ دونوں ایک دوسرے سے بیاہ دیے جائیں گے اور یہ عہد لازماً نباھا جاتا تھا ۔ گویا دوسرے لفظوں میں لڑکا اور لڑکی پیدا ھونے سے پہلے ھی ایک دوسرے سے منسوب ھو جاتے تھے ۱۔

آرین باپ اپنی بیٹیاں ، مالدار لڑکوں کے باپوں کے پاس فروخت بھی کر دیتے اور جب بیاہ کرتے تو خاصی رقم لے کر کرتے تھے ۔ یہ رواج کافی عام تھا ۔ اس کے باوجود روپیہ ، '' شادی '' کے لیے کبھی معیار نہ بھی بنتا اور لڑکی کے ماں باپ اپنی بیٹی ایک سادہ منش نیک اطوار اور محنتی مگر غریب نوجوان سے بیاہ دیتے تھے ۔ ایک کہانی میں تو چار بیٹیوں کے ایک آرین باپ نے اپنی چاروں بیٹیاں ، ھمدرد اور شریف نوجوانوں کو بغیر کچھ لیے دیے سونپ دی تھیں ۔

شادی کے مواقع پر طرفین بڑے اہتمام سے کام لیتے ۔ دولھا برات کے ساتھ دلھن کے گھر آتا ۔ دلھن والے اسے خوش آمدید کہتے اور خوب خاطر تواضع کرتے تھے ۔ ڈی ، ای ، گوکل داس نے بڑے وثوق کے ساتھ دعویٰ کیا ھے کہ ان دنوں شادی بیاہ سے برھمن کا رشتہ ناتہ ابھی قائم نہیں ھؤا تھا اور برھمن یا پروھت کو آرین لوگ شادی بیاہ کے موقعہ پر حاضری کی تکلیف نہ دیتے کیونکہ شادی نے ابھی مذھبی تقدس نہیں پایا تھا اور نہ اسے مذھبی سر پرستی ھی حاصل ھوئی تھی ۲۔ ایک جتکا کہانی کا عنوان یہ بھی ھے کہ ایک باپ نے اپنی بیٹی اور داماد کے کپڑوں پر پانی کے چھینٹے دیے اور آنسوؤں سے تر آنکھوں کے ساتھ انہیں اشیر باد دی اور رخصت کر دیا ۳۔ بلاشبہ ماں باپ بیٹیوں کو جہیز (دیاج) بھی دیتے تھے مگر یہ ضروری نہ تھا ۔ اس کا انحصار سراسر ماں باپ کی مرضی پر تھا ۔ معاشرہ کی طرف سے ان پر کوئی پابندی نہ تھی کہ وہ کتنا جہیز اپنی بیٹیوں کو دیں ۔

۱۔ جتکا جز ۲ ص ۱۳۸ ۔

۲۔ گوکل داس سگنی فیکنس آف جتکا مطبوعہ کلکتہ ۱۹۳۱ ص ۱۰۹ ۔

۳۔ جتکا جز ۳ ص ۲۸۶ ۔

ان دنوں " سوئمبر " بھی رچایا جاتا اور بعض آرین یا راجپوت خاندانوں کی چھیتی اور سر پھری نوجوان لڑکیاں اپنی شادی کے لیے سوئمبر بھی رچاتیں اور علی الاعلان تقریب کی صورت میں یا نجی طور پر کئی نوجوانوں میں سے کسی ایک نوجوان کا ھاتھ اپنے ھاتھ میں لے لیتیں۔ عموماً نوجوان لڑکیوں کو یہ حق سولہ سال سے بیس سال کی عمر میں حاصل ھوتا۔ مثلاً راج کماری کرشنا نے اپنے شوھر کا انتخاب ایک بڑی تقریب میں آپ کیا تھا۔ وہ شاھی محل کے ایک جھروکے میں پھولوں کی ٹوکری ھاتھ میں لیے کھڑی تھی اور بادشاہ پانڈو کے پانچ بیٹے اس کی نظر انتخاب کے امیدوار بن کر کھڑکی کے قریب آئے۔ پانچوں کے پانچوں بڑے حسین اور تنومند تھے راج کماری کرشنا نے اپنے ھاتھوں میں پکڑی ٹوکری میں سے پھول اٹھائے اور سب کو ان سے بیک وقت نوازا، اور اپنی ماں سے بڑے اعتماد کے ساتھ کہا " ھم نے ان پانچوں کو اپنے لیے چن لیا ھے "۔ جتک کہانی یہ روداد کہتے وقت گو راج کماری کے باپ کے احتجاج کا ذکر بھی کرتی ھے مگر نتیجہ یہ نکالتی ھے کہ راج کماری کرشنا اپنے فیصلے پر بضد رھی اور سے پانچوں راج کماروں کی بیوی بنا دیا گیا۔

ایک اور مثال سجاتہ کی ھے جو اسورہ بادشا ویک پتوا کی بیٹی تھی۔ اس نے اپنے شوھر کے انتخاب کے لیے ایک بڑا شاندار ' سوئمبر ' رچایا تھا اور اپنی مرضی سے اپنے شوھر کو چنا تھا۔

ایک اور ناگ شہزادی " ایراندتی " اپنے باپ کی مرضی سے، اپنے شوھر کا انتخاب کرنے کے لیے ھمالیہ پہاڑ پر چڑھ گئی تھی اور بڑے فن کار ناچ ناچنے اور بڑے سریلے گیت گانے کے بعد یاکا سپہ سالار پناکا کا دل موہ لینے کے بعد اس کے ھاتھ میں اپنا ھاتھ دے دیا تھا۔

یہ مثالیں گو اس امر پر دال ھیں کہ شہزادیاں اپنے شوھروں کے انتخاب میں آزاد ھوتیں لیکن اس کے معنیٰ یہ نہیں ھیں کہ وہ باپوں کی مرضی کے خلاف یہ اقدام کر سکتی تھیں۔ باپوں کی مرضی بہرحال لازمی امر تھی۔

مشہور شکنتلا اور راجہ دسیانت کی شادی ایک ایسے رواج کا بھی پتہ دیتی ھے جس میں نوجوان لڑکی اور نوجوان لڑکے نے پوشیدہ طور پر، اپنے ماں باپ کے علم کے بغیر ایک دوسرے کو اپنا ساتھی چن لیا تھا۔

کوئی رسم بھی انجام نہیں پائی تھی ، خوبصورت شکنتلا نے نوجوان راجہ دسیانت کو جو جنگل میں اپنی راہ سے بھٹک گیا تھا اپنی مدہ بھری آنکھوں سے کچھ اس طرح گھائل کیا کہ راجہ نے اسے اپنے دامن میں ڈال لیا اور جاتے وقت شاہی انگھوٹھی نشانی کے طور پر دیتے ہوئے کہا اگر تمھارے ھاں لڑکی پیدا ہوئی تو اس انگوٹھی کو بیچ کر اسے پرورش کرنا اور اگر لڑکا ہوا ، تو اسے میرے پاس لے آنا - شکنتلا نے لڑکے کو جنم دیا اور راجہ کو خبر دی اور پھر رسماً اور قانوناً اس کی مہارانی قرار پائی۱ -

ھمیں اس کہانی کی تفصیل سے کوئی سروکار نہیں ہے - یہ کہانی ہم نے محض اس لیے نقل کی ہے کہ ظاہر کر سکیں کہ اس دور کے معاشرے میں بعض خفیہ شادیاں بھی قانونی حیثیت اختیار کر لیتی تھیں اور بعض اوقات بڑے آدمی جن عورتوں کو پسند کر لیتے اور ان سے میاں بیوی کا تعلق خفیہ طور پر قائم کر لیتے وہ ان کے اعلان پر ان کی قانونی بیویاں بن جاتی تھیں -

ایسی ہی ایک مثال راج کمار مہوسادہ نے اعلانیہ پیش کی تھی ، اس نے اپنی بہن سے جو اس کی مختار کار تھی ، شادی کے باب میں اختلاف کیا اور اس کی پسند کی لڑکی کو بیوی بنانے سے انکار کر کے جنگل کی راہ لی - جنگل میں پھرتے پھرتے اس کی ملاقات ایک دیہاتی لڑکی آمارہ نامی سے ہوئی جو بہت تیز ، بڑی چنچل اور بڑی ہوش مند اور دانا لڑکی تھی - مہوسادہ اس کو دیکھتے ہی اس کی محبت میں گرفتار ہوا - اس کے ساتھ ساتھ ہو لیا اور اس کے گھر کئی دن ٹھہرا اور پھر اسے ، اپنے ساتھ محل میں لے آیا۱

ایسی کئی مثالیں بھی ملتی ہیں جب کہ بادشاہوں یا طاقت ور لوگوں نے اپنے مفتوح اور مقتول رقیبوں کی بیویوں کو فتح کے وقت ہی اپنے حرم میں ڈال لیا - ڈاکو اور لٹیرے بھی لڑکیاں اغوا کر کے لے جاتے اور انھیں اپنی بیویاں بنا لیتے تھے -

بڑے آدمیوں اور راجوں مہاراجوں حتیٰ کہ آرین سربراھوں کی کئی کئی بیویاں ہوتیں - ایک راجہ کے بارے میں تو جتکا کہانی مبالغہ کی انتہا کر دیتی ہے کہ اس کی سولہ ہزار بیویاں تھیں۱ - یوں اس دور میں

۱- جتکا جز ۶ ص ۱۶۰ — جز ۴ ص ۳۲۰ - ۱۰۰ - پری بدھسٹ انڈیا ، ص ۳۸۳ -

عموماً عام لوگ ایک ھی بیاہ کرتے اور عورتیں بھی ایک ھی شوھر کی بیوی بننا پسند کرتی تھیں - میاں بیوی میں ناچاقی پر شوھر بیوی سے الگ ھو جاتے اور بیویاں شوھروں سے - مثلاً ایک برھمن کے بارے میں کہا گیا ھے کہ وہ خاص سیدھا سادہ آدمی تھا ؛ اپنی چالاک بیوی کے کہنے پر گھوڑے کی طرح ھنھناتا کاٹھی کمر پر لادے بازار میں نکل گیا - لوگ اس کی حماقت پر خوب ھنسے اور اسے اس قدر غصہ آیا کہ بیوی کو گھر سے نکال کر دوسری عورت سے بیاہ کر لیا -

ایک اور مثال اس شوھر کی بھی ھے ، جس نے بلاوجہ اپنی بیوی کو چھوڑ کر دوسرا بیاہ کر لیا تھا -

ایک خاوند کے مرنے پر آرین عورت دوسرا خاوند کرنے کی بھی مجاز تھی - مثلاً ایک جتک کہانی کا عنوان ھے کہ بادشاہ وسنترا اپنی بیوی سے جو سادی شہزادی تھی ، بڑی حسرت کے ساتھ وصیت کرتا ھے 'میری موت کے بعد تم جس آدمی سے شادی کرو اس سے محبت کرنا - شادی ضرور کرنا اور اس کے بغیر نہ رھنا' ۱-

ایک اور مثال ایسی بھی ھے جب کہ ایک عورت نے شوھر کی بدصورتی کے سبب اس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی اور اسے حق مل گیا تھا کہ دوسرا بیاہ کر لے -

فاضل رتی لعل مہتہ نے ایسی بہت سی جتک کہانیاں ڈھونڈ نکالی ھیں جن سے ظاھر ھوتا ھے کہ اس دور کے سماج میں عورت کے بارے میں دو متضاد قسم کے نظریے عام تھے - ایک طبقہ نے عورت میں ھزار عیب پیدا کر دیے تھے اور دوسرا طبقہ اسے جنت کی تخلیق ٹھیراتا تھا -

بہ ھر نوع اس دور کے سماج میں دونوں قسم کی عورتیں موجود تھیں ، اچھی بھی اور بری بھی - کئی سو جتک کہانیاں بری عورتوں سے متعلق ھیں اور ایسی کہانیوں کی بھی کمی نہیں ھے جو اچھی ، وفا شعار اور نیکوکار عورتوں کے گن گاتی ھیں -

اس دور کی عورتیں عام ادوار کی طرح عمدہ ملبوسات اور زیورات کی

۱- رگ وید ترجمہ جلد اول ص ۱۲۴ اتھر وید جز ۱۸ ص ۵۱ جتک جز ۵ ص ۳۰۲ - ۲۱۲ - ۲۰۴ - ۲۱۵ - ۳۰۳ -

بڑی شوقین تھیں ، عورتیں اور مرد عموماً قمیص یا جیکٹ اور پاجامہ پہنتے تھے - عورتوں کے پاجامے اور جیکٹ عموماً ریشمی اور چمکدار رنگوں کے ہوتے تھے اور مردوں کے سیدھے سادے - امرا کی عورتیں زیورات میں ہار ، مالا ، گلو بند ، بندے ، چوڑیاں ، بازو بند ، کڑے ، پازیبیں پہنتی تھی -

عورتیں چہروں پر ملنے کے لیے غازے پوڈر بھی استعمال کرتیں - جسم کے مختلف حصوں کو رنگوں سے گندھواتی بھی تھیں تا کہ حسن میں اضافہ ہو - وہ بالوں کو کئی کئی حصوں میں گوندھتیں ، مانگ میں سونے کے چمکیلے اور جڑاؤ ٹکے بھی سجاتیں ، ہاتھوں اور پاؤں میں مہندی بھی لگاتیں - شاہی گھرانوں اور امرا کی خواتین کو چھوڑ کر باقی عام عورتیں گھروں کے کام کاج خوب کرتیں - خصوصیت سے دیہاتی کسان عورتیں تو کھیتوں کو پانی بھی دیتیں ، جانوروں کی رکھوالی بھی کرتیں اور شوہروں ، بھائیوں اور باپوں کو کھیتوں پر کھانا بھی پہنچاتیں[۱] -

فاضل برڈلے کیتھ نے یجر وید ، برھمنا اور اپنشاد کی بعض عبارتوں سے یہ رائے بھی قائم کی ہے کہ اس دور کے معاشرے میں عیاشی حد سے زیادہ بڑھ گئی تھی[۲] -

رتی لال مہتہ نے تو ایسی بہت سی جتک کہانیاں نقل کی ہیں جو اس امر پر دال ہیں کہ راجوں ، مہاراجوں اور بڑے آدمیوں کے ہاں ، فاحشہ عورتوں کی خاصی بڑی تعداد موجود ہوتی تھی - یہ عورتیں ناچتیں ، گاتیں اور اپنے مالکوں کی ہوس پوری کرتیں - ان دنوں 'عورتیں' قانوناً اپنا جسم اور اپنی خواهشات مردوں کے پاس بیچنے کی مجاز تھیں - قانون ان کی سر پرستی کرتا تھا -

مثلاً ایک کہانی ایک فاحشہ ونداسی کا حال کہتی ہے جس نے ایک نوجوان سے ہزار سکے لے کر اپنا آپ اس کے سپرد کر دیا تھا - یہ نوجوان کچھ دیر اس کے پاس ٹھہرا اور پھر ایسا غائب ہوا کہ تین سال تک نہ لوٹا اور اس دوران میں اس عورت کی مالی حالت بہت خراب ہوگئی - وہ ایک منصف کے دروازے پر پہنچی اور اس سے اپنا حال کہا اور اس

۱- پری بدھسٹ انڈیا ص ۲۹۱ - جتکا جز ۲ - ص ۳۲۸ - ۳۹۱ - ۴۲۸

۲- جتکا جز ۳ ، ص ۵۹ — ۶۳ - ۶۹ — ۴۲ -

نے اسے اجازت دی کہ نوجوان کو بھول کر اپنا پیشہ پھر سے شروع کر دے۔

یہ کہانی جہاں فحاشی کے قانونی ہونے پر دال ہے وہاں اس امر کا بھی ثبوت ہے کہ فاحشہ جب اپنا آپ روپے لے کر مرد کے پاس بیچ دیتی تھی تو اگر یہ رقم خاصی معقول ہوتی تو اسے اس کے احترام میں کافی مدت تک دوسرے مرد کے پاس اپنے آپ کو فروخت کرنے کا حق نہ ہوتا۔

جتکا جز سوئم میں ایک طویل کہانی ایک فاحشہ شاما کی بیان ہوئی ہے۔ یہ ایک ساہوکار کی داشتہ تھی، جو اسے ہر رات ایک ہزار روپیہ اجرت دیتا تھا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ شاما کی نگاہ ایک خوبصورت اور تنومند چور پر اٹھ گئی جسے پولیس چوری کے الزام میں پکڑے بازار سے گزر رہی تھی۔ شاما کو اس چور کی جوانی بہت بھائی۔ اس نے ایک ہزار روپے رشوت دے کر اس چور کو چھڑا لیا اور ساہوکار سے چھٹی لے لی۔ لیکن چور عادی چور تھا، وہ شاما کے ایک رات زیورات اور روپیہ لے کر چلتا بنا اور شاما کو دوبارہ پہلا پیشہ اختیار کرنا پڑا[۱]۔

ایک اور کہانی ایک فاحشہ شلاشہ نامی کی بھی اسی نوع کی ہے۔ اس میں فرق صرف یہ ہے کہ شلاشہ چور کی نیتِ فاسد سے واقف ہونے کے بعد اس کو پہاڑ پر سے گرانے میں کامیاب ہو گئی تھی اور اپنے آپ کو اس کا شکار بنانے کی بجائے اس کا شکار کر لیا تھا، اور واپس آن کر دوبارا اپنا پیشہ شروع کر دیا تھا اور اس کے رؤسا سرپرست اس کے پاس پھر آنے لگے تھے۔

فاضل برڈلے کیتھ نے اس دور کے معاشرے میں عورت مرد کی حیثیت سے متعلق یہ رائے بڑے گہرے مطالعے کے بعد قائم کی ہے کہ ان کے راوبط تہذیبِ نو کے پیمانے پر پورے نہ اترتے تھے۔ مرد حد درجہ عیاش تھے۔ قانون ان کو بھی عیاشی کی سند دیتا تھا اور عورتوں کو بھی حق بخشتا تھا کہ نکاح کے بغیر مردوں کا لقمۂ تر بنیں[۲]۔

۱۔ جتکا جز ۳، ۴۳۵ - ۱۸ - ۲۶ -

۲۔ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ص - ۱۳۶ -

اس دور کی جنسی عیاشی کی ایک بڑی وجہ بڑی یہ تھی کہ ذرائع آمدنی بہت بڑھ گئے تھے - فتوحات کا دامن بہت پھیل گیا تھا ، صنعتیں ترقی کر گئی تھیں - خصوصیت سے زراعت نے تو ترقی کی انتہائی منازل کو چھو لیا تھا - زراعت پیشہ لوگ اراضی کے بڑے بڑے ٹکڑوں کے مالک ہو گئے تھے اور انھوں نے ان بڑے بڑے ٹکڑوں کو بونے کے لیے اپنے ہل پہلے سے لمبے اور بوجھل بنا لیے تھے - حتیٰ کہ یہ اتنے بوجھل ہوتے تھے کہ چوبیس چوبیس بیل ایک ایک ہل میں جوتے جاتے - ہل تو بوجھل تھے مگر ان کی نوکیں اور منہ بہت تیز ہوتے - دستہ اتنا ہی ہلکا اور نرم تھا ۱- ان دنوں پنجاب ، سرحد اور سندھ میں پرانے انداز کے جو ہل استعمال ہوتے ہیں ، بیڈن پاویل ، ہیو کنیڈی اور رابرٹس کی رو سے یہی شکل تریب قریب یجر وید ، اپنشاد اور برھمنا دور کے ہلوں کی تھی ۲-

موجودہ ہل بہت چھوٹے اور ہلکے پھلکے ہیں اس دور کے ہل بہت بوجھل تھے - چونکہ ان ہلوں کے پھلوں یا نوکوں کے لیے لوہا ہمالیہ سے درآمد کیا جاتا تھا ، اس لیے ان میں لوہا کم سے کم استعمال ہوتا - ہل کا پورا ڈھانچہ تو لکڑی سے بنتا ، صرف منہ یا نوک لوہے کی ہوتی تھی اور کوشش کی جاتی کہ کم سے کم لوہا خرچ ہو ۳- زیادہ تر ہل بیلوں کی مدد سے چلائے جاتے تھے ، اس لیے بیلوں کا تحفظ ضروری معلوم ہوا - اور گاؤکشی سب سے بڑا جرم ٹھیرا ۴- یہ جرم کوئی نیا نہ تھا ، اشوری عہد میں اور اشوریوں اور اسیریوں کے نزدیک بھی یہ جرم تھا - بہرحال پنجاب میں ان دنوں بیلوں کی نہ صرف حد درجہ حفاظت کی جاتی ان کی پرورش اور نگہداشت پر بھی غیر معمولی توجہ دی جاتی ۵- اور فاضل سمتھ کا تو بیان ہے کہ تین سو سال قبل مسیح میں جب سکندر اعظم نے ارض پنجاب میں قدم رکھے تھے تو یہاں کے بیلوں کی پرورش اور نگہداشت کے نظام سے

---

۱ - کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ص - ۱۳٦ -
۲ - بیڈن پاول انڈیا ولیج کمیونٹی ص ۱۸۹
۳ - رابرٹس ۴۷ - ۱۵ - ۱۷ -
۴ - موالینڈ ص ۱۰٦ -
۵ - ایضاً ص ۱۰٦ -

بے حد متاثر ہوا تھا اور یہاں کے بیل مقدونیہ بھجوائے تھے ۱ ۔

ان دنوں کھاد کا استعمال بھی عام تھا ، یوں درختوں کے گلے سڑے پھلوں اور پتوں سے کھاد بنانے کا کام چینیوں نے کنشر دور میں شروع کیا تھا۲ ۔

گو پنجاب ، سندھ اور سرحد کے میدانی علاقے رگ وید کے دور میں بڑے فیاض اور وسیع الظرف دریاؤں سے سیراب ہوتے رہے ہیں ۔ اس کے باوجود سرحد ، سندھ اور پنجاب میں شروع زمانہ ہی سے ایسے بہت سے زرعی علاقے موجود رہے ہیں جو دریاؤں سے سیراب نہیں کیے جا سکتے تھے اور جو دریاؤں سے خاصے دور تھے اور ان تک نہریں لے جانا قریب قریب ناممکن تھا یا اس دور کے لوگوں کی دسترس سے باہر تھا ، اس لیے ایسی زمینوں کی سیرابی کا انحصار یا تو موسمی بارش پر تھا ، یا کنوؤں اور تالابوں سے مدد لی جاتی تھی ۔

یوں ان دنوں ارضِ پنجاب میں کئی بڑی بڑی جھیلیں بھی تھیں اور ان کے ماحول میں واقع اراضی ان سے زرخیزی مستعار لیتی تھی لیکن زیادہ تر کام کنوؤں سے لیا جاتا کیونکہ کنویں ایک تو آسانی سے کھد جاتے پھر ان سے رہٹ اور بیلوں کی مدد سے پانی حاصل کر لینا جوئے شیر لانے کے مترادف نہ تھا ۔

گو تاریخ حتماً اس دور کا تعین کرنے سے عاجز ہے جب ارضِ پنجاب ، سندھ اور سرحد میں کنوؤں کا رواج شروع ہوا ۔ البتہ بیڈن پاویل ، سمتھ ، مورلینڈ اور ہیز کنیڈی کا بیان ہے کہ یہ رواج بہت ہی پرانا ہے۳ اور اس کی عمر تاریخ کے زمانہ سے بھی پہلے کی ہے ۔ ایسے علاقوں میں جہاں دریا خاصے قریب تھے ، لیکن ان سے نہروں کے ذریعے کھیتوں تک پانی پہنچانا ، دقت طلب تھا وہاں کنوؤں کا استعمال زیادہ ہوتا کیونکہ قریب دریا کے سبب کنویں جلدی کھد جاتے تھے اور پانی بہت تھوڑی

۱۔ سمتھ ص ۵۲ ۔
۲۔ لینڈ آف فائیو ریورز ص ۴۷
۳۔ بیڈن پاویل ۱۸۹ ۔ سمتھ ۱۳۲ ۔ مورلینڈ ۱۰۶ ۔

سطح سے برآمد ہو جاتا تھا ۱ ۔

هیو کنیڈی نے تو دعوی کیا ہے کہ کنوؤں سے رهٹ اور بیلوں کے ذریعے کھیتوں کو پانی دینے کا رواج اسیرین عہد میں بھی تھا ۲۔

فاضل بیڈن پاویل نے پنجاب میں رائج رهٹ کو پرشین ویل یا ایرانی پہیے کا نام دیا ہے اور اس کی قدامت کا اعتراف کیا ہے ۔ یوں یہ احتمال بھی ظاہر کیا ہے کہ اس کا زیادہ رواج ، اس وقت ہوا ، جب مسلمان شمال مغربی ہند میں وارد ہوئے تھے ۳۔

هیو کنیڈی کے نزدیک اس قدیم دور میں دریاؤں سے وسیع پیمانے پر نہریں نکالنے اور ان سے کھیتوں کو سیراب کرنے کی درد سری زیادہ تر مول نہ لی گئی تھی اور فرات اور نیل سے فراعنۂ مصر اور بابل کے قدیم بادشاہوں نے جس انداز سے نہریں نکالی تھیں ، آرین قبائل کے سربراہ نہ نکال سکے تھے ۴۔

زراعت کے بعد شمال مغربی علاقوں کے پہلے اور دوسرے آباد کار آرین قبائل کی معیشت کا انحصار ، گھریلو صنعتوں پر تھا ۔ فاضل برڈلے کیتھ نے یجر وید سے ایسی کئی شہادتیں مہیا کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ گھریلو صنعتیں کافی ترقی کر گئی تھیں اور گاؤں اور قصبات کی ، خاصی آبادی کی زیست کا انحصار ان چھوٹی چھوٹی صنعتوں پر تھا ۵۔ نیز کئی پیشے وجود میں آ گئے تھے ۔ مثلاً مچھیرے ، جو مچھلی پکڑ کر زیست کی راہیں آسان کرتے ، مثلاً شکاری ، جو جنگلوں سے شکار کر کے لاتے اور اس کے عوض روٹی کماتے ۔ مثلاً چرواہے ، مثلاً ترکھان جو رتھیں اور هل اور اس قسم کا دوسرا سامان لکڑی سے تیار کرتے ۔ سناروں کا پیشہ بھی خاص ترقی کر گیا تھا ، یہ لوگ جواہرات اور سونے چاندی کے زیورات تیار کرتے تھے ۔ ٹوکریاں بنانے والا ایک گروہ بھی تھا ، دھوبی بھی تھے ، رسیاں بٹنے والے بھی عالمِ وجود میں آ گئے تھے ۔ رنگریز بھی

۱۔ لینڈ آف فائیو ریورز ص ۷۴ ۔

۲۔ حاشیہ ، لینڈ آف فائیو ریورز ص ۷۵ ۔

۳۔ بیڈن پاویل ، انڈین ولیج کمیونٹی ، ص ۱۸۹ ۔

۴۔ هیو کنیڈی ، لینڈ آف فائیو ریورز ، ص ۷۵ ۔

۵۔ بدھسٹ انڈیا ، ص ۱۸۷ ۔

دکھائی دیتے ، حجام ، کمہار ، لوہار ، تیر کمان بنانے والے ، باورچی ، خشک مچھلی فروخت کرنے والے ، پیادے ، ھرکارے ، معمار ، مٹی کھودنے والے ، اور اس قسم کے کئی اور چھوٹے چھوٹے صنعت پیشہ گروہ ابھر آئے تھے - حتیٰ کہ ڈھول پیٹنے ، باجا بجانے کے کام نے بھی ایک پیشہ کی صورت اختیار کر لی تھی ۱-

خصوصیت سے کپڑا بننے والوں نے تو ایک بڑے گروہ کی شکل اختیار کر لی تھی ، اور کپڑے کی صنعت نے بہت فروغ پا لیا تھا ، اور ھندوستان کے مختلف مقامات کپڑے کی صنعت کے مرکز بن گئے تھے - گندھارا اور ' کدمبرا ' اونی ملبوسات تیار کرنے میں باقی تمام مرکز سے بازی لے گئے تھے - ان کے تیار کیے ھوئے اونی کپڑوں کی بڑی مانگ تھی اور بازار میں ان کی قیمت بہت پڑتی تھی -

زری کا کام بھی ھوتا ، کم خواب بھی بنا جاتا - بادشاھوں کی پگڑیاں عموماً اس کمخواب کی ھوتی تھیں - رانیوں مہارانیوں اور شہزادیوں کے ملبوسات بھی اس سے تیار ھوتے - لیکن زیادہ فروغ سوتی کپڑے کو نصیب تھا کیونکہ عوام کی اکثریت سوتی کپڑے ھی پہنتی تھی -

اس دور میں پنجاب ، سندھ اور سرحد کے کونسے مقامات ایسے تھے جنھوں نے سوتی کپڑے بننے میں خصوص پایا تھا یہ سوال ابھی تک تشنہ جواب ہے -

سوت کاتنے کا چرخہ اور کھڈی کس دور میں ایجاد ھوئے تھے ، یہ بات بھی واضح نہیں ھو سکی - یوں اس میں کوئی کلام نہیں ہے کہ چرخہ اور کھڈی ، رگ وید کے دور سے بھی بہت پہلے کی ایجاد ھیں ، کیونکہ موھن جو ڈیرو اور ھڑپا کی کھدائی کے وقت کئی گھروں سے چرخے اور کھڈیاں برآمد ھوئی ھیں ۲-

کئی جتکا داستانیں اس امر کی غمازی بھی کرتی ھیں کہ اس دور میں کپڑا بننے کا زیادہ کام عورتیں کرتی تھیں ، وہ نہ صرف چرخہ کاتتیں ، کھڈی بھی چلاتیں - مثلاً ایک داستان کا یہ اقتباس پری بدھسٹ انڈیا

۱- کیمبرج ھسٹری آف انڈیا ، ص ۱۳۶ -

۲- موھن جو ڈیرو اینڈ انڈس سویلزیشن جلد اول ، ۳۲ -

کے مصنف نے پیش کیا ہے -

"جب خاتون کھڈی پر بیٹھ کر سارا سارا دن کپڑا بنتی رہتی ہے تو اس کا کام کم سے کم ہوتا جاتا ہے ۱-

ان دنوں ، کپڑے رنگے بھی جاتے تھے اور اس فن نے بھی خاصی ترقی کر لی تھی - اس بات کا ثبوت وہ جتکا کہانی ہے جس میں رنگ سازوں کے بازار اور وہاں موجود رنگین کپڑوں کی روداد بیان ہوئی ہے ۲-

بہ ہر حال اس دور میں کپڑے کی صنعت باقی تمام صنعتوں پر بازی لے گئی تھی ، اور کپڑے تیار کرنے والے لوگ خاصے خوشحال ہوتے تھے -

فاضل ہیو کنیڈی کے نزدیک ان دنوں زیادہ تر دیہات ، ضروریاتِ زندگی کے باب میں خود کفیل ہوتے تھے - لباس اور خوراک ان دیہاتوں کی اہم ضرورتیں تھیں - خوراک زمین سے پیدا ہو جاتی ، لباس بھیڑوں کی اون سے یا کسی قدر بعد کے دور میں کپاس سے گاؤں کے جولاہے خود ہی بن لیتے تھے -

فاضل ہیو کنیڈی نے سکندر اعظم کے بحری سپہ سالار ایڈمرل نیر چوس کے حوالہ سے لکھا ہے جو ۳۰۰ قبل مسیح کا شاہد تھا کہ ان دنوں کے پنجابی دیہاتی ، ایسی قمیض پہنتے تھے ، جو آدھی ٹانگوں تک دراز ہوتی تھی ، وہ ایک چادر سی کندھوں کے گرد بھی لپیٹ لیتے تھے ، اور پگڑی بھی پہنتے تھے -

یہ شہادت گو ویدک دور کے بعد کی شہادت ہے ، لیکن ہیو کنیڈی کہتے ہیں کہ اب تک پنجاب کے دیہات کا لباس قریب قریب یہی ہے اس لیے اندازہ ہوتا ہے کہ ۸۰۰ سال قبلِ مسیح میں بھی پنجابیوں کا لباس یہی ہوگا ۳-

اس باب میں برڈلے کیتھ کا یہ بیان بھی پیشِ نظر رہے کہ آخر کے

۱- جتکا جز ۶ ، ص ۲۶—۱۰۵ -

۲- پری بدھسٹ انڈیا ، ص ۱۹۵ -

۳- ہیو کنیڈی ، لینڈ آف فائیو ریورز ، ص ۹۴ -

ویدک دور میں ۔ نو آرین قبائل کا لباس قریب قریب رگ وید کے دور ایسا ہی تھا ، تاہم ہمیں کچھ زیادہ تفصیل بھی میسر آتی ہے ۔ مثلاً ہمیں ایسے ملبوسات بھی دکھائی دیتے ہیں ، جو ہوتے تو اون کے تھے ، مگر انہیں زعفرانی یا نارنجی رنگوں میں رنگ لیا جاتا تھا ۔ اس کے علاوہ ریشمیں ملبوسات بھی پہنے جاتے تھے ۱۔

ویدک دور کے یہ ملبوسات جن کا ذکر ، فاضل برڈلے کیتھ نے بعد کے ویدوں میں پایا ہے ہمارے نزدیک بڑے لوگوں کے ملبوسات تھے ، کیونکہ بے چاری دیہاتی آبادی ان تکلفات سے ابھی قطعاً ناآشنا تھی ۔ خصوصیت سے شمال مغربی حصوں کی دیہاتی آبادی کو تو زعفرانی یا نارنجی رنگ اور ریشم ابھی میسر نہ آیا تھا ۲۔

اگر فاضل ہیو کنیڈی کے بیان پر بھروسہ کیا جائے اور یہ مان لیا جائے کہ اس دور کے پنجابی ، سندھی اور سرحدی دیہات خود کفیل تھے ، اور ان میں خرید و فروخت کا رواج نہ تھا تو پھر اس دور کی تجارت کچھ زیادہ فروغ نہ پا سکی تھی ۔

فاضل کنیڈی کا یہ استدلال بڑی غور طلب ہے کہ اس دور میں ذرائع آمد و رفت بہت خراب تھے ، اور دیہاتی ماحول میں ایک گاؤں کی پیداوار دوسرے گاؤں تک لے جا کر فروخت کرنا ، کارِ دارد تھا ۔

یوں فاضل کنیڈی اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ اندرونی تجارت ان دنوں اگر فروغ پر نہ مانی جائے تاہم بیرونی تجارت سے انکار ممکن نہیں ہے ۔ کیونکہ بہت ہی قدیم زمانے سے تاجروں کا ایک ایسا گروہ قریب قریب ہر ملک میں موجود رہا ہے ۳۔

اور اس امر کی شہادت فاضل پانیکار نے بھی دی ہے کہ ابھی جب آرین شمالی مغربی ہندوستان میں آباد نہیں ہوئے تھے اور یہاں صرف ڈراویڈن اقوام آباد تھیں تو ان کے تجارتی تعلقات ، مصر ، بابل ، اور دوسرے

۱۔ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول ، ص ۳۷

۲۔ پری بدھسٹ انڈیا ، ص ۱۹۴—۱۹۵ ۔

۳۔ ہیو کنیڈی ، لینڈ آف فائیو ریورز ، ص ۷۹—۸۰ ۔

مشرقی اور مغربی ممالک سے قائم تھے ۱ تو لازماً یہ ماننا پڑے گا کہ ویدک دور میں آرین کے تجارتی تعلقات اب بھی ، مصر ، بابل اور دوسرے مشرقی اور مغربی ممالک سے قائم ہوں گے ۔ بلکہ کچھ کافی حد تک زیادہ بڑھ گئے ہوں گے ۔ کیونکہ وہ تجارتی راہیں جو ڈراویڈن دور میں نقل وحمل کا ذریعہ تھی پہلے کی نسبت زیادہ رواں ہو چکی تھی اور آرین قبائل کے وسیع و عریض کارواں سینکڑوں سال سے انہیں استعمال کرتے شمال مغربی ہند میں داخل ہو رہے تھے ۔

بلا شبہ ، پنجاب ، سرحد اور سندھ کے زیادہ تر دیہات خود کفیل تھے ۔ ان کی سادہ لوح آبادی ملک ملک کے نوادرات اور مصنوعات کی خریداری کی سکت نہ رکھتی تھی اور نہ اسے اس کی احتیاج ہی تھی ۔ تاہم اس سمت کے بعض ایسے دیہات بھی تھے جہاں کچھ مخصوص صنعتیں پنپ گئی تھیں ۔ کہیں مٹی کے برتن بہت عمدہ بنتے ، کہیں کے لوہے اور تانبے سے تیار ہونے والے برتنوں اور اوزاروں نے شہرت پالی تھی اور کہیں کی چھریاں چاقو ، خنجر ، تلواریں اور بھالے اپنی مثال آپ سمجھے جاتے اور ان پر لازماً ، ان تاجر گروہوں کی نگاہیں اٹھتیں ، جو نوادرات اور مخصوص مصنوعات کے متلاشی تھے اور جن کے کارواں ، ہر موسم میں راستوں کی دشوارگزاریوں اور تکالیف کے باوجود ، رواں دواں رہتے تھے ۲ ۔

جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے ۔ کہ زیادہ تر اترا کورو ، اترا مدرا اور مدرا آرین قبائل دریائے چناب ، دریائے راوی اور دریائے سندھ کے کناروں پر آباد تھے ۳ ۔ اور ان کے سربراہوں نے وفاقی ریاستیں قائم کر رکھی تھیں ، وفاقی ریاستیں قائم کرنے والے یہ سربراہ ، اگر بادشاہ نہ بھی تھے تاہم یہ بڑے بڑے ، پر یا محصور قلعے بنا کر رہتے تھے ۔ ان کے پاس فوجیں بھی تھیں اور ان کے رہنے سہنے کے طور طریق بھی عام دیہاتی آبادی کی نسبت شاہانہ تھے ۔ ان کی متعدد رانیاں بھی تھیں اور دوسرے

۱۔ ارلی ہسٹری آف انڈیا بائی پانیکار ص ۲۔۳
۲۔ لینڈ آف فائیو ریورز ص ۸۰
۳۔ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ص ۱۲۱ جلد اول

عمدہ اور نفیس لوازمات بھی تھے ۔ اس لیے یہ قیاس بعید نہیں ہے کہ وہ بیرونی تاجر ، جو دور مشرق ، دور مغرب اور وسطی علاقوں کے ، نوادرات ، نفیس ملبوسات ، تلواریں ، نیزے ، بھالے ، اور اسی قسم کے دوسرے اسلحہ بیلوں ، گدھوں اور گھوڑوں پر لاد کر ، ملک ملک کے اندر سے راہ بناتے شمال مغربی ہند میں داخل ہوتے وہ پنجاب اور سندھ کے ان قبائلی سربراھوں کے ھاں اترتے ھوں گے اور ان کے پاس ، ان کی حربی ضرورتوں اور ان کی رانیوں کی زیب و زینت کی اشیا بیچتے ھوں گے ۔ اور جب ان کے کارواں ، سربراھوں کی قیام گاھوں کے قریب اترتے ھوں گے تو بازار کی سی کیفیت پیدا ھوجاتی ھو گی ۔

برڈالے کیتھ نے یجروید اور برھمنا کے توسط سے یہ شہادت پیش کی ھے کہ ایک قطانہ ، وزن میں سو کرشنلہ کے برابر سمجھا جاتا تھا اور یہ تجارتی لین دین میں استعمال ھوتا تھا ۱۔ یا تو ، باھر کے تاجر ، اس کرشنلہ اور قطانہ کے بدلے میں ، دوسرے ملکوں کے نوادرات اور عمدہ ملبوسات شمال مغربی ہند کے سربراھوں اور دوسرے امرا کے پاس فروخت کرتے تھے یا وہ ان کے بدلے میں یہاں کی مخصوص مصنوعات لے لیتے تھے اور انھیں سامانِ تجارت بنا کر ، جمنا اور گنگاپار ، ان علاقوں میں لے جاتے جہاں ، آرین قبائل نے بڑی مہذب حکومتیں قائم کر رکھی تھی

مارشل اور ھیو کنیڈی بڑے اعتماد کے ساتھ کہتے ھیں کہ یہ انفرادی صنعتیں تھیں جن میں قدیم ھندوستان نے شہرت پائی تھی ۔ خصوصیت سے پنجاب کے ان صنعت کاروں کی تعریف تو سکندراعظم کے دور کے سیاحوں نے خوب خوب کی ھے جنھوں نے چاندی اور لوھے کو ڈھالنے اور ان سے برتن ، زیور اور اوزار بنانے میں بڑی مہارت پیدا کرلی تھی ۲ ۔

جیسا کہ ھم پیچھے کہ چکے ھیں کہ سکندراعظم کا دور تین سو قبلِ مسیح کا دور ھے اور یہ ویدک ادب کی آخری کتابوں برھمنا اور اپنشاد کا قریبی دور تھا اس لیے یہ کہنا غلط نہ ھوگا کہ سکندر کے زمانہ کے

۱۔ کیمبرج ھسٹری آف انڈیا جلد اول ص ۱۳۷

۲۔ مارشل ص ۶۸۱ مین ص ۱۹۰—۱۹۱ ۔ انڈسٹری اینڈ ٹریڈ (ولیج کمیونٹیز ان ایسٹ اینڈ ویسٹ) ۔

جن سیاحوں نے ، پنجاب کے صنعت کاروں کی تعریف کی ہے وہ وید ک دور کے صنعت‌کار تھے ۔

هیو کنیڈی هیروڈوٹس کے حوالے سے کہتا ہے کہ زمانۂ قدیم میں جو ایک بہت طویل تجارتی راہ جنوبی یورپ اور مغربی ایشیا کے مابین قائم تھی وہ کچھ حد تک تو لازماً خشکی سے گزرتی تھی مگر نصف سے زیادہ سمندری تھی ۔ کافی مدت تک خلیج فارس کا راستہ زیادہ آسان اور محفوظ سمجھا جاتا رہا اور اس سے قدیم فونیشیا اور یونان کی تجارت کو بہت فوائد پہنچے تھے ۔ ازمنۂ قدیم میں فونیشی خلیج فارس کے راستے ہونے والی تجارت کے اجارہ دار تھے ۔ کسی قدر آخر میں خلیج فارس کی بجائے وہ بحیرۂ روم کے راستے اپنے تجارتی کارواں چلانے لگے ۔ اس راستہ سے ، لوہے کا سامان ، چاول ، صندل کی لکڑی ، ہاتھی دانت کی مصنوعات ، بندر اور مور ، ہندوستان سے یورپ کی منڈیوں میں پہنچتے اور اس کے بدلے میں یورپ کے جواہرات اور دوسری نادر مصنوعات ہندوستان لائی جاتیں ۔

لیکن جب بابل ، اور ایران میں ، متمدن حکومتوں کی بنا پڑی تو پھر وهی پہلی خشکی کی راہ ، تجارتی راہ بن گئی جو کبھی جنوبی یورپ اور مغربی ایشیا کے مابین آمدورفت کا ذریعہ رہ چکی تھی اور جس پر چل کر ہندوستان کے پہلے آبادکار آرین شمال مغربی ہند میں داخل ہوئے تھے ۱ ۔

خشکی کی راہ ، بحیرۂ اسود اور بحیرۂ کیسپین کے جنوبی ساحل کے ساتھ ساتھ چلتی تہران کی سمت دراز ہوتی ہے ۔ تہران سے یہ مشہد آتی اور ہرات اور بخارا کی سمت جاتی ہے ۔ وہاں سے اس کی دو شاخیں پھوٹتی ہیں ایک شمال مشرق چین کی طرف نکل جاتی ہے دوسری جنوب میں ہندوکش کے سنگین پاؤں سے لپٹی کابل کا رخ اختیار کرتی ہے اور پھر وہاں سے ہندوستان پہنچتی ہے ۔

یہی طویل خشکی کی راہ زیرنظر وید ک دور میں ، مغربی ممالک ، وسط ایشیا اور شمال مغربی ہند کے مابین ، سب سے اہم اور قریب قریب تنہا تجارتی راہ تھی ۔ سکندراعظم کے زمانے تک اسی راستے پر چلتے ، مغربی تجارتی کارواں ، پہلے مشرق آئے اور پھر شمال مغربی ہند میں پہنچے تھے

۱۔ هیو کنیڈی ص ۸۳—ہولڈچ ، ۵۵—۵۷

ور یہاں سے ؛ اور آگے شمالی ہند کی طرف نکل جاتے تھے ۔ اس لیے لازماً اس راہ پر سرحد اور پنجاب کے مقامات جہاں کارواں پڑاؤ ڈالتے تھے بڑی تجارتی اہمیت رکھتے تھے ۔

ایک دوسری تجارتی راہ بھی تھی جس سے چین کی مصنوعات ، قدیم شمالی ہند میں آتیں اور یہاں کی ادھر جاتی تھیں ۔ یہ تاتار ، تبت ، کشمیر اور پنجاب کی راہ تھی اور دشوار گزار تھی ۱ ۔

ان تجارتی راہوں پر واقع سرحد ، اور پھر آگے کی سمت کے جن تجارتی پڑاؤں نے ویدک دور میں بہت اہمیت حاصل کر لی تھی ، بد نصیبی سے ان کے نام معلوم نہیں ہوئے ۔ کنیڈی اور یونانی سیاحوں نے جو نام لکھے ہیں وہ سکندر اعظم کے حملہ کے بعد کے ہیں ۔ اس لیے ہم ان کا ذکر آگے چل کر کریں گے ۔

یہاں ویدک دور کی شمال مغربی آبادی کی معاشرت اور حیات اجتماعی کے بارے میں چند اور باتیں عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں ۔ مثلاً یہ کہ اس دور میں چونکہ زیادہ گھر مٹی اور لکڑی سے بنتے تھے اس لیے امتداد زمانہ کے باعث ان کے آثار باقی نہ رہے ۔ آرین قبائل کی خوراک بھی کسی حد تک بدل گئی تھی ، گوشت پر پابندی لگ گئی تھی اور اسے شراب نوشی کی طرح مجرمانہ فعل سمجھا جاتا ، تا ہم مہمانوں کی خاطر تواضع کے لیے اب بھی بیل ذبح کیے جاتے تھے ۔ بکریاں بھی ذبح ہوتیں ۔ عظیم آرین دانشور سچنا والکہ کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ وہ بیلوں اور دودھ نہ دینے والی گائے کا گوشت کھایا کرتے تھے ۱ ۔ اس وقت تک اہمسہ کا نظریہ پوری طرح متشکل نہ ہو پایا تھا ۔

اس وقت کی عوامی تفریحات میں رتھدوڑ رگ وید کے زمانہ کی طرح اہم تفریح تھی ۔ جوا بھی کھیلا جاتا ۔ ناچ بھی پسندیدہ شغل تھا ۔ بعض لوگ ابتدائی قسم کے ناٹک بھی رچاتے اور نقلیں بھی کرتے تھے ۲ ۔ طب نے بھی ترقی کر لی تھی اور بعض طبیبوں کے بارے میں تو کہا گیا

۱- کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ص ۱۳۸ ۔ کیتھ جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی (۱۹۱۱) ص ۱۷---۱۰۰

۲- ایضاً

ہے کہ وہ غیر معمولی مہارت رکھتے تھے اور ان کے اندر انسانی بیماریوں کے علاج کے لیے دیوتاؤں ایسے اوصاف پیدا ہوگئے تھے ۔ یوں بیماریاں بہت بڑھ گئی تھی ۔ بخار عام ہوگیا تھا ۔ تپ دق ، سل ، سیلانِ خون ، دمہ ، پھنسی ، پھوڑے ، تبخیر ، گھنٹھ مالہ ، خنازیر ، ورم ، پیچش ، بدھضمی ، گردن توڑ پھوڑے ، جوڑوں کے درد ، سر درد ، گنٹھیا ، جذام ، برص ، کوڑھ ، تشنج ، ناسور ، خارش ، کھجلی اور اسی قسم کے دوسرے امراض کا پتہ بھی چلتا ہے ۔ آنکھوں کی کئی بیماریاں بھی گنائی گئی ہیں ۔ خون روکنے کے لیے ریت کی تھیلی متعارف تھی ۔ کئی بیماریوں کے علاج کے لیے جڑی بوٹیاں معلوم کر لی گئی تھیں ۔ قربانیوں کے توسط سے انسانی جسم کے بہت سے خفیہ حصوں سے واقفیت پیدا ہو گئی تھی ۱۔

علمِ نجوم میں بھی اس دور کے آرین خاصے آگے بڑھ گئے تھے ۔ سال تین سو ساٹھ دنوں اور بارہ مہینوں پر تقسیم کر دیا گیا تھا ۔ سمہتہ کی ارب کی رو سے سال کے بارہ مہینوں میں سے ہر مہینہ تیس دن کا ہوتا ۔ بارہ مہینے مصنوعی طور پر چھ موسموں میں بانٹے گئے تھے ۔ آسمان پر رواں دواں ستاروں کی منزلیں اور بروج بھی متعین کر لیے تھے ۔ جنھیں نکشترا کا عنوان ، دیا گیا تھا ۔ تائتیریا سمہتہ میں ایسے ستائیس نکشتر گنائے گئے ہیں ۔ اتھر وید اور میترایانی سمہتہ میں ان کی تعداد اٹھائیس ہو گئی ہے ۱۔

پروفیسر برڈلے کیتھ نے احتمال ظاہر کیا ہے کہ اس دور کے منجموں نے بابل کے مدرسۂ نجوم سے کسبِ فیض کیا تھا لیکن وہ اس فن میں ابھی مبتدی تھے ۲۔

پروفیسر برڈلے کیتھ نے فاضل بہلر کا یہ نظریہ نقل کیا ہے کہ حروفِ ابجد کا تعارف آرین قبائل کو ان سامی تاجروں نے کرایا تھا جو عراق سے ہندوستان آئے تھے ۔ پروفیسر بہلر نے اس تعارف کی تاریخ ۸۰۰ سال قبلِ مسیح قرار دی ہے ۔ پروفیسر برڈلے کیتھ نے بہلر کے اس نظریہ

۱۔ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ص ۔ ۱۳۸ کیتھ ، جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی (۱۹۱۱) ص ۹۷ - ۱۰۰۹ -

۲۔ ڈف کرونالوجی آف انڈیا ص ۵ ۔ ونسنٹ سمتھ ارلی ہسٹری آف انڈیا ص ۱۶ - کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ص ۱۴۱ -

کو گو شک کی نگاہ سے دیکھا ہے تاہم وہ مانتے ہیں کہ آرین قبائل کو لکھنے کا فن بیرونی تاجروں کے ذریعے حاصل ہوا تھا ، بیرونی تاجر ہی وہ معلم تھے جنھوں نے آرین لوگوں کو لکھنا پڑھنا سکھایا تھا - کچھ حتماً کہا نہیں جا سکتا کہ یہ کونسا زمانہ تھا ، جب بیرونی تاجروں نے آرین کو یہ ہنر سکھایا تھا - پھر چونکہ پانچویں صدی قبل مسیح سے پہلے آرین کی کوئی تحریری سند ہمارے ہاتھ نہیں آئی ، اس لیے یہی کہا جائے گا کہ آرین نے پانچ سو سال قبل مسیح سے پہلے لکھنا نہیں سیکھا تھا -

یہ چھٹی صدی قبل مسیح کا آخر تھا جب ایران کے دارا نے شمال مغربی ہند پر حملہ کیا تھا اور دریائے سندھ سے ملحق علاقہ اپنے قبضے میں کر لیا تھا - یہ بھی ممکن ہے کہ دارا سے پہلے سائرس اور پنجاب کے آرین قبائل میں کچھ سیاسی مراسم رہے ہوں اور جیسا کہ یونانی سیاح ایرین کہتا ہے کہ آسا کینوئی اور ستا کینوئی ، اسیرین بادشاہوں کے ماتحت تھے۱ -

پروفیسر برڈلے کیتھ نے بھی یونانی سیاح ایرین کی یہ شہادت قلم بند کی ہے ، مگر اعتراض اٹھایا ہے کہ برہمن دور میں وسطی ہند میں آباد کار آرین قبائل اور شمال مغربی علاقے کی گندھارا نسل کے مابین بہت کم روابط تھے - پروفیسر موصوف کے اس اعتراض کا پس منظر غالباً یہ ہے کہ شمال مغربی ہند اور وسطی ہند کے آرین قبائل کے مابین روابط کی کمی کو بنیاد بنا کر وہ وسطی ہند کے آرین کی تحریر و تسوید کا دور کسی قدر اور مؤخر کر دیں -

اگر یہ بات صحیح بھی ہو کہ وسطی آرین قبائل نے لکھنا پڑھنا بہت بعد میں سیکھا تھا کیونکہ اسیری تاجروں اور رہنماؤں سے اس وقت ان کے سیاسی تعلقات قائم نہ تھے تو بھی ہمارا موضوع اس سے قطعاً مجروح نہیں ہوتا - کیونکہ ہمارے پیش اس دور کے جو آرین قبائل ہیں وہ کچھ تو براہ راست گندھارا کے تابع تھے اور کچھ وفاق تنظیموں میں بٹے تھے اور ان کے تعلقات اس گندھارا ریاست سے بہت گہرے تھے جو سر جان مارشل کی رو سے چھٹی اور پانچویں صدی قبل مسیح میں ایران کی اچامینی سلطنت کے زیر اقتدار آ گئی تھی۲ -

---

۱- ایرین انڈیا کا باب ۱ و ۳ - ص ۱۷۹ - مترجمہ میک کرنڈلے -
۲- بدھسٹ آرٹ آف گندھارا ، انٹرو ڈکشن ص ۱ -

پرفیسر برڈلے کیتھ اگر اس توجیہ کے وقت ان جتکا کہانیوں کو ملحوظ رکھتے جن کی رو سے گندھارا کا پایۂ تخت ٹیکسلا ۱۲ سو اور آٹھ سو سال قبلِ مسیح میں ایک عظیم یونیورسٹی کا امانت دار تھا اور یہ یونیورسٹی پورے ہندوستان کی تعلیمی ضرورتوں کی کفالت کرتی تھی تو پھر اپنا ذہن کبھی اس منطق میں نہ الجھاتے ۱۔

یہ جتکا کہانیاں تو اس امر کی شہادت بھی دیتی ہیں کہ سگالا یا سیالکوٹ بھی ان ہی دنوں (۱۲ سو سال اور آٹھ سو سال قبلِ مسیح میں) علم و عرفان کا ایک عظیم مرکز تھا اور یہ مرکز سکندر یونانی کے حملے سے کسی قدر پہلے زمانے میں گندھارا ریاست سے ملحق ہو گیا تھا۔

غالب خیال یہ ہے کہ سگالا کی مادی ریاست گندھارا سلطنت میں اس وقت ضم ہوئی تھی جب اسیریوں نے شمال مغربی ہند میں راہ پائی تھی۔

دونوں صورتوں میں پروفیسر برڈلے کیتھ کی یہ رائے خاصی مشتبہ ہے کہ آرین قوم نے لکھنے پڑھنے کا ہنر پانچویں صدی قبلِ مسیح سے پہلے نہیں سیکھا تھا۔

پروفیسر برڈلے کیتھ، بڑے مستشرقین میں سے ہیں۔ لیکن وہ جتکا کہانیاں جو پالی زبان کا عظیم ترین تاریخی اور تہذیبی سرمایہ ہیں ہر لحاظ سے پروفیسر برڈلے کیتھ پر قابلِ ترجیح ہیں اور ان کے نزدیک بارھویں اور آٹھویں صدی قبلِ مسیح کے درمیانی وقفہ میں کئی شہزادیاں اور رانیاں بھی ایسی تھیں جو لکھنا پڑھنا جانتی تھیں اور کئی کسان لڑکیوں کو بھی یہ شرف نصیب ہوا تھا۔

مثلاً جتکا کی چھٹی جزو میں ملکہ ادمبرا اور کسان لڑکی امارہ کی داستان درج ہے۔ ادمبرا ملکہ ہے، شاہی محلوں کی باسی ہے اور لکھنا پڑھنا جانتی ہے۔ امارہ کسان لڑکی ہے۔ صبح ہوتی ہے تو باپ کے لیے جو کسان ہے کھیتوں پرناشتہ لےکر جاتی ہے وہ بڑی نستعلیق ہے۔ بڑی عمدہ اور رواں گفتگو کرتی ہے اور لکھنا پڑھنا جانتی ہے ۲۔ کیونکہ اس کا ماحول شائستہ یا سگالا کا ماحول تھا جہاں علم و عرفان کے سینکڑوں چشمے بہتے تھے۔

۱۔ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول ص ۱۴۱۔

۲۔ جتکا جز ۲ ص ۳۶۵-۳۸۵-۳۲۵-۹۳، پری بد ہسٹ انڈیا ص ۲۷۷

پری بد ھسٹ انڈیا کے مصنف رتی لعل مہتہ نے کتنی ھی ایسی جتکا کہانیاں نقل کی ھیں جو اس بات کی وضاحت کرتی ھیں کہ یہ یونیورسٹی ؛ وقت کی عظیم ترین یونیورسٹی تھی ۔ اور وھاں نہ صرف سارے ھندوستان کے آرین اور غیرآرین شہزادے تعلیم پانے جاتے ، عوام بھی علم کی اس رواں دواں ندی سے اپنی روحانی تشنگی بجھاتے تھے ۔ فاضل مہتہ کی رو سے یہاں کے کئی اساتذہ کی شہرت ساری دنیا میں پھیلی تھی اور وہ علمی اقلیم کے شاہجہان و جہان‌گیر تھے ۔ ان میں سے بعض استادوں کے شاگرد پانچ‌سو سے بھی زائد ھوتے تھے ۔

فاضل رتی لعل مہتہ نے چندر گپتا کے وزیر کوشلیا یا چانکیہ کا یہ قول نقل کیا ھے کہ ایک شاھزادے کے لئے پڑھنا بھی ناگزیز ھے اور لکھنا بھی اور اسے یہ فن چارسال کی عمر میں سکھانا لازم ھے ۱۔

ڈاکٹر بینی پرشاد کی مدد سے چندر گپت اور اس کے وزیر چانکیہ کا زمانہ چار سو سال قبل مسیح کا زمانہ تھا ۲۔ گویا اس دور کا کوئی شہزادہ بھی لکھنے کے فن کو سیکھے بغیر نہ رھتا تھا ۔

فاضل رتی لعل مہتہ کا تو خیال ھے کہ اس دور کے عوام و خواص ، اپنے بچوں کو بچپن ھی میں مدرسوں میں داخل کردیتے تھے ۔ جہاں انھیں لکھنے پڑھنے کی ابتدائی تعلیم دی جاتی تھی اور یہ مکتب عام تھے ۔ ان مکاتیب میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آرین نوجوان ٹیکسلا یونیورسٹی میں داخل ھوتے تھے جو پورے ملک کے تعلیمی مراکز میں اپنی گوناگوں خصوصیات کے سبب بے حد ممتاز تھی ۔ رتی لعل مہتہ کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے گا ۔

Of all the places which imparted higher education, Takkasila, in the extreme north west, was by far the most important and widely re-nowned. Our stories abound in references to this famous University town. It was; as we have already noted, the

---

۱۔ پری بدھسٹ انڈیا ص ۲۹۹

۲۔ تھیوری آف گورنمنٹ ان اینشنٹ انڈیا ص ۹۰

chief intellectual center of the age, attracting students and scholars from different and distant parts of the country.[1]

رتی لعل مہتہ کی رو سے جتکا کہانیاں ، ان کے اس بیان کی بنیاد ہیں اور یہ جتکا کہانیاں متعدد علمائے تاریخ ، مثلاً ڈبلیو گیگر ، ڈاکٹر ونٹرنٹز ، ڈاکٹرولر ، ڈاکٹر گوکل داس ، ڈاکٹر بینی پرشاد اور دوسروں کی روسے ہندوستان کا ایک بہت بڑا قیمتی تہذیبی سرمایہ ہیں اور ان میں سے منظوم کہانیاں تو بدھ سے بھی پہلے دور میں موجود تھیں ۲۔ رتی لعل مہتہ نے ان جتکا کہانیوں کے مختلف عہد متعین کیے ہیں ۔ اس کے نزدیک کوروپانڈو سے متعلق کہانیاں چودہ سو ، بارہ سو اور ایک ہزار سال قبل مسیح کے زمانہ کی ہیں اور گندھارا ، سگالا ، سیوی بادشاہوں کی کہانیاں رگ وید میں بھی مذکور ہوئی ہیں اس لیے ان کا عہد اس سے بھی پرانا ہے ۔ مثلاً رگ وید میں سیوی سنترا اور ناگا جیت راجوں کا ذکر ہے جن میں سے پہلے دو ، سیواپور ، موجودہ شورکوٹ اور جھنگ کے علاقہ کے بادشاہ تھے اور دونوں سگالا کی سیوی یا مدری شاہزادیوں سے بیاہے تھے ۔ مؤخرالذکر ناگ جیت گندھارا کا تاجدار تھا جس کا پایہ تخت ٹیکسلا تھا ۔ ناگا جیت کا اصل نام ناگنا جیت ہے اور رگ وید میں اس کا ذکر کئی بار آیا ہے اور اسے بڑے واضح الفاظ میں ایک تو پنجابی راجا درمکھا کا ہم عصر ظاہر کیا گیا ہے اور دوسرے سموکا سہا دیوا والئی شمالی پنسالہ کا بہت گہرا روحانی دوست ٹھیرایا گیا ہے ۳ سموکا سہادیوا کا ذکر پرانوں میں بھی موجود ہے اور اس کی تعریف یہاں بھی وہی ہے جو رگ وید نے کی ہے ۴ ۔ اگر

۱۔ پری بدھسٹ انڈیا ص ۲۹۹ نیز ملاحظہ ہو انڈین کلچر تھرو ایجز جلد اول ص ۱۰۷

۲۔ کلکتہ ریویو جولائی ۱۹۳۰ ص ۸۳۔اولڈن برگ جے ۔ پی ۔ ٹی ۔ ایس ہسٹری آف انڈین لٹریچر جلد ۲ ص ۱۲۱

۳۔ پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا ص ۵۷۔۵۸

۴۔ رگ وید جز چہارم ۱۵۔۷۔۱۰۔پردھان۔۹۹۔۱۰۰ ، ایتاریہ برھمنا جز ۸۔ص ۲۳ ، ویدک انڈکس جز ۲ ص ۴۷۹ جلد اول ۳۷۰

ناگنا جیت والئی گندھارا ، سمو کا سہا دیوا ، اور دو مکھا کا ہم عصر تھا اور رگ وید اس کا شاھد ھے تو پھر لازماً ناگنا جیت ، رگ وید کا ہم عصر ھے ۔ اگر وہ اس کے پہلے دور کا ہم عصر نہ بھی ھو تو بھی یہ دور ایک ھزار سال قبلِ مسیح کا دور ھے ۔

پری بدھسٹ انڈیا کے مصنف رتی لعل مہتہ کا خیال ھے کہ رگ وید کی عمر زیادہ سے زیادہ دوھزار سال قبلِ مسیح کی ھے اور کم سے کم اس کا دامن چودہ سو سال قبلِ مسیح تک سکیڑا جا سکتا ھے ۱۔ اور اگر ھسٹری آف آرین رول ان انڈیا کے مصنف کی یہ بات مان لی جائے کہ آرین قبائل شمال مغربی ھند میں جب پندرہ سو سال قبل مسیح میں داخل ھوئے تھے تو رگ وید کے گیت گاتے آئے تھے تو پھر احتیاطاً رگ وید کی عمر سولہ یا پندرہ سو سال قبلِ مسیح تک بڑھائی جا سکتی ھے ۔

بہ ہر نوع ناگنا جیت گندھارا کا ایک معقول بادشاہ تھا ۔ وہ رگ وید کے پہلے دور نہ سہی آخری یا متوسط دور کا ہم عصر تھا اور اس کے دوستانہ مراسم ، پنسالہ سموکا اور دومکھا راجوں سے قائم تھے ۔

ایسے حال میں پروفیسر برڈلے کیتھ کے علمی تبحر کے اعترافِ کامل کے باوجود ان کی اس رائے سے اختلاف لازم ھے کہ اس سمت کی ریاستوں اور وسطی ھند کی آرین حکومتوں کے مابین تعلقات نہ تھے اور نہ یہاں اور وھاں پانچ سو سال قبلِ مسیح سے لکھنے پڑھنے کا رواج ھوا تھا ۔ اور یہ رواج اس وقت ھوا جب اسیری دارا نے گندھارا پر قبضہ کیا اور اسیری تاجر اور سیاح ادھر آنے لگے ۔

فاضل برڈلے کیتھ بہت بڑے عالم ھیں لیکن ایسا معلوم ھوتا ھے کہ یہ ادعا کرتے وقت وہ جرمن علمائے لسان ڈاکٹر سچریڈر اور ان کے اساتذہ کے اس نظریہ کو بالکلیہ فراموش کر گئے ھیں کہ ھندو آرین جب شمال مغربی علاقہ میں داخل ھوئے تھے تو وہ جو زبان بولتے آئے تھے وہ زنداوستہ کی زبان تھی اور وہ جو گیت گاتے اس سرزمین میں اترے وہ زنداوستہ سے بے حد مشابہ گیت تھے کیونکہ ھندو آرین اور اسیری اور

۱۔ پری بد ھسٹ انڈیا ص ۴۰۔۴۱

ایرانی آرین نے صدیوں ایک ساتھ زندگی گزاری تھی ۱۔

ہم اس بات کو یہاں طول نہیں دیں گے ۔ صرف اتنا اشارہ ضرور کریں گے کہ برڈلے کیتھ کے اساتذہ میں سے میکس مولر کا خیال بھی یہی ہے جو جرمن علمائے لسان کا ہے ۔ میکس مولر نے تو دونوں زبانوں کے ایسے متعدد الفاظ دہرائے ہیں جو ہم شکل بھی ہیں اور ہم معنی بھی اور بہ دلائل ثابت کیا ہے کہ انڈوآرین اقوام میں سے ہندو آرین اور ایرانی آرین مدت ہائے دراز تک ایک ساتھ ایک ہی وطن میں رہے تھے ۔ ان کے عقائد بھی ایک تھے اور معبود بھی ایک ۔ ان کی عادات بھی ایک جیسی تھیں اور رسم و رواج بھی ایک تھے ۔ ۲

اگر رگ وید اپنے شروع دور میں جو آرین قوم کی شمال مغربی ہند میں آمد کا دور تھا زنداوستہ سے بے حد متاثر تھا ، عقیدتاً بھی اور مزاجاً اور ذہناً بھی ، تو پھر کیا اس بات کا گمان نہیں ہے کہ رگ وید کے شاعر زنداوستہ کے شعرا اور اساتذہ کی طرح لکھنا بھی جانتے تھے اور پڑھنا بھی ، اور وہ یہ فن ہندو کش کے دروں کو عبور کرنے سے کافی مدت پہلے سیکھ چکے تھے ۔

کیونکہ اسیریوں اور بابل کے باشندوں کے بارے میں ان کے مؤرخین کو یہ پختہ یقین ہے کہ وہ تین ہزار سال قبل مسیح سے بھی پہلے کے دور میں لکھنے پڑھنے کے فن سے آگہ تھے ۔

خمورابی اگر ایرین نہ بھی تھا اور اگر ایچ جی ولز ۳ کے قول کے مطابق آرین اس سے ٹکرائے بغیر شمالی فارس میں داخل ہوگئے تھے تو بھی یہ ناممکن بات تھی کہ شمالی فارس کے آرین اس فن میں مہارت نہ پا لیتے جس میں ان کے بابلی ہمسائے طاق تھے ۴۔

جیسا کہ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ فاضل میکس مولر نے رمینیں ٹرانسلیشن آف ایوسیوس کے حوالہ سے یہ قول بیروسوس سے منسوب

۱۔ پری ہسٹارک انٹی کیوٹیز ص ۱۵۳۔۔ص ۶
۲۔ سائنس آف لینگوایج ، میکس مولر جز اول ص ۲۳۴۔۔۲۳۸
۳۔ ایچ جی ولز آؤٹ لائن آف ہسٹری ص ۱۶۳
۴۔ میکس مولر جز اول ص ۲۳۵

کیا ہے کہ بادشاہ زردشترا نے بابلون کی حکومت کی بنا رکھی تھی اور یہ ۲۲۳۴ء قبلِ مسیح تھا اور اگر زردشترا نے ۲۲۳۴ ق م میں بابلون میں کسی حکومت کی بنا رکھی تھی تو وہ لازماً اس سومیری قوم سے متاثر ہوا ہوگا جس میں لکھنے پڑھنے کا خاصا رواج تھا اور جس کے بارے میں بابل کے مؤرخین کو یقین ہے کہ وہ ایک بڑے کتب خانہ کی مالک تھی۔

یوں بھی اسیریوں اور قدیم بابل کے سومیریوں اور ساسیوں کے جو کتبات اور آثار مختلف مقامات سے برآمد ہوئے ہیں انھوں نے بابل کی تہذیب کو الاہرامِ مصر جیسی قدامت بخش دی ہے ۱۔

ہم یہ بات ضمناً کہہ رہے تھے۔ دراصل ہمارا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ شمال مغربی ہند کے آرین آبادکار پندرہ سو سال قبلِ مسیح میں لکھنے پڑھنے کے فن سے آگاہ تھے۔

اس سلسلہ میں ہماری ایک دلیل اور بھی ہے کہ موہن جو ڈیرو اور ہڑپا کے آثار کی کھدائی کے وقت بعض ایسی مہریں بھی برآمد ہوئی ہیں جن پر کسی نامعلوم رسم الخط میں کچھ عبارتیں لکھی ہوئی ہیں ۲۔

فاضل ہنٹر نے اس موضوع پر ایک کتاب بھی چھاپ دی ہے اور ہنٹر، سٹورٹ گپٹ، سر جان مارشل اور ویلر جیسے ماہرینِ آثارِ قدیمہ کا قریب قریب یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ مہریں تین ہزار سال قبلِ مسیح کی تہذیبی نشانیوں میں سے ہیں۔

اگر موہن جو ڈیرو کی یہ مہریں تین ہزار سال پہلے کی ہیں اور ان پر جو زبان لکھی ہے وہ ان سومیریوں، اشوریوں یا دراوڑوں کی زبان ہے جو بابل سے ترک وطن کرکے ادھر آئے تھے تو پھر وہ لازماً پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ یوں بہت ممکن ہے کہ پڑھنے لکھنے کا فن ان دنوں بہت محدود تھا اور ابھی بہت ابتدائی دور میں تھا یہ بات ان کے رسم الخط سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔

۱۔ متھس آف بیلونا ص ۳۲-۳۴

۲۔ ہنٹر سکرپٹ آف موہن جو ڈیرو۔ پورا حوالہ پیچھے دیا جا چکا ہے۔

فصل سوئم

طبقاتی تقسیم

رگ وید دور میں آرین قبائل کی حیاتِ اجتماعی میں ذات پات کی تمیز کس حد تک تھی یہ مسئلہ مستشرقین کے نزدیک خاصا متنازع فیہ ہے - خصوصیت سے فاضل میؤر نے تو اس بات سے قطعی انکار کیا ہے کہ رگ وید عہد میں ذات پات کی تمیز تھی۱ - البتہ پروفیسر برڈلے کیتھ کا خیال ہے کہ رگ وید کے ایک منتر پروشا سکتا میں چار ذاتوں برھمنا ، راجیا ، وسیا ، اور شدرہ کا ذکر موجود ہے - لیکن یوں برڈلے کیتھ اس اظہارِ خیال کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرماتے ھیں کہ یہ منتر رگ وید میں بعد کا اضافہ ہے اور یہ بھی اس دور کی ذاتوں کے باب میں کوئی واضح شہادت پیش نہیں کرتا - برڈلے کیتھ ان مستشرقین کی طرف سے جو رگ وید میں ذات پات کا فرق نہیں پاتے استدلال کرتے ھیں کہ جن دنوں پروھت دستمہ اور وشوامتر بر سرِ اقتدار تھے اور رگ وید کی زیادہ تر شاعری تخلیق ہو رہی تھی اس وقت نہ تو برھمن گروہ موروثی بنا تھا اور نہ سپاھیوں کا طبقہ ھی موروثی تھا - ان دونوں گروھوں نے ذاتوں کی شکل اختیار نہیں کی تھی حتیٰ کہ پروھت یا برھمن کے لیے یہ ضروری نہ تھا کہ اس کا باپ بھی برھمن یا پروھت ہو - برھمن اور پروھت ہر وہ شخص بن سکتا تھا جس میں غیر معمولی سمجھ بوجھ اور قابلیت ھوتی تھی ، یا جسے قدرت اپنی مخصوص عنایات کے لیے چن لیتی تھی ۲-

مستشرقین کے اس گروہ کی رو سے ذات پات کی تمیز آرین قبائل میں اس وقت تک پیدا نہ ھوئی تھی جبتک وہ پنجاب کے میدانوں میں آباد رھے تھے - یہ تمیز تو سراسر اس دور کی پیداوار ہے جب آرین ارضِ پنجاب سے نکل کر جمنا پار کے علاقوں میں پہنچے تھے اور انھیں ھندوستان میں آباد پہلے کے قبائل سے جم کر لڑنا پڑا تھا - ان کی یکجہتی کو توڑنے اور ان کی

۱- میؤر ، اور جنرل سنسکرت ٹیکٹس جلد اول دوم ۲۳۹

۲- کیمبرج ھسٹری آف انڈیا جلد اول ص ۹۲

مدافعت ختم کرنے کے لیے آرین قبائل خود بھی متحد ہو گئے تھے اور اپنی الگ الگ بادشاھتوں کو بھی ایک متحدہ حکومت میں ضم کر دیا تھا اور ھر وقت ھتھیاروں سے لیس رھنے لگے تھے تاکہ جب بھی دشمن حملہ‌آور ھوں یا مفتوح علاقہ کے لوگ بغاوت برپا کر دیں تو فوراً ان کی سرکوبی کر سکیں ۔ آرین قبائل کا یہ پہلا طبقہ تھا جو سپاھی کہلایا ۔ اس کے برعکس ان ھی میں سے یہیں سے جن لوگوں نے صنعتی پیشے اختیار کر رکھے تھے اور جو لڑائی کے اوقات میں ھتھیار بھی اٹھاتے اور سپاھی بھی بن جاتے تھے منظم فوج کی موجودگی میں ھتھیار اٹھانے کا کام چھوڑ دیا اور اپنے آپ کو محض صنعتی پیشوں کے لیے مخصوص کرلیا ۔ آرین سماج میں یہ دوسرا طبقہ رونما ھوا ۔ پھر برھمنوں کے اقتدار نے تیسرے طبقہ کو جنم دیا اور بے چارے مفتوح عوام چوتھے طبقہ میں رہ گئے ۱ ۔

یہ بھی کہا گیا ھے کہ اس وقت بھی جب آرین سماج میں یہ چار طبقات پیدا ھو گئے تھے ، شمال مغربی ھندوستان یا پنجاب ، سندھ اور سرحد میں بسنے والے آرین اب بھی ، ذات پات سے خاصے دور تھے ۲ ۔

فاضل برڈلے کیتھ نے مستشرقین کے اس نظریہ سے اختلاف کیا ھے اور کہا ھے کہ گو اس نظریہ میں صداقت موجود ھے تاھم یہ مبالغہ پر مبنی ھے اور یہ حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ رگ وید ذات پات کی تمیز سے بے خبر تھا ۔ جبکہ رگ وید کے ابتدائی حصوں کو چھوڑ کر اس کے آخری ابواب ، برھمن‌داتہ میں لکھے گئے تھے ۔

برڈلے کیتھ نے مزید استدلال کیا ھے کہ رگ وید اس بات سے انکار نہیں کرتا کہ برھمن طبقہ ، موروثی نہ تھا ۔ پھر جبکہ برھمن کے معنی برھما کے بیٹے کے ھیں تو اس سے یہی مفہوم پیدا ھوتا ھے کہ پروھت کا منصب موروثی ھوتا تھا ۔ ایسی کوئی مثال بھی موجود نہیں جبکہ ، پروھت کا منصب کسی غیر برھمن کو ملا ھو ۔

ھمیں بتایا گیا ھے کہ ایک آرین بادشاہ ایسا بھی تھا جو خود ھی پروھت کے فرائض انجام دیتا تھا ۔ وھی دیوتاؤں کے حضور اپنی اور عوام

۱۔ برڈلے کیتھ کیمبرج ھسٹری آف انڈیا جلد اول ص ۹۳

۲۔ ہیڈن پاویل ص ۸۰ جلد ۳ ۳۸۲

کی طرف سے قربانیاں پیش کرتا اس آرین بادشاہ کا نام دیواپتی تھا ۔

فاضل برڈلے کیتھ کہتے ہیں کہ اس مثال سے قطع نظر رگ وید سے ایسی اور شہادتیں بھی ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہت موروثی تھی ۔ جب بادشاہت موروثی تھی تو ان کے پروہت کیوں موروثی نہ ہوتے ؟ ان دونوں طبقات کے علاوہ رگ وید ، تیسرے طبقہ ویشا کا وجود بھی ظاہر کرتا ہے ۔ یوں یہ حقیقت ہے کہ رگ وید کے عہد میں ذاتیں یا سماجی طبقات ابھی اپنے ابتدائی عہد میں تھے اور انہیں جو شکل بعد میں ملی وہ رگ وید کے تیار کردہ خاکہ پر مبنی تھی ۔

اینشنٹ اینڈ میڈیویل انڈیا کی مصنفہ مسز منینگ کا خیال ہے کہ یجر وید سے پہلے کے سنسکرت ادب میں ذات پات کی کوئی واضح تقسیم موجود نہیں ہے ۔ یہ صرف منو کا ضابطۂ قانون ہے ، جس نے آرین سماج میں چارطبقات روشناس کرائے اور ان کے فرائض تقسیم کئے تھے ۔ مثلاً برہمن کو یہ خدمت سونپی تھی کہ ویدوں کو پڑھے اور پڑھائے ۔ کشتریہ پر یہ فرض عائد کیا کہ وہ لوگوں کا دفاع کرے ، ویشیا کو صنعتیں تفویض کیں اور شدرہ کو خدمت گزار بنایا ۔ مسز منینگ فاضل میؤر کے اور جنرل سنسکرت ٹکسٹس کی جز اول میں سے ایک اقتباس نقل کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ بہرحال ہندوؤں کی مقدس کتابوں میں ، ذات پات کی کوئی واضح شکل ہرگز ہرگز موجود نہیں ہے ۔ یوں عام ہندو نظریہ کے مطابق برھما کی ذات والا صفات سے ، تمام انسانی طبقات پیدا ہوئے تھے ۔ برہمن نے برھما کے منہ سے جنم لیا تھا ، کشتری بازؤں کی اولاد تھے ، ویشیا ، کولھوں سے پیدا ہوئے اور شدرہ نے قدموں سے زندگی کی حرارت پائی ۱ ۔

مسز منینگ کے نزدیک یہ نظریہ بہت بعد کی پیداوار ہے ۔ شروع دور میں خصوصیت سے رگ وید اور دوسرے ویدوں کے وقت ہندو سماج میں یہ خیال قطعاً مقبول نہ تھا ۔ یوں سماج حثیت ، منصب ، اور پیشہ کے لحاظ سے مختلف جماعتوں میں بٹا تھا اور یہ مختلف طبقات ، خاص طور پر اونچے لوگ ایک ہی طرح کے آرین سمجھے جاتے تھے ، ان میں کوئی تخصیص نہ تھی ۔

---

۱ - اینشنٹ اینڈ میڈیول انڈیا ص ۲۷۰ - میؤر اور جنرل ٹکسٹس جز اول دوسرا ایڈیشن مطبوعہ ۱۸۶۸ ص ۱۵۹—۱۶۰

البتہ مسز منینگ نے یتاریہ رھمنا سے ایک اقتباس پیش کیا ھے جو برھمن اور شدرہ کی تخلیق کی سمت اشارہ کرتا ھے ۔ مثلاً اس کے الفاظ ھیں .

''برھمن لوگ دیوتاؤں کی اولاد ھیں اور شدرہ اشورہ کی نسل سے ھیں'' ۱

قطع نظر اس بات کے کہ ایتاریہ برھمنا کا یہ اقتباس حقیقت پر مبنی ھے برھمنوں کا اپنے متعلق یہی خیال تھا اور وہ شدرہ کو اشورا کی اولاد سمجھتے تھے۔ اشورہ کی اولاد ھونا کوئی برائی نہ تھی ۔ اشورہ سے اسیری مراد تھے اور اسیری بابل اور عراق کے اب تک ناخدا تھے ۔ یہ کہ کر ایتاریہ برھمنا نے اشورہ کی تحقیر نہیں کی تھی کیونکہ جتکا داستانوں کی رو سے ھندوستان کے دوشاھی خاندان ناگے بھی اشوری تھے ۲ ۔

مسز منینگ کہتی ھیں سنسکرت زبان میں ذات کے لیے لفظ وارنا استعمال ھوا ھے اور وارنا کے لفظی معنی رنگ کے ھیں ۔ آرین لوگ کسی قدر سفید رنگ کے تھے اور اصل ھندی یا سندھی کالے تھے ۔ آرین خود کو ان سے فائق سمجھتے اور انھیں اپنے سے کم تر جانتے ۔

قریب قریب یہی خیال پروفیسر لسین کا ھے ۔ پروفیسر صاحب تو فرماتے ھیں کہ ویدوں کے شاعروں نے اپنے مخالفین پر اپنے کھلے اور صاف رنگ کے باعث فخر کیا ھے اور مخالفین کی شکل و صورت اور رنگ و روغن میں عیب نکالے ھیں اور کہا ھے کہ ان کی ناکیں چپٹی اور ان کے رنگ کالے ھیں اور وہ دیوتاؤں کے حضور نذرانے پیش نہیں کرتے ۳ ۔

جہاں تک رگ وید اور دوسرے ویدوں کے مؤرخین کا سوال ھے یقیناً انھوں نے اپنے مخالفین کی عیب جوئی ضروری جانی تھی اور ان میں کیڑے نکالے تھے ۔ ان کے لیے بددعائیں بھی کی تھیں اس لیے نہیں کہ وہ ان کے نزدیک سچ مچ پست اور حقیر لوگ تھے بلکہ محض اس لیے کہ وہ ان کے مخالفین تھے۔ انھوں نے اس وقت ھی نہیں کئی ھزار سال پہلے بھی ان کے بزرگوں سے ھاتھا پائی کی تھی ۔

۱۔ اینشنٹ اینڈ مڈیول اینڈ ص ۲۷ میؤر اور جنرل ٹکسٹس جز اول دوسرا ایڈیشن مطبوعہ ۱۸۶۸ ص ۱۵۹—۱۶۰

۲۔ پری بدھسٹ انڈیا ص ۵۰—۶۳—۶۴

۳۔ بینرجی شاستری ، اشورا انڈیا ص ۸۶—۸۷—پری بدھسٹ انڈیا ص ۶۴

ایک جتکا کہانی جس کا عنوان کلدوکہ ہے۔ قدیم ترین اشوریوں اور آرین کے مابین ایک اس لڑائی کا حال بیان کرتی ہے جو وادیٔ سندھ میں نہیں کوہ ھمالیہ کی ایک شاخ سومیرا کے آس پاس لڑی گئی تھی ۔ شروع میں آرین نے جو اس وقت دیوا کہلاتے تھے اشوروں کو پہاڑ کی بلندی سے نیچے لڑھکا دیا ۔ اشورہ گرنے کے باوجود اوپر کو اٹھے اور لڑائی کے لیے پھر سے آمادہ ہوگئے ۔ آرین فتح مندی کے احساس میں ان کو دوبارہ شکست دینے کے لیے ڈھلوانوں میں اتر گئے اور بہت گہرائی میں پہنچ کر ان سے نبردآزمائی کی ۔ اس بار اشوری جیتے اور آرین نے راہِ فرار اختیار کی اور کسی جگہ جم نہ سکے۔ ایک مقام سے دوسرے مقام پر بھاگے۔ دوسرے سے تیسرے اور تیسرے سے چوتھے ، یہاں تک سمبلی وانہ جا پہنچے ۱ ۔ وہ صرف وہاں جا کر سنبھلے ۔

دونوں فوجیں ایک بار پھر ایک دوسرے کے آمنے سامنے آئیں اور لڑائی پھر شروع ہو گئی ۔

ھمارا خیال یہ ہے کہ رگ وید کے برھمنوں نے اسی وجہ سے اشورہ کے لیے بدعائیں مانگی تھیں کہ وہ ان سے ایک تو ماضی میں پہاڑوں میں ھارے نہ تھے اور اب بھی برابر لڑے جا رہے تھے ۔ جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا ، جھنگ اور شورکوٹ کے قریب واقع سیوی ریاست ، کوئی دو سو سال قبلِ مسیح تک قائم رہی تھی اور مٹی نہ تھی اور آخر میں جمہوریت میں بدل گئی تھی ۔ جب تک رگ وید کے برھمن اس ریاست کے آس پاس آباد رہے انھیں ان میں کوئی عیب نہ نظر آیا تھا ۔ وہ ان کے بادشاھوں کی تعریف بھی کرتے اور ان کے لیے منتر بھی لکھتے تھے اور ھاتھی انعام بھی پاتے تھے ۔ نہ صرف یہ بلکہ آرین میڈے جو ساگالہ کے بادشاہ تھے انھیں ھنس ھنس کر اپنی بیٹیاں بھی دیتے تھے اور بڑا فخر محسوس کرتے تھے ۲۔

اس وقت اشوری یا شودر پاؤں کی تخلیق نہیں تھے ، اس وقت زیادہ سے زیادہ وہ برھمنوں اور ان کے ممدوحوں کے رقیبِ روسیاہ تھے۔

۱- آرین اینڈ پری ڈراویڈن آف انڈیا ص ۷—۸

۲- پری بدھسٹ انڈیا ص ۶۴ - ۵۴ -

یہ لوگ برھما کے پاؤں سے پیدا ہونے والی حقیر اور کم تر مخلوق تو صرف اس وقت ٹھیرے تھے جب ایتاریہ برھمنا سے بھی بعد کے دور میں کوئی چھ سو سال قبلِ مسیح میں یہ سیاسی لحاظ سے بہت پست ہو گئے تھے ، ان سے گندھارا اور سگالہ کی ریاستیں چھن گئی تھیں اور ایک اور تازہ دم اور قوی ہیکل اشوری یا اسیری خاندان نے سندھ کے تمام بالائی حصوں پر قبضہ کر لیا تھا اور اشوریوں کو ھتھیار پھینک کر برھمنوں کے ممدوح کشتریوں کی غلامی اختیار کرنا پڑی تھی اور یہ غلامی ھی ہر اس عیب کی موجب بنی تھی جو شدروں میں برھمنوں کی مالکانہ نظر کو دکھائی دیا تھا ۔

ورنہ جب تک شودر اشوری تھے ، ان کے ھاتھوں میں ھتھیار تھے ، ان کے بازوؤں میں دم تھا ، ان کے لیے برھمن بددعائیں ضرور کرتے ، ان کے سیاہ رنگت پر طنز بھی فرماتے ، ان کے کفر کا ذکر بھی ھوتا مگر ان کی تحقیر نہ کی جاتی ۔ ان کو دیکھ کر منہ نہ پھیرا جاتا اور ان کے سایہ سے گریز نہ کیا جاتا تھا ۔

فاضل ھیو کنیڈی ، البٹسن ، سٹین ، سرھولڈرنس ، مارسڈن اور ولز نے اس دور کے ھندو طبقاتی نظام اور ذات پات کے امتیاز کے اسباب تلاش کرتے وقت اسے سراسر برھمن کی ھوسِ اقتدار کا نتیجہ قرار دیا ھے جو رگ وید کے دور میں بھی مذھب کا ترجمان تھا اور جس نے بعد کے سمہتہ ، برھمنا اور اپنشاد کے زمانہ میں تو غیر معمولی اقتدار پا لیا تھا ۱ ۔ مثلاً ایچ جی ولز فرماتے ھیں کہ ھندوستان میں ذات پات کی اصل خواہ کوئی بھی وجہ کیوں نہ ھو ، اس میں کوئی شبہ نہیں ھے کہ برھمن نے ، اس باب میں اھم کردار ادا کیا تھا کیونکہ وھی قدیم رسوم روایات کا محافظ تھا اور وھی آرین کا مذھبی تنہا معلم تھا ۲ ۔

۱۔ البٹسن پنجاب سنسز رپورٹ ۱۸۸۱ ص ۲۱۲ پنجاب ایڈمنسٹریشن رپورٹ ص ۱۹۲ ، سرھولڈرنس پیلز اینڈ پرابلمز آف انڈیا ص ۴۶ مارسڈن ھسٹری آف انڈیا سینئر کلاسز جز اول ۱۶۳—۱۶۵—۱۶۹ میٹن ولیج کیمونیٹیز ان ایسٹ اینڈ ویسٹ ص ۲۱۷ ، ۲۱۸

۲۔ ایچ جی ولز آؤٹ لائن آف ھسٹری ص ۲۳۱

فاضل البٹسن کے نزدیک ہندوستان میں ان دنوں برہمن کو جو حیثیت حاصل تھی وہی انگلستان کے ان فقہا کو نصیب رہی ہے جو شروع شروع میں عیسائیت کے ترجمان تھے ۔ بلکہ ہندوستانی برہمن کا مذہبی اقتدار انگلستان کے فقہا سے کہیں زیادہ مضبوط اور قوی تھا کیونکہ ساری کی ساری مذہبی تقریبات نہ صرف ان کے تابع تھی ان کے سوا کوئی دوسرا انھیں سر انجام دینے کا قانوناً حق نہ رکھتا تھا اور برہمن کا یہ حق دیوتاؤں کا خاص عطیہ تھا جو موروثی ہوتا تھا ۔ پھر مذہبی رسوم کے مواقع پر برہمنوں نے جن منتروں کی تلاوت ضروری ٹھیرائی تھی ان کا علم صرف ان ھی تک محدود تھا ، وہ عوام میں سے کسی اور طبقہ کو اس سے بہرہ مند ہونے کا شرف نہ پانے دیتے تھے اور عوام کو اس کی زبان اور مفہوم سے دور دور رکھتے تھے ۱ ۔

فاضل البٹسن کے اس خیال کی تائید فاضل برڈلے کیتھ کی اس شہادت سے بھی ہوتی ہے جو فاضل محترم نے رگ وید کی ایک مشہور شرح آریناکہ کے بارے میں پیش کیا ہے کہ یہ شرح آریناکہ اس لیے کہی گئی ہے کہ یہ جنگلوں میں چھپ چھپ کر برہمن طلبا کو پڑھائی جاتی تھی اور پوری کوشش کی جاتی تھی کہ اس کا کوئی لفظ برہمنوں کے سوائے دوسرے لوگ سننے نہ پائیں ۲ ۔

برہمنوں کے اس طریقِ کار کے سبب ہیو کنیڈی کو یہ شکایت پیدا ہوئی ہے کہ اس دور کا مذہب الہامی مذہب ہونے کی بجائے برہمن مت میں تبدیل ہو گیا ۔

ہیو کنیڈی کہتے ہیں کہ چونکہ برہمن نے عوام کے سامنے یہ اصول وضع کرکے پیش کیا تھا کہ جو کوئی بھی برہمن کی درمے اور جنس سے خدمت کرے گا وہ دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کر لے گا ۔ اس لیے بے چارے عوام کو ان برہمنوں کے حضور نذرانے پیش کرنے پڑے ۔ اور یہ محض برہمن کی ہوسِ زر تھی اور جلبِ منفعت کا جذبہ تھا جو دیوتاؤں کے حضور قربانیاں پیش کرنے کا محرک بنا تھا ۔ برہمن چاھتا تھا

۱۔ البٹسن پنجاب سنسز رپورٹ ۱۸۸۱ ص ۲۱۲
۲۔ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول ص ۱۱۵

کہ عوام دیوتاؤں کے نام پر زیادہ قربانیاں پیش کریں اور انواع و اقسام کے کھانے نذر لائیں تا کہ برہمن کے کام و دھن کا سلسلہ قائم رہے۔

فاضل ھیو کنیڈی نے برہمن کے اسلوبِ فکر اور نظامِ کار پر خاصی سخت تنقید کی ہے اور اس کے مذھب کو محض جلبِ منفعت اور ہوسِ زر کا مذھب قرار دیا ہے[۱]۔

ھمارا کام برھمن پر نہ تو تنقید ہے اور نہ ھمیں اس کی حرف گیری سے کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ ھم نے ھیو کنیڈی کی یہ رائے محض اس لیے نقل کی ہے کہ اس کے نزدیک یہ صرف برھمن تھا جس نے اپنی خواھشات کی تکمیل اور کام ودھن کی لذت میں نت نئے اضافہ کی خاطر اپنی ذات کی سربلندی کے افسانے تراشے ، خود کو برھما کا بیٹا بتایا اور دوسرے انسانوں کو اپنے آپ سے نچلا ظاھر کیا۔

ھیو کنیڈی کے نزدیک اگر کشتری سپاھی نہ ھوتا ، اگر اس کا ھاتھ تلوار کے دستے پر اور اس کا پاؤں تخت پر نہ ھوتا ، تو برھمن اسے بھی حقیر ظاھر کرتا۔ اس نے کشتری کو محض اس لیے بادشاھت اور دنیاوی سرفرازی کی سند عطا کی کہ پہلے سے برسر اقتدار تھا اور برھمن کی ساری لذتیں اس کے اشارۂ چشم کی منتظر رھتی تھیں۔

فاضل ھیو کنیڈی کا خیال ہے کہ اگر برھمن نیک نفس ھوتا اگر دنیاوی لذتوں کی ھوس اسے دامن گیر نہ ھوتی تو وہ پروھت کے منصب کو موروثی قرار نہ دیتا ، ویدوں کی تعلیم کو محض اپنے طبقہ تک محدود نہ رکھتا اور اس کی کوشش یہ نہ ھوتی کہ عوام جاھل رھیں اور بادشاھوں کا اقتدار دن بدن بڑھتا جائے۔

فاضل ھیو کنیڈی کا یہ استدلال بڑا وزنی ہے کہ برھمنوں نے بادشاھت حتیٰ کہ تمام پیشوں کو موروثی قرار دے کر جہاں آرین معاشرہ کو مختلف طبقات میں تقسیم کر دیا وھاں اپنی نسل کا رزق اور تعیش بھی محفوظ کر لیا تھا۔ چھوٹی اور بڑی ذاتوں کو اگر برھمن موروثی نہ قرار دیتے۔ اگر یہ نہ کہتے کہ برھمن کا بیٹا برھمن ھوتا ہے اور وھی مذھبی سربراھی کا شرف پا سکتا ہے، کشتری کا بیٹا کشتری ھوتا ہے اور وھی سیاسی سربراھی کا حق

۱۔ لینڈ آف فائیو ریورز ص ۵۷

دار ہے ۔ ویشیا کا بیٹا ویشیا ہی رہتا ہے وہ نہ برہمن کی جگہ پروہت کی گدی سنبھال سکتا ہے اور نہ کشتری کا ہتھیار جسم سے سجا کر تخت پر قدم رکھ سکتا ہے تو بہت ممکن تھا کہ عام آرین پروہت بننے اور بادشاہت کا منصب پانے کے لیے جدوجہد کرنے لگتے ۱۔

فاضل البٹسن کے نزدیک برہمنوں نے چھوٹی ذاتوں کے افراد کے حوصلے پست کرنے اور انھیں ان کی ذاتوں کے اندر محدود رکھنے کی خاطر ان کے خون پر نجس ہونے کے دھبے بھی ڈال دیے تھے اور ان کے چہروں پر گندگی اور غلاظت کی ایسی موروثی سیاہی مل دی تھی جسے کوئی عمل دھو نہ سکتا تھا ۲ ۔

یوں ہیو کنیڈی کی رو سے ذات پات کے بہت سے قوانین و ضوابط قدیم دور کے قبائلی رسوم و رواج کی پیداوار ہیں اور یہ صرف پنجاب کے آرین قبائل کے ساتھ مخصوص نہیں ۔ قریب قریب اس دور کے اکثر ممالک کے قبائلی رسوم و رواج اس نوع کے تھے ۔ خصوصیت سے رومن اور یونانی قبائلی تو بالکل اسی انداز کی طبقاتی حد بندی میں جکڑے ہوئے تھے۔ روم کے پلبئین پیٹر یسن طبقہ کی خواتین سے شادی کا حق حاصل کرنے کی خاطر بہت دنوں تک سخت جدوجہد کرتے رہے تب کہیں جا کر انھیں یہ شرف ملا تھا۔ شادی بیاہ کے علاوہ چھوٹے طبقات پر ان دنوں کئی اور پابندیاں روم اور یونان میں عائد تھیں ۳ ۔

گو شروع شروع میں ان پابندیوں کا مقصود یہ تھا کہ قبیلہ کی قوت و جتھہ بندی میں اضافہ ہو ۔ لیکن بعد میں جب شہری زندگی نے نشو و نما پائی اور کئی تہذیبی سرگرمیاں بڑھیں ، نئے نئے پیشے ابھرے ، تو ان پیشہ وروں نے اپنی گروہ بندی میں قبائلی رسوم و رواج کو اپنا لیا ۔ یوں بھی یہ قدرتی بات تھی کہ پیشہ کے لوگ ، ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہوتے ، اور خون کے رشتے کو پس ِ پشت ڈال دیتے اور اپنی مہارت

۱۔ لینڈ آف فائو ریورز ۔

۲۔ البٹسن سنسز رپورٹ ۱۸۸۱ء ص ۲۱۲ ۔ پنجاب ایڈمنسٹریشن رپورٹ ص ۶۴۲

۳ سر ہولڈرنس ، پیپلز اینڈ پرابلمز آف انڈیا ص ۹۱—۹۲

اور ہنر کے راز صرف اپنے ان شاگردوں کے سپرد کرتے ، جو برسہا برس سے ان کی خدمت کر رہے تھے۱ -

ہمیں ایسی کوئی شہادت میسر نہیں آتی کہ اس دور میں مختلف پیشہ وروں نے کس انداز کی گروہ بندیاں قائم کر رکھی تھیں ، اور آیا ایک گروہ کے پیشہ‌ور کو دوسرے گروہ کے فرد سے کوئی رقابت تھی یا نہ تھی اور آیا ایک پیشہ کے دروازے دوسرے پیشہ ور پر کھلے تھے یا بند تھے ؟

فاضل ہیو کنیڈی کا خیال ہے کہ کوئی بھی نئے دور کی تحقیق ، ان تفصیلات پر حاوی نہیں ہو سکی البتہ اس سے جو نتیجہ نکالا جا سکتا ہے ، وہ صرف یہ ہے کہ ان پیشوں کی اصل یا تو قبائلی حد بندی، تھی ، یا پیشوں کی موروثیت اس تقسیم کا موجب ہوئی تھی - کیونکہ شروع دور میں معاشرے کے سربراہوں کے نزدیک یہ ضروری سمجھا جانے لگا تھا کہ لوہار کا بیٹا لوہار ھی بنے ، ترکھان کا بیٹا ترکھان کا کام ھی سیکھے - گو یہ پابندی کچھ دنوں تک برابر ملحوظ رہی لیکن پیشہ ور زیست کی راہیں چونکہ بہت دشوار گزار تھیں اس لیے کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ترکھان کا بیٹا ، لوہار بن جاتا اور لوہار کا بیٹا ترکھان - مگر برھمنوں کی سربراھی نے ایسا کبھی نہ ہونے دیا کہ شودر کا بیٹا ویشیا بن جائے اور ویشیا کا بیٹا ، برھمن یا کھشتری کہلانے لگے کہ یوں ان کی نسل کی سیاسی اور مذہبی سربراھی پر زوال آ جاتا ، اور انہیں بھی زیست کی دشوار گزار راھوں پر پسینہ سے شرابور اور مٹی میں لت پت ہوکر شودر اور ویشیا کے ساتھ ساتھ دوڑنا پڑتا۲ -

فاضل البٹسن کا یہ سوال منطقی ہے کہ جب شروع دور ھی سے پوری دنیا طبقاتی تقسیم میں بٹی تھی ، جب ھر جگہ شریف اور جاگیردار اور اونچے آدمی کا بیٹا ، اپنے باپ کی خالی جگہ لازماً پر کرتا ، جب لوھار باپ کے مرنے پر اس کا بیٹا ، اس کے اوزاروں سے لوہے کا سر پیٹنے پر مجبور تھا تو ھندوستان میں بھی ایسا کیوں نہ ہوتا ؟ صرف فرق یہ ہے کہ یہاں ذرا آنچ تیز ہوگئی تھی اور اس آنچ کو تیز کرنے میں مذھب

---

۱ و ۲- لینڈ آف فائیو ریورز ، ص ۵۹ -

نے ضرورت سے زیادہ حصہ لیا تھا ورنہ ہندوستان میں جس طبقاتی تقسیم کو ذات پات کا نام ملا ہے ، وہ انگلستان میں 'حیثیت' یا 'اوقات' کا عنوان پاتی ہے[1] -

فاضل ہیو کنیڈی نے بھی یہی استدلال اختیار کیا ہے ۔ وہ کہتے ہیں ہندوستان میں ذات پات کی تقسیم اور پیشوں کا آغاز بالکل اسی طرح ہوا تھا جس طرح دوسرے ملکوں میں ہوا تھا ۔ اس کے اسباب یا تو سیاسی اور مذہبی تھے اور یا پیشہ ورانہ حد بندی تھی ۔ لیکن دوسرے ملکوں میں خاص طور پر یورپ میں مذہب کے رکھوالے گروہ نے اپنے طبقہ کے دروازے عوام پر یوں سختی سے بند نہ کیے تھے جیسے ہندوستان کے برھمنوں نے کیے ۔ یہاں پروہت کا بیٹا ھی پروھت ھو سکتا تھا ، مگر یورپ میں پادری کے بیٹے کے لیے یہ ضروری نہ تھا کہ پادری بنے ۔ غیر پادری خاندان کا فرد بھی ، پادری بن سکتا تھا ، خواہ اس کی حوصلہ افزائی نہ کی جاتی تھی -

فاضل ہیو کنیڈی کے نزدیک ، پیشوں یا منصبوں کی موروثیت اور سختی سے حد بندی نے عوامی معاشرہ پر نہ صرف آزاد زیست کی راہیں مسدود کر دیں ، جرأت مند اور قسمت آزما افراد سے آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کے ذرائع چھین لیے[2]- یہ صرف قبیلے یا خاندان تھے جو متحدہ جد و جہد میں آگے بڑھ سکتے تھے اور اپنی حیثیت مضبوط کرسکتے تھے[2] - یہ یا تو برھمن تھے یا کشتری ، جو اوپر اٹھتے آسمانوں کو چھوتے اور بد نصیب شودر اور ویشیا ، آسمان کی طرف دیکھنے لگتے تو ان کی آنکھیں چھید دی جاتیں -

اور یہ سزا انھیں محض اس لیے ملتی تھی کہ انھوں نے آرین کے ھاتھ اپنی آزادی بیچ کر غلامی اختیار کر لی تھی ۔ انھیں گو آرین گاؤں میں رھائش رکھنے کا حق مسیر تھا ، لیکن ان کی بستیاں ان کی پستی کی مظہر ھونے کی حیثیت سے ، گاؤں کے باھر بنی تھیں اور ان کی

۱- البٹسن پنجاب سنسز رپورٹ ۱۸۸۱ء - ص ۳۳۴ - پنجاب ایڈمنسٹریشن رپورٹ ص ۶۱۰ -

۲ - لینڈ آف فائیو ریورز ص ۵۹ -

خستہ حالی ھی اس امر کا پتہ دے دیتی تھی کہ یہ کمینوں کی آبادیاں ھیں۔

یہ لوگ ، آرین آزاد لوگوں کے چھوٹے بڑے ، سارے کام کرتے۔ ان ھی کے ذمہ ، جانوروں کے اصطبلوں کی صفائی تھی اور ان ھی سے ، باقی گاؤں کو صاف رکھنے کا کام لیا جاتا تھا۔ ان ھی میں ، ایک گروہ ان کا بھی تھا ، جو چمڑا رنگتے ، جوتے سیتے ، یا چمڑے کا دوسرا کاروبار کرتے تھے۔ ان ھی میں وہ جولاھے تھے ، جو ، چمڑا رنگنے کے کام کو غلیظ سمجھ کر ، کپڑا بننے لگے تھے۔

یہ بے چارے شودر ، گو برھمن کے نزدیک انتہائی کمینے اور ذلیل تھے ، لیکن وہ مذھب کے معاملات میں برھمن کے محتاج تھے[۱]۔ وہ ان ھی کے ذریعے دیوتاؤں کے حضور نذرانے پیش کرتے تھے اور ان ھی ذریعہ مذھبی رسوم بجا لاتے تھے۔

فاضل ھیو کنیڈی کا خیال ھے ، کہ برھمنوں ، کشتریوں ، تاجروں اور کمینوں کے علاوہ ، ایک بہت بڑا طبقہ زراعت پیشہ لوگوں پر مشتمل تھا۔ پنجاب کے یہ زراعت پیشہ لوگ ، گو برھمن کے بنائے ھوئے طبقاتی نظام کی کچھ زیادہ سختی سے پابندی نہ کرتے تھے ، لیکن یہ اس سے کافی متاثر تھے۔ خصوصیت سے ایسے لوگ جو آرین جاگیرداروں کے مزارع اور کاشتکار تھے۔ جہاں جاگیرداری نظام نہ تھا اور یہ لوگ زمینوں کے خود مالک تھے وھاں ان میں باھم طبقاتی منافرت بہت کم تھی[۲]۔ یوں بھی ، یہ دیہاتی سادہ لوح لوگ ، گو کمینوں سے خوب کام لیتے ، انھیں ذات کے لحاظ سے کم تر بھی جانتے ، لیکن انھیں ، جانور نہ سمجھتے تھے۔

بلاشبہ پنجاب کی شہری آبادی ، برھمن طبقاتی نظام کے تابع تھی اور اس کے ھاں کی طبقاتی تقسیم اور گنگا کے کناروں کے آباد کار آرین کے معاشرہ میں کوئی فرق نہ تھا[۳]۔

---

۱ - البسٹن ۵۶۵ - ھولڈرنس ۱۰۰ - ۱۰۲ -

۲ - لینڈ آف فائیو ریورز ص ۶۳ -

۳ - ایضاً ص ۶۵ -

انگریز فلسفی مؤرخ ، ایچ ۔ جی ویلز کی رو سے ، گنگا کے کناروں کے آس پاس آرین معاشرہ ، ذات پات کے جس امتیاز اور طبقاتی تقسیم میں ان دنوں الجھا تھا ، وہ اس دور کی تخلیق نہیں ، حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے کی پیداوار تھی ۔ یوں ہندوستان نے اس مسئلہ کو آخر میں جو شکل دے دی تھی وہ ہر لحاظ سے انفرادی تھی اور اس کی مثال دنیا بھر میں کہیں موجود نہ تھی ۔ گو اس کے اصل چہرہ پر ، قدامت کے تاریک اور تہ بہ تہ پردے پڑے ہیں تاہم تین سو سال قبلِ مسیح میں جب سکندر اعظم شمال مغربی ہندوستان پر حملہ آور ہوا تھا تو یہ نظام انتہائی پختگی حاصل کر چکا تھا ۱ ۔

دوسرے مستشرقین کی طرح ، ویلز نے بھی اس طبقاتی نظام پر جرح کی ہے ۔ ان کے نزدیک ، ہندوستان میں رائج اس طبقاتی تقسیم کے گروہ ، ایک دوسرے سے اس درجہ الگ تھلگ تھے ، ان میں اس حد تک نفرت پیدا کر دی گئی تھی ، کہ وہ نہ دوسرے کے ساتھ کھا پی سکتے اور نہ شادی بیاہ ہی کر سکتے تھے ۔ اور اگر کوئی ، فرد بشر ، ایسی غلطی کر لیتا تھا تو ذاتیں ، انہیں ، اپنے میں سے باہر نکال دیتی تھیں ، اور یہ طبقاتی تقسیم کے دور میں بہت بڑی سزا تھی۲ ۔

پروفیسر برڈلے کیتھ کے خیال میں ذات پات کا امتیاز ، تتیریا برھمنا کے دور میں ابھرا تھا ۔ اس نے مثال دی ہے کہ رگ وید کے دور میں پیشے عموماً معزز سمجھے جاتے تھے ۔ کیونکہ ان کے بغیر زیست کی راہیں آسان نہ تھی ۔ مثلاً ، رتھ کار کو رگ وید نے معزز پیشہ سمجھا ہے ۔ لیکن تتیریا برھمنا میں جو پیشِ نظر دور کی اہم مذہبی دستاویز ہے ، رتھ کار کو بڑی حقارت کے ساتھ یاد کیا گیا ہے ۔ جس کے معنی واضح ہیں کہ اس عوامی آرین پیشہ ور کی وہ حیثیت ختم ہوگئی تھی جو اسے ایک آزاد شہری کے طور پر رگ وید کے زمانہ میں حاصل تھی ۔ یہ مثال پیش کرنے کے بعد فاضل برڈلے کیتھ اس موضوع پر مزید روشنی ڈالتے ہیں ۔

---

۱ ۔ آؤٹ لائن آف ہسٹری اشاعت ہشتم کیسل اینڈ کمپنی ۔ص ۲۰۳

۲ ۔ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول ص ۱۲۵ ۔

کہتے ہیں کہ اس دور میں ، ذات پات کی تفریق اس لیے بھی ابھری تھی کہ آرین اور پہلے کے آباد کاروں کے مابین شادی بیاہ کی رسم بہت عام ہوگئی تھی اور دونوں کے میل جول سے ایک نئی نسل پیدا ہوگئی تھی جسے برہمن سیاسی اور معاشرتی لحاظ سے بہت حقیر جانتا تھا۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ محض کشتری اور ویشیا آرین ہی شودر عورتوں سے شادی نہ کرتے ، برہمنوں سے بھی یہ بھول چوک ہو جاتی تھی ورنہ پروہت کو اشا اور داتسہ پر ان کے ہم عصر برہمن علما طنز نہ کرتے اور انھیں شودر عورتوں کی اولاد نہ ٹھیراتے ۱۔

برڈلے کیتھ کے نزدیک ، آرین مردوں کا پہلے کی آباد کار عورتوں سے میل جول ، اس پریشانی کا پہلا موجب بنا تھا اور برہمنوں کو خطرہ پیدا ہوگیا تھا ، کہ کہیں آرین خون کی پاکیزگی ہی ختم نہ ہو جائے۔ بالکل اسی طرح جس طرح آج کل امریکہ کے سفید فاموں کے لیے ، اس سوال نے بڑی اہمیت حاصل کر رکھی ہے۔ حالانکہ رگ وید میں جو بنیادی مذہبی الہامی کتاب ہے ، اس قسم کے کسی سوال کو اٹھایا نہیں گیا تھا اور شادی بیاہ پر ، اس کے سوا کوئی اور پابندی عائد نہ ہوئی تھی کہ بھائی ، بہن سے نکاح نہ کرے اور باپ بیٹی کا شوہر نہ بنے۔ سترا ، ایک قدم اور آگے بڑھتا ہے اور آرین افراد پر حکم لگاتا ہے کہ وہ صرف اپنے طبقہ ، کفو اور برادری میں بیاہ کریں ، اور اگر ، کوئی مرد ، کسی غیر ذات کی عورت سے بیاہ کرنا چاہے ، تو وہ صرف اپنے سے نچلے طبقہ میں سے اس کا انتخاب کرے۔ سترا میں ، برہمن کو ، کشتری اور ویشیا دونوں طبقوں کی عورتوں سے نکاح کا مجاز قرار ٹھیرایا گیا ہے۔ کیونکہ وہ برہمن تھا ، اور ہو سکتا تھا کہ اسے کشتری خاتون بھی پسند آ جائے اور ویشیا بھی۔ بہ ہر حال کشتری کو بھی جو حکمران جاعت تھی ، ویشیا عورتوں سے نکاح کی اجازت دے دی گئی تھی کبھی کبھی تو انھیں یہ حق بھی مل جاتا کہ وہ شودر عورتوں سے بھی بیاہ رچا لیں۔ گو سترا میں ،

---

۱ - کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول ص ۱۲۵ - ۱۲۸ -

شادی بیاہ پر کئی نئی پابندیاں عائد ہوتیں لیکن انھیں عملی جامہ پہنانے میں کچھ زیادہ سختی نہ برتی جاتی۔

برھمنا میں بھی گو یہ حد بندی موجود ہے، لیکن اس سے کئی ایسی مثالیں ملتی ہیں جب کہ برھمنوں اور اونچے سیاسی شرفا کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنے سے نچلے آرین طبقات کی خواتین سے بیاہ کر لیں، حتیٰ کہ شودر عورتوں کو بھی گھر میں بسا سکتے تھے۔ جیسے کہ پروہت داتسہ اور پروہت کواشا کے باپوں نے دو شودر خواتین کو اپنے گھروں میں ڈال لیا تھا۔

برھمنا میں پروہت شیادانہ کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ اس نے بادشا کریاتہ کی سپتری سکیانہ سے شادی کی تھی اور سکیانہ کشتری عورت تھی۔ برھمنا میں اور نہ اپنشاد میں ایسی کوئی مثال دی گئی ہے، جو یہ ظاہر کرے، کہ ویشیا یا شودر مردوں نے بھی کسی کشتری یا برھمن خاتون سے بیاہ رچایا تھا اور اس پر کوئی تنقید نہیں کی گئی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ، ایسی کوئی شہادت میسر نہیں آتی جس کی بنا پر یہ کہا جا سکے، کہ ویشیا طبقہ میں سے کسی فرد نے، اس پورے دور میں، معاشرتی حیثیت سے اتنی ترقی کر لی، کہ پروہت کا مقام پا لیا، یا بادشاہت کی مسند پر قدم رکھ دیے۔ اور یہ شہادتیں محض اس لیے میسر نہیں آئیں کہ برھمن اور کشتری نے، سیاست اور مذہب کی سربراہی کو بہت سختی کے ساتھ، اپنے ساتھ مخصوص کر لیا تھا اور ان آرین عوام کو، جو گو ان ھی کی طرح، اور ان کے ساتھ ساتھ، وسطی ایشیا کے میدانوں کو پامال کرتے، شمالی مغربی ہند کے ان میدانوں میں داخل ہوئے تھے، ان کی اقتصادی بدحالی یا فطری کمزوری کے باعث، ہر قسم کی سیاسی اور مذھبی ترقی سے محروم کر دیا تھا۔ اور چونکہ مذھبی روایات، برھمن کے زیرِ سایہ ترتیب پا رھی تھیں، اس لیے برھمن نے، جو روایات منضبط کیں، ان میں اپنا اور اپنے سیاسی سربراہ کشتری کا مفاد تو محفوظ کرلیا، لیکن آرین عوام یا ویشیا کو کوئی تحفظ نہ بخشا۔ مثلاً، کشتری کے بارے میں، جس کی برھمن کو سرپرستی انتہائی عزیز تھی، ارشاد ھوا کہ وہ مکمل انسان ہے، اس کی ذات معیاری ہے اور باقی

تمام ذاتیں اور آرین عوام اس کے تابع ھیں - اور اپنے متعلق فرمایا ، برھمن ، نذارنے وصول کرنے ، مذھبی رسوم سر انجام دینے ، سوما شراب پینے ، اور دوسرں سے اپنی خوراک حاصل کرنے کا پورا حق رکھتا ھے۱ - اور یہ حق ، بعد کے سمتہ ، برھمنا اور اپنشاد کے دوران ، برھمن نے خوب خوب وصول کیا - اس نے ، بادشاھوں اور بڑوں سے نذرانے مسلسل و متواتر وصول کرنے کی خاطر ، مذھبی رسوم کو ایک ایک سال تک برابر اور مسلسل جاری رکھا۲ - نہ صرف وہ مذھبی رسوم کی سربراھی ھی کا فریضہ انجام دیتا ، وہ سیاست میں بھی مداخلت کرتا اور بادشاھوں کے ذھن پر کچھ اس طرح قابو پا لیتا کہ وہ کٹ پتلی کی حیثیت اختیار کر جاتے -

یوں بلاشبہ ، سارے کے سارے برھمن ، اس درجہ مقتدر نہ ھوتے تھے - خصوصیت سے ان برھمنوں کا اقتدار تو بہت محدود ھوتا ، جو بادشاھوں یا سربراھوں سے متعلق نہ ھوتے تھے اور جن کی قسمت نے انھیں زمین ، گاؤں کے چودھریوں یا عام کاشتکار آرین سے مخصوص کر دیا تھا - گاؤں کے یہ پروھت یا برھمن ، گاؤں کے چودھریوں اور آرین عوام سے دیوتاؤں کے نام پر ، یوں تو نذرانے بھی وصول کرتے ، دیوتاؤں کے حضور پیش کی جانے والی قربانیوں کا گوشت بھی کھاتے لیکن ان کی اقتصادی حالت ، اس برھمن طبقہ ایسی نہ تھی ، جو بادشاھوں یا قبیلہ کے طاقت ور سربراھوں سے متعلق تھا - تاھم ، اپنے محدود دائرہ میں ، مذھبی سربراھی ، اسی کی ملک تھی - وھی شادی بیاھوں کو تقدس بخشتا ، وھی ، موت پر ، آرین مردوں کو سؤرگ کی راہ دکھاتا تھا - شہروں اور دیہات ، میں پورا کا پورا آرین معاشرہ ، برھمن ھی کے زیر تسلط تھا - اور اس وجہ سے اسے یہ حق حاصل ھوا ، کہ وہ آرین عوام کے بارے میں برھمن اور اپنشاد میں حکم لگائے کہ اس کی نہ خوشی اپنی ھے اور نہ غمی اپنی - وہ زندگی کی کسی راہ پر ، آپ اپنی مرضی

۱- کیمبرج ھسٹری آف انڈیا جلد اول ص ۱۲۸ -
۲- ایضاً -

سے دوڑنا چاہے بھی تو دوڑ نہیں سکتا - وہ اس وقت تک ، اپنے زیرِ قبضہ زمین یا دوسری املاک کا مالک رہ سکتا ہے ، جب کہ وہ ، بادشاہ یا قبیلہ کے سربراہ کے احکام کا پابند رہے اور جب تک وہ ، اپنے بادشاہ ، سربراہ یا بادشاہ کی طرف سے مقرر کردہ جاگیردار یا کسی دوسرے عامل کے تعیش کا سامان بہم پہنچاتا رہے اور ہر فصل کے موقعہ پر بادشاہ یا جاگیردار کے آدمیوں کو پیداوار کا ایک متعین اور مقررہ حصہ نذر کرتا رہے -

پروفیسر برڈلے کیتھ ، بڑے اعتماد کے ساتھ کہتے ھیں کہ یہی وہ شے تھی جس نے رگ وید کے مابعد کے معاشرتی آرین ماحول میں ایک عام آدمی اور ایک شریف بڑے میں ، آہستہ آہستہ ناقابلِ عبور خلیج حائل کر دی تھی ، عوام کی حالت دن پر دن پست ہوتی جا رہی تھی اور شرفا اوپر اٹھتے اور بلند سے بلند تر ہوگئے تھے ۱-

آرین عوام یا ویشیا کے بارے میں ، اس دور میں گو خاصی سختی برتی گئی اور ان کی مشیت بہت کم ہوگئی تھی ، لیکن سب سے زیادہ بدسلوکی شودر سے اور پار ھی سے ہوئی جو پہلے دور کے ڈراویڈن اور باھر سے آئے ہوئے قدیم فاتح تھے ۲-

ڈراویڈن کے بارے میں پیچھے کہا جا چکا ہے کہ وہ بڑے مہذب لوگ تھے - اور آرین ھی کی طرح ایک بڑی تہذیب کے حامل تھے ، بلکہ ھسٹری ان آرین رول ان انڈیا کے مصنف ای - بی - ھومیل کی رو سے ، یہ وھی تھے ، جن کے دیہی نظام کی اساس پر ، آرین نے اپنے دیہی معاشرہ کی عمارت کھڑی کی تھی۳ - مگر یہ پہلے دور کے مہذب اب نہ صرف بد تہذیب بن گئے تھے آرین مذھبی صحیفوں کی رو سے نجس اور سراسر ناپاک بھی ٹھیرے تھے - ان کے سایہ سے ، مذھبی تقریب کا تقدس بھسم ھو جاتا اور ان کے وجود اس قابل نہ تھے کہ برھمن ، سے ہم کلام ھی ھو سکتے۴ - برھمن تو خیر برھمن تھا ، شودر کو

۱- کیمبرج ھسٹری آف انڈیا ص ۱۲۶ -
۲- آوٹ لائن آف ھسٹری -
۳- ھسٹری آف آرین رول ان انڈیا ص ۴۱ - ۵۱ -
۴- کیمبرج ھسٹری آف انڈیا ص ۱۲۹ -

یہ سعادت بھی نہ دی گئی کہ وہ کسی آرین سے مل جل سکتا۱ -

فاضل ایچ - جی - ویلز نے ، اس دور کے طبقاتی نظام اور ذات پات کی تمیز پر تبصرہ کرتے ہوئے گو بڑے اختصار سے کام لیا ہے مگر ان کے نزدیک اس دور میں ، ہندوستانی آرین ذہن میں ذات پات کی تمیز بری طرح واضح ہو چکی تھی - چھ سو سال قبل مسیح کے عظیم مصلح ، مہاتما بدھ نے ، اس نظام کے خلاف بڑا احتجاج کیا ، اور بالکل اس طرح جس طرح ، گنگا کے معاون چار دریا ، گنگا سے مل جانے کے بعد اپنے جداگانہ وجود سے محروم ہو جاتے ہیں ، وہ لوگ جو بدھ مت کے پیرو کار بن گئے تھے ، نہ برہمن رہے تھے : نہ کشتری ، نہ ویشیا اور نہ شودر۲ -

ہمارے نزدیک یہ باب اس وقت تک تشنہ ہے جب تک ہم اس مشہور یونانی فلسفی مصنف ایرین کی شہادت قلمبند نہ کریں - یہ مشہور فلسفی ، بشینیہ کے ایک مقام نکویڈیا کا رہنے والا تھا - اسے ہندوستان سے بہت دلچسپی تھی اور اس کی کتاب انڈیکا ، ہندوستان کے قدیم حالات پر ایک مستند دستاویز ہے -

ایرین اپنی کتاب کے گیارھویں باب میں لکھتا ہے '' مزید براں ہندوستان کے لوگ سات طبقات میں بٹے ہوئے ہیں ، ان ہی میں وہ معنمین ہیں جو لوگوں کو مذہبی تعلیم دیتے ہیں ، گو ان کی تعداد دوسرے طبقات کی طرح کچھ زیادہ نہیں ہے ، تاہم انہیں سماج میں بڑی عزت و وجاہت نصیب ہے - انہیں روٹی کمانے کے لیے کوئی جسمانی محنت کرنا نہیں پڑتی ، نہ ہی اپنی محنت کی کمائی میں سے ، کسی کو کچھ لازماً دینا پڑتا ہے - ان پر کسی قسم کا کوئی ٹیکس بھی عائد نہیں ہے اور نہ وہ زبردستی کسی کی خدمت کرنے پر مجبور کیے جاتے ہیں - ان کے ذمہ ، ان قربانیوں کی نگرانی اور اہتمام ہے جو ریاست کی طرف سے دیوتاؤں کے حضور پیش کی جاتی ہیں - اگر عوام میں سے کوئی فرد ، انفرادی طور پر ، دیوتاؤں کے حضور قربانی نذر لاتا ہے ، اس کی رہنمائی بھی وہی کرتے ہیں - ان کی رہنمائی کے بغیر ، کوئی

۱- ارلی ہسٹری آف انڈیا بائی پانیکار ص ۲ - ۳ -

۲- آؤٹ لائن آف ہسٹری ، ص ۲۳۱ -

قربانی ، دیوتاؤں کے نزدیک قابلِ قبول نہیں سمجھی جاتی ۔ ہندوستانیوں میں مذہبی علم کے حدود صرف ان ہی برہمن علما تک محدود ہیں اور برہمنوں کے سوا کوئی دوسرا ، انھیں پار نہیں کر سکتا ۔ وہی قربانیوں کے ذریعہ ، ریاست اور بادشاہوں کے سروں پر بلائیں ٹالنے کی کوشش کرتے ہیں ۔

ان میں سے بعض سادھو بھی ہیں جو ننگے رہتے ہیں اور سردیوں میں ، کھلی فضا میں دھوپ تاپتے ہیں ، اور گرمیوں میں دھوپ کی شدت سے بچنے کے لیے سایہ دار درختوں کے سایہ میں بیٹھتے ہیں اور موسمی پھلوں پر گزارہ کرتے ہیں ۔

ان برہمن یا مذہبی لوگوں کے بعد دوسرا طبقہ کاشتکاروں کا ہے ، جو زمین کاشت کرتے ہیں ۔ کاشتکاروں کا یہ طبقہ کافی بڑا ہے اور فوجی خدمات سے مستثنیٰ ہے ۔ اس کا کام صرف زراعت ہے ۔ وہ حکومت کو زمین کی پیداوار میں سے خراج ادا کرتا ہے اور اپنے کام میں مصروف رہتا ہے ۔

تیسرا طبقہ ، گڈریوں اور گوجروں کا ہے ۔ یہ بھیڑوں اور بکریوں اور دوسرے پالتو جانوروں کو پالتے ہیں ۔ یہ لوگ خانہ بدوش ہیں ، اور زیادہ تر پہاڑوں اور جنگلوں میں اپنے جانوروں کے ریوڑ چراتے رہتے ہیں ۔ ان لوگوں کو بھی ، اپنے جانوروں میں سے حکومت کو خراج ادا کرنا پڑتا ہے ۔

چوتھا طبقہ صنعت کاروں ، نجاروں ، لوہاروں اور اس قسم کے دوسرے پیشہ وروں کا ہے ۔ یہ لوگ عوام کی ضرورتوں کا سامان تیار کرتے اور اپنی صنعتوں کی آمدنی میں سے حکومت کو جزیہ دیتے ہیں ۔ البتہ اس جزیہ سے وہ مستثنیٰ ہیں جو جنگی اسلحہ تیار کرتے ہیں ۔ اس طبقہ میں کشتیاں تیار کرنے والے ، اور ملاح بھی شامل ہیں[۱] ۔

پانچویں جماعت ، سپاہیوں کی ہے (فاضل ارین کے نزدیک) سپاہیوں کی یہ جماعت صنعت پیشہ لوگوں سے گو تھوڑی ہے لیکن اسے ،

---

۱ ۔ ایرین انڈیکا ترجمہ ۔ جے ۔ ڈبلیو میک کرنڈلے مطبوعہ چکرورتی ، چیٹرجی اینڈ کمپنی ۱۹۲۶ ص ۲۱۵ ۔

صنعت کاروں کے ہندو سماج میں زیادہ حیثیت حاصل ہے اور آسائش و آرام کے ساتھ ساتھ مکمل آزادی نصیب ہے ۔ انھیں صرف فوجی خدمات انجام دینا پڑتی ہیں ۔ وہ صرف لڑتے ہیں ، عام لوگ ان کے لیے ہتھیار بناتے ہیں ، انھیں گھوڑے مہیا کرتے ہیں اور فوجی چھاؤنیوں میں ، ان کے گھوڑوں کی رکھوالی کرتے اور ان کی دوسری خدمات بجا لاتے ہیں ۔ عوام ہی ان کے رتھ کھینچتے اور ان کے ہاتھیوں کی سائیسی کرتے ہیں ۔ جب تک لڑائی رہتی ہے ۔ یہ سپاہی ہتھیار اٹھاتے ہیں اور جوں ہی لڑائی ختم ہو جاتی ہے ، یہ خود کو عیاشی کے سپرد کر دیتے ہیں ۔ انہیں ریاست کی طرف سے باقاعدہ تنخواہ ملتی ہے ۔ یہ تنخواہ اتنی معقول ہوتی ہے کہ اس سے وہ اپنی گزر اوقات بھی کرتے ہیں اور اپنے لواحقین کا خرچ بھی چلاتے ہیں ۔

چھٹا طبقہ سرکاری ملازمین اور عوامی زندگی کے نگران کاروں کا ہے ۔ یہ عوام پر حکومت کے جاسوس بھی ہوتے ہیں ، وہ عوام کے حالات اور ان کے افعال و حرکات سے حکومت کو خبردار کرتے اور عوامی زندگی کے محاسبہ کا فریضہ انجام دیتے ہیں ۔

ساتواں طبقہ ، حکومت کے مشیروں اور صلاح کاروں پر مشتمل ہے ۔ یہ لوگ ، بادشاہ کو یا مجسٹریٹوں کو ، حکومت کے معاملات میں مشورہ دیتے اور ان سے امورِ حکومت میں تعاون کرتے ہیں ۔ گو تعداد کے لحاظ سے یہ بہت مختصر گروہ ہے ، لیکن اس کے اختیارات بہت وسیع ہیں ۔ وہی سرکاری عمال ، صوبیداروں ، فوجداروں اور دوسرے اہل کاروں کا تقرر اور تنزل کرتا ہے ۔"

ایرین ، اس وقت کے ہندو سماج کو سات طبقات میں تقسیم کرنے کے بعد یہ تبصرہ بھی کرتا ہے کہ ان طبقات کو ، ایک دوسرے سے مناکحت کا تعلق قائم کرنے کی ممانعت ہے ۔ مثال کے طور پر ، صنعت کار سپاہیوں کی عورتوں سے شادی نہیں کر سکتے ، اور سپاہی کو صنعت کاروں کے ہاں شادی کرنے کی اجازت نہیں ہے ۔ فاضل ایرین نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ یہ طبقات ، اپنا پیشہ بھی بدل نہیں سکتے۔ یعنی گڈریا چاہے کہ لوہار بن جائے یا لوہار چاہے کہ سپاہی بن جائے تو ہندو سماج کی طرف سے اس کی اجازت نہیں دی جاتی ۔ البتہ برہمن

کو ہر بات کی اجازت ہے[۱] -

خیال رہے گو ایرین پہلی صدی عسیوی کی شخصیت ہے ، لیکن اس نے چوتھی اور پانچویں صدی قبل مسیح کے یونانی سیاحوں کی تحریروں پر کلیتاً بھروسہ کیا ہے[۲] ، اس لیے اس نے جو کچھ لکھا ہے ، وہ پانچ سو سال قبل مسیح سے متعلق ہے -

---

۱- ایرین انڈیکا ترجمہ میک گرنڈلے ص ۲۱۷ - ۲۱۸ مطبوعہ کلکتہ -

۲- ملاحظہ ہو - اینشنٹ انڈیا ص ۳ - ۴ - ۸ -

دسواں باب

پانچویں صدی قبلِ مسیح کا غیر معمولی
مذہبی اور ذہنی انقلاب
اور
ارضِ پاکستان

فصل اول

ارضِ پاکستان سے بدھ اور جین مذہب کا تعارف

علماۓ تاریخ اور آثارِ قدیمہ کے نزدیک ، چھٹی یا پانچویں صدی قبل مسیح میں ، مہاتما مہاویرا اور مہاتما بدھ نامی دو عظیم شخصیتوں نے ، ہندوستان کی مذہبی اور ذہنی تاریخ میں جو عظیم انقلاب برپا کیا وہ تاریخ ہند ہی کا نہیں تاریخِ قدیم مغربی پاکستان کا ایک غیر معمولی باب ہے ۔

بلاشبہ جیسے کہ ہم ، ان کے حالات پر گفتگو کرتے وقت بتفصیل جائزہ لیں گے ، یہ دونوں بڑی مذہبی شخصتیں ، مشرق ہندوستان میں پیدا ہوئی تھیں اور ان کی پیدائش کے اسباب میں ، اس طبقاتی نفرت اور بغض و حسد کو بہت اہمیت حاصل تھی ، جو مشرقی اور وسطی ہندوستان کے آریائی قبائل میں ، انتہائی شکل اختیار کر چکے تھے اور جن سے پنجاب ، سندھ اور سرحدی اضلاع ، بہت حد تک بے خبر تھے ۔

اس کے باوجود ، یہ ایک عجیب و غریب اور حددرجہ دلچسپ حقیقت ہے کہ مشرقی اور وسطی ہندوستان کے طبقاتی نظام نے جن دو بڑی شخصیتوں کو جنم دیا ۔ ان میں سے ، ایک بڑی شخصیت ، یعنی مہاتما بدھ کے مذہب نے ، کلیتاً ، وادیٔ سندھ کے بالائی حصوں میں ، محصور رہ کر ، ابتدائی ، ثانوی ، حتیٰ کہ انتہائی منازل طے کیں ۔

جین مت کے بارے میں ، بلا شبہ ، یہ ادعا ممکن نہیں ہے ۔ تاہم ، جیسے کہ سرجان مارشل راوی ہیں کہ جن دنوں ٹیکسلا میں ، بدھ مذہب اپنی انتہائی بلندیوں پر پہنچ چکا تھا جین مت کے ماننے والے بھی

ٹیکسلا میں موجود تھے ۔ فاضل محترم نے یہ رائے ، ٹیکسلا کے بدھ آثار کی کھدائی کے وقت قائم کی ۔

اگر جین مت کے معبد ٹیکسلا کے شروع دور میں موجود تھے ، تو یہ بات یقینی معلوم ہوتی ہے ، کہ ان دنوں جبکہ ، پہلی دوسری اور تیسری صدی عیسوی کا دور ابھی شروع نہ ہوا تھا بدھ مت کی طرح جین دھرم ، بھی ٹیکسلا پہنچ چکا تھا ۔

جین دھرم ٹیکسلا کب پہنچا ، اور اسے کون لوگ یہاں لائے تھے یہ تفصیل کسی بھی واسطہ سے ہم تک نہیں پہنچی البتہ ، بدھ دھرم کے بارے میں ، مسٹر راک ھل نے بڑے وثوق کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہے ، کہ سب سے نرالے مبلغ رشی مدھیا نتیکہ ، شمال مغربی علاقوں میں لے کر آئے تھے ۔

یہ رشی مدھیا نتیکہ ، مہاتما بدھ کے جانشین نندا کے ہم عصر تھے ۔ رشی نندا نے اپنی موت کے وقت ، انہیں طلب کیا اور مسٹر راک ھل کی رو سے انہیں مہاتما بدھ کی یہ پیشین گوئی سنائی کہ بدھ دھرم کا اصل ارتقا ارضِ کشمیر میں ہوگا ۔ اس لیے تم ، اس پیشین گوئی کو عملی جامہ پہناؤ گے ۔ فاضل راک ھل ھی کا بیان ہے ، کہ نندا کی موت کے بعد ، رشی مدھیا نتیکہ ، کشمیر کے سفر پر روانہ ھو گئے ، تا کہ وھاں بدھ مت کی تبلیغ کریں ۔

اگر مہاتما بدھ کی موت سنہ ۴۸۰ ق م میں ہوئی تھی اور ان کے جانشین نندا ان سے چند سال بعد ، اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے تو ھم احتیاطاً رشی مدھیا نتیکہ کے کشمیر آنے اور وھاں تبلیغ کرنے کا زمانہ سنہ ۴۵۰ اور ۴۳۰ق م کا قرار دے سکتے ھیں ۔

راک ھل نے ، رشی مدھیانتیکہ کے کشمیر آنے اور وھاں سیاسی عروج حاصل کرنے کی داستان کو "جادو منتر" قسم کی داستانوں کا رنگ دے دیا ہے ۔ اور کہا ہے کہ رشی مدھیا نتیکہ جب کشمیر میں داخل ہوئے تو وھاں کے ناگوں نے ان کی مخالفت کی ، اور ان پر پتھر برسائے ، لیکن رشی صاحب پر پتھروں کی بارش کا کوئی اثر نہیں ہوا اور ناگوں کو ان سے مصالحت کر لینا پڑی اور انہوں نے پانچ سو بدھ بھکشوؤں اور رشی مدھیا نتیکہ کو اپنے ھاں رہنے کی اجازت دے

دی ۔ دوسرے لفظوں میں ، یہ پانچویں صدی قبلِ مسیح کا نصف اول تھا ، جب بدھ مت کا مرکز مشرق ہندوستان کی بجائے ، کشمیر بنا ۔

راک ھل نے زعفران کاشت کرنے کا بوجھ بھی بدھ بھکشوؤں پر ڈالا ہے ، ان کے نزدیک یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے زعفران جیسی قیمتی شے کشمیر کے کھیتوں میں بوئی تھی اور معاشی ارتقا کی راہیں ہموار کی تھیں ۱ ۔

یہ قصہ کشمیر میں ان دنوں پیش آیا تھا جب ارضِ پاکستان کے آرین اور غیر آرین قبائل ، ایران کے عظیم تاجدار کے پنجۂ اقتدار میں جکڑے جا چکے تھے ۔

راولسن کے نزدیک وادیٔ سندھ اور اس سے متعلقہ سر زمین ، تقریباً پانچ سو سال ق م میں ، دارا کی قلمرو میں شامل ہوئی تھی ۲ ۔ یعنی جس وقت رشی مدھیا نتیکہ ، اپنے پانچ سو چیلوں کے ساتھ کشمیر میں داخل ہوئے تو کشمیر ، وادیٔ سوات اور گندھارا کا پورا علاقہ دارا کے قبضہ میں آ چکا تھا اور کشمیری ناگے اور میڈے سیاسی سربراہی سے محروم ہو چکے تھے ۔

ہم یقیناً نہیں کہہ سکتے کہ کشمیر میں بدھ مت کے ارتقا اور قبولِ عام کے اسباب کیا تھے ۔ تاہم قیاس کیا جا سکتا ہے کہ چونکہ کشمیر کے سربراہ اور سیاسی اہل کار نئے نئے ، مفتوح تھے ۔ آزادی ، ابھی ابھی ان سے چھنی تھی ۔ ان کے دل بہت پژمردہ تھے اور بنیادی تکلفات اور جھمیلے انھیں بہت برے لگتے تھے ۔ ایسے عالم میں بدھ مت کے معلم و مبلغ رشی مدھیا نتیکہ اور ان کے ساتھیوں نے خواص و عوام کو دنیاوی لذات سے گریز و احتراز کی دعوت دی ، دنیا کی بے ثباتی ، تعیشات و نعائم کی بے مائگی اور فنا کی روداد بیان کی ، اور بتایا کہ مہاتما بدھ نے جو عظیم ساکیا قوم کے تاجدار کے بیٹے تھے ساری نعمتوں کو تیاگ کر جنگل کی رہائش اختیار کر لی تھی تو لوگ جوق در جوق ان کی طرف لپکے اور بدھ مذہب نے کشمیر کی

---

۱ ۔ راک ھل ص ۱۶۷ ۔ ۱۶۸ ۔ ۱۶۹

۲ ۔ راولسن ص ۸۵ (انڈیا) پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا ص ۱۶۰

عظیم ترین مذھبی تنظیم کی شکل اختیار کرلی ۔

خیال غالب ھے کہ کشمیر کے راستہ سے بدھ مت وادیٔ سوات میں پہنچا ، وھیں سے ، اس نے سابق گندھارا ریاست کے طول و عرض میں رسوخ پایا ۔

تاریخ میں ، مہاتما بدھ کی موت پر ، ان کے جلے ھوئے جسم کی راکھ طلب کرنے والوں میں ، جس ایک پنجابی بادشاہ اتراسینا کے نام لیا گیا ھے ، یہ شخص اریانہ کا تاجدار تھا اور مہاتما بدھ کی قوم سا کیا کے ایک مفرور فرد کا بیٹا تھا اور بدھ تنظیم کا ایک بڑا مبلغ تھا ۱ ۔ ھو سکتا ھے کہ رشی مدھیانتیکہ کی امداد اس اتراسنیا نے بھی کی ھو ، اور ان دونوں کی کوششوں سے بدھ مت نے پنجاب کے بالائی حصوں ، چترال ، دردستان ، ھزارہ ، پشاور ، راولپنڈی میں اشاعت پائی ھو اس باب میں فاضل را چودھری کی یہ تصریح بھی ملحوظ رھے کہ اریانہ ، سوات اور بنیر کے مابین کی سر زمین تھی اور اس کا نام سورستد یا اریانہ تھا۲ ۔

گویا دوسرے لفظوں میں بدھ اتراسینا کی راج دھانی اریانہ ، موجودہ مالاکنڈ ایجنسی کے آس پاس تھی ۔ اور وادیٔ کشمیر اور اس میں کوئی خاص دوری نہ تھی ۔ ھمارے خیال میں یہ اتراسینا تھا ۔ جس کی شہ پر رشی مدھا نتیکہ نے کشمیر میں داخلہ لیا اور اپنے پانچسو بھکشو وھاں پہنچائے تھے ، یہ بھی ممکن ھے کہ اتراسینا نے رشی مذکور کو فوجی امداد بھی دی ھو ۔

ھم آگے چل کر ، مہاراج اشوک کے زمانہ میں بدھ مت کی ترویج کی تفصیل بیان کریں گے اور ضمناً ، اس عظیم تاجدار میناندر کا ذکر کریں گے ۔ جس کا پایۂ تخت سگالہ یا موجودہ سیال کوٹ میں تھا اور جس نے سنہ ۱۶۰—۱۸۰ ق م میں بدھ دھرم قبول کیا اور اس مذھب کی تبلیغ کے لیے بڑی سرگرمی دکھائی تھی ۔

خیال رھے کہ سگالہ ، یا سیال کوٹ جموں سے ملحق ھے اور جموں کشمیر کا اس سمت کا آخری میدانی گوشہ ھے ۔ اور قدیم زمانہ

---

۱ ۔ ایڈورڈ تھامس ص ۱۳۳ ۔

۲ ۔ راچودھری پولیٹیکل ھسٹری آف اینشنٹ انڈیا ص ۱۶۳ (تیسرا ایڈیشن)

سے ، جو راہ سیال کوٹ کو جاتی ہے ، اس کا پہلا پڑاؤ یہی جموں ہے - اگر بدھ مت دوسری صدی ق م میں سیال کوٹ پہنچا تو اس سے یہ قیاس لازم نہیں آتا ، کہ بدھ مت نے کشمیر کے راستے وادیٔ سوات میں بھی ان دنوں رسائی پائی تھی -

بہ ہر حال یہ تفصیل ہم آگے بیان کریں گے یہاں صرف یہ سمجھ لیجیے کہ گو بدھ مت نے ، مشرقی ہندوستان میں جنم لیا تھا ، لیکن اس نے شمال مغربی علاقہ یعنی کہ ارضِ پاکستان میں عروج کی انتہائی منازل طے کیں - غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ مشرقی ہندوستان کے اس مذہب کو وسطی ہند کے برہمنوں نے اس وقت تک آگے نہیں بڑھنے دیا جب تک مہاراج اشوک نے پورا سیاسی نظام الٹ نہیں ڈالا - یوں بھی پانچویں صدی اور چوتھی صدی قبلِ مسیح میں وسطی ہندوستان کے برھمن بہت طاقت ور تھے اور بدھ مت کے مبلغ ان کی سیسہ پلائی ہوئی دیواروں میں پورے ایک سو سال تک چھید کرنے پر قادر نہ ہو سکے تھے -

مہاتما بدھ

پیدائش

اور

جوانی

بدھ مت

نے

مشرقی

ہندوستان

میں جنم

لے کر

شمال مغربی

ہند میں

پناہ لی

اور ایک ہزار سال

تک ہر دلعزیزی

کی دولت سمیٹی

مہاتما بدھ

کچھ عجیب سی بات ہے کہ مہاتما بدھ حالانکہ ہندوستان کی ایک عظیم شخصیت ہیں اور ان کا مذہب ایک بڑا مذہب ہے اس کے باوجود ان کی تاریخ ولادت کا صحیح تعین تاریخ نہیں کر پائی۔

اولڈن برگ جیسے بڑے عالم نے مہاتما بدھ کی پیدائش کے بارے میں صرف اتنا کہا ہے کہ وہ حضرت مسیحؑ کی پیدائش سے تقریباً ساڑھے پانچ سو سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔

مسٹر ایڈورڈ جے تھامس کے خیال میں مہاتما بدھ ۵۶۳ سال قبل مسیح اس دنیا میں آئے تھے۔

مہاتما بدھ کے باپ کپل وستو کے بادشاہ تھے اور انہوں نے اپنے بیٹے کی پرورش بڑے لاڈ پیار سے کی اور ان کے لئے ہر تعیش مہیا کیا۔

اس روایت کی تصدیق جان سٹون بھی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ سہاتما بدھ کے باپ نے چونکہ ایک بڑے خدا رسیدہ سادھو اسیتا سے یہ پیشین گوئی سن رکھی تھی کہ ان کا بیٹا بڑا ہو کر دنیا سے منہ موڑ لے گا اور جنگلوں میں نکل جائے گا اس لیے انہوں نے سہاتما بدھ کی جوانی کو لذیذ بنانے کے لیے عورتیں ہی عورتیں ان کے چاروں طرف پھیلا دی تھیں تا کہ جنسی مرغوبات ان کی توجہ کسی اور طرف منعطف نہ ہونے دیں - عمدہ سے عمدہ رقاصائیں ، کوئل ایسی آواز رکھنے والی مغنیات سے ان کی قیام گاہ ہر وقت بھری رہتی ، کبھی رقص کی کشتی بہتی اور کبھی نغمہ کی خوشبو فضا کو معطر کرتی ! -

اس خیال سے کہ ان کے دل کو کوئی پریشانی مکدر نہ کر دے اور وہ دنیا سے بیزار نہ ہو جائیں بادشاہ سدھودنہ نے جو پالی روایات کی رو سے ایک بہت بڑے بادشاہ تھے سہاتما بدھ کی نگاہ نہ تو کسی غلاظت پر اٹھنے دی اور نہ کوئی غمگین چہرہ ہی ان کے سامنے آنے دیا -

پروفیسر جان سٹون فرماتے ہیں کہ سہاتما بدھ کو عموماً بالائی منزل میں رکھا جاتا اور جو حسین خواتین ان کے چاروں طرف جمع کی گئی تھیں ، وہ ہر لحظہ مسکراتی رہتیں ، ان کے چہروں پر گلاب کے مسکراتے غنچوں کا گمان ہوتا ، ان کے خوبصورت دھنوں سے پھول جھڑتے اور وہ ہر سو نغمہ کی سہاس بکھیرتی پھرتیں -

اس شاہی محل میں سہاتما بدھ کی حالت اس نوجوان قیدی کی تھی ، جسے خوبصورت عورتوں نے اپنے دامِ حسن میں گرفتار کر رکھا ہو - یہ عورتیں بڑی شاطر اور بہت دل موہ لینے والی اداؤں کی مالک تھیں - وہ ہر لمحے سہاتما بدھ کو اپنی اداؤں میں الجھائے رہتیں اور سہاتما بدھ کو فرصت ہی نہ دیتیں کہ وہ محل سے باہر آئیں۲ اور اپنے آس پاس پھیلی ہزار رنگ کی اس دنیا کو دیکھیں ، جس میں دودھ کی نہریں بھی بہتی ہیں ، جہاں پیپ اور گندے اور غلیظ خون کے دریا بھی رواں ہیں ، جہاں افلاس بھی عام ہے اور بیماری اور دکھ درد بھی بہت ہیں ، جہاں جنسی

۱- جان سٹون ، ایکٹس آف بدھا - لائف آف پیلس ص ۳۴ - ۳۵ -

۲- جان سٹون ، ایکٹس آف بدھا ص ۳۴ -

کم ہے اور رونا زیادہ ہے ، جہاں مسرت کی ہوا تو کبھی کبھی چلتی ہے ، لیکن دکھ اور غم کی آندھیاں ہر لمحہ جوان رہتی ہیں ۔

پروفیسر جان سٹون نے ایسی کئی روایات دھرائی ہیں جو اس امر کو تسلیم کرتی ہیں کہ مہاتما بدھ نے ہر تعیش کو آزمایا اور ہر جنسی لذت کو چکھا تھا ، کیونکہ '' بدھوں '' کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ ہر لذت سے جی بھر لینے کے بعد دنیا ترک کریں ۔

فاضل اجل اولڈن برگ کا بیان ہے کہ مہاتما بدھ نے شادی بھی کی تھی ۔ وہ رسماً ایک خوبصورت شہزادی کو بیاہ بھی لائے تھے ۔ فاضل اولڈن برگ نے بدھ مت کے عظیم ترین عالم ہونے کے باوجود یہ شکایت کی ہے کہ بدھ روایت میں سے انہیں ایسی کوئی روایت نہیں ملی جو ان پر مہاتما بدھ کی منکوحہ عورتوں کی تعداد کا راز کھولتی ۱ ۔ البتہ اس باب میں ورک ھل کو ایک ایسی روایت دستیاب ہوئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہاتما بدھ نے صرف ایک عورت سے بیاہ کیا تھا اور یہ بیاہ ان کے باپ کی مرضی سے ہوا تھا ۔ باپ نے سکیا خاندان کی ساری کنواری لڑکیاں محل میں طلب کر لی تھیں اور مہاتما بدھ کو اختیار دیا تھا کہ ان میں سے جسے چاہیں بیوی کے طور پر چن لیں اور انھوں نے ایک خوبصورت لڑکی کو جس کا نام یشودھرا تھا چن لیا تھا ۲ ۔

فاضل ایڈورڈ تھامس نے اس سلسلے میں ایک بڑی دلچسپ اور پر لطف کہانی بھی پا لی اور سنسکرت کی جاتکہ داستانوں سے ڈھونڈ لی ہے ۔ جس کا اجمال یہ ہے کہ بادشاہ سدھودنہ نے جب اپنے بیٹے مہاتما بدھ کی شادی کا ارادہ کیا ، تو ساکیا امرا اور دوسرے بڑوں کو پیغام بھجوائے کہ اپنے ہاں کی بن بیاھتا اور کنواری لڑکیوں کو شاہی محل میں بھیج دیں ۔ سکیا امرا نے جواب میں کہلوایا ، '' آپ کا بیٹا چونکہ فنون سپاہ گری میں مہارت تامہ نہیں رکھتا اور بیوی کی ذمہ داری اٹھانے کے قابل نہیں ہے اس لیے ہم اپنی بیٹیاں شاہی محل میں بھیجنے سے قاصر ہیں ۔'' بادشاہ سدھودنہ یہ پیغام سنتے ہی مہاتما بدھ کے پاس آیا اور ان سے ساری بات کہی اور

۱۔ اولڈن برگ ، باب ، ' بدھا کی جوانی ' ص ۱۰۰ ۔
۲۔ راک ھل ، لائف آف بدھا ص ۲۰ ۔

پوچھا وہ فنونِ سپہ گری میں اپنے کمال کا اظہار کس طرح کریں گے۔ مہاتما بدھ نے جواب دیا ہم اس کمان کو کھینچیں گے جو ہزار آدمیوں سے کم سے کھینچی نہیں جا سکتی، ہم اس پر تیر چڑھائیں گے اور اس کے ذریعے تیراندازی کریں گے۔''

جاتکہ روایت خاصی طویل ہے ہم پوری روایت نقل کر کے بلا وجہ کتاب کی طوالت بڑھانا پسند نہیں کرتے، اس کا حاصل صرف اتنا ہے کہ ''مہاتما بدھ نے ایک ہزار آدمیوں سے کھینچنے والی کمان پر تیراندازی کی اور پورا کا پورا کپل‌وستو ہی نہیں، آس پاس کا ماحول بھی طوفان کے سے اثر سے لرز اٹھا اور تمام سا کا امرا نے اپنی بیٹیاں شاہی محل میں بھجوا دیں۔ ان کی تعداد چالیس ہزار تھی اور سب کی سب رقص میں ماہر تھیں۔ اسی طرح مقدس وجود اپنے تین محلات میں اس طرح زندگی بسر کرنے لگے جیسے وہ معبود تھے۱''

مسٹر ایڈورڈ تھامس نے اس روایت کا وہ آخری حصہ بھی نقل کیا ہے جس میں لکھا ہے۔

مہاتما بدھ کے بیٹے رھولہ کی ماں ان میں سے سب سے بڑی ملکہ تھی۔ الفاظ یہ ہیں۲۔

The mother of Rahula was his Chief Queen.

اس ''چیف کوین'' یا سب سے بڑی ملکہ کا نام مسٹر ایڈورڈ تھامس نے اولڈن برگ کے حوالہ سے بھادہ‌کاسے لکھا ہے۔ جسے فاضل اجل راک ھل یشودھرا بنت ڈنڈاپنی بتاتے ہیں ۳۔

فاضل اجل راک ھل نے اپنی تصنیف لائف آف بدھا کے صفحہ بیس کے حاشیے میں اس اختلاف پر بھی روشنی ڈالی ہے جو مہاتما بدھ کی بیگمات کے بارے میں عام ہے۔ وہ کہتے ہیں سپنس ہارڈی کا بیان ہے۴ کہ شہزادے (مہاتما بدھ) کی پہلی شادی سولہ برس کی عمر میں ہوئی تھی اور

۱۔ مسٹر ایڈورڈ تھامس۔ لائف آف بدھا، انفینسی اینڈ یوتھ ص ۴۸۔

۲۔ ایضاً ص ۴۸۔

۳۔ راک ھل ص ۲۰۔ سپنس ہارڈی مینڈیل (للیتہ وسترا باب ۱۲) ص ۱۵۵

۴۔ رھس ڈیویڈ کی تصنیف 'بدھ' ص ۵۲۔

یشودھرا کا باپ ڈنڈاپنی سپرا بدھ کا بھائی تھا اور لازماً سدھارتھ کا ماموں تھا ۔ رھیس ڈیویڈس کے نزدیک یشودھرا سپرا بدھ اور امرتا کی بیٹی تھی ۔ فوکا کس کا بیان ھے ۔ ڈنڈاپنی کی بیٹی کا نام گوپا تھا ۔ فاضل بیگنڈٹ کی تحقیق و جستجو کا حاصل یہ ھے کہ مہاتما بدھ کی بیوی یشودھرا بدھ کی ماموں یا پھوپھی زاد تھی ۔ فاضل ڈلوا کے نزدیک مہاتما بدھ کی دو شادیاں ھوئی تھیں اور ان کی منکوحہ بیویاں دو تھیں ۔ یوں ان کے محل میں جو عورتیں رھتی تھیں ان کی تعداد ساٹھ ھزار تھی۱ ۔

گویا عورتوں کا ایک پورے کا پورا شہر مہاتما بدھ کے محلات میں آباد تھا اور آبادی بہت گھنی تھی ، جیسا کہ پیچھے جاتکہ کہانی کے ذریعے بیان ھوا ھے کہ ساکا لوگوں نے اپنی جو بیٹیاں محل میں بھجوائی تھیں ان کی تعداد چالیس ھزار تھی ، باقی بیس ھزار مہاتما بدھ کے والد بزرگوار نے اپنے ذاتی ذرائع سے جمع کر لی ھوں‌گی ۔ یہ تعداد خاصے مبالغہ پر مبنی معلوم ھوتی ھے لیکن چونکہ یہ مبالغہ خود ان پالی اور سنسکرت مذھبی کتب کا ھے ، جن پر بدھ مذھب کا انحصار ھے ، اس لیے کوئی نقاد مؤرخ اس جرم کا شکار نہیں بن سکتا جو عقل سلیم اس باب میں لازم سمجھےگی ۔

غالباً اسی تنقید سے گھبرا کر فاضل اولڈن برگ نے اس موضوع کو حد سے زیادہ مختصر کر دیا ھے اور ابہام کا سہارا لے کر آگے بڑھ گئے ھیں۲ ۔ بہرحال بدھ کتابیں جو بدھ مذھب کی اصلی دستاویزیں ھیں ، مہاتما بدھ کی سولہ سال سے لے کر انتیس سال کی عمر کے درمیانی وقفہ کو جو ان کی جوانی کا زمانہ تھا ، انتہائی رنگین اور انتہائی جنسی دور قرار دیتے وقت ذرا ھچکچاھٹ محسوس نہیں کرتیں ۔ حتیٰ کہ ”بدھ کریتا“ نے جو بدھ پر قدیم دور کی اھم ترین تصانیف میں بڑی ممتاز تصنیف ھے ، ان عورتوں کے جسموں کی ساخت ، رنگ و روغن اور ابھار تک نمایاں کر دیے ھیں جو مہاتما بدھ کے آس پاس رھتی تھیں ۔

اس وقت کی عورتوں کا اخلاقی معیار بہت پست تھا یا بدھ کے عقیدت مندوں نے ان کی شان دو بالا کرنے کے لیے وہ قصے رقم کیے ھیں جب

۱۔ فوکا کس ۔ بگنڈٹ ص ۵۲ ۔ ڈلوا باب ۱۰ ص ۱۰۵ ۔
۲۔ اولڈن برگ ص ۱۰۱ ۔

مہاتما بدھ شاہی رتھ پر سوار ہو کر محل سے باہر نکلتے ۔ تو شہر کپل وستو کی ساری کی ساری جوان و رعنا عورتیں ہزار ہزار رعنائیاں اپنے اندر بھر کر مہاتما کے درشن کے لیے اپنے کوٹھوں پر چڑھ جاتیں ، جھروکوں سے جھانکتیں اور بعض شیریں اور خوش ادائی کی چال چلتیں ۔ ان کے رتھ کو پکڑنے کے لیے دوڑتیں مگر ان کے جسم کے بعض بھاری بھر کم حصے انھیں تیز تیز چلنے سے روک لیتے ، اور وہ مہاتما بدھ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے قابل نہ ہو پاتیں ۔

عظیم فاضل اولڈن برگ نے اس مرحلہ پر پہنچ کر سوال اٹھایا ہے کہ اس درجہ تعیش ، اس درجہ آسائش و آرام اور ہزار ہزار سہولتوں اور لذتوں کی زندگی کو مہاتما بدھ نے کیوں ترک کر دیا اور کیوں ہر چیز کو تیاگ کر جنگلوں میں نکل گئے اور رہبانہ زندگی اختیار کر لی ؟

فاضل اولڈن برگ نے اس سوال کا جواب خود ہی دیا ہے کہ نفسیاتی طور پر انتہائی تعیش ، جنسی آسودگی اور لذت گیری کی آخری منازل میں اترنے کے بعد کبھی کبھی بعض ذی حس طبائع میں کچھ ایسی بے چینی بھی قدرتاً پیدا ہو جاتی ہے ، جو ان دنیاوی لذات کے پھیر سے نکل کر بلند تر مقاصد کے حصول کی آرزو کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور ہم نے اکثر دیکھا کہ مرد تو خیر مرد ہیں عورتیں بھی گھر کی آسودہ چہار دیواری کو تیاگ کر سادھو سنت بن گئیں اور زندگی کے عیش و آرام کی بجائے انتہائی تنگی ، ترشی اور افلاس و غربت اور در در کی ٹھو کریں کھانے کی زندگی اپنا لی ۔

فاضل اولڈن برگ کے نزدیک اس نفسیاتی ردِ عمل کے ماسوا ایسے کچھ واقعات لازماً وقوع پذیر ہوئے ہوں گے ، جنھوں نے نو عمر نوجوان مہاتما بدھ کے دل و دماغ میں اس مادی دنیا اور اس کی لذات کی مختصر اور فانی زندگی اور بے قدری کا احساس پیدا کیا ہو گا ۔

فاضل اولڈن برگ نے ، مہاتما بدھ کے ارشادات و اقوال اور مواعظ میں سے ایک وعظ کا اقتباس نقل کیا ہے جس میں مہاتما بدھ نے اپنے ذھن میں انسانی زندگی کی بے قدری اور زوال و انحطاط پذیری کا پہلا سبب بڑھاپے

۱۔ جان سٹون کا ترجمہ بدھا کریتا ، ایکٹس آف بدھا ص ۳۴ - ۳۵ ۔

کو قرار دیا ہے ۔ مہاتما بدھ کہتے ہیں کہ عام کمزور اذہان کے لوگوں کی طرح مجھے بھی بڑھاپے کو دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوا کہ جوانی ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے اور اسے سدا قرار حاصل نہیں ہے ؟

فاضل اولڈن برگ نے اس سلسلے میں ان روایات کو بھی قابل توجہ سمجھا ہے جن میں بیان ہوا کہ کس طرح مہاتما بدھ نے اپنی شاہانہ رتھ پر شہر کپل وستو میں خروج کے وقت ایک بوڑھے اور جھکی ہوئی کمر والے لاٹھی کے سہارے چلتے کمزور و نحیف شخص کو دیکھا اور اس کے بڑھاپے نے ان کا دل ہلا ڈالا ، پھر دوسرے موقعے پر ان کی نگاہ ایک حد درجہ لاغر اور بیماری سے کپکپاتے جسم پر اٹھی اور انھوں نے سوچا ان کی رواں دواں زندگی بیماری کی زد پر بھی آ سکتی ہے ، تیسری بار ان کی نگاہ ایک مردہ جسم پر پڑی جسے موت کی زردی نے اپنے رنگ میں رنگ لیا تھا اور مہاتما بدھ کے دل پر موت کی ہیبت اس درجہ مسلط ہو گئی کہ وہ ہر لمحے فکر مند رہنے لگے اور آخر میں انھوں نے گہرے رنگ کے لباس میں ملبوس ایک سادھو سنت کو دیکھا جو صدا لگاتا گلی گلی سے ہنستا ، مسکراتا گزر رہا تھا اور جس نے ان پر زندگی کی بے ثباتی اور بے چینی ظاہر کر کے انھیں '' جوگ '' لے لینے اور دنیا کے دکھ ، درد اور تکلیف سے نجات پا لینے کی تلقین کی تھی۱ ۔

فاضل اولڈن برگ کے نزدیک یہ داستانیں وضعی داستانیں بھی کہی جا سکتی ہیں ، جو محض اس لیے گھڑی گئی ہیں کہ مہاتما بدھ کے سنت سادھو بننے کا جواز پیش کر سکیں ۔ بہر حال یہ داستانیں دوسرے علما نے بھی دھرائی ہیں اور بدھ مذہبی کتابوں میں رقم ہیں ۲ ۔

فاضل اولڈن برگ اور دوسرے علمائے تاریخ کے نزدیک مہاتما بدھ اس وقت انتیس سال کے تھے جب ان کے ذہن میں ، زندگی کی بے ثباتی اور زوال وانحطاط پذیری کا شعور بیدار ہوا تھا ۔

فاضل اولڈن برگ بڑے مناسب اجمال سے کام لیتے ہوئے کہتے ہیں ۔

۱۔ اولڈن برگ ص ۱۰۳ ۔

۲۔ لائف آف بدھا راک ھل ص ۱۷ ۔ ایڈورڈ جے تھامس ص ۱د جان سٹون ، ایکٹس آف بدھا ص ۳۷ ، ۳۸ ، ۳۹ ۔

شہزادے ' گوتما ' جب اس سیر سے لوٹ کر گھر آئے (جس میں وہ ایک سادھو سنت سے ملے تھے اور جس میں ان پر زندگی کی بے ثباتی اور بے قدری پوری طرح آشکار ہوئی تھی) اور رتھ سے اترکر محل کی سیڑھیاں چڑھے تو انھیں خبر ملی کہ ان کے ہاں ان کا بیٹا روہیلہ پیدا ہوا ہے ۔

یہ خبر بڑی مسرت بخش تھی ۔ پورے محل میں اس کے سبب جشن کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی ۔ رقاصائیں رقص کر رہی تھیں اور نغمے کی شیرینی ہر سمت بکھری تھی ، مگر مہاتما بدھ کا دل بجھا بجھا سا تھا ۔ وہ اپنی خواب گاہ میں جاتے ہی سوگئے ۔ ناچتی عورتیں پھر بھی ناچتی رہیں اور نغمہ پھر بھی جاری رہا ۔ وہ کتنی دیر تک سوئے ، روایت یہ حال بیان نہیں کرتی صرف اتنا کہتی ہے ، کہ وہ رات ہی رات میں سو کر اٹھے تو ان کی نگاہ رقاصہ عورتوں پر پڑی جو ناچتی ناچتی تھک ہار کر زمین پر گری پڑی تھیں ، بال الجھے تھے اور لباس نے کہیں کہیں جسم کا ساتھ چھوڑ دیا تھا ، اور سوتے اعضا میں وہ لطافت باقی نہ رہی تھی جو جاگتے میں ان کی دلآویزی اور تناسب وتوازن کا موجب ہوتی ہے ۔ الجھے الجھے بالوں والے چہروں اور ٹیڑھے میڑھے اعضا والے جسموں کو دیکھ کر مہاتما بدھ بہت گھبرائے ۔ انھیں کچھ ایسے محسوس ہوا جیسے وہ نعشوں کے شہر میں پھنسے ہیں ۔ جیسے ان کے گرد مردہ ہی مردہ جسم پھیلے ہیں ۔ وہ ماحول سے گھبرا کر باہر کو لپکے ، تو انھیں اپنے نومولود بیٹے کا خیال آیا اور ان کا جی چاہا کہ محل سے نکلنے سے پہلے اپنے اس بیٹے کو دیکھ لیں ۔ وہ اس کی ماں کی خواب گاہ میں آئے ، ماں بچے کے سر پر ہاتھ رکھے سوئی پڑی تھی ۔ مہاتما نے سوچا اگر انھوں نے ماں کا ہاتھ بچے کے چہرے سے ہٹایا اور بچے کو پیار کیا تو شاید ماں جاگ جائے ۔ اس خیال سے وہ بچے کو دیکھے بغیر ہی محل سے نکل گئے ۔

فاضل تھامس کے نزدیک ، یہ جون یا جولائی کی ایک بڑی ہی چمکیلی چاندنی رات تھی جس میں مہاتما بدھ نے اپنے محل کو چھوڑا تھا ۔ وہ اپنے محبوب گھوڑے کنتھاکہ پر سوار ہوئے تھے اور ابھی شہر سے زیادہ دور نہ گئے تھے ،کہ ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ مڑ کر ایک بار شہر کو اور دیکھ لیں لیکن دیوتا آڑے آ گئے اور زمین گھوم کر ان کے اور شہر کپل وستو

کے مابین حائل ہو گئی۱

مہاتما بدھ کا گھوڑا ایک بار پھر آگے کو دوڑا، اور تیس فرسخ کا فاصلہ اور تین مملکتیں طے کر کے دریائے انوما کے کنارے آن پہنچا۔ دیوتا ساتھ تھے اور گھوڑے کو ان کی توانائی نصیب تھی، اس لیے گھوڑے نے زور کی چھلانگ لگائی اور دریا کو عبور کر لیا۔ مہاتما بدھ گھوڑے سے اتر آئے، سائیس سے تلوار لے کر اپنے بال کاٹے، داڑھی، مونڈھی اور اپنے سارے زیورات سائیس کو دے کر جنگل میں بسیرا کر لیا۲۔

راک ھل کی رو سے مہاتما بدھ نے اس رات سے سات راتیں پہلے، ایک خوبصورت عورت حریگا دجہ نامی سے نکاح کیا تھا، اور جس رات کو وہ محل سے نکلے، اپنی بیوی یشودھرا سے مل کر نکلے تھے۔ اسی رات ان کی بیوی یشودھرا نے ان کے قریب لیٹے لیٹے کہیں خواب دیکھا کہ وہ سے چھوڑ کر چلے گئے ہیں، وہ ایک دم جاگ اٹھی، اور ان سے شکوہ کیا، آپ مجھے چھوڑ کر جانا چاہ رہے ہیں، آپ جہاں جائیں گے میں سایے کی طرح آپ کے ساتھ ساتھ رہوں گی۔ مہاتما بدھ نے اسے تسلی دی، اور جب وہ مطمئن ہو کر سو گئی تو مہاتما دبے پاؤں اٹھے، اصطبل میں آئے اور اپنے محبوب گھوڑے پر سواری کی، ان کا سائیس گھوڑے کی دم تھامے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

جنگل میں اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ کر انہوں نے سائیس کو گھوڑا اور ملبوسات اور زیورات دے کر واپس کر دیا، اور یکہ و تنہا جنگل میں رہنے لگے۳۔

فاضل رھس ڈیوڈز کے نزدیک یہ رات یکم جولائی کی ایک چاندنی رات تھی اور یہ اشلھی کا مہینہ تھا۴۔

۱۔ جان سٹون ص۔ ۶۱ - ۶۲ - ۷۰ - ۷۱ - ۷۲ - ۷۳ - ۷۴۔ لائف آف بدھا ایڈورڈ جے تھامس۔ راک ھل ۲۳ - ۲۴ - ۲۵۔

۲۔ تھامس، ص ۵۴۔

۳۔ راک ھل، ص ۲۵۔

۴۔ رھس ڈیوڈز (Ryhs Davids)، ص ۸۴۔

فاضل بگنڈٹ راوی ھیں کہ گھوڑا اسی جگہ گر کر مر گیا تھا۱، جہاں بدھ اس پر سے اترے تھے ۔ روایت کی رو سے گھوڑے نے ان کی جدائی کا غم کیا تھا ، اور روایت کے نزدیک چونکہ گھوڑے نے ایک رات میں بڑی لمبی مسافت طے کی تھی اور اڑتا ہوا ، کسی جگہ دم لیے بغیر منزلِ مقصود تک پہنچا تھا ، اس لیے اس کی قوت جواب دے گئی تھی ۔

راک ھل کا بیان ھے کہ مہاتما بدھ پہلے پہل رشی برگو کے ایک بیٹے کے جھونپڑے میں پہنچے تھے ، لیکن جب انھیں معلوم ھوا کہ وھاں سے ساکیا ملک صرف ۱۲ فرسخ کے فاصلے پر ھے اس لیے انھوں نے وہ جگہ چھوڑ دی اور گنگا پار کر کے راج گڑھی کے ماحول میں پہنچ گئے ۔

کہا گیا ھے کہ راج گڑھی کے بادشاہ نے کسی نہ کسی طرح انھیں دیکھ لیا ۔ وہ ھاتھ میں کاسۂ گدائی لیے فقیروں کے بھیس میں ادھر ادھر گھوم رھے تھے ۔ بادشاہ نے ان کے پیچھے آدمی لگا دیے اور ان سے ملا اور انھیں بڑی سے بڑی دولت ، ھر آرام و آسائش اور خوبصورت سے خوبصورت عورت مہیا کرنے کی پیشکش کی ۔ بادشاہ کی یہ پیشکش سن کر مہاتما بدھ نے اس سے اپنا تعارف کرایا ، اپنے خاندان ، وطن ، قوم ، حیثیت اور دولت و ثروت اور عزت و جاہ کی روداد کہی اور بتایا کہ انھیں دنیاوی لذات اور خزانوں کی قطعاً کوئی طلب نہیں ھے ، وہ گھر سے اس لیے نکلے ھیں کہ دولت و ثروت اور عزت و جاہ کی طلب اور آرام و آسائش کی خواھش و آرزو پر فتح پائیں ، کیونکہ یہ طلب و خواھش ھی ھر دکھ ، غم اور تکلیف کی اصل ھے ۔

مہاتما بدھ نے راجہ راج گڑھی کو اپنے آئندہ عزائم سے بھی آگاہ کیا اور کہا کہ وہ وجدان و نروان کے متلاشی ھیں ۔

راجہ نے ان کی باتیں سنیں ، تو خاصا متاثر ھوا اور خواھش ظاھر کی کہ وہ جب وجدان و نروان پالیں تو اسے آگاہ کریں۲ ۔

فاضل اچل راک ھل راوی ھیں کہ اس تبادلۂ خیال کے بعد مہاتما بدھ ،

۱۔ بگنڈٹ (Bigandet) ، ص ۶۷ ۔

۲۔ وڈ وائل راک ھل ، ص ۲۷ ۔

راج گڑھی کے نواح میں گردارا کتا پروتہ نامی مقام پر پہنچے جہاں سادھو سنتوں کا ایک بڑا ڈیرا تھا ۔

مہاتما بدھ بھی ان سادھوؤں میں شامل ہو گئے ، اور خوب ریاضت کی حتیٰ کہ ان سب سے بازی لے گئے ، لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ ان سادھو سنتوں کا منتہائے نظر ، سکرا ، یا برھمنا یا مارا بننا ھے ، تو انہیں محسوس ہوا کہ وہ راہِ راست پر نہیں چل رہے ، اس لیے انھوں نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی اور آرتہ کلا کے پاس پہنچے جن کی تعلیم و تدلت کا مقصود اس کے سوا اور کوئی نہ تھا کہ آدمی حواس پر قابو پا لے ۔ مہاتما بدھ کو یہ بات بھی بھلی معلوم نہیں ہوئی ۔ انھوں نے آرتہ کلا کو بھی چھوڑا ، اور ادرا کا راما پترا کے شاگرد بنے ۔ مہاتما بدھ یہیں تھے کہ ان کے بابا ، بادشاہ سدھودنہ کو ان کا پتہ چلا ۔ اس نے تین سو آدمی مہاتما بدھ کے پاس بھجوائے کہ ان کی دیکھ بھال کریں ، دو سو اور اشخاص ، سپرا سبھدا کی طرف سے مہاتما کی خدمت پر مامور ھوئے ۔ گویا پانچ سو افراد کی فوج مہاتما بدھ کے آگے پیچھے رھنے لگی ۔ مہاتما کو یہ بات پسند نہیں آئی ، انھوں نے ہر سو میں سے ایک ایک فرد چن لیا اور باقی کو چھٹی دے دی،۱ ، کچھ دن رورا کا راما پترا کے ساتھ گزارنے کے بعد مہاتما بدھ گیا پہاڑی پر تشریف لے گئے ، اور ریاضت کی ایک نئی طرح ایجاد کی ۔ وہ دن بھر اور رات ، رات بھر عبادت کرتے ۔ نہ کچھ کھاتے اور نہ کچھ پیتے ، ان کی ریاضت کی خبریں دور نزدیک عام ہوتی گئیں اور بادشاہ سدھودنہ اور سپرا بدھ کی پریشانی کا موجب بنیں ۔

راک هل کہتے ھیں ، روزانہ ڈھائی ، ڈھائی سو آدمیوں پر مشتمل کاروان گیا کے اس پہاڑ کی طرف آتے دیکھے گئے ، جہاں مہاتما بدھ ریاضت میں اپنی جان کھو رہے تھے ۔ مہاتما کی ریاضت چونکہ انوکھی تھی اس لیے آس پاس کے لوگوں کے لیے وہ عجوبہ بن گئے تھے ۔ آدمیوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ ان کا حال دیکھنے ان کے گرد جمع ہو جاتے، مگر انھیں اپنے آپ کا ہوش نہ تھا ، بھوک اور پیاس ان کے اعضا اور حواس پر قابو پاتی جارھی تھی ، اور ان کی شکل بہت ڈراؤنی ہوگئی تھی ۔ ایک بار وہ تھکے

۱- سپنس ہارڈی ، ص ۱۵۲ ۔ للتیہ وسترا ، ص ۲۵۳ ۔

تھکے جہاں بیٹھے تھے وہیں سو گئے ۔ کچھ نوجوان دیہاتی لڑکیوں نے انھیں دیکھ لیا ، لڑکیاں سمجھیں وہ کوئی بھوت ہیں ، انھوں نے ان پر پتھر پھینکے اور غلاظت لاد دی۱ ۔

مسٹر ایڈورڈ جے ۔ تھامس کے نزدیک مہاتما بدھ نے گھر سے نکلنے کے بعد یکے بعد دیگرے دو مصلحین کے آگے زانوے ادب طے کیے تھے اور پھر پانچ چیلوں کی معیت میں برابر چھ سال تک بڑی شدید ریاضت کی تھی ۔ لیکن جب اس شدید ریاضت کے باوجود ان کے دل کی بے چینی دور نہ ہوئی اور انھیں وجدان نصیب نہیں ہوا ، تو انھوں نے شدید ریاضت ترک کر دی ، فاقہ توڑ ڈالا ۔ اب .. کھانا کھانے لگے تھے اور ریاضت بھی کم کر دی تھی ۔ ان کے پانچ ساتھی ، جو ان کے ساتھ ساتھ برابر ریاضت کے دور سے گزر رہے تھے اور فاقہ کشی بھی کی تھی ، ریاضت اور فاقہ کشی میں کچھ لذت محسوس کرنے لگے تھے ۔ بدھ نے ریاضت کم کی اور فاقہ توڑ دیا تو یہ پانچوں ان سے روٹھ گئے۲ اور روٹھ کر بنارس چلے گئے اور ان کے پیچھے ، مہاتما بدھ نے ''وجدان'' کی آخری منزل طے کر لی اور ان کے دل میں ولولہ اٹھا کہ وہ جنگل چھوڑ کر آدمیوں سے بھرے ہوئے شہروں میں داخل ہوں اور انھیں اس راستے پر چلنے کی ترغیب دیں جو انسانیت کی معراج تک جاتا ہے ۔ فاضل ایڈورڈ جے ۔ تھامس نے ھی للتیہ کی ایک روایت دھرائی ہے۳ کہ مہاتما بدھ نے جب متواتر چھ سال تک فاقہ کشی کی اور ریاضت میں انتہائی شدت سے کام لیا تو ان کے جسم کی ہر توانائی رخصت ہوگئی اور ان کے اعضا میں ہلنے جلنے کی سکت باقی نہ رہی اور لوگ سمجھے مہاتما وفات پا گئے ہیں ۔ یہ خبر آگ کی طرح پھیلتی ، ان کے والد کو بھی پہنچ گئی اور ہر طرف کہرام مچ گیا ۔ مگر وہ مرے نہیں تھے ، بے ہوش پڑے تھے ۔ یہ ایک نوجوان دیہاتی لڑکی سجتہ تھی ، جو اروواله کی رہنے والی تھی ، جس نے بے ہوش مہاتما کے

۱۔ راک ھل ، ص ۲۹ ۔

۲۔ ایڈورڈ جے ۔ تھامس ۔ لائف آف بدھا ، ص ۶۲ـــ۷۰ ۔ اولڈن برگ ، ص ۱۰۷ ۔

۳۔ لائف آف بدھا ، ص ۷۰ ۔

ہوش میں آنے کے بعد انہیں پہلی خوراک کھلائی ۔ یہ خوراک ان کے منہ میں انچاس دنوں کے مکمل فاقہ کے بعد پہنچی تھی[۱] ۔ اس کے بعد انھوں نے فاقہ سے نجات پا لی ، یوں بھی وہ نروان حاصل کر گئے تھے اور انھیں کسی دوسری منزل میں داخل ہونے کی خواہش باقی نہ رہی تھی ۔

راک ہل نے ایک کی بجائے دو لڑکیوں کے نام لکھے ہیں جنھوں نے مہاتما بدھ کے لیے دودھ کا ملیدہ بڑے لاڈ پیار اور محبت کے ساتھ تیار کیا تھا ۔ اور دونوں کی خواہش تھی ، مہاتما بدھ ان سے بیاہ کرلیں ۔ ان دونوں کو مہاتما بدھ کی شہزادگی اور خاندانی عظمت و بزرگی کے بارے میں ہر بات معلوم ہوگئی تھی[۲] اور وہ ان کے بارے میں بہت کچھ سوچنے لگی تھیں ۔

یہ ایک لڑکی تھی یا دو تھیں ان کی تعداد سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں ہے ۔ ہم تو صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ سات سال کی ریاضت کے بعد بھی شیطان یا مارہ نے مہاتما بدھ کے راستہ نروان (وجدان) پر گو جنسی تلذذ کی ایک حسین مورتی لا کھڑی کی تھی مگر مہاتما بدھ اس حسین مورتی کے آگے جھکنے کی منزل سے بہت آگے نکل گئے تھے ، وہ اب ایک ایسے مقام پر پہنچ چکے تھے جہاں خواہش آدمی کے تابع بن جاتی ہے اور آدمی خواہش کا غلام نہیں رہتا ۔

خود مہاتما بدھ کے اپنے الفاظ میں "جب میں نروان کی منزل میں داخل ہوا ، تو میں نے زیست کی ہوس ، اور خواہش و طلب و آرزو پر قابو پا لیا تھا"۔

فاضل اولڈن برگ کہتے ہیں ، یہ مقام جس پر مہاتما بدھ سخت ریاضت کے بعد پہنچ گئے تھے ان کی زندگی کا سب سے بڑا موڑ ہے ، وہ اب روشنی کا مینار بن گئے تھے ، روشنی ان سے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی تھی اور ماحول کے اندھیرے دور ہوتے جا رہے تھے ۔

وہ رات جس میں بدھ کو نروان نصیب ہوا ، انھوں نے ایک درخت

۱۔ لائف آف بدھا ، بائی ایڈورڈ ، ص ۷۰ ۔

۲۔ راک ہل ، ص ۳۰ ۔

کے نیچے بسر کی تھی ان کے عقیدت مندوں نے اس درخت کا نام ہی علم و آگہی اور عرفان کا درخت رکھ دیا ۔ یہ درخت دریائے نربھوا کا عظیم ترین اور انتہائی مقدس درخت سمجھا جاتا ۔ لوگ اسے بدھی درخت کہتے، حالانکہ وہ پیپل کا درخت تھا ۱ ۔

فاضل اولڈن برگ ، اس مرحلہ پر سوال اٹھاتے ہیں کہ آیا یہ بدھ روایات جو مہاتما بدھ کے نروان پا لینے کی خبر دیتی ہیں تاریخی اور سچی روایات ہیں ؟ یا محض ان کے عقیدت مندوں نے یہ تانا بانا محض عقیدت کے دھاگے سے بنا ہے ؟

فاضل اولڈن برگ کا یہ سوال غیر منطقی معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے عالم کے باب میں عقیدت خود ایک بڑی حقیقت ہے ، اگر اسے نظر انداز کر دیا جائے تو نبوت کی اونچی منزل بے بنیاد ٹھہرتی ہے ۔

مؤرخ کا کام روایات کی صحت کو پرکھنا ہے، لیکن ایسی روایات جو بہت دور کے ماضی کی عکاسی کرتی ہیں ، اور مذہبی کتابوں میں درج ہو چکی ہیں وہ خواہ درایت پر پوری نہ بھی اتریں خواہ ان کی منطقی حیثیت کمزور ہی کیوں نہ ہو مؤرخ کو ان پر تنقید کا حق نہیں ہوتا ۔ وہ سلسلۂ روایت اور کتاب کی تسوید پر شبہ وارد کر سکتا ہے لیکن عقیدت پر حرف گیری اس کا منصب نہیں ہے ۔

بہر حال بدھ روایات کا اتفاق ہے کہ یہ دریائے نربھوا (نرائن جنا) کا خوش نصیب بدھی درخت تھا ۲ جہاں مہاتما بدھ کو نروان نصیب ہوا تھا ۔ یوں بلاشبہ ان بدھ روایات کی بیان کردہ یہ روداد کہ جب مہاتما بدھ کو نروان نصیب ہوا تو آسمانی دیوتاؤں نے ان پر پھولوں کی بارش کی تھی عقلِ سلیم کو غیر قیاسی نظر آتی ہے ۔

یقیناً عقلِ سلیم پر راک ہل کی نقل کردہ یہ روایت بھی شاق گزرتی ہے کہ نروان کے بعد مارا ، یا شیطان کی فوجیں جو دس لاکھ چھتیس ہزار افراد پر مشتمل تھیں ہزیمت کھا کر منتشر ہو گئیں ۳ ۔

۱۔ اولڈن برگ مترجمہ وائی ہوئی ص ۱۰۸

۲۔ کننگھم آرچیول رپورٹس جلد اول ص ۵ ۔ راک ہل ص ۳۰ ۔

۳۔ راک ہل ص ۳۲ ۔

راک هل هی نے یہ بدھ روایت بھی نقل کی ہے کہ سخت ریاضت کے سبب جب بدھ ہوش و حواس سے گزر گئے تو یہ خبر ایک زلزلہ کے سے انداز میں کپل وستو پہنچی ۔ بادشاہ سدھودنہ کے رنج کی کوئی انتہا نہ تھی۔ رانیاں بے ہوش ہوگئی تھیں اور بدھ کی بیگمات تو غش کھا کر زمین پر گرپڑی تھیں ۔ لیکن تھوڑی دیر بعد جب مہاتما بدھ کے دوبارا جی اٹھنے اور نروان پالینے کی خوشخبری عام ہوئی تو کپل وستو میں جشنِ مسرت منائے گئے ۔ یہ جشنِ مسرت ابھی جاری تھے کہ بادشاہ سدھودنہ کو اطلاع دی گئی کہ بدھ کی بیگم یشودھرا کے ہاں بچہ تولد ہوا ہے جس کا نام روھیلہ رکھا گیا ۔

یہ داستان ، اس شبہے کا اظہار بھی کرتی ہے جو بچے کی پیدائش کے سلسلے میں بادشاہ سدھودنہ کے دل میں پیدا ہوا تھا ۔ اس نے سوچا شوہر سے سات سال جدا رہنے والی بیوی اس بچے کو کس طرح جنم دے سکتی ہے ۔ ماں پر شبہ ظاہر ہوا تو اس نے بچے کو ایک پتھر سے باندھ کر تالاب میں ڈال دیا اور کہنے لگی بچہ اگر مہاتما بدھ کا بچہ ہے تو تیرتا رہے گا ورنہ ڈوب جائے گا بچہ پتھر سے بندھے ہونے کے باوجود تیرنے لگا اور خوشیاں پہلے سے زیادہ بڑھ گئیں ۱۔

راک هل نے یہ داستان راغہ رولپا کے صفحہ تین سو انانوے سے نقل کی ہے جو بدھ روایات کا ایک بہت قیمتی مجموعہ ہے ۔ اس روایت کا مبالغہ بھی عقلِ سلیم پر سخت گراں گزرتا ہے ۔

ایسی ہی ایک اور روایت راک هل نے نقل کی ہے جس کے خلاصہ یہ ہے کہ نروان پا لینے کے بعد سات دن گزرے تھے کہ تاجروں کا ایک کارواں بدھ کی خدمت میں باریاب ہوا اس نے بدھ کو کھانے کے لیے دودھ ملیدہ اور شہد پیش کیا ۔ چار بادشاہ ، چار پیالے نذر لائے جو بدھ نے قبول کر لیے مگر ان سب کو ایک میں ملا دیا ۔ شہد کھانے سے بدھ کچھ بیمار ہوگئے ۔ شیطان آیا اور کہا آپ کی موت کا وقت قریب آ گیا ہے ، لیکن بدھ نے اس کی بات رد کر دی اور کہنے لگے میری موت اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک میرا مذہب تمام دیوتاؤں اور انسانوں کا مذہب نہیں بن جاتا ۔

۱- راک ص ۳۳ -

تب سکرا جو دیوتاؤں کا سربراہ تھا۔ بدھ کے لیے جام بدوپہ کے درخت کا ایک پھل لایا جس کے کھانے سے بدھ تندرست ہو گئے ۱۔

ایسی ہی دلچسپ روایت وہ بھی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ نروان پا لینے کے بعد مہاتما بدھ ایک ایسی جگہ پر پہنچے جہاں سانپوں اور اژدھوں کا بادشاہ مچلندا رہتا تھا۔ ناگوں کے اس بادشاہ نے اپنے آپ کو مہاتما بدھ کے گرد لپیٹ دیا اور سات دن تک برابر لپٹے رہا۔

ناگا بادشاہ کی عقیدت سے لطف اندوزہونے کے بعد مہاتما بدھ بدھی نرمدا آ گئے، جہاں انہوں نے سات دن کا چپ روزہ رکھا اور اسباب و علل کے نظریے کی بارہ شاخوں پر سوچ بچار کیا۔ بالآخر وہ اس نتیجہ پر پہنچے نہ اسباب و علل کا نظریہ عام آدمی کی سمجھ سے بالا ہے، اس لیے وہ اسے عام نہیں کریں گے۔ تب خالقِ کائنات برھما ان کے پاس پہنچا اور ان سے درخواست کی غم نصیب دنیا پر رحم کھائیں ۲۔

یہ اور ایسی ہی کئی اور روایات فاضل عظیم راک ھل نے للتیہ وسترا اور اودانا درگا سے نقل کی ھیں اور لکھا ھے کہ اس کے بعد مہاتما بدھ نے فیصلہ کر لیا کہ اپنا مذہب عام کریں گے۔ لیکن وہ پہلے پہل اپنے مذہب کی تعلیم کسے دیں اس خیال نے انہیں کچھ دیر تک پریشان رکھا اور بالآخر وہ کاشی کے شہر بنارس تشریف لے گئے۔ جہاں ان کے وہ پانچ چیلے رہتے تھے، جو ان سے روٹھ گئے تھے۔ چیلوں نے انہیں آتے دیکھا تو نہ چاھنے کے باوجود وہ ان کے استقبال میں کھڑے ہو گئے اور مہاتما بدھ نے انہیں اس سچائی سے آگاہ کیا جو نروان کے ذریعے ان پر روشن ہوئی تھی۔

ایڈورڈ تھامس نے مہاتما بدھ کی زبان مبارک سے بیان کی ہوئی ایک طویل روایت نقل کی ھے۔ جس سے ظاھر ھوتا ھے کہ مہاتما بدھ جب ان پانچ چیلوں سے ملے تھے اور ان سے باتیں کی تھیں تو وہ انؐ پر تھوڑے تذبذب کے بعد فوراً ایمان لے آئے اور یہ چھ کے چھ جن میں سے ایک گورو

۱۔ راک ھل ص ۳۵ للتیہ وسترا ص ۳۵۴ ۔ اودانہ درگا ص ۱۹۹ ۔ لائف آف بدھا ایڈورڈ تھامس ص ۸۱ - ۸۲ - ۸۳ - بگنڈٹ ص ۱۱۵ -

۲۔ راک ھل ص ۳۷ دھرماچکا راسترا ص ۴۲۷ للتیہ وسترا ۔ بگنڈٹ ص ۱۱۸

تھے اور پانچ چیلے کافی دنوں تک ایک ساتھ بنارس میں ٹھیرے رہے تھے ۔ پھر ان چیلوں نے خود کو دو ٹولیوں پر بانٹ لیا اور مہاتما بدھ کی خدمت کے لیے باری مقرر کر لی ۔ جب دو کی ٹولی بھیک مانگنے جاتی تو تین کی ٹولی مہاتما کے ساتھ رہتی اور جب دو کی ٹولی مہاتما کی خدمت پر مامور ہوتی تو تین سادھو چیلے بھیک مانگ کر لاتے ۱ ۔

مسٹر ایڈورڈ تھامس بجا اعتراف کرتے ہیں کہ پانچ چیلوں اور مہاتما بدھ کی ملاقات کے بعد مہاتما بدھ کی زندگی کے بارے میں کوئی ایسی تفصیلی روداد ہم تک نہیں پہنچی جو پرانے راویوں کی بیان کردہ ہے ۔ جو داستانیں اس سلسلے میں مذہبی کتابوں کی زینت ہیں وہ بعد کے زمانہ کی تخلیق ہیں بہرحال مہاتما بدھ نے اپنے چیلوں کو پہلے دن جن الفاظ میں خطاب کیا تھا وہ بدھ مذہبی کتابوں میں محفوظ ہیں ۔ اپنے اس خطاب میں مہاتما بدھ نے چیلوں پر حسبِ ذیل سچائیاں واضح کی تھیں ، صحیح سوچ بچار ، صحیح ارادہ ، صحیح گفتار ، صحیح فعل ، صحیح زندگی ، صحیح جدو جہد ، صحیح احساس اور صحیح مطمع نظر ۔ فاضل راک ہل کا بیان ہے کہ مہاتما بدھ کے جن چیلوں نے اس خطاب کا شرف پایا تھا اور اس کے معنیٰ و مفہوم کو سمجھ گئے تھے انھوں نے بھی نروان پا لیا تھا ۔ راک ہل نے مذکورہ بالا پانچ سادھوؤں کو پہلے معتقد ٹھیرایا ہے پھر یاسا خاندان کا ذکر کیا جس کا ایک نوجوان اتفاقاً ایک رات دریا کے کنارے آن پہنچا تھا اور مہاتما بدھ سے ملاقات کا شرف پایا تھا ۔ مہاتما اس نوجوان سے مل کر بہت خوش ہوئے تھے اور اس کے گھر پہنچ کر کھانا کھایا اور اس کے پورے خاندان کو اپنا بھکشو بنا لیا تھا ۔ بدھ روایات میں اس یاسا خاندان کو گہری عزت دی گئی ہے اور اسے بڑے احترام کا مستحق سمجھا گیا ہے ۔ یاسا خاندان کے علاوہ بنارسی نوجوانوں کو جگہ ملی ہے جو یاسا خاندان کے ذریعے مہاتما بدھ سے آشنا ہوئے اور ان پر ایمان لائے تھے ۲ ۔ پہلے پانچ چیلے یاسا خاندان کے پانچ افراد اور پچاس بعد میں ایمان لائے ، یہ سب بدھ روایات کی رو سے آرہٹ کے لقب سے ملقب ہوئے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں

---

۱ ۔ ایڈورڈ تھامس ص ۸۵ ۔ ۸۷

۲ ۔ راک ہل ص ۔ ۳۹

جو بدھ دھرم کے پہلے مبلغ بنے تھے - انھیں مہاتما بدھ نے دو دو کی ٹولیوں میں بانٹ کر پورے ملک میں پھیلا دیا تھا کہ لوگوں کو بدھ دھرم کی تعلیم دیں -

ساٹھ چیلوں کو تبلیغ کا کام سونپ کر مہاتما بدھ خود اوری ویلہ نامی گاؤں میں تشریف لے آئے ۱ ، جو راج گڑھی کے نواح میں دریائے نرائن‌جنا کا ایک مشہور مقام تھا اور جہاں ایک ہزار برھمن رہتے تھے - ان کے سرگروکاساپا نے اپنے زھد و اتقا کے سبب بڑا نام پایا تھا - مہاتما بدھ اوری ویلہ پہنچ کر کاساپا، اس کے بھائیوں اور اس کے ساتھیوں سے ملے، انھیں اپنے مذھب کے معتقدات سے آگاہ کیا - ان کا انداز بڑا مؤثر اور ان کا طریقِ کار بڑا جاذب تھا - اس لیے انھوں نے نہ صرف کاساپا (کاسیاپا) کے دل میں اپنے لیے جگہ پیدا کر لی ، اس کے ساتھیوں کے دل بھی موہ لیے - یہ سب کے سب ان پر ایمان لے آئے اور ان کے ایمان لے آنے سے مہاتما بدھ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی - راج گڑھی کے مگدہ راجے نے ان کو اپنے ھاں آنے کی دعوت دی - مہاتما بدھ نے یہ دعوت قبول کر لی اور اپنے ایک ہزار چیلوں کے ساتھ راج گڑھی آئے اور یشتی وانہ نامی جگہ پر پڑاؤ ڈالا -

راجہ بڑی شان و شکوہ کے ساتھ ، ان کی زیارت کے لیے ان کی قیام گاہ پر پہنچا - ان کی باتیں سنیں دوسرے دن انھیں شاھی محل میں طلب کیا - اور کالن ٹکنی ورسا نامی باغ ان کے حضور نذر کے طور پر پیش کیا کہ وہ وھاں اپنے دین کا مرکز قائم کریں -

بدھ مت کا یہ پہلا مذھبی اور تہذیبی مرکز تھا ؛ جو مہاتما بدھ کی زندگی ھی میں کالن ٹکنی ورسا میں تعمیر ھوا - ایک دوسرا مرکز کرا واستی میں بنا ، جو سداتہ نامی ایک امیر کبیر تاجر نے مہاتما بدھ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے تعمیر کیا تھا - راک ھل کی رو سے ، دوسرے مرکز میں ساٹھ بڑے اور ساٹھ چھوٹے کمرے تھے۲ - فاضل اولڈن برگ نے اس کی تعمیر سیواتھی نامی مقام پر ظاھر کی ہے اور اس کے بانی کا نام

۱- اولڈن برگ ، ص ۱۳۲ - ایڈورڈ تھامس ، ص ۹۱ -

۲- راک ھل ، ص ۴۸ -

اناتھ اپنیدیکا تحریر کیا ہے۱ -

ایڈورڈ تھامس راوی ہیں کہ راج گڑھی میں مہاتما بدھ نے ابھی سردیوں کے دو مہینے گزارے تھے کہ ان کے باپ سدھودنہ نے ایک ہزار آدمیوں کا قافلہ ، ان کی خدمت میں روانہ کیا ۔ یہ لوگ جب مہاتما بدھ کے پاس آئے تو مہاتما اپنے مذہب کی تبلیغ میں مصروف تھے ، انھوں نے ان کی باتیں سنیں تو بڑے متاثر ہوئے ، ان پر ایمان لے آئے اور ان کے چیلے بن گئے اور یہ بھول ہی گئے کہ وہ کس کام کے لیے ان کی خدمت میں آئے تھے۲۔

ایڈورڈ تھامس کہتے ہیں سدھودنہ نے اسی طرح نو قافلے جو ہزار ہزار آدمی پر مشتمل ہوتے ، مہاتما بدھ کے پاس بھیجے ۔ یہ سب کے سب آئے اور دھرم میں شامل ہوتے گئے اور کسی میں بھی حوصلہ نہیں ہوا کہ مہاتما بدھ کے حضور عرضِ مدعا کر سکے ۔ آخر میں مہاتما بدھ کے بچپن کے ساتھی کال ارین اس خدمت پر مامور ہوئے ، انھوں نے مہاتما بدھ تک ان کے باپ کا پیغام پہنچا دیا اور وہ بیس ہزار سادھوؤں کی معیت میں کپل وستو کے سفر پر روانہ ہوئے ۔ وہ گو بادشاہ نہ تھے لیکن ان کی شان بادشاہوں سے کہیں فزوں تھی ۔ بیس ہزار سادھوؤں کا کارواں جس سمت سے بھی گزرا پورے کا پورا ماحول تماشے کے لیے ادھر سمٹ آیا۳ ۔

ان کی رفتار بڑی سست تھی ، وہ جگہ جگہ پڑاؤ ڈالتے پا پیادہ منزل کی طرف چل رہے تھے ۔ کافی دنوں کے بعد کپل وستو پہنچے ۔ روایت نے تصریح نہیں کی کہ شہر کے لوگوں نے کس انداز سے ان کا استقبال کیا تھا ، البتہ راک ہل '' دلوا '' ، کی وساطت سے بیان کرتے ہیں کہ کال ادین ، یا کال ادیا ، مہاتما بدھ کی تشریف آوری کی خبر جھولی میں ڈال کر ان سے پہلے کپل وستو پہنچا تھا اور بادشاہ کو اطلاع دی تھی کہ مہاتما بدھ کپل وستو کے لیے روانہ ہو پڑے ہیں ، اور وہ شہر میں

۱- اولڈن برگ ، ص ۱۳۶ -

۲- ایڈورڈ تھامس ، ص ۹۷—۹۸—۹۹ -

۳- راک ہل ، ص ۵۲—۵۳ -

قیام نہیں کریں گے ، شہر سے باہر ٹھہریں گے ۔ اگر بادشاہ چاہتا ہے کہ وہ ننگی چھت تلے رات نہ گزاریں تو ان کی قیام گاہ کے طور پر وہارا تعمیر کر دے ۔

چنانچہ بادشاہ نے ایک وہارا کی تعمیر کی ، اور جب مہاتما بدھ وہاں آئے تو شہر سے باہر اس وہارا میں قیام کیا ۔ یوں وہ بادشاہ سے ملنے کے لیے اس کے محل میں تشریف لے گئے ، اپنی بیوی یشودھرا کی خواب گاہ میں بھی قدم رنجہ فرمایا ، مگر ان کے ساتھ اس وقت دو چیلے تھے اور وہ شوہر کی حیثیت سے نہیں گرو کی حیثیت سے وہاں گئے تھے ۔

ہم بات لمبی کرنا نہیں چاہتے ، صرف اتنا کہنے پر اکتفا کریں گے کہ کپل وستو کے اس سفر میں ساری سکیا یا ساکیا قوم ان پر ایمان لے آئی تھی ۔ راک ھل نے ایمان لانے والوں کے گروہوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے ، اور ہر گروہ کی تعداد ستر ، چھیاسٹھ اور پچھتر ہزار بیان کی ہے۲ ۔ دوسرے لفظوں میں اس وقت مہاتما بدھ کے ماننے والے دو لاکھ سے متجاوز ہوگئے تھے ۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ راج گڑھی کے مگدھ بادشاہ بمبسارا اور کوسالہ بادشاہ پراسینار جیت ، مہاتما بدھ کے معتقد بن گئے تھے۱ تو پھر لازماً ان کے معتقدین کی تعداد اس سے بھی زائد تھی ۔ کیونکہ اولڈن برگ کے نزدیک جب بمبسارا نے مہاتما بدھ کے چرن چھوئے تھے، تو اس کی رعایا کے بہت سے افراد نے بدھ دھرم قبول کر لیا تھا۲ ۔

راک ھل نے پانچ سو ساکیا خواتین کے مذہب بدھ میں داخل ہونے کی داستان بھی کہی ہے ۔ اس داستان کی رو سے یہ پانچ سو خواتین وفد کی شکل میں مہاتما بدھ کے حضور حاضر ہوئی تھیں اور ''بھکشنی'' بننے اور مہاتما کے قریب رہنے کی خواہش ظاہر کی تھی ۔ مہاتما نے انھیں دھرم میں تو داخل کر لیا تھا ، مگر بھکشنی بننے کی اجازت نہ دی تھی ، اور ان کی سربراہ ، گوتامی سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا تھا '' صاف ستھرا سفید لباس پہنو ، پاکیزگی اختیار کرو ، نیکی کی زندگی گزارو اور برائی کے

۱۔ اولڈن برگ ۱۳۳ ۔ راک ھل ، ص ۴۳ ۔

۲۔ اولڈن برگ ، ص ۱۳۳ ۔

قریب نہ جاؤ، یہ مسلک تمھاری نجات کا موجب ہوگا اور مسرت اور اطمینان کا ذریعہ بنے گا"۔

راک ہل ہی کا بیان ہے کہ گوتامی نے جو ان پانچ سو عورتوں کی سربراہ تھی اپنے بال مونڈھ لیے اور ساتھی عورتوں کے بال بھی مونڈھ دیے اور کشکول ہاتھ میں لے کر، بدھ کی طرح بھیک مانگتی، اس جگہ پہنچیں جہاں بدھ ٹھیرے تھے۔ یہ رانچی کے نواح میں نتیکا نامی کوئی مقام تھا۔ گوتامی اور اس کی ساتھی عورتیں بدھ کی قیام گاہ پر آئیں تو مہاتما بدھ کے سب سے بڑے چیلے انندا نے گوتامی اور اس کی ساتھی عورتوں کی سفارش کی۔ انندا کی سفارش بڑا وزن رکھتی تھی۔ وہ مہاتما بدھ سے بہت قریب تھا اور بدھ مذہب کے انتہائی ہمدردوں میں اس کا شمار ہوتا تھا، اس لیے مہاتما بدھ نے گوتامی اور اس کی پانچسو ساتھی عورتوں کو بدھ تنظیم میں شامل کرنے کی اجازت دے دی، مگر حسبِ ذیل شرائط عائد کیں ۱ :

۱- بھکشنی بننے سے پہلے، بھکشنی کے سارے آداب کو سمجھ لے۔
۲- جو بھکشنی بھکشوؤں کے ماحول میں مقیم ہوگی، اسے صرف پندرھویں دن باریابی نصیب ہوگی۔
۳- بھکشنی 'واس' کا موسم کسی ایسی جگہ نہیں بسر کرے گی جہاں بھکشو نہ ہوں گے۔
۴- واس کے دنوں میں بھکشنی نہ تو بھکشوؤں کے قریب آئے گی اور نہ ان کی آواز ہی سنے گی۔
۵- بھکشنی اپنی اداؤں، حرکات و سکنات یا دوسرے کسی طریق سے بھکشوؤں کے اخلاق بگاڑنے کی حتماً کوئی کوشش نہ کرے گی۔
۶- بھکشنی میٹھی زبان بولے گی، برے الفاظ، گالی گلوج، حتیٰ کہ غصے کے کلمات زبان پر نہیں لائے گی اور نہ کوئی گناہ کا کلمہ ہی ادا کرے گی۔ بھکشنی، ہر پندرھواڑے، بھکشوؤں کے سامنے اپنے گناہوں کا کھلم کھلا اعتراف کرے گی اور

۱- راک ہل، ص ۶۰-۶۱-۶۲-

بھکشوؤں سے گفتگو کرتے وقت نرم لہجہ اختیار کرے گی ،
اور ان کے احترام میں بیٹھے سے اٹھ کھڑی ہوگی اور ان کے آگے
سر کو ادب سے جھکائے گی۱ -

ان خواتین کو بدھ تنظیم میں شامل کر لینے کے بعد مہاتما بدھ ویسالی تشریف لے گئے - جو اس وقت ایک بڑا عظیم الشان شہر تھا - اس کی تین الگ الگ بستیاں تھی جن میں علی الترتیب ، سات ہزار ، چودہ ہزار اور اکیس ہزار گھر تھے ۲-

ایڈورڈ تھامس نے ، اس باب مین جو روایات درج کی ھیں ، ان سے معلوم ھوتا ھے کہ عورتوں کو بدھ تنظیم میں شامل کرنے کا حکم مہاتما بدھ نے ویسالی کی اقامت کے زمانہ میں جاری کیا تھا اور یہ ان کی تنظیم کا پانچواں سال تھا - اور ان کے بابا بادشاہ سدھودنہ اس وقت انتقال کر چکے تھے - اور وہ باپ کے انتقال پر کپل وستو تشریف لائے تھے - اور یہ ان کی خالہ دایہ اور رضاعی ماں مسہاپا جاپتی ، جو اپنے شوہر پر سدھودنہ کی موت کے بعدکپل وستو میں نہ رہ سکی تھی اور پانچ سو عورتوں کو ساتھ لے کر وسالی پہنچ گئی تھی اور انندا کی سفارش پر اسے بدھ تنظیم میں داخلہ ملا تھا -

ایڈورڈ تھامس نے تھری گھاتہ کی وساطت سےگسیہ گوتامی کا نام بھی لیا ھے - جو سب سے پہلے بدھ بھکشن بنی تھی یہ سورتھی کی رھنے والی تھی اور اس کے نومولود بچے کی موت نے اس کے اوسان خطا کر دیے تھے- وہ مہاتما بدھ کے حضور مردہ بچہ کی نعش لے کر پہنچی اور اسے زندہ کر دینے کی التجا کی تھی اور مہاتما بدھ نے اسے حکم دیا تھا کہ شہر میں جائے اور کسی ایسے گھر سے خمیر لے کر آئے جہاں موت کبھی داخل نہ ھوئی ھو ۳-

مسٹر تھامس نے کچھ ایسی عورتوں کا ذکر بھی کیا ھے جو تنظیم کو بدنام کرنے کی خاطر دشمنوں نے تنظیم میں بھجوائی تھیں اور جنھوں نے عام

۱- راک ھل ص ۶۰ - تھامس ص ۱۰۸

۲- راک ھل ص ۶۲

۳- تھامس ص ۱۱۰

لوگوں سے کہا تھا کہ مہاتما بدھ نے ان سے خفیہ ملاقاتیں کی ہیں اور وہ حاملہ ہوگئی ہیں ۱۔

مسٹر ایڈورڈ تھامس نے ان میں سے ایک عورت کا نام سنسا اور دوسری کا پری بھاجیکا بتایا ہے ۔ پہلی کے لیے زمین پھٹ گئی تھی اور جھوٹ بولنے کی سزا میں وہ زمین میں غرق ہو گئی تھی، دوسری کو سہاتمابدھ کے دشمنوں نے خود ہی مار ڈالا تھا، اور الزام لگایا تھا کہ بدھ کے بھکشوؤں نے اسے مارا ہے ۔ قاتل شراب کے نشہ میں ایک دوسرے سے الجھ پڑے اور راز کھول دیا ۔

مسٹر ایڈورڈ تھامس کہتے ہیں یہ حکایتیں، غلط ثابت ہوئیں تو مہاتما بدھ کی شہرت اور بھی پھیل نکلی۲

مسٹر راک ھل نے مہاتما بدھ کے کچھ بڑے دشمنوں کے نام بھی لیے ہیں جنھوں نے مہاتما کی ہردلعزیزی ختم کرنے کے لیے انھیں بدنام کرنے کا منصوبہ تیار کیا تھا مگر بالآخر ناکام رہ گئے تھے ۔ ان میں گومالہ، پرنا کسیاپا، سنجایا، اجیتا کسیا کام بالا اور کاکووا کاتیانہ سب سے ممتاز تھے ۳۔ مسٹر راک ھل کی اسناد کی رو سے ان لوگوں نے مہاتما بدھ کی مخالفت اس لیے شروع کی تھی کہ ان کی دکانیں مہاتما بدھ کے سبب ماند پڑگئی تھیں ۔ جماعت کے اندر کے ایک دشمن کا نام بھی بدھ مذھبی روایات میں خوب دھرایا گیا ہے ۔ یہ دیوادت ہے جو بدھ پر دل سے ایمان نہیں لایا تھا ۔ اس نے ، مہاتما بدھ کی آبرو لینے اور ان کی بیوی کو خراب کرنے کی کئی بار کوشش کی تھی مگر ناکام رہا تھا اور اس لیے، مہاتما بدھ کی زندگی ہی میں ان سے جدائی اختیار کر کے ایک نئی تنظیم کی بنا رکھ دی تھی ۴۔

راج گرداھی کے ایک بادشاہ بمبسارا کا ذکر پیچھے ہو چکا ہے، جو بادشاھوں میں سب سے پہلے بدھ پر ایمان لایا تھا اور بدھ تنظیم کے لیے پہلی عمارت تعمیر کی تھی ۔ اس کے بیٹے ارجاتا ساترو نے اسے زھر دے کر اس کی خالی جگہ پر کی تھی ۔ کہا گیا ہے کہ یہ واقعہ مہاتما بدھ کی موت سے ۵ پانچ

---

۱ ایڈورڈ تھامس ص ۱۱۱ ۔
۲۔ ایضاً ص ۱۱۲
۳۔ راک ھل ص ۷۹-۸۰ ۔
۴۔ ایضاً ص ۸۸ ۔

یا چھ سال پہلے ہوا اور اس محرک دیوادت تھا ۱ ۔

دیوادت نے راجہ بمبسارا کی ہلاکت کی تجویز ، راج کمار کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کی تھی لیکن دراصل بمبسارا کی موت سے اس کا مقصد یہ تھا کہ مہاتما بدھ اپنے ایک انتہائی وفادار اور مقتدر ساتھی کی اعانت سے محروم ہو جائیں ۔

ہمارے اس خیال کی بنیاد ، راک ہل کی وہ روایت ہے جس کی رو سے ، اوجاتا ساترو کے تخت نشین ہونے کے کچھ دن بعد ہی ، دیوادت نے ، مہاتما بدھ کی ہلاکت کا ایک بہت بڑا منصوبہ تیار کیا تھا ۔ اس منصوبہ کو کامیاب بنانے کے لیے دیوادت نے ساڑھے سات سو آدمی جنوبی ھند سے خاص طور پر منگوائے تھے اور عین اس جگہ جہاں بدھ کی قیام گاہ تھی ایک خوفناک منجنیق تعمیر کرائی تھی تاکہ اس کے ذریعہ مہاتما بدھ کی قیام گاہ پر پتھر برسائے ۲ ۔

روایت کے سچ اور جھوٹ کو پرکھنے کے لیے ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے ۔ البتہ اس روایت کا آخری حصہ خود ہی اس امر کا مظہر ہے ، کہ روایت حد درجہ مبالغہ پر مبنی ہے ۔ کیوں کہ ایک ایسی منجبیق جسے ساڑھے سات سو آدمی تعمیر کر رہے ہوں ، خفیہ نہ رہ سکتی تھی اور مہاتما بدھ کی قیام گاہ پر جو بادشاہوں کی قیام گاھوں سے کسی طرح کم نہ تھی ، سنگ باری کوئی آسان کام نہ تھا ۔

بہر حال اس روایت میں خود ہی اس امر کا اعتراف موجود ہے کہ یہ لوگ جو باہر سے منجبیق بنانے کے لیے آئے تھے دیوتاؤں کی مداخلت پر منجبیق سے سنگ باری کرنے کے قابل نہ رہے اور دیوادت کو ایک پتھر مہاتما پر خود ہی لڑھکانا پڑا لیکن ان کے چیلے کمبیرا نے پتھر کو لڑھکتے دیکھ کر خود کو مہاتما بدھ کے اوپر ڈال دیا ۔ تاہم مہاتما زخمی ہوئے بغیر نہ رہ سکے ۔ راک ہل کے الفاظ میں اس پتھر سے مہاتما بدھ کو بہت خطرناک زخم پہنچا اور خون بہت ضائع ہوا لیکن جان بچ گئی ۔

۱۔ راک ہل ص ۹۱ ۔

۲۔ راک ہل ص ۹۳ ۔ دلوا ۳۲۲ ۔ ۳۲۵ ۔ سپنس هارڈی ص ۳۲۹ ۔ ایڈورڈ تھامس ص ۱۳۳ ۔ ۱۳۴

راک هل نے دیوادت کی ایک دوسری سازش کا ذکر بھی کیا ہے جس کا مقصد بھی مہاتما بدھ کی جان لینا تھا ۔ مہاتما بدھ اپنے پانچ سو چیلوں کے ساتھ ، شہر میں ، ایک معتقد کے ہاں مدعو تھے ۔ دیوادت کو اس دعوت کی خبر تھی اس لیے مہاتما جیسے ہی شہر میں داخل ہوئے ، دیوادت نے ایک دیوانہ شاہی ہاتھی کھلوا دیا ۔ ہاتھی مہاتما بدھ اور ان کے ساتھیوں پر لپکا ۔ سارے کے سارے ساتھی بھاگ اٹھے ، مگر مہاتما بدھ جہاں چل رہے تھے وہیں چلتے رہے ، ہاتھی ان کے قریب آیا لیکن ان پر حملہ آور نہیں ہوا ۔ ان کے ساتھ ساتھ اس طرح چلنے لگا جیسے وہ ان کی عظمت کا معترف تھا اور اس لیے قریب آیا تھا کہ علی‌الاعلان ان کی عظمت‌وتقدس کا اعتراف کرے ۔

راک هل نے یہ داستان ''دلوا'' میں سے نقل کی ہے جو بدھ روایات میں بہت اونچا مقام رکھتی ہے ۔

مسٹر تھامس ، دیوادت کا حال بیان کرتے ہوئے اسے مہاتما بدھ کا چچیرا بھائی ٹھہراتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ مہاتما بدھ اور اس میں بچپن ہی سے دشمنی تھی تاہم اس نے مہاتما بدھ کی ہردلعزیزی دیکھ کر ، ان کا مذہب اختیار کر لیا تھا ۔ اس کا خیال تھا کہ مہاتما بدھ اسے اپنا نائب بنا لیں گے ۔ مگر یہ حیثیت جب اسے حاصل نہ ہوئی تو اس نے مہاتما بدھ سے علیحدگی اختیار کر لی اور ان کی جان لینے کے درپے ہوا ۔

مسٹر تھامس نے ایسی کئی روایات بھی دھرائی ہیں جن سے یقین ہوتا ہے کہ مہاتما بدھ بھی دیوادت سے سخت ناراض تھے ، اس لیے انھوں نے اعلان کیا تھا کہ دیوادت تنظیم کا دوست نہیں دشمن ہے اور تنظیم اس کے کسی فعل کی ذمہ‌دار نہیں ہے [1] ۔

ان روایات کو دھرانے کے بعد مسٹر تھامس کہتے ہیں کہ یہ روایات ، بہت بعد کی پیداوار ہیں ، کیونکہ پانچویں صدی عیسوی میں جس چینی سیاح فاهیون نے بدھ مقدس مقامات کی یاترا کی تھی اس نے دیوادت کے بہت سے ماننے والوں کا ذکر تو کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ لوگ مہاتما بدھ اور پہلے بدھوں کو مانتے تھے مگر کسی ایسی روایت کو نہیں دھرایا ، جو

---

[1] ایڈورڈ تھامس ص ۱۳۳

دیوادت کے چہرہ پر وہ سیاہی ملے ، جو عام بدھ روایات نے ملی ہے ۔

دیوادت سے متعلق روایات کی طرح وہ داستانیں بھی قابلِ یقین نہیں ہیں جو ساکیا قوم کی تباہی کے بارے میں بیان ہوئی ہیں ۔ کہا گیا ہے کہ سیورتھی کے ایک نوجوان بادشاہ درابہنا نے ، ساکیا قوم کا کچھ اس طرح قتلِ عام کیا تھا کہ دودھ پیتے بچے بھی زندہ نہیں چھوڑے ۔ مسٹر تہامس نے ان روایات پر گو جرح تو کی ہے مگر انہوں نے بھی یہ مان لیا ہے کہ ساکیا قوم کا قتلِ عام ہوا تھا ۔ مگر اس قتلِ عام میں کچھ لوگ زندہ بچ گئے تھے یہ لوگ بھاگ کر شمال مغربی ہند کے انتہائی علاقہ میں آن پہنچے ۔ ان ھی میں سے ایک شخص نے ادیانہ میں ایک بدھ سلطنت کی بنا رکھی اور اس کا بیٹا اتراسینا پانچویں صدی قبلِ مسیح کا ایک بڑا بادشاہ ثابت ہوا اور مہاتما بدھ کی موت پر مہاتما کی راکھ میں سے باقاعدہ حصہ پایا اور اپنے پیچھے وطن لوٹ کر منگلی کے مقام پر مہاتما بدھ کی ایک یادگار قائم کی تھی [۱]۔

اگر یہ روایت صحیح ہے ، اور کوئی وجہ نہیں کہ صحیح نہ ہو تو پھر بدھ مت شمال مغربی ہند کے ان انتہائی علاقوں میں جنہیں چینی سیاحوں نے پانچویں اور ساتویں صدی بعد از مسیح میں پامال کیا تھا مہاتما بدھ کی زندگی ھی میں پہنچ گیا تھا ۔

ساکیا قوم کا قتلِ عام ظاہر کرتا ہے کہ اس علاقہ کے بعض بادشاہ ایسے بھی تھے جو مہاتما بدھ کی عظمت پر یقین نہ رکھتے تھے اور ان کی قوم کو تباہ کرنے میں کسی دریغ کو ضروری نہ سمجھتے تھے ۔ ساکیا قوم کے قتلِ عام سے یہ بھی یقین ہوتا ہے کہ بدھ مذہب کے ماننے والوں کی تعداد سے متعلق جو روایات پیچھے ہم نے قدیم بدھ کتب سے نقل کی ہیں، صحیح نہیں ہیں کیونکہ اگر بدھ مذہب نے ان دنوں کافی اقتدار پا لیا ہوتا تو بادشاہ ودوابھا، جو کوئی بڑا بادشاہ نہ تھا، ساکیا قوم کے قتلِ عام کا حوصلہ نہ کرتا ۔

اس قتلِ عام سے ان بدھ روایات کی بھی تردید ہوتی ہے جن کی رو سے ساکیا قوم کی تعداد کئی لاکھ بیان ہوئی ہے ۔

۱- ایڈورڈ تہامس ، ص ۱۴۰ ۔ دیفہ جلد ۲ ، ص ۱۶۵ ۔ جتاکہ جلد چہارم ، ص ۱۴۴ ۔

اس سلسلہ میں ایک ھی بات کہی جا سکتی ھے کہ مہاتما بدھ اپنی قوم سے شاید ناراض تھے؟ یہ ناراضگی اگر تھی تو بدھ روایات اس کی روداد لازماً بیان کرتیں۔ بدھ روایات اس باب میں قطعاً خاموش ھیں، جن سے یہی نتیجہ نکلتا ھے کہ مہاتما بدھ اس وقت اتنی مؤثر طاقت نہ رکھتے تھے کہ ساکیا قوم کے قتلِ عام کو روک سکتے۔

یوں بھی مہاتما بدھ ان دنوں بہت بوڑھے ھوگئے تھے، اسی سال عمر تھی، اور بڑھاپے نے ان کے جسمانی قویٰ کو بہت کمزور کر دیا تھا اور وہ نگر نگر، بستی بستی، گھوم کر اپنے معتقدین سے آخری ملاقاتیں کر رہے تھے۔

مسٹر ایڈورڈ تھامس کا بیان ھے کہ مہاتما بدھ جب وسالی پہنچے جو لچھیوی بادشاھوں کا پایۂ تخت تھا تو انھوں نے ایک شاھی رقاصہ امبا پالی نامی کے باغیچہ میں قیام کیا۔ امبا پالی یہ خبر سن کر مہاتما بدھ کی خدمت میں حاضر ھوئی اور ان کے پاؤں میں گر پڑی، اور باغیچہ بدھ کی نذر کر دیا۔ فاضل راولسن کا بیان ھے کہ امبا پالی نے مہاتما بدھ کی دعوت بھی کی تھی۔ اسی وقت وسالی کے امرا اور بڑوں نے، بھی مہاتمابدھ کو اپنے ھاں بلوایا مگر مہاتما بدھ نے جو اسی سال کے تھے رقاصہ امبا پالی کی دعوت کو امرا کی دعوت پر ترجیح دی اور امرا کی ناراضگی مول لے لی[۱]۔

وسالی ان مشہور مقامات میں سے ھے، جہاں مہاتما بدھ کی زندگی کے نسبتاً زیادہ لمحات صرف ھوئے تھے، اور جہاں کے باشندے مہاتما کے بڑے عقیدت مند تھے اور ان کی آرزو تھی مہاتما کے آخری لمحات ان ھی کے درمیان گزریں۔ لیکن بیماری نے مہاتما کے اندر بڑی بے چینی پیدا کر دی تھی اور وہ طبعاً کسی ایک جگہ پر ٹک کر بیٹھنے کی سکت نہ رکھتے تھے۔ اس لیے وسالی کے معتقدین کی خواھش کے باوجود مہاتما وسالی میں نہ ٹھیرے، اور آگے کی طرف بڑھ گئے۔ انھوں نے دریائے سرسوتی کے کنارے آخری غسل کیا، اور کونسی نارا نامی ایک گاؤں میں تشریف لے گئے۔

۱۔ ایڈورڈ تھامس، ص ۱۵۴—۱۵۵۔ راک ھل، ص ۱۳۵۔

فاضل راولسن نے اس قصبہ کا نام کوسی ناگارہ رقم کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ مہاتما بدھ نے اس قصبہ کے ایک نواحی مقام میں قیام فرمایا تھا ۔ وہاں ایک غریب دیہاتی چندا کی دعوت قبول کی تھی اور یہ دعوت کہا کر ابھی چند میل چلے تھے کہ موت آن پہنچی ۔ وہاں پہنچ کر ان کی قوت بالکل جواب دے گئی ، اور انھوں نے اپنے حاجب اور ہر وقت کے ساتھی انندا کو حکم دیا کہ سال کے درختوں کے نیچے ، ان کا بستر بچھا دے ۔ انندا نے چادر بچھا دی اور مہاتما اس پر لیٹ گئے[۱]۔

بدھ روایت کہتی ہے کہ گو یہ پھولوں کا موسم نہ تھا لیکن ان کے لیٹتے ہی ان پر پھولوں کی بارش ہونے لگی ۔

پھولوں کی بارش ابھی جاری تھی کہ بدھ کا آخری وقت آن پہنچا ؛ اور ان کی آنکھیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہوگئیں ۔

فاضل اولڈن برگ کی رو سے ، یہ ۴۸۰ قبل مسیح تھا جب مہاتما بدھ اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے ۔ موت کے وقت انھیں عوامی زندگی گزارتے پورے چوالیس سال ہو چکے تھے اور ان کی عمر اسی سال کی تھی ۔

فاضل اولڈن برگ کے نزدیک[۲] مہاتما بدھ ہندوستان کے ان بڑے رہنماؤں میں بہت ممتاز ہیں جنھوں نے برہمن طبقاتی تقسیم کے خلاف عملاً جنگ کی تھی اور مذہب کے دروازے ایک ہی انداز میں برہمن اور شودر پر کھول دیے تھے ۔ ان کی تنظیم میں داخلے کے وقت یہ نہ دیکھا جاتا کہ داخل ہونے والا برہمن یا شودر ہے صرف یہ جانچا جاتا کہ وہ اخلاص کی پونجی لے کر آیا ہے اور اس نے روحانی تلذذ کی خاطر ، دنیاوی لذات سے منہ موڑ لیا ہے ۔

یوں فاضل اولڈن برگ نے دبے ، دبے الفاظ میں یہ روداد بھی کہی ہے کہ بدھ مذہبی کتابوں میں تنظیم سے متعلق جن افراد کا ذکر بار بار ہوا ہے وہ سب کے سب برہمن اور کشتری ہیں مثلاً سری پوتہ ،

۱- راولسن ، ص ۹۴ -

۲- اولڈن برگ ، ص ۱۹۶ -

موگالانہ ، کاسانہ برھمن تھے اور انندا ، رھولہ ، انو رادھا اور باسا سماج کے بڑے لوگوں کے بیٹے تھے اور بڑے ممتاز اور ھردلعزیز تھے ۔ ان کے ماسوا ، ایسے وہ لوگ جو بدھ دھرم میں آنے سے پہلے اپنے اپنے طبقات کے سربراہ تھے ، جب بدھ تنظیم میں آن شامل ھوئے تو ان کی پہلی حیثیت قائم رھی تھی ۔

فاضل اولڈن کے الفاظ ھیں "مجھے اس دور کے کسی شودر اور کسی بڑھی کا نام نہیں ملا ، جسے مذھبی بدھ کتابوں نے تنظیم کا رکن ظاھر کیا ھے ۔ جتنے بھی لوگوں کے بدھ دھرم میں داخل ھونے کے قصے بدھ کتابوں ھیں دھرائے گئے ھیں ، یہ سب کے سب ، برھمن ، کشتری اور وقت کے بڑے لوگ تھے اور انھیں بدھ تنظیم سے پہلے کے معاشرے میں بڑی حیثیت حاصل تھی ۔

بلاشبہ مہاتما بدھ کے آس پاس رھنے والوں میں ایک حجام اپالی نامی بھی تھا ، اور بدھ تنظیم میں اسے خاصی حیثیت حاصل تھی ، لیکن خیال رہے کہ یہ حجام اپالی ، بدھ تنظیم میں شامل ھونے سے پہلے شاھی حجام تھا اور اسے شاھی درباریوں جیسی منزلت نصیب تھی۱ ۔

اس کے ماسوا یہ بات بھی قابلِ لحاظ ھے کہ بدھ کتابیں ، بدھ کے لیے یہ ضروری شرط قرار دیتی ھیں کہ وہ یا تو برھمن خاندان سے ھو یا بڑا آدمی ھو ، اس کے علاوہ باقی بڑے آدمیوں کا جب بھی مہاتما بدھ اور ان کے خلفا اور بڑے ساتھیوں کے مابین ذکر آیا ، تو ایسا محسوس ھوا کہ یہ سماجی بڑائی ان کے لیے بھی وجۂ کشش تھی ، مثلاً نوجوان امبھاتہ جب تحریک میں شامل ھوا تو مہاتما بدھ نے اس کے تعارف کراتے وقت کہا تھا کہ یہ ایک شریف النسل برھمن اور ایک بڑے برھمن کا شاگرد ہے ۔

مہاتما بدھ کا سب سے بڑا ساتھی انندا ، کوسی نارا کے حکمران خاندان میں سے کسی ایک شخص کا تعارف بھی اس انداز سے کراتا ھے جس کے معنیٰ بہت صاف اور واضح ھیں کہ تحریک کے نزدیک طبقاتی اور سماجی عظمت بہرحال قابلِ لحاظ تھی۲ ۔ اگر تنظیم کے نزدیک ، چھوٹے

۱۔ جاتک جلد اول ، ص ۳۰۳ ۔ اولڈن برگ ، ص ۱۵۶ ۔ (حاشیہ)

۲۔ اولڈن برگ ، ص ۱۵۵ ۔

آدمیوں کی بھی قدر و قیمت ھوتی تو ان کے آنے اور بدھ دھرم قبول کرنے کا ذکر کہیں نہ کہیں ضرور ھوتا ۔

یہ کہنے کے بعد فاضل اولڈن برگ مہاتما بدھ کے آس پاس ہر وقت موجود رھنے والے چند افراد کے نام گنواتے ھیں اور سری پوتہ اور موگالانہ کا ذکر کرتے ھیں، جو مہاتما بدھ کی زندگی کے بڑے لمبے ساتھی تھے۔ ان دونوں نے مہاتما بدھ کا بڑی وفاداری سے ساتھ دیا تھا، ۔ یہ دونوں جیسے کہ پہلے کہا جا چکا ھے برھمن تھے ۔ ان کے بعد انندا تھا، جو مہاتما بدھ کا چچیرا بھائی تھا ۔

فاضل اولڈن برگ نے یہ نام محض اس لیے پیش کیے ھیں کہ ثابت کر سکیں کہ باوجود اس کے کہ بدھ تنظیم کے دروازے ہر چھوٹے بڑے پر کھلے تھے، عظمت صرف ان ھی کے حصہ میں آئی جو پہلے سے بڑے تھے ۔ فاضل اولڈن برگ، اس سلسلہ میں پاسنادی بادشاہ کوسالہ اور بمبسارا، بادشاہ مگدہ کا نام بھی شمار کرتے ھیں اور کہتے ھیں کہ یہ دونوں بدھ کے بڑے معاون تھے اور زندگی بھر ان کی اعانت کی تھی ۔ پھر تاجر اناتھہ پیدیکا اور جیتاوانہ نے بھی مہاتما بدھ کے مذھب کی اشاعت کے لیے اپنی دولت بڑی فراخی سے صرف کی، کئی اور بھی ایسے مالدار لوگ تھے جن کے سرمایہ سے تنظیم نے تقویت پائی تھی ۔

اس لیے بدھ کتابوں میں ان لوگوں کے نام تو بار بار آئے ھیں، جماعت کے غریب افراد کے بارے میں ایک حرف بھی موجود نہیں ھے ۔

فاضل اولڈن برگ کے نزدیک بدھ تنظیم نے اپنے دروازے، عوام و خواص پر تو دل سے کھول رکھے تھے مگر عورت پر جو انسانی گاڑی کے دو پیوں میں سے ایک بڑا ضروری پیا ھے اپنے ھاں کوئی گنجائش نہ رکھی تھی ۔ برسہا برس تک تو بدھ نے کسی عورت کو اپنی تنظیم کے قریب آنے نہیں دیا تھا اور اپنے پیروکاروں کو ھر لمحہ تلقین کی تھی کہ فتنہ و فسادِ نفس کی اس محرکِ اول کو قطعاً منہ نہ لگائیں ۔ نہ اس سے ملیں، نہ اسے اپنے پاس آنے دیں ۔

فاضل اولڈن برگ کا خیال ھے کہ مہاتما بدھ اپنی تنظیم کے دروازے

۱۔ اولڈن برگ، ص ۱۵۸ ۔

کبھی بھی عورت پر نہ کھولتے اگر ان کی سوتیلی اور دایہ ماں ، ان کے باپ کی وفات کے بعد ، شاہی محل سے نکل کر ، ان کے دروازہ پر دھرنا دے کر نہ بیٹھ جاتی اور انندا کو جو مہاتما بدھ کا سب سے زیادہ مزاج شناس اور انتہائی وفادار چچیرا بھائی تھا سخت مجبور نہ کرتی تو مہاتما بدھ کبھی رام نہ ہوتے ۔ یہ جو انھوں نے اپنی تنظیم کے دروازے عورت پر چند شرائط عائد کرنے کے بعد کھولے تھے اس کی وجہ صرف ماں کی ماتما بنی تھی مگر اس کے ساتھ ساتھ انھیں احساس تھا کہ انھوں نے عورت کو تحریک میں شامل کر کے تحریک کی زندگی مختصر کر دی ہے اور تحریک کو نقصان پہنچایا ہے ۱ ۔

مہاتما بدھ کی یہ تحریک ، جسے عورت کی وجہ سے نقصان پہنچا ، درحقیقت عورت سے نفرت کے شدید ترین جذبہ نے تخلیق کی تھی ۔ عورت مہاتما بدھ کے نزدیک ، انسانی زیست کا لازمی عنصر نہیں رہی تھی اور اس کی وجہ اس کے سوا اور کوئی نہ تھی کہ مہاتما بدھ سولہ سال کی عمر سے لے کر انتیس سال کی عمر تک ، عورت سے حد درجہ تمتع فرماتے رہے تھے اور غالباً وہ حس ان میں باقی نہیں رہی تھی جو عورت کو مرد کے لیے ضروری ٹھیراتی ہے اور مرد کو عورت کے لیے لازمہ بناتی ہے ۔ تاریخ نے گو ، تفصیل بیان نہیں کی لیکن ہمارے نزدیک مہاتما بدھ اگر جوانی میں اعتدال کی راہ چلتے ، اگر ان کے محلات میں سائٹھ ہزار جوان و رعنا عورتیں ہر وقت موجود نہ رہتیں اور نغمہ و رقص کی دولت ، ٹھیکروں کی حیثیت نہ اختیار کر جاتی تو مہاتما بدھ کسی ایسی تحریک کے علمبردار ہرگز ہرگز نہ بنتے جو ترکِ لذات اور ترکِ علائقِ دنیاوی کو اپنا بنیادی اصول بنا لیتی ۔

تنقید کی گنجائش نہیں ہے ، بدھ مت درحقیقت زندگی سے گریز اور فرار کا نام ہے ۔ اور یقیناً جیسا کہ اولڈن برگ کی رائے ۲ ہم نے پیچھے نقل کی ہے عیاش اور ہر لحظہ آرام و سکون کی زندگی گذارنے والے لوگوں پر وہ گھڑیاں بھی قدرتاً آ جاتی ہیں جب وہ لذت اور آرام و سکون سے متنفر ہو جاتے ہیں ۔ مہاتما بدھ پر بھی یہ وقت محض اس لیے آیا تھا ۔ اگر ان کی

۱۔ اولڈن برگ ، ص ۱۶۶

۲۔ اولڈن برگ ص ۱۰۱

زندگی معتدل ہوتی یا اگر وہ کسی ایسے ضابطۂ حیات کے پابند ہوتے جس میں اعتدال ہوتا تو وہ محل سے نکل کر جنگلوں کی راہ نہ لیتے اور ایک ایسی تحریک قطعاً نہ ابھرتی جو زیست کی مشکلات کا حل ''فرار'' میں ڈھونڈتی ۔

بہر حال بدھ مت اپنے وقت کا ایک بڑا ہردلعزیز مذہب تھا ۔ اور اس لیے جیسا کہ ہم نے اولڈن برگ کے ذریعہ کہا ہے ، اس مذہب میں زیادہ تر تعیش پسند امرا ، اور امرا زادوں نے پناہ لی تھی ، کیونکہ تعیش اور آرام و آسائش کی حقیقت ان پر خوب کھل چکی تھی ۔ وہ کثرت تعیش کے سبب آرام و آسائش اور لذات سے نفرت کرنے لگے تھے ۔

بدھ مت کی ہر دلعزیزی کی ایک بڑی وجہ لازماً ایک اور بھی تھی اور وہ یہ کہ اس مذہب کے سبب ، برھمنوں کا اقتدار ٹوٹ گیا تھا اور وہ بنیاد بالکل کھوکھلی ہو گئی تھی جس پر برھمن سربراہی کی عمارت کھڑی کی گئی تھی ۔

فاضل اولڈن برگ اور دوسرے فضلا نے ایسی کئی مثالیں پیش کی ہیں جن سے یہ بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ امرا جو بدھ مت کی عظیم عمارت کے ستون ثابت ہوئے تھے ان برھمنوں سے کچھ خوش نہ تھے جنھوں نے ، مذہب کو محض ''قربانیوں'' کی شکل دے دی تھی ۔ جو خود انتہائی دنیا دار تھے ، جن کے پاس امرا کی طرح ، تعیش کی ہر شے تھی اور جو اپنی تعیش پسندی کے سبب نہ امرا میں کوئی وقعت رکھتے تھے اور نہ عوام میں ۔

یوں بھی جیسا کہ فاضل ڈیر ، کہتے ہیں کہ جس وقت بدھ مذہب کا آغاز ہوا تھا ، مگدہ اور اس سے ملحقہ ریاستیں ابھی پوری طرح ، برھمنوں کے پنجۂ ہوس میں نہ پھنسی تھیں[۱] ۔ اس کی وجہ ایک تو یہ تھی کہ مگدہ اور اس سے ملحقہ ریاستوں کے آرین آباد کار ابھی نئے نئے تھے اور انھیں قدیم باشندوں کی تہذیب و تمدن کو آزمانا پڑا تھا ۔ بلاشبہ برھمنوں کی ٹولیاں ، خاص تعداد میں ، ادھر ادھر گھومتی پھرتی تھیں ۔ مگر وہ آرین بادشاھوں اور ان کی غیر آرین رعایا کے درمیان وہ خلیج نہ حائل کر پائی تھیں جو ان کے مقتدر رہنماؤں نے ، کورو پنچالہ یا شمالی ھندوستان کی دوسری

۱۔ اولڈن برگ ص ۲۰۰ حاشیہ و ڈیر ص ۳۰۵

آرین ریاستوں کے باشندوں میں حائل کر دی تھی ۔

فاضل تبر کا یہ خیال ہمیں سو فی صد درست معلوم ہوتا ہے کہ بدھ مذہب کے ارتقا کے وقت برہمنوں کی طرف سے، کوئی بڑی رکاوٹ اس لیے پیش نہیں آئی تھی کہ برہمن مشرقی ہندوستان میں خود سہاروں کے محتاج تھے اور غالباً اس لیے خود انھوں نے شروع کے دنوں میں جوق در جوق مہاتما بدھ کی تنظیم میں داخلہ لیا تھا ۔

ہم پیچھے، مسٹر ایڈورڈ تھامس اور راک ہل کی وساطت سے ایک مثال پیش کر چکے ہیں کہ کس طرح مہاتما بدھ جب بنارس میں اپنی نبوت کا اعلان کر کے راج گڑھی پہنچے تو وہ کہیں اور قیام کرنے کے بجائے ان ایک ہزار برہمنوں کے مہمان ہوئے جو دریا کے کنارے پر مقیم تھے اور غالباً وہ جنگلوں میں اس لیے رہتے تھے کہ راج گڑھی کے شاہی محلات کے دروازے ان پر اچھی طرح وا نہیں ہوئے تھے ۔ مہاتما بدھ ان میں آئے تو انھوں نے، ان کا ساتھ دیا اور ان کے ہم رکاب ہو کر راج گڑھی کے شاہی محلات تک رسائی پائی اور قبولِ عام کی دولت سمیٹی ۱ ۔

بہر حال بات خواہ کچھ بھی ہو بدھ مت، مشرقی ہندوستان میں جس وقت قبولِ عام کی منازل سے گزر رہا تھا اس وقت برہمن اقتدار مائل بہ زوال تھا ۔ یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ مشرقی ہندوستان میں جنم لینے والے مہاتما بدھ نے، اپنے مذہب کے بارے میں یہ پیشین گوئی کی تھی کہ وہ عروج کی اصل منازل کشمیر میں طے کرے گا اور آیا یہ پیشین گوئی ان سے بعد میں منسوب کی گئی ہے یا یہ یقیناً مہاتما کی زبان پر آئی تھی ۔ بہر حال راک ہل کہتے ہیں کہ جب مہاتما بدھ کے جانشین انندا مرضِ موت میں مبتلا ہوئے تو انھوں نے، رشی مدھیانتیکہ کو طلب کیا ۔ اور ان سے مہاتما بدھ کی یہ پیشین گوئی کہی کہ کشمیر بدھ مت کا اصل گہوارہ ہے ۲ " اور مدھیا نیتکہ اپنے چیلوں سمیت کشمیر کی طرف چل پڑے اور کشمیر پہنچ کر بدھ مذہب کی تاریخ ہی بدل ڈالی ۔

۱- راک ہل ص ۴۰ - ۴۱ - ۴۲

۲- راک ص ۱۶۹ - ۱۷۰

مآخذ و اسناد

انڈیا ، رالنسن ، اے شارٹ کلچرل ہسٹری مطبوعۂ کریسنٹ پریس ۱۹۳۷ء
انڈیا ، سر ھولڈج مطبوعۂ لندن
انڈین کلچر تھرو ایجز مطبوعۂ لانگزمین گرین اینڈ کمپنی ۱۸۹۶ء
انڈین ولیج کمیونٹی ، بیڈن پاول مطبوعۂ لانگزمین گرین اینڈ کمپنی
انڈین اینٹک جلد ۵ ، ۶ ، ۷ مطبوعۂ کلکتہ
ارلی انڈس سویلیزیشنز دوسرا ایڈیشن مطبوعۂ لندن ۱۹۴۸ء
اورجنل سنسکرت ٹیکسٹس آف اورجن اینڈ ہسٹری آف پیپل آف انڈیا ، دیئر ریلیجنز اینڈ انسٹی ٹیوشنز ۴ جلدوں میں دوسرا ایڈیشن مطبوعۂ لندن ۱۸۷۲ء
ارلی ہسٹری آف انڈیا ، پانیکار مطبوعۂ مدراس
ارلی ہسٹری آف انڈیا ، سمتھ مطبوعۂ لندن و حیدرآباد
ایشیاٹک کوارٹرلی ریویو اپریل ۱۸۸۷ء
اینٹکوٹیز اینڈ پریمیول ورلڈ ، مطبوعۂ برلن ۱۸۲۲—۱۸۲۱ء
اینٹکوٹیز آف سندھ ، میجر راورٹی
آئینِ اکبری دفتر دوم مترجمہ بلوچ مین مصنفۂ ابوالفضل
امپیریل گزٹ آف انڈیا (پنجاب) جلد اول
انڈیا مصنفہ لیسن ، مطبوعہ لندن
اینشنٹ انڈیا اینڈ انڈین سویلیزیشن مصنفۂ پان میسون مطبوعۂ لندن
اینشنٹ انڈیا اینڈ سویلیزیشن مصنفۂ کیگن پال مصبوعہ لندن
ابنِ کثیر جز اول مطبوعۂ مصر
ابنِ اثیر جز اول مطبوعۂ بیروت
ایلفنسٹن ہسٹری آف انڈیا مرتبۂ پروفیسر کول پانچواں ایڈیشن

ایکسکیویشنز ایٹ هڑپا ۲ جلدیں مرتبۂ ایم ایس واٹس اینڈ ادرز مطبوعۂ دهلی ۱۹۴۰ء
انویژن آف انڈیا بائی ایلگزانڈر دی گریٹ ایز ڈسکرائبڈ بائی ایرین ، کرٹیوس روفس ، ڈیڈوروس ، پلوٹارک اینڈ جسٹین مطبوعۂ ویسٹ منسٹر ۱۸۹۳ء
اینشنٹ انڈیا ایز ڈسکرائبڈ بائی ٹولمی مطبوعۂ بمبئی ۱۸۸۵ء
ایرین انڈیکا ، مترجمۂ میک کرنڈلے مطبوعۂ کلکته و بمبئی
ارلی هسٹری آف اسیریا مطبوعه لندن
آرینز مصنفهٔ وولی جلد اول مطبوعهٔ لندن
انگلش ولیج کمیونٹی
اگریکلچر پریکٹس
اسیرین ڈسکوریز
امپیریل گزٹ آف انڈیا (پنجاب) جلد اول
انڈین انٹی کیولوجی جلد ۱۲ مصنفۂ تهی بوٹ
اورینٹل جیاگرفی آف ابن حوقل بحوالهٔ برنوف مترجمۂ ڈبلیو اوسلے
آرکیولاجیکل ٹور ان وزیرستان اینڈ ناردرن بلوچستان میموریز نمبر ۱۳۷ بائی سر آرل سٹائن
اینشنٹ ایجپشینز جلد دوم مصنفۂ ولسن
اینشنٹ سنسکرت لٹریچر مصنفۂ میکس مولر
اینشنٹ اینڈ میڈیایول انڈیا جلد اول ، مصنفهٔ مسز میننگ
اکنامک کنڈیشنز آف اینشنٹ انڈیا مطبوعۂ لندن (۱۹۲۹ء)
اشوریا انڈیا مصنفۂ بینرجی شاستری
ایتاریه برهمنا مرتبۂ آفرچ مطبوعۂ بان ۱۷۸۹ء
انڈیا ان ویدک ایج مطبوعۂ لکهنؤ مصنفۂ بهارگوا
اگریرئن سسٹم ان اینشنٹ انڈیا
انڈین کلچر ، مصنفۂ مترا
ابسٹن پنجاب سنسس رپورٹ ۱۸۸۱ء
انڈین سکٹ آف جینز جلد ۸ مطبوعهٔ ۱۹۰۸ء
اچرنگاسترا جلد اول بحوالهٔ سیکرڈ بکس آف ایسٹ مترجمۂ جیکوبی

انتاگا دادساؤ مرتبۂ برنٹ مطبوعۂ لندن ۱۹۰۷ء
اینشنٹ انڈیا اکنامک تھاٹ مطبوعۂ بنارس ۱۹۳۴ء
اینٹکوٹیز آف انڈیا مطبوعۂ لندن ۱۹۱۳ء ، مرتبۂ برنٹ ایل ڈی
اے ہسٹری آف پری بدھست انڈین فلاسفی مطبوعۂ کلکتہ ۱۹۳۵ء
اینشنٹ انڈین نیومسٹکس مطبوعہ کلکتہ ۱۹۲۱ء
اینشنٹ جیاگرفی آف انڈیا مرتبۂ مجمدار مطبوعۂ کلکتہ ۱۹۲۹ء
آرٹ آف اینشنٹ انڈیا مطبوعۂ لندن ۱۹۲۹ء
ارلی ہسٹری آف سپریڈ آف بدھزم مطبوعۂ لندن ۱۹۲۹ء
اوٹ لائن آف ہسٹری مصنفۂ ایچ جی ویلز آٹھواں ایڈیشن شائع کردہ کیسیل اینڈ کمپنی ۔
بدھسٹ ریکارڈز آف ویسٹرن ورلڈ مطبوعۂ لندن
بدھسٹ انڈیا ، مطبوعۂ لندن ۱۹۱۷ء رئیس ڈیوڈز ٹی ۔ ڈبلیو
بدھسٹک سٹڈیز ، ہز لائف ، ڈاکٹرائن اینڈ آرڈر مصنفۂ اولڈن برگ
پری آرین اینڈ پری ڈریویڈین ان انڈیا مطبوعۂ کلکتہ ۱۹۲۹ء مصنفۂ باگچی ۔ پی ۔ سی ۔
پبلک ایڈمنسٹریشن ان اینشنٹ انڈیا مصنفۂ بینرجی مطبوعہ ۱۹۱۶ء
پاپولر ریلیجن اینڈ فوک لور آف ناردن انڈیا ۲ جلدیں ۔ مطبوعہ ۱۸۹۶ء
پیپلز اینڈ پرابلمز آف انڈیا مصنفۂ سر ہولڈرنس
پرمٹو کلچر مصنفہ ٹیلرز جلد اول و جلد دوم
پری بدھسٹ انڈیا ، مصنفہ رتی لال سہتہ مطبوعہ بمبئی ۱۹۳۹ء
پینیٹی جز ششم ۔ جز دوم
پروسیڈنگز آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۹۸ء
پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا مصنفۂ راچوھدری مطبوعۂ کلکتہ ۱۸۵۸ء
پری ہسٹارک انڈیا بہ سلسلۂ پری مسلمان انڈیا مطبوعۂ مدراس
پنجاب منسس رپورٹ ابسٹن ۱۸۸۱ء
پنجاب ایڈمنسٹریشن رپورٹ
تھیوری آف گورنمنٹ ان اینشنٹ انڈیا مطبوعۂ الہ آباد ۱۹۲۷ء
تھرگاتھا مرتہ پسچل مطبوعۂ لندن ۱۸۸۳ء

نیز مرتبۂ اولڈن برگ مطبوعۂ لندن ۱۸۸۳ء
ٹریلوز ان انڈیا مترجمۂ ٹی ویٹرز
جرنل آف بہار ریسرچ سوسائٹی جلد اول ، جلد چہارم
جین جتکاز مرتبۂ بنارسی داس جین مطبوعۂ لاہور ۱۹۲۵ء
جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۸۸۸ء - ۱۸۸۹ء مضمون جے - ایف - ہیوٹ -
ایضاً ۱۹۰۷ء - ایضاً جنوری مارچ ۱۹۲۶ء
جتکا مرتبۂ فاس بال چھ جلدوں میں - مطبوعۂ لندن ۱۸۷۷ء - ۱۸۹۷ء
جیاگرفیکل ڈکشنری آف اینشنٹ انڈیا اینڈ میڈیول انڈیا .مطبوعۂ لندن ۱۹۲۷ء - مصنفۂ نند لال
ڈان آف ہسٹری مصنفہ٫ جے - ایل - مائرس مطبوعۂ لندن
ڈائلاگز آف بدھا مترجمۂ رئیس ڈیوڈز ، مطبوعۂ لندن ۱۸۹۹-۱۹۱۳- ۹۲ ء
ریلیجنز آف انڈیا مطبوعۂ لندن ۱۸۸۲ء - مصنفۂ برتھ - اے -
ریلیجن آف رگ وید ، گرسولڈ مطبوعۂ آکسفرڈ ۱۹۲۳ء
رگ وید مترجمۂ گرفتھ مطبوعۂ بنارس ۱۸۹۱ء - ۱۸۹۷ء
رامائن مترجمۂ گرفتھ مطبوعہ٫ ۱۸۹۰ء
سٹڈیز ان انڈین اینٹکوٹیز مطبوعۂ کلکتہ ۱۹۳۲ء
سٹڈیز آن آئس ایج ان انڈیا اینڈ ایسوسی ایٹڈ ہیومن کلچر مطبوعۂ لندن
سکرپٹ آف ہڑپا اینڈ موہن جوڈیرو مصنفہ٫ جی - آر - ہنٹر مطبوعۂ لندن
سترا کترنگا مترجمہ٫ جیکوبی ۱۸۹۵ء
سویلیزیشن اینڈ کلائمیٹ مصنفہ ایلس ورتھ
سٹریبو ، مترجمہ میک کرنڈلے ، مطبوعہ٫ کلکتہ
سیکرڈ سٹوریز آف زند پیپل ، سپیگل
سٹوری آف کلدیہ
سائنس آف لینگویج مصنفۂ میکس مولر مطبوعہ٫ ۱۸۶۶ء
سم ایسپکٹس آف اینشنٹ انڈین کلچر
سموریتز مصنفۂ وولے جلد اول مطبوعہ٫ لندن
سکرانیتی سرا مترجمۂ بینی کمار

سیکرڈبکس آف ایسٹ مترجمۂ جیکوبی ۔ جلد ۱۱ مطبوعۂ لندن
ساتھا پاتھا برھمنا مرتبۂ اے ۔ ویر مطبوعۂ بان ۱۸۰۰ء
ستا نیپاتا مرتبۂ ڈی اینڈرسن اینڈ ایچ سمتھ مطبوعۂ لندن ۱۹۱۳ء
فائیو تھوزنڈ ییرز آف پاکستان، مصنفۂ مارٹیمر ویلر مطبوعۂ لندن
فردر ایکسکویشنز ایٹ ھڑپا ۲ جلدیں ۔ مرتبۂ ایم ۔ ایس ۔ واٹس اینڈ ادرز
مطبوعۂ دھلی ۱۹۴۰ء
فریگمنٹس آف انڈیکا بائی میگستھین مطبوعۂ ۱۸۷۷ ۔ کلکتہ
کافرز آف ھندوکش ، مصنفۂ رابرٹسن
کلپاسترا مترجمۂ سٹیونسن مطبوعۂ لندن
کیمبرج ھسٹری آف انڈیا جلد اول مطبوعۂ کیمبرج ۱۹۲۲ء
کلچرل ھیری ٹیج آف انڈیا تین جلدوں میں مطبوعۂ الہ آباد و بنارس ۔
کوآپریشن ان انڈیا اینڈ یورپ مصنفۂ ڈارلنگ ۔
کلائمیٹ اینڈ ویدر مصنفۂ ڈکسن
کتلیا ارتھ شاستر مرتبۂ شام شاستری مطبوعۂ میسور ۱۹۲۴ء
کیٹلاگ آف پری ھسٹارک ان انڈین میوزیم
کرونالوجی آف اینشنٹ انڈیا مصنفۂ پردھان ، مطبوعۂ کلکتہ
گیٹس آف انڈیا مصنفۂ سر ھولڈچ مطبوعۂ میکملن اینڈ کمپنی لندن
گائڈ ٹو ٹیکسلا مصنفۂ سر جان مارشل مطبوعۂ لندن
لائف آف بدھا ایز لیجنڈ اینڈ ھسٹری ، مصنفۂ ایڈورڈ جے تھامس ۔ مطبوعۂ لندن
لائف آف بدھا اینڈ ارلی ھسٹری آف ھز آرڈر مترجمۂ وڈ وائل مطبوعۂ لندن
لائف آف بدھا مصنفۂ راک ھل ، مطبوعۂ لندن
لائف ان اینشنٹ انڈیا مطبوعہ ۱۸۵۶ء
لنگوسٹک سروے آف انڈیا جلد ۸ ۔ جلد ۱۱ ۔ جلد ۱ ، ۳ ۔
لینڈ آف فائیو ریورز ۔ مصنفۂ ھیو کینیڈی مطبوعۂ پنجاب
لوکل گورنمنٹ ان اینشنٹ انڈیا مطبوعۂ آکسفرڈ ۱۹۲۰ء
متھس اینڈ لیجنڈز آف بیلونیا اینڈ اسیریا مصنفۂ لیوس سپنس
مڈ انڈین کشتری ٹرائبز جلد اول

میگستھنیز اینشنٹ انڈیا مترجمۂ میک کرنڈلے مطبوعۂ کلکتہ
موھن جوڈیرو اینڈ انڈس سولیزیشن مرتبۂ سر جان مارشل ۳ جلدیں مطبوعۂ
لندن ۱۹۳۱ء
مہا بھارت مترجمہ منماتھ ناتھ دت مطبوعۂ کلکتہ ۱۸۹۵—۱۸۹۷ء
مارکنڈیا پران مترجمۂ پارگیٹر مطبوعۂ کلکتہ ۱۹۰۴ء
مجھانکیا مطبوعۂ لندن ۱۸۸۸—۱۸۹۹ء
مہادمسا مرتبۂ ڈبلیو گیگر مطبوعۂ لندن ۱۹۰۸ء مترجمۂ وچ شنہا
ملہنداپنہا مترجمۂ ریس ڈیوڈز مطبوعۂ لندن ۱۸۸۰ء
موھن جو ڈیرو مصنفۂ سہر چند مطبوعۂ حیدرآباد
موسٹ اینشنٹ ایسٹ مصنفۂ گورڈن چائلڈ مطبوعۂ لندن
سہران آف سندھ اینڈ اٹز ٹریبوٹریز — مصنفۂ میجر راورٹی
نارتھ ویسٹ فرنٹیر ۔ مصنفۂ کالن ڈیوس مطبوعہ ۱۹۳۲ء
نیو لائٹ آن موسٹ اینشنٹ ایسٹ چوتھا ایڈیشن ، مطبوعۂ لندن ۔ مصنفۂ
گورڈن چائلڈ
ہسٹری آف سنسکرت لٹریچر مطبوعۂ الہ آباد ۱۹۱۷ء ۔ مصنفۂ میکس مولر
هیروڈوٹس جلد اول
هیلن کوس مرتبہ مولر
ہسٹری آف آرین رول ان انڈیا ، مصنفۂ ای ۔ بی ۔ هویل
هری ومسا مترجمۂ دت مطبوعۂ کلکتہ ۱۸۹۷ء
هندو ٹیلز مترجمۂ جے ۔ جے میئر
ویدک ایج مطبوعۂ لندن
ویدک انڈیا مطبوعۂ ۱۸۹۵ء ۔ مصنفۂ رنگ آچاریہ
ورلڈ جیاگرافی مطبوعۂ دهلی
ونڈر دیٹ واز انڈیا مصنفۂ پروفیسر باشم مطبوعۂ لندن
ویدک سٹڈیز جلد ۲
ویدک انڈکس جلد اول و دوم مرتبۂ و مترجمۂ میک ڈانل اینڈ کیتھ
مطبوعۂ لندن ۱۹۱۲ء

ویدک مائتھالوجی جلد اول و جلد سوم
وینایا ٹیکسٹس مترجمہ، رئیس ڈیوڈز اینڈ ایچ اولڈن برگ مطبوعہ، آکسفرڈ
ویفانکیا مرتبہ، ریسس ڈیوڈز اینڈ جے کارپنٹر مطبوعہ، لندن ۱۸۹۰—۱۸۹۱ء
ولیج کمیونٹیز ان ایسٹ اینڈ ویسٹ مصنفہ، مین
وشنو پران مترجمہ، ایچ ۔ ایچ ۔ ولسن مطبوعہ، لندن ۱۸۴۰ء
ویدک انڈیا مصنفہ، زینیڈے راگوزین مطبوعہ، ۱۸۹۵ء
یئیر ان پنجاب فرنٹیر مصنفہ، ایڈورڈز

اشاریہ

(الف)

ایل سن سیز
قدیم اشوری بادشاہ ، ۱۳۰
ابھی سار ، ۲۹۴
اتاریہ برھمنا ، ۳۱۹
اترا سینا
قدیم اریانہ کا بدھ راجہ ، ۴۰۸
اترا کورو
آریائی قبیلہ ، ۲۹۰
اترا مدرا
چناب اور راوی کے کناروں پر صدیوں آباد رہنے والی ایرانی قوم ، ۴۵
ارتھ پرا
قدیم سیوی ریاست کا پایۂ تخت جو سکندر مقدونی کے وقت تک آباد تھا ، ۵۵ - ۹۵
اتہاسا
قدیم آریائی روایات اور قصے کہانیاں ، ۲۵۴
اتھر وید
آریوں کی الہامی کتاب ، ۱۵ - ۲۵۳ - ۳۱۱ - ۳۵۶
اٹلی
مغربی ملک ، ۲۳۳ -
اٹک قلعہ
دریائے سندھ کے کنارے پر واقع ہے اکبر نے آباد کیا تھا ، ۵۹
آپا سوامی
پروفیسر سنسکرت زبان اور مصنف ، ۳۱۱
آپس تامبہ
سنسکرت زبان اور ویدک قانون کا مشہور قدیم عالم ، ۲۵۳
اپنشاد ، ۲۵۳ - ۲۵۴
آجا ، ۲۹۹
اجپٹیئن
وہ قدیم نسل جو مصر میں آباد ہوئی ، ۶۲
احمد آباد
ایک شہر، گجرات کاٹھیاواڑ میں ہے ، ۲۴
اربل
عراق کا ایک قدیم شہر ، ۱۲۹ - ۱۳۴
ارت آتما
قدیم عراق کا ایک کیسائی بادشاہ ، ۱۳۰
ارل
جھیل کا نام ، ۲۳۷
ارمیہ
ایک جھیل ، ۲۳۶

ارلی ہسٹری آف انڈیا
بانی پانیکار، ۳۶۸

ارلی انڈس سویلزیشنز
مصنف ارنسٹ میکے، سندھ کی تہذیب پر ایک سفید کتاب، ۱۵۵

آرسینیا، ۲۹ - ۲۰۳ - ۲۰۴ - ۲۲۳ - ۲۰۸ - ۲۳۱

آریہ، ۴۲ - ۴۳ - ۴۴ - ۴۶ - ۵۰ - ۵۹

آرار، ۸۵ - ۸۹ - ۹۰ - ۹۲ - ۹۳ - ۹۷ - ۹۸ - ۱۳۲ - ۲۰۱ - ۲۰۷ - ۲۳۳

آریائی، ۲۳۶ - ۲۵۰ - ۲۵۳ - ۲۶۴ - ۲۶۵

آرین، ۳۴۳ - ۳۴۵ - ۳۴۶ - ۳۴۷

آری ۲۶۷ - ۲۵۸ - ۲۸۹

آریانہ، ۲۵۱ - ۲۰۶ - ۲۱۱

آرین اینڈ پری ڈراویڈن انڈیا، ۳۸۵

آرینا کہ، ۲۵۳ - ۲۵۴

ارم
سام کا بیٹا، ۱۳۱

اسماعیل علیہ السلام
حضرت ابراھیم عیلہ السلام کے بیٹے اور عرب نسل کے جدِ امجد مقدس باپ سے مل کر کعبتہ اللہ کی بناء رکھی، ۶۸ - ۶۹

ارساکا، ۲۹۴

آسٹریا
ایک مغربی ملک، ۲۳۷

آسٹریلیا
براعظم، ۷۲

اسکنی
دریائے چناب، ۲۶۰

ارسطو
یونان کا عظیم فلسفی، ۲۱۲

آسین
قدیم عراقی شہر، ۱۳۰

اسواپتی
کیکائی بادشاہ جو رام چندر جی کا ہم عصر تھا، ۲۹۱

اسوین
آریائی دیوتا، ۲۶۸

اسی نارا
قدیم سیوی بادشاہ، ۲۹۱-۲۹۲

اسیریا
عراق کی سر زمین کا قدیم نام، ۱۳۰ - ۱۴۴ - ۱۴۶ - ۳۷۸ -

آشور
عاشور قدیم عراق کا ایک بڑا تہذیبی مرکز جہاں سے عشوری آگے پھیلے، ۱۲۳ - ۱۲۷ - ۱۲۸ - ۱۲۹ - ۱۳۰ - ۱۳۱ - ۱۳۲ - ۱۳۳ - ۱۳۴ - ۱۳۵ - ۱۴۲ - ۱۴۵ - ۱۴۶ - ۱۴۸

آشورا ، ۲۹۹

آشورا ، انڈیا

مصنف بینر جی شاستری ، ۳۸۳

آشوری ، ۱۲۶ - ۱۲۹ - ۱۳۲
- ۱۳۴ - ۱۴۲ - ۱۴۳ - ۱۳۵ -
۲۹۸ - ۳۸۵

اشور نذر پال

قدیم اسیریا کا ایک اسیری
بادشاہ جس کے زمانہ میں میڈیا
میں بہت بغاوتیں ہوئیں ، ۱۴۳

اشوک ، اشوکا

چندر گپت کا پوتا اور مشہور
شہنشاہ جو ٹیکسلا کا گورنر جنرل
بھی رہ چکا تھا ۔ بدھ مذہب کا
علمبردار ، ۲۱ - ۳۶ - ۳۰۸ -
۳۰۹ - ۳۲۸ - ۳۲۹

افلاطون

یونان کا مشہور فلسفی ، ۲۱۲

افریقہ

ایک مشہور براعظم ، ۶۱ - ۶۲ -
۶۴ - ۷۱

افغانستان

مغربی پاکستان کا شمال مغربی
ہمسایہ ہے ۔ کوہ ہندوکش سے
پرے واقع ہے۔ آبادی سوا کروڑ
رقبہ دو لاکھ پچاس ہزار مربع
میل ، ۲۹ - ۳۰ - ۳۱ - ۳۲ -
۳۳ - ۲۱۹ - ۲۴۰

اریدو

قدیم کلدانی تہذیب کا سب سے
بڑا مرکز تھا ، ۹۷

اکدیہ اکادی

قدیم بابل کا ایک شہر اور
ایک قوم ، ۲۳۹

آکسفرڈ پریس

انگلستان کا ایک مشہور
مطبع ، ۲۰

اگنی دیو ، ۲۶۹ - ۲۷۰

الینا

رگ وید میں مذکور قبیلہ ،
پکھتو کا ہمسایہ تھا ، ۲۹۳

العریدو

عراق کا ایک قدیم تہذیبی مرکز ،
۱۲۸ - ۱۳۱

ایلگزانڈر کننگھم

مشہور جغرافیہ دان ، ۱۰ - ۲۲

الپائین

ایک قدیم انسانی نسل ، ۶۲

البیرونی

مؤرخ سیاح ۔ محمود غزنوی کا
ہم عصر جو ہندوستان میں کئی
سال رہا اور ہندوستان پر پہلی
کتاب الہند تصنیف کی ۔ جو
بہت قیمتی سرمایہ ہے ، ۱۵-۲۳

المسعودی
مؤرخ سیاح - ۹۳۳۰ھ میں سندھ
میں وارد ہؤا - المروج الذھب
کا مصنف ہے - یہ کتاب دو
حصوں میں ہے اور بہت قیمتی
معلومات سے پر ہے ، ۲۴

امارہ
کسان لڑکی ، ۳۷۴

الاھرام
مصر کے وہ مقبرے جن میں
فراعنۂ مصر دفن ھیں ، ۳۷۹

اموری ، ۲۳۸

امب
سرحدی علاقہ میں ہزارہ کی
ایک ریاست - امب اس کا صدر
مقام ہے جو دریائے سندھ کے
کنارے پر واقع ہے - سکندر
مقدونی نے یہاں قیام کیا تھا ، ۲۹

امریکہ
دنیا کا ایک بڑا ملک ، ۶۱-۶۳

امیم
حضرت نوح کے پوتے ، ۲۱۷
انڈین کلچر تھرو ایجز ، ۳۷۶
اننت پرشاد بیز جی شاستری ، ۳۲۹
اینشنٹ اینڈ مڈیول انڈیا
مسز میننگ کی تصنیف ، ۲۸۲-۲۸۳

انبالہ
مقام ، ۲۵۹

آنو - اناوا - اعوان
ایک آریانی قبیلہ جو سندھ میں
آباد ہؤا تھا ، ۲۸۸- ۲۹۱ -۳۱۷

انودیا کھانہ ، ۲۵۴

انکیوئل ڈپرون
ایک جرمن عالم لسانیات ،
۲۰۹ - ۲۱۵

اندر
آریوں کا دیوتا ، ۹۰ - ۲۶۳ -
۲۶۸ - ۲۷۵ - ۲۸۹ - ۲۹۵

انگلستان
انگریزوں کا ملک ، ۶۴ - ۲۳۶

انڈونیشیا
گیارہ کروڑ انسانوں کا ملک
ڈاکٹر سوکارنو اس کے صدر
ھیں - پاکستان کا عزیز ترین
حلیف ہے - اس کے پہلے آباد کار
لمبے سر والے لوگ تھے ، ۶۱

اوپا مکروا
پورو قبیلہ کے ایک بادشاہ کا
نام ، ۳۰۱

او دین ، ۳۲۷

اوپتی دیوی ، ۲۷۲

اورجنل سنسکرت ٹیکسٹس
میؤر کی تالیف ، ۳۸۱

اھرمزد
قدیم ایرانی خدا ، ۲۰۳ - ۲۰۶ -
۲۱۱ - ۲۱۲ - ۲۱۳

آئرلینڈ ، ۲۰۵

اوشاس
صبح کی دیوی ، ۲۶۹ - ۲۷۴

اوچ
ایک مقام ہے جو بہاول پور کے
قریب واقع ہے ، ۴۳ - ۸۴

اوٹ لائن آف ھسٹری
ایک بڑی اونچی تصنیف ہے -
جس میں ایچ جی ویلز نے انسان
کی ابتدائی نشو و نما پر سیر
حاصل بحث کی ہے - لندن سے
کئی بار چھپ چکی ہے ، ۶۷

اورک زئی
سرحدی پٹھانوں کا ایک
قبیلہ ، ۳۴ - ۶۸

اولڈن برگ - پروفیسر
بدھ کی زندگی کا ماھر اور
سنسکرت کا بڑا عالم بدھ پر
کتاب لکھی ہے ، ۱۵۰ -
۲۴۴ - ۲۸۱ - ۳۲۶ - ۳۳۲ -
۳۳۳ - ۳۳۴ - ۳۳۶ - ۳۳۸ -
۳۴۰ - ۳۵۳ - ۳۴۳ - ۳۴۷ -
۳۴۹ - ۳۶۴ - ۳۶۵ - ۳۶۶ -
۳۶۷ - ۳۵۴ - ۳۵۵ -

اورل سٹائن
مشہور عالم اور ماھر آثار قدیمہ
کلہناگی راج ترنجنی کا انگریزی
میں ترجمہ کیا ہے اور اس پر
بہت عمدہ حواشی لکھے ھیں ، ۱۳-
۱۵ - ۲۴ - ۳۴ - ۱۵۱ - ۱۹۶

ایڈی لانگ
ایک جرمن عالم لسانیات ،
۲۰۹ - ۲۳۳

براعظم ایشیا ، ۲۹ - ۳۱ - ۳۲ -
۳۳ - ۳۷ - ۶۲ - ۶۵ - ۹۹ -
۱۹۸ - ۲۰۸ - ۲۰۹ -

ایبٹ آباد
ھزارہ کا ایک مشہور شہر جسے
ھزارہ کے پہلے انگریز ڈپٹی
کمشنر مسٹر ایبٹ نے آباد کیا
تھا ۱۸۴۹ اور ۱۸۵۴ میں ،
۴۸ - ۵۱

ایران
پاکستان کا عزیز ترین ھمسایہ
اور حلیف ہے - آبادی دو کروڑ
رقبہ چند لاکھ اٹھائیس ھزار مربع
میل ، ۲۹ - ۳ - ۳۲ - ۳۳ - ۷۵ -
۸۶ - ۹۸ - ۱۳۲ - ۱۳۵ -
۱۸۲ - ۲۳۱ - ۲۴۰ - ۳۶۹

ایرین ، انڈیکا
یونانی سیاح ایرین کی
تصنیف ، ۳۹۸

ایران
یونانی مؤرخ ۔ مصنف انڈیکا ۔
۲۸ - ۳۱ - ۹۳ - ۳۷۳ -
ایلفنسٹن
مصنف ہسٹری آف انڈیا، ۱۱-۱۵
ایڈورڈ تھامس
مصنف لائف آف بدھا ایزلیجنڈ
اینڈ ہسٹری مطبوعہ لندن ۱۹۰۸ء
۳۳۲ - ۳۳۳ - ۳۳۶ - ۳۳۹ -
۳۴۲ - ۳۴۷ - ۳۵۲ - ۳۵۳
ایراندتی ، ۳۵۷
ایکسکویشنز ایٹ ہڑپا
مادھو سروپ واٹس کی تالیف ۔
۱۳-۱۵-۱۸۶-۱۸۷- ۱۸۸-۱۹۰
ایراوتی
پارشی ۔ راوی ، ۲۶۰
ای ٹرسپ ڈاکٹر
عالم اور ماہرِ لسانیات، ۲۴۹
ایتاریا برہمنا ، ۳۷۶ - ۳۸۳
ایڈورڈ میئر
عالمِ لسانیات ، ۲۷۰
ایلوسیر
قدیم اشوری بادشاہ ، ۱۳۰

(ب)

باسفورس ، ۲۳۶ - ۲۳۷
۱۲ - ۱۳ - ۳۵ - ۷۴ - ۷۶ - ۷۷ -
۸۱ - ۸۶ - ۹۲ - ۹۳ - ۱۱۹ -
۱۲۳ - ۱۲۸ - ۱۳۲ - ۱۳۸

بابل
عراق کی قدیم ترین آبادیوں میں
بہت اہمیت رکھتا ہے اور قدیم
تہذیب و تمدن کا آئینہ دار ہے ،
۱۳۹ - ۱۳۲ - ۱۳۵ - ۱۵۶ -
۲۱۶ - ۲۱۸ - ۲۱۹ - ۲۳۹ -
۲۷۵ - ۳۷۰ - ۳۷۸
باشم
پروفیسر سنسکرت زبان ونڈر
ریٹ واز انڈیا کا مصنف ، ۶۳ -
۷۵ - ۸۳ - ۱۲۷ - ۱۳۵ -
۱۳۶ - ۱۳۷ - ۱۳۸ - ۱۸۷ -
۲۴۳ - ۲۴۶
بیہارا دوجا ، ۲۵۷
بجوڑ
سوات کا ایک مقام ۳۴
بحیرۂ اسود ، ۳۷ - ۲۳۸
بھنڈھارکر
ایک ہندو مصنف جس نے ویدک
دور پر تحقیقات کی اور شہرت
پائی ، ۱۴۶
بحیرۂ عرب
سمندر کا نام ہے ۔ جس نے اپنے
بعض ساحلوں کی وجہ سے بحیرۂ
عرب کا نام پایا ہے، ۳۷-۳۴-۳۹-۴۷
بحیرۂ کیسپین ، ۲۹ - ۳۷۰

بدھسٹ آرٹ آف گندھارا ، ۳۷۳
بدھ سہاتما ، ۳۵۴ - ۴۰۵ - ۴۰۷ -
۴۰۸ - ۴۳۲ - ۴۳۵ - ۴۳۷ -
۴۳۸ - ۴۴۰ - ۴۴۱ - ۴۴۲ -
۴۴۳ - ۴۴۴ - ۴۴۵ - ۴۴۶ -
۴۴۷ - ۴۴۸ - ۴۴۹ - ۴۵۰ -
۴۵۱ - ۴۵۳ - ۴۵۴ - ۴۵۵ -
۴۵۸ - ۴۵۹ - ۴۶۰ - ۴۶۱ -
۴۶۲ - ۴۶۳ - ۴۶۴ - ۴۶۵ -
۴۶۶ - ۴۶۷ - ۴۶۸

برڈین
برطانیہ ، ۶۲

بھرت
مہاراج رام چندر کا بھائی تھا ۔ جس نے بھارت آباد کیا ۔ رگ وید کا ہیرو ہے ، ۲۸۴

بھدرا بھاؤ
جینی مبلغ ، ۴۲۸

بھرت ورتہ
قدیم آرین قبیلہ کا دیس ، ۴۵

برھمنڈا
برھمنی لٹریچر کا مجموعہ ، ۲۰

بروھی
بلوچستان کا ایک قدیم آباد کار قبیلہ جو منڈا زبان بولتا ہے اور ڈراویڈی ماضی کا ترجمان ہے ،
۷۵ - ۷۸ - ۷۹ - ۸۲ - ۸۳ -
۸۷ - ۹۸ - ۹۹

برشیا
رگ وید میں مذکور ایک آرین قبیلہ کا نام ، ۲۹۹

برٹن
مشہور محقق اور ماہر لسانیات ، ۲۴۹

برھمنا
تفسیر و حواشی متعلق وید ، ۲۵۳

برڈنے کیتھ
کیمبرج ہسٹری آف انڈیا کے ایک مضمون نگار رگ وید کے ماہر مستشرق ، ۲۵۶ - ۲۵۸ - ۲۶۷
۲۷۴ - ۲۸۱ - ۲۸۷ - ۲۹۶ -
۳۰۳ - ۳۰۵ - ۳۱۲ - ۳۲۲ -
۳۴۳ - ۳۴۷ - ۳۴۸ - ۳۶۱ -
۳۶۹ - ۳۷۲ - ۳۷۷ - ۳۸۱ -
۳۸۲ - ۳۸۷ - ۳۹۳ - ۳۹۷

بھرت ، ۲۸۴ - ۲۸۷ - ۲۹۱ - ۳۱۷

بھرتہ
ایک آریہ قبیلہ ، ۲۸۴

برھمی
ناگری سے پہلے کا ہندو رسم الخط جو قدیم ہندوستان میں رائج تھا ، ۱۲۷

بلین فورڈ
انگریز پروفیسر
ماہر آثار قدیمہ اور انسانی نسل

سے متعلق علوم کا پروفیسر ، ۶۲

بکرماجیت
مشہور ہندو شہنشاہ ، ۳۶

بگنڈٹ
بدھ مذہب کے علوم کے ماہر عالم ، ۳۳۵

بلخ
روسی ترکستان کا ایک شہر، ۷۷

بلمین فورڈ ۔ ڈاکٹر
عہدِ حجر اول کی انسانی آبادی کا ایک ماہر، ۶۲

بلوچستان
مغربی پاکستان کی ایرانی سرحد سے ملحق حصۂ ملک ، ۱۳ - ۲۹ - ۳۵ - ۴۷ - ۴۹ - ۵۲ - ۵۳ - ۷۴ - ۷۵ - ۷۶ - ۷۹ - ۸۰ - ۸۲ - ۸۳ - ۸۶ - ۸۷ - ۸۸ - ۸۹ - ۹۰ - ۹۹ - ۱۳۶ - ۱۳۷ - ۱۵۱ - ۱۷۷ - ۱۹۳ - ۱۹۶ - ۱۹۷ - ۲۱۹ - ۲۸۷ - ۲۹۳

بلکھو
بلھیکا آریہ قبائل کا دشمن قبیلہ رگ وید میں اس کا ذکر ہے ، ۲۸۸ - ۲۸۹

بمبئی
ہندوستان کا ایک شہر ، ۶۲

بنگال ، ۶۲

بنوں
شمال مغربی سرحدی ضلع ، ۳۵

بنوچی
سرحدی پٹھان قبیلہ جو بنوں کے نواح میں آباد ہے ، ۳۶

بنٹو
ایک انسانی قدیم نسل ، ۶۲

برغوز کوئی
اس کا اصل نام ہتوشار تھا۔ ایک قدیم تہذیبی مرکز ہے جہاں سے آریوں کے بہت سے آثار برآمد ہوئے ہیں۔ ۱۳۷۵ قبلِ مسیح میں آباد ہوا ، ۱۳۲

بوہیمیا
ایک مغربی ملک ، ۲۳۷

بہاولپور
عباسی حکمران خاندان کے پہلے بانی محمد بہاول خان نے آباد کیا، ۵۱ - ۵۴ -

بہشتون
مغربی میڈیا کا ایک قدیم شہر۔ دارا اول کے آثار کا حامل ہے خصوصیت سے وہاں دارا اول کے بہت سے کتبات پائے گئے ہیں، ۷۳

بنیر
دیر اور سوات سے ملحق ایک
چھوٹی سی ریاست ہے جہاں
یوسف زئی قبیلہ کی ایک شاخ رہتی
ہے داؤد زئی اور ولزک بھی یہاں
آباد ھیں ، ۳۴

بیڈن پاویل
" انڈین ولیج کمیونیٹی " کتاب
کے مصنف اور آریائی اقوام کے
حسب و نسب کے ماہر ، ۲۴۷ -
۲۴۸ - ۲۹۰ - ۳۰۳ - ۳۰۴ -
۳۰۵ - ۳۴۵ - ۳۶۲ - ۳۶۳ -
۳۶۴ - ۳۸۱ - ۲۴ - ۸۴ - ۶۸ -
۱۰۳ - ۱۰۵ - ۲۳۹

بینرجی شاستری
ہندو تاریخ اور آثار قدیمہ کا عالم ،
۱۳۶ - ۳۰۷ - ۳۱۶ - ۱۲ -
۱۴ - ۲۵

بینی پرشاد ڈاکٹر
مصنف تھیوری آف گورنمنٹ ان
اینشنٹ انڈیا ، ۳۷۵ - ۳۷۶

بیروسوس ، ۳۷۸

(پ)

پارتھی - پارتھین
ایران کی ایک وہ قوم جو بلوچستان
کے راستہ سندھ میں داخل ہوئی
اور سندھ میں حکومت قائم کر کے
ٹیکسلا کو فتح کیا ، ۲۳

پامیر
ایشیا کی ایک مشہور سطح مرتفع۔
کوہ ہمالیہ کا اسی سطح مرتفع سے
آغاز ہوتا ہے جس کے ماحول میں
آریائی قوم پہلے پہل آباد تھی -
دریائے سندھ اس کے اندر سے
پھوٹتا ہے ، ۲۲ - ۳۲ - ۳۰

پان میسون اور سیل
پروفیسر ماہر علوم قدیم خصوصیت
سے ہندوستانی علوم اینشنٹ انڈیا
کتاب کا مصنف ، ۱۷ -
۲۳۱ - ۲۹۶

پانیکار
کتاب ارلی ہسٹری آف انڈیا کا
مصنف ، ۴۷

پائیلد
مقام ، ۲۵۵

پبھاوتی
سیال کوٹ کی مادی شہزادی جو
سیوا بادشاہ سے بیاہی تھی، ۳۳۳

پبھساتی
سیوی بادشاہ ، ۹۶

پیرو
رگ وید کا ایک دشمن داسو

سردار ، ۲۹۶

پٹالہ

ایک قدیم شہر جو سکندر مقدونی کے زمانہ میں موجودہ حیدر آباد کی جگہ آباد تھا ، ۹۴ - ۹۶

پروٹو نارڈک

لمبے سر والی ایک قدیم انسانی نسل جو یورپ میں پروان چڑھی ، ۶۱ -

پروٹو سیڈیٹیرین

ایک قدیم انسانی نسل جو یورپ میں پھلی پھولی ، ۶۱

پروٹو ڈراویڈن

لمبے سر والی انسانی نسل ، جو ہزاروں سال پہلے ہندوستان اور مغربی پاکستان میں آباد ہوئی ، ۶۲

پرنسپ

ایک انگریز عالم، ماہرِ لسانیات، ۳۱۱

پری ہسٹارک انڈیا

قبل از تاریخ ہند ، ۱۷

پری بدھسٹ انڈیا

ایک کتاب کا نام ہے جس میں ہندوستان و پاکستان کے بدھ سے پہلے کے ماضی کا ذکر ہے - رتی لعل مہتہ اس کے مصنف ہیں، ۹۴ - ۳۱۹ - ۳۲۰ - ۳۳۴ - ۳۳۸ - ۳۴۲ - ۳۵۴ - ۳۵۸ - ۳۶۰ - ۳۶۴ - ۳۶۶ - ۳۷۴ - ۳۷۵

پرتھوی

آریائی دیوتا ، ۲۶۷

پرواتا

آرین قبیلہ جو رگ وید کا ہم عصر ہے ، ۲۹۹

پرسوا - پرسوس - پرتھوا

پارتھی قبیلہ رگ وید میں اس کا ذکر ہے ، ۲۸۹

پری ہسٹارک انٹی کیوٹیز ، ۳۲۸

پسجل

عالمِ لسانیات ، مصنف ویدک سٹڈیز ، ۲۵۹

پشاور

سرحد کا مشہور مقام - درۂ خیبر سے نو میل کے فاصلہ پر واقع ہے - رام چندر کے ایک بیٹے نے اسے آباد کیا تھا - کشان بادشاہ - کنشک نے ۷۸ء میں اسے پایۂ تخت بنایا تھا ، ۳۲ - ۳۳ - ۵۲

پشکلا ، ۲۹۱

پشکلاوتی ، ۲۹۱

پشاوتی

سیال کوٹ کی مادی شہزادی جو سیوا بادشاہ سے بیاہی تھی ، ۳۳۲

پکھتو
رگ وید میں مذکور قبیلہ جو وادیٔ پشاور میں آباد تھا ، ۲۸۶-۲۹۳

پلوٹارک
یونانی مصنف - جس نے سکندر مقدونی اور مابعد کی تاریخ پر قلم اٹھایا اور تاریخ قدیم کا عظیم سرمایہ ہے ، ۱۸

پلینی
مشہور قدیم جغرافیہ دان ، ۳۳ - ۱۸ - ۴۴ - ۳۸ - ۲۲۰ - ۳۱۳

پنینی
ٹیکسلا کا سب سے پہلا اور عظیم نحوی ، ۱۸ - ۲۹۲ -

پنجاب
مغربی پاکستان کا ایک علاقہ ، ۲۹ - ۳۷ - ۲۵ - ۳۲ - ۳۵ - ۴۲ - ۴۴ - ۵۱ - ۵۹ - ۶۳ - ۶۶ - ۸۰ - ۹۳ - ۹۷ - ۲۵۹ - ۲۶۴ - ۲۶۵ - ۲۹۰ - ۲۹۱ - ۲۹۹

پنجند
وہ مقام ہے جہاں پنجاب کے پانچ دریا باہم ملتے ہیں اور پھر دریائے سندھ میں شامل ہو کر آگے بڑھتے اور سندھ کے ریگزاروں میں سے گزرتے ، بحیرۂ ہند میں ضم ہو جاتے ہیں ، ۴۳ - ۴۴

پنڈی داھی
قدیم شہر - موہن جوڈیرو اور اس کی تہذیب ایک تھی - دریائے سندھ کے کنارے واقع تھا ، ۵۴

پورس
پورس سکندر مقدونی کا ہم عصر ہے - اس نے دریائے جہلم کے کنارے پر سکندر سے بڑی سخت لڑائی لڑی تھی اور شکست کھائی تھی ، ۳۴

پنوں
آرین قبیلہ جو زیریں سندھ میں آباد تھا ، ۲۹۹

پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا
را چودھری کی تصنیف ہے ، ۹۵ - ۳۷۶

پورو کتسا
آرین بادشاہ ، رگ وید میں اس کا ذکر کیا گیا ہے ، ۲۸۷ - ۳۰۱

پورو
آرین قبیلہ ، ۲۸۷-۲۸۸-۳۰۱-۳۱۷

پیر پنجال
کوہ ہمالیہ کا ایک سلسلہ ، ۶۰

پیرانو ، ۱۹۷

(ت)

تھامس ہنگرفورڈ ہولڈچ
مشہور مستشرق ہیں ۔ گیٹس آف انڈیا اور انڈیا ، ان کی مشہور عالم تصانیف ہیں ، ۴۰ - ۴۱ - ۸۶ - ۸۷ - ۸۸ - ۹۸ - ۲۳۶ - ۳۳۹ - ۳۷۰

تھانوبلا
موہن جوڈیرو کی تہذیب کا حامل شہر انتہائی قدیم ، ۵۳

تھامس ای ، ای تھامس
بدھ علوم کے ماہر عالم ، ۳۱۱

تبریز
ایران کا سرحدی شہر ، ۲۳۶ -

ترچ میر
کوہ ہمالیہ کی چوٹی پچیس ہزار دو سو تریسٹھ فٹ اونچی ہے، ۳۰

ترکستان
ترکوں کا قدیم وطن ، ۲۹ - ۶۱ - ۲۳۷ - ۲۳۸

ترتسو
آریائی قبیلہ جسے رگ وید نے قابل ذکر سمجھا ہے ، ۲۸۵ - ۲۸۷

تریکا کبھ
قدیم کشمیر سے ملحق علاقہ کا ذکر اس عنوان سے رگ وید میں ہؤا ہے ، ۲۹

ترواسا
یدو بادشاہ رگ وید کے عہد کا ایک قبیلہ ، ۲۸۹ -

تراسادیو
رگ وید میں مذکور ایک بادشاہ ، ۳۰۲

تکرئی
بنیر سے ملحق علاقہ ، ۳۳ -

تک شا
ٹیکسلا کا روایتی بانی آریہ ، ۲۹۱

تکشلا (موجودہ ٹیکسلا) ، ۲۹۱ - ۳۳۰ - ۳۳۱ - ۳۳۲

تل العجل
فلسطین کا ایک مقام جو قدیم تہذیب کا مرکز تھا۔ وہاں کھدائی کی گئی ہے ، ۱۷۹

توران
ایران سے ملحق علاقہ جو اسیری قوم کا دوسرا وطن تھا ، ۲۹ - ۷۳ - ۸۸ - ۹۸

توری قبیلہ
وادیٔ کرم میں آباد ہے اور قدیم ترین آبادکار سمجھا جاتا ہے، ۳۴

توری کوہ
چترال کا ایک حصہ ، ۳۴

تورانی ، ۷۳ - ۹۷ - ۹۹ - ۱۲۸

تہران
ایران کا پایۂ تخت ، ۲۱۹ - ۲۳۶

تیرہ
شمال مغربی سرحدی علاقے کی ایک پہاڑی کا نام ، ۳۴ - ۳۵

تیغ لاس فیل سر
پیل سر قدیم اشور کا عظیم تاجدار ، ۱۳۰

تھیبوٹ
پروفیسر ماہر لسانیات ، ۲۴۴

تھیوری آف گورنمنٹ ان اینشنٹ انڈیا ، ۳۷۵

(ٹ)

ٹولمی
عظیم قدیم جغرافیہ دان ، مصر کا رہنے والا تھا ۔ ۳۸ - ۴۴ - ۱۸ - ۴۳۰ - ۴۳ - ۸۱ - ۹۵

ٹیکسلا
قدیم آثار کا حامل ایک عظیم شہر ، ۲۲ - ۵۳ ، ۳۳۱ - ۲۹۳ - ۳۲۹ - ۳۳۲ - ۳۷۶ - ۴۰۵

ٹیکسلا یونیورسٹی ، ۳۹۱ - ۳۳۰ - ۳۳۱ - ۳۳۲

ٹی برو
سنسکرت زبان کا ایک عالم سنسکرت لینگوایج کا مصنف مطبوعۂ لندن ، ۲۴۵ -

(ج)

جاتکہ
بدھ کی پیدائش کے متعلق داستانوں کا مجموعہ ، ۷ - ۳۰ - ۲۰ - ۹۵ - ۹۶ - ۳۵۴ - ۳۵۵ - ۳۵۷ - ۳۶۰ - ۳۶۱ - ۳۶۶ - ۳۷۴ - ۳۷۶

جالی
سیوی بادشاہ ، ۹۶

جان سٹون
ایکٹس آف بدھ کے مترجم اصل کتاب کا نام بدھ کریتا ہے ، ۳۳۵ - ۳۳۷ - ۳۴۲ - ۳۴۳

جان مارشل
سر جان مارشل ، مصنف ، گائڈ ٹو ٹیکسلا اور ٹیکسلا تین جلدوں میں ، ۱۹۸ - ۱۹۷ - ۱۹۶ - ۱۹۳ - ۱۹۲ - ۱۲ - ۱۳ - ۵۱ - ۱۱۰ - ۱۱۴ - ۱۱۵ - ۱۱۷ - ۱۱۸ - ۱۱۹ - ۱۲۰ - ۱۲۱ - ۱۲۲ - ۱۲۵ - ۱۳۰ - ۱۳۹ - ۱۴۹ - ۱۵۰ - ۱۵۱ - ۱۵۲ - ۱۵۳ - ۱۵۴ - ۱۵۵ - ۱۵۸ - ۱۶۱ - ۱۶۶ - ۱۶۷ - ۱۶۹ - ۱۷۰ - ۱۷۱ - ۱۷۵ ، ۱۹۰ - ۲۳۶

جارل چارپینٹر

کیمبرج هسٹری کا ایک مقاله نگار سنسکرت زبان کا پروفیسر ۳۲۷ - ۳۲۸ - ۳۳۹

جٹ آڑوز

قدیم سیوی ریاست کا ایک بڑا شهر بده زمانه میں موجود تھا ، ۹۵ - ۹٦

جسٹین

یونانی مؤرخ ، ۱۸

جهلم

دریائے جهلم کے کنارے کا وه شهر جهاں سکندر اور پورس میں ۳۲٦ ق م میں خونریز لڑائی هوئی مغربی پاکستان کے ایک ضلع کا صدر مقام هے ، ۴۷

جهنگ

قدیم پنجاب کا مشهور شهر، ۵۵ - ۹۵ - ۹٦

جرهم

عرب قبیله ، حضرت اسماعیل علیه‌السلام کا هم عصر ، ۲۱۷

جرمنی

مغربی ملک ، ۲۳٦

جمرود سرائے

درهٔ خیبر میں پشاور سے نو میل کے فاصله پر واقع هے اور مشهور سرائے هے ، هر کارواں یهاں لازماً رکتا هے ، ۳۴ - ۵۳

جموں

کشمیر کی حکومت کا سرمائی صدر مقام ، ۵۹

جمدت نصر

عراق و ایران کا ایک قدیم شهر اور تهذیبی مرکز ، ۱۲٦

جوخا

قدیم عراق کا ایک شهر ، ۱۳۱

جیکوبی

سنسکرت ادب کا عظیم مترجم اور ماهر مغربی مصنف جس نے مذهبی الهامی کتابوں کے تراجم کیے ، ۵ - ۲۰ - ۲۴ - ۲۴۴ - ۳۱۲ - ۴۳۰

جین

پاکستان کا ایک قدیم مذهب ، ۳۰٦ - ۳۱۲ - ۳۲۹

جین پیغمبر

(۱) مهاتما ریشابهه - (۲) اجیتا
(۳) سمهبوا - (۴) ابهی نکدنا -
(۵) سماتی - (٦) پدما پربها -
(۷) سپر سوا - (۸) چندر پربها -
(۹) پشپا وانتا - (۱۰) سیتاله -
(۱۱) سریامسه - (۱۲) واسو پجیه
(۱۳) ریماله - (۱۴) اتتاره -
(۱۵) دهرما - (۱٦) ساتتی -

(۱۷) کنتھ - (۱۸) آرا - (۱۹) سالی - (۲۰) منی سورتا - (۲۱) ناسی - (۲۲) نیمی (۲۳)

جی ٹیز

آثار قدیمہ کے ایک ماہرعالم ، ۶۱

(چ)

چترال

سوات اوردیر سے ملحق پہاڑی ریاست۔ اس کے شمال میں کوہ ہندوکش ، مشرق میں گلگت ، مستوج اور یاسین ہیں، مغرب میں بدخشاں اور کافرستان اور جنوب میں ریاست دیر ہے ، اس کے باشندے واخان اور پامیر سے نقل وطن کر کے یہاں آباد ہوئے تھے۔ چترال اس کا مشہور دریا ہے - ۳۳ - ۴۰ - ۴۸ - ۴۹ - ۳۱۶ -

چکوال

قدیم پنجاب کا مقام ۵۲

چمڑی

رگ وید کے زمانہ کا ایک داسیو سربراہ ۲۹۵ -

چناری

کشمیر کا ایک مقام ہے ، ۴۴ -

چندر گپت موریا

موریا سلطنت کا بانی ، ٹیکسلا میں بچپن گزارا۔ وہیں تعلیم پائی اور پنڈت چانکیا کوشلیا کی سرپرستی اور سرحدی قبائل کی مدد سے ۳۲۳ ق م میں ٹیکسلا میں تخت نشین ہؤا اور پھر پاٹلی پترا پر فتح پائی اور اسے پایۂ تخت بنا لیا ، ۳۱ - ۳۶ - ۳۷۵

چنیوٹ

مقام

دریائے چناب کی گزرگاہ سے تھوڑے فاصلے پر واقع ہے - شاہجہان کے ایک امیر سعداللہ خاں کا وطن ہے کبھی درۂ ٹوچی ، درۂ کرم اور درۂ گومیل سے آتی شاہراہ یہاں تک پہنچتی تھی ، ۵۳

چنہو ڈیرو

قدیم موہن جوڈیرو سے متصل ایک بستی ، ۵۴

چھار سدہ

پشاور کا ایک مقام جو قدیم بدھ آثار کا حامل ہے اور سکندر مقدونی کے وقت گندھارا ریاست کا پایۂ تخت تھا اس مقام پر سکندر کو ایک بڑی لڑائی لڑنی پڑی تھی - ۲۳ - ۵۲

چین

بھارت اور پاکستان کی سرحد سے ملحق واقع ہے - پاکستان کا عزیز ترین ہمسایہ اور حلیف ہے -

۷۰ کروڑ انسانوں کا وطن ہے ،
۲۹ - ۶۱ - ۶۴

چینی
چین کے رہنے والے ، ۳۳

(ح)

حتی
حتی عراق و لُبنان کی ایک قوم
۲۳۸

حران
عراق کا ایک قدیم شہر ، ۱۳۱

حضرو
راولپنڈی اور کیمبل پور کا ایک درمیانی شہر ، شاہراہ سے کسی قدر ہٹ کر واقع ہے ۔ تمبا کو کی پیدا وار میں مشہور ہے ، ۵۲

حیدر آباد
دریائے سندھ کے کنارے پر واقع ہے ۔ تقسیم کے وقت سابق صوبہ سندھ کا سب سے بڑا شہر سمجھا جاتا تھا ۔ قدیم پٹالہ اس کے آس پاس آباد بیان کیا گیا ہے
۵۰ - ۵۱ - ۹۶

(خ)

خٹک
سرحدی پٹھانوں کا ایک مشہور قبیلہ ۔ اکبر بادشاہ نے اس کے ایک سردار اکوڑے خان کو اٹک سے لے کر نوشہرہ تک کا علاقہ بطور جاگیر دے کر ، سرکاری ملازمت میں شامل کر لیا تھا ۔ صرف اس وقت یہ قبیلہ تاریخ کے سامنے آیا ، ۳۵

خلیج فارس
ایران کی سرزمین سے ملحق پانی کا ذخیرہ جو یمن سے لے کر ایران کی سرحد تک پھیلا ہے ،
۲۹ - ۲۳۹

خمورابی
عراق کا ایک قدیم بادشاہ
۲۲۱۳—۲۲۶۷ قبل مسیح ، ۱۳۰-
۲۱۸ - ۲۳۹ - ۲۴۳ - ۳۷۸ -

خوست
بنوں اور کوہاٹ سے متصل سرحدی علاقہ ، ۳۵

خیر پور
قدیم سندھ کا ایک شہر ہے ، ۵۱

(د)

دریائے برہم پترا
ہندوستان کا مشہور دریا ہے ۔ سندھ کی طرح کوہ کیلیاسا کے قریب سے نکلتا ہے اور مغربی

تبت سے ہوتا ، پہاڑی گزرگاہ
کو عبور کر کے ہندوستان کی
سرحد میں داخل ہوتا ہے ، ۴۱

دریائے بیاس
پنجاب کا ایک مشہور دریا ، ۴۲ -
۴۴ - ۲۳۰ - ۲۶۲ - ۲۸۶ -
۲۸۷ - ۲۹۰ - ۲۹۱

دریائے جہلم
پنجاب کا مشہور دریا ، چشمہ
ویری ناگ کشمیر سے پھوٹتا ،
سرینگر سے ہوتا مظفر آباد پہنچتا
ہے اور پھر پہاڑی راستہ طے
کرتا ہؤا جہلم کے مقام پر
پہنچ کر جہلم نام اختیار کر
لیتا ہے - اس کے کنارے راجہ
پورس اور سکندر میں فیصلہ کن
لڑائی ہوئی تھی ، ۳۳-۴۲-۴۴ -
۲۶۰-۲۸۶ - ۲۸۷ - ۲۹۰-۲۹۱

دریائے پنجکوڑہ
دیر علاقہ کا مشہور دریا ہے ،
اور کوہ ہندوکش سے نکلتا
ہے ، ۴۰ - ۴۱

دریائے جیحون
روسی ترکستان کا ایک دریا ، ۲۳۱

دریائے چناب
پنجاب کا مشہور دریا ہے - جو
چندر بھاگ نامی جھیل سے نکلتا
ہے - یہ دریا اوچ کے قریب
دریائے راوی سے مل جاتا ہے ،
۴۱ - ۴۲ - ۴۳ - ۴۵ - ۲۶۵ -
۲۶۳ - ۲۸۶ - ۲۸۷ - ۲۹۰

دریائے چترال
چترال کا مشہور دریا ہے ، جو
کوہ ہندوکش سے پھوٹتا ہے
اور پوری ریاست کو اپنا نام
بخشتا ہے ، ۳۳ - ۴۵

دریائے راوی
پنجاب کا مشہور دریا ہے -
کبھی لاہور شہر اس کے کنارے
آباد تھا - اب اس کی گزرگاہ ،
شاہدرہ اور بادامی باغ کے درمیان
واقع ہے - اس کا منبع بھی
دریائے ستلج کے منبع کی طرح
مغربی تبت میں ہے - اس کے
کنارے پر دس بادشاہوں اور
راجہ سوداس میں لڑائی ہوئی
تھی ، ۳۲ - ۴۱ - ۴۳ -
۴۴ - ۴۵ - ۸۲ - ۱۹۳ -
۲۶۵ - ۲۸۶ - ۲۸۷ - ۲۹۰ -
۲۹۱ - ۳۱۲

دریائے کابل (کوبھین)
افغانستان کا مشہور دریا ہے ،
جو اس ملک کی زمینوں کو

زرخیزی بخشتا ہے ۔ نوشہرہ کے مقام سے کسی قدر ادھر دریائے سندھ میں شامل ہو جاتا ہے ، ۳۰۔ ۳۳ - ۴۰ - ۴۴ - ۴۵ - ۳۹

دریائے کنہار

یوسف زئی علاقہ کا مشہور دریا ہے ، ۴۰

دریائے گنگا

ہندوستان کا مشہور دریا ہے ، جو سندھ کی طرح کوہ کیلیاسہ سے برآمد ہوتا ہے اور اپنی راہ پر چلتا ہندوستان میں داخل ہو کر اس کی زمین کو زرخیزی و شادابی عطا کرتا ہے ۔ یہ ہندوستان کا سب سے بڑا دریا ہے اور خلیج بنگالہ میں جا گرتا ہے ، ۴۱

دریائے گوری

شمال مغربی سرحدی علاقے کا ایک دریا ہے ، ۴۱

دریائے ستلج

اس کا منبع بھی دریائے سندھ کے منبع کی طرح مغربی تبت کے کوہ کیلیاسہ میں واقع ہے ۔ یہ پنجاب کے مشہور دریاؤں میں سے ایک ہے ۔ جو مشرقی پنجاب میں سے ہوتا ، مغربی پنجاب میں داخل ہو کر پنجند کے مقام پر پنجاب کے دوسرے دریاؤں کو اپنے سینہ سے لگا کر دریائے سندھ سے مل جاتا ہے ، ۴۱ - ۴۲ - ۴۴ - ۲۶۵ - ۲۶۲ - ۲۸۶ - ۲۸۷ - ۲۹۵

دریائے سوات

ریاست سوات کو سیراب کرتا اور کوہ ہندوکش سے پھوٹتا ہے ، ۳۴ - ۳۳ - ۴۰

دریائے سون

ٹیکسلا کے ماحول کا ایک دریا ، جو پہلی دوسری اور تیسری صدی عیسوی میں بڑا منہ زور دریا تھا ، ۵۹

دریائے سرسوتی

ایک قدیم دریا جو انبالہ کے قریب بہتا تھا اور راجپوتانہ میں گم ہو جاتا تھا ، ۲۵۰ - ۲۵۹ - ۲۶۱ - ۲۸۲ - ۲۸۳ - ۲۸۷ - ۲۹۶ - ۳۱۲

دریائے سندھ

اس کا اصل نام سندھو ہے ۔ یہ کوہ کیلیاسہ کے شمال سے نکلتا ہے اور بدخشان تک پہنچ کر جنوب کی طرف مڑ جاتا ہے اور

پھر کشمیر میں سے ہوتا ہوا اسب
کے قریب سے گزرتا اٹک کے مقام
پر پنجاب کے میدانوں میں داخل
ہوتا ہے یہ پنجاب کا سب سے
بڑا دریا ہے، ۳۸ - ۳۶ - ۳۷ -
۳۵ - ۳۹ - ۴۲ - ۴۰ - ۴۱ -
۴۵ - ۵۴ - ۱۱۱ - ۱۹۵

دریائے سیحون
روسی ترکستان کا دریا ہے، ۲۳۱

دریائے سہران
وادیٔ سندھ کا ایک قدیم دریا،
جو دریائے ھکرہ اور واھندہ کے
عنوان سے بھی مشہور تھا۔ یہ
اس جگہ بہتا تھا جو ان دنوں
مشرقی نارہ کی گزرگاہ ہے، ۱۵۲ -
۱۵۳ - ۱۵۴ - ۱۵۵

دریائے فرات
عراق کا مشہور دریا ہے، ۱۹۵ -
۱۳۴ - ۲۳۶

دریائے نیل
مصر کا مشہور دریا ہے، ۱۹۵

دریائے ہرو
قدیم ٹیکسلا کے ماحول کا ایک
چھوٹا سا دریا ہے، ۵۹

دریائے دجلہ
عراق کا مشہور دریا ہے۔ بغداد
اس کے کنارے پر واقع ہے۔
بصرہ کے مقام پر سمندر میں جا
گرتا ہے، ۲۹ - ۱۳۴ - ۱۹۵

درشارکین (شارقین)
عراق کا ایک قدیم شہر، ۱۳۴

درہ بولان
کوئٹہ سے متصل ایک قدیم درہ
جو بلوچستان اور ایران کے مابین
سب سے قدیم شاہراہ پر واقع ہے
اسی درہ سے سومیری، سب سے
پہلے ایران سے بلوچستان میں
داخل ہوئے، ۱۲ - ۱۳ - ۱۹ -
۳۵ - ۳۶-۵۳-۵۴ - ۲۸۶-۲۹۳

درہ ٹوچی
یہ درہ کوہ سلیمان کا مشہور درہ
ہے۔ دریائے ٹوچی نے اس کا نام
پایا ہے۔ اسی کے نام کی اس سے
ملحقہ وادی بھی ہے۔ ایک قدیم
شاہراہ، قندھار و کابل سے چلتی
وہاں پہنچتی اور وہاں سے ارضِ
پنجاب میں داخل ہوتی ہے، ۴۵

درہ خیبر
کوہ ہندوکش کا مشہورِ عالم
درہ سرائے جمرود سے متصل
واقع ہے، ۳۱ - ۳۲ - ۳۳ - ۳۶ -
۵۳ - ۸۲

درہ قراقرم

سلسلہ مضطاغ قراقرم کا درہ جس کے ذریعہ تبت سے آمد و رفت ہوتی ہے - قدیم زمانہ میں ایک بڑی شاہراہ یہاں سے پھوٹتی تھی ، ۳۰ - ۳۶

درہ کرم

دریائے کرم کی پہاڑی گزر گاہ پر درہ ٹوچی اور درہ گو میل کے مابین واقع ہے ، ۴۰

درہ گومیل

ٹوچی اور کرم سے ملحق درہ ہے جو کوہ سلیمان میں واقع ہے - دریائے گومیل نے اپنی گزرگاہ کے سبب اسے اپنا نام دیا ہے، ۴۰

دارا اول

قدیم ایران کا عظیم شہنشاہ - پہلی انڈو ایرانی حکومت کا بانی، ۱۶ - ۳۸ - ۷۳ - ۲۰۳ - ۲۱۲

داؤد خیل

ایک پٹھان سرحدی قبیلہ ، ۵۳

داسیو

ڈراویڈی قدیم قبیلہ کو آریوں کے رگ وید نے یہ لقب دیا ، ۹۰ - ۲۸۸ - ۲۹۵

دائی یوس

آریائی دیوتا ، ۲۶۷

دابرکوٹ

قدیم شہر ، ۱۳ - ۱۴

درویش خیل

ایک سرحدی پٹھان قبیلہ ، ۳۵

دسیانت - راجہ

آریائی راجہ ، ۳۵۷

دو مکھا

پنچالہ بادشاہ، ۳۱۷ - ۳۷۶

دھریو

آریائی قبیلہ ، ۲۸۸ - ۲۸۹

دیر

وادیٔ سوات سے ملحق ریاست ، جو پاکستان کی ایک سرحدی ریاست ہے - زیادہ تر پہاڑی ہے - دریائے سوات و پنج کورہ سے سیراب ہوتی ہے ، ۲۹ - ۳۳ - ۳۴

دیو داس

ایک قدیم آریائی بادشاہ جو بھرت قبیلہ کا مشہور بادشاہ ہے - جس نے وادی کے کنارے پر دس بادشاہوں سے لڑائی لڑی تھی ، ۲۵۰

(ڈ)

ڈنڈوت
مقام

ڈراویڈن ۔ ڈراویڈی
قدیم باشندے جو سومیری الاصل تھے اور آریوں سے پہلے مغربی پاکستان میں آباد تھے، ۹۹ - ۱۰۲ - ۱۰۳ - ۱۰۴ - ۱۰۵ - ۱۰۶ - ۳۲ - ۳۵ - ۳۹ - ۴۱ - ۷۳ - ۷۷ - ۷۸ - ۷۹ - ۸۲ - ۸۳ - ۸۴ - ۸۵ - ۸۶ - ۸۸ - ۸۹ - ۹۰ - ۹۱ - ۹۳ - ۹۶ - ۹۷ - ۱۰۱

ڈف
مصنف کرونالوجی آف انڈیا، ۳۷۲

ڈھلیان
مقام، ۵۳

ڈھوک پٹھان
ایک مقام جہاں برفانی عہد کے انسان کے آثار برآمد ہوئے ہیں، وادیٔ سون میں واقع ہے، ۶۰

ڈیڈروس
یونانی مؤرخ، جو سکندر مقدونی کے حملہ کا شارح ہے، ۱۸

ڈیرہ اسماعیل خاں
مقام، ۵۳

ڈیرا جٹ
مقام، ۱۹۷ - ۱۹۸

(ر)

رابرٹس
ایک انگریز مصنف، ۳۹۲

راپسن
پروفیسر، مرتب کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول، ۱۶ - ۱۸ - ۱۹ - ۷۳ - ۷۸ - ۷۹

راج ترنجنی
کلہنا کی تاریخِ کشمیر از اول تا عہدِ اسلام، ۱۹

راک ھل
مصنف کتاب لائف آف بدھا مطبوعہ لندن، ۳۰۶-۳۰۷-۳۳۳ - ۳۳۵ - ۳۳۸ - ۳۳۹ - ۳۴۲ - ۳۴۴ - ۳۴۵ - ۳۴۷ - ۳۴۸ - ۳۴۹ - ۳۵۰ - ۳۵۱ - ۳۵۲ - ۳۵۳ - ۳۵۴ - ۳۵۵ - ۳۵۶ - ۳۵۷ - ۳۵۸ - ۳۵۹ - ۳۶۲ - ۳۶۸

راگوزین
زینڈے اے راگوزین مصنف ویدک انڈیا، ۸۹ - ۹۰ - ۹۱ - ۹۲ - ۹۳ - ۹۴ - ۹۶ - ۹۸ - ۱۲۸ - ۱۳۳ - ۱۳۴

رالنسن
انگریز مصنف ماہرِ آثارِ قدیمہ

" انڈیا " مشہور تالیف ہے ،
۲۴ - ۳۲ - ۴۲ - ۶۹ - ۷۱ -
۲۲۹ - ۲۴۹ - ۳۰۷

رامائن
قدیم سنسکرت ادب کا عظیم سرمایہ
اور قدیم ادب کی ترجمان کتاب ،
۱۵ - ۲۰ - ۳۳

رام چندر جی
ہندو تاریخ کے ایک عظیم ہیرو۔
۹۱ - ۲۹۱

راورٹی میجر
مہران آف سندھ اور نوٹس آن
افغانستان کے مصنف ہیں ۔ آثارِ
قدیمہ کے ماہر تھے ، ۱۵۲

روز ڈبلیو ایچ ڈی
انگریز مصنف ۔ ماہرِ تاریخِ قدیم
مغربی پاکستان و ہند ، ۲۴

راولپنڈی
حکومت پاکستان کا پایۂ تخت، ۵۹

روپڑ
قدیم شہر ، ۱۵ - ۸۰ - ۱۶۳

رتی لعل سہتھ
پری بدھسٹ انڈیا کا مصنف، ۹۴-
۹۵ - ۹۶ - ۳۳۱ - ۳۰۶ - ۳۵۴ -
۳۵۹ - ۳۷۶ - ۳۷۷

روڈ
ایک عالم ماہرِ لسانیات مصنف
بھی ہیں ، ۲۱۱ - ۲۱۴ - ۲۳۳

روہڑی
مقام ، ۵۳

ریلے ۔ او
ماہرِ لسانیات ، ۲۰۶

رائے بہادر سی ، سی رائے
بہار ریسرچ سوسائٹی کی جلد اول
جلد چہارم اور دوازدہم کا مقالہ
نگار ، ۲۹۶

ردرا
آرائی دیوتا ، ۲۶۸

رگ وید
آریوں کی ابتدائی الہامی کتاب
جو پنجاب میں مرتب ہوئی ،
۱۵ - ۴۰ - ۴۵ - ۱۲۸ -
۱۲۹ - ۱۳۰ - ۱۳۵ - ۱۳۹ -
۱۴۳ - ۲۰۱ - ۲۰۶ - ۲۲۰ -
۲۲۴ - ۲۳۰ - ۲۴۳ - ۲۴۴ -
۲۴۷ - ۲۵۳ - ۲۵۵ - ۲۵۶ -
۲۵۷ - ۲۵۸ - ۲۵۹ - ۲۶۰ -
۲۶۱ - ۲۶۲ - ۲۶۳ - ۲۶۴ -
۲۶۷ - ۲۷۰ - ۲۷۲ - ۲۷۳ -
۲۷۴ - ۲۷۵ - ۲۷۸ - ۲۸۱ -
۲۸۳ - ۲۹۸ - ۲۹۹ - ۲۸۶ -
۲۸۸ - ۲۹۶ - ۲۹۸ - ۳۰۲ -
۳۴۲ - ۳۴۷ - ۳۴۰ - ۳۴۹ -
۳۵۰ - ۳۵۱ - ۳۵۳ - ۳۵۴ -

۳۶۳ - ۳۷۱ - ۳۷۷ - ۳۸۱

رگ وید کے دس بادشاھوں کی لڑائی میں شامل قبیلے

متسیا ۔ پکھت ۔ پختو ۔ بھلان ۔ بھولاناس ۔ الینا ۔ وشنی ۔ سیوا ۔ سیوی ۔ آجا ۔ سگرو اور یکشو ۔ دس بادشاھوں کے نام : سمیو ، ترواسا ، دھر دیو ، کورشا ، پرو ، آنو ، بھیدا ، وکارنیکا اور یدو تھے ۔

رنگ اچاریہ پروفیسر

پری ھسٹارک انڈیا کے مصنف ، ۶۱ - ۷۱ - ۷۲ - ۶۴ - ۲۳۸ - ۲۳۹ - ۲۴۶ - ۲۶۱ - ۲۶۳ - ۲۸۱ - ۲۸۳ - ۲۸۴ - ۲۹۸ - ۲۸۷-۲۸۸-۲۸۹- ۲۹۵ - ۲۹۸

رھس ڈیوڈز

بدھسٹ انڈیا کا مصنف اور بدھ مذھب کا محقق ، ۳۳۹ - ۳۴۴

ریشابه ۔ ترتھنکر

جین مذھب کا پہلا پیغمبر ، ۴۱۲ - ۴۱۳

راورٹی ۔ میجر راورٹی

جغرافیه دان اور ماھرِ آثارِ قدیم مغربی پاکستان پر بہت کام کیا ھے ۔ مہران سندھ اور دوسری کتابیں تصنیف کیں ۔ افغانستان پر ایلفنسٹن کی کتاب پر شرح لکھی ھے ۔

(ز)

زبوسیر

قدیم اشوری بادشاہِ عراق ، ۱۳۰

زرتشت (زردشتره)

ایران کا قدیم پیغمبر ، جو ایک ھزار سال قبلِ مسیح کی شخصیت ھے ، ۹۷ - ۱۴۳ - ۲۰۶ - ۲۱۱ - ۲۱۲ - ۲۱۳ - ۲۱۴ - ۲۳۰ - ۲۸۹

زمر

جرمن عالمِ لسانیات ، ۲۲۰-۲۴۸ ۲۸۱ -۲۸۸

زند اوستہ

زرتشت کی الہامی زبان ، ۲۰۲ - ۲۰۳ - ۲۰۹ - ۲۱۰ - ۲۱۲ - ۱۲۳ - ۲۲۲ - ۲۲۴ - ۲۲۵ - ۲۲۶ - ۲۲۷ - ۲۲۸ - ۲۲۹ - ۲۳۰ - ۲۴۴

(س)

ساتا پاتھہ برھمنا

ویدوں کی شرح کا نام ، ۲۸۹

سام وید
آریوں کی الہامی کتاب ، ۱۵ -
۲۵۳ - ۳۵۶ - ۳۱۱
سام بن نوح ، ۲۱۷
سامی
حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے
سام کی نسل، ۱۲۶ - ۱۲۷ - ۱۲۸ -
۱۳۱ - ۱۳۳ - ۱۳۴ - ۲۳۹
سا اشتار
قدیم عراق کا کیسائی بادشاہ ، ۱۴۰
سار غونا اول ۔ سارگون
عراق کا ایک قدیم بادشاہ ، ۱۱۹ -
۱۴۳ - ۱۴۵ - ۲۳۸
سائنس آف لینگوایج
میکس مولر مشہور محقق کی
تصنیف لندن سے چھپی ، ۹۳-۹۸
ساخو
کتاب الہند البیرونی کا مترجم
ماہر لسانیات ، ۲۴
سپیگل
عالم لسانیات فارسی زبان کے
بڑے ماہر تھے ، ۲۱۸ - ۲۱۹
سپنس ہارڈی فیڈیل
للیتہ وسترا کے مترجم ، ۴۳۹
ستد رو
رگ وید میں مذکور ایک
ندی ، ۲۸۶

سٹیٹ ان اینشنٹ انڈیا
ڈاکٹر بینی پرشاد کی کتاب، ۳۰۳
سٹوری آف اسیریا
زنیڈے ، راگوزین کی تصنیف
مطبوعہ فشرانون لندن ،
۱۳۳ - ۱۴۳
سٹگن ڈور
قدیم بلوچستان کا ایک سرحدی
شہر جو ایران کی سرحد پر واقع
تھا ، ۱۲ - ۱۴ - ۱۵
سٹریبو
یونانی مؤرخ ۔ سکندر کے حملہ کا
شارح ، ۱۸-۲۴ - ۲۰۳ - ۲۲۳
سٹورٹ پگٹ ۔ پروفیسر
بلوچستان میں بہت سی جگہوں
پر کھدائی کی اور قدیم شہروں
کے حال میں ایک کتاب لکھی ،
۵۲ - ۱۲ - ۱۳ - ۱۴ - ۷۹
سٹیونسن
انگریز مصنف ماہر لسانیات کیمبرج
ہسٹری آف انڈیا کے مقالہ نگار
ہیں ، ۳۱۱
سجنان
سیوی بادشاہ ، ۹۶
سجریڈر
ڈاکٹر ۔ ماہر لسانیات ، ۲۰۹ -
۲۱۰ - ۲۱۸ - ۲۲۱ - ۲۲۳ -

۲۲۴ - ۲۲۵ - ۲۲۶

سدھودنہ

مہاتما بدھ کے باپ کا نام ۔ سا کیا بادشاہ ، ۴۳۸

سڈنی سمتھ

بابل کے آثار قدیمہ کا ایک محقق ارلی ہسٹری آف اسیریا کا مصنف ، ۱۲۳ - ۱۲۴ - ۱۲۵ - ۱۳۲ - ۱۳۳ - ۱۳۹ - ۱۴۰ - ۱۴۱ - ۱۴۲

سرینگر

کشمیر کا پایۂ تخت ہے ۔ غالباً اشوک نے اسے پہلے پہل آباد کیا تھا ۔ دریائے جہلم اس کے درمیان سے بہتا ہے ، ۴۲ - ۴۴

سرخ ڈیری

ایک قدیم تہذیبی مرکز ، ۱۹۷

سریا

آریائی دیوتا ، ۲۶۹

سرگودھا

مغربی پاکستان کا سب سے بڑا ہوائی اڈہ ہے ، ۵۱

سرسوتی

ایک قدیم دریا جو انبالہ کے قریب سے بہتا ہوا راجپوتانہ کے صحرا میں گم ہو جاتا تھا ۔ اس وقت اس کا وجود باقی نہیں رہا ، ۴۲ - ۲۸۷

سفید کوہ

شمال مغربی سرحد سے متصل پہاڑ ، ۳۵

سکائی لیکس

دارا اول کا امیرالبحر جو سندھ کی پیمائش پر مامور ہؤا ، ۳۷ - ۱۶

سکرانیتی سر

مترجمہ بینی کمار ایم اے ، ۳۲۶

سکرپٹ آف ہڑپا

ہنٹر کی ایک تصنیف ، ۱۲۱

سکیتی ۔ سکاتھی ۔ سکاتھین

ایران کی قدیم قوم جو پنجاب و سرحد اور سندھ پر غالب آئی اور یہاں حکومت کی ، ۲۳ - ۷۳

سکندر مقدونی

فلپ یونانی بادشاہ کا بیٹا ۔ دنیا کا عظیم ترین فاتح جس نے ایران پر حملہ کر کے دارا ثالث کو شکست دی، اور اس کے ملک پر قبضہ کر کے ۳۲۷ - ۳۲۶ ق م میں پنجاب میں داخل ہؤا ۔ بیاس تک رسائی پا کر ، واپسی اختیار کی اور جہلم کے سینہ پر سوار ہو کر پنجند پہنچا۔ سندھ فتح کیا اور بلوچستان کے راستے واپس ہؤا ۔ ۳۲۳ ق م

میں وفات پائی ، ۳۱ - ۳۲ - ۳۹ -
۴۲ - ۴۳ - ۴۴ - ۸۹ - ۹۵ -
۱۵۳ - ۲۸۸ - ۲۹۲ -

سکھر

سندھ کا ایک شہر جو دریائے سندھ
کے کنارے پر واقع ہے ، ۳۶

سگالا

موجودہ سیال کوٹ ، ۳۷۶

سگرو

رگ وید کا ہم عصر قبیلہ ، ۲۹۹

سگنی فیکنس آف جتکا

گوکل داس کی کتاب ۔ مطبوعہ
کلکتہ ، ۱۹۳۱ء ، ۳۵۶

سلسلہ زاسکر

کوہ ہمالیہ کا ایک سلسلہ ہے ،
جس میں دریائے سندھ اور اس کے
معاون دریائے شیوک کے دہانے
ہیں ۔ اس میں لداخ کی سطح
مرتفع بھی شامل ہے ، اس کی
سطح بیس ہزار فٹ سے بلند
ہے ، ۳۰

سلسلہ پیر پنجال

یہ کوہ ہمالیہ کا ایک سلسلہ ہے
اس کی سب سے بڑی چوٹی پندرہ
ہزار فٹ اونچی ہے ، ۳۰

سلسلہ مضطاع قراقرم

کوہ ہمالیہ کا ایک سلسلہ ہے اور
سب سے اونچا ہے ۔ اس کی اکثر
چوٹیاں پچیس ہزار فٹ سے بھی
اونچی ہیں ۔ اس کے شمال میں
تبت واقع ہے ، ۳۰

سلیمان ، حضرت علیہ السلام

شام کے نبی اور بادشاہ ، ۹۳-۲۲۲

سمر قند ، ۲۱۱ - ۲۱۹ - ۲۲۰

سنجایا

سیوی بادشاہ ، ۳۳۲

سندھ

مغربی پاکستان کا ایک بنیادی
حصہ ، قدیم آثار کا مخزن اور عظیم
تاریخ کا حامل ، ۱۶ - ۱۴ - ۱۲ -
۱۸ - ۲۴ - ۲۵ - ۲۹ - ۳۵ -
۴۴ - ۴۵ - ۴۶ - ۴۷ - ۵۹ -
۷۴ - ۷۶ - ۷۹ - ۸۰ - ۸۱ -
۸۲ - ۸۳ - ۸۵ - ۹۵ - ۹۸ -
۱۵۳ - ۱۵۶ - ۱۹۱ - ۱۹۸ -
۲۶۵ - ۲۹۱

سنکیلا ، پروفیسر

ویدک ایج کتاب کا ایک مقالہ نگار
اور آثارِ قدیمہ کا مسلمہ ماہر ، ۶۰

سنسکرت

مغربی پاکستان کے دوسرے آباد
کاروں کی زبان ہے ۔ یہ زبان آریائی
قوم اپنے ساتھ ایران سے لائی تھی

اور ٹیکسلا کے پنینی نے اس کی
پہلی صرف و نحو لکھی، ۳۱ - ۳۲
۲۱۱ - ۲۲۶ - ۲۹۰ - ۲۲۷

سطح مرتفع تبت
سلسلہ مضطاع کے شمال میں واقع
ہے، جو درہ قراقرم کے ذریعہ
عبور کی جا سکتی ہے، ۳۰

سندھو
سندھ میں تیار ہونے والا ایک
خاص کپڑا، ۹۲ - ۹۳

سواتی
سوات کے رہنے والے، ۳۵

سومیرا، ایس وی فرنکٹ
مصنف کتاب انڈین کلچر تھرو ایجز،
۸۲ - ۸۳ - ۸۶

سوئی گیس
سوئی کے مقام (بلوچستان) سے
برآمد ہونے والی ایک قدرتی
گیس، ۵۳

سوما چین
قدیم چینی سیاح، ۲۳

سوفیسٹیز سوبھوتی
انڈو آرین بادشاہ پنجاب۔

سوات
وادیٔ حسین۔ یوسف زئی علاقہ
جو دریائے سوات سے سیراب
ہوتا ہے، ۱۲ - ۲۳ - ۲۹ -
۳۴ - ۳۰ - ۳۱ - ۳۹

سومر سومیر
عراق کا ایک قدیم شہر جہاں سے
سومیری قوم ایشیا میں پھیلی،
۱۷۰ - ۱۶۹ - ۱۱۷ - ۱۲۳

سومیری، سومیرین
سومیر سے نکلنے والی وہ قوم جو
ایران سے ہوتی بلوچستان اور
سندھ میں داخل ہوئی اور سندھ
و بلوچستان کی قدیم تہذیب کی
بناء ڈالی۔
ہڑپا اور موہن جوڈیرو اسی نے
آباد کیے۔ پہلے آریوں نے اور پھر
سکندر مقدونی نے اس کے شہر
تباہ کیے، ۳۲ - ۳۵ - ۳۶ - ۳۹ -
۷۳ - ۷۷ - ۷۹ - ۸۰ - ۱۲۰ -
۱۲۱ - ۱۲۴ - ۱۳۳

سمولا
قدیم اشوری بادشاہ، ۱۳۰

سومو آبی سیر
قدیم سومیری بادشاہ، ۱۳۰

سوس
قدیم عراق کا ایک تہذیبی مرکز،
۱۶۹ - ۱۳۱

سوما پاوامانا، ۲۵۷

سوریا، ۲۶۸

سوتری ، ۲۶۸

سائبیریا
روس کا ایک وسیع ریگستان ، ۶۱

سائی سے
مغربی عالم ماہر آثارِ قدیمہ
عظیم مصنف ، ۲۳۴

سوئمبر ، ۳۵۷

سوداس
دس بادشاہوں کی لڑائی کا بھرت
ہیرو ، رگ وید میں اس کا ذکر
ہے - ۲۸۴ - ۲۸۶ - ۲۸۷ -
۲۹۳

سوسادیو ، ۲۶۹ - ۲۷۵

سیال کوٹ
انڈو یونانی اپولوڈوٹس اور سینانڈر
کے زمانہ میں یہ مغربی پاکستان
کا پایۂ تخت تھا اور انتہائی متمدن
شہر تھا - ان دنوں پاکستان اور
بھارت کی انتہائی سنگین لڑائی یہاں
لڑی گئی ہے ، ۴۷ - ۵۰ - ۵۲ -
۱۴۴ - ۳۳۲

سیوی
سیوی ریاست کا پہلا بانی ، ۹۶

سیلون
ہندوستان کے جنوب میں ایک
مشہور جزیرہ ، ۲۰ - ۲۱

سیستان
موجودہ سیستان ، ایران و
افغانستان سے ملحق وہ علاقہ جو
بلوچستان تک دراز ہے -
اس نے ساکا قوم کے نام سے عنوان
پایا ہے - ساکے وسطی ایشیا سے
ہجرت کرکے جب آگے بڑھے تو
یہاں آباد ہوگئے تھے - یہاں سے
پھر بلوچستان اور سندھ میں داخل
ہوئے ، ۱۹۷

سیلیوس ، ۱۶

سیکرڈ سٹوریز آف زند پیپل
ایک کتاب ہے - جس کے مصنف
جے - جی روڈ ہیں ، ۲۱۰

سیوی یا سبی
ایک قدیم ریاست کا نام ہے ، جو
جھنگ اور شورکوٹ سے لے کر
موجودہ سبی تک پھیلی تھی ، ۹۵-
۲۸۶ - ۲۹۱ - ۳۱۷ - ۳۸۵

سینکار اچاریہ ، ۲۵۴ - ۲۵۵

(ش)

شام
ایک عربی ملک ، ۹۳ - ۲۲۲

شاہدین زئی
بلوچستان کا ایک قدیم شہر جہاں

سے ماضی کے آثار برآمد ہوئے
ہیں ، ۵۴

شاہجو
دریائے سندھ کے کنارے اور
موہن جو ڈیرو سے متصل آباد
تھا ، ۵۴

شاہی ٹمپ
بلوچستان کا ایک قدیم تہذیبی مقام ،
۱۳۷

شاہ زمانی ڈھیری ، ۱۹۷

شجاع آباد
ملتان سے تقریباً تیس میل کے
فاصلے پر واقع ہے ، ۴۸

شردھانند سوامی
ویدک علوم کے عالم، ۲۵۵

شکنتلا ، ۲۵۷

شورکوٹ
پنجاب کا ایک قدیم شہر ، ۵۵ -
۹۵ - ۹۶

شیو
ہندوؤں کا ایک دیوتا ، ۱۷۱

(ع)

عبید العبید
عراق کا ایک قدیم تہذیبی
مرکز ، ۱۶۹ - ۱۲۵

عراق
دجلہ و فرات سے سیراب ہونے
والا ملک اس کے ایک طرف
ایران اور دوسری طرف شام ہے -
بغداد اس کا پایۂ تخت اور صدر
مقام ہے، ۳۲ - ۳۵ - ۳۶ - ۵۱ -
۷۳ - ۱۳۱
آبادی ۶۵۳۸۱۰۹ -
رقبہ ۱۷۱۶۰۰ - ۲۴۵۰۱۶۲ -

عرفات
مکہ کا ایک میدان حضرت ہاجرہ
کی یادگار ، ۶۸

عر
قدیم عراق کا ایک تہذیبی مرکز ،
۱۲۰ - ۱۲۲ - ۱۲۵ - ۱۶۹ -
۱۲۶ - ۱۲۸ - ۱۳۰ - ۱۳۱ -
۱۳۲

عروق
عراق کا ایک قدیم شہر ، ۱۳۱

عروق بن اوکش
ایک عراقی قدیم بادشاہ ، ۱۳۱

علی مسجد
سرائے جمرود اور درہ خیبر کی
مشہور مسجد ہے ، جو تین ہزار
فٹ اونچی چوٹی پر بنی ہے ، ۳۴

عیلام
عراق کا ایک قدیم تہذیبی و تمدنی

مرکز، ۱۱۷ - ۱۱۹ - ۱۲۵ - ۱۲۶

(غ)

غزنی
غزنہ محمود غزنوی کا پایۂ تخت، ۳۶ - ۵۳

ھنڈئی
یہاں سے بھی قدیم تہذیب کے بعض آثار برآمد ہوئے ہیں، ۱۹۷

غیشا
عراق کا قدیم شہر، ۱۳۱

(ف)

فارس
ایران کا ایک حصہ، جہاں پارسی قوم آباد تھی، ۲۱۷-۳۷۰

فردوسی
مشہور ایرانی شاعر محمود غزنوی کا ہم عصر ہے، ۹۸

فرانس
مغرب کا ایک مشہور ملک، ۶۲ - ۲۳۶

فرینک فورٹ ڈاکٹر
ماہر آثار قدیمہ اور علوم لسانیات کا ماہر، ۱۷۷

فلسطین
عرب کا ایک ملک جو اردن سے ملحق ہے اور جسے یہودیوں نے عربوں سے چھین لیا ہے، ۱۷۹ - ۹۳

فنیکے
مشہور عالم لسانیات، ۲۹۱

(ق)

قریش
رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں سے ہے، ۱۳۶

قندھار
افغانستان کا ایک شہر، ۵۳

(ک)

کالڈول
انگریز پروفیسر ماہر علوم ہندی، ۷۳

کالا باغ
مشہور مقام، ۵۲

کابل
افغانستان کا پایۂ تخت ہے۔ ہندو شاہی بادشاہ کابل نامی نے آباد کیا تھا، ۳۶ - ۲۵۹

کافرستان
چترال سے ملحق علاقہ ، مغربی سمت آباد ہے ۔ یہ کافر قبیلہ کا وطن ہے ۔ یہ لوگ سکندر مقدونی کے زمانہ میں بھی یہیں آباد تھے ۔

کارپوریٹ لائف ان انڈیا
ایک کتاب مصنف مجمدار ، ۳۳۴

کتدری ستارود
ستلج ، ۲۶۰

کتلیا ارتھ شاستر
ٹیکسلا کے پنڈت کی غیر فانی تصنیف ، ۳۲۴

کھنا
سیوی بادشاہ ، ۹۶

کنہن راجا ۔ سی ، کنہن راجا
مدراس یونیورسٹی میں سنسکرت کے پروفیسر ، ۲۵۷-۲۶۹ - ۲۷۲

کروسیگنن
ایک قدیم انسانی نسل جس کے سر چوڑے تھے جو اپنے اصل وطن سے ھجرت کر کے قبل از تاریخ عہد میں فرانس میں آباد ہوگئی تھی ، ۶۲

کرچٹ
موہن جوڈیرو سے ملحق قدیم بستی ، ۵۴

کراچی
شہر ، ۵۳ - ۱۶۳

کردستان
کردوں کا ملک ، ۲۱۷

کرشنا دوی پیانہ
قدیم عالمِ سنسکرت و ماہرِ علومِ وید ، ۲۵۵

کرو کرانا
رگ وید میں مذکور ایک بادشاہ ، ۳۰۱

کرونالوجی آف اینشنٹ انڈیا
قدیم ہندوستان سے متعلق ایک تصنیف ، ۳۲۹

کش
عراق کا ایک قدیم تہذیبی مرکز ، ۱۶۹ - ۱۲۲ - ۱۳۱ - ۱۳۲

کشمیر
محبوب ترین جنت ارضی جو پاکستان اور بھارت کے مابین متنازعہ فیہ ملک ہے اور جس پر بھارت نے ناجائز قبضہ کر رکھا ہے ، ۱۴ - ۲۹ - ۳۴ - ۴۲ - ۳۷ - ۲۳۳ - ۲۶۴ - ۲۶۵ - ۲۹۰ - ۳۷۱ - ۴۰۷

کلپاسترا
مترجمہ سٹیونسن ، ۴۱۲

کلوا

قدیم بلوچستان کا ایک مشہور
مقام جہاں سے بہت سے قدیم آثار
برآمد ہوئے ہیں ، ۱۳ - ۱۹۸

کلھنا

راجہ ترنجنی نامی قدیم تاریخ
کشمیر کا مصنف از آغاز تا
عہدِ اسلام ،

کلی

بلوچستان کا ایک مقام ، بہت سے
تہذیبی آثار وہاں سے برآمد
ہوئے ہیں ، ۱۴ - ۱۲ - ۵۴

کلچرل ہیری ٹیج آف انڈیا

تین جلدوں میں ، ۲۵۵

کلکتہ ریویو

جولائی ۱۹۳۰ء ، ۳۷۶

کمبوجہ

قدیم گندھارا کی همسایہ ریاست ،
۳۳۲

کنعان

عراق کا ایک قدیم شہر ، ۱۳۰

کننگھم جنرل سر -

مشہور جغرافیہ دان اور ماہر
آثارِ قدیمہ ، ۱۵ - ۱۸۶ - ۲۹۰

کوہ تھار یا کیرتھر

کوہ سلیمان کی ایک شاخ ہے جو
قدیم سندھ اور قدیم بلوچستان
کو ایک دوسرے سے الگ
کرتی ہے اس کے درہ کا نام درۂ
بولان ہے ، ۳۵

کوہستان نمک

کوہستانِ نمک کا دوسرا نام
سطح مرتفع پوٹھوہار ہے - یہ
ایک ہزار فٹ سے تین ہزار فٹ
تک بلند ہے ، ۳۶ - ۳۸ - ۶۵

کوہ سلیمان

کوہ سلیمان بھی کوہ ہندوکش
کی طرح مغربی پاکستان کی مغربی
فصیل ہے - اس کی سب سے
اونچی چوٹی گیارہ ہزار فٹ بلند
ہے - یہ خاصی لمبی ہے اور
پنجاب اور بلوچستان میں حائل
ہے - اس کی ایک شاخ کیرتھر
میں درۂ بولان میں واقع ہے، ۳۵

کوہ ہندوکش

مغربی پاکستان کی مغربی دیوار
ہے - یہ افغانستان اور پاکستان
کی سنگین سرحد ہے -
اس سنگین دیوار سے قدیم حملہ
آوروں نے درۂ خیبر کے راستہ
اس ملک میں راہ پائی - یہ پہاڑ
سطح مرتفع پامیر سے شروع
ہوتا دریائے کابل ، دریائے پنج
کوڑہ ، دریائے چترال اور دریائے

سوات کو اپنے اندر سے راہ دیتا ہے ، ۳۰ - ۳۲ - ۳۳ - ۳۵ - ۳۶ - ۶۲ - ۷۷ - ۱۴۴ - ۲۳۰ - ۲۵۹

کوہ ہمالیہ
افغانستان اور مغربی پاکستان کے مابین سرحد کا کام دیتا ہے اس کی سب سے اونچی چوٹی ترچ میر پچیس ہزار دو سو تریسٹھ فٹ اونچی ہے۔ سطح مرتفع پامیر سے شروع ہوتا اور جنوب مشرق اور جنوب مغرب کی طرف کمان کی شکل میں پھیلتا افغانستان میں داخل ہوتا اور پھر آگے کو بڑھتا کوئی سولہ سو میل کا فاصلہ طے کر کے آسام تک پہنچتا ہے، ۲۹ - ۳۰ - ۳۳ - ۴۷

کولیری
قدیم کول نسل ، ۷۱ - ۸۴

کول بروک
مشہور عالم لسانیات ، ۲۱۴

کول
ایک انسانی قدیم نسل جو ہندوستان کی پہلی یا دوسری آباد کار تھی ، ۶۲ - ۷۲ - ۷۱ - ۸۹

کوئٹہ
موجودہ بلوچستان کا صدر مقام ، پرانا نام شال کوٹ ، درۂ بولان اس سے متصل واقع ہے ، ۴۸

کورو
ایک مشہور آریائی قبیلہ ، ۴۵ - ۳۱۴ - ۳۱۶

کوہاٹ
شمالی مغربی سرحدی ضلع ، ۳۵

کول - پروفیسر
مرتب ایلفنسٹن ہسٹری آف انڈیا، ۱۱ - ۱۵ - ۲۵ - ۷۱

کوئٹار ، ۱۲ - ۱۴

کوشلیا چانکیا
ٹیکسلا کا عظیم معلم اور چندر گپت کا استاد اور وزیر اعظم، ۳۷۵

کورو پانڈو
آریائی قبیلہ (مشترک نام) ، ۳۷۶

کیسائی
ایک ایرانی الاصل قوم جو سطح مرتفع ایران میں ایک ہزار سال قبل مسیح آباد تھی، ۱۳۸-۱۳۹

کیومرث
حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کے ایک پوتے ، ۲۱۷

کیسپین
مشہور بحیرہ ، ۲۳۴ - ۲۳۷

کیمبرج ہسٹری آف انڈیا
پانچ جلدوں میں کیمبرج سے شائع ہوئی ہے ، ۲۶۲ - ۳۶۲ - ۳۶۵ - ۳۶۷ - ۳۷۲ - ۳۷۴ - ۳۸۱ - ۴۱۱
کیکات
رگ وید کا مغضوب قبیلہ ، ۲۹۹
کیکائی
رگ وید کے زمانہ کی ایک ریاست جو گندھارا سے ملحق تھی ، ۲۹۱

(گ)

گیگر - ڈبلیو گیگر
ماہر لسانیات اور سنسکرت کا ایک بہت بڑا عالم ، ۲۲۳ - ۲۳۴ - ۳۷۶ -
گیلس
پروفیسر ماہر لسانیات استاد سنسکرت زبان کیمبرج یونیورسٹی ، ۲۳۶ - ۲۳۷
گوجرانوالہ ، ۴۹ - ۵۰ -
گورنڈی
قدیم موہن جو ڈیرو سے ملحق ایک شہر ،
گورڈن چائلڈ
موسٹ اینشنٹ ایسٹ نامی کتاب کا مصنف (مطبوعہ لندن) ، ۶۵ - ۱۲۱
گوکل داس
پروفیسر ماہر لسانیات ، ۳۷۶
گندیجب ، ۲۲۹
گندھارا ریاست
۳۱۷ - ۳۱۸ - ۳۲۹ - ۳۷۶
گلگت - پہاڑی مقام
پاکستان کی روس سے ملحق سرحد پر ایک اہم مقام ہے - بارہ مہینے برف جمی رہتی ہے - بہت سے معدنیات کا مخزن ہے ، ۲۹ - ۳۳ - ۴۰ - ۳۱۶ -
گلڈنر
مشہور عالم لسانیات ، ۲۵۹
گریم
جرمن زبان دان ، ۲۰۶ - ۲۱۸ - ۲۳۳ - ۲۷۶
گرس وولڈ
پروفیسر سنسکرت زبان رگ وید کے ایڈیٹر ، ۲۴۵
گرکشت
آریہ بادشاہ ، ۲۸۷ - ۳۰۱
گزیٹئر آف سندھ ، ۲۴۹
گدو بیراج ، ۴۶

گجرات ، ۴۷

گارڈنر
انگریز مصنف ۔ تاریخ ہندوپاک پر کتاب لکھی ہے ، ۴۴

گارڈنر ولکین سن ٹیلر
قدیم بدھ علوم کے ماہر عالم ، ۲۷۵ - ۲۷۶

(ل)

لاہور
مغربی پاکستان کا پایۂ تخت ، ۵۴ - ۱۶۳

لاڑکانہ
سندھ کا وہ علاقہ جو دریائے سندھ اور کوہستان کے مابین واقعہ ہے لاڑکانہ کہلاتا ہے ۔ اس نام کا ایک شہر بھی ہے ، ۱۵۹

لڈوگ
مشہور مستشرق عالم لسانیات ، ۲۶۱ - ۲۸۹ - ۳۰۲ -

لاغاش
قدیم عراق کا ایک بڑا شہر، ۱۳۱

لارسا
عراق کا ایک قدیم شہر ، ۱۳۱

لاؤز بن سام
حضرت نوح کے بیٹے سام کا بیٹا جو عرب میں آباد ہؤا تھا ، ۲۱۷

لد کوہ
چترال کا تیسرا حصہ ، ۳۴

لس بیلا
بلوچستان کا ایک مقام ، ۸۶

لنک ۔ ایچ ۔ ایف
مصنف انٹی کیوپٹی اینڈ پریمول ورلڈ ، ۲۰۹

لنگ ڈون
پروفیسر ماہرِ آثارِ قدیمہ مصنف کتاب آرینز ، ۱۲۰ - ۱۲۱

لوھلی لجو ڈیرو
موہن جو ڈیرو کے مضافات کا ایک ممتاز قدیم شہر ، ۵۴

لورا لائی ، ۱۹۷

لینڈ آف فائیو ریورز
ہیو کنیڈی کی مشہور تصنیف ہے، ۱۰۴ - ۳۶۳-۳۶۶ - ۳۶۷

لیوس سپنس
مائتھس اینڈ لیجنڈ آف بیبلونیا اینڈ اسیریا کا مصنف ، ۸۰

لیسن
مشہورِ عالم ماہر لسانیات ، ۲۳۳ - ۲۴۸ - ۳۸۴ - ۴۱۱

لیتھم
عالم لسانیات ، ۳۴۴

(م)

مالاکنڈ
یوسف زئی علاقہ کی ایک چوٹی کا نام بھی ہے اور درہ کا نام بھی۔ یہاں ایک ایجنسی قائم ہے جو مالاکنڈ ایجنسی کہلاتی ہے ، ۳۳ - ۳۴

مادا ۔ مدرا ۔ میدا ، ۳۳۳

مارسڈن
ہسٹری آف انڈیا فار سینئر کلاسز کے مصنف ، ۳۸۶

ماشکی ماهی
بلوچستان کا ایک قدیم شہر جہاں سے آثار برآمد ہوئے ہیں ، ۱۳

مانسہرہ
ہزارہ کا ایک پرانا شہر ، ۵۱

مائرس جے ۔ ایل
ایک انگریز مصنف ، ماہر علوم اجتماعی ، ۶۷ - ۷۷

متھس آف بیبلونیا
بابل کی قدیم تاریخ سے متعلق ایک تصنیف ، ۳۷۹

مترا
ایک آریائی دیوتا ، ۱۴۲ - ۲۶۸

متسیه
آریہ قبیلہ ، ۲۸۶

مترا تیتھی
رگ وید میں مذکور ایک بادشاہ ، ۳۰۱

مٹھن کوٹ
سندھ کا ایک مقام ، ۴۴

مجاونت
جنوبی کشمیر کے باشندے ، ۲۹۰

محمود غزنوی ۔ بت شکن
غزنہ کے سبکتگین کا بیٹا اور غزنوی حکومت کا اصل بانی جس نے ۴۱۲ میں لاہور فتح کیا اور ہندوستان پر سترہ حملے کیے ، ۲۳

محسود
سرحدی پٹھان قبیلہ ، ۳۵

مدرا
کورو قبیلہ کی ایک شاخ ، ۲۹۰

مدھیا نیتکہ رشی ، ۴۰۷

مردان
پشاور کی ایک تحصیل ، قدیم آثار کا حامل شہر ، ۲۳ - ۳۹ - ۵۲

مروتہ
آریائی دیوتا ، ۲۷۲

مرواتی
پٹھان سرحدی قبیلہ جو بنوں اور کوہاٹ کے نواح میں آباد ہے ، ۳۶

مروج الذهب
دو حصوں میں مسعودی کی تصنیف ہے جس میں سندھ کے حالات بھی ہیں ، ۲۴

مری
راولپنڈی کی ایک تحصیل اور صحت افزا مقام ہے ۔ سات ہزار پانچ سو فٹ بلند ہے ، راولپنڈی سے ۳۷ میل ، سرینگر جانے والی سڑک پر واقع ہے ، ۴۸ - ۵۱

مستوج
گلگت اور یاسین کے مابین ایک چوٹی ، ۳۳

مسعودی
مشہور عرب مؤرخ اور سیاح مروج الذهب ان کی مشہور تصنیف ہے ، ۲۱۷

مسیح علیه السلام
مقدس نبی ، ۶۹ - ۲۳۶

مشہد
حضرت امام رضا کا روضه ، خراسان کا ایک شہر ، ۲۱۹

مصر - مصری ، ۱۲ - ۱۴ - ۲۲۴ - ۲۷۵ - ۳۴ - ۴۱ - ۷۱ - ۴۵ -

مظفر آباد
آزاد کشمیر کا ایک بڑا شہر ۔ ریاست کا صدر مقام دریائے جہلم کے کنارے پر آباد ہے ، ۴۸

مغربی پاکستان ، ۱۷ - ۱۳ - ۱۱ - ۱۸ - ۱۹ - ۲۱ - ۲۲ - ۳۵ - ۳۶ - ۴۲ - ۲۳ - ۲۹ - ۳۱ - ۳۲ - ۴۵ - ۴۶ - ۴۸ - ۴۹ - ۵۰ - ۵۱ - ۵۲ - ۵۳ - ۵۴ - ۵۹ - ۶۹ - ۷۱ - ۷۳ - ۷۷ - ۸۲ - ۸۴ - ۸۵ - ۸۶ - ۸۸ - ۸۹ - ۹۰ - ۹۳ - ۹۷ - ۱۰۰ - ۱۴۵ - ۲۴۱ - ۲۴۳ - ۲۶۷ - ۳۱۲

مکه مکرمه
حجاز کا وہ شہر جسے حضرت اسماعیل علیه السلام نے آباد کیا ۔ رسول پاک (صلعم) کا مولد ، ۱۳۸

مغل غنڈئی
قدیم تہذیبی آثار کا ایک مرکز ، ۱۹۷

مکران
بلوچستان کا ایک ضلع ۔ قدیم تاریخ کے آثار کا حامل ہے ، ۴۷ - ۷۵

ملتان ۔ مولتان
مولی یا مالائی قوم کا آباد کیا ہؤا شہر جو سکندر مقدونی کے وقت موجود تھا اور جہاں مولی یا مالائی قوم نے سکندر کا مقابله کیا تھا اب بھی مشہور شہر ہے ۔ ۲۴ - ۴۸ - ۵۱ - ۵۳ - ۱۵۱

ملک پور
ایک مقام ، ۵۹

مل کوہ
چترال کا دوسرا حصہ ، ۴۴

ملک وال
مقام ، ۵۲

ملکہ ادمبرا
پری بدھسٹ ہسٹری کی ایک ہیروئین ، ۳۷۴

منگول
منگولیا کی رھنے والی قوم - چنگیز اور ہلاکو اسی کے افراد تھے - ان ھی کے سبب اسے پہلے پہل تاریخ میں تعارف حاصل ہؤا ، ۳۳ - ۸۶

منٹگمری
مغربی پاکستان کا ایک ضلع اور ضلع کا صدر مقام- قدیم ہڑپا اس کے نواح میں آباد تھا ، ۴۸ - ۵۱ - ۱۸۵ - ۱۸۶

منڈا
ایک قدیم انسانی قبیلہ جو انڈونیشیا سے آن کر ہندوستان میں آباد ہؤا -
۶۲ - ۷۲ - ۸۴

منیٰ
مکہ کا ایک میدان - حضرت سیدہ ہاجرہ کی یادگار ہے ، ۶۸

منو مہاراج
حضرت نوح کے ہم عصر ہندو رشی ، ۲۱۵ - ۲۱۶

مزمدار
جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی جنوری ، مارچ ۱۹۳۶ء کا مقالہ نگار ، ۲۹۷

موریا
ہندوستان کا ایک قدیم شاہی خاندان جس کا بانی چندرگپت تھا ، ۱۹

موہن جوڈیرو اینڈ انڈس سویلزیشن
سر جان مارشل ، ڈائرکٹر محکمۂ آثارِ قدیمہ کی تصنیف ، ۱۱۰ - ۳۶۵

مونگولین ، منگول
ایک انسانی نسل ، ۶۲

موسیٰ علیہ السلام
بنی اسرائیل کے مشہور نبی، ۲۱۲

موہن جوڈیرو
سندھ کا قدیم شہر ،
۱۲ - ۱۴ - ۵۴ - ۷۹ - ۸۱ -
۸۲ - ۸۳ - ۹۹ - ۱۱۰ - ۱۱۱ -
۱۱۳ - ۱۱۴ - ۱۱۵ - ۱۱۷ -
۱۱۹ - ۱۲۰ - ۱۲۱ - ۱۲۲ -
۱۲۴ - ۱۲۶ - ۱۳۸ - ۱۳۹ -
۱۵۱ - ۱۵۲ - ۱۵۳ - ۱۵۵ -
۱۵۶ - ۱۵۷ - ۱۵۸ - ۱۶۹ -
۱۶۸ - ۱۷۱ - ۱۷۲ - ۱۷۳ -

۱۷۷ - ۱۷۵ - ۱۷۸ - ۱۷۹ -
۱۸۰ - ۱۸۱ - ۱۸۲ - ۱۸۵ -
۱۸۶ - ۱۸۷ - ۱۸۸ - ۱۸۹ -
۱۹۰ - ۱۹۱ - ۱۹۵ - ۲۳۶ -
۲۴۹ - ۲۵۰ - ۲۹۵ - ۲۹۷ -
۳۷۸

مورلینڈ
''اکبر'' کا مصنف ، ۳۶۲-۳۶۳

مہا بھارت
قدیم ادب سنسکرت کا ایک عظیم سرمایہ ہے - کوروں پانڈوں کی رزمیہ داستان ، ۲۰ - ۳۳ - ۷۱ - ۳۲۳ - ۳۲۴

مہمند
سرحدی پٹھانوں کا ایک مشہور قبیلہ ، ۳۵

مہاورش ، ۲۹۰

مہاتما مہاویرا
جین پیغمبر ، ۳۰۶ - ۳۱۱ - ۳۱۲ - ۳۲۷ -

میتانی - میتان
آریائی قبیلہ، ۱۳۰ - ۱۳۱ - ۱۳۳

میگستھین
یونانی مؤرخ و روز نامچہ نویس ، ۱۷ - ۱۸ - ۴۷

میک کرنڈلے
قدیم یونانی دستاویزوں کا مترجم ، ۳۲ - ۳۳ - ۱۵ - ۱۷ - ۱۸ -
۲۴ - ۳۱ - ۳۴ - ۳۸ - ۳۹۹ -
۳۰۰ - ۳۰۱

میکڈانل Macdonell
ویدک انڈکس کا مصنف - یہ کتاب دو جلدوں میں ہے - لندن سے چھپی ہے ، ۲۳۴ - ۲۳۵ -
۲۶۱ - ۲۶۳ - ۲۸۱

میکے ، ای
مصنف ارلی انڈس سویلزیشنز ،
۱۲ - ۱۳ - ۲۵ - ۵۱ - ۱۱۰ -
۱۱۲ - ۱۵۵ - ۱۵۸ - ۱۶۱ -
۱۶۲ - ۱۷۱ - ۱۷۸

میڈیا
ایران کا ایک حصہ قدیم تاریخ میں اسے بڑی اہمیت حاصل تھی میڈ قوم یہیں کی رہنے والی تھی ، ۷۳ - ۹۸ - ۱۳۳ - ۲۰۳ -
۲۰۹ - ۲۳۰

میڈیٹیرینز
ایک انسانی قدیم نسل ، ۶۲

میسور
مقام ، ۶۲

میٹھا ڈھنو
موھنجوڈیرو سے متصل شہروں میں سے ایک شہر - موھنجوڈیرو کا ھم عصر ، ۵۴

میکس مولر

مصنف ۔ سائنس آف لینگوایج ،
۱۵ - ۹۳ - ۹۴ - ۹۸ - ۱۴۳ -
۲۰۱ - ۲۰۵ - ۲۰۶ - ۲۰۷ -
۲۰۸ - ۲۱۱ - ۲۱۲ - ۲۱۳ -
۱۲۴ - ۲۳۳ - ۲۳۴ - ۲۴۴ -
۲۵۹ - ۲۷۷ - ۳۷۸ -

میئین

مصنف ولیج کمیونٹیز ان ایسٹ اینڈ ویسٹ ، ۳۸۶

(ن)

ناگا جیت

گندھارا کا بادشاہ ، ۳۱۷ - ۳۲۹ - ۳۷۶ - ۳۷۷

ناگ پور

جنوبی ہندوستان کا ایک شہر جہاں مغربی پاکستان کی قدیم آباد کار قوم ڈراویڈی بعد میں آباد ہوگئی ، ۸۵ - ۸۶

نتھیا گلی

صحت افزا مقام ، ۴۸

نندھار

سوات سے ملحق علاقہ ، ۴۴

نقشِ رستم

دارا اول کے کتبات کا ایک آئینہ دار ، ۲۱

نل

بلوچستان کا ایک قدیم تہذیبی مرکز ، ۱۹۸

نورڈیک

ایک قدیم انسانی نسل ، ۶۲

نوشہرہ

صوبۂ سرحد کا ایک شہر جو زین خان نے عہدِ اکبر میں آباد کیا ، ۶۳

نوح علیہ‌السلام

مشہور نبی ، ۲۱۵ - ۲۱۶

نیگرو

حبشی قوم ، ۷۱

نیلاب

دریائے سندھ کو شروع کے مسلمان مؤرخین نے نیلاب کا نام دیا ہے ، ۳۴

نیمی ناتھ

جین پیغمبر ، ۳۱۲

نینوا

دیوی نینا سے منسوب ایک قدیم عراق شہر جس کی تباہی کی داستان تاریخ قدیم کی ایک بڑی داستان ہے ، ۱۲۹ - ۱۳۴

(و)

واٹس
مادھو سروپ واٹس مصنف ۔ ایکسکویشنز ایٹ ھڑپا ، ۱۲ - ۱۴ - ۱۷۵ - ۱۸۹ - ۱۹۳

واخان
پامیر سے ملحق ایک سطح مرتفع جہاں سے چترال کے پہلے آباد کار آئے تھے ، ۳۳

وادیٔ سندھ
۱۲ - ۱۴ - ۱۶ - ۱۷ - ۱۸ - ۵۱ - ۵۴ - ۱۱۷ - ۱۱۹ - ۱۲۱ - ۱۲۳ - ۱۲۵ - ۱۳۵ - ۱۳۶ - ۲۴۳

وادیٔ ژوب
سندھ اور بلوچستان سے ملی ہوئی سرحد کی ایک وادی جو قدیم آثار کی حامل ہے ، ۱۲ - ۱۳ - ۵۳ - ۵۴ - ۷۵ - ۷۷ - ۸۰ - ۹۹

وادیٔ نیل ، ۸۱ - ۱۱۵

وادیٔ سون
راولپنڈی اور واہ کے مابین کی وہ وادی جہاں پہلے پہل انسان آباد ہؤا ، ۵۹ - ۶۳ - ۶۴

وادیٔ کرم
تیرہ کے مغرب میں واقع ہے ۔ اسے دریائے کرم سیراب کرتا ہے، ۳۴ - ۳۵ - ۴۰ - ۲۵۹ - ۲۶۵

وادیٔ کابل
دریائے کابل سے سیراب ہوتی ہے اور کوہ ہندوکش کے ساتھ ساتھ دور تک پھیلی ہے دریائے کابل جدھر بڑھتا ہے یہ اس سے لپٹی آگے بڑھتی ہے ۔ قدیم تہذیبوں کی آئینہ دار ہے ، ۳۱ - ۳۲ - ۳۵ - ۲۹۲ -

وادیٔ گندھارا
قدیم ترین ریاست ۔ جو پہلی بار دارا اول نے فتح کی تھی اور جس کا پایۂ تخت پہلے چھار سدہ اور پھر ٹیکسلا تھا ، ۲۳ - ۲۹۱ - ۳۱۷ - ۳۰۷

وارونہ
ایک آریائی دیوتا ، ۱۴۲

وائرس ، ۲۳۷

وادیٔ سوات ، ۲۸۲ - ۲۶۰ - ۳۰۷

وادیٔ راوی ، ۲۴۸

وادیٔ کنار ، ۲۴۸

وادیٔ جہلم ، ۲۴۸

وادیٔ چناب ، ۲۴۸

واکھیانہ ، ۲۵۴
وادیٔ گومل
دریائے گومل سے سیراب ہونے والی وادی ، ۲۵۹ - ۲۶۵ - ۲۹۲
واما دیو ، ۲۵۷
وایو دیو
آریائی دیوتا ، ۲۶۸
واگہ
آریہ بادشاہ ، ۲۸۷
وارڈ فاؤلر
رگ وید کے سماجی استشہاد کا ماہر عالم ، ۳۰۵
وبر اے
جرمن عالم لسانیات اور مصنف آریائی زبانوں کا ایک بڑا ماہر اور آریائی زبانوں کے اشتراک کا داعی ، ۲۱۵ - ۲۵۹ - ۲۸۸ - ۲۸۹
وتستہ
دریائے جہلم ، ۲۶
وڈوائـل
مترجم لائف آف بدھا اینڈ ارلی ہسٹری آف ہز آرڈر مطبوعۂ لندن
ورچین
واسیو سردار ۔ رگ وید کا ہم عصر ، ۲۹۵

ورونا
آریائی دیوتا ، ۲۶۷ - ۲۶۸
وزیری
سرحدی پٹھانوں کا ایک قبیلہ ، ۳۵
وسنترا
قدیم سیوی ریاست کا بادشاہ ، ۹۶
وسٹولا ، ۳۰۵
وسستہ ورسین
قدیم آریوں کا پروہت جس کے باعث دس بادشاہوں کی لڑائی لڑی گئی ، ۲۸۴ - ۲۸۵
وسنترا ، ۳۳۲ - ۳۳۳ - ۳۵۵
وشنو ، ۲۰۰ - ۲۵۴
وشنو پران ، ۲۵۴
وشوامتر
رگ وید کے تیسرے منڈل کے مؤلف رشی ، ۲۵۷
وشنو دیو
آریائی دیوتا ، ۲۷۰
وشنبی
راولپنڈی میں آباد قدیم قبیلہ رگ وید نے اس کا ذکر کیا ہے ۲۸۶ - ۲۹۳ - ۲۹۴
ولیج کمیونٹیز ان ایسٹ اینڈ ویسٹ - ۳۶۹

ولسن ایچ ۔ ایچ
مصنف سلیکٹ سپیسی آف تھیٹر آف ہندوز مترجم رگ وید ، ۲۴ - ۲۸۲
ونسنٹ سمتھ
مصنف ارلی ہسٹری آف انڈیا ، ۱۰ - ۱۱ - ۱۹ - ۲۰ - ۲۱ - ۲۳ - ۲۴ - ۳۷۲
ونرنیٹر ۔ ڈاکٹر
رگ وید کے مترجم اور ماہر ، ۲۴۶ - ۳۷۶
وولے ۔ ڈاکٹر
ماہرِ آثارِ قدیمہ ، ۱۷۷
ویدک ایج
ایک کتاب کا عنوان ہے جس میں وید کے عہد کی حیاتِ اجتاعی پر بحث کی گئی ہے ، ۶۰ - ۱۴۵ - ۲۳۰ - ۲۹۰
ویری ناگ
کشمیر کا ایک مشہور مقام جہاں سے دریائے جہلم نکلتا ہے ، ۴۲
ویلیر سر ۔ آر ۔ مارٹیموز ویلیر
فائیو تھوزنڈ یرز آف پاکستان کے مصنف اور محکمہ آثارِ قدیمہ کے سابق ڈائرکٹر جنرل ، ۲۵ - ۶۴ - ۶۶ - ۶۹ - ۸۱ - ۱۳۹ - ۲۴۶
وین
تبریز اور تہران کے درمیان کی ایک جھیل ، ۲۳۶
ویسیا سپیانا ، ۲۵۵
ویپاک
بیاس ، ۲۶۰
ویدک انڈکس ، ۲۶۴-۲۹۶-۳۷۶
ویدک مائیتھالوجی ، ۲۹۹
ویپا
رگ وید میں مذکور ایک ندی ، ۲۸۷
ویلز ایچ ۔ جی
مشہور انگریز مصنف اؤٹ لائن آف ہسٹری ان کی ایک مفید کتاب ہے ، ۳۶ - ۳۹ - ۶۶ - ۶۸ - ۶۹ - ۱۰۶ - ۲۳۰ - ۳۷۸ - ۳۸۶ - ۳۹۲ - ۳۹۷
ویشیا ، ۳۹۴

(ہ)

ہال
ایچ آر ، ڈاکٹر
ماہرِ آثارِ قدیمہ ، ۱۲۲
ہرسینیا
آریوں کا ایک قدیم وطن ایران میں تھا ، ۲۰۲

ہرات
افغانستان کا ایک شہر، ۲۰۶ - ۲۰۷
ہری
ایک آریائی قبیلہ جو ایران میں ۱۲ - ۱۵ سو قبلِ مسیح میں آباد تھا، ۱۳۰ - ۱۳۳ - ۲۰۶
ہرڈر
جرمن عالمِ لسانیات، ۲۰۹-۲۱۰
ہر پرشاد شاستری
ماہرِ لسانیات، ۲۴۴
ہریا اپیا
"ہرپیا" کے عنوان سے رگ وید میں مذکور ہے، ۲۹۰
ہڑپا
مغربی پاکستان کا ایک قدیم شہر، ۱۲ - ۱۴ - ۴۵ - ۵۳ - ۷۹ - ۸۰ - ۸۱ - ۸۲ - ۸۹ - ۱۲۰ - ۱۲۲ - ۱۲۴ - ۱۲۶ - ۱۲۷ - ۱۳۵ - ۱۳۶ - ۱۵۶ - ۱۶۹ - ۱۷۳ - ۱۷۴ - ۱۸۰ - ۱۸۲ - ۱۸۵ - ۱۸۶ - ۱۸۷ - ۱۸۸ - ۱۹۳ - ۱۹۵ - ۲۴۶ - ۲۴۹ - ۲۵۰ - ۲۶۱ - ۲۹۵ - ۲۹۷
ہسٹری آف آرین رول ان انڈیا
مصنفہ: اے بی ہویل
ہلفورڈ میکنڈر سر
ماہر تاریخ دان، کیمبرج ہسٹری آف انڈیا میں مغربی پاکستان اور ہندوستان پر ایک مضمون لکھا ہے، ۳۰
ہنٹر - جی آر
سکرپٹ آف ہڑپا کا مصنف، ۸۱ - ۸۲ - ۹۹ - ۱۲۱ - ۱۲۷ - ۳۷۸
ہنزہ
گلگت سے ملحق علاقہ، بارہ مہینے برف جمی رہتی ہے - قیمتی دھاتوں کا مخزن ہے، ۲۹ - ۳۰
ہنگری
مغربی ملک، ۲۳۶ - ۲۳۷
ہندوستان
پاکستان کا ہمسایہ ملک - چالیس کروڑ آبادی اور سوا گیارہ لاکھ مربع میل رقبہ ہے، ۶۱ - ۶۵ - ۷۱ - ۸۲ - ۸۹ - ۹۲ - ۹۳
ہتنو
ندی، ۲۹۳
ہوگو ونکلیر (ونکلیر)
پروفیسر آف برلن یونیورسٹی رگ وید کا عظیم ماہر، ۱۲۹-۱۳۰- ۱۳۱ - ۱۴۰
ہویل - اے بی
مشہور انگریز مصنف جس نے

هسٹری آف آرین رول ان انڈیا ، ۴۷ - ۳۰۲ - ۳۲۳ - ۳۲۶ - ۳۲۷ - ۳۴۳

هوولی
هیون سانگ کا شارح ، ۲۳

هوپکنز
عالم لسانیات ، ۲۵۹

هورنیل ڈاکٹر
عظیم ماہر لسانیات ، ۳۲۹

هولڈرنس سر
پیپلز اینڈ پرابلمز آف انڈیا کا مصنف ، ۳۸۶

هیرس
فادر ایچ هیرس ، تامل زبان کا ایک ماهر عالم ، ۸۳

هیوکنیڈی
لینڈ آف فائیو ریورز کتاب کا مصنف ، ۵۱ - ۳۶ - ۴۹ - ۵۰ - ۵۲ - ۷۶ - ۷۷ - ۷۸ - ۱۰۳ - ۱۰۴ - ۱۰۵ - ۱۰۶ - ۲۳۵ - ۲۳۶ - ۲۶۷ - ۳۰۳ - ۳۰۴ - ۳۲۱ - ۳۴۳ - ۳۴۴ - ۳۶۶ - ۳۶۷ - ۳۶۹ - ۳۹۰ - ۳۹۱ - ۳۹۲

هیون سانگ
مشہور چینی سیاح - جس نے ساتویں صدی عیسوی میں مغربی پاکستان اور هندوستان کی سیاحت کی اور سهاراج هرش سے ملاقات کی اور روز نامچه مرتب کیا ، ۲۳

هیرو ڈوٹس
یونانی مؤرخ ، ۱۷ - ۲۰۳ - ۲۰۴ - ۳۲۰ - ۳۷۷ - ۳۶۹

هیلے برنڈٹ
ویدک مائتهالوجی کے مصنف ، ۲۶۰ - ۲۸۴ - ۲۹۹ - ۲۹۵ - ۲۹۷

هیسٹنگر انسائیکلو پیڈیا آف ریلجنز اینڈ ایتھکس ، ۳۱۲

(ی)

یاسکا
ویدک شارح اور لغات کے ماهر، ۲۵۳

یاسین
گلگت اور مستوج سے متصل چوٹی کا نام ھے ، ۳۳

یجر وید
آریوں کی الہامی کتاب ، ۱۵ - ۲۵۳ - ۲۵۶ - ۳۱۱ - ۳۶۹ - ۳۸۳

یدوا
بھٹی قبیلہ ، جنجوعہ ، ۲۹۰
یشودھرا
مہاتما بدھ کی بیوی ، ۴۳۹
یوسف زئی
سرحدی پٹھانوں کا ایک مشہور قبیلہ ، جو وادیٔ پشاور سے لے کر وادیٔ سوات اور وادیٔ کنہار و بنیر میں آباد ہے ، ۳۴
یونان
مغربی ملک ، ۲۳۳ - ۲۳۶ - ۲۵۹ - ۳۷۰
یونانی
یونان کے رہنے والے ، ۴۳
یئیل کیمبرج ایکسپیڈیشن
۱۹۳۵ء میں علمائے آثارِ قدیمہ کی ایک جماعت وادیٔ سون میں داخل ہوئی ۔ یہ علماء کیمبرج سے آئے تھے تاکہ برفانی زمانہ کی تحقیقات کریں ، ۵۹ - ۶۳

تاریخ ارض پاک

حصہ دوم

از

رشید اختر ندوی

تاریخ ارضِ پاک جز دوم

جسے رشید اختر ندوی نے اپنے اہتمام میں چھاپا

تاریخ اشاعت : ۱۹۸۷ء ماہ اپریل
تعداد : ایک ہزار

جملہ حقوق محفوظ

بشکریہ حضرت جسٹس سردار محمد اقبال وفاقی محتسب
حکومت پاکستان

حرف آغاز

آپ اس کا پہلا حصہ پڑھ چکے ہیں - جسے میں نے اس حصہ کی طرح پہلی بار چھاپا ہے -

دراصل کتابیں چھاپنے کا کام مصنف کے بس کی بات نہیں ہے جو مصنف اپنی کتابیں خود چھاپتے ہیں وہ انہیں خود بیچ نہیں سکتے انھیں بہرحال ان اداروں کے ذریعہ اپنی چھاپی ہوئی کتاب بازار میں لانا پڑتی ہے - جو کتابیں بیچتے اور انہیں عوام تک پہنچاتے ہیں -

میں نے یہ کتاب اپنی خوشی سے نہیں چھاپی - مجھے اسے بعض ایسی وجوہ کے سبب چھاپنا پڑا - جن کا اظہار نہ موزوں ہے اور نہ مناسب -

البتہ میں یہاں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میری یہ کتاب ایک ادارہ کے ہاں کئی سال سے مطبوعہ شکل میں پڑی تھی -

مگر اس ادارہ نے محض ذاتی اختلافات کی بنا پر اسے شائع نہیں کیا -

بہرحال یہ کتاب آپ کے سامنے پیش ہو رہی ہے آپ خود اندازہ فرمائیں گے کہ یہ کتاب کس محنت سے لکھی گئی ہے -

میں اگر آپ سے یہ کہوں تو آپ یقین فرمالیں کہ میں نے اس کتاب کے لکھنے کے لیے تین بار انگلستان کا سفر کیا - انڈیا آفس لائبریری سے ضروری مواد جمع کیا - پھر نیویارک کی کولمبیا یونیورسٹی تک رسائی پائی -

آپ کو ہم مصنفین کے گروہ کے بارے میں شائد یہ بات معلوم ہو یا نہ ہو کہ ہماری مالی حالت ایسی نہیں ہوتی کہ ہم اپنی کتابیں چھاپنے کا بوجھ اٹھا سکیں -

یوں بھی کتابیں لکھنا الگ فن ہے اور کتابیں چھاپنا اور انھیں بیچنا بالکل جداگانہ فن ہے -

اور یہ کتاب اور اس سے پہلے کی کتاب میں نے محض اس لیے چھاپی ہے کہ مجھے خدا نے ایک ایسا دیانت دار اور سمجھدار پبلشر اور کتاب فروش مہیا کر رکھا ہے۔ جو میرا ۱۵ء سے دوست ہے اور جس سے مجھے آج تک کوئی شکائت نہیں ہوئی۔

یہ کتاب اسی اپنے دوست کے سہارے اور اعانت و حوصلہ افزائی کے باعث خود چھاپ رہا ہوں۔

اب چند لفظ اس کتاب کے بارے میں۔

مجھے دعویٰ تو نہیں ہے۔ کہ ایسی کتابیں بڑی مشکل سے لکھی جاتی ہیں اور انہیں لکھتے لکھتے آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے۔ میں نے بھی اسے جوانی میں شروع کیا تھا اور اسے چھاپتے وقت بڑھاپے کی منزل میں داخل ہو چکا ہوں اور توانائیاں ساتھ چھوڑ چکی ہیں۔

اس کے باوجود میں پچھلے سال، اس کتاب کی تکمیل کے لیے نیویارک پہنچا اور کولمبیا یونیورسٹی کے تاریخی شعبہ سے کافی استفادہ کیا۔

اس کتاب کی تصنیف پر کوئی اسی ہزار روپے صرف آئے ہیں اور تین سال تک متواتر میں نے اس کی خاطر ڈبل۔ روٹی، پنیر اور دودھ پر گزر کیا ہے کہ کہیں سخت خوراک کھانے سے بیمار نہ پڑ جاؤں اور یہ کام ادھورا نہ رہ جائے بحمد اللہ، میں اس دوران نہ بیمار ہوا اور نہ میرا ذہن اور میرا قلم اس کام سے اکتایا۔

رشید اختر ندوی

۲۰ مارچ ۱۹۸۷ء
۱۶- ایف ۸۵ سٹریٹ
ایمبیسی روڈ جی ۶/۴
اسلام آباد

اشاریہ

حرف آغاز

پہلا باب

فصل ۱

کوروش اعظم اور دارا اول کا رابطہ ارض پاکستان سے ۱۵ تا ۱۸

کوروش اعظم اور دارا کا تعارف ۲۰ تا ۲۴

فصل دوم ۲۵ تا ۳۰

ایرانی دور میں یہاں کی خود مختار ریاستیں ۳۱ تا ۳۸

دوسرا باب

سکندر اعظم کا حملہ ۳۲۷ قبل مسیح

فصل اول

سکندر کا حسب و نسب اور ذاتی کردار پاک صاف جوانی

باپ بیٹے میں ماں کی وجہ سے اختلاف۔ باپ قتل ہوا ۴۳

تخت نشینی۔ سوتیلی ماں سوتیلی بہن کا قتل

باپ کے سوتیلے بھائیوں اور دوسرے وارثان تاج و تخت کا قتل ۴۳

تخت نشینی کے بعد قدم قدم پر تخت و تاج کے تحفظ کے لیے لڑائیاں ۴۴

فوج اس سے وفادار رہی وہ ہر باغی کے خلاف کامیاب ہوا ۴۵

باغیوں کا بے دریغ قتل ۴۶

فصل دوم

یونان کی ساری ریاستوں کو فتح کرنے کے بعد ۴۷

مشرق کی سمت روانگی ۴۸

یہ ۳۳۴ قبل مسیح کا سال تھا جب دارا سے اس کا تصادم ہوا ۴۹

سوس کا میدان ۵۰

مشرق و مغرب کی حیرت انگیز جنگ ۵۱

دارا کی شکست فاش دارا نے دمشق کی سمت پسپائی اختیار کی ۵۱

دارا کی خیمہ گاہ پر قبضہ

ملکہ ایران سکندر کے ہاتھ لگی ۵۲

دمشق بھی فتح ہوا سونے کے ذخائر ہاتھ آئے ۵۳

جشن فتح ۔ سکندر کی زندگی میں پہلی عورت کا داخلہ ۵۳

بیروت کی فتح ۵۴

مصر پر قبضہ ۵۵

اربیلا کے مقام پر دارا اور سکندر میں دوسری لڑائی ۵۶

دارا نے پھر شکست کھائی ۵۷

فصل سوم

سکندر وادی سندھ میں ۵۸

۳۲۷ ق م ۵۹

درہ کوشان و خاوک کے ذریعہ کوہ ہندو کش کو عبور کرکے
دریائے کنہار اور چترال کے ساتھ ساتھ چلا ۶۰

چترال اور اس کے نواحی علاقے فتح کیے

پھر باجوڑ کو پامال کیا ۔ مقامی ۶۱

باشندوں نے اس سے سخت لڑائی لڑی ۶۲

وادی سوات بھی فتح ہوئی ۶۳

ساگا پر چڑھائی ۔ شہریوں نے مقابلہ کیا ۔ ہار گئے

بازیرہ اورا اور ارنوس کی فتح ۶۴

ارنوس کے لوگوں نے ۶۵

سخت مقابلہ کیا تھا ۶۶

قتل عام ۶۸

ٹیکسلا کے راجہ نے اطاعت اختیار کی ۷۰

فصل چہارم

سکندر مقدونی نے دریائے سندھ کو کشتیوں کے پل کے ذریعہ
عبور کیا اور ٹیکشلا پہنچا شہریوں نے بڑا شاندار استقبال کیا ۷۱

راجہ امبھی سار نے بھی سفارت بھیج کر اطاعت قبول کر لی ۷۲

آس پاس کے مزید راجوں نے سفارتیں بھجوائیں اور فرمانبرداری
کے معاہدے لکھ دیے ۷۳

فصل پنجم

پورس اور سکندر کی جنگ پورس بڑی بہادری سے لڑا اور سخت

زخمی ہو کر قید ہوا ۸۱
سکندر نے اس کی بہادری سے متاثر ہو کر اس کی جان بخش
دی اور اس کی ریاست اسے واپس دے دی ۸۳
فصل ششم
پنجاب میں سکندر کی ۸۴
مزید پیش قدمی ۸۵
پانچ ہزار قصبات پر قبضہ ۸۶
چناب کے بعد سکندر دریائے راوی کے علاقہ میں پہنچا ۸۷
کچھ لوگ اس سے لڑے اور کچھ نے لڑے بغیر اطاعت قبول
کر لی سگالہ پر حملہ
یہاں کے لوگوں نے اس کا مقابلہ کیا مگر ہارے ۸۸
شہریوں کا قتل عام شہر تباہ کر دیا گیا ۸۹
کچھ اور شہر تباہ ہوئے ۹۰
دریائے بیاس کے کنارے پر ۹۲
سکندر نے دریائے بیاس کو عبور نہیں کیا ۹۳
کہ یونانی فوج آگے بڑھنے پر آمادہ نہ تھی ۹۴
یونانی فوج کی خفیہ کانفرنس ۹۵
سکندر کی تقریر ۹۶
سکندر کی تقریر کے باوجود فوج آگے بڑھنے پر آمادہ نہ ہوئی ۹۹
تو سکندر نے واپسی کا اعلان کر دیا ۱۰۰
فصل ہفتم
دریائے بیاس سے یونانی فوج کی ہڑپا اور ملتان کی طرف روانگی ۱۰۱
یہ یونانی تھے جنھوں نے ہڑپا اور ملتان کے مابین شہروں پر
تباہی نازل کی ۱۰۲
بحری جہازوں کی تعمیر بحری بیڑے نے لنگر اٹھائے ۱۰۳
جھنگ کے بعض قبائل نے مقابلہ کیا یونانی جدھر سے گزرے
بستیاں جلاتے گئے ۱۰۴
قتل عام کے بعد پورا ماحول تباہ کر دیا مالی قوم سب سے زیادہ

تباہ ہوئی ۱۰۵

مالی قوم نے جس شہر میں پناہ لی تھی اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور ہر شہری کو بلاوجہ ذبح کر دیا آس پاس کی ساری بستیوں کو جلا دیا گیا ۱۰۷

ایک شہر کے باشندوں نے آپ اپنا شہر آگ کی نذر کیا اور خود جل مرے سکندر جہاں جہاں سے گزرا پورے ماحول کو تباہ کرتا گیا ۱۰۸

سکندر مالی قوم کے پایہ تخت پہنچا مالی شہر پناہ میں محصور ہو گئے اور پھر ان کا ایک ایک فرد عورتیں بچے اور بوڑھے مار ڈالے گئے ۱۰۹

جھنگ ۔ ملتان اور بہاولپور کے مالی سرداروں نے ۱۱۰

سکندر سے مصالحت کر لی اور بچ گئے ۱۱۱

یہ صرف سکندر مقدونی تھا جس نے ہڑپا شہر اور اس کے ماحول پر تباہی نازل کی ۱۱۲

سکندر پنچند پہنچا پھر ۱۱۳

سندھ میں داخل ہوا ۱۱۴

روہڑی اور سکھر کے راجہ نے اطاعت قبول کر لی اور تباہی سے بچ گیا ۱۱۵

پٹالن پر قبضہ ۱۱۷

پٹالن کے مقام پر بحری چھاؤنی کا قیام ۱۱۷

دیبل تک رسائی پائی ۱۱۸

واپسی اختیار کی بلوچستان کے راستے اس ملک سے باہر نکلا ۱۱۸

اس کی واپسی کے تین سال بعد سندھ اور پنجاب اسے بالکل بھول بھول گئے ۳۲۱ ق م ۱۱۹

تیسرا باب

چندر گپت اور پنجاب اور سرحد

فصل اول

چندر گپت کی سیاسی عظمت و بزرگی کی بنیاد ٹیکسلا میں رکھی گئی
وہ یہیں بچپن گزار کہ جوان ہوا اور یہیں پنڈت چانکیہ نے اس
کے سر پر تاج رکھا ۱۲۳
اس کی بادشاہت کی مسند شمال مغربی اضلاع کے باشندوں نے
بزور بازو بچھائی تھی ۱۲۴
پنڈت چانکیہ کے لیے پالک کی حیثیت سے وہ ٹیکسلا میں پروان
چڑھا. ۱۲۴
یہیں جوان ہوا اور یہیں تعلیم پائی ۱۲۵
سکندر اور چندر گپت میں ملاقات ۱۲۶
چندر گپت اور پنڈت چانکیا کی جد و جہد آزادی رضا کاروں میں
زیادہ تعداد مالی قوم کی تھی جو جھنگ، ملتان، بہاولپور
اور ہڑپا کے آس پاس رہتے تھے اور جنہیں سکندر نے بڑی طرح
تباہ کیا تھا۔ یہ اس ملک کے قدیم ترین باشندوں میں سے تھے ۱۲۷
چندر گپت کی حکومت کو استحکام پنجاب اور سندھ کے لوگوں
نے بخشا یوں شمالی مغربی سرحدی قبائل نے سب سے پہلے
اس کا ساتھ دیا یہی قبائل اس کی سلطنت کے پہلے بانی تھے ۱۳۳
سیلوک اور چندر گپت کا مقابلہ اور مصالحت ۱۳۵
ٹیکسلا کے پنڈت چانکیا نے نظام حکومت مرتب کیا ۱۳۸
ٹیکسلا کا پاٹلی پترا پر تقدم ۱۳۹
یہ پنجاب اور سرحد کی حکومت تھی جو پورے ہندوستان تک
پھیل گئی تھی ٹیکسلا کے تقدم کے باعث ولی عہد وہیں مقیم رہا
اشوک کی تعلیم و تربیت ۱۴۰
ٹیکسلا ہی میں ہوئی ۱۴۰
ٹیکسلا کا نظم و نسق ۱۴۰
چندر گپت کے عہد میں ملک کی ساری زمین سرکاری تحویل میں
لے لی گئی تھی انفرادی ملکتیں بالکل ختم ہو گئی تھیں ۱۴۱
ٹیکسلا کا وائسرائے اندرونی نظم و نسق کے سلسلہ میں
خود مختار تھا ۱۴۲

اس دور کی میونسپلٹیاں در حقیقت شہر کے تمام مسائل کی نگران ہوتی تھیں ۱۴۳

پنجاب کی تجارتی منڈیاں چندر گپت کے عہد میں ۔ سمندری تجارت ۱۴۴

یونانی بتوں کی پرستش پنجاب میں مندر ناپید تھے ۱۴۵

مذہبی عقائد ۔ سماجی طبقات ، فوجی قوت سرکاری حکام ۱۴۶

معاشرہ میں عورت کی حیثیت ۱۴۷

غلامی ۱۴۸

کسان ۱۴۹

شہری امن و امان ۱۵۰

چوتھا باب

ارضِ پاک مہاراج اشوک اور اس کے جانشینوں کے عہد میں ۱۵۰

فصل اول

چندر گپت کے پوتے اشوک کی حکومت بھی ان حکومتوں ایسی تھی جن کی بنیاد وادی گندھارا میں رکھی گئی اور جن کے بانی اس وادی کے رہنے والے تھے ۱۵۳

اشوک ، پنڈت چانکیا کے لیے پالک چندر گپت کا پوتا ہونے کے سبب ٹیکسلا کا بیٹا تھا ۱۶۰

پانچواں باب

دو سو سالہ انڈو یونانی حکومت ۔ پہلا انڈو یونانی بادشاہ ۱۶۱

ڈیمی ٹروس ۲۰۰-۱۹۰-۱۷۰ ق م ۶۳

اگا تھوکل نیپٹون ۱۶۷

ہیلو کاز ۱۶۸

کچھ انڈو یونانی بادشاہوں کے نام ۱۶۹

فصل دوم

سیال کوٹ کے میناندر کی فوجیں سیال کوٹ سے کبھی باختر پر چڑھ جاتیں اور کبھی گجرات کاٹھیاوار پر حملہ آور ہوتیں ۱۷۱

میناندر کے عہد میں اس کے پایہ تخت سیال کوٹ نے نینوا ، بابل اور پاٹلی پترا کے ہم سری کی ۱۷۲

مینانڈر ، پنجاب کے انڈو یونانی بادشاہوں میں سب سے بڑا بادشاہ تھا
مینانڈر کے سیال کوٹ کی خصوصیات ۱۷۲
مینانڈر کے ذاتی اوصاف ۱۷۳
مینانڈر نے ہندوستان کے وسطی صوبے پامال کر دیے ۱۷۴
سیال کوٹ کا مینانڈر دریائے بیاس کو عبور کرکے کاٹھیاوار کے ساحلوں اور چتور تک جا پہنچا تھا ۱۷۵
مینانڈر کے سلطنت کے حدود ۱۷۷
ملکہ اگا تھوکلیا ۱۷۹
سوتر اول ۱۷۸

چھٹا باب

ساکا پہلوی سندھ اور پنجاب پر غالب آئے ۱۷۹

فصل اول

ساکا بادشاہوں نے ٹیکسلا کو پایہ تخت بنا کر متھرا تک حکومت کی جو سکے ٹیکسلا میں مسکوک ہوئے وہ متھرا سے برآمد ہوئے ہیں ۱۸۱
ساکوں کا اصل وطن ۱۸۱
ساکے پہلے سندھ میں آباد ہوئے پھر ٹیکسلا سے لے کر متھرا تک حکومت کی ۱۸۲
ساکوں نے سندھی مذہب ۔ روایات اور تہذیب کو اپنا لیا ۱۸۳
آجین پر قبضہ ۱۸۴
میؤس پہلا بادشاہ تھا ۱۸۵
ٹیکسلا اس کا پایہ تخت تھا ۱۸۵
میؤس کے زمانہ و عہد کے متعلق علماء کا اختلاف ۱۸۶
میؤس کا جانشین ایزز اول ۱۸۷
ساکا بادشاہوں کے نام اور زمانہ ۱۸۸
۱۔ میؤس ۲۰ قبل مسیح تا ۲۲ بعد از مسیح
۲۔ ایزز اول بن ایزی لیریز ۵ قبل مسیح ۳۰ بعد مسیح
۳۔ ازی لسیز بن ایززاول ۲۸-۴۰ بعد از مسیح

۴۔ ایزز بن ازی یسزل تا ۹۷ بعد از مسیح ١٨٨
ساکا بادشاہوں کے گورنر ١٨٩
ارض پاک میں آباد ہونے والے پہلے پہلوی یا پارتھی ١٩١
ٹیکسلا ان کا پایہ تخت تھا ١٩٢
ان کے بعض گورنر ١٩٣
کنڈو فریس ١٩٥

ساتواں باب

کشان بادشاہت کا قیام ١٩٧

فصل اول

یوچی قوم کی نقل و حرکت ١٩٩
یوچی قوم کے پانچ خاندانوں نے پانچ سلطنتیں قائم کیں
۱۔ واخان
۲۔ چترال
۳۔ چترال اور پنج شیر کے درمیانی علاقہ میں
۴۔ کافرستان
۵۔ کابل

فصل دوم

کڈفائس اول کا سنہری دور۔ وہ کشان سلطنت کا بانی تھا ٢٠٣
کڈفائس اول نے وسطی ہندوستان تک یلغار کی ٢٠٥
اس کی حکومت وادی سندھ، پنجاب راجپوتانہ اور غازی پور
تک پھیل گئی تھی ٢٠٦

فصل سوم

کنشک نے پشاور کو پایہ تخت بنا کر وسطی ہندوستان کے
شہر گورکھ پور تک حکومت کی وہ وادی گندھاوا، پنجاب
کشمیر، سندھ، بہاولپور اور وسطی ہندوستان کا مالک تھا ٢٠٨
اس کے سکے گورکھ پور اور غازی پور سے برآمد ہوئے ہیں ٢٠٩
پشاور کا یہ تاجدار پاٹلی پترا پر حملہ آور ہوا ٢١٠
بدھ مذہب کی تبلیغ۔ اصلاح اور بدھ کانفرنس ٢١١

پشاور میں تیرہ منزل کا مینار تعمیر کیا ۲۱۲
کنشک کی مذہبی روا داری ۲۱۳
اس نے بدھ مذہب کو نئی شکل دی ۲۱۴
بدھ مذہب عیسائیت سے بھی متاثر ہوا ۲۱۵
بدھ مذہب میں بت پرستی داخل ہو گئی ۲۱۶
کنشک کشان بادشاہوں میں سے سب سے بڑا تاجدار تھا ۲۱۷
فصل چہارم
کنشک کے وارث ۲۱۹
واشک ہوشک ۲۱۹
ہوشک متھرا کا بھی تاجدار تھا ۲۲۰
کشمیر میں ایک شہر بسایا ۲۲۱
کنشک ثانی ۲۲۲
باسیو دیو اول ۲۲۲
باسیو دیو بت پرست تھا ۲۲۳
بعد کے کشان بادشاہ ۲۲۳
[۲۳۸-۲۶۹ء] ۲۲۴
کشان بادشاہوں نے پنجاب پر پانچویں صدی عیسوی تک
حکومت کی ۲۲۴
کشان بادشاہوں اور ایران کے سامانیوں میں لڑائی ۲۲۹
کشان بادشاہ اور شاہ پور ثانی ایک دوسرے کے حلیف تھے ۲۳۰
کدارا کا بیٹا پشاور پہنچا ۲۳۰
سر جان مارشل کے نزدیک کدارا کشان ۳۶۰ء سے لے کر
۴۶۰ء تک پشاور اور شمال مغربی پنجاب پر سراقتدار رہے ۲۳۱
چشتی خاندان ۲۳۲
ردرا دمان ۲۳۳
آخری چشتنا فرمانروا ۲۳۴
آٹھواں باب
گپت خاندان اور ارض پاک ۲۳۰
سمدر گپت اور کشان بادشاہ ۲۳۹
چندر گپت ثانی اور سندھ ۲۴۰

نواں باب

کشانوں کی طرح سفید ہن بھی وادی گندھارا ، پنجاب اور سندھ کے میدانوں میں سے نکل کر وسطی ہندوستان تک پہنچے

درہ ، خیبر سے در آنے والے ان ہنوں نے ہندوستان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے

درہ خیبر کے ساتھ ساتھ انہوں نے درہ واخان کے بھی شمالی حصوں میں راہ پائی

سمدر گپت اور سفید ہنوں میں مقابلہ ۲۴۴

ہنوں کا دوسرا حملہ اور ارض پاک پر قبضہ ۲۴۶

ہن اپنے قائد تورمان کے ساتھ مالوہ تک جا پہنچے ۲۴۷

مہر گل کا عہد ۲۴۷

مہر گل کے مقابلہ میں ہندوستانی اتحاد ۲۴۷

مہر گل کا وادی گندھارا اور کشمیر پر قبضہ ۲۴۹

دسواں باب

مہاراج ہرش اور ارض پاکستان ۲۵۱

ہنوں کے خلاف خسرو نوشیرواں اور ترکوں کا اتحاد ۲۵۳

پربھاکرا ورد ہن اور ہن - تھانیسر کے عروج کے وقت ۲۵۴

وادی گندھارا ، ہن اور سندھ ۲۵۴

ہن ریاست پر دجیا وردہن اور ہرش کا حملہ ۲۵۵

ہنوں کا پایہ تخت سیال کوٹ تھا ۲۵۵

تھانیسر کے شمال مغربی حدود پنجاب میں ہنوں کی سرحد سے ملتے تھے ۲۵۶

ہرش سندھ پر حملہ آور ہوا ۲۵۷

وادی گندھارا اور اس کے ملحقہ علاقہ کا ہرش سے کوئی تعلق نہ تھا ۲۵۸

ہزارہ ، ٹیکسلا اور کشمیر میں ایک ہی حکومت تھی ۲۵۸

ہرش نے کشمیر پر چڑھائی کی ۲۵۹

سندھ اور بیاس کے مابین کے علاقہ میں ٹاکا حکمران تھے ۲۶۰

ہرش اور جالندھر ۲۶۱

ساکل اور ملتان ہرش سے لاتعلق تھے ۲۶۲

سندھ کا راجہ ساہرس رائے تھا ۲۶۳

گیارھواں باب

ارض پاک کی تہذیبی و تمدنی زندگی میں ٹیکسلا کا مقام

فصل اول

ٹیکسلا ارض پاکستان اور ہندوستان کی تہذیبی زندگی میں سب سے بڑا مرکز تھا ۲۶۷

ارض پاکستان اور ہندوستان کی معلوم تاریخ میں اسے تمام شہروں پر تقدم حاصل تھا ۲۵۸

ٹیکسلا کی شاہراہیں اور ان کی قدامت ۲۶۹

ٹیکسلا اور اندرون ملک جاتی شاہراہ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ آریہ قوم کی آمد ۲۷۳

ٹیکسلا بڑا اہم شہر تھا آریائی علما یہیں بس گئے ۲۷۴

یہ بھی کہا گیا ہے کہ دارا اول نے ٹیکسلا کی بنا رکھی ۲۷۵

یہ بھی امکان ہے کہ ٹیکسلا کے معمار بھی ہڑپا اور موہن جوڈرو کے بانی تھے ۲۷۵

ٹیکسلا میں ایرانی حکومت کا قیام ۲۷۵

دارا اول کے زمانہ کے کتبات کی زبان آوستہ کی زند تھی ۲۷۶

ٹیکسلا میں سب سے پہلے آرامی رسم الخط متعارف ہوا خروشتی رسم الخط اور آرامی رسم الخط میں مشابہت ۲۷۶

ٹیکسلا سے خروشتی رسم الخط کے کتبات برآمد ہوئے ہیں ۲۷۷

خروشتی رسم الخط چوتھی قبل مسیح سے لے کر پانچویں صدی بعد مسیح تک تقریباً نو سو سال ٹیکسلا میں رائج رہا ۲۷۷

سکندر مقدونی کے وقت کا ٹیکسلا ۲۷۸

یونانی کا ٹیکسلا کی تہذیب پر تبصرہ ۲۷۸

ٹیکسلا اور چندر گپت ۔ ٹیکسلا پایہ تخت بنا ۲۷۹

مہاراج اشوک اور ٹیکسلا ۲۸۰

ٹیکسلا دنیا کا تیسرا عظیم شہر ۲۸۱

بدھ مت اور ٹیکسلا ۲۸۱

انڈو یونانی عہد

اپولوڈوٹس نے اسے پایہ تخت بنایا ۲۸۲

سرکپ کی بنا رکھی گئی ۲۸۳
سرکپ پر یونانی اثرات ۲۸۳
انڈو یونانی ملکی بن گئے تھے ۲۸۴
زبان ملکی تھی ۲۸۵
انڈو یونانی سارا کاروبار حکومت مقامی بولی میں کرتے تھے ۲۸۶
باہمی تہذیبی تاثر ۲۸۷
فصل دوم
ٹیکسلا یونیورسٹی ارض پاکستان ۲۸۸
اور ہندوستان کی سب سے بڑی یونیورسٹی تھی ۲۸۹
ٹیکسلا اور حسن ابدال کے مابین کا خوبصورت ماحول ۲۹۰
آریہ قوم یہاں کافی دیر تک مقیم رہی ۲۹۱
بالائی وادی سندھ کے لوگوں اور اشیری بادشاہ میں رابطہ ۲۹۲
ٹیکسلا یونیورسٹی خود مختار تھی ۲۹۳
ٹیکسلا یونیورسٹی میں ہر فن کا شعبہ الگ الگ تھا ۲۹۴
فصل سوم
ٹیکسلا کی حیثیت ساکا اور مابعد کے ادوار میں ۲۹۵
میٹوس کا عہد حکومت ۲۹۶
ساکوں کا مذہب ۲۹۷
ساکا عہد کی تہذیبی و تمدنی زندگی ۲۹۸
پارتھی دور ۲۹۸
طرز تعمیر میں تبدیلی ۲۹۹
مغرب سے تجارت بڑھی ۳۰۰
فصل چہارم
کشان عہد ۳۰۳
کاڈفیز اول
کاڈفیز ثانی ویما نے
ٹیکسلا فتح کیا اور سکے ڈھالے ۳۰۳
سرسکھ شہر بسایا ۳۰۴
ٹیکسلا دوسرا پایہ تخت تھا بدھ مذہب نے بہت عروج پایا ۳۰۶

بدھ مجسمہ سازی ۳۰۶
کدارا کشان پشاور اور ٹیکسلا میں ۳۰۷
نئے انداز کی مجسمہ سازی ۳۰۷
ٹیکسلا بابل و سوس کا ہم سر تھا ۳۰۹

بارھواں باب
ٹیکسلا کے تہذیبی و تمدنی آثار

فصل اول
قدیم ترین آبادی بھر کے کئی دور ۳۱۶
شخصی گھروں کی عمارتیں ۳۲۴
بعض نوادرات
تیسری تہ سے چوتھی صدی قبل مسیح کے نوادر دستیاب ہوئے ہیں ۳۲۵
سکے بھی ملے ہیں ۳۲۵
قیمتی موتی بھی برآمد ہوئے ہیں
دوسری تہ ۳۰۰ سال ق م کی غمازی کرتی ہے ۳۲۶
مورتیاں ۳۲۷
پتھر کا استمال ۳۲۷
پہلی تہ اور اس سے برآمد ہونے والی اشیا ۳۲۸

فصل دوم
دوسری قدیم آبادی سرکپ ۳۲۹ تا ۳۴۳
آرامی رسم الخط خروشتی کی بنیاد ہے ۳۴۴
آرامی رسم الخط کا ایک کتبہ سر جان مارشل کا خیال ہے کہ
یہ آرامی رسم الخط کا کتبہ اس بات کا ثبوت ہے کہ خروشتی
رسم الخط ٹیکسلا میں تخلیق کیا گیا تھا ۳۴۴

فصل سوم
مندر جنڈیال اور اس سے ملحقہ آثار ۳۵۴
مندر جنڈیال کے بارے میں سرجان مارشل کی رائے کہ یہ
آتش کدہ تھا ۳۵۶
بدھ ستوپ ۳۵۷
مہاتما بدھ کی ہڈی سونے کے ایک صندوقچہ کے اندر بند پائی گئی ۳۵۸

فصل چہارم

تیسرا قدیم شہر سرسکھ ۳۵۹ تا ۳۶۲

فصل پنجم

ٹیکسلا کی بدھ خانقا ہیں ۳۶۳ تا ۳۷۶

برہمی کا ایک مسودہ ۳۷۶

فصل ششم

کاون ، اکھوڑی اور کھدر مہڑہ ۳۷۷

خروشتی کا ایک اور کتبہ جو ایزز کے عہد کا ہے ۳۷۹

گندھارا آرٹ کی اٹھارہ مورتیاں بھی یہاں سے دستیاب

ہوئی ہیں ۳۷۹ تا ۳۸۲

فصل ہفتم

گبڑی کے آثار بہت سے سکے بھی دستیاب ہوئے ہیں ۳۸۳ تا ۳۸۵

فصل ہشتم

سٹوپا کنال اور گہی ۳۸۷ تا ۳۹۲

فصل نہم

مہرہ مرادو ، بیلا ،جولیاں، بھامل ، بھلر، لال چکی اور باول پور ۳۹۱

خروشتی رسم الخط کے کچھ اور کتبات ۔ اور بے شمار مورتیاں ۳۹۶

خروشتی رسم الخط کے ایک کتبہ سے سرجان مارشل نے یہ نتیجہ

اخذ کیا ہے کہ خروشتی رسم الخط پانچویں عیسوی تک ۳۹۷

تک ٹیکسلا میں رائج تھا اور عوامی زبان کا ذریعہ اظہار تھا ۳۹۷

کچھ اور خانقاہیں اور سٹوپے ۳۹۹ تا ۴۰۳

تیرھواں باب

ارض پاکستان کے قدیم ترین سکے ۴۰۷

۱۰۰ قبل مسیح سے ۷۰۰ ق م تک ۴۰۸

فصل اول

پہلے سکے کانسی اور تانبے سے بنائے گئے ۴۱۰

چاندی کے وہ سکے جن کی شکلیں محرابی ہیں وہ ۵۰۰-۶۰۰

قبل مسیح کے ہیں ۴۱۱

وہ سکے جو بے ڈھنگے ہیں سب کے قدیم ہیں ۴۱۱

پورانوں کا 'سوروانہ' سونے کا سکہ تھا ۴۱۳
قدیم سکوں کی شکل بھونڈی اور بے ہنگم ہوتی ۴۱۵
تاجر سکے ڈھالنے کا فن باہر سے ساتھ لائے ۴۱۵
ٹیکسلا سے برآمد ہونے والے ڈھیروں سکے اس امر کے داعی ہیں
کہ یہاں سکہ سازی بہت دنوں سے ہو رہی تھی ۴۱۶
یہ امکان بھی ہے کہ موہن جوڈور اور ہڑپا کے عہد میں بھی
سکہ سازی ہوتی رہی ۴۲۰
کچھ حروف کی نشان دہی ۴۲۳
فصل دوم
یونانی ، بختاری اور انڈو یونانی سکے ۴۲۳
گوڈ نے بیس ہزار سکے جمع کیے سکوں سے بعض بادشاہوں کی
حدود سلطنت کا علم ہوا
منیانڈر اور اپالوڈوٹس کے دو ہزار سکے لندن اور پیرس میں ۴۲۵
سکیالہ کا نادر ذخیرہ ۴۲۶
مسٹر میسون نے تیس ہزار سکے برآمد کیے ۴۲۸
ڈیمی ٹروس اور مینانڈر کے وہ سکے جو ہندوستان سے برآمد ہوئے ۴۲۹
یوکراٹیڈس کے سکے بھی یہاں سے دستیاب ہوئے ہیں ۴۴۲
خصوصاً سندھ کے بالائی اور زیریں حصوں میں ۴۴۳
اور پنجاب میں اس کے سکے کافی تعداد میں پائے گئے ہیں ۴۴۵
ہندی بادشاہ وکر مادتہ اور یوکرا ٹیڈس ایک ہی شخصیت تھے پیلی
اوکاس کے سکے وادی سندھ سے ملے ہیں ۴۴۹
لیسیاس کے سکے جن پر زند زبان خروشتی رسم الخط میں لکھی
گئی تھی ۴۵۱
امینٹاس کے سکے جن پر خروشتی رسم الخط کندہ ہے اور امیتاسہ
رقم ہے ۴۵۳
ہزارہ سے برآمد ہونے والے سکے انٹی ماچوس کے ہیں
فیلوکیسز کے پنجاب کے پہاڑی علاقوں سے دستیاب ہوئے ہیں ۴۵۷
ان پر بھی خروشتی رسم الخط میں اس کا نام لکھا ہے
آر چیبوس کے وہ دو سکے جن پر خروشتی رسم الخط کندہ ہے

اور اسے آرضی بیاسہ کا نام دیا گیا ہے ۴۶۱
میناانڈر کے وہ سکے جن پر خروشتی رسم الخط میں مینا دراسہ لکھا ہے ۴۶۳
اپالوڈوٹس جس کے سکوں پھر اپالاداتسا کے حروف خروشتی میں کندہ ہوئے ۴۶۷
خروشتی رسم الخط میں جس بادشاہ کے سکوں پر تادراسہ تاسی داسہ لکھا ہے وہ ڈیٹو میڈز تھا ۴۶۸
اگا تھوکلشا تھرا تاسہ کے خروشتی رسم الخط والے سکے اگاتھوکلس اور سٹریٹو کے ہیں ۴۷۳
خروشتی رسم اخط کا جھوگیلاسہ زائدوس ہے ۴۷۴
اور ہیپا تراسا ہیپوسٹراگوس ہے ۴۷۵

فصل دوم
انڈو پارتھی بادشاہوں اور سکھیتی فرمانرواں کے سکے ۴۷۹

فصل سوم
کشان سکے

فصل چہارم
ساسانی اور ان کے ہم عصر پنجابی - سندھی کشمیوی اور ہن بادشاہوں کے سکے

فصل اول

کوروش اعظم اور دارا گشتاپ کی قوم کا تعارف

گو بعض مصنفین کا خیال ہے کہ یہ اشوری یا اسیری بادشاہ خمورابی تھا ، جس کے عہد میں ، کوروش اعظم اور دارا کی قوم (آرین) سطح مرتفع پامیر سے اتر کر ، ایران کے میدانوں اور پہاڑی علاقوں پر سیلاب کی طرح چھا گئی تھی(۱) لیکن دراصل ، اس قوم کا نام تاریخ کی لوح پر پہلے پہل ، میراث ایران کے مصنف کے نزدیک ، ۸۳۶ء قبل مسیح میں اس وقت رقم ہؤا ، جب، شالمانصر اسیری یا آشوری ، اسیریا کا حکمران تھا ۔ اس بادشاہ نے اپنے ایک کتبہ میں اس قوم کا ذکر بہت حقارت کے ساتھ کیا ہے(۲)۔ غالباً اس حقارت سے ذکر کی وجہ یہ تھی کہ یہ قوم ، جو ارض میدا ، اور پارس میں ۲۴۰۰ سال قبل مسیح سے آباد چلی آ رہی تھی ، شالمانصر اسیری کے خلاف ، کبھی کبھی صف آرا ہو جاتی تھی اور شاہی پیشانی پر اس کے سبب شکن پڑ جاتے تھے ۔

جیسا کہ ہم سارگون ثانی کا حال کہتے وقت ، مختصراً کہ چکے ہیں ، کہ اشوری بادشاہ سارگون ثانی جب تخت نشین ہوا ، تو اس نے ، ارض میدا اور پارس پر چڑھائی کی ۔ شہر کے شہر تباہ کر دیے اور میدی اور پارسی مفتوحین کو بھیڑوں بکریوں کے ریوڑوں کی طرح ہنکاتا اسیریا لے گیا تھا۔ میڈم راگوزین راوی ہیں کہ بھیڑوں اور بکریوں کے ان گلوں میں ایک شخص ڈی او کیز یا دایا اوکو بھی تھا (۳) جسے ہیرو ڈوٹس یونانی مؤرخ ایک معمولی میدی سربراہ قرار دیتا ہے اور جس کا ذکر ، سارگون ثانی نے (۷۱۵ قبل مسیح) میں اپنے ایک کتبے میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس نے اس شخص کے شہر بیت رایا کو پر حملہ کیا اور اسے اور اس کے

۱۔ آؤٹ لائن آف ہسٹری ، ص ۴۲ ۔

۔ میراث ایران ، ص ۶ ۔

سٹوری آف اسیریا ، ص ۴۲۰ ۔

بیٹے کو پکڑ کر ، اپنے ساتھ نینوا لے گیا تھا(١) ۔

میڈم راگوزین کا خیال ھے کہ اگر دایاکو اور اس کے بیٹے کو ارضِ میدا و پارس میں اھمیت حاصل نہ ھوتی تو سارگون ثانی کبھی ان کا ذکر ، اپنے اس کتبہ میں نہ کرتا ۔

میڈم راگوزین ھی کی رو سے ، یہ دایاکو ھی وہ پہلا ایرانی ھے جس نے ، پارس و میدا اور اسپ کی سر بلندی کا نعرہ بلند کیا اور اشوری بادشاھوں سے یہ حق مانگا تھا کہ وہ اپنے علاقے کے معاملات خود نپٹے گا اور اشوری بادشاہ ، ادھر کا رخ نہیں کریں گے (٢) ۔

میڈم راگوزین کو ایسی کوئی شہادت میسر نہیں آئی ، جس سے یہ اندازہ ھوتا کہ دایاکو اور اس کا بیٹا ، فراورتش ، کس طرح سارگون ثانی کی قید سے فرار ھؤا اور ایک خود مختار سلطنت کی بنا ڈالی ۔

راگوزین کو صرف اتنا پتہ چلا ھے کہ دایاکو نے سارگون ثانی کے جانشین ، سنیا کرب کے زمانے میں اتنی اھمیت حاصل کر لی تھی کہ ارضِ میدا میں آباد چھ اھم قبیلوں ، بوزی ، پاراتکینی ، ستروچیت ارنیرانتی ، مدی اور ماگی نے اسے اپنا متحدہ سربراہ بنا لیا تھا اور وہ بادشاھوں کے سے ٹھاٹھ باٹھ سے رھنے لگا تھا ۔ اور جب سنیا کرب ، اسپ کے بادشاہ سے ناراض ھو کر اس کے ملک پر حملہ آور ھوا اور اس کے محلات اور اھم شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تو یہ دایاکو تھا جس نے ، اسپ کے شاھی محلات کے کھنڈرات پر ایک نئی بادشاھت کی عمارت کھڑی کی تھی ۔

دایاکو کی موت کے بعد ، اس کا بیٹا فراورتش ٦٥٥ ق م میں نئی ایرانی حکومت کا علم بردار بنا ۔ شروع شروع میں اس نے انتہائی احتیاط ملحوظ رکھی اور اسیری بادشاھت سے لڑائی مول نہیں لی ، البتہ ھولے ھولے اپنی سرحدیں ، اسیری سرحدوں تک پہنچا دیں اور جب اشوری بادشاہ ، اشور بنی پال ، بڑھاپے کی منزل میں اترا اور کئی جگہ شکست سے دو چار ھوا ، تو فراورتش نے موقعہ غنیمت جانا اور اسیری سرحدیں پار کر لیں ۔ اسے اشور بنی پال کے بڑھاپے سے غلط فہمی ھوئی تھی ۔ بوڑھا بادشاہ شیر

١۔ سٹوری آف اسیریا ص ٣٢٠ ۔

٢۔ ایضاً ص ٣٢٧ - ٣٢٨ - ٣٢٩ ۔

کی طرح دھاڑتا ، اس کے سامنے آن پہنچا اور اس کی ایک ایک صف الٹ ڈالی - فراورتش شکست کھا کر اسپ لوٹا ، اور پھر مدت تک ، پیش قدمی کا حوصلہ نہ کیا -

البتہ جب فراورتش کا بیٹا ، اورک شاتارا (ھوخشتر) تخت نشین ہوا تو اس نے نہ صرف اشور بنی پال ، سے اپنے باپ کی شکست کا انتقام لیا ، اشیری وانسرائے نیبو پول آشر سے سازش کر کے ، نینوا کی کچھ اس طرح اینٹ سے اینٹ بجائی کہ اشوری اقتدار کا یہ نقیب اول ، همیشه همیشه کے لیے تاریخ کی لوح سے محو ہو گیا ، اور پھر کبھی کوئی انسانی آبادی اس کے کھنڈرات پر تعمیر نہ ہو سکی -

میڈم را گوزین کہتی ہیں ، ھوخشتر نے نینوا پر یہ ھولناک تباھی نازل کرنے سے پہلے ، بابل کے کلدی خاندان میں اپنی ایک بیٹی بیاہ دی تھی اور جب نینوا پر چڑھائی کی تھی تو بابل کی فوجیں بھی اس کے ھمرکاب تھیں (۱) -

ھوخشتر بہادر سے زیادہ چالاک بادشاہ تھا - اس نے ، اسیری مملکت کو ھڑپ کر لینے کے بعد ، اپنی ھمسایہ سلطنت ، لیڈیا سے جب لڑائی مول لی ، اور اس میں کامیاب نہ ھوا ، تو اپنی ایک بیٹی ، لیڈیا کے بادشاہ سے بیاہ دی اور دریائے ھیلس تک کا علاقہ اپنے قبضہ میں کر لیا - چالاک ھوخشتر کا بیٹا ، استیاگ نہ چالاک تھا اور نہ بہادر - ہر لمحہ عیاشی میں بسر کرتا اور عیاش بادشاھوں کا جو حشر ھوتا ہے وہ اس کا ھؤا اور کوروش نامی سپہ سالار نے جو ، اس کی ایک بیٹی کا بیٹا تھا ، اس کے سینے میں خنجر گھونپ کر اس کی جگہ لے لی اور ایک نئی تاریخ کا آغاز کیا -

درحقیقت یہ سائرس یا کوروش ، ھی ھمارا موضوع ہے ، اور اس کے پیشروؤں سے متعلق گفتگو محض تمہید کی حیثیت رکھتی ہے -

---

۱- سٹوری آف اسیریا ص ۴۲۹ -

[illegible]

[illegible]

[illegible] کی محفل میں آئے اور [illegible]

[illegible] اور [illegible]

[illegible] تھی ۔ [illegible]

فصل دوئم

کوروش اعظم ۵۵۱ ـ ۵۳۰

عجیب بات ہے ، تاریخ ایران کے اس عظیم و جلیل بادشاہ کوروش اعظم کے ذاتی حالات ، تاریخ کو بہت کم معلوم ہیں ، جس نے نہ صرف ، ایران کی عظمت کو چار چاند لگائے ، ارضِ مغربی پاکستان کے عظیم دریائے سندھ کے کناروں پر آباد لوگوں کی گردنیں اپنے حضور کچھ اس طرح خم کیں کہ یہ مغرور آرین اسے خراج بھی ادا کرتے اور اس کی فوج میں شامل ہو کر اس کے اقتدار کی لڑائی بھی لڑتے تھے (۱) ۔

پروفیسر ماسپرو کی رو سے ، سائرس ، چونکہ وہ شخص ہے ، جس نے مادی شاہی خاندان سے سربراہی کا تاج چھینا تھا ، اور آستیاگ کے سینے میں چھرا گھونپا تھا ، اس لیے بعض مادی روایات میں اس کے حسب و نسب میں کیڑے نکالنے کے ساتھ ساتھ اس کے بچپن کو انتہائی غلیظ ٹھیرایا گیا ہے ، اور کہا گیا ہے کہ وہ ایک آوارہ عورت کا بیٹا تھا اور بچپن میں شاہی محل میں جھاڑو دیتا تھا ۔

شاہی محل کی غلاظتیں صاف کرتے کرتے اس نے مشعل بردار کا عہدہ پایا اور پھر ان لڑکوں میں شامل ہؤا جو بادشاہ کو شراب پلاتے تھے (۲) ۔

بہر حال یہ روایات اس بات کو تسلیم کرتی ہیں کہ سائرس آوارہ بچپن گزارنے کے باوجود بڑا ذہین ، بڑا طباع اور بڑا ہی بہادر نوجوان تھا ، بہت جلد اس نے ساقی لڑکوں کی ٹولی سے نکل کر محافظ فوج میں نام درج کرا لیا اور پھر اس فوج کا سپہ سالار مقرر ہؤا جو گیڈروشیا کی فتح پر مامور ہوئی تھی(۳) ۔

۱- رالنسن انڈیا ، ص ۵۳ - پولیٹیکل ہسٹری آف انڈیا ، ص ۱۶۰ - ایج آف امپیریل یونیٹی جلد ۲ ، ص ۳۰ ۔

۲- پاسنگ آف امپائرز ، ص ۵۹۸ ۔

۳- ایضاً ، ص ۵۹۸ ۔

پروفیسر ماسپرو نے کوروش یا سائرس کے بارے میں کئی ایسی روایات بھی نقل کی ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ وہ سائی ایکسارز شاہی خاندان کی نسل میں سے تھا ، اور آخری مادی بادشاہ آستیاگ نے اپنی مرضی سے ، اپنی بیٹی ، ماندینی ، اس کے باپ کیبیس سے بیاہ دی تھی ، جو فارس کے نوابوں میں سے بہت ممتاز تھا کیونکہ نجومیوں نے اس کے ایک خواب کی تعبیر میں اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنی بیٹی مادی شہزادوں میں سے کسی ایک سے نہ بیاہے(۱) ۔ یہی روایت ، اس بات کا پتا بھی دیتی ہے کہ جب ماندینی ، کیبیس سے بیاہی گئی ، اور اس کے ہاں سائرس پیدا ہوا تو بوڑھے بادشاہ ، آستیاگ نے ایک اور خواب دیکھا اور اس خواب کی تعبیر میں نجومیوں نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ اپنے نواسے کو قتل کر دے کیونکہ وہ اس سے اس کی سلطنت چھین لے گا ۔ بادشاہ آستیاگ نے نوسولود بچے کو اس کی ماں سے چھین کر جلاد کے سپرد کر دیا ، لیکن جلاد ، شہزادی کی ماںتا اور بچہ کی معصومیت کی بنا پر بچہ کو مار نہ سکا اور اسے چھپا کر ایک گڈریے کے پاس لے آیا جہاں سائرس گڈریے کے بچے کی طرح پلا(۲) ، اور پھر خفیہ طور پر اپنی ماں کے پاس پہنچا دیا گیا جس نے اسے پہچان کر اپنے سینہ سے لگا لیا اور بوڑھے بادشاہ سے سفارش کی کہ اس پر رحم کھائے ۔ سائرس کی جان بخشی ہوئی مگر شرط ٹھہری کہ وہ جوان ہونے تک ، ان لونڈوں میں شریک رہے گا جو بادشاہ کو شراب پلاتے ہیں (۳) ۔

یہاں پہنچ کر یہ روایت بھی پہلی اس روایت سے مل جاتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ سائرس ساقی لڑکوں کی صف میں شامل تھا ۔

ان دونوں داستانوں کی سچائی اور جھوٹ کی پرکھ کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہیں ہے بجز اس کے کہ دونوں روایتوں میں یہ بات مشترک ہے کہ وہ شاہی محل میں کسی نہ کسی طریقہ سے پہنچا دیا گیا تھا ۔

۱- سپیگل ، ایران ، جلد اول ، ص ۱۴۷–۱۵۷ ۔ مولر جلد ۳ ۔ ۳۹۷–۴۰۶ ۔

۲- ہیروڈوٹس ۔ سپرا ، ص ۴۹۶ حاشیہ نمبر ۱ ۔ بیو ، ص ۹–۱۰ ۔

۳- پاسنگ آف امپائرز ، ص ۵۹۸ ۔

اس سے خیال ہوتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ماندینی شہزادی کے بطن سے ہونے کی داستان صحیح ہو ، اور یہی وہ شہزادی ہو ، جو اس کی اصلیت کو چھپا کر ، اسے شاہی محل میں لے آئی ہو کہ ماتا کی آنکھ آنسو تو بہائے مگر چھم چھم نہ روئے ۔

پروفیسر ماسپرو نے گو یہ ساری روایات اپنی کتاب میں دھرا دی ہیں تاہم ان کو یقین ہے کہ ان میں سے کوئی روایت بھی حتمی طور پر درست نہیں کہی جا سکتی ۔ ان کے نزدیک زیادہ صحیح اور قرینِ قیاس وہ روایت ہے جس کی رو سے سائرس ، انشان (فارس) کا شہزادہ تھا اور اپنے باپ کیبیسس کی موت پر ۵۸–۵۵۹ قبلِ مسیح میں تخت نشین ہوا تھا ، اس نے ۵۵۲–۵۵۳ قبلِ مسیح میں ، آستیاگ سے لڑائی لڑی اور اسے شکست دی ۔ اس شکست کے بعد مادی فوج نے ، اپنے شکست خوردہ بادشاہ کو فاتح سائرس کے حوالے کر دیا ، اور دو سال بعد یعنی ۵۵۰ قبلِ مسیح میں سائرس نے آستیاگ کی جگہ اسباٹانہ کے تخت پر جلوس فرمایا ۔

پروفیسر ماسپرو کے نزدیک سائرس اور آستیاگ کی مثال ، ان دو شخصوں کی ہے جن کا تعلق ایک ہی خاندان سے ہو ، جن میں سے ایک نااہل ہو اور ایک اہل اور وقت پر نا اہل کی جگہ اہل لے لے ۔ فاضل ماسپرو سائرس کی تخت نشینی کو تبدیلیٔ شخصیت کا نام دیتے ہیں ، نہ اسے بغاوت ٹھہراتے ہیں اور نہ اسے پہلے سے مختلف حکومت قرار دیتے ہیں ۔ ان کے نزدیک میڈی اور پرشن ، دونوں آریائی الاصل تھے ، اور ان کی حیثیت ، ایک درخت سے پھوٹی ہوئی دو شاخوں کی تھی(۱) ۔ یوں بھی سائرس کے تخت نشین ہونے سے مادی عوام اور سربراہوں کو کوئی سیاسی نقصان نہ پہنچا تھا ۔ البتہ مادی فوج میں اب پارسیوں کے گروہ بھی شامل ہوگئے تھے ، اور دونوں قبیلوں کی متفرق قوتیں یکجا ہوگئی تھیں ۔ آستیاگ اور اس کے پیشروؤں کی طرح سائرس نے بھی ، پارسیوں اور میدوں کے بادشاہ کا لقب پایا اور دونوں قبیلوں کے سربراہوں کو اپنے دربار میں ایک جیسی جگہ دی ۔ البتہ تقدم ، تاخر کا فرق لازماً پڑا تھا ۔ آستیاگ اور اس کے آبا و اجداد ، مادوں ، (میڈوں) اور پارسیوں کے بادشاہ کہلاتے تھے ،

۱- ماسپرو ، پاسنگ آف امپائرز ، ص ۶۰۰ ۔

سائرس کے لقب میں پہلے پارسی اور پھر میدی کا نام آتا ۔

مزید براں اگر پہلی وہ داستان جو ہیروڈوٹس جیسے بڑے یونانی مؤرخ کے قلم سے لکھی گئی ہے ، درست ہے کہ سائرس ، آستیاگ کی بیٹی ، ماندینی کے بطن سے پیدا ہوا تھا (۱) تو اس طرح وہ مادی بھی تھا اور پارسی بھی ۔ پھر جب اس نے ایک عظیم فاتح کی حیثیت سے تمام مشرق کو روند ڈالا ، اور مصر کے سوا ، ساری قدیم مشرق حکومتوں کے چراغ گل کرنے کے لیے کبھی عراق ، کبھی شام ، کبھی فلسطین ، کبھی ترکستان ، کبھی کابل ، کبھی سیستان اور بلوچستان اور وادیٔ سندھ پر چڑھ آیا ، تو میدی بھی اسی طرح اس کے ہم رکاب تھے جس طرح سے پارسی ۔ میدی سپاھیوں کے چہرے ، اس کی فتوحات پر اسی طرح لال گوں ہو جاتے تھے جس طرح کہ پارسیوں کے ہوتے ، اور وہ غنیمتیں سمیٹتے وقت سائرس کی طرف ایک جیسی احسان مندانہ اور مفتخرانہ نگاہیں اٹھاتے ۔

پروفیسر ، اے ۔ جے ۔ آربری نے جو میراثِ ایران کے مصنف ہیں ، کوروش یا سائرس کو بڑے واضح الفاظ میں میدی نسل کا فرد ٹھیرایا ہے اور کہا ہے کہ ''کوروش نے میدیا والوں کو جو اس کی نسل سے تھے ، اپنی حکومت میں بہت محترم گردانا ۔ چنانچہ اس کی سلطنت میدیا والوں اور فارس والوں کی سلطنت کہلاتی ہے (۲) ۔

یہ میدیا والوں کی سلطنت تھی یا فارس والوں کی ، یا اس میں دونوں برابر کے شریک تھے ، ہمیں اس سوال کے جواب سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں ہے ، ہمارے نزدیک تو صرف اتنی بات اہم ہے کہ سائرس نے جب مصر کے سوا سارے وسطی مشرق ممالک پر فتح پا لی تو وادیٔ کابل کو اپنے پاؤں تلے روندتا ، سندھ کے بالائی حصہ میں آن پہنچا تھا ۔

شمال مغربی علاقہ پر سائرس کے حملے سے متعلق ، مؤرخین نے مختلف بیانات دیے ہیں ۔ ایج آف امپیریل یونیٹی کے مصنف نے اس سلسلہ میں نسبتاً زیادہ موزوں گفتگو کی ہے ۔ اس کا بیان ہے کہ قدیم مستند دستاویزات کے مطالعے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ میڈو پرشن

۱۔ ہیرو ڈوٹس جلد اول باب بیالیسواں ۔ سپرا ، ص ۵۸۸ ۔
۲۔ میراثِ ایران ، ص ۷ ۔

بادشاہت ، جو اس صدی میں مغربی ایشیا کی سب سے بڑی قوت تھی ، اپنے بادشاہ سائرس کے وقت میں ہندوستان سے الجھی ۔ اس الجھاؤ کی تفصیل ، ہیروڈوٹس ، کیٹس ، ایکس اینوفن ، سٹریبو اور ایرین نے بہم پہنچائی ہے ۔

مثلاً مشہور یونانی مؤرخ ہیروڈوٹس کہتا ہے کہ سائرس کی مشرق فتوحات میں درانگیانہ ، ساتاگیدا اور گندھارا کی فتح بھی شامل تھی (۱) اور یہ اضلاع ، ایران اور ہندوستان میں حدِ فاصل تھے ۔ کیٹس کا تو بیان ہے کہ سائرس کی موت اس زخم سے ہوئی تھی جو اسے ایک ہندوستانی سپاھی نے پہنچایا تھا ۔ یہ لڑائی جس میں سائرس کو یہ مہلک زخم پہنچا ، ڈربیکس اور سائرس کے مابین لڑی گئی تھی اور اس میں سندھی بھی شامل تھے"(۲) ۔

ایج آف امپیریل ڈونیٹی کے مصنف نے کیٹس کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ڈربیکس سرحدی قبائل میں سے تھے(۳) ۔

سیاح ایکس اینوفن نے اس بیان میں اس قدر اور اضافہ کیا ہے کہ سائرس نے نہ صرف باختریوں کو اپنے تابع کر لیا تھا وہ سندھیوں پر بھی غالب آ گیا تھا اور اس کی قلمرو کا دامن بحرِ ہند تک پھیل گیا تھا(۴) اور ایک ہندوستانی بادشاہ نے اسے خراج دینا شروع کر دیا تھا ۔

خراج کی اس ادائیگی سے بعض مؤرخین کو خیال ہوا ہے کہ سائرس نے سندھ اور ایران کے سرحدی اضلاع فتح کر لیے تھے ۔

یوں ، سکندر مقدونی کے ساتھی یونانی مصنفین اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ سائرس نے پنجاب و سندھ کے کسی حصے پر فتح پائی تھی ۔ مثلاً ایرین نیرچس کے حوالے سے کہتا ہے کہ سائرس کو سندھ کی فتح کے سلسلے میں ، بلوچستان (گڈروشیا) کے صحرا نے ناک چنے چبوا دیے اور اس کی ساری کی ساری سپاہ ، اس لق و دق صحرا کو عبور کرتے وقت فنا کے

۱- ہیرو ڈوٹس ، جلد اول ، ص ۱۵۳ ۔
۲- گلمور اقتباس ۳۷ ۔
۳- ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۳۹ ۔
۴- سائرو پیڈیا (Cyropedia) جلد اول ، ص ۱ - ۴ ۔

گھاٹ اتر گئی (۱) ۔

ایرین ھی میگستھیس کی رائے نقل کرتا ھؤا کہتا ھے کہ الیگزنڈر سے پہلے کسی دوسرے فاتح نے ، ھندوستان کو پامال کرنے کا شرف نہیں پایا (۲) ۔

ایج آف امپیریل یونیٹی کے مصنف کے نزدیک ، یونانی سیاحوں کی اس رائے کی بنیادی وجہ یہ ھے کہ وہ دریائے سندھ کو ان دنوں کے پنجاب کی مغربی سرحد سمجھتے تھے ، اور ان کا خیال تھا کہ دریائے سندھ پر ، پنجابی سلطنت کے مغربی حدود ختم ھو جاتے ھیں اور یہ حقیقت ھے کہ سائرس کی فتوحات سندھ تک محدود رھی تھی ۔ اس نے سندھ کو عبور نہیں کیا تھا ۔ اس سلسلے میں پلینی کی یہ شہادت بڑا وزن رکھتی ھے کہ سائرس گھور بند وادی تک پہنچا اور اس نے کیپیسیا یا کیپیس کو فتح کیا تھا ۔

خود ایرین کا اپنا بیان ھے کہ پنجاب کے جو لوگ دریائے سندھ اور دریائے کابل کے درمیانی علاقے میں رھتے تھے ، پہلے اسیریوں کے ماتحت تھے پھر میدی ان پر غالب آئے اور پھر سائرس نے ان پر تسلط پایا (۳) ۔

ایڈمیئر نے اس سلسلہ میں یہ کہ کر تطابق اور توازن پیدا کرنے کی کوشش کی ھے کہ سائرس نے ھندوکش کے آس پاس آباد لوگوں ، کابل وادی کے باشندوں اور گندھاریوں کو زیرِ نگین کر لیا تھا ۔

عجیب سے عجیب تر بات ھے ، ایک طرف تو ایرین ، میگستھیس کے حوالے سے کہتا ھے کہ سکندر مقدونی سے پہلے کسی بیرونی بادشاہ نے ھندوستان کی زمین روندنے کا شرف نہیں پایا تھا ، دوسری طرف واضح الفاظ میں بیان کرتا ھے کہ قدیم زمانہ میں ، سندھ کے مغربی اضلاع ، دریائے کابل تک پہلے اسیریوں کے ماتحت تھے ، پھر میدی ان پر غالب آئے اور پھر سائرس نے ان پر فتح پائی (۴) ۔

۱- ایرین حصہ ششم ص ۲-۳ ۔
۲- ایرین انڈیکا باب نہم ص ۱۰ ۔
۳- ایج آف امپیریل یونیٹی ص ۴۰ مطبوعہ بمبئی ۔
۴- پولیٹیکل ھسٹری آف اینشنٹ انڈیا ۔ ص ۱۹۰ ۔

فصل سوئم

دارا اول ۵۲۲ ـ ۴۸۶ ق م

اگر حقیقت پوچھی جائے ، تو دارا اول ہی دراصل ، وہ ایرانی تاجدار ہے ، جس نے حتماً ارضِ مغربی پاکستان میں اپنی حکومت قائم کی تھی اور پوری کی پوری وادیٔ سندھ اور ارضِ پنجاب کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا تھا ۔

خونی تعلق کے لحاظ سے ، دارا اول ، سائرس اور اس کے بیٹے اور جانشین کیبیسس کا وارث نہ تھا اور اگر اس کے ساتھی نواب ، جن کے ساتھ مل کر اس نے کیبیسس کے قاتل گئوماتا کے قتل کی کامیاب سازش کی تھی ، اسے بادشاہت کے لیے انتخاب نہ کر لیتے تو بادشاہت وراثتاً اس تک نہ پہنچتی ۔

پروفیسر ماسپرو کی رو سے گئو ماتا نامی ایک ماگی نے جب جعل سازی سے کام لے کر ، کیبیسس کے خون سے ہاتھ رنگے اور اس کی جگہ لے لی تو پارس کے نواب سخت مشتعل ہوئے اور گئو ماتا کے محل میں پہنچ کر اسے قتل کر دیا اور آپس میں شرط کی ، ان ساتوں میں سے جس کا گھوڑا زیادہ تیز رفتار ہوگا اور منزلِ مقصود تک پہلے پہنچ جائے گا وہی تاجدار ہوگا ۔

قسمت نے دارا کا ساتھ دیا ، اس کا گھوڑا سب سے پہلے منزلِ مقصود تک پہنچا اور ساتھیوں نے بلا حیل و حجت اس کے سر پر تاج رکھ دیا ۔

اس آسانی سے تاج حاصل کر لینے کے باوجود ، دارا کو ، قدم قدم پر لڑنا پڑا ، کیونکہ ماگی کے قتل ہوتے ہی ، قریب قریب ساری قلمرو میں بغاوت پھوٹ نکلی تھی ۔ خصوصیت سے شوش اور بابل میں تو نئی حکومتیں اس وقوعے سے پندرہ دن بعد ہی قائم ہوگئی تھیں ۔

پروفیسر ماسپرو ، بجا فرماتے ہیں کہ اگر دارا معمولی صلاحیتوں کا مالک ہوتا ، تو بغاوتوں کی خبریں اس کے حوصلے توڑ دیتیں ، لیکن جیسے

جیسے بغاوتیں بڑھتی گئیں ، دارا کے حوصلے جوان ہوتے گئے اور اس نے ایک ایک کر کے ہر بغاوت کا سر کچلا اور از سر نو (۱) پوری مملکت فتح کی ۔ اس نے نہ صرف سائرس اورکیبیسس کے زمانے کے حدود بحال کر لیے اپنی قلمرو کی سرحدیں ، پورے مشرقِ وسطیٰ میں پھیلا دیں ۔ وہ صحرائے عرب ، اروسہ بنت ، مآب ، عمان ، وادیٔ دجلہ و فرات اور مصر کا تاجدار بھی تھا ۔ بابل ، شوشہ ، عیلام اور درۂ خیبر تک کی زمین بھی اس کی ملکیت تھی (۲) ۔

ایج آف امپیریل یونیٹی کی رو سے ، دارا نے کتبہ بہشتون میں ارضِ مغربی پاکستان کو چونکہ اپنی قلمرو کا حصہ ظاہر نہیں کیا اور یہ کتبہ اس نے ۵۲۰ ، ۵۱۸ ق م میں کندہ کرایا تھا اس لیے گمان ہوتا ہے کہ اس وقت تک یہ ملک فتح نہیں ہؤا تھا ۔

غالباً یہ ملک اس نے ۵۱۸ ق م کے بعد فتح کیا تھا ۔ اس کی شہادت نقشِ رستم اور پرسی پالی کے کتبات سے ملتی ہے ۔ یہ دونوں کتبات اس نے ۵۱۵ سال قبل مسیح میں کندہ کرائے تھے اور ان دونوں کتبات میں ہندو ، یعنی سندھو (شمالی پنجاب) اس کی قلمرو کا ایک صوبہ قرار دیا گیا ہے (۳) ۔

وی بال کا بیان ہے کہ نقشِ رستم میں ، اس سمت کے جن علاقوں کے نام لکھے ہیں وہ علی الترتیب یہ ہیں ۔ گندھارا (گدھارا) صغدانیہ ، ساکا (سکیھتا) بختریہ ، بلخ اور بلیکہ ۔

شوش کے شاہی محل کے ایک کتبے میں لکھا ہے کہ اس محل میں جو لکڑی استعمال کی گئی وہ گندھارا سے آئی تھی ۔

اس کے علاوہ ہمدان کی تختیوں پر بھی دارا کی قلمرو کے جن اضلاع کا نام لکھے ہیں ، ان میں سندھو کا نام بھی ہے ۔

یہ ساری شہادتیں جو مؤرخین کے نزدیک انتہائی ٹھوس شہادتیں ہیں اس امر کی معلن ہیں کہ وادیٔ سندھ کبھی دارا کی ملکیت تھی

۱۔ ماسپرو ، پاسنگ آف امپائرز ، ص ۶۸۲ ۔
۲۔ ماسپرو ، پاسنگ آف امپائرز ، ص ۶۸۷ ۔
۳۔ ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۴۰ مطبوعہ بمبئی ۱۹۵۱ ۔

گو ایچ آف امپیریل یونیٹی کے مؤلفین نے اس اعتراف میں حد درجہ تامل برتا ہے اور فقہا کے سے انداز میں ، اس ملکیت کی تاویلیں کی ہیں ۔ لفظ '' ہندو '' کو سندھو ٹھیرایا اور اسے وادیٔ سندھ تک محدود کیا ہے ۔ تاہم یہ ایک بڑی مستند حقیقت ہے کہ یہ ملک دارا کا باج گزار تھا اور اس کو دارا کے زمانہ میں دریائے سندھ کی وجہ سے سندھو کہتے تھے ۔

دارا کے متعدد کتبات کے علاوہ ہیرو ڈوٹس نے بھی یہی شہادت دی ہے ۔ ہیرو ڈوٹس کے نزدیک سندھ دارا کی قلمرو کا بیسواں سٹراپی یا صوبہ تھا اور اس سے جو خراج وصول ہوتا ، وہ دارا کی کل آمدنی کا تیسرا حصہ تھا ۔ ایچ آف امپیریل یونیٹی کے مصنف اور وی بال کے نزدیک اس خراج کی مالیت دس لاکھ پونڈ تھی(۱) ۔

مؤرخ ہیرو ڈوٹس کی رو سے دارا نے ۵۱۷ قبلِ مسیح میں سکائی لیکس نامی بحری سپہ سالار کو حکم دیا تھا کہ دریائے سندھو کے سینے پر سوار ہو جائے اور اس کا طول و عرض ناپ کر بادشاہ کے حضور مکمل رپورٹ پیش کرے ۔

ایچ آف امپیریل یونیٹی کے مصنف کا گمان ہے کہ اگر وادیٔ سندھ دارا کے زیرِ اقتدار نہ تھی تو پھر سکائی لیکس کو یہ حکم نہ ملتا ، پہلے وادیٔ سندھ فتح کی جاتی اور پھر دریائے سندھ کی پیمائش ہوتی ۔

فاضل راپسن کا خیال ہے کہ دارا نے ۵۱۶ قبلِ مسیح میں سندھ فتح کیا تھا ، اور وہ مہم جو سکائی‌لیکس کے ماتحت دریائے سندھ کی پیمائش پر مامور ہوئی تھی فتح سندھ کے ابتدائی مرحلے کی حیثیت رکھتی تھی ۔ پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا کے مصنف را چودھری نے غالباً راپسن کے اس نظریہ کو بنیاد مان کر یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اس وقت تک سندھ فتح نہیں ہوا تھا (۲) ۔

ہیرو ڈوٹس کی رو سے یہ مہم جو سندھ کی پیمائش پر مامور ہوئی تھی کیسپا ٹیروس شہر سے جو دریائے سندھ کے کنارے پر واقع تھا ، جہازوں

۱- وی ۔ بال انڈین اینٹیک اگست ۱۸۸۴ء ۔ ایچ آف امپیریل یونیٹی ، ص ۱۔۴۔۲۲ ۔ ہیرو ڈوٹس جلد ۳ ، ص ۹۴۔۹۸۔۱۰۲ ۔

۲- پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا ، ص ۱۶۱ ۔

کے ذریعہ آگے کو چلی ، اور سمندر تک پہنچ گئی ۔

ہیرو ڈوٹس ہی کا بیان ہے کہ جب یہ مہم واپس آئی تو دارا نے ، فتحِ سندھ کے انتظامات کیے اور اسے فتح کر کے اپنی قلمرو میں شامل کر لیا (۱) ۔

ہیرو ڈوٹس کی یہ رائے ، بہر حال متاخرین کے نظریات پر تقدم رکھتی ہے ۔ اس لیے تاریخی احتیاط کا تقاضا ہے کہ فتحِ سندھ کو ۵۱۶ قبلِ مسیح کے بعد کا وقوعہ قرار دیا جائے ، اور ایج آف امپیریل یونیٹی کے مؤلف کی رائے صحیح نہ سمجھی جائے ۔

یہ روایت بھی ہیرو ڈوٹس کی ہے کہ گندھارا ، دارا کی قلمرو کا ساتواں سٹراپی تھا اور ہندو یا سندھو بیسواں ۔ اس روایت کے معنیٰ اس کے سوا کچھ اور نہیں ہیں کہ گندھارا ، جو پشاور اور راولپنڈی کے علاقہ پر مشتمل تھا ، سندھ سے الگ صوبہ تھا ، اور ان علاقوں میں سے تھا جن کی خاطر دارا نے ہتھیار اٹھانے کی تکلیف نہیں کی تھی ، اور جو پہلے سے مفتوح تھے ۔

اس روایت سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ گندھارا کے لوگ غالباً بار بار وفا بدلنے کے عادی نہ تھے اور انھوں نے کیبیسس کے خلاف بغاوت نہیں کی تھی ۔

ہیرو ڈوٹس ، اس امر کا بھی راوی ہے کہ دارا کے زمانے میں ، وادیٔ سندھ کے مشرقی حدود ، راجپوتانہ کے صحرا تک محدود تھے (۲) ۔

دارا کے بعد جب اس کا بیٹا خشا یارشا (ایکسکرکس) تخت نشین ہؤا ، تو بھی گندھارا اور سندھ ، یا ''ہند'' کے یہ دونوں علاقے ایرانی حکومت کے تابع فرمان رہے ۔ کسی ایک نے بھی بغاوت نہیں کی ، بلکہ ہیرو ڈوٹس تو کہتا ہے کہ خشا یارشا کو جب یونان سے لڑنا پڑا ، تو اس کی فوج میں ''گندھاری'' اور ''سندھو'' ڈویژن بھی شامل تھے ۔ گندھاری سپاہیوں کے پاس بید کی کمانیں تھیں اور چھوٹے چھوٹے بھالے تھے ، اور سندھی بید کی کمانوں سے مسلح تھے اور ان کے تیروں میں لوہے کی ''انیاں''

۱۔ میک کرنڈلے اینشنٹ انڈیا ، ص ۴-۵ ۔

۲۔ ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۴۲ ۔

نصب تھیں ، اور ان کے لباس سوتی کپڑے کے تھے (۱) ۔"

یہ خیال کہ ان دنوں ٹیکسلا کو پہلے سی اھمیت حاصل تھی ، اس کتبے سے تقویت پاتا ھے ، جو کھدائی کے وقت برآمد ہوا ھے ۔ یہ کتبہ آرامی رسم الخط میں ھے ، اور چوتھی یا پانچویں صدی قبلِ مسیح سے متعلق ھے ۔

لیکن ایسا معلوم ہوتا ھے کہ دارا ثالث کے عہد میں ، (۳۳۰—۳۳۵ قبلِ مسیح) سندھ میں ایرانی اقتدار محض برائے نام یا برائے وزنِ بیت تھا ۔

ہم نے یہ رائے اس بنا پر قائم کی ھے کہ سکندر مقدونی کے ساتھی یونانی مؤرخوں نے سکندر مقدونی کی تشریف آوری کے وقت ، جن پنجابی سندھی ریاستوں کے نام گنوائے ہیں ، وہ اٹھائیس سے کم نہیں ہیں ۔ ان میں سے کئی شخصی ہیں اور کئی جمہوری ۔

ہمارا خیال ھے کہ دارا اول کے بعد ، ایرانی بادشاہوں کی گرفت کافی کمزور ہوگئی تھی اور امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اس میں مزید کمزوری پیدا ہوتی گئی ، اس کے باوجود ایرانی بادشاہت کو بالکل حضرت سلیمان علیہ السلام کے روایتی عصا کی حیثیت حاصل رہی اور اس کا رعب داب ، خواہ کھوکھلا ہی تھا آخر وقت تک اس حد تک قائم رہا کہ کسی حوصلہ جو کو یہ حوصلہ نہ ہؤا کہ گندھارا اور پنجاب و سندھ میں ایک ایسی بڑی ریاست قائم کر لے ، جو ایرانی تسلط سے آزاد بھی ہو اور متحد بھی ۔

اور اگر کوئی ایسا شخص پیدا ہوتا تو غالباً پنجاب اور سندھ کے یہ چھوٹے چھوٹے ، نیم آزاد امرا ، نواب اور جاگیردار ، جو بظاہر ایرانی تاج کے وفادار تھے اور بباطن خود مختار تھے ، اس کے راستے میں ایک تو خود ہی کانٹے بچھا دیتے ، دوسرے ایرانی وائسرائے کے جھنڈے تلے جمع ہوکر اس سے جنگ کرتے ، کیونکہ یہ جنگ ، ان کی خود مختاری کی جنگ تھی (۲) ۔

۱- پولیٹیکل ھسٹری آف اینشنٹ انڈیا ، ص ۱۶۲ ۔ رالنسن انڈیا ، ص ۵۴-
جے ۔ آر ۔ اے ۔ ایس (۱۹۱۵ء) ، ص ۳۴۰—۳۴۷ ۔

۲- پولیٹیکل ھسٹری آف اینشنٹ انڈیا ، ص ۱۶۲ ۔

ہمارے اس خیال کی اساس ، ایرین کی وہ روایت ہے جس میں وہ بیان کرتا ہے کہ جب سکندر مقدونی باختر کی سرزمین میں اترا اور باختر کے ایرانی وائسرائے بسیصوص نے اس کی راہ روکی تو اس کے ساتھ گندھاری فوج بھی تھی اور سندھی فوج بھی ۔ سندھ کے کئی نوابوں نے اس بیرونی مداخلت کے خلاف ایرانی وائسرائے کی مدد کی تھی(۱) ، یہ سندھی نواب اور امرا ، دارا کی لڑائی لڑنے کے لیے اپنے ساتھ پندرہ ہاتھی بھی لائے(۲) تھے اور خاصے مشتعل معلوم ہوتے تھے ۔

بہر حال جب سکندر مقدونی نے اس سمت یلغار کی تو یہاں ۲۸
نیم خود مختار ریاستیں قائم تھی اور ان کا سیاسی رشتہ ایرانی حکومت سے ابھی پوری طرح ٹوٹا نہ تھا ۔

۱- ایرین مرتبہ چنوک ۔

۲- ایضاً ، ص ۱۳۲—۱۳۳ ۔ رالنسن انڈیا ، ص ۵۴—۵۶ ۔ ہیرو ڈوٹس جلد ۷ ، ص ۶۵ ۔

فصل چہارم

ایرانی دور میں نیم خود مختار ریاستیں

ہمارے نزدیک یہ باب اس وقت تک تشنہ رہتا ہے، جب تک ان نیم خود مختار ریاستوں کا مختصر حال بیان نہ ہو جائے، جس کی طرف پچھلی فصل میں اشارہ کیا گیا ہے۔

۱- ان میں سے پہلی ریاست کنہار، بجور اور علی شنگ کے علاقے پر مشتمل تھی۔ یہ کابل وادی سے ملحق ہونے کے باوجود، خود مختار تھی۔ اس کے باشندے زیادہ تر ایرانی الاصل تھے اور اسپی کہلاتے تھے۔ ایرین کے نزدیک، ان کی خود مختار ریاست کا پایۂ تخت کنہار نامی شہر میں تھا جو دریائے کنہار کے کنارے پر واقع ہونے کے سبب، کنہار کہا جاتا۔ دوسرے اہم شہروں کے نام اندا کا اور آروی گیؤم تھے (۱)۔

یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ یہ ریاست جس کا سربراہ، کنہار نامی شہر میں رہتا تھا، ایرانی تاجدار کو کوئی خراج ادا کرتی یا نہ کرتی اور آیا، اس کے تعلقات اس کے ہمسایوں سے کس نوعیت کے تھے۔ بہرحال یہ بہت چھوٹی سی ریاست تھی اور اس کا حدود اربعہ دریائے کنہار اور سوات کے مابین محدود تھا۔

۲- اس سے ملحقہ ریاست "گوریوں" یا پنج کوریوں کی تھی جو اسپیوں کی طرح خود مختار تھے۔ یہ پنج کوری، دریائے پنج کورہ کی طرف منسوب تھے اور ان کے حدود اسپیوں کے علاقے اور سواتیوں اور بنیریوں کے ضلع کے مابین واقع تھے (۲)۔

۱- پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا، ص ۱۶۴ - پینینی حصہ چہارم، ص ۱۷۳ -

۲- انویژن آف الیگزانڈر، ص ۳۷۸ -

۳- اس علاقے کی بڑی ریاست ، سواتیوں اور بنیریوں کی تھی جن کا سربراہ نہ صرف خود مختار تھا بلکہ بڑے ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ موجودہ مالا کنڈ ایجنسی کے قریب کے ایک مقام مساگ میں رہتا تھا ۔ اس کی رعایا کے لوگ زیادہ تر اساکا یا اسواکا خاندان سے تھے ، اور بڑے جنگجو اور لڑاکے تھے ۔ اساکا بادشاہ کے پاس ایک بڑی منظم اور مرتب فوج تھی ۔ جس میں بیس ہزار سوار تھے اور تیس ہزار پیادے ۔ وہ تیس ھاتھی بھی رکھتا تھا ۔

دریائے بنیر اور دریائے سوات سے سیراب ہونے والی یہ قدیم ریاست ، اس ماحول کی سب سے بڑی ریاست تھی اور موجودہ ریاست سوات اور بنیر کے علاقوں پر مشتمل تھی ۔

۴- اس سے ملحقہ پہاڑوں میں جو غالباً چترال کے پہاڑ تھے نیسا ریاست قائم تھی ۔ ابرین کے نزدیک یہ ریاست کسی یونانی خاندان کی ملکیت تھی ۔ نیسا ، اس کا سب سے بڑا شہر تھا جو سر ہولڈچ کی رو سے ان دنوں کے کوہی مار کے ڈھلوانوں کے قریب ھی کہیں واقع تھا ۔ یہ ریاست کسی ایک شخصیت کے ماتحت نہ تھی ۔ تین سو چودھریوں کی ایک جماعت کے تابع تھی جس کا صدر سکندر مقدونی کے حملے کے وقت کوئی اکوفس تھا (۱) ۔

۵- نیسا سے اگلی ریاست ، پیوکیلوٹی یا پشکراوتی تھی جو ابرین کے نزدیک اس راستے پر واقع تھی جو کابل سے دریائے سندھ کو آتا تھا یا زیادہ واضح لفظوں میں یہ وہ علاقہ تھا جہاں دریائے کابل دریائے سندھ میں آن کر گرتا ہے ۔ موجودہ دور میں یہ پشاور کی تحصیل چار سدہ پر مشتمل ھے جو پشاور سے تقریباً سترہ میل دور ھے ۔ سکندر مقدونی کے وقت اس کا بادشاہ اشتک خود مختار تھا اور اس نے مقدونی کے سپہ سالار ''ہیفیسٹن'' سے مقابلہ کیا ، شکست کھائی اور مقتول ھوا تھا ۔

غالباً پشاور کو اس زمانے میں کوئی زیادہ حیثیت حاصل نہ

۱- ابوبرن آف الیگزانڈر ، ص ۸۱ - پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا ، ص ۱۶۵ - ابرین مرتبہ جھولر ص ۲۹۹ ۔

تھی ۔ اس کی نسبت چار سدہ کہیں زیادہ اہم تھا ۔ وہیں کہیں شاہی قیام گاہ بھی تھی ۔ اس ریاست کے حدود ، گو ایرین نے واضح نہیں کیے تاہم خیال ہوتا ہے کہ ایک طرف سے پشاور تک دراز تھے اور دوسری طرف سے مردان تک اور اس سے ملحقہ ٹیکسلا کے حدود تھے ۔

۶۔ ٹیکسلا کا ذکر پیچھے بھی ہو چکا ہے اور آگے بھی ایک مستقل عنوان کے ماتحت ہوگا ۔ اس لیے ہم یہاں صرف اتنا اشارہ کریں گے کہ سکندر مقدونی نے جب وادیٔ سندھ میں قدم رکھا تو وہاں امبھی خاندان خود مختار تھا، اور امبھی راجہ اور جہلم کے پورس اور ابی سارا میں سخت دشمنی تھی ۔ اسی وجہ سے ، سکندر مقدونی نے جب باختر فتح کیا ، تو امبھی ولی عہد اس کے حضور جا پہنچا اور اسے ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی ۔ مزید براں اس کو ہندوستان کی ریاستوں سے متعلق ضروری معلومات بہم پہنچائیں ۔

یہ بھی بیان ہوا ہے کہ امبھی شہزادہ ہی سکندر کا رہنما بنا تھا اور اسے راستے کی مشکلات سے بچاتا وادیٔ کابل میں لے آیا تھا ۔ (تفصیل آگے بیان ہوگی) ۔

بہر حال ٹیکسلا ان دنوں ایک آزاد ریاست کا پایۂ تخت تھا اور اس ریاست کا مالک امبھی خاندان تھا ۔

ان دنوں ٹیکسلا کوئی بڑی ریاست نہ تھی ۔ وہ چار سدہ کی پشکاروتی ریاست اتنی ہی تھی ۔ یوں اس وقت بھی علمی لحاظ سے ٹیکسلا کو سارے ہندوستان کے شہروں پر پہلے ہی کی طرح تقدم نصیب تھا ۔

سٹریبو نے ٹیکسلا کی بہت تعریف کی ہے اور اسے عظیم ترین شہر ٹھہرایا ہے (۱) ۔

۷۔ ٹیکسلا سے متصل ریاست ابی سارا بھی کچھ کم اہم نہ تھی ۔ وہ موجودہ ریاست پونچھ اور نوشہرہ کے پہاڑی ماحول میں واقع تھی ،

۱۔ پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا ، ص ۱۶۵ ۔ انویژن آف الیگزانڈر ، ص ۸۱ ۔ ایرین مرتبۂ چنوک ، ص ۴۰۳ ۔

اور دریائے جہلم اور دریائے چناب کے درمیان کا سارا پہاڑی علاقہ اس کے ماتحت تھا ۔

سکندر مقدونی کے وقت اس نے بھی ٹیکسلا کے ابھی راجے کی طرح فاتح کے حضور سفارش بھجوائی اور لڑائی کی بجائے عظیم تاجدار سے دوستی اختیار کی ۔

۸۔ اوراسہ بھی ان دنوں خود مختار سلطنت تھی اور موجودہ ضلع ہزارہ پر مشتمل تھی ۔

۹۔ آج کا ضلع جہلم ، گجرات اور شاہ پور ، ان دنوں بڑے پوروں کے تابع تھا ۔

سٹریبو اور ڈیڈوروس نے پوروں کی اس ریاست کی جو تفصیل بیان کی ہے ، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دوسری ریاستوں کی نسبت بڑی بھی تھی اور طاقت ور بھی تھی اور اس کا بادشاہ اپنے ہمسایوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ بہادر اور جی دار تھا ۔ اس کے پاس ، پچاس ہزار سپاہی ، ایک سو تیس ہاتھی اور ایک ہزار جنگی رتھیں تھیں (۱) اور اس کی ریاست تین سو شہروں یا قصبات پر مشتمل تھی (۲) ۔

۱۰۔ اس سے ملحقہ ریاست کا نام گلوگا نیکئی تھا ۔ جو ٹولمی اور ارسٹوبولس اور ایرین کی رو سے ۳۷ شہروں پر محیط تھی اور اس کا کوئی شہر بھی پانچ ہزار کی آبادی سے کم نہ تھا ، کئی شہروں میں تو دس دس ہزار افراد رہتے تھے (۳) ۔

۱۱۔ گیارھویں ریاست بھی پوروں کی تھی اور مہا جنا پارہ گندھارا کے قدیم شاہی خاندان کی وارث تھی ، تاہم اس کے حدود ، ہمسایہ ریاستوں سے بہت کم تھے ، اور صرف راوی اور چناب کا علاقہ اس کے ماتحت تھا (یعنی وزیر آباد سے لے کر لاہور تک کا علاقہ) یونانی مؤرخین نے اس ریاست کو گنڈاریس کا نام دیا ہے ۔

۱۔ انویژن آف الیگزانڈر ، ص ۲۴۷ ۔
۲۔ ایضاً ، ص ۳۰۱ ۔
۳۔ ایرین مرتبۂ چنوک ، ص ۲۷۶ ۔

۱۲- راوی کے کنارے کنارے جو لوگ آباد تھے یونانیوں نے انھیں اڈراسٹائی کا عنوان عطا کیا ہے ، اور ان کے ایک قلعے سمپ راما کو بڑی اهمیت دی ہے -

۱۳- اس سے ملحقه ریاست سنگاله تھی جو پوروں ھی کے ایک خاندان کی ملکیت تھی -

۱۴- کوهستان نمک کا علاقه بھی ان دنوں خود مختار تھا ، اور سؤ بھٹی سلطنت کے تابع فرمان تھا -

کورٹیوس کے بیان کے مطابق ، یہاں کے لوگ بڑے مہذب اور بااخلاق تھے - قانون کی پابندی کرتے اور رسوم و رواج سے باهر نه جاتے -

۱۵- کوهستان نمک سے متصل بھاگله یا پھیگله ریاست تھی جو راوی اور بیاس کے مابین محدود تھی - گاناپاتھ میں اس خاندان کا ذکر موجود ہے ، اور کہا گیا ہے که یه کشتری نسل سے تھا (۱) -

۱۶- شورکوٹ اور جھنگ کے درمیان کے علاقے بھی خود مختار تھے ، اور رگ وید کے زمانے سے وهاں سبی یا سیوی قبیله برسر اقتدار تھا - یوں وهاں کے آباد کاروں میں الینا ، پکھته ، "بھولاناس" بھلاناس اور ویسانن قبائل بھی رهتے ، اور خاصے معزز و محترم تھے -

جتکا کہانیوں کی وساطت سے هم پیچھے ، سیواپور ، ارتھ پوره ، اور جٹ اترا قصبات کا ذکر کر چکے ھیں - یه قصبات ، سیاسی ، تہذیبی اور تمدنی لحاظ سے ، زمانهٔ قدیم میں بہت اهم رهے ھیں - رگ وید میں بھی ان کا ذکر ہے اور جتکا کہانیاں بھی انھیں خراج عقیدت پیش کرتی ھیں -

پروفیسر ووگل نے شورکوٹ اور جھنگ کے نواح میں سے جو کتبات اکٹھے کیے ھیں ، ان میں سے ایک کتبه میں "سبئی پوره" کا نام کنده ہے - پروفیسر ووگل کا بیان ہے ، که اس وقت شورکوٹ کے قریب جو ٹیله واقع ہے وهیں ، زمانهٔ قدیم کا شهر سبی پوره

۱- پولیٹیکل هسٹری آف اینشنٹ انڈیا ، ص ۱۶۷-۱۶۸ -

تھا اور اگر وہاں کھدائی کی جائے تو سبی یا سیوی قوم کا یہ قدیم مسکن دنیا کی نگاہ کے سامنے آ جائے۔

جب سکندر مقدونی کی فوجیں اس طرف آئیں تو چالیس ہزار سبیوں نے ان کی راہ روکی تھی۔

۱۷- اگال اسوئی، کے حدود سبی سے ملحق تھے اور سبیوں کی طرح یہاں کے لوگ بھی بڑے جنگ جو اور بہادر تھے۔ ان کے پاس اڑتالیس ہزار مسلح فوج تھی۔

۱۸- شد راسی بھی آزاد و خود مختار ریاست کے مالک تھے۔ ایرین کے نزدیک یہ لوگ راوی اور بیاس کے مابین، آباد تھے (۱) اور ان کے مسکن قدیم ہڑپا کے آس پاس، دور دور تک پھیلے تھے۔ شدراسی سیاست، کا رقبہ قریب قریب وہی تھا جو ان دنوں ضلع منٹگمری کا ہے۔ ایرین نے یہاں کے لوگوں کو ہندوستان میں آباد تمام قبائل سے زیادہ بہادر اور جری بیان کیا ہے۔

۱۹- مالوئی، اول الذکر شدراسی قبیلے کے ہمسائے بھی تھے اور حلیف بھی اور راوی کے دونوں کناروں پر، یکساں آباد تھے۔ بڑے سخت لڑاکے اور جنگ جو قسم کے لوگ تھے۔ اپنے سوا کسی غیر کی اطاعت پسند نہ کرتے تھے۔ یوں بھی، ان کے پاس بڑی مرتب اور منظم فوج تھی۔ کورٹیوس کا قیاس ہے کہ شدراسی اور مالوئی، فوج، مشترکہ تھی اور اس کی تعداد ایک لاکھ سے کسی طرح کم نہ تھی، جس میں سے نوے ہزار پیادے تھے اور دس ہزار سوار تھے۔ اس کے علاوہ، مالوؤں کے پاس نو سو جنگی رتھیں تھیں۔

اگر کورٹیوس کی یہ روایت صحیح مان لی جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وادیٔ سندھ میں ان دنوں، مالوئی اور شدراسی فوج سے کوئی اور فوج بڑی نہ تھی اور یہ فوج، ہر اس

۱- انویژن آف الیگزانڈر، ص ۱۰۴- ویدک انڈکس جلد ۲، ص ۳۸۱-۳۸۲
پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا، ص ۱۷۰-

بادشاہ کے کام آتی جو اس سے کام لینا چاہتا (۱) -

۲۰- اس سے ملی ہوئی ریاست کا نام امبشتہ تھا ، وہ بھی خود مختار تھی اور اتنی ہی اہم تھی جتنی کہ مالوئی ریاست -

پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا کے مصنف کی رو سے اس ریاست کا ذکر ارتھ شاستر میں ، بھی موجود ہے اور اسے سندھ کی ایک بہت اہم ریاست بتایا گیا ہے اور پرانوں کی رو سے ، تو اس ریاست کے باشندے ، کشتری تھے اور سیوی یا سبی خاندان کے اعزا میں سے تھے- یہ بھی بیان ہؤا ہے کہ یہ لوگ زیادہ تر کاشت کار تھے(۲) کچھ پیشہ ور صناع اور طبیب بھی تھے -

مقدونی حملے کے وقت ، یہ لوگ خاصے طاقت ور تھے اور ان کا نظام، حکومت جمہوری تھا - ان کی فوج چھیاسٹھ ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی ، جس میں سے ساٹھ ہزار پیادے تھے ، چھ ہزار سوار تھے اور پانچسو جنگی رتھیں تھیں -

۲۱-۲۲- امبشتہ کے ہمسایوں میں ، دو اور قبیلے بہت ممتاز سمجھے گئے ہیں ، ان میں سے ایک کا نام کھتوری اور دوسرے کا اسادیو تھا - میک کرنڈلے کی رو سے یہ دونوں کشتری تھے -

تاہم منو میں ، ان دونوں قبیلوں کو مخلوط اور غیر صالح نسل کے لوگ کہا گیا ہے - غالباً یہ شودر تھے اور سبی ، اور امباشتہ کے حلیف تھے اور خود مختار تھے (۳)-

۲۳-۲۴- سدرائی اور سماوتی - ان کے بارے میں صرف اتنا معلوم ہؤا ہے کہ شمالی سندھ کے باشندے تھے اور خود مختار تھے - باقی کے حالات پردۂ راز میں ہیں - (غالباً یہ بھی شودر تھے)

۲۵- موسیکانو ، سندھ کی سب سے بڑی سلطنت تھی اور اس کا پایۂ تخت ضلع سکھر کے مقام ایلور میں تھا - سٹرابو کے نزدیک اس ریاست کے باشندے ، زیادہ تر جنگ جو سپاہی تھے - علوم و فنون سے کچھ

۱- پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا ، ص ۱۷۲ — ۱۷۳-
۲- انویژن آف الیگزانڈر ، ص ۲۰۲-۲۵۲ ایضاً ۱۵۶ -
۳- مہابھارتہ جلد ۷ ، ص ۱۹-۱۱-۸۹ پارگیسٹر، ص ۱۰۸-۱۰۹ - ایضاً

زیادہ دلچسپی نہ لیتے تھے البتہ طب کو ضروری سمجھتے تھے ۔ وہ جرائم کی حوصلہ افزائی نہ کرتے اور نہ آپس میں زیادہ لڑتے جھگڑتے ۔

ایرین کا بیان ہے کہ مقدونی کے خلاف بغاوت میں ان لوگوں نے بڑی سرگرمی دکھائی تھی ۔

۲۶- ضلع لاڑکانہ کی ریاست پروشتھ بھی خود مختار اور آزاد تھی ۔

۲۷- سیہوان کی ریاست سمجھو بھی کسی کی باج گزار نہ تھی ۔ اس کا پایۂ تخت سندی مانہ میں تھا ۔

۲۸- پٹالہ ۔ یہ شہر ، بھمن آباد کے قریب کا ایک بڑا اہم شہر تھا ۔ اور پٹالی ریاست کا پایۂ تخت تھا ۔ ڈیڈو روس کی رو سے یہ نیم جمہوری سلطنت تھی ۔ جس کا نظم و نسق ، بڑوں کی ایک کونسل کے سپرد تھا (۱) ۔

یوں لڑائی کے وقت دو خاندان ، قیادت کا فریضہ انجام دیتے تھے اور یہ شرف ان خاندانوں کو موروثی طور پر حاصل تھا ۔

اوپر جن ریاستوں کا ذکر ہؤا ہے یہ موجودہ مغربی پاکستان کے عرض و طول میں پھیلی تھیں اور سکندر مقدونی کے حملے کے وقت برسرِ اقتدار تھیں اور خود مختار تھیں ۔ کورٹیوس شکایت کے سے انداز میں کہتا ہے کہ یہ آپس میں لڑتی رہتی تھیں ۔ سٹریبو اور ایرین نے بھی ان ریاستوں کی باھمی لڑائیوں کی سمت اشارہ کیا ہے ۔

پولیٹیکل ھسٹری آف اینشنٹ انڈیا کے مصنف نے ان روایات سے یہ رائے قائم کی ھے کہ مقدونی حملے کے وقت ، اسی لیے یہ ریاستیں ، ایک ایک کرکے فتح ہوتی چلی گئی تھیں اور ان سب نے مل کر حملہ آور کا مقابلہ نہ کیا تھا ۔ بلکہ ان میں سے کئی ایسی تھیں جن کے فرمانرواؤں نے ، ھمسایوں سے بغض و عناد رکھنے کے سبب حملہ آور مقدونی کو خیر مقدم کہا اور اس کا ساتھ دیا (۲) ۔

۱- پولیٹیکل ھسٹری آف اینشنٹ انڈیا ، ص ۱۷۴ - ۱۷۵ ۔
انویژن آف الیگزانڈر ، ص ۲۹۶ - ۲۵۶ - ۳۰۲ - ایرین مرتبۂ چنوک ص ۲۷۹ ۔
۲- ایضاً ، ص ۱۷۱ ۔

دوسرا باب

سکندر اعظم کا حملہ ۳۲۷ ق م

فصل اول

سکندر مقدونی کا حسب و نسب اور ابتدائی حالات

عام بڑے فاتحینِ عالم کے قطعاً برعکس سکندر مقدونی کا ماضی ہر دھندلکے سے پاک ہے - اس کا باپ شاہ فلپ مقدونیا کا بادشاہ تھا اس کی ماں اولمپیس، مولوسین کے بادشاہ نیو پٹولیموس کی انتہائی دانا اور انتہائی شریف بیٹی تھی - اور سکندر مقدونی نے جہاں باپ سے بہادری، شجاعت اور جیداری وراثت میں پائی تھی، وہاں ماں سے صبر و استقامت، خود اعتمادی اور مستقل مزاجی کے تحائف وصول کیے تھے -

اس کا باپ شراب، عورت، رقص اور غنا پر جان دیتا مگر اس کی ماں کو گھر کے سوا کسی اور شئے سے رغبت نہ تھی - اس کا باپ، اس کی ماں سے حد درجہ بے انصافی سے کام لیتا - اس کے حقوق کا لحاظ نہ رکھتا - اس کے باوجود اس کی ماں حد درجہ وفا شعار اور انتہائی صابر خاتون تھی، اور یہی خصوصیات اس نے اپنے اس بیٹے میں پیدا کر دی تھیں -

بیان ہوا ہے کہ ایک بار، سکندر کے باپ بادشاہ فلپ نے اس کی ماں کا دل دکھانے اور اپنے خون کی برتری ثابت کرنے کے لیے ایک درباری رقاصہ کو حکم دیا کہ چپکے سے سکندر مقدونی کی خوابگاہ میں گھس جائے اور اس کے پلنگ پر سو جائے - نوجوان مقدونی، اس وقت خواب گاہ سے باہر تھا اور شاید اپنی ماں کی خدمت میں تھا - ماں سے باتیں کرنے کے بعد وہ اپنی خواب گاہ میں آیا اور بستر پر لیٹنے لگا تو وہاں رقاصہ موجود پائی - وہ الٹے پاؤں، باہر کی طرف بھاگا اور رات سپاہیوں کی بارک میں گزار دی -

---

۱- ایگزانڈر دی گریٹ، ص ۵۰ -

فلپ بڑا عیاش بادشاہ تھا ، ہر ہفتے نئی سے نئی دلہن ، اس کے محل سرا میں داخل ہوتی ۔ اسے خوبصورت عورتیں جتنی زیادہ عزیز تھیں سکندر کو ان سے اتنی ہی نفرت تھی ۔ حالانکہ سکندر مقدونی کے متعلق مؤرخین کہتے ہیں کہ وہ خوبصورتی اور مردانہ رعنائی میں اپنی مثال آپ تھا ۔

پروفیسر ایف ۔ اے ۔ رائٹ کا بیان ہے کہ مردانہ حسن و رعنائی کے مالک ہونے کے باوجود سکندر مقدونی کی جوانی یوسف علیہ‌السلام کی جوانی تھی اور اس کا دامن کسی جنسی آلودگی سے آلودہ نہ ہو سکا تھا اور یہ محض اس لیے کہ اس کی ماں انتہائی پارسا تھی ۔

گو ماں بیٹا ، بادشاہ فلپ کی نئی نئی داشتاؤں سے حد درجہ نفرت کرتے لیکن خاموش رہتے اور صبر سے کام لیتے حتیٰ کہ سپہ‌سالار اطالوس کی بھانجی کلوپٹرا اچانک نمودار ہوگئی اور ماں بیٹے کے صبر کا پیمانہ چھلک اٹھا ۔

کہا گیا ہے کہ کلوپٹرا کا حسن ستاروں کو شرماتا اور بہاروں سے چشمک کرتا ۔ بادشاہ فلپ اس پر کچھ اس طرح فدا ہؤا کہ اس سے شادی کر لی ۔ شادی کی رات جو جشن منعقد ہؤا ، اس میں سکندر بھی مدعو تھا ۔ اتفاق کی بات کہ کلوپٹرا کے چچا اطالوس نے جو دلہن کا وکیل اور ولی تھا ، دولھا دلہن کا جامِ صحت نوش کرتے وقت سکندر کو قطعاً فراموش کر دیا اور دلہن دولھا کے لیے دعا کی :

''دیوتا ، بادشاہ فلپ اور اس کی دلہن کو ان کے شایانِ شان ولی عہد عطا کریں ۔'' یہ سکندر کی صریحی توہین تھی جو ولی عہدِ سلطنت تھا ۔ اس نے جیسے ہی یہ دعا سنی ، ایک بھرا ہؤا جام سپہ‌سالار اطالوس کے منہ پر دے مارا اور چلایا '' بدبخت بوڑھے کیا تمہارے خیال میں ہم واصل جہنم ہوگئے ہیں ۔''

شرابی فلپ نے اسی لمحے تلوار بے نیام کر لی اور بیٹے پر لپکا ، مگر سخت نشہ میں تھا ۔ ابھی دو ایک قدم چلا تھا کہ بری طرح لڑکھڑایا اور اوندھے منہ گر پڑا ۔

اس رات گو بات ایک طرح سے ختم ہوگئی لیکن ماں بیٹے کو مقدونیا کی اقامت ترک کرنا پڑی ۔ ماں اپنے وطن ایپروس چلی گئی اور بیٹے نے

الیسرنٹیز کے پاس پناہ لی ۔

اس کے بعد باپ بیٹے میں کئی اور اختلافات بھی پیدا ہوئے اور شاید یہ اختلافات کوئی نازک شکل اختیار کر لیتے اور بادشاہ فلپ سکندر کو ولایت عہد سے خارج کر دیتا کہ موت اچانک اس پر جھپٹ پڑی ، اور ایک غصیلے امیر زادے نے عین اس وقت جب فلپ ایک دعوت میں شریک ہونے کے لیے جا رہا تھا ، اس کے پیٹ میں چھرا گھونپ دیا ۔

پروفیسر ایف ۔ اے ۔ رائٹ کے نزدیک فلپ کی اس موت سے نہ صرف سکندر کو فائدہ پہنچا ، مقدونیا کی تقدیر جاگ اٹھی کہ اسے سکندر ایسا تاجدار نصیب ہؤا ۔

کہا گیا ہے کہ یہ موت جس وقت ہوئی ہے اس وقت فلپ ایشیا پر چڑھائی کے منصوبے مکمل کر چکا تھا اور اس کا سب سے معتمد سپہ‌سالار اطالوس جو اس کی محبوب بیوی کلوپٹرا کا ولی تھا (۱) ، موقعہ پر موجود نہ تھا ۔ وہ ہراول دستوں کی کمان کرتا ایشیا کی حدود میں داخل ہو چکا تھا ۔ اگر وہ موقعہ پر ہوتا تو شاید فریقین میں خوب تلوار چلتی اور سکندر کو باپ کے تخت تک پہنچنے کے لیے خون کی ندیاں عبور کرنا پڑتیں ۔

اس کے باوجود سکندر کا دامن اپنے اعزا کے بلاوجہ خون کے دھبوں سے مبرا نہیں رہا ۔ اس نے اپنے باپ کے سوتیلے بھائیوں پر تو خیر ہاتھ صاف کیا ہی اپنی سوتیلی ماں کلوپٹرا اور اس کی معصوم بچی کی نازک گردن بھی کاٹ دی ۔ حالانکہ کلوپٹرا کی حیثیت محض ایک خوبصورت ہار کی تھی ، جسے اس کے باپ نے گلے کی زینت بنانے کی حماقت کی تھی ۔ اس سے زیادہ اس کا کوئی مقام نہ تھا ۔ البتہ اس نے اپنے باپ کے جن سوتیلے بھائیوں کے خون سے ہاتھ رنگے ان سے یہ امید کی جا سکتی تھی کہ وہ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے ۔

گو سکندر نے جو باپ کی موت کے وقت صرف بیس سال کا تھا ، اپنے ممکن حریفوں کو ختم کرنے میں حد درجہ احتیاط سے کام لیا اور ان سب کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا جن کے سر مقدونیہ کا تاج پہننے کے کسی

۱- الیگزانڈر دی گریٹ ، ص ۵۵ ۔

نہ کسی طرح اھل ھو سکتے تھے پھر بھی اسے قدم قدم پر اور قریہ قریہ کو اپنا مطیع و منقاد بنانے کے لیے ، انتہائی خون ریز لڑائیاں لڑنا پڑیں -

یہ معصوم کاوپٹرا اور اس کی ننھی بچی کے خون کی چھینٹیں فضا میں اچانک پھیل گئی تھیں اور قدرت سکندر کے اس فعل سے خوش نہ تھی کہ یونان کی وہ ساری ریاستیں ، جنھوں نے فلپ مقدونی کو اپنا جنگی قائد اور قومی ھیرو تسلیم کر لیا تھا سکندر کو فلپ کا جانشین ماننے سے قطعاً انکار کر گئیں - حتیٰ کہ تھسلی کی ریاست جو فلپ کے ھر اشارہ کو حکمِ خداوندی سمجھتی اور اس کی خوشنودی کی خاطر ساری دنیا سے لڑائی مول لے لیتی تھی سکندر کے آڑے آ گئی -

یوں سب سے زیادہ جس یونانی ریاست کو سکندر کی بادشاھت سے دکھ پہنچا وہ ایتھنز کی ریاست تھی - یہ ریاست شاید فلپ کی درپردہ دشمن تھی اور اس کی زندگی میں منافقت سے کام لیتی رھی تھی کہ جس وقت فلپ کی موت کی خبر وھاں پہنچی ، شاھی محلات میں گھی کے چراغ جلے ، رقص ھوئے ، جشن منعقد کیے گئے اور پھولوں کی بارش ھوئی (۱) -

ایتھنز کی دیکھا دیکھی دوسری یونانی ریاستیں بھی باغی ھوگئیں اور سوائے مقدونیا کے سکندر کی تخت نشینی کسی کو بھی بھلی نہ لگی -

بیان ھوا ھے کہ ان یونانی ریاستوں نے سکندر کے خلاف اس لیے بغاوت کی تھی کہ انھوں نے آنجہانی فلپ کی سربراھی مجبوراً تسلیم کی تھی - کیونکہ آنجہانی فلپ نے ان میں سے ایک ایک کے نوکیلے دانت جب تک توڑے نہ تھے ، جب تک ان کے ھتھیار کند نہیں کیے تھے ، انھوں نے اس کی سربراھی قبول نہیں کی تھی -

نوجوان سکندر نے ، باپ کی جگہ لی ، تو ھر یونانی سربراہ کو خیال ھوا کہ وقت سے فائدہ اٹھائے اور اپنی کھوئی ھوئی خود مختاری پھر حاصل کر لے - کیونکہ سکندر کے بارے میں انھیں جو خبریں اب تک ملی تھیں وہ کچھ مرعوب کن نہ تھیں (۲) -

---

۱- الیگزانڈر دی گریٹ ، ص ۵۴-۵۵ -

۲- ایضاً ، ص ۵۸ -

بہرحال سکندر کو باپ کا تاج تو پہننے کو ملا ۔ اس نے تخت پر جلوس بھی فرمایا ۔ مقدونی فوج کی کمان بھی نصیب ہوئی مگر یونانی قوم نے اسے اپنا قومی ہیرو نہ مانا ۔ سکندر کے لیے یہ بات بڑی سوہانِ روح بنی ۔ اس نے اسی لمحے ، باپ کا تاج سر سے اتار کر طاق میں رکھ دیا اور ایک سپاہی کے سے انداز میں ، چھاؤنی میں پہنچا اور بہت ہولے سے جیسے کہ وہ سرگوشی کر رہا ہو ، باپ کے سپہ سالاروں سے خواہش ظاہر کی کہ وہ تھسلی کی طرف پرواز کرنا چاہتا ہے ۔ سپہ سالار اس سے خوب واقف تھے اور اس کے زیرِ علم چارونیہ کے میدان میں لڑ چکے تھے اور فتح بھی پائی تھی اس لیے جیسے ہی اس کی سواری باہر کو لپکی ، ایک ایک مقدونی دستہ اس کے پیچھے لپک پڑا اور وہ طوفان کے سے انداز میں ، تھسلی کے حدود میں جا پہنچا ۔ لیکن جب اس نے درہ ٹمپ میں سے گزرنا چاہا تو اس کے پہرے داروں نے لوہے کے دروازے کھولنے سے صاف انکار کر دیا ۔ سکندر نے اپنے منہ زور گھوڑے کی باگیں ایک دم کوہ اوسا کے ڈھلوانوں کی طرف موڑ لیں ، جن کے بارے میں یونانیوں کا خیال تھا کہ ان ڈھلوانوں کے ذریعے دیو ، دیوتا ، آسمانوں کی بلندیوں تک پہنچے تھے اور جن پر سے کبھی کسی انسان کی سواری نہ گزری تھی ۔ مگر سکندر نے اپنا گھوڑا ، ان ڈھلوانوں پر کچھ اس طرح چڑھایا جیسے وہ بھی کوئی دیوتا تھا ۔ سارے کے سارے مقدونی سوار بھی اسی کی طرح دیوتا بن گئے ۔ انھوں نے پہاڑ کے اس چہرے میں ہزاروں سیڑھیاں کاٹ لیں ، جو سمندر کے متوازی تھا اور پھر موجوں سے کھیلتے ، کبھی پتھروں سے الجھتے درہ سے خاصے آگے نکل گئے ۔ تھسلی کی فوج نے سکندر مقدونی اور اس کی سپاہ کو اچانک اپنے سامنے پایا تو اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی ۔ وہ فلپ آنجہانی کے اس نو عمر خوبصورت بیٹے کے سامنے ہتھیار نہ اٹھا سکی جو دیوتاؤں کے انداز میں ، اس کے سامنے پہنچا تھا ۔ ہر سپاہی اور ہر قائد بیک آواز چیخ اٹھا : ” ہمیں اپنے سابق آقا کے نوجوان بیٹے کی سربراہی منظور ہے ۔“ درحقیقت سکندر نے تھسلی میں صحیح طور پر اپنے باپ کا تاج سر پر رکھا ۔ تھسلی مقدونیا کے ماسوا ، پہلی یونانی ریاست تھی جس نے سکندر کی عظمت کا پہلا اعتراف کیا تھا اور تھسلی کی سپاہ وہ دوسری یونانی سپاہ تھی جس نے سکندر کو اپنی مرضی سے اپنا قائد چنا تھا ۔

یونان کے شمالی شہروں میں تھسلی ” ماضیٔ بعید “ میں ، خاصا اہم اور ممتاز مقام تھا اور اس کی فوج بڑی لڑاکی تھی ۔ وہ سکندر کے سامنے

جھکی تو سارے کے سارے شمالی شہر سکندر کے سامنے جھک گئے اور اس کو فلپ آنجہانی کا جائز وارث تسلیم کر لیا اور کیپٹن جنرل آف لیگ آف گریک کا اعزاز بھی بخش دیا۔

ایتھنز اور تھیسنر، ابھی مخالف تھے۔ سکندر نے انھیں جنگ کا پیغام بھیجا تو یہ شہر بھی، اس کے حضور خم کھا گئے۔ ڈنیوب کی سمت کے شمالی سرحدی شہر، اب بھی باغی تھے اور ان کو راہ پر لانے کے لیے، سکندر کو بار بار، اپنی تلوار، خون کے سمندر میں ڈبونی پڑی۔

سکندر نے یہ تکلف اس لیے کیا کہ اس کا خیال تھا کہ اگر اس نے اپنے باپ کے منصوبۂ فتحِ ایشیا کو ڈنیوب سے متصل ریاستوں کو فتح کیے بغیر تکمیل کو پہنچایا تو ڈنیوب کے وحشی کنارے مقدونیا کا ہر سکھ اور چین بھسم کر دیں گے (۱)۔

اس کا یہ خیال سو فی صد درست تھا کیونکہ ڈنیوب کے کناروں پر آباد لوگ بڑے وحشی اور انتہائی درندے تھے اور انھوں نے سکندر سے کچھ اس طرح لڑائی لڑی جیسے وہ یونان کا فرد نہ تھا پرشیا کا باشندہ تھا اور قومی حریف تھا۔

ان لوگوں نے سکندر کے خلاف جس انداز سے جنگ کی تھی اس کا اندازہ پروفیسر رائٹ کی اس روایت سے لگایا جا سکتا ہے کہ ٹربیالی کے لوگوں نے، سکندر کے سامنے صف بستہ ہوتے وقت اپنی عورتیں اور بچے جزیرہ پینوک میں بھیج دیے تھے تاکہ ان کی توجہ لڑائی کے سوا کسی اور شے پر نہ ہو۔

گو ٹربیالی کے لوگوں نے، سکندر سے بڑی سخت لڑائی لڑی تھی اور ہتھیار خوب بجائے تھے، لیکن سکندر کی تقدیر یاور تھی کہ اس نے ان کے سارے ہتھیار کند کر دیے، ان کی تلواریں توڑ ڈالیں۔ اور ان کی نعشوں سے دریائے ڈنیوب کا کنارا بھر دیا اور جب یہ لوگ، دہشت زدہ ہوکر بھاگے اور جزیرہ پینوک میں پناہ لی تو سکندر وہاں بھی جا پہنچا اور ان کا سخت قتلِ عام کیا۔ حالانکہ ٹربیالی کے باشندوں کے قتل عام کی پوری تفصیل ڈنیوب کے دوسرے کنارے پر آباد گیٹو کو معلوم ہو چکی تھی اس کے باوجود انھوں نے سکندر کو لڑائی کا پیغام بھیجا اور جب وہ ان

۱- ایلگزانڈر دی گریٹ، ص ۶۰-۶۱۔

تک پہنچا تو اس سے خوب لڑے لیکن سکندر تو طوفانوں اور زلزلوں کو شکست دینے والا سپہ سالار تھا ۔

اس نے گیٹو پر اس طرح قبضہ کیا ، جیسے اس کے باشندے ، کسی پرائمری سکول کے طلباء تھے ۔

گیٹو پر قبضہ کے بعد سکندر واپس ھؤا ۔ مگر ابھی کئی مخالفتیں باقی تھیں ۔ اسیریا کا بادشاہ کلیٹوس اور ٹولنٹیا کا تاجدار گلیئس تو ھتھیاروں کو اس زور سے بجا رھا تھا کہ پورا شمالی یونان گونج اٹھا تھا ۔

ھمارا موضوع ، سکندر مقدونی کی اس حربی سرگرمی پر گفتگو ، ھرگز ھرگز نہیں ھے جس کے مظاھرے اس نے یونان میں کیے تھے ۔ ھم نے سکندر کے ماضی سے متعلق یہ چند حروف تحریر کرنے اس لیے ضروری جانے کہ پڑھنے والوں کو بتا سکیں کہ سکندر مقدونی نے جس باپ کی جگہ لی تھی وہ ایشیا پر حملہ کا منصوبہ بنا چکا تھا اور اس منصوبہ کی تکمیل سے پہلے پورے یونان سے اپنی سربلندی و عظمت کا اعتراف کرا چکا تھا ۔ اور اگر یونانی ریاستیں ، سکندر کو نوجوان سمجھ کر اس کے خلاف بغاوت نہ کر دیتیں اور اسے ان میں سے تقریباً ھر ایک سے دست و گریبان نہ ھونا پڑتا تو وہ باپ کی ٹوپی سر پر رکھتے وقت ھی ، ایشیا کی طرف دوڑ پڑتا ۔ اس لیے نہیں کہ اسے اپنے باپ سے غیر معمولی عشق تھا اور وہ اس کے ادھورے منصوبے کو تکمیل دینا بمنزلہ فرض سمجھتا تھا بلکہ محض اس لیے کہ اس میں اپنے باپ کے مقابلے میں جھاں گیر و شاہ جھاں اور عالم گیر بننے کی بہت زیادہ صلاحتیں تھی ۔

فصل دوم

فاتحِ مشرق

اپنے باپ کی موت سے صرف دو سال بعد سکندر مقدونی اس مہم پر روانہ ہؤا ، جس نے اسے دنیا کے عظیم فاتحین میں بڑی ممتاز جگہ دی ہے ۔

یونانی اور انگریز مؤرخین کی رو سے سکندر مشرق پر بجائے خود حملہ آور نہیں ہؤا تھا ، دارا ثالث ، بادشاہ فارس نے اسے اس بات پر مجبور کیا تھا ۔ چنانچہ الیگزانڈر دی گریٹ کے مصنف کہتے ہیں کہ جب سکندر مسلسل دو سال کی لڑائی کے بعد گورڈیوم میں آرام کر رہا تھا تو دارا بادشاہ فارس کی ایک خفیہ سفارت سکندر کے ایک سپہ‌سالار لین کیسٹین تک پہنچی اور تجویز پیش کی کہ اگر وہ سکندر کو چپکے سے قتل کر دے تو بادشاہ دارا اسے ڈھائی لاکھ اشرفیاں نذر کرے گا اور اسے مقدونیا کا جائز بادشاہ تسلیم کر لے گا ۔

ابھی لین کیسٹین اس خفیہ منصوبے کو عملی جامہ پہنانے پر غور ہی کر رہا تھا کہ بات کھل گئی اور سکندر مقدونی نے اسے قید میں ڈال دیا ۔

دارا ثالث نے اس ناکام سازش کے بعد دوسری سازش اس وقت کی جب میم نون یونانی سپہ‌سالار سکندر سے شکست کھا کر بھاگا اور اس کے پاس پناہ لی ۔ اس نے اسے اپنے بحری بیڑے کا سربراہ بنا لیا اور حکم دیا کہ یونان کے ساحلوں پر حملے آور ہو جائے ۔ میم نون ایرانی بحری سپہ‌سالار کی حیثیت سے ایرانی بحری بیڑہ لے کر یونانی سمندر میں پہنچا اور ایک ایک کر کے کئی ساحلی شہر قبضہ میں کر لیے کہ اچانک سکندر کی خوش بختی اس کے آڑے آ گئی اور موت نے میم نون کو اپنے دامن میں ڈال لیا ۔ میم نون کی موت بحری بیڑے کے عملے میں انتشار کا موجب بنی حالانکہ اس کی جگہ جس نئے امیرالبحر فارنے بزوز نے لی وہ بھی خاصا مشاق آدمی تھا ۔ لیکن

کئی ایرانی سربراہ اس سے خوش نہ تھے اس لیے انھوں نے دار ثالث کے کان اس کے خلاف بھرے اور کمزور ارادے کے دارا نے ان کی بات مان کر فارنے بزوز کو حکم بھیجا کہ بحری بیڑہ واپس لے آئے اور یونانی تجارتی کشتیوں کو آزادی بخش دے ۔

پروفیسر رائٹ کا خیال ہے کہ اگر دارا ثالث یہ حماقت نہ کرتا تو سکندر شاید فاتح مشرق نہ بن سکتا ۔ بہر حال تقدیر سکندر کے ساتھ تھی ۔ دارا نے بحری بیڑہ واپس بلایا تو سکندر کو موقعہ ملا کہ اس سے انتقام لے، اور وہ ۳۳۳ سال(۱)قبل مسیح کے موسم بہار میں آندھی کے سے انداز میں اس راہ پر دوڑ پڑا جو طرطوس کو جاتی تھی ، اور شی لیشیا کے ساحلی مقامات اور یونان کے مابین بچھی تھی ۔

عام مؤرخین کی رو سے سکندر مقدونی مشرق کی فتح پر ۳۳۴ قبل مسیح میں روانہ ھؤا تھا (۲) اور طرطوس کے سلسلۂ کوہ کو صرف تین دن میں عبور کر کے شی لیشیا کے لق و دق صحرا میں آن پہنچا تھا ۔ چونکہ وہ برابر تین دن تک گھوڑے کی پیٹھ پر سوار رہا تھا اس لیے بری طرح تھک گیا تھا ۔ یوں بھی گرمی جوبن پر تھی ۔ وہ دریا کے کنارے پر دم لینے کے لیے اترا تو پانی کی تڑپتی ، لرزتی خنک موجوں نے اس کے دل میں شوق پیدا کہ وہ ان سے لپٹ جائے ۔ بیان ہؤا ہے کہ سکندر دریا میں کود پڑا اور خوب نہایا ۔ نہا کر خیمہ گاہ میں پہنچا تو بخار نے آن لیا ۔ بخار کئی دن چلا اور اس زور شور سے چلا کہ جان کے لالے پڑ گئے ۔ بہر حال اس کے طبیب فلپ نے بالآخر اسے موت کے منہ سے نکال لیا اور وہ طرطوس سے ٹلونی آیا ۔ یہاں اس نے ایک جشن عام منعقد کیا ۔ اس کی فوج نے بڑے سپاہی سے لے کر چھوٹے تک اس کا جام صحت نوش کیا اور بڑی خوشیاں منائیں ۔

یہیں اسے خبر ملی کہ دارا اپنی عظیم و جرار فوج کے ساتھ اس کی راہ روکنے کے لیے خاصا آگے بڑھ آیا ہے ۔ سکندر یہاں سے مالوس کی طرف

۱- رالنسن انڈیا ، ص ۵۶ - ایلگزانڈر مصنفہ ھوگارتھ - مطبوعہ لندن (۱۸۹۷ء) ، ص ۱۷۷ -
۲- ایلگزانڈر دی گریٹ ، ص ۹۲ -

چلا اور پھر درۂ جونہ سے ہوتا کوہ مائیرندرس کے قریب پہنچا جس کے عقب میں پہاڑ امانوس کے دامن میں دارا کی فوجیں خیمہ زن تھیں ۔

پروفیسر رائٹ کی روایت ہے کہ دارا اپنی اس خیمہ گاہ میں کوئی دو مہینے سے سکندر مقدونی کی آمد کا انتظار کر رہا تھا ۔ وہ اپنے ساتھ گو سارے ایران کو تو نہیں لے آیا تھا یوں اس کا پورا کا پورا حرم ، اس کی ساری منکوحہ و غیرمنکوحہ عورتیں ، رقاصائیں ، مغنیات ، سائیس ، باورچی ، حتیٰ کہ خواجہ سرا تک ، اس کے ساتھ تھے ۔ اور غالباً یہ خواجہ سراؤں اور سائیسوں کی رائے پر عمل کر کے دارا نے ، پہاڑ امانوس کو عبور کر کے سکندر مقدونی سے لڑائی لڑنے کا منصوبہ بنایا تھا ، یا اس کے حاشیہ بردار احمق ساتھی ، دو مہینے سے یہاں بیکار پڑے رہنے سے تنگ آ گئے تھے کہ انھوں نے دارا کو آگے بڑھنے کی صلاح دی تھی ۔ حقیقت خواہ کچھ بھی ہو ، دارا نے یہ صلاح مان لی اور پہاڑ امانوس کو عبور کر کے سوس آن پہنچا ۔ سوس ، امانوس پہاڑ اور سمندر کا ایک درمیانی میدان تھا ، اس کی لمبائی پانچ میل اور چوڑائی صرف آدھا میل تھی ، اور اس کے اندر سے دریائے پائنازوس کچھ اس انداز سے گزرتا ، جیسے کوئی سیلاب گزر رہا ہو ۔ دارا نے دریائے پائنازوس کا شمالی کنارا (۱) اپنی چھاؤنی کے لیے انتخاب کر لیا ۔ یہ خاصی محفوظ جگہ تھی ۔ دارا نے اپنی سپاہ دریا کے کنارے کنارے کچھ اس طرح پھیلادی کہ پہاڑ کے ڈھلوانوں سے لے کر سمندر کی تڑپتی موجیں تک اس کے قابو میں آ گئیں ۔

بیان کیا گیا ہے کہ دارا کے ساتھ اس وقت ڈیڑھ لاکھ سپاہ تھی ، اور بڑا ساز و سامان تھا اور سکندر مقدونی جس فوج کے ساتھ آگے بڑھتا ، دریائے پائنازوس تک پہنچا ، اس کی تعداد تیس ہزار سے کسی طرح زائد نہ تھی اور سوار تو صرف پانچ ہزار تھے ۔

یہ مشرق اور مغرب کی پہلی بڑی لڑائی تھی جو دریائے پائنازوس کے کنارے پر دوسری صبح لڑی گئی ۔ سکندر مقدونی کے لیے یہ بات بہت سود مند ہوئی کہ میدانِ جنگ بے حد مختصر تھا اور اس کے پاس فوج

۱- ایلگزانڈر دی گریٹ ، ص ۹۴—۹۵ ۔

تھوڑی تھی ۔ اس کے برعکس ایرانیوں کی کثرتِ تعداد ان کے لیے شگونِ بد بن گئی ۔ وہ نہ تو اچھی طرح صفیں ہی باندھ سکے اور نہ اپنی مرضی اور خواہش سے آگے پیچھے ہو سکے ۔

سکندر نے اپنے معمول کی طرح لڑائی کا آغاز سواروں کو آگے بڑھا کر کیا ۔ اس نے میمنہ کو تاکا اور میمنہ سے ہوتا قلب کی طرف بڑھا ۔ اسے اس جد و جہد میں کئی زخم آئے ۔ لیکن اس نے ہمت نہ ہاری ، اور دشمن کی حد درجہ مقاومت کے باوجود ہولے ہولے قلب سے قریب ہوتا گیا ۔ دارا کی رتھ قلب میں تھی اور سکندر اپنی سوار سپاہ کے ساتھ اس کوشش میں تھا کہ دارا تک رسائی پا لے ۔ دارا کی رتھ اور سکندر کی صفوں میں ابھی کئی سو گز کا فاصلہ تھا کہ دارا نے اپنی رتھ بجلی ایسی تیزی سے مرکز سے ہٹا لی اور ایسی جگہ جا پہنچا جہاں سکندر کی رسائی آسان نہ تھی (۱) ۔

دارا محفوظ جگہ تو پہنچ گیا تھا ، لیکن اس کی نقل و حرکت نے سیسہ پلائے ہوئے میمنہ کی مقاومت قریب قریب ختم کر دی اور ایرانی صفیں اپنے آقا کی مثال کو سامنے رکھ کر پیچھے کو ہٹنے لگیں ۔ میمنہ پیچھے کو ہٹا تو میسرہ جو سوار سپاہ پر مشتمل تھا اور تعداد کے لحاظ سے یونانیوں پر سبقت رکھتا تھا ، توازن کھو بیٹھا اور پھر جو بھاگڑ مچی ، تو خدا کی پناہ ، یہ تنگ وادی جسے انتخاب کر کے دارا نے بڑی دانائی کا مظاہرہ کیا تھا ایرانیوں کے لیے موت کی وادی بن گئی اور یونانی سواروں اور پیادوں نے ان کا خوب قتلِ عام کیا ۔

پھر رات پردہ پوشی کے لیے آن پہنچی اور اندھیرے کے دامن میں لپٹے ایرانی اس قابل ہوئے کہ موت کی اس وادی سے نکل بھاگیں ۔

مشرق نے مغرب کے حضور یہ پہلی بار اس بری طرح گھٹنے ٹیکے تھے ۔ دارا اندھیرے میں لپٹا ، بڑی تیزی کے ساتھ دمشق کی طرف بھاگ رہا تھا ۔ اس کی محافظ سپاہ اس کے ساتھ ساتھ دوڑ رہی تھی ۔

گو اندھیرے نے سکندر کو تعاقب سے روک لیا ، لیکن ایرانی سپاہ کو اس شکست میں خاصا بڑا نقصان پہنچا ۔ بیس ہزار یونانی تنخواہ دار

۱- ایلگزانڈر دی گریٹ ، ص ۹۸-

قطعاً اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے - ان میں سے آدھے جہازوں میں لد کر مصر کی طرف روانہ ہو گئے تھے اور باقی نے بھی، اس کا ساتھ نہیں دیا تھا -

ایرانی سپاہ وادی سے نکل بھاگی اور اپنے خیمے اور دوسرا ساز و سامان پیچھے چھوڑ گئی تو سکندر مقدونی دارا کی خیمہ گاہ میں داخل ہؤا، جہاں مغرور ایرانی بادشاہ کی سب سے بڑی ملکہ، اس کی ماں اور اس کے تین بچے، ایران کی تقدیر کو رو رہے تھے - بچوں کو روتے پا کر سکندر نے ان کو تسلی دی اور یقین دلایا کہ ان کا شاہ بابا مرا نہیں، بھاگ گیا ھے اور بادشاھوں پر کبھی کبھی ایسا وقت بھی آ جاتا ھے -

کہا گیا ھے کہ ایران کی ملکہ اپنے حسن و رعنائی کے سبب پورے مشرق میں شہرت رکھتی تھی، لیکن سکندر نے ایک نگاہِ غلط انداز بھی اس پر نہیں ڈالی - مبادا اس کا حسن اسے اس اخلاق معیار سے گرا دے جہاں اس کی ماں الی مپیس نے اسے پہنچا دیا تھا -

بیان ہؤا ھے کہ چند دن بعد دارا کی ایک سفارت اس کے حضور حاضر ہوئی اور اس کو دوستی کا پیغام دیا اور درخواست کی کہ اس کا خاندان اسے واپس مل جائے -

اس کے جواب میں سکندر نے اسے ایک مغرور فاتح کے سے انداز میں مخاطب کیا اور حکم دیا کہ اگر اسے کوئی درخواست پیش کرنا ھے تو ایک مفتوح کی حیثیت سے اس کے حضور حاضر ہو اور اپنے آپ کو اس کا مد مقابل نہ جانے (۱)-

اپنے اس فرمان میں سکندر نے دارا کو یقین دلایا تھا کہ اگر وہ ایک شکست خوردہ مفتوح کی حیثیت سے اس کے حضور حاضر ہوگا تو جو مانگے گا وہ پائے گا -

جی، ہوگارتھ کے نزدیک سوس کی ایرانی خیمہ گاہ میں سادہ لوح سکندر کو جو غیر معمولی نوعیت کا ساز و سامان ملا، اسے دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں، اور اسے زندگی میں پہلی بار محسوس ہؤا تھا کہ بادشاہ ہونے میں کیا لذتیں پوشیدہ (۲) ھیں -

---

۱- ایلگزانڈر دی گریٹ، ص ۹۹ - ایرین جلد ۲، ص ۱۴ -

۲- ایلگزانڈر، ہوگارتھ، ص ۱۸۶ - پولی‌ٹین جلد چہارم، ص ۳ — ۱۰ -

سوس کی فتح نے جہاں اسے شاہی لذتوں سے آگاہ کیا ، اس کے اندر احساسِ ذات بھی بدرجۂ کمال پیدا ہؤا اور اسے بجا خیال گزرا کہ وہ یونان کے ساتھ ساتھ پورے مشرق کا سب سے بڑا بادشاہ ہے ۔

پروفیسر رائٹ راوی ہیں کہ جب تک سوس کی فتح عمل میں نہ آئی تھی یونان کے کئی شہروں میں یہ افواہ زور پکڑ رہی تھی کہ سکندر زوال کے غار پر کھڑا ہے اور عنقریب تباہ ہو جانے کو ہے ۔ جب فتح کی خبر یونان پہنچی تو وہ یونانی جو سکندر کا جؤا گردنوں سے اتار پھینکنے کا منصوبہ بنا رہے تھے سخت دہشت کھا گئے اور لیگ آف کورنتھ نے فاتح کے لیے سونے کا ایک کڑا بطور تحفہ بھیجا اور اس کا بہت بہت شکریہ ادا کیا ۔

عین اس وقت جب یہ قیمتی تحفہ ، یونان کی متحدہ سفارت فاتح سکندر کے حضور لائی ، سکندر کے نائب سپہ سالار پارمینو نے دمشق کے سب سے اونچے برج پر یونانی جھنڈا لہرا دیا اور سکندر کی طرف آدمی دوڑائے کہ آقا کو اس فتح پر مبارک باد پیش کریں ۔

دمشق ، شام کا پایۂ تخت ہونے کا ساتھ ساتھ ، تاریخ قدیم کا ایک اہم عنوان تھا اور اس پر قبضہ سچ مچ مبارک باد کا متسحق تھا ۔

پروفیسر رائٹ کے نزدیک ، دمشق پر قبضہ سے سکندر کو بہت بڑی دولت بھی ہاتھ آئی تھی ۔ دارا نے جنگ سوس کے وقت ، سونے کے جو ذخائر دمشق بھجوا دیے تھے ، وہ جوں کے توں وہیں پڑے رہے تھے اور ان کے ہاتھ آ جانے سے سکندر کی ساری مالی پریشانیاں ختم ہوگئیں ۔

سکندر ان خزانوں کا جائزہ لینے کے لیے خود بھی دمشق پہنچا اور کہا گیا ہے کہ وہاں اس کی فوج نے جو جشنِ فتح منایا ، ایسا جشن یونانیوں نے پہلے کبھی نہیں منایا تھا ۔ اس جشن میں ، یونانی امرا نے خوب خوب دادِ عیش دی حتیٰ کہ سکندر نے بھی بہتی گنگا میں غسل کرنے میں تامل نہ برتا ۔ یہ سکندر کی زندگی کی پہلی شب تھی ، جب اس کی خیمہ گاہ کی روشنیاں ، ایک جواں عورت کی خوشبو سے دوبالا ہوئیں ۔ یہ عورت ایران کی رہنے والی برسانہ تھی اور یونانی امیرالبحر میمنون کی بیوہ تھی(۱)۔ دمشق

۱- پلوٹارک ایلگزانڈر، ص ۲۱ ۔ ایلگزانڈر دی گریٹ بائی رائٹ ، ص ۱۰۱-

سے ، سکندر نے مائرنیڈرس کی راہ لی اور بحیرۂ روم کے ساحل ساحل چلتا ، بیروت پہنچا ، اسے فتح کیا پھر تائیر پر متوجہ ہؤا جو سمندر کے اندر ساحلِ سمندر سے کوئی نصف میل کی مسافت پر واقع تھا اور ایک بہت ھی لطیف جزیرہ تھا ۔ اس کی فتح میں سکندر کو کافی مدت لگی اور بڑے صبر سے کام لینا پڑا ۔ تائیر کے باشندوں نے بڑی جی داری سے کام لیا اور ہر ہر مرحلے پر سکندر کا مقابلہ کیا ۔ بالآخر ھارے اور آٹھ ہزار افراد کی قربانی دینے کے باوجود شہر کو سکندر کے قبضے میں جانے سے بچا نہ سکے ۔ سکندر نے شہر میں داخل ہوتے وقت اس بہادری کی داد اس طرح دی کہ مقتولین کی عورتیں اور بچے ، منڈی میں بھیج کر نیلام کرا دیے ۔

ابھی سکندر یہیں تھا کہ اسے دارا کا دوسرا خط وصول ہؤا ، جس میں پیش کش کی گئی تھی (۱) کہ اگر سکندر واپسی پر تیار ہو تو اسے ڈھائی لاکھ ملین (پچیس لاکھ) اشرفیاں نذر ہوں گی ۔ نیز دارا اپنی بیٹی اس سے بیاہ دے گا اور دریائے فرات سے پرے کا علاقہ اسے سونپ دے گا ۔

یہ خط سکندر نے اپنے امرا کی کونسل میں پڑھا ۔ اس کے نائب پارمینو نے رائے دی : ”اگر میں سکندر ہوتا تو لازماً یہ پیش کش قبول کر لیتا ۔“ سکندر نے اسی انداز سے جواب دیا : اگر میں پارمینو ہوتا تو میں بھی یہ پیش کش رد نہ کرتا ۔ لیکن میں(۲) پارمینو نہیں ہوں سکندر ہوں ۔“

اور یہ کہہ کر ، دارا کو جواب لکھوایا :

> ”مجھے تم سے ، دولت لینے کی حاجت نہیں ھے اور نہ مجھے تمھارے ملک کا ایک حصہ لینا منظور ھے ۔ کیونکہ سارا ملک اور سارے خزانے پہلے ھی سے میرے ھیں ۔“
>
> اگر میرا جی چاھا کہ تمھاری بیٹی سے شادی کرلوں تو میں خود ھی کر لوں گا ، تمھاری اجازت کی مجھے ضرورت نہیں ھے ۔ اگر تم چاھتے ہو کہ مجھ سے محبت کی بھیک مانگو تو میرے پاس حاضر ہو جاؤ ۔“

۱- ایرین مرتبۂ رو کے جلد اول ، ص ۱۱۵ مطبوعہ لندن ۔

۲- ایرین جلد اول ، مترجمہ رو کے ، ص ۱۱۵ - ایلگزانڈر دی گریٹ ، ص ۱۰۴ ۔

دارا کو یہ خط پہنچا تو اسے کیا محسوس ہؤا ، تاریخ یہ راز نہیں کہتی ۔ تاریخ صرف یہ کہتی ہے کہ سکندر نے دارا کو یہ جواب بھجوا کر مصر پر چڑھائی کی تیاری کی ، حالانکہ اس کا نائب پارمینو اس بات کے سخت خلاف تھا ۔ سکندر مصر کی فتح کے ارادہ سے غازہ آیا تو دارا کے نائب حبشی بیتس نے بڑی پامردی سے اس کی راہ روک لی اور اس کی فوج پر کچھ اس طرح سنگ باری کی کہ نہ صرف فوج کے نامی گرامی حکام مجروح ہوئے خود سکندر بھی زخمی ہؤا ۔ اس کے باوجود سکندر نے ہمت نہیں ہاری اور غازہ کا محاصرہ جاری رکھا اور اس کی دیواریں چھلنی چھلنی کر دیں لیکن جب غازہ فتح ہؤا تو دو مہینے بیت چکے تھے ۔

بہرحال نومبر ۳۳۲ ق م میں سکندر کی فوج(۱) مصر کو جانے والی سڑک پر بڑی شان و شکوہ کے ساتھ بڑھتی نظر آئی ۔ راستے میں جتنی بھی یونانی بستیاں تھیں ، ان کے باشندوں نے یونانی فاتح کا ڈھول پیٹ پیٹ کر استقبال کیا ۔ پھر آگے طویل و عریض صحرا شروع ہؤا ۔ سکندر نے اپنے نائب سپہ سالار ، پارمینو کو زیادہ تر سپاہ کے ساتھ پیچھے چھوڑا اور خود ایک منتخب سپاہ کے ساتھ اس صحرا کو قطع کرنے لگا ۔ ہزار ہزار دشواریوں نے اس کی راہ روکی ، اس کے ارادہ میں تزلزل پیدا کرنے کی سعی کی مگر اس کے پائے ہمت میں لغزش نہ آئی اور وہ ہر دشواری کا مقابلہ کرتا بالآخر نیل کی سر زمین میں آن پہنچا اور نہ صرف مصر فتح کیا ، ساحلِ سمندر پر سکندریہ جیسے شہر کی بنا ڈالی جو تاریخِ اقوامِ عالم میں ، ایک عظیم سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے ۔

سکندر مصر کی طرف چلا اور اسے وہاں تقریباً ایک سال کی مدت لگ گئی ، تو دارا کے حوصلے پھر سے جوان ہو گئے اور اس نے موقعہ کو غنیمت جان کر تاریخِ ایران کی سب سے بڑی فوج مرتب کر لی اور مصر پر مکمل تسلط حاصل کرنے کے بعد جب سکندر پھر سر زمینِ ایران میں اترا ، تو دارا کی چھاؤنی میں جو اربیلا کے مقام پر قائم ہوئی تھی دس لاکھ ایرانی سپاہی سکندر کے منتظر تھے ۔

اربیلا کا یہ مقام جس کی فوج میں مشرق و مغرب کی سب سے بڑی

۱۔ ایلگزانڈر دی گریٹ ، ص ۱۱۷ - ۱۱۸-۱۱۹ -

لڑائی لڑی گئی ، تاریخ قدیم میں آشور اور نینوا جتنا اہم شہر تھا اور وہاں کا بت کدہ کئی ہزار سال تک متواتر اشوری قوم کی عقیدتوں کا محور بنا رہا تھا ۔

یہ شہر دریائے فرات اور دجلہ کے سنگم سے تھوڑی دور پر واقع ہے ۔ وہاں ان دنوں کردوں کی ایک مختصر سی آبادی ہے (۱) ۔

یہ ستمبر ۳۳۱ ق م کا دن تھا جب سکندر کی فوج جو بابل سے چار دن ہوئے چلی تھی (۲) ایرانی چھاؤنی کے قریب آئی ۔ اس وقت سورج ڈھل چکا تھا اور شام ہونے میں کئی گھنٹے باقی تھے ۔ جوں ہی سکندر کی پہلی صفیں نمودار ہوئیں دارا نے اپنی فوج مقابلے کے لیے تیار کر لی ۔ اس کو گمان ہؤا تھا کہ سکندر آتے ہی لڑائی کا آغاز کر دے گا مگر سکندر اتنا جلد باز نہ تھا ، پھر اس کی سپاہ بہت تھکی ہاری تھی ، اس نے حملے میں پہل نہیں کی ۔ یہاں تک کہ شام ہوگئی اور سائے تاریک ہونے لگے اور سکندر کی طرف سے فوج کو اجازت ملی کہ رات کا کھانا کھالے اور خوب سستائے ۔

پروفیسر رائٹ کا بیان ہے کہ فریقین نے یہ رات ، بالکل مختلف انداز میں بسر کی ۔ سکندر کی فوج بڑے اطمینان سے سو رہی تھی لیکن دارا کا ایک ایک سپاہی جاگ رہا تھا ۔ رات بھر انہیں ڈر رہا کہ کہیں دشمن شب خون نہ مار دے ۔ یہ ڈر کچھ غلط نہ تھا کیونکہ سکندر کے نائبین بار بار سکندر کو شب خون پر اکسا رہے تھے لیکن سکندر نے ان کی بات نہ مانی ۔ وہ اپنی خیمہ گاہ میں پہنچ کر کچھ اس طرح سویا کہ جیسے میدان جنگ میں نہیں ، اپنے محل میں سو رہا تھا ۔

صبح ہوگئی تو بھی وہ نہیں جاگا ۔ پارمینو بڑے اضطراب کے ساتھ ، جب اس کی خیمہ گاہ میں آیا تو وہ خراٹے لے رہا تھا ۔ اس نے خاصی تلخی سے آواز دی :

۱- ایرین نے اس مقام کا نام گیوگامیلہ لکھا ہے اور اسے دریائے بومبادوس کے کنارے پر آباد ظاہر کیا ہے ، ایرین جلد اول ، ص ۱۳۶ - ۱۳۷ - (مترجمہ روکے) ۱۲۷ -

۲- الیگزانڈر دی گریٹ ، ص ۱۲۸ -

''تم ایسے عالم میں کیسے سو پاٹے ہو جب کہ لڑائی سر پر کھڑی ہے اور یہ لڑائی تمھاری زندگی کی سب سے بڑی لڑائی ہے ۔''

یقیناً یہ لڑائی سکندر کی زندگی کی سب سے بڑی لڑائی تھی ۔ لیکن اس کی ماں نے اس میں جو خود اعتمادی بھری تھی اس کے سبب اسے اس لڑائی کے انجام سے قطعاً کوئی خوف نہ تھا ۔ وہ بڑے اطمینان کے ساتھ بستر سے اٹھا ، لباسِ جنگ تبدیل کیا اور فوج کو آگے بڑھنے کے احکام دیے اور لڑائی کی آگ سوکھے ایندھن کی طرح یک بہ یک بھڑک اٹھی ۔

ہمیں اس لڑائی کی تفصیل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے ۔ یوں بھی یہ تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے ۔ ہم نے اس لڑائی تک بات صرف اس لیے پھیلائی ہے کہ اس مرحلے پر مشرق نے سکندر مقدونی سے ایک بہت بڑی اور انتہائی نتیجہ بخش شکست کھائی تھی اور یہی وہ شکست تھی جس نے سکندر کو وادیٔ سندھ کی سمت بڑھنے پر مائل کیا تھا ۔

یہ محض ایران کی شکست نہ تھی ، شام ، فلسطین ، عراق ، باختر ، صغد ، کابل و قندھار ، ہرات ، بلخ اور وادیٔ سندھ کی بھی شکست تھی کیونکہ دارا کے جھنڈے تلے ، شامی ، فلسطینی ، عراقی ، باختری ، صغدی ، کابلی قندھاری ، ہراتی ، بلخی اور سندھی و پنجابی فوجیں ایک جیسے تہور کے ساتھ جمع ہوگئی تھیں (۱) اور سکندر نے دارا کو ہرا کر اور اپنے سامنے سے بھگا کر ، ان سب کے چہروں پر شکست کی سیاہی مل دی تھی ۔

۱- ایرین جلد اول مترجمہ روکے مطبوعہ لندن ، ص ۱۳۶ - ۱۳۷ -

فصل سوم

سکندر وادیٔ سندھ میں (۳۲۷ ق م)

چترال ، باجور ، سوات ، مساگا اور ارنوس کی فتح

جیسا کہ پیچھے بیان ہؤا سکندر نے دارا کو اربیلہ کے مقام پر ۳۳۱ قبل مسیح میں آخری شکست عطا کی تھی ۔ یہ اکتوبر کا مہینہ تھا ۔ سکندر کو اربیلہ کی اس فتح کے بعد دارا کے پایۂ تخت پرسی پولس تک پہنچتے تقریباً ایک سال لگا ۔ اس نے پرسی پولس کو ۳۳۰ قبل مسیح میں تباھی کی نذر کیا(۱) ۔ اسی سال کے موسم سرما میں وہ سیستان کی طرف بڑھا اور مغربی ایشیا سے سیستان آتی شاھراہ پر اپنے نام سے ایک شہر آباد کیا ، جو رالنسن (۲) کی رو سے آج کا قندھار ھے ۔ پروفیسر رالنسن ھی کی رو سے سکندر ، اس شہر کی تعمیر کے بعد بلخ اور بخارا کی فتح پر متوجہ ہؤا ، اور ۳۲۷ قبل مسیح کی سردیاں ابھی ختم نہیں ہوئی تھیں کہ اس نے قدیم تہذیب کے ان مراکز کو اپنی تحویل میں لے کر ہندوستان پر براہ راست حملے کی تیاریاں کیں ۔

پروفیسر رائٹ کا بیان ھے کہ سکندر باختر میں سخت سردی کا لطف لے رہا تھا اور شاید ابھی اس کا ارادہ باختر سے رخصت ھونے کا نہ تھا کہ گندھارا کے ایک راجہ سسی گپتا نامی نے اس کے حضور حاضری دی ۔ یہ راجہ دارا کی زندگی میں باختر کے نائب السلطنت بسوس کا باج گزار تھا ۔ اس نے پنجاب اور سندھ کے سیاسی حالات کی پوری تفصیل سکندر کے گوش گزار کی ۔ اس نے سکندر کو بتایا کہ پنجاب اور سندھ کے راجے ، قریب قریب خود مختار ھیں ، اور ایک دوسرے سے آئے دن لڑتے رہتے ھیں

۱- رالنسن انڈیا ، ص ۵۷ - ایلگزانڈر دی گریٹ ، ص ۱۵۲ -

۲- رالنسن ، ص ۵۷ -

اور ان کا باھمی عناد حد سے بڑھ چکا ھے (۱) ۔

پروفیسر رائٹ اس بات کے بھی راوی ھیں کہ سکندر جب بخارا میں تھا تو گندھارا کے ایک اور شہزادے امبھی نے جو ٹیکسلا کا ولی عہد تھا ، سکندر کے حضور سفارت بھیجی ، اور دعوت دی کہ وہ وادیٔ سندھ کی طرف بھی آئے ۔ شہزادہ امبھی نے سکندر کو اپنی اس سفارت کے ذریعہ یہ یقین بھی دلایا کہ اگر وہ وادیٔ سندھ کی طرف آیا تو امبھی اس کی ھر طرح سے مدد کرے گا ۔

ھمارا خیال ھے کہ اگر یہ سفارتیں نہ بھی آتیں تو بھی سکندر بخارا سے کوہ ھندو کش کے ان دروں کی طرف آئے بغیر نہ رھتا جن کے ذریعے یونان کے تجارتی کاروان صدھا سال سے وادیٔ سندھ میں راہ پاتے رھے تھے ، اور جو لوٹتے وقت ھندوستان کی دولت و ثروت اور عجائبات و نوادر کے بارے میں انتہائی مبالغے سے کام لیا کرتے (۲) ۔

ھو سکتا ھے کہ راجہ گندھارا نے جو راجہ امبھی کی سفارت سے پہلے سکندر کے حضور باریاب ھؤا تھا اور جس نے ھراول کے طور پر آگے آگے چلنے کی پیشکش کی تھی ، سکندر سے وادیٔ سندھ کے سیاسی حالات بیان کرتے وقت یونانی تاجروں کے سے انداز میں ھندوستان کی دولت و ثروت اور نوادر کی تعریف کی ھو (۳) ۔

بہر حال رالنسن کی رو سے یہ مئی ۳۲۷ء قبل مسیح کی کوئی تاریخ تھی اور ایرین اور پروفیسر رائٹ کی روایت کے مطابق ۳۲۷ کا موسم بہار تھا جب سکندر نے سندھ کی سمت پیش قدمی کی تھی ۔ اس نے درۂ کوشان و خاوک کے ذریعے کوہ ھندوکش کو عبور کیا اور اس سرسبز و شاداب سر زمین میں اترا جو ان دنوں کوہ دامن کے نام سے موسوم ھے ۔

پلوٹارک کا بیان ھے کہ اس وقت جب سکندر مقدونی ھندوستان کی طرف چلا تھا ، اس کے ساتھ بیس ھزار پیادے اور پندرہ ھزار سوار تھے (۴) ۔

۱- ایلگزانڈر دی گریٹ ، ص ۱۹۴ ۔

۲- رالنسن انڈیا ، ص ۵۷ ۔

۳- پلوٹارک ایلگزانڈر ، باب دھم ۔

۴- ایرین جلد اول (مترجمہ روکے) ۔

اور وہ اس سر زمین میں سے اس معمولی سی فوج کے ساتھ گزر رہا تھا جہاں لاکھوں مسلح افراد صدیوں سے ادھم مچاتے رہے تھے۔

پروفیسر رائٹ کہتے ہیں کہ سکندر کی فوج وادیٔ کابل کو قطع کرتی آگے بڑھ رہی تھی ؛ اور ابھی تھوڑی دور ہی پہنچی تھی کہ ٹیکسلا کا راجہ امبھی جو اپنے بوڑھے باپ کی موت کے بعد ابھی چند دن ہوئے تخت نشین ہوا تھا ، بہ نفسِ نفیس سکندر کے حضور باریاب ہوا ، اور سکندر کے ایک رہنمائے صادق کی حیثیت سے آگے آگے چلا ۔ دراصل یہی وہ پنجابی راجہ امبھی تھے ، جس نے سکندر کی راہ کے کانٹے اپنی پلکوں سے چنے تھے (۱) ۔

گو راجہ امبھی سکندر کا رہنما تھا اور وادیٔ سندھ کی راہ سکندر پر بظاہر کھلی تھی پھر بھی اس نے احتیاطاً ادھر ادھر کی پہاڑیوں میں آباد قبائل کو اپنی تلوار کی لذت چکھانا ضروری سمجھا اور اپنی فوج کو دو حصوں میں بانٹ کر (۲) ایک حصہ ہیفسٹون اور پرڈیکاس کے سپرد کر کے راجہ امبھی کے ساتھ سیدھی راہ پر روانہ کر دیا ۔ ایج آف امپیریل یونیٹی کے مصنفین کی رو سے اس فوج نے جو راجہ امبھی کی رہنمائی میں آگے کو چل کر درۂ خیبر کے راستے ارضِ ہند میں داخل ہوئی تھی پشاور کے علاقے پر قبضہ کر لینے کے بعد استا کونوٹی کو ان کے پایۂ تخت چار سدہ میں شکست دی ۔ سکندر نے باقی فوج کو براہِ راست اپنی کمان میں لے کر دریائے کابل کی شمالی پہاڑیوں کی راہ لی ۔ یہ پہاڑیاں سخت دشوار گزار تھیں ، اس کے باوجود سکندر کا ارادہ کہیں بھی متزلزل نہیں ہوا ، وہ دریائے کنہار یا چترال کے ساتھ ساتھ کافی دور تک چلا ، غالباً وہ موجودہ ریاست چترال کے بورے حدود تک پہنچا تھا اور آس پاس آباد قبائل کو اپنی عظمت و بزرگی کے سبق خوب پڑھائے تھے ۔

کسی مؤرخ نے یہ تفصیل بیان نہیں کی البتہ پروفیسر نیکوٹ (۳) نے قیاس کیا ہے کہ سکندر نے چترال کے حدود پامال کیے تھے اور پھر

۱۔ ایلگزانڈر دی گریٹ ، ص ۱۹۵ ۔

۲۔ ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۴۵ ۔

۳۔ نیکوٹ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۸۹۴ء ، ص ۶۸۱ ۔

باجوڑ کے میدانوں میں اتر پڑا تھا ۔

میجر راورٹی کا خیال ہے کہ سکندر نے باجوڑ کے میدانوں میں اپنی سپاہ مشرق سمت سے داخل کی تھی (۱) ۔ پروفیسر رائٹ نے بات بہت مختصر کی ہے ، ان کا بیان ہے کہ سکندر کو ان پہاڑوں کو قطع کرتے اور ان کے جنگجو باشندوں سے لڑتے نو مہینے ہو چکے تھے لیکن ابھی تک ان لوگوں نے سکندر کے سامنے گھٹنے نہ ٹیکے تھے ۔ تقریباً کوئی ہفتہ ایسا نہ گزرتا جبکہ سکندر کو کسی نہ کسی قبیلے سے سخت لڑائی لڑنا نہ پڑتی ۔ سب سے بڑی لڑائی اس نے ایسپیسی قوم سے لڑی ۔ اس کا نصیبا یاور تھا ، اس نے اس قوم کو باجوڑ کے میدان میں ہولناک شکست دی ۔ ان کے کئی ہزار سپاہی مار ڈالے اور چالیس ہزار افراد قید کر لیے ۔ مزید برآں دو لاکھ تیس ہزار بیل بھی چھین لیے (۲) ۔

ایسپیسی کو شکست دینے کے بعد ، سکندر باجوڑ سے وادیٔ سوات میں داخل ہوا ۔ جہاں ان دنوں یونانی نسل کی ایک وہ قوم آباد تھی ، جو آج کل کافر کے نام سے موسوم ہے اور جو کافرستان میں رہتی ہے ۔ اس قوم نے سکندر کے حضور پہنچ کر دعویٰ کیا کہ وہ ان یونانیوں کی اولاد ہے جو ڈائی نوسوس کے ساتھ ہندوستان کے سفر پر آئے تھے اور یہاں رہ گئے تھے ۔

پروفیسر رائٹ کہتے ہیں ، ان لوگوں کے دعویٰ کی تصدیق دوسرے دن اس وقت ہوئی جب یونانی سپاہی کوہِ مور کی بلندیوں پر چڑھے اور وہاں اس نوع کی بیلیں اور درخت اگے پائے جو مقدونیا سے مخصوص تھے ۔ وطن کے ان درختوں نے مقدونی سپاہیوں کو وطن یاد دلا دیا تھا ، فوج خاصی تھک گئی تھی کہ پروفیسر سمتھ کے قول کے مطابق سکندر نے دس دن کے لیے پیش قدمی روک دی اور فوج نے ماحول کے دامن سے خوب خوب لذت سمیٹی اور کافروں کے ساتھ مل کر خوب مے نوشی کی اور پھر مساگا کی طرف بڑھی ۔

۱- راورٹی ، ص ۱۱۲—۱۱۸ ۔

۲- ایلگزانڈر دی گریٹ ، ص ۱۹۶ ۔ ایرین جلد اول مترجمہ روکے مطبوعہ لندن ، ص ۲۴۷ ۔

ایرین کی رو سے ، مساگا اس ملک کا پایۂ تخت تھا جہاں مقدونی فوج سوات کے میدان سے نکل کر پہنچی تھی ۔ کرٹیوس نے اسے مزا گا لکھا ھے اور سٹریبو نے ماسوگا ۔ یہ قوم ماسوگا جس کا پایۂ تخت تھا ، ونسنٹ سمتھ کی رو سے آ۔کنوئی یا آسا کانوسی کہلاتی تھی (۱) اور ماسوگا شہر موجودہ مالاکنڈ ایجنسی کے کہیں آس پاس آباد تھا (۲) ۔

کرٹیوس راوی ھے کہ سکندر جب وھاں آیا تو آسا کانوسی قوم کا راجہ مر چکا تھا اور اس کی نوجوان بیوہ ملکہ کیوفس اس کی جگہ حکمران تھی اور جب سکندر نے ماسوگا کا محاصرہ کیا تو آسا کانوسی قوم نے سات ہزار ہندوستانی تجربہ کار سپاھیوں کی مدد سے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ۔ یوں بھی قلعہ بہت مضبوط اور بظاہر ناقابلِ فتح تھا اس لیے محصورین کے حوصلے بہت بڑھے ہوئے تھے اور جب سکندر کی سپاہ قلعہ کے قریب آئی ، محصور سپاہ قلعے کے دروازے کھول کر باھر نکل آئی اور بڑی پامردی سے لڑائی کا آغاز کیا ۔

ایرین کا بیان ھے کہ جیسے ھی سکندر نے محصور سپاہ کو بڑھ بڑھ کر حملہ آور ہوتے دیکھا ، اپنی صفیں کچھ اس طرح پیچھے ہٹائیں کہ محصور سپاہ سمجھی ، یونانی ہار کر بھاگ رہے ھیں ۔ سکندر نے جان بوجھ کر یہ احساس بڑھایا اور پیچھے ہٹتی فوج کی رفتار تیز کر دی اور جب حملہ آور قلعہ اور قلعہ کے گرد کی خلیج سے خاصے فاصلے پر آ گئے تو پیچھے ہٹتی صفوں کو ایک دم آگے بڑھا دیا اور اس قدر شدت کا حملہ کیا کہ آسا کانوسی اور ہندوستانی سپاھی ہمت ہار گئے اور شہر کی سمت بھاگے ۔ یونانی ان کے ساتھ ساتھ لگے تھے اور ان کو ذبح کرتے جا رہے تھے جب تک آسا کانوسی ، شہر کے دروازوں تک پہنچتے ، یونانیوں نے ان کے دو سو آدمی قتل کر ڈالے (۳) باقی بھاگ کر قلعہ میں بند ہوگئے اور سکندر نے پھر سے قلعے کا محاصرہ کر لیا ۔

محاصرے کے پہلے دن سکندر کو ایک خاصا گہرا زخم بھی پہنچا لیکن

۱- ارلی ھسٹری آف انڈیا بائی سمتھ ، ص ۶۸ ، مطبوعہ حیدر آباد ۔

۲- گیٹس آف انڈیا سرہولڈچ ، ص ۱۳۳ ۔ انڈین بارڈر لینڈ ، ص ۳۴ - ۳۷۔

۳- ایرین جلد اول ، ص ۔ ۲۵۰ ۔

دوسرے دن ، اس نے اپنے زخمی ہونے کا سخت انتقام لیا اور شہر پر منجنیقوں سے بڑی سخت گولا باری کی اور شہر پناہ میں کئی بڑے بڑے سوراخ کر دیے۔

ایرین اعتراف کرتا ھے کہ ان سوراخوں کے اندر سے جب یونانی فوج نے شہر میں داخل ہونے کی کوشش کی تو محصورین نے ان کا بہت سخت مقابلہ کیا اور انھیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا ۔ تیسرے دن یونانی لکڑی کے مصنوعی متحرک برجوں کے ذریعے ان سوراخوں تک پھر پہنچے مگر شام ہوگئی اور محصورین نے انھیں شہر میں داخل نہ ہونے دیا ۔

چوتھے دن یونانی زیادہ بڑے متحرک برجوں کی مدد سے فصیل کے قریب آئے اور منجنیقوں سے پہلے تینوں دنوں کے مقابلے میں زیادہ سخت سنگ باری کی (۱) ۔

ایرین کہتا ھے کہ اس دن بھی محصورین نے حد درجہ استقامت سے کام لیا اور ہر حملہ پسپا کر دیا ۔

سکندر نے یہ عالم دیکھا تو اپنے سارے متحرک برج ایک دم فصیل کے قریب لے آیا اور کچھ اس درجہ شدت سے فصیل پر آگ برسائی کہ محصورین میں سے کئی نامی گرامی سپاہی کام آئے۔ مرنے والوں میں ہندوستانی آتش بازوں کا سربراہ بھی تھا۔ سربراہ کی ہلاکت سے ہندوستانی (۲) آتش بازوں کے حوصلے ٹوٹ گئے اور انھوں نے سکندر سے اس شرط پر مصالحت کر لی کہ وہ انھیں اپنے پاس ملازم رکھ لے ۔ سکندر نے انھیں جب پوری طرح یقین دلا دیا کہ وہ ان کے ساتھ بے وفائی نہیں کرے گا تو وہ سب کے سب قلعے سے باہر نکل آئے اور مقدونی چھاؤنی کے متوازی پہاڑی پر خیمہ زن ہوگئے ۔

ایرین کا بیان ھے کہ ان ہندوستانیوں(۳) نے یہ محض چال چلی تھی ، ان کا ارادہ تھا کہ جیسے ھی اندھیرا پھیل جائے گا ، وہ چپکے سے پہاڑی سے اتر کر جنگل میں چھپ جائیں گے اور اپنے وطن کی سمت دوڑ پڑیں گے ۔ سکندر کو کسی طرح یہ بات معلوم ہوگئی اور اس نے رات ھی رات انھیں گھیرے میں لے کر قتل کر ڈالا ۔

۱۔ ایرین جلد اول ، ص ۲۵۰ ۔

۲۔ ہندوستانی سے مراد پنجابی ھیں ۔

۳۔ پنجابی ۔

حقیقت کیا تھی ۔ آیا سکندر نے ان سات ہزار ہندوستانیوں سے بدعہدی کی تھی یا یہ ہندوستانی اس سے بے وفائی کے مرتکب ہوئے تھے اس وقت اس کا تعین ممکن نہیں ہے ۔

سمتھ نے ان ہندوستانی سپاھیوں کی حوصلہ مندی اور جرأت کی بڑی داد دی ہے وہ لڑتے لڑتے جب تک کٹ نہیں گئے انھوں نے سکندر کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے (۱) ۔ ہندوستانی آتش باز یوں ہلاک ہوئے تو شہر مساگا نے پھر مدافعت نہیں کی ۔ اس کی نوجوان و خوبرو ملکہ ، اپنے نوعمر بچے کو گود میں اٹھائے بڑے ناز و انداز کے ساتھ چلتی سکندر کے حضور حاضر ہوئی ۔ بچہ سکندر کی گود میں گرا دیا اور خود اس کی بیوی بن گئی ۔

سمتھ کا بیان ہے کہ اس عورت نے سکندر کا ایک بیٹا بھی جنا تھا(۲) اور اس کی بڑی محبوب بیوی ثابت ہوئی تھی ۔ جن لوگوں نے مالا کنڈ ایجنسی کے ماحول کو دیکھا ہے ان کا خیال ہے کہ ماضیٔ قدیم میں یہ ماحول بہت آباد تھا اور کتنی ہی اہم بستیاں چند میلوں کے اندر اندر بسی (۳) تھیں ۔ ان بستیوں اور سکندر میں کن شرائط پر صلح ہوئی یا انھوں نے فاتح کو خود سے الجھانا پسند نہ کیا اس موضوع سے متعلق کچھ کہنا صحیح نہیں ہے ۔ تاریخ نے صرف اس امر کی شہادت دی ہے کہ سکندر مقدونی مساگا پر قبضہ کرنے اور اس کی ملکہ کو اپنے حرم میں داخل کر لینے کے بعد موجودہ مردان کی سمت بڑھا اور مردان اور درۂ امبیلا کے مابین واقع دو شہروں اورا اور بازیرہ ناسی کی سمت اپنے دو نائب سپہ سالاروں کوئنوس اور ڈیمی ٹروس کو روانہ کیا ۔

ایرین کا خیال ہے کہ بازیرہ اور اورا کی سمت پوری مقدونی فوج روانہ نہیں ہوئی تھی ۔ کیونکہ سکندر کا گمان تھا کہ یہ دونوں شہر مساگا کے انجام سے آگاہ ہوتے ہی آپ ہی ہتھیار ڈال دیں گے ۔ لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی جب لڑے بغیر ہتھیار ڈالنے کی پیشکش نہیں کی تو سکندر نے پوری فوج اس سمت بڑھا لی ۔

۱۔ ارلی ہسٹری آف انڈیا ، ص ۲۷ ۔ کرٹیوس باب ۸ ، فصل ۱۰ ۔

۲۔ سٹائین آرکیا لوجیکل ٹوران بنیر (۱۸۹۸) ص ۹۳ ۔ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۸۹۶ ، ص ۶۵۵ ۔

۳۔ ایرین جلد اول ، ص ۲۵۳ ۔

ایرین کی رو سے پہلے بازیرہ فتح ہؤا اور پھر اورا ۔ بازیرہ کے لوگ مدافعت سے ناامید ہو کر خود بخود شہر خالی کر کے آرنوس نامی قلعے کی طرف بھاگ گئے تھے اور سکندر نے ان کی غیر موجودگی میں قلعے پر قبضہ کر لیا تھا ۔

آرنوس وہ مقام ہے جس کے بارے میں ایرین کہتا ہے کہ یہ خبر یہاں عام تھی کہ ہرقل جیسا عظیم یونانی فاتح بھی اسے فتح نہ کر سکا تھا اور اس نواح کے باشندوں کو اس کے ناقابلِ تسخیر ہونے کا پورا پورا یقین تھا ۔ کرٹیوس کا بیان ہے کہ ہرقل نے آرنوس کا جس وقت محاصرہ کیا تھا ، ایک خوف ناک زلزلہ نمودار ہؤا اور ہرقل نے اس زلزلے سے ڈر کر محاصرہ اٹھا لیا اور دوسری سمت چل پڑا (۱) ۔

ڈیڈروس نے اس قلعہ کو دریائے سندھ کے کنارے پر آباد ظاہر کیا ہے اور کہتا ہے کہ دریا اس جگہ سے قطعاً ناقابلِ عبور تھا اور دریا کی سمت سے قلعے تک رسائی قریب قریب ناممکن تھی اور دوسری سمت گھرے غار ، کھڈ اور دلدلیں پھیلی تھیں اور ان دلدلوں کے اندر سے کوئی بھی اجنبی فوج راہ نہ پا سکتی تھی ۔

ایرین کے نزدیک البتہ ایک راہ ایسی تھی جس کے ذریعے اس چوٹی پر پہنچا جا سکتا جہاں یہ قلعہ آباد تھا ۔ یہ چوٹی کوئی ساڑھے گیارہ میل کے طول و عرض یا دو سو فرلانگ کے رقبے میں پھیلی ہوئی تھی (۲) ۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ پہاڑ موجودہ مہابن کے قریب ہی کہیں تھا ۔ لیکن سر اورلِ سٹائین نے اس علاقے کے مکمل سروے کے بعد اس خیال کی تردید کی ہے (۳) ۔

پروفیسر ونسنٹ سمتھ کا گمان ہے کہ یہ مقام مہابن اور کونکنی کے

۱- کرٹیوس ، کتاب ہشتم ، باب ۲ ، ص ۱ - ۱۰ - ۲۲ ۔
سٹریبو باب پندرھواں صفحہ ۱۰۰۸ (مرتبۂ کیسوب) ۔
۲- ایرین جلد اول ترجمہ روکے ، ص ۲۵۴ ۔
۳- اورل سٹائین رپورٹ آف آرکیالوجیکل سروے ان این ۔ ڈبلیو فرنٹیر پراونس (۵ - ۱۹۴) ۔

قریب جہاں دریائے سندھ آگے بڑھتا بڑھتا اچانک مڑ جاتا ہے آباد ہے (۱)۔

ماضیٔ بعید میں سر ہولڈچ کی روایت کے مطابق دریائے سندھ اس قلعے کی جنوبی فصیل کے ساتھ ساتھ بہتا تھا (۲) ۔ بہرحال آرنوس کے اس مقام نے سکندر مقدونی کو فتح سے پہلے خاصا پریشان رکھا ۔ وہ کتنے دنوں تک اس کے ماحول کا جائزہ لیتا رہا ، آس پاس کے مقامات پر حفاظتی احتیاط کو ملحوظ رکھ کر اپنی سپاہ کے دستے متعین کیے ۔ دریائے سندھ پر پل بنایا اور مقامی باشندوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے انعامات کی بارش کی ۔ انعامات کی یہ بارش اس نواح کے دو سرداروں آساگیتی اور کوفیوس کو سکندر کے حضور لے آئی اور ان کی رہنمائی میں سکندر ایک مختصر مگر انتہائی آزمودہ کار سپاہ کو ساتھ لے کر امبیلہ پہنچا ۔ ایرین کی رو سے یہ درۂ آرنوس کی چوٹی سے تھوڑے فاصلہ پر واقع تھا اور خاصا مضبوط تھا ۔ سکندر نے اسے فتح کرنے کے بعد اپنے ایک نائب کریٹرس کے سپرد کیا اس کی مدد کے لیے سپاہ وہاں چھوڑی ۔

احتیاطاً کافی خوراک اس شہر میں جمع کی اور خود انتہائی آزمودہ کار آتش بازوں ، تیر اندازوں اور اپنے عزیز نائب کوئنوس کے دستۂ فوج کے ساتھ آرنوس کی سمت بڑھنے لگا ۔

یہ قلعہ آرنوس میں پناہ لینے والے مقامیوں کی بدنصیبی تھی کہ اثنائے راہ میں ، سکندر کی شاہی نوازشوں اور انعام و اکرام کا لالچ ماحول کے چند اور حریصوں کو سکندر کے حضور لے آیا اور ان ظالموں نے سکندر کو آرنوس کی وہ خفیہ راہ دکھائی جس سے بہت کم لوگ واقف تھے (۳)۔ کرٹیوس کی رو سے یہ ایک بوڑھا اور اس کے دو جوان بیٹے تھے ، جنھوں نے ملک کے ساتھ غداری کی تھی اور غداری کی قیمت چاندی کے اسی ٹیلنٹ مقرر کیے تھے (۴)۔ سکندر نے مطلوبہ چاندی تو ان کے سپرد کر دی لیکن آزمائشاً پہلے اپنے سیکرٹری کو ایک مختصر سی فوج دے کر ان کے ساتھ آگے بھیجا ۔

۱۔ ارلی ہسٹری آف انڈیا ، ص ۴۷ ۔

۲۔ سر ہولڈچ گیٹس آف انڈیا ، ص ۱۲۱ ۔

۳۔ ایرین جلد اول ، ص ۲۵۴ ۔

۴۔ کرٹیوس کتاب ہشتم باب ۲ ، ص ۷ ۔ ڈیڈروس باب ۱۷ ، ص ۵۵۷ ۔

ایرین کہتا ہے کہ سکندر نے ٹولمی کو اس کام کے لیے انتخاب کیا تھا اور اس کے ساتھ، اگرین اور دوسرے ھلکے پھلکے ھتھیار بند سپاھی روانہ کیے تھے اور انھیں حکم دیا تھا کہ جوں ھی آرنوس تک رسائی پا لیں اور کسی محفوظ مقام پر پہنچ جائیں اشارہ سے اطلاع دیں تا کہ نیچے کھڑی سپاہ اور وہ خود اوپر آ جائے۔ ٹولمی کو گو راستہ کی دشوار گزاریوں کا مقابلہ کرنا پڑا، اور قدم قدم پر پھسلا، لیکن بالآخر بوڑھا رھنما اور اس کے بچے اسے اور اس کے ساتھیوں کو چوٹی پر چڑھا لے گئے۔ ٹولمی جس وقت چوٹی پر پہنچا تو رات ھو گئی تھی اور اس نے اپنی کامیابی سے اپنے آقا کو آگاہ کرنے کے لیے مشعل جلائی۔ سکندر نے مشعل جلتی دیکھ لی لیکن رات کو سفر اختیار نہیں کیا دوسرے دن سویرا ھوتے ھی اوپر کی طرف چلا۔ اور جب چٹان کے قریب آیا تو مقامیوں کو اپنے مقابلہ میں موجود پایا۔ مقامی لوگوں نے سکندر کی ھر عظمت کے باوجود اس کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ ایرین نے ان کی بہادری اور جرأت کا واضح الفاظ میں اعتراف کیا ھے اور کہا ھے کہ انھوں نے سکندر کی فوج کا منہ پھیر دیا تھا۔ اور اس کا منہ پھیر دینے کے بعد ٹولمی پر توجہ کی تھی اور اسے خاصا پیچھے ھٹا دیا تھا۔

کرٹیوس کی رو سے سکندر کو اس مہم میں سات دن لگے تھے اور اس کے کتنے ھی وہ سپاھی جنھوں نے چٹان پر چڑھنے کی کوشش کی تھی دریا میں گر کر ھلاک ھو گئے تھے۔

ایرین اس حملے کی تفصیل بیان کرتا ھؤا کہتا ھے کہ جب مقامیوں (گندھاریوں) نے سکندر کا حملہ ناکام بنا دیا تو اس نے دوسرے دن از سرِ نو چڑھائی کی۔ لیکن پھر بھی بات نہ بنی اور اس نے ٹولمی کو ھدایات بھیجیں کہ اپنی جگہ جما رہے اور انتہائی جد و جہد سے کام لے؛ اور تیسرے دن خود بھی وھی راہ اختیار کی جس کے ذریعے ٹولمی نے چوٹی تک رسائی پائی تھی۔ دوپہر تک گندھاریوں اور مقدونیوں میں بڑے زور کا رن پڑا۔ ایک فریق آگے بڑھنے کے لیے ھاتھ پاؤں مارتا، دوسرا اسے پیچھے کو دھکیل دیتا۔ دوپہر کے بعد مقدونیوں کا پلہ بھاری ھؤا اور رات ھوتے تک وہ چوٹی تک پہنچ گئے اور اپنے پہلے ساتھیوں سے مل گئے، لیکن اس کے باوجود اس رات وہ مدافعین کو شکست نہ دے سکے۔

حتیٰ کہ دوسرے دن بھی انھیں کامیابی نہ ہوئی ۔ اس پر سکندر نے سو درخت کٹوائے اور ان کو جوڑ کر ایک متحرک برج تیار کیا اور پوری فوج ایک ساتھ مل کر اسے ایک فرلانگ آگے بڑھانے میں کامیاب ہوگئی ۔ اگلے دن بھی یہ جد و جہد جاری رہی ۔ ایرین کی رو سے چار دن تک متواتر سکندر کی فوج اس جد و جہد میں مشغول رہی اور بالآخر مقامی لوگوں کے حوصلے پست ہوگئے اور انھوں نے سکندر کے حضور چند شرائط پر ہتھیار ڈال دینے کی پیشکش کی ۔ سکندر نے یہ پیشکش قبول کر لی اور مقامیوں کو اجازت دے دی کہ وہ قلعہ نما چٹان سے نکل جائیں ، اور جب وہ نکل گئے اور سکندر نے چٹان پر قبضہ کر لیا تو مقدونیوں کو بھیج کر مقامیوں کا اچانک محاصرہ کر لیا ، اور ان کا خوب قتلِ عام کیا(۱) ۔

ایرین کہتا ہے کہ جب سکندر نے اس طرح آرنوس پر قبضہ کیا تو اپنے دیوتاؤں کے حضور قربانیاں پیش کیں اور بڑے جشن منائے ، اور پھر اساسینی ملک کی طرف دوبارا پیش قدمی کی اور پورے ملک میں کہرام مچا دیا ۔ باشندے ڈر کے مارے بستیاں چھوڑ گئے اور اس طرح چھپ گئے جیسے کبھی یہاں نہیں رہتے تھے(۲) ۔

ایرین ہی کا بیان ہے کہ سکندر نے اساسینی ملک کی طرف دوسری بار پیش قدمی اس لیے کی تھی کہ اسے خبر ملی تھی کہ وہاں آساسی نوس کا کوئی بھائی بغاوت، شاہ بیٹھا ہے ۔

کرٹیوس نے دوسری بار سکندر کے اساسینی ملک میں داخل ہونے کا حال بیان نہیں کیا ، وہ صرف اس قدر بیان کرتا ہے کہ سکندر نے آرنوس میں سولہ دن قیام کرنے کے بعد دریائے سندھ کے اس مقام کی طرف پیش قدمی کی تھی جہاں اس کے نائب پرڈی کاس اور ہیفی سٹیون ، باقی ماندہ فوج کے ساتھ پہلے سے پہنچ چکے تھے اور دریا عبور کرنے کے لیے کشتیوں کا ایک پل تیار کر لیا تھا(۳) ۔

۱- ایرین جلد اول مترجمہ روکے ، ص ۲۵۹—۲۶۰ ۔

۲- کرٹیوس کتاب ہشتم ، باب ۱۲ ، ص ۴ ۔

۳- کرٹیوس کتاب ششم ، باب ۱۲ ۔

کرٹیوس اس امر کا بھی راوی ہے کہ سکندر جب اس پل پر آیا ، تو سولہ منزلیں طے کر کے آیا تھا اور جب وہ یہاں پہنچا تھا تو اس کے نائبین نے ایرین کی رو سے دو بڑے جہاز جو تیس چپوؤں کی مدد سے چلتے تھے ، بنا لیے تھے اور کئی چھوٹی کشتیاں بھی تیار کر لی تھیں ۔

یہ پل کہاں تعمیر ہؤا تھا ، اس کے بارے میں مؤرخین میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے ۔ عام خیال یہ ہے کہ یہ موجودہ اٹک کے مقام پر تعمیر ہؤا تھا ، لیکن فوشے کا خیال ہے کہ یہ موجودہ اٹک کے شمال میں کوئی سولہ میل کے فاصلے پر بنایا گیا تھا اور اس جگہ کا نام اوھنڈ ہے ۔ میجر راورٹی نے اس نام کی صحت کا اعتراف کیا اور اسے سنسکرت کے قریب‌تر بتایا ہے(۱) ۔

ایرین رقم‌طراز ہے کہ یہاں پہنچ کر سکندر نے دیوتاؤں کے نام قربانیاں کیں ، جشن منائے اور فوج کو ایک مہینا تک آرام کرنے کے لیے چھٹی دی ۔ دراصل اٹک یا اوھنڈ پہنچ کر سکندر نے اپنی مہم کی ایک بڑی منزل طے کر لی تھی ۔ اس نے یہاں تک پہنچنے میں ہزار ہزار دشواریوں کا سامنا کیا تھا اور پہاڑوں کے اندر راہ بناتے وقت اپنے کئی بہادر ساتھیوں سے محروم ہو گیا تھا ۔

اس جگہ ٹیکسلا کے بادشاہ امبھی نے (جس نے ایک سال پہلے اس کے حضور حاضری دی اور اس کا باج گزار بننا قبول کیا تھا اور اس کے نائب ہیفی سٹیون کی راہ نمائی کرتا انھیں درۂ خیبر تک لایا تھا) اس کے حضور بہت سے قیمتی تحائف پیش کیے ۔ ایرین کی رو سے یہ تحائف سات سو سواروں ، تیس ہاتھیوں ، تین ہزار بیلوں ، دس ہزار بھیڑوں اور دو سو ٹیلنٹ چاندی پر مشتمل تھے ۔ اس مرحلے پر اس نے ایک تحریری اقرار نامہ بھی پیش کیا تھا کہ ٹیکسلا اور اس کے ماتحت ریاست اعلیٰ حضرت کی باج گزار ہے(۲) ۔

کرٹیوس راوی ہے کہ ٹیکسلا کے راجہ نے چھپن ہاتھی خدمتِ شاہ

۱۔ ایرین جلد ۲ ، ص ۷ (مترجمہ راکے) ۔

۲۔ ایضاً کرٹیوس کتاب ہشتم ، باب ۱۲ ۔ جرنل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۸۹۰ء ، ص ۳۳۴ ۔

میں روانہ کیے تھے(۱) ۔

ایرین نے اس پل کے متعلق بھی اپنی رائے بیان کی ہے جو سکندر نے دریائے سندھ پر تعمیر کیا تھا ۔ اس کی رو سے یہ پل بہت سی کشتیوں کو باہم جوڑ کر بنایا گیا تھا اور اس کی شکل ان پلوں ایسی تھی جو رائن اور السٹر کے پلوں کی تھی (۲) لیکن اس نے جو کچھ کہا ہے قیاسی انداز میں کہا ہے حتماً فیصلہ کرنے سے گریز کیا ہے ۔

۱۔ ارلی ہسٹری آف انڈیا سمتھ ، ص ۷۸—۷۹ ۔ راورٹی نوٹس ۔ ڈیڈروس باب ۱۷ ۔ فصل ۸٦ ۔ کننگھم اینشنٹ جیاگرافی ، ص ۵۲ ۔

۲۔ ایرین جلد ۲ ، ص ۷ ۔

فصل چہارم

سکندر مقدونی نے دریائے سندھ عبور کیا

۳۲۶ قبل مسیح کی سردی ختم ہوگئی تھی اور غالباً فروری کا آخر یا مارچ کا آغاز تھا - جب ٹیکسلا کے راجہ امبھی کی راہ نمائی اور یقین دہانی کے بعد سکندر مقدونی نے دریائے سندھ کو عبور کرنے کے احکام جاری فرمائے اور فوج بڑے سکون اور اطمینان کے ساتھ کشتیوں کے پل کے ذریعے دریائے سندھ سے پار ہوئی اور سکندر نے ارضِ پنجاب میں قدم رکھے اور امبھی کی قیادت میں اس وقت کے سب سے بڑے شہر ٹیکسلا کی طرف پیش قدمی کی - ایرین کہتا ہے کہ ابھی ٹیکسلا ۵ میل دور تھا کہ ایک بڑی فوج ، سکندر کی سمت بڑھتی دکھائی دی - سکندر کو بڑی حیرت ہوئی ، وہ سمجھا ، امبھی اور اس کے ساتھی راجوں نے اس سے بے وفائی کی ہے اور اسے غافل رکھ کر ایک بڑی فوج اس کے مقابلے کو یک بہ یک بھیج دی ہے - ابھی سکندر نے صف بندی کا حکم نہیں دیا تھا کہ راجہ امبھی تیز تیز چلتا ، حضورِ شاہ میں حاضر ہؤا اور حقیقت بیان کی کہ یہ فوج کسی حریف کی نہیں ٹیکسلا کی فوج ہے اور یہ اپنے آقا کے حضور سلامِ عقیدت پیش کرنے آئی ہے -

سکندر نے جب تک پورا اطمینان نہ کر لیا ، آگے نہیں بڑھا ، اور جب اطمینان کر لیا تو ٹیکسلا کی فوج ڈھول بجاتی آگے آگے چلی - پورے شہر ٹیکسلا نے اس عظیم فاتح کا جس انداز سے استقبال کیا ، اس کی مثال شاید تاریخ میں کوئی اور نہ ہو - راجہ امبھی سکندر اور اس کی فوج کو اسی طرح چلاتا ، شہر میں لایا اور خوب مہمان نوازی کی ، اور بہت سے قیمتی تحائف بادشاہ اور اس کے نائبین کے حضور پیش کیے -

ایرین راوی(۱) ہے کہ اس مہمان نوازی کے صلے میں سکندر نے راجہ

۱- ایرین جلد ۲ مترجمہ روکے ، ص ۱۶ -

ابیھی کو تمام ملحقه اراضی کا (جو ابھی تک فتح نہیں ہوئی تھی) مالک بنا دیا اور سندِ استحقاق لکھ دی ۔

کرٹیوس نے لکھا ہے که سکندر نے امبھی کو اس کے تحائف اور مہان نوازی کے جواب میں ذاتی سواری کے تیس عمدہ گھوڑے ان کے ساز و سامان کے ساتھ عطا کیے ۔ نیز ایک ہزار ٹیلنٹ چاندی بھی دی ۔ کچھ سونے کے جام بھی بخشے (۱) ۔

پلوٹارک اور سٹریبو کا بیان ہے که ٹیکسلا والوں نے سکندر اعظم کو جو کچھ پیش کیا تھا اس کے صلے میں اس سے کہیں زیادہ سکندر نے انھیں بخشا ۔ حتیٰ که اس کی بخشش و عطا پر بعض مقدونی امراء نے ناک منه چڑھایا ۔ اور جملے بھی کسے تھے ۔ ان کے خیال میں یه بات بہت عجیب تھی که سندھ پار کرنے سے پہلے عالی قدر بادشاہ کو کوئی دوسرا ایسا نه ملا تھا جس کی جھولی میں وہ یوں انعام و اکرام ڈالتا (۲) ۔

سکندر ابھی ٹیکسلا میں مقیم تھا جب که راجه ابھی سار نے جو جہلم و چناب کی گزرگاہوں کے آس پاس کے پہاڑوں کا تاجدار تھا ، سکندر کے حضور ایک سفارت روانه کی ۔ سفیر بڑے چالاک و دانا لوگ تھے ۔ وہ عظیم فاتح کے حضور بڑے تملق سے حاضر ہوئے اور بڑی چالاکی سے کام لے کر ابھی سار کی ساری قلمرو کی دستاویزیں ، سکندر کے حضور نذر کر دیں ۔ شاید وہ کچھ تحائف بھی اپنے ساتھ لائے تھے ۔ لیکن ڈیڈروس نے ان تحائف کی کوئی تفصیل پیش نہیں کی ۔ اس لیے یه کہنا قریب قریب ناممکن ہے که یه تحائف کس نوعیت کے تھے ۔ ابھی سار ریاست کی سفارت باریاب ہوئی تو سکندر نے خود به نفسِ نفیس جہلم اور چناب کے مابین میدانی علاقے اور شاہ کوٹ کے والی راجه پورس کو اطاعت و فرمانبرداری قبول کرنے کی دعوت دی اور پیغام بھجوایا که ہم تمہاری سرحد کی سمت آ رہے ہیں ، ہمارے حضور حاضر ہو جاؤ اور اطاعت بجا لاؤ (۳) ۔

۱۔ کرٹیوس کتاب ہشتم ، باب ۱۲ ، ص ۱۶ ۔ ڈیڈروس باب ۱۷ ۔ فصل ۸۶ ۔ ارلی ہسٹری آف انڈیا مطبوعه حیدرآباد ، ص ۸۳ ۔

۲۔ سٹریبو کتاب پندرہ ، ص ۲۲ ، ۱ ۔ پلوٹارک ایلگزانڈر ، ص ۳۶—۳۷ ۔

۳۔ کرٹیوس کتاب ہشتم ، باب ۱۳ ، ص ۲ ۔

ادھر سے پورس نے انتہائی بہادرانہ جواب بھجوایا " آپ سرحد پر تشریف لائیں گے تو نیاز مند ضرور حاضر خدمت ھوگا ۔ مگر وہ سرنگوں نہیں ھوگا ھتھیار بجاتا ھؤا آئے گا ۔"

ایرین کہتا ھے یہ جواب بڑا گستاخانہ تھا اور سکندر ایسے جوابات سننے کا عادی نہ تھا ۔ اس نے فوج کو آگے بڑھنے کے احکام صادر کر دیے ۔ اس دوران آس پاس کے کئی اور سربراھوں اور امراء کی سفارتیں باریاب ھوئیں اور سکندر کی ناراضگی کسی قدر کم ھوگئی ۔ حاضر ھونے والوں میں ایک پہاڑی راجہ درگارکس بھی تھا (۱) ۔

سکندر نے ان سفارتوں کی وصولی پر شاھانہ کھیل تماشے منعقد کیے اور یونانی شاہ سواروں نے حربی صلاحیتوں اور جوانمردی کے اشغال کی خوب نمائش کی ۔ دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے قربانیاں بھی کی گئیں ۔

قربانیوں کی رسم ادا کرنے کے بعد سکندر مقدونی کی سپاہ دریائے جہلم کی طرف چلی ۔ جہاں سے خبریں آ رھی تھیں کہ پورس ایک عظیم سپاہ کے ساتھ دریا کے دوسرے کنارے پر آن پہنچا ھے ۔

سکندر نے فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیتے ھی کوئنوس کو سندھ کی طرف دوڑایا اور حکم دیا کہ پل کھول کر کشتیاں بیل گاڑیوں پر لاد کر دریائے جہلم کی سمت لے آئے تاکہ سندھ کی طرح جہلم کی چھاتی پر ایک عدد پل کا بوجھ لاد دیا جائے ۔

۱- ایرین جلد ۲ ، ص ۱۲ — ۱۷ (مترجمہ روکے) ڈیڈروس باب ۱۷ - فصل ۸۷ -

فصل پنجم

پورس اور سکندر کی جنگ

سمتھ کی رو سے ٹیکسلا سے دریائے جہلم کا فاصلہ ایک سو دس میل ہے جو سکندر مقدونی کی فوج نے پندرہ دن میں قطع کیا کیونکہ ان دنوں سڑک اچھی نہ تھی اور فوج کو بار بار رکنا پڑا تھا ۔ گو یہ اپریل کا آخر تھا اور گرمی ابھی شباب پر نہ تھی تاہم ٹھنڈے ملک کی رہنے والی یونانی فوج کے لیے موسم کافی گرم تھا ۔ لیکن سکندر کی ہمت فزوں سے فزوں تر ہوتی جا رہی تھی اور جب وہ مئی کے اوائل میں جہلم کے قریب پہنچا تو جہلم میں سیلاب کی سی کیفیت دیکھی ۔ جو کشتیاں دریائے سندھ سے گاڑیوں پر لاد کر لائی گئی تھیں ، جہلم میں ڈال دی گئیں ۔ لیکن ایسے عالم میں جب پورس پچاس ہزار فوج کو ساتھ لیے ، دوسرے کنارے پر موجود تھا ، ان کشتیوں کے ذریعے دریا عبور کرنا قطعاً مناسب نہ تھا ۔ اس لیے سکندر نے فوج میں منادی کر دی کہ دریا اس وقت عبور کیا جائے گا جب برسات ختم ہو جائے گی اور پہاڑوں پر برف پگھلنے کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا (۱) ۔

یہ محض اس کی چالاکی اور عیاری تھی ، اور اس نے اپنی اس عیاری کو چھپانے کے لیے فوج کے متعدد دستے ادھر ادھر دوڑا دیے ۔ مخبروں نے یہ خبریں ، دوسرے کنارے پر موجود پورس کو پہنچا دیں اور پورس نے اس خیال سے کہ دارا کی فوج کسی اور جگہ سے دریا نہ عبور کر جائے اپنی فوج جہلم کے ساتھ ساتھ دور دور تک پھیلا دی ۔ مگر یونانی دستے محض دھوکہ دینے کے لیے ادھر ادھر دوڑ رہے تھے ۔ وہ کسی ایک جگہ پر نہ جمتے ۔ مزید برآں اس کے جہاز جو جہلم کی چھاتی پر

۱- سمتھ ، ارلی ہسٹری آف انڈیا ، مطبوعہ حیدرآباد ، ص ۸۴—۸۵ -

سوار بھی دریا میں برابر نقل و حرکت کرتے رہتے ۔ وہ کبھی کبھی دوسرے کنارے سے قریب جا پہنچتے اور پورس کی فوج کنارے پر صف بستہ ہو جاتی (۱) ۔

چالاک و ہوشیار سپہ سالار کی اس چالاکی اور عیاری کو پورس ایسے بھولے بادشاہ کس طرح سمجھ پاتے ۔ جیسے ھی یونانی جہاز کنارے سے قریب آتے وہ ساری کی ساری جمعیت کو ادھر بڑھا لاتا ۔

ایرین کی رو سے یہ تگ و دو کئی ہفتوں تک ہوئی ۔ اور جب کئی ہفتے گزر جانے کے باوجود یونانی سپاہ ، دریا سے پار نہ ہوئی تو پورس کو اطمینان ہوگیا کہ یونانی فوجی دستوں کی نقل و حرکت محض نمائشی اور بلا وجہ ھے ۔

یوں بھی برسات کا موسم تھا اور پانی کناروں تک بھر آیا تھا اور پورس کو یقین تھا کہ سکندر اس عالم میں دریا عبور کرنے کا حوصلہ نہیں کرے گا (۲) ۔

چالاک سکندر نے اس غلط فہمی سے خوب فائدہ اٹھایا ، اور اپنی چھاؤنی سے کوئی دس میل ادھر کی ایک جگہ جہاں بہت گھنے درخت اگے تھے اور جہاں دریا نے گھوم کر ایک چھوٹا سا جزیرہ تخلیق کر رکھا تھا ، دریا کو عبور کرنے کے لیے انتخاب کر لی اور بڑی احتیاط اور رازداری سے کام لے کر اپنی منتخب سپاہ آہستہ آہستہ وہاں پہنچا دی ۔ اس دوران اس نے اپنی چھاؤنی استادہ رکھی اور اپنے نائب کرٹیوس کو ٹیکسلی مددگار سپاہ اور زیادہ تر پیادہ فوج کے ساتھ وہیں رہنے دیا اور حکم دیا ، خوب چیخیں چلائیں ، اور ادھر ادھر پہلے ھی کی طرح بلاوجہ دوڑتے پھریں تاکہ دوسرے کنارے پر مقیم پورس سمجھے ، فوج اپنی چھاؤنی میں موجود ھے ۔

ایرین ھی کا بیان ھے کہ سکندر نے اپنی منتخب سپاہ اس جزیرے

۱- ایرین جلد ۲ مترجمہ رو کے ، مطبوعہ لندن ، ص ۱۹—۲۰ ۔ کرٹیوس کتاب ہشتم ، باب ۱۳ ، ص ۸ ۔

۲- ایرین جلد ۲ ، ص ۲۵ ۔ پلو ٹارک ، ص ۳۷ ۔ کرٹیوس جلد ہشتم ، باب ۱۳ ، ص ۲۲ ۔ ایلگزانڈر دی گریٹ ، ص ۲۰۲ ۔

میں جسے اس نے دریا کو عبور کرنے کے لیے منتخب کیا تھا ، کئی راتوں میں پہنچائی اور ان راتوں میں اس کی چھاؤنی بقعۂ نور بنی رہی ۔ ہر سو الاؤ جلتے رہے ، شمعیں پہلے سے زیادہ زور شور سے جلیں اور ہنگاموں نے پہلے سے زیادہ شدت اختیار کر لی ۔ ان چند راتوں میں جہاں سکندر کی منتخب سپاہ اس جزیرے میں پہنچتی رہی ، وہاں نئی کشتیاں بھی تعمیر ہوتی رہیں اور ایک رات جب طوفان کا سا عالم تھا ، بارش بڑے زور شور سے ہو رہی تھی ، بادل گرج رہے تھے اور بجلی چمک رہی تھی سکندر مقدونی نے ملاحوں کو حکم دیا اپنی ساری کشتیاں تیار کر کے ٹاپو کے ساتھ ملا دیں ۔ جب کشتیاں ٹاپو کے ساتھ آن لگیں ، تو سکندر نے پانچ ہزار منتخب سواروں ، اونچے درجہ کے آتش بازوں ، تیراندازوں اور انتہائی لڑاکے پیادوں کو ان کشتیوں میں سوار کیا ۔

ایرین کی رو سے وہ جس کشتی میں خود سوار ہؤا ، اسے تیس ملاح کھے رہے تھے اور اس کے تمام محبوب نائبین اس کے ساتھ سوار تھے ۔ ٹولمی بھی اس میں تھا ، پرڈیکاس بھی ، سیسی میچوس بھی اور سیلی کوس بھی تھا ۔ تیراندازوں کی ایک منتخب ٹولی بھی لدی تھی ۔

زور زور سے برستی بارش نے گو آگے بڑھتے یونانی بیڑے کا منہ پھر پھیر دیا ، لیکن ابھی صبح نہ ہو پائی تھی کہ سکندر کی ساتھی سپاہ دوسرے کنارے پر پہنچ گئی گو دشمن نے آخر وقت اسے دریا کے کنارے اترتے دیکھ لیا تھا ۔ پورس کے بیٹے نے بجلی ایسی تیزی سے آگے بڑھ کر سکندر کا راستہ روک لیا ۔ لیکن چونکہ نوجوان شہزادہ جلدی میں اپنے ساتھ بہت تھوڑے آدمی لایا تھا اس لیے سکندر کے ساتھیوں نے جو بارہ ہزار سے کم نہ تھے ، انھیں گھیرے میں لے لیا ۔ نوجوان شہزادے کے ساتھ ، پلوٹارک کی رو سے صرف ایک ہزار سوار اور ساٹھ رتھیں تھیں (۱) ۔

کرٹیوس کہتا ہے ، شہزادہ تین ہزار سواروں کے ساتھ حملہ آور ہؤا تھا (۲) ٹولمی اور ایرین کے نزدیک شہزادے کے ساتھ دو ہزار سوار اور

۱۔ پلوٹارک ، ص ۳۷ ۔

۲۔ کرٹیوس ، جلد ہشتم ، باب ۱۴ ، ص ۲ ۔

ایک سو بیس رتھیں تھیں(۱)- نوجوان شہزادہ شاید سکندر مقدونی سے واقف نہ تھا اس لیے اس پر بڑے جوش و خروش کے ساتھ حملہ آور ہؤا - اس نے سکندر کو ہلکے ہلکے زخم بھی پہنچائے لیکن انجام کار قتل ہؤا - اس کے ساتھ چارسو اور لڑاکے بھی کام آئے - باقی ماندہ نے راہ فرار اختیار کی(۲) اور پورس کے پاس پہنچ کر اسے صورت حال بتائی - پورس اس وقت دریا کے کنارے پر صفیں باندھے اس یونانی سپاہ کی سمت نظریں گاڑھے تھا جو کریٹروس کی کمان میں دوسرے کنارے پر موجود تھی اور جس کی نقل و حرکت سے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اس سمت مارچ کرنے کو ہے(۳) -

کتنی دیر تک پورس یہ فیصلہ نہ کرسکا کہ کیا تدبیر اختیار کرے - یہیں جا رہے جہاں موجود ہے یا آگے بڑھ کر دشمن کی راہ روکے - بالآخر اس نے دریا کے کنارے پر کچھ ہزار سپاہی متعین کر کے خود سکندر کی طرف پیش قدمی کی -

ایرین کی رو سے پورس نے اپنے ساتھ چار ہزار سوار ، تین ہزار مسلح رتھیں ، تیس ہزار پیادے اور دو سو ہاتھی لیے تھے - باقی سپاہ چھاؤنی ہی میں رہنے دی تھی - پورس آگے بڑھتا جس وقت ہموار میدان میں پہنچا تو وہیں رک گیا اور صف بندی شروع کی - اس نے اپنے دو سو ہاتھیوں کو سب سے آگے اس طرح متعین کیا کہ ہر ہاتھی ، دوسرے سے سو فٹ کے فاصلے پر تھا - سو فٹ کے فاصلے میں اس نے تیر انداز اور نیزہ بردار پیادے کھڑے کیے - لیکن یہ پیادے ہاتھیوں سے کسی قدر پیچھے تھے -

ایرین کی رو سے ، پورس کا مقصد ہاتھیوں کو آگے کھڑے کرنے سے یہ تھا کہ سکندر کی فوج انہیں کھڑا دیکھ کر حملہ آور ہونے کا حوصلہ (۴) نہ کرے - ہر ہاتھی کے اوپر لکڑی کے ہودج بنے تھے جن میں بیک وقت کئی کئی مسلح سپاہی نیزوں کو ہاتھوں میں تھامے کھڑے تھے - پیادہ صفوں کے کونوں پر سوار متعین کیے گئے تھے اور ان کے پہلوؤں

۱- ایرین جلد ۲ ، ص ۲۸ -
۲- ارلی ہسٹری آف انڈیا ، ص ۸۹ - ایلگزانڈر دی گریٹ ، ص ۲۰۴ -
۳- ایرین جلد ۲ ، ص ۲۹ -
۴- ایرین جلد ۲ ، ص ۳۰ - ۳۱ - ۳۲ -

میں مسلح رتھیں ٹھیرائی گئی تھیں ۔

پورس نے اپنے خیال سے اپنی فوج بہت عمدہ ترتیب سے کھڑی کی تھی لیکن یہ ترتیب سکندر نے جلد ھی بدل ڈالی ، جو اپنے سواروں اور پیادوں کو آگے بڑھاتا یہاں تک پہنچا تھا ۔ سوار آگے آگے تھے اور پیادے پیچھے ۔ سکندر نے اپنے سواروں کو ایک دم آگے بڑھنے سے روک لیا تاکہ پیادے ان سے آن ملیں ۔ پیادوں کی صفیں سواروں سے آن ملیں تو سکندر اپنے سواروں کو لے کر جو پورس کے سواروں سے تعداد میں کافی زیادہ تھے پورس کے بائیں بازو کی طرف بڑھا ، جہاں ھاتھی نہ تھے ۔ کوئنوس اور ڈیمیٹروس کو بھی حکم دیا ، اپنی اپنی سپاہ کے ساتھ پورس کے دائیں بازو پر ٹوٹ پڑیں ۔ گویا چالاک اور دانا سکندر نے پورس کے دو سو ھاتھیوں کو آغازِ کار میں چھیڑنے کی تکلیف نہ کی ۔

ایرین کا بیان ہے کہ سکندر نے اپنی سوار سپاہ کو آگے بڑھاتے وقت کوئنوس کو یہ حکم بھی دیا کہ دشمن کے دائیں بازو سے ھو کر عقب پر حملہ آور ھو ۔ نیز پیادہ دستے ، سیلی کیوس ، انٹی گونوس اور ٹورو کے سپرد کیے اور انھیں ھدایت دی کہ اس وقت تک لڑائی میں شریک نہ ھوں جب تک اسے اور کوئنوس کو دشمن صفوں میں انتشار پیدا کرتے دیکھ نہ لیں ۔

سکندر نے ایک اور دانائی یہ کی کہ سواروں کو آگے بڑھانے سے قبل ، ایک ہزار تیر اندازوں کو حکم دیا کہ ایک دم تیر برسانے لگیں ۔ تیر اندازوں نے اس دن خوب جوھر دکھائے اور اس تیزی اور تندی سے تیر اندازی کی کہ پورس کی پہلی صفیں بالکل الٹ گئیں ۔ اس عالم میں سکندر نے اپنی پوری کی پوری سوار صفیں ایک دم آگے بڑھا لیں ، جو ان برجوں پر جن کے دائیں بائیں انسانی پیادہ فصیل چنی تھی ، زلزلوں کے سے انداز میں لپکیں ۔

پورس کو یہ صورتِ حال دیکھ کر اپنی سوار سپاہ کو بھی ادھر لانا پڑا ۔ پنجابی سوار ، عقب سے ھو کر جب تک یونانی سواروں سے آن کر ملتے اس وقت تک یونانی سواروں نے جن کی قیادت سکندر خود کر رھا تھا قلب اور دائیں بازو کی کتنی ھی صفیں الٹ ڈالیں اور جب پنجابی سوار یونانی سواروں سے الجھے سکندر کے حکم سے کوئنوس اپنی پوری پیادہ

سپاہ کے ساتھ پنجابی عقب پر ٹوٹ پڑا اور ہر طرف نعشیں ہی نعشیں پھیلا دیں ۔ یہ پنجابی سپاہ پر بڑی نازک گھڑی تھی ۔ اس نزاکت سے بچنے کے لیے ، فیل بانوں کو احکام ملے کہ اپنے ہاتھی یونانی سواروں سے بھڑا دیں اور یونانی پیادہ فوج پر چڑھ جائیں ۔

فیل بان انہیں یونانی پیادوں پر چڑھانے گئے ۔ بلا شبہ ہاتھیوں نے اس مرحلے پر پنجابی فوج کی خاصی مدد کی اور یونانی صفیں پیچھے ہٹتی دکھائی دیں ۔ پنجابی سواروں نے یہ عالم دیکھا تو ایک دم ادھر بڑھ آئے تا کہ ہاتھیوں کے ساتھ مل کر ، دشمن سپاہ سے بدلے لیں ۔ ہاتھی جہاں پیش قدمی کر رہے تھے وہ جگہ بہت تنگ تھی ، سوار صفیں ان کے ساتھ آن ملیں تو بات کسی قدر الٹ گئی ۔ نہ فیل بان ہاتھیوں کو ٹھیک طرح آگے پیچھے کر سکے اور نہ سوار صفیں ہی بوقتِ ضرورت اپنی مرضی سے نقل و حرکت پر قادر رہ سکیں ۔

اچانک یونانی پیادہ فوج کو آگے بڑھنے کا حکم ملا اور اس نے میدانِ جنگ میں آتے ہی حالت بدل ڈالی ، کتنے ہی ہاتھیوں کی سونڈیں بہادر مقدونیوں نے جان ہتھیلی پر رکھ کر کاٹ دیں اور ہاتھی اپنی ہی صفوں میں انتشار پیدا کرتے پیچھے کو بھاگے ۔

ان اندھے دیووں نے اپنی ہی فوج کو زیادہ نقصان پہنچایا اور سواروں اور پیادوں میں اس درجہ انتشار پیدا کیا کہ صفوں پر صفیں گرنے لگیں ۔

عین اس لمحہ کریٹروس اور اس کے ساتھی جرنیلوں نے جنہیں سکندر دوسرے کنارے پر چھوڑ آیا تھا دریا عبور کر لیا اور پنجابیوں پر اچانک نازل ہوکر انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈالا ۔

ایرین کی رو سے اس دن کی لڑائی میں بیس ہزار پنجابی پیادے میدانِ جنگ میں کھیت رہے اور تین ہزار سواروں کی جانیں گئیں ۔ ساری کی ساری رتھیں غصیلے اور جنگجو یونانیوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں ۔

اس کے باوجود بہادر پورس ابھی تک میدانِ جنگ میں ڈٹا تھا ۔ وہ

۱- ایلگزانڈر دی گریٹ ، ص ۲۰۳ ۔
۲- ارلی ہسٹری آف انڈیا ، ص ۸۹ ۔
۳- ایرین جلد ۲ ، ص ۳۳ ۔

کبھی ایک ٹولی کو آگے بڑھاتا اور کبھی دوسری کو اور آخر وقت تک خوب دادِ شجاعت دیتا رہا(۱) -

کرٹیوس کی رو سے اس دن دشمن سے الجھتے الجھتے پورس کو نو زخم آئے تھے - اس نے کچھ زخم سینے پر کھائے تھے اور کچھ پیٹھ پر کیونکہ یونانی سپاہ بار بار اسی کی سمت یورش کرتی رہی تھی (۲) -

ڈیڈروس کا بیان ہے کہ پورس کو جب بہت زخم آئے اور اس کی قوتِ مقاومت جواب دے گئی اور خون فوارے کی طرح بہنے لگا اور اس کے حواس قائم نہ رہے تو اس کے فیل بان نے ایک دم ھاتھی کا رخ میدانِ جنگ سے باہر کی طرف پھیر لیا(۳) -

کرٹیوس کہتا ہے کہ جب فیل بان نے ھاتھی کا رخ باہر کی طرف پھیرا ، تو سکندر نے ٹیکسلا کے راجہ کے بھائی کو اس کے پیچھے دوڑایا کہ اسے ہتھیار ڈال دینے کی فرمائش کرے - اس کی آواز پر فیل بان نے ھاتھی کو روک لیا - پورس نے بند آنکھیں کھول دیں اور راجہ ٹیکسلا کے بھائی کی فرمائش سن کر اس پر خنجر اچھالا اور رکی ہوئی لڑائی پھر سے چھڑ گئی -

یونانی سپاھی ایک بار اور اس پر یورش کر آئے - اسے کئی اور زخم پہنچے ، ھاتھی کو تو یونانیوں نے قریب قریب ذبح کر ڈالا اور زخمی پورس کو اٹھا کر سکندر کے حضور لے آئے (۴) -

ایرین کی رو سے یہ ایک پنجابی سردار میرو تھا جو پورس کو سکندر کے پاس لایا تھا (۵) - حالانکہ وہ بری طرح زخمی تھا اور خون اس کے زخموں سے بہ رہا تھا اس کے باوجود وہ آپ اپنے سہارے کھڑا تھا اور قطعاً پریشان نہ تھا -

ایرین کا بیان ہے کہ سکندر نے پورس کو دیکھا اس کے قد و قامت

۱- ارلی ھسٹری آف انڈیا بائی سمتھ ، مطبوعہ حیدر آباد ، ص ۹۱ -
۲- ایرین جلد ۲ ، ص ۳۶ -
۳- ڈیڈروس ، ص ۵۵۹ -
۴- کرٹیوس جلد ھشتم ، باب ۱۴ ، ص ۳۳ - ۳۴ -
۵- ایرین جلد ۲ ، ص ۳۷ -

پرنگاہ کی تو متوازن و متناسب جسم اورمردانہ رعنائی سے بہت متاثر ہوا(۱)۔ ایرین کے نزدیک پورس کا قد پانچ کیوبٹ تھا ۔ پلوٹارک نے اسے چار کیوبٹ ایک ہاتھ ٹھیرایا ہے (۲) ۔ مسٹر رو کے (۳)، ایرین کے مترجم اور مرتب کا بیان ہے کہ ہمارے اندازے کے مطابق ۵ کیوبٹ ساڑھے سات فٹ ہوتے ہیں ۔ فاضل سمتھ نے غالباً پلوڈارک (۴) کے اندازے کو زیادہ صحیح مان کر پورس کی قامت ساڑھے چھ فٹ بتائی ہے ۔

پلوٹارک راوی ہے کہ اس مرحلے پر جب فاتح و مفتوح ، دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے آئے تو سکندر نے اس سے پوچھا How he expected to be used ”اسے کیا امید ہے کہ اس کے ساتھ کیسا سلوک ہو سکتا ہے ۔“

پورس نے جواب دیا As a King aught to be ” جو ایک بادشاہ کے شایان شان ہے ۔“

پورس کا یہ جواب بڑا مختصر تھا ۔ سکندر نے وضاحت چاہی تو پورس نے خاصی بے پروائی سے اس کی سمت دیکھا اور کہا ، پہلے جواب میں ہر بات کہ دی گئی ہے اور وہ اس میں کوئی اضافہ کرنے پر آمادہ نہیں ہے ۔

ایرین نے بھی قریب قریب یہی بات کہی ہے ، صرف اتنا اضافہ کیا ہے کہ سکندر نے پورس کا جواب سن کر اس سے کہا تھا That I would do for my own sake butt say what I shall do far thine.

”یہ تو میں اپنے طور پر اس کے ساتھ اچھی طرح پیش آؤں گا ۔ آپ کہیے آپ کی کیا خواہشات ہیں ۔“

پورس نے ایرین کی رو سے بھی اپنے پہلے جواب میں کوئی اضافہ نہیں کیا ۔ پلوٹارک ، ایرین ، ڈیڈروس اور کرٹیوس ، سب کے سب متفق البیان ہیں کہ سکندر کو پورس کا یہ جواب بہت بھایا اور اس نے نہ صرف اس

۱۔ ایرین جلد ، ص ۳۸ ۔

۲۔ پلو ٹارک ، ص ۳۸ ۔

۳۔ ایرین ترجمہ رو کے پر حاشیہ ، ص ۳۸ ۔

۴۔ ڈیڈروس کتاب نہم ، باب ۳ ، ص ۲۳ - ۵۵۹ ۔

کی چھنی ہوئی بادشاہت اسے واپس دے دی ۔ ملحقہ ریاست بھی اپنے طور پر اسے تفویض کر دی اور اسے اپنا دوست بنا لیا ۔

اس طرح تاریخِ پنجاب کی یہ عظیم لڑائی ختم ہوئی ۔ جس میں پروفیسر رائٹ کے بیان کے مطابق یونانی فوج کو پہلی تمام لڑائیوں سے زیادہ نقصان پہنچا تھا (۱) ۔

سکندر نے حسبِ دستور اس فتح پر بھی خوب جشن منائے ، دیوتاؤں کے حضور قربانیاں پیش کیں ، کھیل تماشوں سے یونانی فوج کے دل بڑھائے اور فتح کی یادگار کے طور پر دو شہروں کی بنیاد رکھی ۔ ایک شہر ، اس میدانِ جنگ کے قریب تعمیر کیا ، جہاں اسے فتح ہوئی تھی ، دوسرا شہر اس جگہ بننا شروع ہؤا جہاں سے سکندر نے دریائے جہلم کو عبور کر کے دشمن سے لڑائی کی طرح ڈالی تھی ۔ اس شہر کا نام اس نے اپنے اس گھوڑے کے نام پر بوک فلوس رکھا جس پر چڑھ کر اس نے یہ لمبی مسافت طے کی تھی اور جس نے اسے گردن گردن تک پانی میں ڈوب جانے کے باوجود منزلِ مقصود تک پہنچا دیا تھا ، لیکن تھکاوٹ اور بڑھاپے کے سبب جان دے دی تھی ۔ ایرین کی رو سے اس گھوڑے کی عمر تیس سال تھی اور اس نے اپنے آقا کے ساتھ بڑی وفا کی تھی (۲) ۔

موجودہ جہلم شہر اس شہر کے کھنڈرات پر بنا ہے ۔ پلوٹارک کے زمانہ میں ، یہ سکندری شہروں میں ممتاز ترین شہر سمجھا جاتا تھا اور چونکہ شاہراہِ عام پر واقع تھا ، اس لیے اسے متواتر صدیوں بعد تک ایک عظیم تجارتی مرکز کی حیثیت حاصل رہی ۔ پلوٹارک نے دوسرے شہر کو دوسرے کنارے پر آباد ظاہر کیا ہے اور کہتا ہے کہ یہ شہر سکندر نے اپنے کتے کی یاد میں تعمیر کیا تھا جو گھوڑے ہی کی طرح اس کا قدیم ترین اور انتہائی وفادار ساتھی تھا ۔ البتہ اس نے اس شہر کو اپنا نام عطا کیا یعنی نی سیسا ۔ عجیب بات ہے ، نی سیسا شہر پہلے شہر سے بہت کم

۱- ایلگزانڈر دی گریٹ ، ص ۲۰۵ ۔
۲- ایرین جلد ۲ ، ص ۴ ، مترجمہ رو کے ۔ کرٹیوس باب اول ۔ کتاب نہم ، ص ۵ ۔
۳- پلوٹارک ، ص ۳۸ ۔

مشہور ہؤا ۔ سمتھ کی رو سے یہ شہر سکھ چین پور گاؤں کے قریب ہی کہیں آباد تھا ۔ اور جو ٹیلا اس کے کھنڈرات کو چھپائے ہے ، اسے ان دنوں پنڈی کہتے ہیں اور اس میں سے وقتاً فوقتاً پرانی اینٹیں اور یونانی سکے برآمد ہوتے رہتے ہیں ۔

اس جگہ سے انگریزوں کے زمانۂ حکومت میں ایک تمغہ نما سکہ برآمد ہؤا تھا جس پر ایک مقدونی سوار کی تصویر کندہ تھی جو اپنے سامنے بھاگتے ہاتھی پر چابک برسا رہا تھا ۔ یہ مقدونی سکندر کی ذات تھی اور ہاتھی پورس کا تھا ۔ یہ تمغہ ان دنوں برٹش میوزم میں محفوظ ہے اور اس فتح کی بہترین یادگار ہے جو سکندر نے پورس پر حاصل کی تھی ۔

فصل ششم

پنجاب میں سکندر کی مزید پیش قدمی

پانچ ہزار قصبات پر قبضہ

ایرین کا بیان ہے کہ سکندر نے جہلم کی اس فتح کے بعد جب جشن منا لیے اور قربانیاں دے لیں تو آگے کی سمت پیش قدمی کر کے گلیوسی قوم پر زوال لایا ۔ ارسٹبلس نے اس قوم کا نام گل اسی نسا لکھا ہے (۱) ۔

غالباً اس قوم نے پورس کے سے انداز میں سکندر کی راہ نہیں روکی تھی اور نہ اتنے تہور اور مردانگی کا مظاہرہ کیا تھا اس لیے یونانی مؤرخین نے اس کی لڑائی کی مفصل روداد رقم نہیں کی ۔ ایرین صرف اس قدر کہتا ہے کہ سکندر اپنی سوار سپاہ ، تیر اندازوں ، نیزہ بازوں اور پیادوں کے ایک منتخب گروہ کے ساتھ اس ملک میں داخل ہؤا اور سارے ملک نے فوراً اس کی اطاعت قبول کر لی ، مترجم روکے کے الفاظ ہیں :

Alexender entered their country with part of his Auxilaries horse and some of the choicest of every Company of foot, and the whole country was immediately delivered up to him.

یہ ملک جس نے فوراً اطاعت قبول کر لی تھی ایرین کی رو سے ، سینتیس شہروں پر مشتمل تھا جن میں پانچ ہزار سے لے کر دس ہزار لوگ رہتے تھے ۔ ان کے ماسوا بہت سے گاؤں اور بھی تھے ۔

پانچ ہزار دیہات و قصبات پر قبضہ

پلوٹارک نے ان قصبات کی تعداد پانچ ہزار بتائی ہے (۲) ، جو بظاہر مبالغہ پر مبنی معلوم ہوتی ہے ۔

پلوٹارک اور ایرین دونوں اس باب میں متفق الخیال ہیں کہ سکندر مقدونی نے یہ نئی ریاست فتح کرنے کے بعد اپنے دوست پورس کو بخش دی ۔

۱۔ ایرین جلد ۲ ، ص ۴۰ ۔

۲۔ پلوٹارک ، ص ۳۸ ۔

اس مرحلہ پر ابھی‌سار یا ابھی‌سار کے راجہ نے ایک سفارت اور روانہ کی اور دوبارہ سکندر کو اپنی وفاداری اور اطاعت و تسلیم کا یقین دلایا ۔ وہ بذاتِ خود حاضر نہیں ہؤا تھا اور معذرت چاہی تھی کہ اس کی صحت اسے سفر کی اجازت نہیں دیتی ۔ سکندر نے اس کی معذرت قبول کی (۱) ۔

سفارتیں بار یاب ہوئیں

ایرین راوی ہے کہ ابھسار کا بھائی سفارت کا سربراہ بنا تھا اور اپنے ساتھ چالیس ہاتھی اور بہت سا روپیہ لایا تھا ۔ سکندر نے تحائف تو قبول کر لیے اور حکم بھجوایا ، راجہ بذاتِ خود خدمتِ عالی میں حاضر ہو (۲) ۔
یہیں کئی اور علاقوں کے سفیروں نے بھی حاضری دی ۔ پارتھیا اور ھرسینیا کے نمائندے بھی پہنچے ۔ وہ اس وقت آگے بڑھتے بڑھتے ، چناب کے کنارے پر پہنچ چکا تھا اور غالباً یہ جولائی ۳۲۶ ق م کا وسط تھا ۔

دریائے چناب کے کنارے

چناب پر جہلم کی طرح کسی بہادر پورس نے اس کی راہ نہیں روکی ، لیکن چونکہ برسات کا موسم تھا اور دریا میں طغیانی کا سا عالم تھا اس لیے سکندر کو اسے عبور کرنے میں بڑی دقتیں پیش آئیں اور خاصے دن لگ گئے ۔

ٹولمی کا بیان ہے کہ دریا کا پاٹ ان دنوں کوئی پندرہ فرلانگ چوڑا ہوگیا تھا اورکتنے ہی جہاز پانی کے اندر چھپی ہوئی نوکیلی چٹانوں سے ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہو گئے تھے(۳) ۔ سمتھ اور میک کرنڈلےکی رو سے سکندر نے موجودہ وزیر آباد سے کوئی تیس میل اوپر چناب کو عبور کیا (۴) ۔

سکندر نے دریا عبور کر لیا تو کوئنوس کو حکم دیا اس سمت کے ملک میں پھیل جائے اور رسد بھی جمع کرے اور دور دراز کے لوگوں پر اپنی آمد اور شان و شکوہ کے اثرات بھی گہرے کرے ۔

پورس اب تک اس کے ساتھ تھا ۔ اسے ہدایت ہوئی کہ وہ لوٹ کر اپنے وطن جائے اور نئی فوج بھرتی کر کے اور نئے ہاتھی سدھا کر لائے ۔

۱- کرٹیوس کتاب دھم ، باب اول ، ص ۲۰ ۔
۲- ایرین جلد ۲ ، ص ۴۰ ۔
۳- ایرین جلد ۲ ، ص ۴۴ ۔ کرٹیوس جلد نہم ، باب اول ، ص ۱۳ ۔
۴- سمتھ ارلی ھسٹری آف انڈیا ، مطبوعہ حیدر آباد ، ص ۹۴ ۔ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی اکتوبر ۱۹۰۳ ، راورٹی ص ۳۴۳ ۔

ایرین کے نزدیک سکندر کو رسد اور آدمیوں کی ضرورت اس لیے پیش آئی تھی کہ پورس ثانی نے جو پورس اول کا رقیب تھا ، سکندر کے خلاف بغاوت کر دی تھی ۔

پورس ثانی کی بغاوت

اس پورس ثانی کے بارے میں ایرین اور دوسرے یونانی مصنفین نے بہت تھوڑی معلومات بہم پہنچائی ھیں ، صرف اس قدر کہنے پر اکتفاء کیا ھے کہ اس نے سکندر کا ساتھ اس لیے چھوڑا اور اس کے خلاف اس لیے بغاوت کی تھی کہ سکندر اس کے رقیب پورس اول پر حد درجہ مہربان ہوگیا تھا ۔ اس پورس ثانی کی ریاست کے حدود اربعہ کیا تھے اور موقع و محل کونسا تھا ، اس پر بھی کسی یونانی مؤرخ نے گفتگو نہیں کی ، تاہم قرائن سے ظاہر ھوتا ھے کہ اس کی ریاست دریائے چناب اور راوی کے مابین واقع تھی کیونکہ ایرین کہتا ھے کہ سکندر نے اس کی سرکوبی کے لیے جو فوج ھیفسٹون کی قیادت میں روانہ کی ، وہ دریائے راوی عبور کرنے سے پہلے روانہ کی تھی ، اور یہ فوج ھیفسٹون کے سپرد کر کے خود دریائے راوی کے کنارے پر آن پہنچا تھا ۔

سکندر اور دریائے راوی کا علاقہ

سکندر نے دریائے راوی کس جگہ سے عبور کیا ، اس کے بارے میں کچھ کہنا آسان نہیں ھے ، بہر حال دریا عبور کرنے کے بعد وہ اس علاقہ میں داخل ہؤا ، جہاں کتھوئی قبیلہ آباد تھا ۔ سمتھ راوی ھے کہ یہ کتھوئی قبیلہ جو اپنی جرأت و بہادری اور جنگجوئی میں بڑی شہرت رکھتا تھا موجودہ لاھور کے زیریں علاقہ میں آباد تھا (۱) ۔

ایرین کے بیان سے ایسا لگتا ھے کہ سکندر نے جب دریائے راوی کو عبور کر لیا اور آگے کی طرف پیش قدمی کی تو راستے میں جو لوگ رہتے تھے ، ان میں سے کچھ نے تو بغیر لڑے اطاعت قبول کر لی اور کچھ نے لڑ کر اور اپنے حوصلے نکال کر سکندر مقدونی کے سامنے سر جھکائے ۔ کئی ایسے بھی تھے جو جھکنا نہ چاھتے تھے ، لیکن لڑنے کی ہمت نہ رکھتے تھے

۱- سمتھ ، ص ۹۴ ۔

اس لیے بستیوں سے نکل کر جنگلوں میں چھپ گئے(۱) - ایسے لوگوں کا تعاقب ہؤا اور وہ خاصی پکڑ دھکڑ اور مار کٹائی کے بعد راہ پر آئے - یہ لوگ جن کے بارے میں ایرین نے یہ استشہاد کیا ہے، دریائے راوی کے کس سمت آباد تھے ، اس وقت حتماً کچھ کہنا مشکل ہے - غالباً یہ لوگ سیال کوٹ سے لے کر گوجرانوالہ اور لاہور تک کے وسیع علاقہ میں رہتے تھے اور کسی بادشاہ کے تابع نہ تھے -

سکندر نے راوی کو کس مقام پر عبور کیا

مسٹر روکے نے کرٹیوس کا ایک اقتباس نقل کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سکندر نے جس مقام پر دریائے راوی کو عبور کیا تھا ، وہاں عجیب قسم کے درختوں کا ایک گھنا جنگل تھا ، جہاں جنگلی موروں کی بڑی کثرت تھی - یہیں کے ایک شہر کے باشندے پہلے پہل سکندر سے لڑے تھے اور سکندر نے ان پر فتح پا کر ان پر بھاری جرمانہ عائد کیا اور جرمانہ کی رقم کی ادائیگی کی خاطر کچھ بڑوں کو یرغمال کے طور پر اپنے پاس قید کر لیا تھا(۲) -

کرٹیوس نے اس شہر کا نام نہیں لکھا - ایرین نے اس کا نام پمپراما بتایا ہے اور اس میں آباد قوم کو ایڈرسٹائی نام دیا ہے(۳) - لیکن ساتھ ہی لکھا ہے کہ سکندر نے دریائے راوی کو عبور کرنے کے ایک دن بعد اس شہر پر چڑھائی کی تھی اور اس کی فتح کے بعد ایک دن مستایا تھا اور تیسرے دن سنگلا پر نازل ہؤا تھا(۴) جہاں کتھائی اپنے ساتھیوں کے ساتھ مجتمع تھے -

سنگلا پر حملہ

یہ سنگلا یا سانگلہ کہاں واقع تھا اور کتھائیوں نے کہاں جتھہ بندی کی تھی ، یہ کہنا بہت دشوار ہے - اگر کتھائی سمتھ کی رو سے لاہور کے مشرقی اطراف میں آباد تھے تو پھر سکندر نے دریائے راوی کو

۱- ایرین جلد ۲ ، ص ۴۴ -
۲- روکے جلد ۲ ، ص ۴۴ -
۳- کرٹیوس جلد نہم ، باب ۱ ، ص ۱۴
۴- سمتھ ، ص ۹۵ -

لاهور کے آس پاس ہی کسی جگہ عبور کیا ہوگا۔

کتھائی اور مالی متحد ہو گئے

ایرین کا بیان ہے کہ کتھائیوں کے ساتھ ، اوکسی ، ڈراسی اور مالی قبیلے بھی مل گئے تھے اور سکندر نے دریائے راوی کو عبور کرنے کے تیسرے دن بعد سانگلہ پر چڑھائی کی تھی جو ایرین اور کرٹیوس کی رو سے ، ایک بہت مضبوط اور عظیم شہر تھا ؛ جس کے ایک سمت ایک جھیل واقع تھی اور دوسری سمت ایک اونچا ٹیلہ تھا اور اس کے باشندوں نے اسے ناقابلِ فتح بنانے کی پوری جد و جہد کر رکھی تھی ۔

کتھائیوں اور سکندر کے مابین جنگ

سکندر کی فوج شہر سے قریب آئی تو کتھائیوں نے اپنے حلیفوں کے ساتھ مل کر ، اسی ٹیلے کی ڈھلوانوں پر سے اس سے لڑائی لڑی ۔ ان کے ساتھ بہت سی جنگی رتھیں تھیں اور یہ رتھیں انھوں نے ایک ساتھ اس طرح باندھ رکھی تھیں جیسے صف بندی کی گئی ہو ۔ سکندر نے ان کے سامنے پہنچ کر صفیں درست کیں ، پہلے سواروں کو آگے بڑھایا ، لیکن کتھائیوں نے ان سواروں کے منہ پھیر دیے ۔ سواروں کا حملہ ناکام ہؤا تو سکندر نے سمجھ لیا کہ سوار فوج زیادہ مفید نہیں رہے گی ۔ وہ گھوڑے سے اترا اور سواروں کی بجائے ، پیادہ فوج کی کمان کرتا ، مسلح جنگی رتھوں کی طرف چلا اور بڑے سخت مقابلہ کے بعد رتھوں کی پہلی صف توڑ ڈالی ، دوسری صف کو منتشر کرنے میں سکندر کو زیادہ جد و جہد کرنا پڑی اور اس کے ایک سو سپاہی کام آئے اور بارہ سو کو سخت زخم پہنچے ۔

اس نقصان کے ساتھ سکندر نے کتھائیوں کو بری طرح پسپا کر دیا ، یہ لوگ اپنی مسلح گاڑیوں کو باہر ہی چھوڑ کر شہر کی طرف بھاگے اور شہر میں محصور ہو گئے (۱) ۔

شہریوں کا قتلِ عام

پھر رات آن پہنچی اور سکندر نے اس خیال سے کہ کہیں شہری

۱- ایرین جلد ۲ ، ص ۴۷—۴۸ - سمتھ ، ص ۹۵ - کرٹیوس جلد نہم ، باب اول ، ص ۱۵ -

رات کے اندھیرے میں جان بچا کر شہر سے نکل نہ جائیں ۔ شہر کی ان اطراف پر مسلح فوج متعین کر دی جہاں سے بھاگ جانے کے امکانات تھے ۔ اور جب سچ مچ شہری اندھیرے میں لپٹے ، شہر سے نکلے تو سواروں نے ان کا خوب قتلِ عام کیا ۔ جو بچے وہ جان بچانے کی خاطر پھر شہر میں جا چھپے ، اور سکندر نے شہر کو محاصرہ میں لے کر جہاں جھیل واقع تھی وہاں ٹولمی کو متعین کیا اور اسے تین ہزار مشعل بردار دے کر حکم دیا کہ قطعاً غافل نہ ہو اور جیسے ہی شہریوں کو شہر سے دوبارہ نکلتے دیکھے پوری سپاہ کو ہوشیار کر دے ۔ ٹولمی بڑا دانا اور ہوشیار سپہ‌سالار تھا اس نے مزید احتیاط کی خاطر ، کتھائیوں سے چھنی ہوئی رتھوں کو شہر سے باہر آنے والے راستہ پر پھیلا دیا اور پہرہ دینے لگا ۔ کوئی تین پہر رات کا وقت تھا کہ شہری ایک بار اور دروازے کھول کر باہر آئے ۔ ٹولمی کو فوراً اطلاع مل گئی ، خطرہ کے الارم بجنے لگے اور پوری فوج ہوشیار ہوگئی ۔ بدنصیب شہریوں کو پانچسو افراد کی قربانی دے کر دوبارہ شہر میں لوٹ جانا پڑا(۱) ۔

دوسرے دن پورس پانچ ہزار ہندوستانیوں اور آگ اور پتھر برسانے والے سنجنیق لے کر موقعہ پر آن پہنچا اور قلعہ پر پتھر بھی برسے اور آگ بھی نازل ہوئی اور شہر پناہ کے بخیے ادھڑ گئے ۔ اس کے باوجود کتھائیوں نے ہمت نہ ہاری اور یونانیوں سے خوب جم کر مقابلہ کیا ۔ ایرین اور کرٹیوس راوی ہیں کہ اس دن ستر ہزار کتھائی اور ان کے حلیف خونخوار یونانیوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر گئے ۔ اسی قدر تعداد نے قید کی ذلت سہی ، فاتحین نے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور اس کی ہر شے کو آگ کی نذر کر دیا ۔

شہر تباہ کر دیا

سکندر مقدونی نے کتھائیوں کو یہ سزا اس لیے دی تھی کہ ان لوگوں نے بیرونی حکومت کے خلاف وطن کی آزادی برقرار رکھنے کے لیے سرگرم جد و جہد کی تھی ۔ ایرین ان لوگوں کو بربر کا نام دیتا ہے حالانکہ یہ مجاہدینِ وطن تھے اور انھوں نے اپنےخون کی لو سے شمعِ آزادی

۱- ایرین جلد ۲ ، ص ۹م ۔

روشن رکھنے کا حوصلہ کیا تھا -

دوسرے شہروں پر تباھی

ایرین سانگلہ کی تباھی کے بعد ، دو ایک اور شہروں کی بربادی کا حال بیان کرتا ھؤا کہتا ھے کہ سکندر مقدونی نے جب سانگلہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تو اپنے ایک نائب سپہ سالار ایومنز کو تین سو سواروں کے ساتھ ملحقہ شہروں میں بھیجا کہ ان کے باشندوں کو انجام بد سے ڈرا کر غلامی کی دعوت دے ، لیکن جب ایومنز ان شہروں میں پہنچا تو شہری ، شہر چھوڑ کر بھاگ چکے تھے - ایومنز ان کے تعاقب میں نکلا ، وہ جو تیزرو اورتندرست و توانا تھے اس کے ھاتھ نہیں لگے، البتہ بوڑھے مریضوں اور کمزوروں تک اس نے رسائی پا لی ، اور انتقاماً ان کی گردنیں کاٹ دیں - ایرین نے ان مقتولین کی تعداد پانچ سو بیان کی ھے(۱) -

روکے کے الفاظ ملاحظہ کیجیے گا اور سکندر مقدونی کے کارناموں کی عظمت کی تہ ناپیے گا - الفاظ ھیں :

However many escaped, because the pursuite was begun late, but those whom old age or infirmities had rendered incapable of shifting for themselves, were gleaned up by the way and slain, to the number of about five hundered.(۲)

ایرین ھی کا بیان ھے کہ سانگلہ کو آزادی کی جنگ کا محور ھونے کے سبب یہ سزا ملی کہ اسے زمین کے ساتھ ھموار کر دیا گیا اور اس کی ھر بلندی کا نام و نشان تک مٹا ڈالا گیا - الفاظ ھیں :

He returned to Songla, and laid it level with the ground.(۳)

۱- ایرین جلد ۲ ، ص ۵۰-۵۱ - سمتھ ، ص ۹۵ - کرٹیوس کتاب نہم ، باب اول ، ص ۱۹ -

۲- روکے جلد ۲ ، ص ۵۱ - (حاشیہ)

۳- روکے کا ھی بیان ھے کہ سکندر نے سانگلہ کو خود اپنے سامنے زمین سے ھموار ھوتے دیکھا تھا (روکے جلد ۲ ، ص ۵۱) -

سانگلہ کہاں آباد تھا

ارضِ پنجاب کا یہ سانگلہ جسے سکندر نے آزادیٔ وطن کی لڑائی لڑنے والے کتھائیوں کی ستر ہزار نعشوں کے ساتھ ساتھ زمین سے ہموار کرنے کی سزا دی (۱) کہاں واقع تھا ؟ یہ بات مؤرخینِ عظام کے نزدیک خاصی مختلف فیہ ہے ۔ اس لیے کہ یونانی مصنفین نے اس کے محلِ وقوع کے باب میں اس کے سوا اور کچھ نہیں کہا کہ وہ دریائے راوی سے تین دن کی مسافت پر تھا ۔

بعض ہندو مصنفین اور چینی سیاح ھیون سانگ نے اسے ساکل ٹھیرایا ہے ۔ کننگھم جیسے بڑے جغرافیہ دان کا بھی خیال ہے کہ سانگلہ اور ساکل دونوں ایک ھی شے ھیں ۔

مگر مسٹر ونسنٹ سمتھ کا بیان ھے کہ گمان غالب ھے کہ یہ سانگلہ جسے سکندر نے زمین دوز کیا ، گورداسپور کے ضلع میں واقع تھا ۔ اور ساکل اس سے بالکل الگ چیز ہے ، اور وہ یقیناً سیال کوٹ ھے ۔ اور سیال کوٹ کے بارے میں یہ خیال کہ وہ دریائے راوی سے تین دن کی مسافت پر دریائے بیاس کی سمت واقع ھو ، قریب قریب مضحکہ خیز ھے(۲) ھمیں مسٹر ونسنٹ سمتھ کی بات صحت کے قریب معلوم ھوتی ہے ، کیونکہ دریائے راوی کے بعد ، سکندر نے جو تین منزلیں کیں ، گو ان کی سمت ایرین اور دوسرے یونانی مصنفین نے متعین نہیں کی ، تاھم ایرین بہت واضح الفاظ میں کہتا ھے کہ سکندر نے سانگلہ کی فتح کے بعد ، پورس اور اس کے ساتھیوں کو مفتوحہ مقامات کی حفاظت پر مامور کیا اور خود دریائے بیاس کی طرف بڑھا تاکہ ان ہندوستانیوں پر شکست نازل کرے ، جو بیاس سے دوسری طرف آباد تھے اور جن کی دولت و ثروت اور توانائی و حربی صلاحیت کے بارے میں اسے بہت کچھ بتایا گیا تھا(۳) ۔

ایرین کے ماسوا کرٹیوس اور ڈیڈوروس راوی ھیں کہ ایک شخص فیگالا نے جو بیاس کی ایک مضافاتی ریاست کا راجہ تھا ، بیاس سے پرے

۱- ایرین جلد ۲ ، ص ۵۱ ۔

۲- سمتھ ارلی ھسٹری آف انڈیا ، مطبوعہ حیدرآباد ، ص ۹۵ ۔

۳- ایرین جلد ۲ ، ص ۵۱ ۔

کے ملک سے سکندر کو آگاہ کیا تھا اور فاضل روکے کے الفاظ میں کہا تھا :

"Phegalas, told the King that when he had passed the river Hyphasis, he had eleven days march through vast deserts, and then he would arrive at the banks of the river Gangas beyond which dwelt the Gangarides and Parhasins. (۱)

فیگالا نے بادشاہ کو بتایا کہ وہ جب دریائے بیاس کو عبور کر لے گا اسے گنگا کے کنارے تک پہنچنے میں گیارہ دن لگیں گے اور اسے ایک وسیع صحرا سے گزرنا ہوگا جس کے پیچھے گنگاری اور پرھسی رہتے ہیں ۔

اگر سر جنرل کننگھم اور بعض دوسروں کا یہ خیال حقیقت کے موافق ہے کہ سانگلہ اور ساکل ایک شے ہیں تو یہ شہادت بالکل غلط ٹھیرتی ہے ، لیکن اس شہادت کو جھٹلانے کی ہم میں تو ہمت نہیں ہے کیونکہ یہ ان یونانی مصنفین کی شہادت ہے ، جس پر سکندر یونانی کی فتح مشرق کی سرگذشت کی عمارت کھڑی ہے ۔ یوں بھی ساکل اگر سیال کوٹ ہے ، تو اس کے اور گنگا کے مابین کئی دریاؤں کے علاوہ ، کئی سو میل کی مسافت حائل تھی ۔ اس لیے مسٹر ونسنٹ سمتھ کا یہ گمان سولہ آنے درست ہے کہ یہ گورداسپور کے آس پاس کا کوئی مقام تھا جہاں سکندر نے آخری لڑائی لڑی تھی اور پھر آگے کی طرف کوچ کرتا ، دریائے بیاس کے کنارے پر جا پہنچا تھا ۔

۱- روکے جلد ۲ ، ص ۵۱ (حاشیہ) ۔

فصل ہفتم

سکندر دریائے بیاس کے کنارے پر خیمہ زن ہؤا
ہندی فوج کے دو لاکھ سپاہیوں اور تین ہزار ہاتھیوں کا افسانہ
یونانی فوج بری طرح تھک چکی تھی

یہ دریائے بیاس جس کے کنارے پر ، سکندر کی فوج اس وقت خیمہ‌زن تھی ، گو کوئی غیر معمولی بڑا دریا نہ تھا اور اس کے عبور میں قطعاً ان مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑتا ، جن سے سکندر کی سپاہ سندھ ، جہلم ، چناب اور راوی کو عبور کرتے وقت دو چار ہوئی تھی لیکن جب کچھ دن سستا لینے کے بعد ، سکندر نے اس دریا کو عبور کرنے کے احکام جاری فرمائے تو فوج نے ان احکام پر کچھ توجہ نہ کی ۔

یونانی فوج کی حکم عدولی

ایرین ، کرٹیوس ، ڈیڈروس اور پلوٹارک نے گو اس عدم توجہ کے اسباب پر گفتگو کرتے وقت یونانی سپاہیوں کی وطن سے آٹھ سال کی جدائی ، راستہ کی تھکا دینے والی صعوبتوں ، جنگوں میں پہنچنے والے زخموں اور ساتھیوں کی مفارقت کو خاصی اہمیت دی ہے (۱) اور ان کے سوا کسی اور وجہ کو قرین قیاس نہیں سمجھا تاہم ہمارے نزدیک اس کی سب سے بڑی وجہ وہ اطلاعات بنی تھیں ، جو وادیٔ گنگا کے باشندوں کی حربی صلاحیتوں اور مقابلہ کی تیاریوں کے سلسلہ میں سکندر کی فوج میں عام ہو رہی تھیں ۔

ہندی فوج کی کثرت کی افواہیں

ایرین ، پلوٹارک ، کرٹیوس اور ڈیڈروس اس امر کے راوی ہیں کہ

۱- پلوٹارک ، ص ۳۸ - ڈیڈروس ، ص ۵۶۳ - کرٹیوس جلد نہم ، باب ۲ ، ص ۲ -

وادیٔ گنگا کے لوگوں سے متعلق یونانی فوج کو یقین ہوگیا تھا کہ یہ بڑے لڑاکے ہیں اور فنونِ حرب میں بڑی مہارت رکھتے ہیں - ان کی تعداد بہت ہے مثلاً کرٹیوس ، ایرین اور ڈیڈوروس کہتا ہے ، ہندوستانیوں کے پاس پیادے دو لاکھ اور سوار بیس ہزار تھے - ان کے ماسوا ، دو ہزار جنگی رتھیں بھی تھیں اور تین ہزار ہاتھی تھے (۱) -

پلوٹارک کے نزدیک سواروں کی تعداد اسی ہزار ، ہاتھیوں کی تعداد چھ ہزار اور جنگی رتھوں کی تعداد بھی اسی قدر تھی(۲)خیال رہے کہ پورس اور سکندر نے جہلم کے کنارے پر جو لڑائی لڑی تھی ، اس میں پورس کے پاس صرف دو سو ہاتھی اور تین سو جنگی رتھیں تھیں اور پیادوں کی تعداد صرف تیس ہزار تھی - اس کے باوجود ، سکندر کی فوج نے خاصا نقصان اٹھایا تھا اور اس نقصان کو مقدونی سپاہ ابھی تک بھولی نہ تھی - بعض لوگوں کو جو زخم پہنچے تھے وہ تو ابھی تک رس رہے تھے- تین سو رتھوں اور دو سو ہاتھیوں سے جس فوج نے خاصا نقصان اٹھایا تھا ، جب اسے چھ ہزار ہاتھیوں ، آٹھ ہزار جنگی رتھوں ، اسی ہزار سواروں اور دو لاکھ پیادوں کے اجتماع کی خبر ملی ہوگی تو لازماً اس کے حوصلے ٹوٹ گئے ہونگے- پھر جبکہ اس کی حیثیت محض افواہ کی نہیں تھی پورس جیسے آدمی نے ، جو سکندر کی سونچھ کا بال بنا تھا اس کی حرف حرف تصدیق کی تھی (۳)-

بلاشبہ ' روکے ' کی یہ بات بھی صحت کے قرین ہے کہ یہ خبریں فوج میں اس لیے پھیلائی گئی تھیں کہ اس کے حوصلے شکست ہو جائیں اور وہ بیاس سے واپسی اختیار کرے ، آگے نہیں بڑھے (۴) -

یہ خبریں پھیلانے والے کون لوگ تھے ، دل برداشتہ یونانی خود تھے یا پورس اور اس کے ساتھی تھے یہ امر تصدیق طلب ہے -

ہمارے خیال میں بعض یونانیوں نے بھی انھیں پھیلانے میں دلچسپی لی ہوگی - لیکن زیادہ احتمال یہ ہے کہ پورس کے بعض دانا بینا ساتھیوں نے جو انتہائی محبِ وطن تھے اور جن کے دل سانگلہ کی تباہی اور ستر ہزار

۱- ڈیڈروس ص ۵۶۳ - کرٹیوس جلد نہم باب ۲ ص ۲ -
۲- پلوٹارک ، ص ۳۸ -
۳- کرٹیوس جلد نہم ، باب ۲ ، ص ۲ -
۴- روکے جلد ۲ ، ص ۵۱ -

کتھائیوں کے قتلِ عام سے بری طرح دھل گئے تھے ، یہ خبریں عام کی تھیں ۔ اس لیے جب سکندر نے پورس کو بلا کر پوچھا ، ان میں کتنی صداقت ہے تو اس نے جواب دیا ، یہ حرف حرف صحیح ہیں ۔

گو روکے نے اس روایت کی صحت پر اعتراض کیا ہے (۱) ، تاہم روکے ہماری طرح بعد کی شخصیت ہیں اور کرٹیوس کے مقابلے میں کوئی وزن نہیں رکھتے ، جس کی رو سے سکندر نے پورس کو بلایا اور اس سے ان خبروں کی تصدیق کرائی تھی (۲) ۔

یونانی فوج کی خفیہ کانفرنس

یقیناً یہ ایک بڑی حقیقت ہے کہ سکندر کے دل پر جو پتھر سے بھی زیادہ سخت تھا ، ان خبروں کا کوئی اثر نہیں ہؤا اور ایرین کے کہنے کے مطابق اس نے فوج کو عبورِ دریا کی تاکید کی ۔ لیکن ایرین ہی کہتا ہے ، سپاہیوں میں ان خبروں کے سبب بہت بے دلی پھیل گئی تھی اور انھوں نے بادشاہ کے اصرار پر ، آپس میں خفیہ کانفرنس کی اور اس کانفرنس میں بعض عہدے داروں نے خاصے تلخ لہجہ میں اعلان کیا کہ اگر بادشاہ نے اپنے احکام پر اصرار جاری رکھا تو وہ انھیں ماننے سے انکار کر دیں گے (۳) ۔ مؤرخ ایرین راوی ہے کہ سکندر کو ، اس کانفرنس اور اس کے فیصلوں کی اطلاع ہوئی تو وہ بہت پریشان ہؤا اور ڈرا کہ کہیں فوج میں بغاوت نہ پیدا ہو جائے ۔ اس لیے اس نے اپنی فوج کے معاصرین اور اکابر کو اپنے حضور میں طلب کیا اور ایرین کے الفاظ میں ان سے مخاطب ہؤا :

سکندر یونانی کی تقریر

”میرے ساتھی مقدونی سربراہو اور سردارو ! مجھے خبر ملی ہے کہ اب تم میرے ساتھ آگے بڑھنے اور مزید تگ و دو اور تکلیف اٹھانے پر تیار نہیں ہو اور تم میں وہ پہلا سا جوش و خروش باقی نہیں رہا جس نے تمھیں کیپیڈوسیا ، پافلا گونیا ، لیڈیا ، ساریہ ، لیسیا ،

۱- روکے جلد ۲ ، ص ۵۱ ۔

۲- کرٹیوس جلد نہم ، باب ۲ ، ص ۲ ۔

۳- ایرین جلد ۲ ، ص ۵۱ ۔

پامپھیلیہ ، فونیشیا ، مصر ، لیبیا ، آدھے عرب ، عراق ، شام ، بابلون اور سوسا کا مالک بنا دیا ھے ۔

تم نے پرشیا ، میڈیا ، جیسے ملکوں کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا ھے ، تم نے کاکیشیا کی بلندیاں نوچ لی ھیں ۔ تم نے اپنی فتوحات دریائے ٹینی سس کے پرے تک پہنچا دی ھیں اور ارض بختاریہ کو اپنے قدموں میں بچھا لیا ھے ۔ سکھیتیوں کو ان کے ریگزاروں میں پہنچ کر شکست دی ھے اور دریائے سندھ ، دریائے جہلم ، چناب اور راوی کی گزرگاھوں اور ان کے مابین کی سر زمین پر غالب آ گئے ھو تو پھر دریائے بیاس کے کنارے پر کیوں رک گئے ھو ۔''

سکندر نے یہ کہ کر ، ''براہ راست'' ان کے چہروں پر نگاہ اٹھائی اور ان کے دلوں کو ٹٹولا ۔ ''کیا تم سمجھتے ھو کہ دریائے بیاس کے پیچھے لوگ تمھیں ھرا دیں گے اور بھول گئے ھو کہ اب تک کوئی قوم بھی جو تم سے دست و گریبان ھوئی تم پر فتح نہیں پا سکی ۔ ھر میدان جنگ تمھارے ھی ھاتھ رھا اور تم ھی نے فتح و کامرانی کی دولت سمیٹی ۔ میرا جی چاھتا ھے ، تم دنیا میں اس سے بھی زیادہ کامیابی پاؤ اور اپنی سلطنت کے ڈانڈے ، وادیٔ گنگا ، بحیرہ ھند اور بحیرہ ھرسینیا سے ملا دو ۔ زمین کی طرح دنیا کے سارے سمندر تمھاری ملکیت بن جائیں اور تمھارے جہاز پوری خود مختاری کے ساتھ ان میں دوڑتے پھریں (۱) ۔

سکندر نے بات جاری رکھی ۔

'' اگر تم نے دریائے بیاس اور بحیرہ ھند کے مابین آباد اقوام کو شکست نہ دی اور بحیرہ ھرسینیا تک پھیلے لوگ تمھارے آگے نہ جھکے اور تم نے ان پر فتح پائے بغیر واپسی اختیار کر لی تو جانتے ھو پھر کیا ھوگا ۔ یہ لوگ تمھارے مقبوضات و مفتوحات کو تم سے چھین لینے کی جرأت کریں گے ۔ یہ تمھاری اس رعایا کو ، تمھارے خلاف بغاوت پر آمادہ کریں گے جسے تم نے اب تک بڑی محنت سے اپنا مطیع بنایا ھے ۔ تمھارے مفتوح تمھارے خلاف باغی ھوگئے تو

۱۔ ایرین جلد ۲ ، ص ۵۲ (مترجمہ روکے) ۔

ہماری ساری پچھلی محنت اکارت جائے گی ۔ ہمیں از سر نو، نئی جدوجہد کرنا پڑے گی اور نئی دشواریوں کا سامنا کرنا ہوگا ۔

"اس لیے بہتر ہے، میرے دوستو اور میرے ہم وطنو! کہ ہم پیچھے لوٹنے کی بجائے آگے کی طرف بڑھیں ۔ راستے کی دشواریاں اور تکلیفیں تو جرأت و حوصلہ‌مندی کے صلے ہیں ۔ جو زندگی بلند مقاصد کے حصول میں صرف ہو، وہی سچی اور پرمسرت زندگی ہے ۔ موت ان لوگوں کے لیے قطعاً پریشانی اور خطرہ کا موجب نہیں ہوتی جو غیرفانی عظمت کے طالب ہوتے ہیں ۔"

سکندر نے اس مرحلہ پر اپنے بزرگوں اور دیوتاؤں کی مثالیں بھی دیں اور ان کی عظمت و جدوجہد کو دلیلِ راہ بنایا ۔ ہرکولیس اور باچوس کے نام اور کارنامے گنوائے اور کہا " اگر یہ لوگ اپنے وطن میں محدود ہو کر رہ جاتے تو انسان سے دیوتاؤں کی بلندیوں تک کبھی نہ پہنچتے ۔"

سکندر نے سربراہوں سے براہِ راست ایک اور بات بھی کہی اور پوچھا :

" کیا تم کہ سکتے ہو کہ میں نے اس ساری جدوجہد اور محنت و مشقت میں تمہارا ساتھ کبھی چھوڑا، یا تمھیں مصائب میں پھنسا کر خود تماشہ دیکھتا رہا ۔

" اگر یہ بات نہیں ہے تو تمہارے حوصلے کیوں پست ہوں اور تم نئی فتوحات سے کیوں گھبراؤ ۔ اگر فتوحات سے حاصل ہونے والی نعمتیں محض میرے قبضہ میں ہوں، اگر تم ان میں برابر کے شریک نہیں ہو تو پھر بھی تم کہ سکتے ہو کہ تم میری لڑائی کیوں لڑو ۔ یہ تم میرے اقتدار کے لیے نہیں اپنے اقتدار کی لڑائی لڑ رہے ہو ۔ میرا اقتدار تو محض برائے نام ہے اصل میں تو تم ہی حکمران ہو (۱)

سکندر نے سلسلۂ کلام جاری رکھا :

" تم خوب جانتے ہو کہ اب تک فتوحات سے ہمیں جو دولت ملی ہے، وہ میری بجائے تمہارے قبضہ میں ہے ۔ یقین جانو جب سارا

۱- ایرین جلد ۲، ص ۵۳ - ۵۴ - ۵۵ - مترجمہ روکے -

ایشیا فتح ہو جائے گا ، تو تم سب کی امیدیں بر آئیں گی اور ہر ایک کی توقع پوری ہوگی ۔

''میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ لڑائی جیسے ہی ختم ہوجائے گی تم میں سے جو کوئی بھی وطن لوٹنا چاہے گا ، میں اس کا راستہ بالکل نہیں روکوں گا اور اسے بخوشی وطن جانے کی اجازت دے دوں گا ۔ اور اگر تم چاہوگے کہ میں بھی تمہارے ساتھ وطن لوٹ جاؤں ، تو میں تمہاری اس خواہش کی پوری طرح تعمیل کروں گا اور تمہارے ساتھ وطن لوٹ جاؤں گا''(۱) ۔

اس تقریر کے باوجود فوج پیش قدمی پر آمادہ نہ ہوئی

مؤرخ ایرین ہی کا بیان ہے کہ جب سکندر نے اپنے ساتھیوں سے یہ باتیں کہیں تو کتنی دیر تک ہر طرف خاموشی چھائی رہی اور کسی میں حوصلہ نہ ہوا کہ اپنے بادشاہ کے واضح خیالات کی مخالفت کرنے کے لیے اٹھے ۔

کرٹیوس کہتا ہے کہ جب بادشاہ نے تقریر ختم کر لی تو حاضرین ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگے اور بعض کی آنکھوں میں تو فرطِ غم کے سبب آنسو بھر آئے(۲) ۔

ایرین نے ایسی کسی بات کی شہادت نہیں دی ۔ اس کی رو سے امرا آنکھیں جھکائے رہے اور دل کی بات زبان پر نہ لائے تو سکندر نے ان سے اصرار کیا کہ وہ اپنے جذبات اس سے نہ چھپائیں ۔ بالآخر کوئنوس نے حوصلہ کیا اور سکندر سے کہا :

'' میری اور میرے ساتھیوں کی بات الگ ہے ، ہم پر آپ کی عنایات و توجہات بے پناہ ہیں ، آپ ہمیں جو حکم دیں گے ، ہمیں ان کی تعمیل میں کوئی عذر نہ ہوگا ، لیکن عوام کے خیالات آپ سے چھپے رہیں ، یہ بھی کچھ مناسب نہیں ہے ۔ آپ جانتے ہیں ، میں نے آپ کے احکام کی تعمیل میں ہمیشہ سر توڑ کوشش کی ہے اور کبھی مصائب و آفات سے شکست تسلیم نہیں کی اور نہ کبھی

۱- ایرین جلد ۲ ، ص ۵۵ ۔

۲- کرٹیوس جلد نہم ، باب ۳ ، ص ۲ ۔

بوقتِ وغا پیٹھ ھی پھیری ھے ، اس لیے میں کچھ حقائق آپ کے
سامنے ضرور پیش کروں گا ۔''

کوئنوس نے حقائق پیش کیے اور فوج کی ترجمانی کی

یہ حقائق پیش کرتے وقت کوئنوس نے سب سے زیادہ زور اس بات پر دیا کہ بادشاہ جب اس مہم پر روانہ ھؤا تھا تو اس کے ساتھ بہت لوگ تھے اور اب ان کی تعداد بہت تھوڑی رہ گئی ھے ۔ ان میں سے کئی میدانِ جنگ میں کام آئے ھیں ، کئی بیماریوں کی نذر ھوگئے ھیں ، کئی زخموں کے سبب بدحال ھیں اور کئی ان شہروں میں اپنی مرضی کے بغیر رکے ھیں جو بادشاہ نے تعمیر کیے ھیں(۱) ۔

کوئنوس نے ، ان سب کی ترجمانی کرتے ھوئے ایک اور بات بھی کہی :

''یہ سب لوگ بہر حال اپنے وطن کو پیچھے چھوڑ آئے ھیں ، ایسے وطن کو جہاں ان کے خاندان رہتے تھے ، بیوی بچے تھے ، بہنیں اور بھائی تھے اور یہ قدرتی امر ھے کہ ان لوگوں کو ان کے عزیز و اقارب اور بیوی بچے یاد آئیں ۔ بلاشبہ آپ کی عنایات بے پایاں اور بے حساب ھیں ، آپ نے ان کو بڑی عزت دی اور بہت دولت بخش دی ھے ، لیکن رشتے بہر حال رشتے ھیں اور قدرتی تقاضے رکھتے ھیں ۔

'' اور آپ سے یہ توقع کچھ بے جا نہیں ھے کہ آپ انھیں اب ان کی مرضی کے خلاف جبکہ وہ آگے جانا نہیں چاھتے ، جبکہ وہ بری طرح تھک گئے ھیں اور وطن کے لیے سخت بے چین ھیں ، اور آگے نہیں لے جائیں گے ۔

'' آپ کے لیے بھی یہی بہتر ھے کہ آپ اب وطن لوٹ جائیں ، اپنی ماں سے ملیں اور یونان کے الجھے ھوئے مسائل کو سلجھائیں ۔

'' آپ چاھیں تو ایک بار وطن لوٹ کر اور وھاں کے مسائل سلجھا کر ، پھر نئی مہم پر روانہ ھو پڑیں ۔ چاھیں تو ھندوستان

---

۱ ۔ ایرین جلد ۲ ، ص ۵۸ ۔

کا رخ کریں ، لیبیا پر چڑھائی فرمائیں ، یا سکائی‌تھین اور کارٹیج پر حملہ آور ہوں ۔ اگر آپ نے ایسا کیا ، ایک بار سپاہیوں کی خواہش کا احترام کر کے وطن لوٹ گئے تو سپاہی آپ کے حد درجہ ممنونِ احسان ہوں گے اور آپ جہاں چاہیں گے آپ کے ساتھ ساتھ چلیں گے ۔ کسی مرحلہ پر پیٹھ نہ دکھائیں گے ۔ یوں کئی اور تازہ دم مقدونی بھی آپ کے ساتھ ہوں گے اور آپ کی فوج پہلے سے کہیں زیادہ طاقت ور ہو جائے گی‘‘۔

ایرین کہتا ہے ، آخر میں بوڑھے اور جہاندیدہ کوئنوس نے سکندر کو تقدیر کی کار فرمائیوں اور اچانک وقوع میں آنے والے قدرتی حادثات سے بھی ڈرایا (۱) ۔

حاضرین رو رہے تھے

جب کوئنوس کی تقریر ختم ہوگئی ، تو کتنے حاضرین ایسے تھے جو رو رہے تھے ۔ سپاہیوں کی آنکھیں آنسو بہائیں ، سکندر کو یہ گوارا نہ ہؤا اور اس نے اسی وقت اسمبلی برخاست کر دی ۔

سکندر کا خاموش احتجاج

دوسرے دن اس نے اپنے ان ہی اکابر و عمائد کو پھر طلب کیا اور کہا ، تم میں سے جو واپس جانا چاہے ، جا سکتا ہے ۔ ساتھ ہی خبر دی کہ وہ اپنے ارادہ سے البتہ بالکل باز نہیں آئے گا ۔ یہ کہ کر وہ اپنے خیمہ میں لوٹا اور تین دن متواتر خیمہ سے باہر نہیں نکلا ۔ اس کا خیال تھا کہ شائد ان میں سے کوئی اسے منانے آئے گا اور اس سے کہے گا کہ فوج آگے بڑھنے پر راضی ہوگئی ہے ۔ مگر تین دن گزر گئے ، کسی نے بھی اس کی خیمہ گاہ میں جھانکنے کی تکلیف گوارا نہیں کی ۔ چوتھے دن اس نے اپنے مخصوص اور معتمد دوستوں اور رفقائے کار کو ایک بار اور طلب کیا اور اعلان کیا کہ وہ وطن لوٹنے کے لیے تیار ہے ۔

اس اعلان سے پوری چھاؤنی میں خوشی و مسرت کی ایک عجیب(۲) لہر دوڑ گئی اور وہی چھاؤنی جو پہلے رو رہی تھی ، یکایک قہقہہ زار بن گئی ۔

۱- ایرین جلد ۲ ، ص ۵۸-۵۹ ۔

۲- ایرین جلد ۲ ، ص ۵۹ ۔ (مترجمہ روکے)

فصل هشتم

بیاس سے یونانی فوج کی ہڑپا اور ملتان کے رخ یلغار

دریائے جہلم ، راوی اور سندھ کی گزر گاھوں پر تسلط

یہ صرف یونانی تھے جنھوں نے ہڑپا اور ملتان کے مابین کے شہروں پر تباھی نازل کی تھی

یونانی قربان گاھوں کی تعمیر

فاضل ونسنٹ سمتھ کی رو سے یہ ۳۲۶ قبل مسیح کا ماہ ستمبر تھا ، جب سکندر نے یونانی چھاؤنی میں واپسی کی ڈونڈی پٹوائی تھی ، لیکن پہلے اس سے کہ اس کی فوج دریائے بیاس کے کنارے کو چھوڑتی ، سکندر نے اپنے انجنیئروں کو حکم دیا ، یہاں تک آنے کی یادگار کے طور پر مکعب پتھروں پر مشتمل ، بارہ عدد قربان گاھیں تعمیر کریں تا کہ دریائے بیاس کا کنارہ ، صدیوں بعد تک انھیں اپنے سینہ سے لگائے رہے اور آنے والی نسلیں انھیں دیکھ دیکھ کر سکندر کی عظمت کا اعتراف کرتی رہیں (۱) ۔

ڈیڈروس یونانی مؤرخ کہتا ہے ، ہر قربان گاہ کسی نہ کسی یونانی دیوتا سے منسوب کی گئی تھی اور پچاس مکعب فٹ اونچی تھی (۲) ۔ مؤرخ کرٹیوس نے ان قربان گاھوں کے طول و عرض پر گفتگو ضروری نہیں جانی ، صرف اتنا کہنا کافی سمجھا ہے کہ قربان گاھیں مکعب پتھروں سے تعمیر کی گئی تھیں (۳) ۔ پلوٹارک اس بیان میں صرف اس قدر اضافہ کرتا ہے کہ سکندر کی واپسی کے کافی بعد تک ہندوستانی بادشاہ ان قربان گاھوں کی زیارت کے لیے باقاعدہ آتے اور ان پر قربانیاں چڑھاتے ، خصوصیت سے

۱- سمتھ ارلی ھسٹری آف انڈیا ، مطبوعہ حیدر آباد ، ص ۱۱٦ - ۱۱۷-
۲- ڈیڈروس ، باب ۱۷ ، ص ٥٦۳ -
۳- کرٹیوس کتاب نہم ، باب ۳ ، ص ۹۳ -

چندر گپت اور اس کے وارث تو انھیں بہت اھمیت دیا کرتے تھے (۱) -

ناچ رنگ کی محفلیں

ادھر یہ یادگاریں تعمیر ھوتی رھیں ، ادھر سکندر نے حسبِ عادت ، چھاؤنی میں کھیل تماشے رچائے - تیراندازی ، گھوڑ سواری اور خنجر اچھالنے کے مظاھرے کروائے - ناچ رنگ کی محفلیں منعقد کیں اور ان سب تفریحات سے فراغت پا کر اب تک مفتوحہ سر زمین کے بندوبست پر توجہ کی -

پورس کو نمائندگی کا شرف حاصل ھؤا

ایرین کی رو سے اب تک کی تمام مفتوحات کو سکندر نے باقاعدہ راجہ پورس کی ملکیت قرار دیا - اس مضمون کی ایک دستاویز اس کے نام لکھی اور پورے مفتوحہ ملک کی باگ ڈور پورس کے حوالے کر کے دریائے چناب کی طرف مراجعت اختیار کی - وہ جب دریائے چناب کے کنارے لوٹ کر آیا تو وہ شہر مکمل ہو چکا تھا ، جس کی تعمیر وہ یونانی انجینیٹروں کے ذمہ ڈال کر بیاس کی طرف بڑھا تھا - اس یونانی شہر میں سکندر نے احتیاطاً ایک یونانی سپاہ متعین کی - ان بے کار ، زخمی اور سستی پسند یونانی فن کاروں کو وھاں بسایا جو سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے کرتے تنگ آ گئے تھے اور جنھیں وطن واپس جانے کی کچھ زیادہ خواھش نہ تھی (۲) -

راجہ امبھسار نے اطاعت قبول کی

ایرین ھی کا بیان ھے کہ یہیں ارساسیس نامی گورنر اور راجہ امبھسار یا ابھسار کا ایک بھائی ، راجہ کی طرف سے بہت سے تحائف لے کر سکندر کی خدمت میں حاضر ھؤا - ان تحائف میں تیس ھاتھی اور بہت سا دوسرا سامان تھا - یہ تحائف قبول ھوئے اور راجہ امبھسار کو یہ حق ملا کہ سکندر کے نائب السلطنت کی حیثیت سے ریاست امبھسار اور اس سے ملحقہ علاقہ پر قابض رھے -

یہ انتظامات کرنے کے بعد سکندر نے دریائے جہلم کی سمت پیش قدمی کی - دریائے جہلم کے کنارے پہنچ کر سکندر نے اسی جگہ پڑاؤ ڈالا جہاں اس نے راجہ پورس سے لڑائی لڑی تھی اور جہاں دو شہر آباد کیے تھے -

---

۱- پلوٹارک ، ص ۳۸ -

۲- ایرین جلد ۲ ، ص ۶۱ -

بحری جہازوں کی تعمیر

دریائے جہلم کے کنارے پہنچ کر سکندر نے بری سفر کی بجائے بحری سفر کی سکیم تیار کی اور اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے بہت سے جہاز تعمیر کیے جو ایرین کی رو سے ۸۰۰ ، ٹولمی کے بیان کے مطابق دو ہزار اور کرٹیوس اور ڈیڈروس کے انداز سے ایک ہزار تھے (۱) ۔

سکندر نے بعض جہاز ایسے بھی تیار کیے جنھیں بیک وقت تیس ملاح چلاتے ۔ ان کے علاوہ اس دریا پر جتنی بھی مقامی کشتیاں بار برداری اور نقل و حمل کے کام آتیں وہ سب کی سب سکندر مقدونی نے اپنی تحویل میں لے لیں اور اکتوبر ۳۲۶ ق م میں اس کی منتخب سپاہ اس یونانی بیڑے میں سوار ہوگئی جو جہلم کے سینہ پرلدا تھا ۔

بحری بیڑے نے لنگر اٹھائے

مؤرخ ایرین کا بیان ہے کہ جس وقت بحری بیڑے نے لنگر اٹھائے تو عجیب سماں بندھا تھا ۔ چپ چپ کی آواز سے فضا مترنم تھی اور دونوں کناروں پر کھڑے ہندوستانی تماشائی اس طرح محسوس کر رہے تھے جیسے خواب دیکھ رہے ہوں ۔

ایرین اس امر کا بھی راوی ہے کہ سکندر کے ساتھ صرف اس کی مخصوص سپاہ جہازوں میں لدی تھی باقی فوج کو اس نے دو حصوں میں بانٹ کر دریائے جہلم کے دونوں کناروں کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے کا حکم دیا تھا ۔ دائیں کنارے کی فوج کریٹروس کے ماتحت تھی اور بائیں کنارے کی ہیفسٹون کی قیادت میں تھی اور دونوں فوجیں بحری بیڑہ کی رفتار سے چل رہی تھیں (۲) ۔

آگے بڑھتا بیڑہ جب بھیڑا کے قریب پہنچا تو سکندر نے رک جانے کا حکم دیا ۔ بری فوجیں جو ساتھ ساتھ چل رہی تھیں وہ بھی رک گئیں اور دونوں سکندر کے حکم سے آمنے سامنے ٹھیریں ۔

دو دن قیام کرنے کے بعد بیڑے نے پھر لنگر اٹھائے ۔ ایرین بڑے

۱- ارلی ہسٹری آف انڈیا ، ص ۱۱۷ - ایرین جلد ۲ ، ص ۶۵ - پلوٹارک ، ص ۳۸ - ڈیڈروس ، باب ۷ ، ص ۵۶۱ -

۲- ایرین جلد ۲ ، ص ۶۸ (مترجمہ روکے) -

یقین کے ساتھ کہتا ہے کہ دریائے جہلم کہیں بھی بیس فرلانگ سے کم چوڑا نہ تھا ۔ گویا سکندر مقدونی کے زمانہ میں اکتوبر کے مہینہ میں دریائے جہلم کا پاٹ بیس فرلانگ چوڑا تھا اس کے برعکس ان دنوں ، اکتوبر کے مہینہ میں یہ دریا کچھ اس طرح سمٹ جاتا ہے کہ اس پر ایک معمولی ندی کا گمان ہونے لگتا ہے ۔

ایرین اس امر کا بھی راوی ہے کہ مقدونی بیڑہ جہاں کہیں بھی رکا ، وہاں کے ماحول میں آباد لوگ یا تو رضاکارانہ طور پر خود بخود سکندر کی سلامی کو پہنچے یا فوج نے زبردستی ان کے سر جھکائے ۔ دوسرے لفظوں میں سکندر واپس ہوتے وقت دریائے جہلم کی گزرگاہ کے آس پاس آباد قبائل اور ان کے علاقوں کو فتح کرتا جا رہا تھا ۔

جھنگ کے بعض قبائل نے مقابلہ کیا

آگے بڑھتا سکندری بیڑہ جب مالی ، اوکسی ڈراسی قبائل کے علاقہ میں پہنچا ، جن کے بارے میں سکندر کو خبر ملی تھی کہ وہ مقابلہ کی تیاریاں کر رہے ہیں تو اس کی رفتار دھیمی ہوگئی ۔ یوں بھی یہاں پہنچ کر جہلم ، راوی کے گلے ملتا ہے ۔ ایرین کی رو سے ، دریا کی گزرگاہ خاصی تنگ ہوگئی تھی اور روانی انتہائی شدت اختیار کر گئی تھی ۔ ملاح ، حالانکہ بڑے مشاق اور ماہرِ فن تھے ، اس کے باوجود کئی جہاز ، پانی کی جولانی اور تموج کی مار نہ سہ سکے اور تباہ ہوگئے ۔ ان میں جتنے یونانی سپاہی سوار تھے وہ بھی ڈوب گئے ۔

یہ عالم بڑا ہیجان خیز ہؤا ۔ سکندر نے فوراً بیڑہ کو کنارے کی طرف لانے کا حکم دیا ۔ اتفاق کی بات ایک بڑی سی چٹان کنارے کے قریب موجود پائی گئی ، اس چٹان نے بندرگاہ کا کام دیا اور سکندر ایک بار پھر زمین پر اترا ۔ یہ جگہ جہاں سکندر کا بیڑہ رکا اور جہاں اتر کر اس نے مالی اور اس کے حلیف قبائل کی سرکوبی کی ، موجودہ شہر جھنگ کے آس پاس ہی کہیں واقع تھی ۔

یونانیوں نے بستیاں جلا دیں

قبیلہ مالی کے علاوہ یہاں دو اور قومیں ، سبوئی اور اگل سوئی نامی میں آباد تھیں ۔ سبوئی قوم تو معمولی سے مظاہرہ کے بعد سکندر کے سامنے جھک گئی ، البتہ اگل سوئی نے مقابلہ کی ہمت کی اور سخت تباہی سے

دو چار ہوئی ، یونانیوں نے انھیں بڑی سخت سزا دی ۔ ان کی بستیاں جلا دیں ، انھیں دوڑ دوڑ کر اس طرح ذبح کیا جیسے وہ بھیڑ بکریاں تھیں ۔ اور یہ بھیڑ بکریاں ، جن بستیوں میں آباد تھیں ان کی درد ناکی کا مشاهدہ آج بھی ان آثار سے ہو سکتا ہے جو جھنگ سے لے کر منٹگمری تک کے علاقہ میں جا بجا زمین کی چھاتی سے اس طرح چمٹے ہیں جیسے کہ اب بھی یونانی جور و ستم کے ڈر سے سہمے سہمے ہوں ۔

سالی قوم کی تباہی

ایرین کہتا ہے کہ سکندر نے زمین پر اترنے کے بعد اپنی آدھی سوار سپاہ کے ساتھ ایک ریگزار کے اندر بڑھنا شروع کیا اور دریائے راوی سے سو فرلانگ کے فاصلہ پر ایک ندی کے کنارے خیمہ گاہ قائم کی اور رات وہاں بسر کرنے کے بعد صبح ایک اس شہر کی طرف چلا ، جہاں مالی قوم نے اس کی آمد کی خبریں سن کر پناہ لی تھی ۔ ایرین ہی کی رو سے یہ شہر دریائے راوی سے کوئی چار سو فرلانگ کے فاصلے پر آباد تھا (۱) ۔ چار سو فرلانگ کے اس فاصلے کو عبور کرتے وقت سکندر مقدونی کی فوج نے ہزاروں نہتوں کو قتل کرنے کی سعادت پائی ۔ ایرین اعتراف کرتا ہے کہ یہ بے چارے لوگ کھیتوں میں کام کرتے کرتے کام آئے اور جن بدنصیبوں نے بھاگ کر شہر میں پناہ لی وہ سب کے سب ہلاک ہوئے اور مقدونی فوج نے انھیں مکھیوں اور مچھروں کی طرح حقیر جان کر بری طرح مار ڈالا (۲) ۔

قتلِ عام کے بعد پورا ماحول تباہ کر دیا

ایرین اور ڈیڈروس نے ان کی ہلاکت کی روداد کہتے وقت انھیں بربر کا خطاب دیا ہے اور استشہاد کیا ہے کہ وہ جانوروں کی کھالیں جسموں پر لپیٹے تھے (۳) ۔

ایرین نے اس مالی شہر کی تباہی کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے شہر کی بربادی کا قصہ بھی کہا ہے ، جہاں مالی قوم بہت بڑی تعداد میں

۱- ایرین جلد ۲ ، ص ۷۲ - ۷۳ ۔

۲ و ۳- ایرین جلد ۲ ، ص ۷۲ - کرٹیوس کتاب نہم ، باب ۴ ، ص ۵ ۔

پناہ گزیں ہوئی تھی اور محض جان بچانا چاہتی تھی - مگر سکندر مقدونی نے ان پر جو تباہی نازل کی وہ اپنا جواب آپ تھی ، ایرین روکے کے الفاظ میں کہتا ہے کہ اس قتل کی وجہ یہ تھی کہ سکندر نہیں چاہتا تھا کہ کوئی آدمی اس شہر سے زندہ بچ کر سکندر کی تشریف آوری کی خبر اس ماحول میں نشر کرے - روکے کے الفاظ ہیں :

He warned them however, to take care that none should escape out of the city, to spread the story of his arrival through the country.(١)

سکندر مقدونی کی فوج نے نہ صرف اس شہر کے اندر پناہ گزیں لوگوں پر ہلاکت نازل کی ، بلکہ پورے ماحول میں موت ہی موت پھیلا دی۔کل کی بستیاں جو زندگی کے قہقہوں سے گونج رہی تھیں ، سکندر کی تشریف آوری کے سبب موت کی ہیبتناکی اور گھبرا دینے والے سکوت میں کھو گئیں -

ایرین ہی راوی ہے کہ بستیوں میں تباہی عام کرنے کے بعد سکندر مقدونی نے اپنی سپاہ کو صرف رات کا ایک پہر گزارنے کی مہلت دی اور ابھی دوسرا پہر شروع ہؤا ہی تھا کہ وہ اسے لے کر اور آگے بڑھا اور صبح ہونے تک دریائے راوی کے کنارے تک رسائی پالی ، جہاں سے بدنصیب مالی قوم کی ایک بہت بڑی جماعت دریا کو عبور کر رہی تھی - سکندر نے فوراً اس پر حملہ بول دیا اور بہت سوں کو قتل کر ڈالا پھر دریا عبور کر لیا اور ان مالوؤں کو مار دیا جو پار جا چکے تھے اور باقی کو قید کر لیا -

ایرین کی بیان کردہ روداد کو روکے نے حسبِ ذیل الفاظ کا جامہ پہنایا ہے :

And understanding that some parties of the Malli, were just passing the river, he immediately attacked them, and slew many and having passed the river himself with his forces, in persuite of those

---

١- روکے جلد ٢ ، ص ٣٠٧ - (حاشیہ)

who had gained the further side, he killed vast numbers of them and took many prisoners.(۱)

ہم نے روکے کے الفاظ سے محض اس لیے استشہاد کیا ہے کہ پڑھنے والوں پر واضح کر سکیں کہ سکندر مقدونی نے نہ صرف میدانِ جنگ میں صف آرا پنجابیوں کا قتلِ عام کیا تھا ، نہتی انسانیت کے خون سے بھی ہولی کھیلی تھی - موجودہ جھنگ اور منٹگمری کے اضلاع کے ان بدنصیب باشندوں کا قصور کیا تھا ، ایرین یا کسی دوسرے نے اس کی نشان دہی کرتے وقت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہا کہ سکندر کو خبر ملی تھی کہ وہ اس سے لڑنے کی تیاریاں کر رہے ہیں -

جہاں بانی اور عالمگیری کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں ، اور یہ تقاضے سکندر کو اس امر کی اجازت نہ دیتے تھے کہ وہ نہتوں کے خون سے یوں ہولی کھیلے اور پھر دیوتاؤں کے نام پر قدم قدم پر قربانیاں چڑھانے کا سوانگ رچائے -

گھبراہٹ میں ایک شہر کے باشندوں نے خود اپنے گھر جلا ڈالے

بہر حال سکندر مقدونی نے اس ماحول میں کچھ اس درجہ دہشت پھیلا دی کہ لوگ اس کے نام سے کانپنے لگے تھے ، تبھی اس ماحول میں آباد ایک شہر کے بارے میں کرٹیوس کہتا ہے کہ سکندر بہادر کی فوج جب اس شہر سے قریب آئی ، تو شہر کے لوگوں نے اپنے گھروں میں آگ لگا لی اور آپ اپنے ہاتھوں موت کی گود میں اتر گئے(۲) -

ایرین نے یہ داستان کہتے وقت ان لوگوں کی بہادری کی انھیں داد دی ہے اور کہا ہے حالانکہ ان کی تعداد پانچ ہزار تھی ، لیکن پھر بھی یہ آخری آدمی تک آزادی کی بقا کے لیے کٹ مرے اور سکندر کے ہاتھوں میں قید ہونے کی ذلت صرف چند نے اٹھائی(۳) -

ایرین کے الفاظ ملاحظہ ہوں :

۱- روکے جلد ۲ ، ص ۴۷ - (حاشیہ)

۲- کرٹیوس جلد نہم ، باب ۴ ، ص ۶-۸ -

۳- ایرین جلد ۲ ، ص ۴۷ - مترجمہ روکے - اوپر کے الفاظ روکے کے ہیں - (مصنف) -

And so great was their valour, that few came alive into the enemies hand.

سکندر بستیاں کی بستیاں تباہ کرتا چلا گیا

جب سے سکندر وادیٔ سندھ میں داخل ہؤا تھا ، کسی بھی حریف نے اس کے ذہن پر یہ کاری ضرب نہ لگائی تھی اور غالباً وہ اس سے خاصا متاثر ہؤا تھا ، لیکن اس تاثر کے باوجود اسے مالی قوم سے نہ جانے کیوں اس درجہ بغض پیدا ہوگیا تھا کہ اس نے اپنی سوار سپاہ پوری مالی بستیوں میں دوڑا دی اور جب بدنصیب مالی ، جانیں بچانے کے لیے بستیاں چھوڑ کر جنگلوں میں جا چھپے تو سکندر نے ان کی بستیاں تباہ کر دیں اور سوار فوج ان کے پیچھے دوڑائی کہ انھیں جنگلوں میں پہنچ کر قتل کر ڈالے ۔

ایرین اعتراف کرتا ھے کہ مقدونی سوار سکندر کے احکام پا کر ، مالی قوم کے تعاقب میں جنگلوں میں پہنچے اور ان کا خوب قتلِ عام کیا ۔

پایۂ تخت کا محاصرہ

خود سکندر مالی قوم کے پایۂ تخت پہنچا ، جس کے بارے میں اسے معلوم ہؤا تھا کہ وہاں آس پاس کے مالؤں نے پناہ لے رکھی ھے ۔

سکندر نے جب شہر پر سنگ باری شروع کی تو بدنصیب شہری قلعہ میں جا چھپے ۔

یہ قلعہ جہاں شہریوں نے پناہ لی ، دوسرے شہروں کی نسبت زیادہ محفوظ اور زیادہ مستحکم تھا اور سکندر کو اس کی فصیل تک پہنچنے کے لیے بڑی سخت جدوجہد کرنا پڑی ۔

سکندر زخمی ہؤا

ایرین اور کرٹیوس کی رو سے سکندر کی زندگی کی سب سے نازک گھڑی وہ تھی جو اس قلعہ میں اس پر آئی ۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ھے کہ سکندری فوج جب شہر پناہ کے ساتھ سیڑھیاں لگا کر اس پر چڑھ رہی تھی ، سکندر نے بھی ایک سیڑھی پر چڑھنا شروع کیا ۔ باقی سیڑھیاں تو محصورین نے کاٹ ڈالیں ، سکندر کی سیڑھی سلامت رہنے دی اور سکندر

بڑے تہور کے ساتھ فصیل پر جا چڑھا ۔ اس کے ساتھ صرف تین ساتھی تھے ، ابریس ، پیوکستاس اور لیوناٹوس ۔

سکندر اور اس کے تین ساتھی شہر پناہ پر چڑھ گئے تو محصورین نے چاروں طرف سے انھیں گھیر لیا اور ان میں اور محصورین میں بہت زور کی لڑائی ہوئی ۔ سکندر اور اس کے ساتھیوں نے گو کئی کو مار ڈالا ، لیکن مالیوں کے پے در پے حملوں نے ابریس کی جان لے لی ، باقی دونوں ساتھی پیوکستاس اور لیوناٹوس سخت زخمی ہوئے اور سکندر کو تو اتنے گہرے زخم آئے کہ وہ اپنے جسم کا توازن قائم نہ رکھ سکا اور اپنی ڈھال پر گر گیا ۔ اس کے دونوں ساتھیوں پیوکستاس اور لیوناٹوس نے زخمی ہونے کے باوجود سکندر کی خاطر محصورین سے جو لڑائی اس دن لڑی وہ اپنی مثال آپ تھی ۔ ایرین کہتا ہے کہ سکندر کو چونکہ محصورین نے پہچان لیا تھا ، اس لیے اس پر ہر طرف سے تیروں اور نیزوں کی بارش ہو رہی تھی اور یہ دونوں جانثار اس ساری بارش کو اپنے جسموں پر لے رہے تھے اور سکندر کو اس طرح اپنے جسموں کے نیچے چھپا رکھا تھا جیسے مرغی اپنے بچوں کو اپنے پروں میں چھپا لیتی ہے(۱) ۔

یونانی فوج نے انتقاماً تمام شہری عورتیں اور بچے مار ڈالے

پھر مقدونی سپاہیوں کی ٹولیاں کی ٹولیاں نئی سیڑھیوں کے ذریعے شہر پناہ پر آن پہنچیں اور سکندر اور محصورین میں حائل ہوگئیں ۔ نو واردوں نے قلعہ کے دروازے کھول کر باقی سپاہ کو بھی اندر بلا لیا اور ایرین کے الفاظ میں ایک ذی روح کو بھی زندہ نہ رہنے دیا ، حتیٰ کہ عورتیں اور بچے بھی موت کے حوالے کر دیے ۔ روکے کے الفاظ ہیں :

Every soul which was found being cut off, and not so much as the women or children spared. (۲)

مقدونی اپنے بادشاہ کے زخمی ہو جانے کے سبب جذبات میں کچھ اس طرح اندھے ہوگئے تھے کہ انھوں نے جب تک سارے شہر کی آبادی

۱- ایرین جلد ۲ - مترجمہ روکے ، ص ۸۱ - پلوٹارک ، ص ۳۹ - کرٹیوس کتاب نہم ، باب ۵ ، ص ۱۵ -

۲- ایرین جلد ۲ ، ص ۸۲ -

ختم نہ کر دی ، اطمینان کی سانس نہ لی ۔

اس دوران میں سکندر کی حالت سچ مچ انتہائی خطرہ میں تھی ۔ ابھی تک ایک تیر اس کے سینہ میں چبھا تھا اور اس کی قوت لحظہ بہ لحظہ جواب دیے جا رہی تھی ، لیکن اس کے طبیب نے عین بروقت عملِ جراحی سے اس کی زندگی اسے لوٹا دی اور اسے موت کے منہ سے کھینچ لیا ۔

سکندر کی موت کی افواہ عام ہوئی

ایرین کہتا ہے کہ سکندر کو جو زخم آیا تھا ، چونکہ وہ بہت خطرناک تھا اور سکندر کتنی دیر تک بے ہوش پڑا رہا تھا ، اس لیے چھاؤنی میں یہ خبر پھیل گئی کہ سکندر اس دنیا سے رخصت ہوگیا ہے ۔ پوری چھاؤنی غم کے ایندھن میں جلنے لگی اور اکثر سپاہی بڑی سنجیدگی کے ساتھ سوچنے لگے ، وطن کی طرف ان کی رہنمائی کون کرے گا ۔ اس وقت جب ہرکارے بادشاہ کے زندہ ہونے کی خبر لائے تو انھیں اس کی صداقت پر قطعاً یقین نہ آیا ۔

سکندر کو یہ صورتِ حال بتائی گئی ، تو اس نے اپنے تیارداروں کو حکم دیا ، اسے سٹریچر پر لاد کر اس کے جہاز میں سوار کر دیں ۔ یہ جہاز پانی کی سطح پر بہت ہولے ہولے دریا کے اس کنارے تک لایا گیا ، جہاں ہیفسٹون اور نیرچوس سپہ سالاروں نے اس کا استقبال کیا ۔ جہاز کے پردے اٹھا دیے گئے اور فوج کو اجازت دی گئی کہ اپنے زخمی قائد کو بنظرِ خود دیکھ لے(۱) ۔

اس کے باوجود فوج کے بہت سے افراد کو پورے طور پر اس کی زندگی کا یقین نہیں ہؤا اور بہت سے لوگ اب بھی کہتے سنے گئے کہ جہاز کے تختہ پر بادشاہ کی نعش رکھی ہے ۔

ان لوگوں کو تو سکندر کی زندگی کا یقین صرف اس وقت ہؤا ، جب سکندر تکیوں کے سہارے خاصا اوپر کو اٹھا اور اپنا ایک تندرست بازو فضا میں لہرا لہرا کر فوج کو سلامی دی(۲) ۔

۱- ایرین جلد ۲ ، ص ۸۷ ۔

۲- پلوٹارک ، ص ۳۹ ۔

جب سکندر مقدونی اپنے ایک تندرست ہاتھ کو اوپر کی سمت اٹھا کر فوج کو سلامی دے رہا تھا تو فوج یوں ایسی سرخوشی سے اس کی درازیٔ عمر کے نعرے مارنے لگی تھی ۔

سکندر گھوڑے پر سوار ہوا

ایرین کہتا ہے کہ کتنے تھے جنھوں نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا رکھے تھے اور آسمان کا شکریہ ادا کر رہے تھے کہ ان کا بادشاہ ابھی تک زندہ ہے ۔ کئی شدتِ جذبات کے سبب رونے لگے تھے(۱)۔ فوج کے اس خلوص نے سکندر میں یک بیک عجیب توانائی بھر دی ۔ وہ آپ ہی آپ سٹریچر سے اٹھا اور گھوڑا لانے کا حکم دیا ۔ وہ فوج کے سامنے جب گھوڑے پر چڑھا تو خوشی کے نعرے شورِ قیامت میں بدل گئے اور ساری کی ساری فضا ، حتیٰ کہ جنگل جنگل گونج اٹھے ۔

ایرین ہی راوی ہے کہ سکندر کی سواری جدھر سے گزری ، فوج نے اس پر پھولوں کی بارش کی ۔ لوگ اس تک پہنچنے کے لیے ایک دوسرے پر گر گر پڑے ۔

مالی قوم نے مصالحت کر لی

یہ مقدونی سپاہ کی اپنے قائد سے الدھی عقیدت کا کچھ عجیب منظر تھا ، جو اس دن نظرِ تماشہ بین نے دیکھا ۔ اس غیر معمولی عقیدت کی خبریں جب آگ کی طرح مالی قبیلے کے ٹھکانوں تک پہنچیں تو ایرین کہتا ہے مالی قبیلہ نے جد و جہدِ آزادی ترک کر دی اور دوڑ دوڑ کر اس کے حضور آتے گئے اور غلامی کا طوق گلے میں ڈلواتے گئے ۔

ایرین نے ایک سو تیس مالی اکابر کا ذکر کیا ہے جو جھنگ ، ملتان اور بہاولپور کے اس سمت کے علاقوں میں آباد تھے اور جنھوں نے اپنی اپنی بستی کی طرف سے سکندر کے حضور حاضری دی تھی اور سکندر نے ان پر شرط عائد کی تھی کہ ایک ہزار اکابر مالی یرغمال کے طور پر اس کے ساتھ رہیں ۔ مالی قبیلے نے نہ صرف ایک ہزار اکابر ، سکندر کی خدمت میں بھجوائے بلکہ تین سو رتھیں بھی نذرگزاریں اور بہت سے تحائف بھی پیش کیے۔

ایرین کی رو سے سکندر مالی سفیروں کے آداب و اخلاق سے حد درجہ

۱- ایرین ، مترجمہ رو کے جلد ۲ ، ص ۹۱ ۔

متاثر ہؤا اور تین سو رتھیں اور تحائف تو قبول کر لیے ، یرغمال کے ہزار مالی واپس کر دیے (۱) ۔

یہ صرف سکندر مقدونی تھا جس نے ہڑپا اور اس جیسی دوسری آبادیاں کھنڈروں میں تبدیل کیں

پروفیسر ونسنٹ سمتھ نے مالی قوم کو ملوئی لکھا ہے اور میک کرنڈلے پر اعتراض کیا ہے کہ اس نے اس کے تلفظ میں غلطی کی ہے ۔

پروفیسر سمتھ کی رو سے آخری لڑائی جس میں سکندر کو زخم آیا تھا کہیں جھنگ اور منٹگمری کی سرحد پر ملتان سے اسی یا نوے میل شمال مشرق میں لڑی گئی تھی (۲) اور وہ قلعہ جس میں سکندر کو مہلک زخم آئے اسی علاقہ میں واقع تھا ۔

بیلی کی رو سے ہیون سانگ نے یہ جگہ مولستھان پور (۳) قرار دی ہے ۔ پروفیسر سمتھ کو اس پر اعتراض ہے ، وہ کہتے ہیں مول تان اور ملوئی یا مالی (یا ملی) سے اسے کوئی لفظی نسبت نہیں ہے اور ملتان کا موجودہ شہر بہت جنوب میں واقع ہے ۔

سمتھ کو اس بات پر سخت اصرار ہے کہ یہ مقام دریائے راوی کے آس پاس تھا اور ملوئی ضلع منٹگمری اور ضلع جھنگ کے درمیان آباد تھے ۔

اگر ونسنٹ سمتھ کا یہ بیان صحیح ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ صحیح نہ ہو ، تو پھر یہ امکان بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہڑپا اور اس کے قریبی شہر وہی ہیں ، جن پر سکندر مقدونی اور اس کے ساتھی تباہی لائے تھے اور جن کے باشندے سکندری حملہ کے وقت ڈر کے مارے جنگلوں میں جا چھپے تھے اور سکندر کی فوج نے غصہ میں ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی (۴) ۔

ہمارے نزدیک گو حتماً اس سلسلہ میں کچھ کہنا بہت مشکل ہے ، تاہم سکندر مقدونی اور اس کی سپاہ پر یہ الزام یقیناً عائد کیا جا سکتا ہے کہ

۱- ایرین مترجمہ رو کے جلد ۲ ، ص ۹۱ ۔
۲- سمتھ ارلی ہسٹری آف انڈیا مطبوعہ حیدر آباد ، ص ۱۳۱ ۔
۳- ہیون سانگ مرتبہ بل ، جلد ۲ ، ص ۲۷۴ ۔
۴- ونڈر دیٹ واز انڈیا ، ص ۲۷ ۔

هڑپا سے لے کر موھن جو ڈیرو تک کی تہذیب و تمدن کے تباہ کرنے والوں میں چوتھی صدی قبل مسیح کے وہ یونانی بہت زیادہ اھمیت رکھتے ھیں جو خود کو حد درجہ مہذب سمجھتے اور دوسروں کو ''بربر'' ٹھیراتے تھے۔

یوں بلاشبہ علمائے تاریخ کی اکثریت نے یہ الزام رگ وید کے مصنف آرین قبائل پر عائد کیا ھے (۱) گو یہ گستاخی ھے اور چھوٹا منہ بڑی بات کہی جاسکتی ھے تاھم ھمیں یقین ھےکہ یہ آریائی نہ تھے، سکندر مقدونی کے ساتھی یونانی تھے جنھوں نے ھڑپا (موجودہ منٹگمری) سے لے کر ملتان تک آباد انسانی بستیاں تباہ کی تھیں اور یہ ھڑپا تو جس کے آثار زمین تلے سے برآمد ھوئے ھیں لازماً یونانیوں کا تباہ کیا ھؤا شہر ھے۔

بہرحال مولی یا مالی قوم اور اس کے حلیف قبائل نے اس سفارت کے ذریعہ سکندر سے اپنے کیے پر معافی چاھی اور سکندر کو خود سے خوش کر لیا۔

کرٹیوس کے نزدیک ان لوگوں نے سکندر کو خراج دینے کی پیشکش جب کی تو سکندر نے انھیں حکم دیا کہ دارا کو جو خراج دیتے تھے اس کی نسبت ڈھائی ھزار گھوڑے زیادہ دیں اور ان لوگوں نے خراج میں تو جو کچھ دیا سو دیا، پانچ سو جنگی رتھیں الگ نذر کیں تھیں (۲)۔

بہاول پور کی تاریخی روایات کے پیش نظر یہ بھی کہا جا سکتا ھے کہ سکندر مقدونی کے سامنے مالی قوم کے جن اکابر نے ھتھیار ڈالنے کی پیشکش کی تھی وہ موجودہ ریاست بہاول پور کے نواح کے رھنے والے تھے۔

ایرین کی رو سے مالی یا ملوئی اور ان کے حلیف آکسی ڈراسی، سکندر کے حضور جھک گئے تو سکندر نے اپنا بیڑہ اور لشکر اور آگے بڑھایا، اور وھاں پہنچ کر دم لیا جہاں دریائے راوی، جہلم، چناب اور بیاس سندھ کے ساتھ مل جاتے ھیں اور جسے آج کل کی اصطلاح میں پنجند کہا جاتا ھے اور جو موجودہ ریاست بہاول پور میں واقع ھے۔ سکندر کا بیڑہ جب یہاں پہنچا تو ایرین کہتا ھے کہ کھتری قوم کی طرف سے اس کے حضور کئی جہاز بطور نذر پیش ھوئے۔ کھتری قوم نے جہازوں کے ساتھ ساتھ اپنی آزادی

۱۔ ونڈر دیٹ واز انڈیا، ص ۲۶۔

۲۔ کرٹیوس کتاب نہم، باب ۷، ص ۱۵۔

بھی سکندر کے حضور نذر کر دی اور پوری قلمرو کی دستاویز اس کے نام لکھ کر اس کے پاس لے آئے (۱) ۔

کھتری قوم کی طرح اساڈی نامی قوم بھی غلامی کے طوق گلے میں ڈال کر سکندر کے حضور میں پہنچ گئی ۔

گو ایرین نے یہاں پہنچ کر سکندر کے قیام کی مدت کا کوئی تعین نہیں کیا تاہم اس نے اس قیام کی جو تفصیل بیان کی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سکندر یہاں کافی دن ٹھیرا تھا ۔ یہیں اس کے حضور اس کی بیوی روشنک یا ''رخسانہ'' کا باپ اوکس یا رٹز ، باختر سے حاضر ہؤا اور سکندر نے اسے خوش آمدید کہا اور پیرا پامیسا اور ٹائریسٹس کی حکومت سونپ دی ۔ (یہ ملک کابل و قندھار ہے) ۔

پنجند تک کا علاقہ فلپس کو ملا ، سندھ اور سواحل روشنک کے باپ کو عطا ہوئے

ایرین یہ بھی کہتا ہے کہ سکندر نے پنجند کے مقام پر ، اپنے نام پر ایک شہر بھی تعمیر کرایا تھا اور کئی نئے جہاز بھی بنوائے تھے اور لازمی بات ہے کہ شہر کی تعمیر اور جہازوں کے بننے میں کافی مدت لگی ہوگی (۲) ۔

یہیں رک کر اب تک مفتوحہ علاقہ کے نظم و نسق میں بھی عالی قدر سکندر مقدونی نے دلچسپی لی اور دوآبہ ، سہ آبہ ، چہار آبہ اور پنجند کی سر زمین فلپس کے حوالے کی اور اس کی سرحد پنجند کی یہ جگہ ٹھیرائی جہاں وہ اس وقت قیام فرما تھا ۔ اسے تھریسیئن سوار فوج کے ساتھ ساتھ ، ضرورت کے مطابق دوسری سپاہ بھی دی اور پنجند سے اگلا حصہ ساحلِ سمندر تک اور باقی کے تمام سواحل ، مزید اپنی بیوی روشنک کے باپ اوکس یارٹز اور پائی تھون کے سپرد کیے ۔

سکندر سندھ میں داخل ہؤا

ان انتظامات سے فرصت پانے کے بعد سکندر نے پنجند کے ماحول سے رخصت لی اور یہاں سے ایک بار پھر شاہی بیڑہ آگے کی سمت چلنے لگا ۔ صفدیہ پہنچ کر منزل کی اور ایک نئے شہر کی بنا ڈالی ۔ کچھ نئے جہاز بھی

۱- ایرین جلد ۲ ، ص ۹۲ - ۹۳

۲- ڈیڈروس ، ص ۵۶۷ - کرٹیوس کتاب نہم ، باب ۸ ، ص ۹ ۔

تعمیر کرائے اور پہلے جہازوں کی مرمت بھی کی اور جب یہ سب کام ھو لیے تو سفر دوبارہ شروع کیا اور موسی کینوس نامی قوم کے ملک میں داخل ھؤا ، جس کا راجہ ایرین کی رو سے بڑا مالدار اور انتہائی ھردلعزیز تھا ، اور سکندر کو اس سے اس لیے ناراضگی پیدا ھوئی تھی کہ وہ سکندر کے حضور نذرانۂ عقیدت لے کر حاضر نہیں ھؤا تھا ، نہ ھی سفارت بھیجی تھی ۔ سکندر نے اس مغرور راجہ کی قلمرو میں داخل ھوتے ھی فوج کو حملہ کا حکم دیا ، لیکن ابھی فوج آگے بڑھی ھی تھی کہ راجہ ھاتھیوں ، سواروں اور رتھوں کے ساتھ ، عجز و انکسار کا پیکر بنے حاضر خدمت ھؤا اور اس وقت سے پہلے نہ حاضر ھونے کی معذرت پیش کی (١) ۔

روھڑی اور سکھر

پروفیسر ونسنٹ سمتھ کی رو سے موسی کینوس کی سلطنت موجودہ ضلع سکھر میں واقع تھی اور اس کا پایۂ تخت موجودہ شہر روھڑی سے کچھ ھی دور تھا (٢) ۔

ایرین کہتا ھے بادشاہ کو شہر کا ماحول ، شہر اور اس کی شان و شکوہ بہت بھائی اور اس نے راجہ سے اس کی تعریف کی اور سلطنت کا نظم و نسق دوبارہ اسے سونپ دیا ، لیکن احتیاطاً ایک قلعہ اندرونِ شہر میں تعمیر کرکے یونانی سپاہ اس میں متعین کر دی اور جب تک یہ کام نہیں ھو لیا ، سکندر آگے نہیں بڑھا ۔

اوکسی کینوس پر چڑھائی

ایرین ھی کا بیان ھے کہ سکندر نے موسی کینوس کے ھمسایے میں واقع ایک ریاست اوکسی کینوس پر چڑھائی بھی کی تھی اور اس کی حدود پامال کر دی تھیں ، کیونکہ اس راجہ نے سکندر کے حضور نہ تو کوئی نذر پیش کی تھی اور نہ سفارت بھیجی تھی ۔ سکندر نے پہلے ھی حملے میں دو آس پاس واقع شہر قبضہ میں لے لیے اور سکندری سپاہ نے ان دونوں شہروں کو خوب لوٹا ۔

١- ایرین جلد ٢ ، ص ٩٤ - ٩٥ ۔

٢- سمتھ ارلی ھسٹری آف انڈیا ، ص ١٣٤ ۔

ایرین اعتراف کرتا ہے کہ یہ لوٹ مار اتنی خوف ناک تھی کہ پورے علاقہ میں دہشت پھیل گئی اور باقی تمام شہروں نے سکندر کی اطاعت قبول کرلی اور ہر طرف سے سفیر امن کا جھنڈا لے لے کر اس کی چھاؤنی میں دوڑے آئے (۱) ۔

الور کا راجہ سمبھو

اوکسی کینوس ، سکھر کے کسی حصہ میں واقع تھا ، کچھ کہنا آسان نہیں ہے ، ایرین نے اسے الور کا ہمسایہ ظاہر کیا ہے ۔ غالباً یہ موجودہ ریاست خیرپور کی سر زمین تھی ۔ بہر حال سکندر نے اس پر قبضہ کرلیا تو راجہ سمبھو پر پھر حملہ آور ہؤا جو ایرین کی رو سے(۲) سکندر سے اس لیے خفا تھا کہ اس نے اس کے رقیب موسی کینوس پر مہربانی کی تھی ۔

پایۂ تخت سندومانہ

کرٹیوس ، سمبھو کو سابو اور پلوٹارک سابا کہتا ہے (۳) ۔ اسٹریبو کے نزدیک راجہ کا نام سیبوٹاس تھا اور اس کا پایۂ تخت سندومانہ تھا (۴) ۔ کرٹیوس کا بیان ہے کہ سکندر نے جب اس ریاست پر حملہ کیا تو اس کے اسی ہزار افراد موت کے گھاٹ اتار دیے اور کافی تباہی مچائی ۔

لیکن ایرین کی روایت ہے کہ جب سکندر سندومانہ پہنچا جو سمبھو کا پایۂ تخت تھا تو سمبھو عجز و نیاز کا پیکر بن کر اس کے حضور حاضر ہؤا اور معذرت چاہی ۔ یہ معذرت قبول ہوئی اور سکندر نے ایک باغی شہر پر حملہ کرکے اسے سزا دی ۔ ایرین نے اس باغی شہر کا نام نہیں لکھا ۔ صرف اتنا کہا ہے کہ وہاں برہمن رہتے تھے (۵) ۔

کئی شہر تباہ کیے

ایرین کی رو سے سکندر ابھی یہیں تھا کہ اسے خبر ملی کہ موسی کینوس

۱- ایرین جلد ۲ ، ص ۹۵ ۔
۲- ایضاً ۲ ، ص ۹۵ ۔
۳- کرٹیوس جلد نہم ، باب ۸ ، ص ۱۱- ڈیڈروس ، ص ۵۶۹ ۔ پلوٹارک ، ص ۳۹ ۔
۴- اسٹریبو ، ص ۱۰۲۶ ۔
۵- ایرین جلد ۲ ، ص ۹۶ ۔

نے بغاوت کر دی ہے - سکندر نے یہ خبر پا کر ، اگنور کے بیٹے پائی تھون کو ایک مناسب فوج دے کر باغی کی سرکوبی کے لیے بھیجا - پائی تھون نے کئی شہر تباہ کیے اور باقی میں دہشت پھیلا کر موسی کینوس کو قید کر کے سکندر کے حضور لے آیا اور سکندر نے اسے اور اس کے کئی برہمن مشیروں کو جنھوں نے اسے بغاوت پر آمادہ کیا ، جلادوں کے سپرد کرا دیا اور حکم دیا انھیں پھانسی دے دیا جائے -

پٹالن یا بھمن آباد پر قبضہ

یہیں پٹالن کے راجہ نے سکندر کے حضور حاضری دی اور اطاعت و فرمانبرداری کا عہد کیا - روکے کی رو سے پٹالن ریاست دریائے سندھ کے ڈیلٹا میں واقع تھی - پروفیسر ونسنٹ سمتھ کا بیان ہے کہ پٹالہ شہر قدیم شہر بھمن آباد کے مقام پر یا منصورہ سے چھ میل کے فاصلہ پر آباد تھا (۳۶۵ - ۳۲۵ قبلِ مسیح) - پٹالن کا راجہ سکندر کی خدمت میں باریاب ہؤا اور وفاداری کا عہد کیا تو سکندر نے اسے حکم دیا ، اپنے پایۂ تخت کو لوٹ جائے اور مقدونی فوج کا منتظر رہے جو عنقریب وہاں پہنچنے کو ہے - سکندر نے اسے واپس بھیج کر ، فوج آگے کو بڑھائی اور پٹالن پہنچ گیا(۱) -

ایرین کہتا ہے کہ جب سکندر مقدونی پٹالہ یا پٹالن پہنچا تو اسے خبر ملی کہ راجہ پٹالہ اور متعدد شہروں کے لوگ سکندر کے ڈر سے بھاگ کر جنگلوں میں جا چھپے ہیں - سکندر نے ان کے پیچھے سوار دوڑائے اور ان کو یقین دلایا کہ ان پر کسی قسم کی سختی نہیں کی جائے گی ، گھروں میں واپس آ جائیں اور اس یقین دہانی پر کافی لوگ شہروں میں لوٹ آئے (۲) -

پٹالن کے مقام پر بحری چھاؤنی کا قیام
دیبل تک رسائی پائی

پروفیسر ونسنٹ سمتھ نے اس بات سے اختلاف کیا ہے کہ پٹالہ موجودہ شہر حیدر آباد ہرگز نہیں ہے - یہ شہر جو بھی تھا ،

۱- راورٹی ، ص ۵۱۰ - سمتھ ، ص ۱۳۶ -

۲- ایرین جلد ۲ ، ص ۱۰۱-۱۰۲ - کرٹیوس جلد نہم ، باب ۹ ، ص ۲۷ -

دریائے سندھ کا انتہائی اہم شہر تھا اور سکندر کافی دنوں تک وہاں مقیم رہا تھا اور یہ ان دنوں وہاں آباد تھا ، جہاں دریائے سندھ دو حصوں میں بٹ کر سمندر سے گلے ملنے کے لیے آگے بڑھ رہا تھا ۔ سکندر مخالفتوں سے فارغ ہؤا تو اس نے پٹالن کے مقام پر ایک عظیم بحری چھاؤنی قائم کرنے کے احکام جاری کیے اور جب تک چھاؤنی تعمیر نہ ہوگئی اس نے اس جگہ سے جدائی اختیار نہ کی ۔ ایرین اس امر کا بھی راوی ہے کہ سکندر نے ہیفسٹون کو پٹالہ میں ایک مقدونی قلعہ تعمیر کرنے کا حکم بھی دیا تھا۔ جب بحری چھاؤنی مکمل ہوگئی تو سکندر نے اپنے بیڑہ کے ساتھ پہلے دریا کی دائیں شاخ کا معائنہ کیا اور آگے بڑھتا دیبل جا پہنچا اور پھر سمندر میں کئی میل تک سیاحت کی اور واپس ہؤا ۔ پٹالہ لوٹ کر اس نے بائیں شاخ میں اپنے جہاز ڈالے اور اس کے دہانے پر پہنچ کر جھیل سارا کی سیر کی ۔ ساحل پر بندرگاہیں اور گودیاں تعمیر کیں اور مناسب فوج متعین کر کے پٹالہ واپس ہؤا ۔

واپسی اختیار کی

اس نے اپنی سپاہ کو دو حصوں میں بانٹا ، بحری بیڑہ امیر البحر نیرچوس کے سپرد کیا کہ خلیج فارس کے راستے دریائے دجلہ میں داخل ہو جائے اور خود بری فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے کر اسے گڈروسیہ کے راستے ہندوستان کی سرحد سے نکال لے گیا ۔

یہ اکتوبر ۳۲۵ قبل مسیح کا مبارک مہینہ تھا جب سکندر مقدونی سے ہندوستان کی جان چھوٹی تھی(۱) ۔ رالنسن کی رو سے سکندر پہلی بار جولائی ۳۲۵ میں پٹالہ پہنچا تھا اور اکتوبر تک یعنی چار مہینے اس نے پٹالہ میں قیام کیا تھا اور ان چار مہینوں میں عملاً ساحل سمندر تک سارا سندھ اس کے پاؤں تلے بچھ گیا تھا اور سندھ کی کوئی ریاست ایسی باقی نہ رہی تھی جو اسے للکار سکتی اور کوئی سندھی راجہ ایسا نہ تھا جو چھاتی تان کر اس کے سامنے آتا اور اسے لڑائی کی دعوت دیتا ۔ جب سندھ کی زمین یا زیادہ واضح الفاظ میں پانچ دریاؤں کی ساری کی ساری وادیاں سمندر

۱- سمتھ ارلی ہسٹری آف انڈیا ، ص ۱۴۰ ۔

تک اس کے زیرِ اقتدار آ گئیں تب اس نے اپنے وطن کی طرف مراجعت کی (۱) ۔

واپسی سے پہلے اس نے سارا سندھ ساحلِ سمندر تک فتح کر لیا تھا

پروفیسر رالنسن کی رو سے سکندر کی واپسی کے وقت وادیٔ سندھ کی انتظامی صورت حسب ذیل تھی ۔ شمالی صوبہ فلپس کے تابع تھا ، جو ٹیکسلا میں مقیم ہؤا ۔ درۂ خیبر تک کا علاقہ اس کے ماتحت تھا ۔ جہلم اور بیاس کے مابین کی سر زمین پورس کو بخش دی گئی تھی اور اگنور کا بیٹا پائی تھون سندھ کا گورنر بنایا گیا تھا(۲) ۔

پروفیسر رالنسن اس امر کے بھی راوی ہیں کہ سکندر نے واپسی کے وقت اپنی فوج تین حصوں میں بانٹی تھی ۔ ایک حصہ کریٹرس کے حوالہ کر کے اسے حکم دیا تھا درۂ مولا کے اندر سے راہ بناتا وطن لوٹے ، اس حصۂ فوج میں تمام ہاتھی اور دوسرا ساز و سامان تھا ، تمام بیمار اور اپاہج سپاہی بھی اس کے ساتھ کیے گئے تھے ۔

بلوچستان کے راستے واپسی عمل میں آئی

جو حصہ خود سکندر کے ماتحت تھا ، وہ زیادہ تر سواروں پر مشتمل تھا ۔ کچھ دور تک بحری بیڑہ نے اس کا ساتھ دیا اور بلوچستان کے اورائٹ سے لڑائی لڑنے میں اپنے قائد کی مدد کی اور پھر اس سے الگ ہوکر پانی کے راستہ عراق کا سفر طے کیا ۔ خود سکندر کو بلوچستان کے پہاڑوں کو پار کرتے وقت بڑے مصائب اٹھانے پڑے ۔ بہر حال وہ بہت کچھ گنوا کر سوس جا پہنچا ۔ (اپریل ۳۲۴ م) یہیں اس کے امیرالبحر نیرچوس نے اس سے خلیج فارس کا سفر ختم کرنے کے بعد ملاقات کی ۔

رالنسن ہی راوی ہے کہ گو سکندر نے پنجاب یا وادیٔ سندھ کی فتح کے لیے بڑے جتن کیے تھے ، لیکن ادھر سکندر بابل پہنچ کر (جون ۳۲۲ میں) موت کے دامن میں سویا ، ادھر سندھ اور پنجاب کی سرزمین نے یونانی تسلط سے نجات پا لی اور ۳۲۱ میں تو پنجاب اور سندھ اسے اس طرح بھول گئے جیسے اس نے ان کی سر زمین کو کبھی روندہ ہی نہ تھا ۔

۱- رالنسن انڈیا ، ص ۶۱-۶۲ - مطبوعہ لندن ۔
۲- ایضاً ، ص ۶۲ -

تیسرا باب

چندر گپت اور پنجاب و سرحد

فصل اول

چندر گپت کی حکومت کی مثال ان مسلمان حکومتوں کی تھی جو درۂ خیبر سے آگے کو پھیلیں

چندر گپت کی سیاسی عظمت و بزرگی کی بنیاد ٹیکسلا میں رکھی گئی

وہ یہیں بچپن گزار کر جوان ہؤا اور تخت پر بیٹھا

اس کی بادشاہت کی مسند، شمال مغربی اضلاع کے باشندوں نے بزور بازو بچھائی تھی

ایج آف امپیریل یونیٹی کے مصنف نے چندر گپت موریہ کو بجا طور پر یہ خراجِ عقیدت ادا کیا ہے کہ وہ ہندوستان کا پہلا شخص ہے، جس نے ایک تو اس ملک کو مقدونی غلامی سے نجات بخشی، دوسرے ہندوستان کے غالب حصہ کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا۔

بلا شبہ چندر گپت موریہ کا یہ ایک بہت بڑا کارنامہ تھا، خصوصیت سے اس لیے کہ وہ کسی بڑے شاہی خاندان کا فرد نہ تھا اور نہ اس نے کوئی تاج و تخت ہی ورثہ میں پایا تھا۔ وہ ایک بہت ہی چھوٹے گھرانے کا آدمی تھا اور اس کی کامیابی و کامرانی کی داستان تاریخ کی ایک انتہائی دلچسپ داستان ہے(۱)۔

چندر گپت اور ارضِ مغربی پاکستان

ہمارے نزدیک اس داستان کی وقعت اس لیے بھی بڑھ جاتی ہے کہ چندر گپت کی سیاسی عظمت و بزرگی کا محل سراسر ارضِ مغربی پاکستان کے اینٹ گارے سے تعمیر ہؤا۔ یوں بلا شبہ نسلاً اس کا خمیر یو پی کے ایک گاؤں مالیرا کی مٹی سے اٹھا تھا۔

۱- ایج آف امپیریل یونیٹی، ص ۵۶، مطبوعہ بمبئی۔

یہ بھی صحیح ہے کہ وشنو پران میں چندر گپت کی ماں مورا کو مگدھ کے نندا بادشاہ کی ایک غیر قانونی بیوی ظاہر کر کے اسے شاہی خاندان سے کسی نہ کسی طرح ٹانکنے کی کوشش کی گئی ہے ، لیکن راۓچودھری اور دوسرے علمائے تاریخ نے وشنو پران کی اس داستان کی صحت تسلیم نہیں کی اور ایک وزنی اعتراض وارد کیا ہے کہ لغت کی رو سے موریہ لفظ کا مستخرج مورا زنانہ نام نہیں مردانہ نام ہے اور یہ ایک خاندان کا نام ہے ، جو کشتری تھا اور گوتم بدھ کے زمانہ میں پپھا یسوانہ میں بڑا ممتاز سمجھا جاتا تھا (۱) اور انگریز حکومت کے زمانہ تک میواڑ ریذیڈنسی میں آباد تھا ۔

موریہ خاندان کا یہ چندر گپت جس نے مقدونی اقتدار کو خاک میں ملایا ، خواہ بادشاہ نندا کی کسی داشتہ کے بطن سے پیدا ہؤا تھا ، یا اس کا باپ موریہ گاؤں کا چودھری تھا یہ بات تاریخ کے ایک بڑے حقائق میں سے ہے کہ اس نے انتہائی نامساعد حالات میں آنکھ کھولی اور اس کی ماں خود تو نہ جانے کیوں پاٹلی پترا میں پناہ لینے پر مجبور ہوئی تھی اور نومولود نے پہلے ایک گڈریا کے ہاں پرورش پائی اور پھر ایک شکاری نے اس کے سر پر دستِ شفقت رکھا اور اسے ساتھ ساتھ لیے پھرا ۔ اس مرحلہ پر یہ بجا سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وجہ تھی کہ خوبصورت اور انتہائی رعنا ، مورا ، خود تو پاٹلی پترا میں رہ گئی تھی اور اس نے صرف اپنے بچہ کو در در کی ٹھوکریں کھانے کے لیے تنہا چھوڑ دیا تھا ۔ اس بات سے گمان ہوتا ہے کہ اس بچہ کی پیدائش واقعتاً مشتبہ تھی ۔

وہ ٹیکسلا میں پروان چڑھا

ایج آف امپیریل یونیٹی کے مصنف اس امر کے بھی راوی ہیں کہ بچہ ابھی بچپن کے جھولے میں جھول رہا تھا کہ ٹیکسلا کے ایک برہمن چانکیا اتفاق سے اس گاؤں میں آئے ، ان کی نگاہ اس پر اٹھی اور اسے

۱- راجپوتانہ گزیٹیئر ۱۱ - الف - میواڑ ریذیڈنسی - پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا ، ص ۱۸۰-۱۸۱ -

اپنے ساتھ ٹیکسلا لے آئے ۔

اس طرح چندر گپت کے بچپن کا بہت سا حصہ ٹیکسلا میں گزرا ، یہیں اس نے بچپن گزار کر جوانی کے عہدِ رنگیں میں قدم رکھا ۔ یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ پنڈت چانکیا پاٹلی پترا کیوں گئے تھے اور انہوں نے اس گاؤں کی زیارت کیوں ضروری جانی ، جہاں چندر گپت پرورش پا رہا تھا ۔ ہمیں عام مؤرخین کا یہ خیال صحیح لگتا ہے کہ پنڈت چانکیا کسی بات پر نندا راجہ پاٹلی پترا سے ناراض ہو گئے تھے اور انہوں نے چندر گپت کی تلاش اس لیے کی تھی کہ چندر گپت نندا راجہ کی ایک داشتہ کا غیر قانونی بیٹا تھا اور اس کو اپنے زیرِ سایہ لے کر پنڈت چانکیا نندا راجہ سے انتقام لینا چاہتے تھے ۔

ایج آف امپیریل یونیٹی کے مصنف بڑے وثوق سے کہتے ہیں کہ ٹیکسلا ھی میں چندر گپت کی تعلیم و تربیت ہوئی ۔ پنڈت چانکیا نے اسے نہ صرف ضروری علوم سکھائے بلکہ سپاھیانہ کرتب اور فنونِ سپاہ کی تربیت بھی دی (۱) ۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ چندر گپت کو پنڈت چانکیا اپنے ساتھ کس وقت لائے تھے اور یہ قبلِ مسیح سے پہلے کا کون سا سال تھا ، تاہم جس وقت سکندر مقدونی نے پورس کو شکست دے لی تھی اور بیاس کے کنارے پر خیمہ زن تھا کہ وادیٔ گنگا کی طرف کوچ کرے تو یونانی مؤرخین کے بیان کے مطابق چندر گپت نے نہ جانے راجہ ٹیکسلا کی وساطت سے یا پورس کے ذریعہ سکندر تک رسائی پائی تھی ۔ سکندر اور اس میں کچھ گفتگو بھی ہوئی تھی اور سکندر اس گفتگو سے اس درجہ خفا ہؤا کہ اس نے اس کے قتل کا حکم صادر کر دیا تھا(۲) ۔

یہ الگ بات ہے کہ چندر گپت کسی نہ کسی طرح بچ نکلا ۔ گو یونانی مؤرخین نے اس کے بچ نکلنے کی داستان نہیں کہی تاہم گمان ہوتا ہے کہ اس کے بچاؤ کا ذریعہ یا تو راجہ پورس ہؤا تھا یا راجہ ٹیکسلا ۔ یہ دونوں راجے چندر گپت کو کیوں جانتے تھے اور چندر گپت ان تک کس طرح پہنچا ، یہ بات بھی پردۂ اخفا میں ہے ۔

۱- ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۵۸ -
۲- ایضاً ، ص ۵۸ -

سکندر اور چندر گپت میں ملاقات

ہمارا گمان ہے کہ پنڈت چانکیا بہت ہی بااثر مذہبی اور سیاسی زعما میں سے تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جو سکندر مقدونی کے اقتدار کو پسند نہیں کرتے تھے اور جنھوں نے اس وقت جب سکندر مقدونی نے بیاس پر چھاؤنی ڈالی اور وادیٔ گنگا کو عبور کرنا چاہا تو اسے نندا بادشاہِ مگدہ کی فوجی عظمت اور شان و شکوہ سے خوب ڈرایا تھا۔

ہمارے نزدیک چندر گپت کے بارے میں بعض متاخرین کا یہ قیاس غلط ہے کہ اس نے سکندر مقدونی سے فرمائش کی تھی کہ آگے بڑھ کر نندا راجے پر حملہ آور ہو جائے۔ اگر چندر گپت نے یہ فرمائش کی ہوتی تو پھر ایرین ، کرٹیوس ، ڈیڈروس اور دوسرے یونانی مؤرخین چندر گپت کے بارے میں یہ نہ کہتے کہ اس نے سکندر سے اس درجہ گستاخانہ گفتگو کی تھی کہ سکندر نے انتہائی اشتعال میں آ کر اس کے قتل کا فرمان جاری کر دیا تھا(۱)۔

گو وثوق سے یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ چندر گپت اور سکندر میں کیا گفتگو ہوئی تھی۔ ہمارے خیال میں چندر گپت نے سکندر کو بہت سخت الفاظ میں وادیٔ گنگا کی قوت و طاقت سے ڈرایا تھا اور اس لیے سکندر سخت طیش میں آ گیا تھا۔

بہر حال یہ چندر گپت ہرگز ہرگز نہ تھا ، جس نے سکندر کو وادیٔ گنگ پر چڑھائی کی ترغیب دی تھی ، البتہ وہ ان پنڈتوں کے ساتھ یقیناً شامل تھا ، جنھوں نے موسی کینوس کو سکندر کے خلاف بغاوت پر اکسایا تھا۔

گو یہ بغاوت ناکام ہوگئی تھی ، لیکن چندر گپت اور اس کے ساتھی قطعاً بد دل نہیں ہوئے تھے اور اندر ہی اندر رائے عامہ کو بیرونی حکومت کے خلاف برابر مشتعل کرتے رہے تھے۔ بلا شبہ جب تک سکندر نے واپسی اختیار نہیں کی ان کی سرگرمیاں تیز نہیں ہوئیں ، ایک طرح سے وہ بھی اور پنڈت چانکیا بھی چھپے رہے۔

۱- ایج آف اسپیریل یونیٹی ، ص ۵۸ -

چندر گپت اور پنڈت چانکیا کی جد و جہد آزادی

سکندر کے واپس ہوتے ہی ، وہ کھل کر میدان میں اتر آئے اور مہا واتسکا کی رو سے پنجاب ، سندھ اور پہاڑی علاقوں میں آزادیٔ وطن کے لیے لڑنے والے جانباز رضا کاروں کو بھرتی کرنے لگے -

پنجاب اور اس کے پہاڑی علاقے رضا کاروں سے پٹ گئے

مہا واتسکا میں اس جد و جہد کی خاصی تفصیل موجود ہے ، جو چندر گپت اور پنڈت چانکیا نے رضا کار بھرتی کرنے کے سلسلہ میں کی تھی - یہ دونوں ایک گرو اور ایک چیلا ، ایک بوڑھا جہاندیدہ اور تجربہ کار سیاست دان پنڈت اور دوسرا نو عمر سپاہی نگر نگر اور بستی بستی گھوم گئے اور انھوں نے جمہوریت پسند پنجابیوں میں سے رضا کاروں کی بڑی تعداد جمع کر لی(۱) -

رومی مؤرخ جسٹین ان رضا کاروں کو چوروں اور لٹیروں اور راھزنوں کا نام(۲) دیتا ہے - اس رومی مؤرخ کا شکریہ کہ اس نے ان چوروں اور لٹیروں کا ذکر کرتے وقت یہ روداد تو کہ دی اور اتنا اعتراف تو کرلیا کہ چندر گپت اور چانکیا نے ان رضا کاروں کی جتھہ بندی کی تھی ، خواہ یہ چور اور لٹیرے ہی تھے - بلا شبہ ارتھ شاستر میں بھی ایک ایسے گروہ کا ذکر موجود ہے جو ازراہ حب وطن ، چوری چکاری کا کام چھوڑ کر ان رضا کاروں میں شامل ہؤا تھا جو پنڈت چانکیا اور چندر گپت نے اپنے گرد جمع کیے تھے(۳) -

رضا کاروں میں غالب تعداد مالی باشندوں کی تھی

کیا عجب ہے کہ یہ چور اور اچکے ، وہ محب وطن مالی یا مالوی ہوں ، جو سکندر مقدونی کے خلاف قدم قدم پر صف بستہ ہوئے ، جن کو سکندر نے شکست پر شکست دی ، جن کے شہر اور قصبات سکندر نے جلا دیے اور وہ غریب جنگلوں میں چھپنے پر مجبور ہوئے تھے - ہو سکتا

۱- ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۵۷ -

۲- جسٹین آئی - سی - جلد ۲ ، ص ۵۵۹ -

۳- ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۵۷ -

ہے کہ یہ لوگ بعض ان تجارتی کاروانوں پر ہلہ بول دیتے ہوں ، جو یونانی شہروں کی سمت جاتے نظر آتے ہوں ۔

بہرحال ارتھ شاستر کی رو سے ایک گروہ ان چوروں چکاروں کا بھی تھا ۔ لیکن تین دوسرے گروہ زیادہ اہم تھے ، مثلاً پہلے شمال مغربی پہاڑوں کے رہنے والے تھے اور یہ ملیچھ قبیلوں کے لوگ تھے ، جنہیں ہندو یا آرین سماج پسند نہ کرتا تھا اور وہ ہندو سماج سے الگ تھلگ رہتے تھے ، ہو سکتا ہے کہ یہ سارے کے سارے غیر آرین ہوں ۔ دوسرے جنگلی لوگ اور تیسرے وہ پیشہ ور سپاہی ، جن کے سپاہیانہ جاہ و جلال کو سکندر مقدونی نے ندامت کی سیاہی میں بدل ڈالا تھا اور جن کے ہتھیار بظاہر کند کر دیے تھے ، لیکن ان کے دل آزادی کی لذت نہیں بھولے تھے ۔ ارتھ شاستر میں ان آخرالذکر لوگوں کو پراویر کا نام دیا گیا ہے جس کے معنی ہیرو کے ہیں ۔

پورس کا قتل اصل محرک تھا

ایج آف امپیریل یونیٹی کے مصنف نے ان حالات کی سازگاری کا ذکر بھی ضروری جانا ہے جو نیسانور اور فلپوس کے قتل کے محرک بنے تھے ۔ بلا شبہ ان حالات کی سازگاری میں شک کی گنجائش نہیں ہے ، لیکن رائے عامہ اس وقت تک پورے طور پر سکندر مقدونی کے خلاف مشتعل نہیں ہوئی جب تک سکندر کی موت کے تین سال بعد یعنی ۳۱۷ قبلِ مسیح میں مقدونی نائب‌السلطنت ایوڈیموس نے پورس سے غداری نہیں کی اور اسے دھوکہ سے مار نہیں دیا(۱) ۔

بلا شبہ سکندر مقدونی کی واپسی اور ۳۱۷ قبلِ مسیح کا درمیانی وقفہ پنجاب کی قدیم تاریخ میں اس اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ پنجاب کے لوگوں نے مقدونی جیسی مضبوط حکومت کے اقتدار کو خاک میں ملا دیا ۔ لیکن اگر اس دوران سکندر مقدونی نہ مرتا اور یونانی سربراہ ایک دوسرے کے خلاف صف آرا نہ ہوتے اور ایوڈیموس ، پورس کو ہلاک کرنے کی حماقت نہ کرتا تو تاریخِ پنجاب کا یہ تاریخی وقفہ خاصا طویل ہوتا اور ہو سکتا ہے کہ چندر گپت اور چانکیا شروع میں کافی دیر تک ناکام رہتے ۔

۱- چندرا گپتا ، ص ۳۴ ۔

پنجاب کی رائے عامہ مشتعل ہوگئی

بہرحال سکندر مقدونی کی موت یونانی سربراہوں کی باہمی پھوٹ اور ایوڈیموس کی حماقت نے پنجاب کی رائے عامہ ایک دم یونانی اقتدار کے خلاف مشتعل کر دی اور چندر گپت اور چانکیا جسٹین کے الفاظ میں چوروں ، لٹیروں ، ڈاکوؤں ، جنگلیوں اور سماج سے بیزار لوگوں کی ایک منظم فوج لے کر ایوڈیموس کے مقابلہ میں آیا -

پنڈت چانکیا نے مالی قبائل کو ساتھ ملا لیا

ہمیں رادھا کمار مکرجی کے اس خیال سے سو فی صد اتفاق ہے کہ چندر گپت اور چانکیا نے ایوڈیموس کے سامنے صف آرا ہونے سے پہلے سندھ کے مالوی یا مالی اور دوسرے آزادی پسند قبائل کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور سکندر کی موت کے بعد سندھ یونانی قلمرو میں شامل نہیں رہا تھا کیونکہ سکندر کی موت کے بعد جب پائی‌تھون گورنر سندھ کو سندھ سے تبدیل کر کے شمال مغربی سرحدی صوبہ کی گورنری سونپی گئی تو اس کی جگہ کسی اور یونانی گورنر کو نہیں دی گئی -

رادھا کمار مکرجی بجا طور پر اس بات سے یہ قیاس کرتے ہیں کہ سندھ کے مالوی اور ان کے حلیفوں نے چندر گپت اور چانکیا کو اپنا سربراہ بنا لیا تھا اور ان دونوں نے ۳۲۳ یا ۳۲۱ قبل مسیح میں آزادیٔ وطن کی جنگ شروع کر دی تھی اور آزادیٔ وطن کی اس جنگ سے پہلے چندر گپت کے ساتھی اور استاذ گرامی پنڈت چانکیا نے اس کے سر پر تاج شاہی رکھ دیا تھا(۱) -

جسٹین ، چندر گپت کو سانڈرو کوٹوز کا نام دیتا ہے اور تسلیم کرتا ہے کہ یہ صرف چندر گپت تھا جس نے سکندر کی موت کے بعد ایک ایک مقدونی سربراہ کی گردن کاٹی اور اس خونریزی سے مرعوب ہوکر چپکے سے ایوڈیموس نے ہندوستان کی سرحد خالی کر دی(۲) -

---

۱- ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۵۸ -

۲- جسٹین ، واسٹن ٹرانسلیشن ، ص ۱۴۲ - پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا ، راچودھری ، ص ۱۸۰-۱۸۱ -

جسٹین اس امر کا بھی راوی ہے کہ غدار یونانی ایوڈیموس نے چندر گپت کے مقابلہ میں صف آرائی نہیں کی ، اس کی وجہ یا تو چندر گپت کے سپاہیوں کے غیر معمولی حوصلے تھے یا وہ خود پورس کو غداری سے قتل کرنے پر بہت متاسف تھا اور عوامی اشتعال کے مقابلہ کی ہمت اپنے اندر نہ پاتا تھا ۔

چندر گپت کی سلطنت کا آغاز پنجاب اور سندھ سے ہوا

بہرحال جو بات بھی ہو ، جسٹین کی یہ رائے سولہ آنے صحیح ہے کہ یہ صرف چندر گپت تھا ، جس نے پنجاب اور سندھ کو مقدونی اقتدار سے نجات دی اور ایک ایسی سلطنت کی بناء رکھی ، جس کی مثال ہندوستان کی تاریخ میں پہلے موجود نہ تھی ۔

جسٹین نے ، چندر گپت پر الزام لگایا ہے کہ اس نے یونانی سپاہیوں اور افسروں کا قتلِ عام کیا تھا اور انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر مارا تھا ۔ اگر چندر گپت نے یونانیوں کا قتلِ عام کیا تو قطعاً جائز بات کی تھی ۔ کیونکہ یہ غاصب تھے ۔ انھوں نے نہ صرف مالیوں اور دوسرے محبانِ وطن کے خون سے ہولی کھیلی تھی ، عورتوں اور بچوں کو لاکھوں کی تعداد میں ذبح کیا تھا اور ان کے ساتھ کسی قسم کی نرمی ، عزتِ نفس کے تقاضوں کے قطعاً خلاف تھی ۔

جسٹین یا کسی دوسرے مؤرخ نے اس روداد کی تفصیل نہیں کھی ، جو بہادر چندر گپت نے چانکیا پنڈت کی رہنمائی میں ، سندھ اور پنجاب میں مرتب کی تھی ۔ بہر حال ان سب نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ چندر گپت ۳۱۷ قبلِ مسیح سے تھوڑی مدت بعد پورے پنجاب اور سندھ کا یک و تنہا مالک بن گیا تھا اور سارے کے سارے قبائل نے اس کی اطاعت قبول کرلی تھی ۔ اکثر کے نزدیک تو وہ اس ملک کا نجات دھندہ تھا اور جو لوگ ذاتی اغراض کے سبب اسے ایسا نہیں سمجھتے تھے ، وہ بھی بالآخر اس کے اقتدار کے سامنے طوعاً و کرھاً جھک گئے تھے ۔

اصل بادشاہ ٹیکسلا کا چانکیا پنڈت تھا

برھمن روایات نے اس ساری جد و جہد کی کامیابی کا سہرا چانکیا یا چنا کیا کوتلیا پنڈت کے سر باندھا ہے اور صرف ضمناً ، چندر گپت کا ذکر کیا ہے جس کے سر پر کوتلیا پنڈت نے ازراہِ ہمدردی تاجِ شاہی رکھا تھا ۔

اگر وہ داستان صحیح ہے جو ہم نے اوپر بیان کی ہے کہ پنڈت چانکیا یا چناکیا کوتلیا نے چندرگپت کے بچپن کی نگرانی بھی کی اور اسے نہ صرف تعلیم دی ، فنونِ سپاہ گری میں بھی تربیت دی تھی ، تو پھر چندرگپت کی حیثیت کوتلیا کے لے پالک یا متبنیٰ کی تھی ۔ ہو سکتا ہے پنڈت کوتلیا نے جب موریہ بستی میں چندر گپت کو اس کی ماں مورا سے لیا تو کسی نے اس کے کان میں یہ بات ڈال دی ہو کہ مورا نندا بادشاہ کی داشتہ رہ چکی ہے اور یہ بچہ بادشاہ نندا کا ناجائز بچہ ہے اور چونکہ کوتلیا کو نندا بادشاہ سے حد درجہ نفرت تھی اور وہ اس سے اپنی بے عزتی کا انتقام لینے کے لیے پیچ و تاب کھا رہا تھا اس لیے اس نے چندر گپت کو اپنا لے پالک بنایا اور اسے ہر طرح کی عمدہ تربیت و تعلیم دی ہو ۔

بہر حال شروع شروع میں ، خواہ کوتلیا ہی چندر گپت کے اقتدار کا اصل موجب بنا ہو تاہم چندرگپت کی ذاتی صلاحیت ، غیر معمولی جرأت اور انتہائی ذہانت و فطانت ، اس کی ہردلعزیزی کا باعث بنی اور وہ ۳۲۳ قبلِ مسیح سے لےکر ۳۱۶ قبلِ مسیح تک کے قلیل عرصہ میں دریائے سندھ اور جہلم ، راوی ، چناب اور بیاس و ستلج سے سیراب ہونے والی سرزمین کا مقتدر اور مسلمہ رہنما بن گیا تھا (۱) ۔

چندر گپت نے پنجاب اور سندھ کی سرزمین پر مکمل تسلط حاصل کرنے کے بعد مگدھ کی نندا بادشاہت کو کس طرح ختم کیا اور باقی ہندوستانی ریاستوں کو کس طرح نیچا دکھایا ، یہ روداد ہمارے موضوع سے خارج ہے ، تاہم مختصراً ہم یہ کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ بعض ہندو مؤرخین کا یہ خیال کہ چندر گپت نے پہلے نندا سلطنت کو نیچا دکھایا اور پھر سندھ اور پنجاب فتح کیے تھے قطعاً غلط ہے ۔ کیونکہ کوتلیا کی ارتھ شاستر اور جسٹین اور بدھ اور جین قدیم روایات سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی اور ان کی رو سے صداقت وہی ہے جو ہم پیچھے بیان

۱۔ سی ۔ ایچ ۔ آئی جلد اول ۴۲۸ ۔ نیز آئی ۔ سی ۔ جلد ۲ ۵۵۷ ۔
ایچ آف امپیریل یونیٹی ، ص ۵۸
پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا ، ص ۱۸۲ پرانا ۔ کوتلیا ارتھ شاسترا
سیکرڈ بکس آف ایسٹ جلد ۳۵ ، ص ۱۴۷ ۔

کر چکے ھیں ۔

اس سلسلہ میں فاضل مؤرخ ونسنٹ سمتھ کی یہ شہادت بھی پیشِ نظر رھے کہ غالباً سکندر کے مرنے کی خبر اگست ۳۲۱ قبلِ مسیح میں پنجاب پہنچی تھی اور پنجاب کے لوگوں نے اسی سال اکتوبر، نومبر میں مقدونی اقتدار کے خلاف بغاوت کر دی تھی اور اس بغاوت کا سربراہ ایک شخص چندر گپت نامی تھا ۔ یہ اس وقت بالکل نوعمر تھا ۔ اگرچہ وہ باپ کی طرف سے، شمالی ہند کی سب سے عظیم بادشاہت مگدہ کے شاھی خاندان کا چشم و چراغ تھا مگر اس کی ماں ایک نیچ ذات کی عورت تھی اور اسے نیچ ذات کی عورتوں کی اولاد کی طرح، ھر طرح کی ذلتیں بچپن میں سہنا پڑیں اور بالآخر جلا وطن ھؤا (۱) ۔

فاضل مؤرخ ونسنٹ سمتھ کی ذاتی تحقیق ھے کہ چندر گپت کے بارے میں یہ خیال کہ وہ راجہ نندا کا بیٹا تھا اور اس کی ماں نیچ ذات سے تھی قطعاً صحت پر مبنی ھے (۲) ۔

شمال مغربی سرحدی جنگجو چندر گپت کے پہلے ساتھی تھے

یونانی مؤرخ جسٹین اس امر کے راوی ھیں کہ اپنی جلا وطنی کے زمانہ میں چندر گپت نے شمال مغربی سرحد کے جنگجو اور لٹیرے قبائل کے اندر سے ایک بڑی منظم اور طاقتور فوج اکٹھی کی اور سکندر کے مرتے ھی مقدونی فوج پر حملہ آور ھوکر پنجاب فتح کر لیا (۳) ۔

بہر حال چندر گپت ھندوستان کا پہلا وہ عظیم تاجدار ھے، جس نے خلیج بنگالہ سے لے کر بحیرۂ عرب تک تمام ھندوستان کو اپنے تسلط میں لے لیا تھا (۴) ۔ بلاشبہ اس کی اس کامیابی میں اس فوج کا بھی حصہ تھا جو سمتھ کی رو سے اسے نندا بادشاہ مگدہ سے ملی تھی اور جس کی تعداد چھ لاکھ تھی ۔ لیکن درحقیقت چندرگپت کی عظمت و بڑائی کا موجب پنجاب،

---

۱ و ۲۔ ارلی ھسٹری آف انڈیا، ص ۱۵۷ - ۱۵۸ مطبوعہ حیدر آباد ۔

۳۔ جسٹین باب ۱۵، فصل ۴ ۔ میک کرنڈل، ص ۳۲۷ - ۳۰۵ ۔

۴۔ ارلی ھسٹری آف انڈیا، ص ۱۵۸ ۔

سندھ اور سرحد کے وہ آزادی پسند قبائل تھے ، جن کا ذکر ہم نے پیچھے کیا ہے اور جنھوں نے سکندر مقدونی سے قدم قدم پر لڑائی لڑی اور کسی بڑے رہنما کی راہ نمائی سے محروم ہونے کے سبب شکست کھائی تھی ، اگر چندر گپت سکندر مقدونی کے زمانۂ نزول سندھ میں جوان ہو چکا ہوتا اور ان قبائل نے اسے اپنا سر براہ تسلیم کر لیا ہوتا تو شائد سکندر مقدونی کی قبر وادیٔ سندھ میں کھدتی ۔

فصل دوم

چندر گپت کے زمانہ میں حدودِ ایریانہ اور شمال مغربی سرحدی اضلاع سیلوکس اور چندر گپت کا مقابلہ

حکمران دراصل پنڈت چانکیا ٹیکسلی تھا

عین اس وقت جب چندر گپت نے ۳۱۳ قبلِ مسیح میں پاٹلی پترا کے مقام پر نندا راجہ مگدہ کے تخت پر جلوس فرمایا تو سکندر مقدونی کے جانشین سیلوکس نے اپنے ایک حریف انٹی گناس کے خلاف ، بابل کے میدان میں صف بندی کر رکھی تھی ۔

پروفیسر سمتھ کی رو سے سیلوکس ، سکندر کے باپ فلپ مقدونی کے ایک انتہائی مقتدر سردار انٹی چوس کا بیٹا تھا اور بڑا سمجھ دار اور حوصلہ مند سپہ‌سالار تھا ۔ اس نے اپنے حریف انٹی گناس کو ۳۱۲ قبلِ مسیح میں بہت ھولناک شکست عطا کی اور اسے بابل سے نکال باھر کیا ۔

سیلوکس پنجاب پر حملہ آور هؤا

بابل کی فتح سے اسے باختر پر قبضہ کی سوجھی اور باختر پر جب وہ قابض ھو لیا تو سستیان سے ھوتا ، وادیٔ سندھ میں نمودار هؤا ۔ یہ ۳۰۵ قبلِ مسیح کا سال تھا جب اس نے سکندر کے نقشِ قدم پر چلتے ھوئے ، پہلے اٹک کے قریب ایک مقام سے کشتیوں کے پل کے ذریعہ دریائے سندھ کو عبور کیا اور ھوتے ھوتے گنگا تک جا پہنچا (۱) ۔

چندر گپت نے اب تک بڑے تحمل اور بردباری سے کام لیا تھا اور اس کی ماتحت سپاہ نے کسی بھی مرحلہ پر اس کی راہ روکنے کی تکلیف نہیں اٹھائی تھی اور گنگا کے کنارے پہنچنے تک سیلوکس یونانی کو یہ معلوم نہ ھو سکا کہ چندر گپت کیا شے ھے اور اس کی فوج کس انداز و نوعیت کی لڑائی لڑتی ھے ۔

۱- سمتھ ، ص ۱۶۰ مطبوعہ حیدرآباد ۔ ایج آف امپیریل یونیٹی، ص ۶۰ ۔

یہ انداز تو سمتھ کی رو سے سیلوکس کو صرف اس وقت ھؤا ، جب چندر گپت نے اپنی فوج اس کے سامنے پیش کی (۱) ۔

بلوچستان اور سیستان سیلوکس نے اپنی بیٹی کے جہیز میں دے دیے

اسے بعد کے لوگوں کی بدنصیبی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ھے ، کہ دونوں بڑوں کے درمیان جو لڑائی لڑی گئی ، اس کے موقع و محل کی روداد کے بارے میں یونانی مؤرخین نے کوئی تفصیل بیان نہیں کی اور نہ چانکیا کی ارتھ شاستر اس پر کوئی روشنی ڈالتی ھے ۔ یونانی مؤرخین سے جو بات معلوم ھوتی ھے وہ صرف اس قدر ھے کہ سیلوکس نے ، چندر گپت سے شکست کھائی اور صرف پانچ سو ھاتھی چندر گپت سے وصول کر کے اس سے اپنی بیٹی بیاہ دی اور اسے اپنی طرف سے مکران ، بلوچستان ، سیستان اور کابل ، ھرات اور قندھار تک کا پورا ملک بخش دیا (۲) ۔

گو اس معاھدہ کی اصل وجہ ان مؤرخین نے واضح نہیں کی لیکن ھمارے نزدیک اس عطا و بخشش کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اس وقت جب کہ سیلوکس ، چندر گپت کی صفوں کے سامنے صف آرا تھا ، اس کے یونانی حریف انٹی گناس نے پوری مغربی اور مشرقی سلطنت اس سے چھین لینے کے منصوبے مکمل کر لیے تھے ۔ وہ پھر سنبھل گیا تھا اور ایک بڑی سپاہ جمع کرنے میں کامیاب ھوگیا تھا ۔

ھمارا گمان ھے کہ اگر چندر گپت کوئی معمولی حریف ثابت ھوتا اور اس کی سپاہ میدانِ جنگ میں اسے پہلے ھی حملہ میں معمولی سی شکست نہ دے دیتی تو یقیناً سیلوکس ان خبروں کی پروا نہ کرتا ، جو یونانی مخبر بار بار اس کے پاس لا رھے تھے اور اسے اور اس کی فوج کو یہ کہہ کہہ کر پریشان کر رھے تھے کہ انٹی گناس نے بہت قوت پکڑ لی ھے ۔

عجیب بات ھے کسی بھی یونانی مؤرخ نے یہ بات تسلیم نہیں کی ھے کہ سیلوکس نے چندر گپت سے شکست کھائی تھی ۔ البتہ دونوں بادشاھوں کی مصالحت کا ذکر ضرور کیا ھے ۔ مثلاً میک کرنڈلے کے الفاظ میں اپینوس کہتا ھے :

۱- پولیٹیکل ھسٹری آف اینشنٹ انڈیا ، ص ۱۸۴ ۔
۲- جسٹین واٹسن ٹرانسلیشن ، ص ۱۴۳ ۔

He next made expedition into India that he crossed the Indus and waged war on Chandra Gupta; King of the Indians, untill he made friends and entered into relations of marriage with him (۱).

اس نے پھر ھندوستان پر چڑھائی کی اور دریائے سندھ کو عبور کیا اور چندر گپت کے خلاف لڑائی چھیڑ دی ، جو ھندوستانیوں کا بادشاہ تھا - یہاں تک کہ اس نے اس سے دوستی کرلی اور اس سے شادی کا رشتہ قائم کر لیا - (یعنی اس سے اپنی بیٹی بیاہ دی) -

جسٹین کے الفاظ ھیں (۲) :

After marriage a league with Chandra Gupta and setting his affair in the east Seleukos proceeded to join in the war against Antigonos.

چندر گپت سے مصالحت کرنے اور مشرق کے مسائل سلجھا لینے کے بعد سیلوکس آگے بڑھا تا کہ انٹی گناس سے لڑائی لڑے -

پلوٹارک راوی ھے :

The Chandra Gupta presented 500 Elephants to Seleukos (۳).

ان سب کی نسبت سٹریبو کا بیان زیادہ واضح ھے - اس نے بیک وقت مذکورہ بالا باتیں بھی کہی ھیں اور یہ بھی بیان کیا ھے کہ سیلوکس نے ھندوستانیوں کو ایران کا علاقہ بھی دے دیا تھا -

پروفیسر سمتھ نے کس یونانی مؤرخ کی شہادت پر سیلوکس کے دامن میں چندر گپت سے شکست کھانے کی ذلت بھری ھے ؟ ھمیں کچھ معلوم نہیں ھوسکا - یوں بظاھر سمتھ کی یہ بات ٹھیک معلوم ھوتی ھے کہ سیلوکس اگر چندر گپت سے شکست نہ کھاتا تو اسے اپنا حلیف بنانے کے لیے ،

۱- واٹس ٹرانسلیشن ، ص ۱۴۳ -

۲- انڈین انٹیک جلد ٦ ، ص ۱۱۴ -

۳- پولیٹیکل ھسٹری آف اینشنٹ انڈیا ، ص ۱۸۴ -

اپنی بیٹی نہ دیتا اور پھر قندھار تک کا علاقہ اس کے نام لکھ کر بابل کی راہ نہ لیتا ۔

جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا ، بابل کی طرف پیش قدمی کی جلدی اسے اس لیے تھی کہ اس کا حریف انٹی گناس ، اس کے پیچھے بہت زور پکڑ گیا تھا ۔

چندر گپت سے سلیوکس کے شکست کھانے کی روداد بیان کرتے وقت پروفیسر رالنسن نے ایک اور بات بھی کہی ہے :

Chandra Gupta defeated him, and compelled him, to cede extensive territories in the Kabul, Herat, and Kandhar districts and Baluchistan, which brought the western boundries of Magadha upto Hindukush.

چندر گپت نے اسے شکست دی اور اسے اس امر پر مجبور کیا کہ کابل ، ھرات اور قندھار تک کے علاقوں اور بلوچستان سے باز آ جائے اور یہ چندر گپت کو دے دے ۔ اس طرح مگدہ ریاست کی مغربی حدود ھندوکش تک بڑھ گئیں(۱) ۔

رالنسن بڑے ذھین اور محتاط انگریز مؤرخ ھیں اور ان کا یہ بیان یقیناً بڑا وزن رکھتا ھے کہ چندر گپت نے سیلوکس کو ایسی شکست دی تھی ، جس سے وہ اپنی بیٹی اس سے بیاھنے اور قندھار تک کا علاقہ اس کے حوالے کرنے پر مجبور ھو گیا تھا اور اس مجبوری کی صورت اس کے سوا کوئی اور نہ تھی کہ چندر گپت سیلوکس کو شکست دینے کے بعد اس کا تعاقب کرتا ، سندھ سے اس طرف اتر آیا تھا ، ادھر جیسے کہ ہم نے پیچھے عرض کیا ، انٹی گناس کی جمعیت بہت زور پکڑ گئی تھی اور غالباً سیلوکس کو یہ خطرہ لاحق ہوگیا تھا کہ وہ کہیں دو خوفناک دشمنوں کے درمیان پس کر نہ رہ جائے ورنہ مہذب اور دیوتاؤں کی اولاد یونانی تاجدار ، آسمانوں کی مخلوقات سے کہیں بلند و برتر صاحبزادی کو چندر گپت کی نذر نہ کرتا ، جو جسٹین کی رو سے ایک نیچ عورت کے بطن سے پیدا

۱- رالنسن انڈیا ، ص ٦٦ ۔

هؤا تھا اور جس کی قوم کو یونانی مؤرخین سکندر کی واپسی تک بربر سمجھتے رہے تھے(۱) -

پنڈت چانکیا ٹیکسلی دراصل حقیقی حکمران تھا

بہر حال چندر گپت اور اس کے وزیر پنڈت چانکیا کی سیرت لکھتے وقت کوئی مؤرخ قیامت تک یہ فراموش نہیں کر سکے گا کہ یہ صرف پنڈت چانکیا ، ٹیکسلوی پنجابی تھے، جنھوں نے یونانی حکومت کو شکست دی اور ٹیکسلا میں پہلی وہ حکومت قائم کی جس نے آگے کو پھیل کر پورے ہندوستان کو اپنے دامن میں لے لیا - ہمارے نزدیک چندر گپت کی حکومت پنجاب کی حکومت تھی جو بڑھ کر ہندوستان تک پھیل گئی تھی یہ ہرگز ہندی حکومت نہ تھی -

ہمارے نزدیک اس حکومت کی مثال ان مسلمان حکمرانوں کی تھی جنھوں نے شمال مغربی رخ سے پنجاب میں داخل ہوکر دھلی ، بہار اور بنگال تک رسائی پائی تھی اور وہاں اپنی حکومتیں قائم کر لی تھیں -

ہمارے قدیم مؤرخین نے چندر گپت کی حکومت کو مگدہ کی حکومت کہا ہے ، لیکن اگر حقیقت دیکھی جائے تو چندر گپت کی حکومت مگدہ کی حکومت نہ تھی ، یہ اس چندر گپت کی حکومت تھی جس نے پنجاب ، سندھ اور سرحد کے قبائل کی مدد سے مگدہ کے نندا خاندان کا چراغ گل کیا تھا -

جیسے کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ چندر گپت کا اقتدار ، پنڈت چانکیا کا مرہونِ منت تھا - اگر پنڈت چانکیا ، چندر گپت کو اپنے ساتھ ٹیکسلا نہ لاتا اور سرحد ، پنجاب اور سندھ کے منتشر مگر انتہائی بہادر قبائل کو غیر ملکی حکومت کے خلاف مجتمع نہ کرتا تو چندر گپت نہ صرف جلا وطنی کی زندگی گزار کر موت کی گود میں جا سوتا ، اسے تاریخ میں کوئی جگہ نصیب نہ ہوتی -

ٹیکسلا کے پنڈت چانکیا نے نظامِ حکومت مرتب کیا

ہمیں پرانوں اور دوسری ان برھمن تحریروں سے سو فی صدی اتفاق

۱- سمتھ ، ارلی ھسٹری آف انڈیا ، مطبوعہ حیدرآباد ، ص ۱۵۸ -

ہے ، جو پنڈت چانکیا کوتلیا کو اس انقلاب (۱) کی روحِ رواں ٹھیراتی ہیں ، جو سکندر کی موت کے بعد وادیٔ سندھ میں رونما ہؤا تھا - اس کے معنیٰ یہ نہیں کہ ہم چندر گپت کی عظمت و بزرگی کے قائل نہیں ہیں - اس میں بھی بہت خوبیاں تھیں - مگر اصل شے پنڈت کوتلیا تھا ، جس کی تالیف ارتھ شاستر کی دریافت و اشاعت کے بعد یہ حقیقت اب کسی مزید تبصرہ کی محتاج نہیں رہی کہ چندر گپت نے جس حکومت کی بناء رکھی تھی ، اس کے سارے نظم و نسق اور اعتدال کی راہوں کا واحد خالق پنڈت کوتلیا تھا - یقیناً چندر گپت تخت پر جلوس فرماتا ، تاج پہنتا ، لیکن دراصل حکومت پنڈت کوتلیا کے ہاتھ میں تھی ، اس کی ذہانت پورے نظام میں کارفرما تھی اور وہی عہدیداروں کے عزل و نصب کا ذمہ دار تھا -

بہر حال یہ حکومت مگدہ کی حکومت نہ تھی ، یہ پنجاب اور سرحد کی حکومت تھی جو پورے ہندوستان تک پھیل گئی تھی -

فوج میں بھی اکثریت پنجاب ، سندھ اور سرحدی قبائل کی تھی - یوں بھی ٹیکسلا ، سمتھ کے قول کے مطابق پاٹلی پترا اور اجین کا ہر لحاظ سے ہمسر اور مدِ مقابل تھا (۲) -

ٹیکسلا کا پاٹلی پترا پر تقدم

کیونکہ مملکت جن بڑے صوبوں پر مشتمل تھی ان کے پایۂ تخت تین تھے - پہلا پاٹلی پترا تھا ، جہاں بادشاہ خود رہتا ، دوسرے دو مراکز اجین اور ٹیکسلا تھے - ہو سکتا ہے ، ٹیکسلا کی عمارتیں چندر گپت کے زمانہ میں پاٹلی پترا ، ایسی نفیس اور عمدہ نہ ہوں - ہو سکتا ہے کہ چندر گپت کے شاہی محل جیسا کوئی محل ٹیکسلا میں موجود نہ ہو اور میگستھنیز جیسے یونانی مؤرخین نے اس کے کسی محل کی تعریف ، اس طرح نہ کی ہو جس طرح پاٹلی پترا کے شاہی محل کی ہے - اس کے باوجود ٹیکسلا تاریخی عظمت اور بلند حیثیت کے لحاظ سے مشرق کے عظیم ترین شہروں (۳)

۱- ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۵۹ -
۲- انڈین انٹی کیوبری جلد ۳۴ -
۳- سٹریبو باب ۱۵ ، فصل ۱ ، ۲۶-۲۹ - ہیروڈوٹس باب اول ، فصل ۹۶

میں انتہائی ممتاز تھا ۔ وہ بابل ، سوسا اور نینوا کا مدِ مقابل تھا ۔ پاٹلی پترا کی عمر تو اس کے مقابلہ میں بہت چھوٹی تھی اور پھر علم اور فنون کے مرکز کے لحاظ سے تو وہ اپنا جواب آپ تھا ۔ زمانہ قبل از مسیح میں اس کی علمی حیثیت بالکل وہی تھی ، جو پندرھویں اور سولھویں صدی عیسوی تک قرطبہ کی تھی ۔

ٹیکسلا کے تقدم کے باعث ولی‌عہد وہیں مقیم ہوتا ، اشوک کی تعلیم و تربیت ٹیکسلا میں ہوئی

گو پاٹلی پترا میں بادشاہ ، اس کے وزیر اور عمائدینِ سلطنت تشریف فرما ہوتے تھے ، مرکزی فوج بھی وہیں رہتی تھی ، لیکن ولی‌عہد سلطنت ٹیکسلا میں قیام کرتا ۔ خصوصیت سے چندر گپت کے عظیم پوتے اشوک کے بارے میں تو سمتھ نے صراحت کی ہے کہ وہ نہ صرف اجین کا وائسرائے بننے سے پہلے ٹیکسلا میں رہتا تھا ، اس کی تعلیم و تربیت دوسرے شہزادوں اور امیرزادوں کی طرح ٹیکسلا ہی میں ہوئی تھی ۔ اس کے ماسوا ٹیکسلا کی فوجی چھاؤنی ملک کی سب سے بڑی چھاؤنی تھی ۔ وہاں جو فوج متعین تھی ، اس کے ذمہ قندھار تک کے علاقہ کے علاوہ دیبل کے ساحل اور پورے بلوچستان کی نگرانی بھی تھی(۱) ۔

ٹیکسلا کا نظم و نسق

گو یہ وثوق سے کہنا بہت مشکل ہے کہ چندر گپت کے عہد میں پنجاب ، سرحد اور سندھ کی تہذیبی و تمدنی زندگی کا کیا عالم تھا کیونکہ میگستھنیز کی شہادت عمومی انداز کی ہے ۔ اس نے جو کچھ کہا ہے وہ عمومی نظامِ حکومت اور سماجی زیست سے متعلق ہے ، پنجاب ، سرحد اور سندھ کے بارے میں کہیں بھی خصوص ضروری نہیں جانا ۔ اس لیے ہم پروفیسر رالنسن کے تتبع میں مختصراً یہ کہ سکتے ہیں کہ ٹیکسلا مگدھ کا تیسرا بڑا صوبہ تھا ۔ اس کا صوبیدار وہاں قیام کرتا اور اس کے ماتحت منتظم کمشنر کہلاتے تھے جن کے ذمہ ڈویژنوں کا اہتمام ہوتا ۔ ڈویژن پھر آگے اضلاع میں بٹے تھے اور ان کے افسر کمشنروں کے تابع ہوتے ۔ ان افسروں کو بڑی معقول تنخواہ ملتی تھی ۔ اعلیٰ درجہ کے افسر کو

---

(۱) ارلی ہسٹری آف انڈیا ، ص ۲۱۱-۲۱۲ ۔

چار ہزار روپے ماہانہ ملتے اور اس کے ماتحت حکام بھی معقول معاوضہ پاتے۔ حکومت کی آمدنی کا بڑا ذریعہ زمین کا لگان تھا ۔ میگستھنیزکا یہ خیال رالنسن کی رو سے ٹھیک خیال ہے کہ چندر گپت کے عہد میں ساری زمین بادشاہ کی ملک بن گئی تھی (۱) اور انفرادی ملکیتیں یکسر ختم ہوگئی تھیں ۔ سارے کے سارے زمیندار حکومت کے کاشتکار تھے ، جو زمین کاشت کرنے کے صلہ میں ایک چوتھائی پیداوار حکومت کو نذر کرتے ۔ حکومت نے پورے ملک میں نہروں کا جال بچھا رکھا تھا اور فصلیں عموماً سال میں دو ہوتیں ، ربیع اور خریف ۔ اور اگر میگستھنیز کی بات کا یقین کر لیا جائے تو ان دنوں قحط نمودار نہ ہوتے تھے ۔ ریاست زمینداروں کو پانی مہیا کرنے کے سلسلہ میں جو دلچسپی لیتی اس کا اندازہ اس کتبہ سے کیا جا سکتا ہے جو کاٹھیاواڑ کے علاقہ سے گرنار نامی مقام سے برآمد ہؤا ہے ۔ یہ کتبہ اس تالاب سے متعلق ہے جو یہاں تعمیر کیا گیا تھا اور ہر وائسرائے نے اس کی تعمیر میں گہری دلچسپی لی تھی(۲) ۔

میگستھنیز اس امر کی شہادت بھی دیتا ہے کہ نہروں کا پانی باقاعدہ ماحول کی زمینوں میں تقسیم ہوتا تھا اور کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہوتی ۔ حکامِ ضلع بڑی ذمہ‌داری سے اس کام کی نگرانی کرتے تھے ۔

یہ حکامِ ضلع ، ضلعوں میں امن و امان قائم رکھنے کے ساتھ ساتھ جنگلوں کی لکڑی کے ذخیروں اور کانوں کے نگران بھی ہوتے ۔ ان دنوں چونکہ جنگل بہت گھنے تھے اور زیادہ وسیع حلقوں میں تھے اس لیے ان میں بعض قبیلے بھی رہتے تھے ۔ ان قبیلوں کی زیست کا اہتمام بھی حکامِ ضلع ہی کے سپرد تھا ۔

مملکت چونکہ بہت وسیع تھی ، قندھار سے خلیج بنگالہ تک پھیلی تھی ، اس لیے اسے عمدہ سڑکوں کے ذریعہ باہم ملایا گیا تھا ۔ مناسب فاصلوں پر سرائیں اور مسافتوں کے تخمینے لگانے کے لیے سنگ ہائے میل نصب کیے گئے تھے ۔ اس کے علاوہ ڈاک اور سرکاری سلسلۂ پیغام رسانی کی منزلیں بھی مقرر تھیں ۔ جہاں ڈاک کی گھنٹیاں بجاتے کارواں رکتے اور

۱- رالنسن انڈیا ، ص ۶۹ ۔

۲- ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۶۲ ۔

سستاتے ۔ ان منزلوں پر سرکاری قیام گاہیں بنی تھیں ، جہاں سرکاری عمال بھی قیام کرتے اور دوسرے مسافر بھی ٹھہرتے ۔

پروفیسر رالنسن کا بیان ہے کہ ان سڑکوں میں سے سب سے بڑی سڑک ، وہ شاہی سڑک تھی جو ٹیکسلا سے شروع ہوتی اور پاٹلی پترا تک جاتی ۔ اس کے ماسوا وادیٔ سندھ اور سلطنت کے دوسرے مقامات کو بھی کئی سڑکیں باہم ملاتیں(۱) ۔

ریاست کا نظم و نسق چونکہ شخصی نظامِ حکومت کے تابع تھا ، چندر گپت حاکمِ اعلیٰ تھا ، وزراء اس کی ذمہ داری میں اس کا ہاتھ بٹاتے تھے ، اس لیے وادیٔ سندھ کے تمام وہ بڑے نزاع ، جو وائسرائے سے بھی آگے جانے کے متقاضی ہوتے ، چندر گپت اور اس کے وزراء کے سامنے پیش ہوتے ، ورنہ ٹیکسلا کا وائسرائے اندرونی نظم و نسق کے سلسلہ میں خود مختار تھا ۔

اختیارِ کار کے باب میں پروفیسر رالنسن ، پروفیسر سمتھ ، مکر جی اور راچودھری قریب قریب ہم خیال ہیں کہ ان دنوں میونسپلٹیاں ، خاصی ذمہ داری اٹھاتیں اور شہر کا سارا نظم و نسق ان ہی کے سپرد ہوتا ۔

میگستھنیز کے الفاظ میں ہر میونسپلٹی چھ طبقات (۲) میں بٹی تھی اور ہر طبقہ پانچ افراد پر مشتمل ہوتا تھا ۔ پہلا پانچ افراد کا طبقہ صنعتی پیداوار اور صنعت سے متعلق تمام معاملات کا نگرانِ کار تھا ۔ دوسرا پانچ افراد کا طبقہ بیرونی مہمانوں کی دیکھ بھال کرتا اور ان کا ہر طرح کا ذمہ دار ہوتا ۔ تیسرے طبقہ کے ذمے شہر کی پیدائشوں اور اموات کی تسوید و تحریر تھی ۔ یہی جائز و ناجائز کی تحقیقات بھی کرتا تھا(۳) ۔ چوتھا طبقہ تجارت کی دیکھ بھال کرتا تھا ، وہی ٹیکس بھی لگاتا اور تجارت کی ترقی کی راہیں بھی تجویز کرتا ۔ وہی ماپ ، تول اور قیمتوں کے تناسب

۱- رالنسن انڈیا ، ص ۶۹ ۔

۲- میک کرنڈلے اینشنٹ انڈیا ایز ڈسکرائبڈ بائی میگستھنیز اینڈ ایرین ، ص ۳۲ ۔ رالنسن انڈیا ، ص ۶۹-۷۰ ۔

۳- ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۶۳ ۔

کو دیکھتا اور اس بات کا خیال رکھتا کہ پیداوار بلاوجہ عوام کے ہاتھوں فروخت ہونے سے روک تو نہیں لی گئی - یعنی ناجائز طور پر غلے ، ذخیرہ تو نہیں کر لیے گئے - پانچواں طبقہ ، شہر کی صنعتی اور زرعی پیداوار کے ذخیروں کی جانچ پڑتال کرتا اور پرانے اور نئے ، خراب اور عمدہ کی تشخیص کرتا اور عوام کے پاس بیچتے وقت ان کی درجہ بندی کرتا -

چھٹا یا آخری طبقہ ان پانچ افراد کا تھا جس کے ذمہ شہری صنعتی اور غیر صنعتی پیداوار میں عشر کا تعین تھا - ہر قسم کی پیداوار کا دسواں حصہ سلطنت ، ٹیکس کے طور پر لے لیتی تھی - جو شخص یہ ٹیکس ادا کرنے میں خیانت مجرمانہ سے کام لیتا اسے موت کی سزا دی جاتی تھی -

مونسپلٹیاں درحقیت شہر کے تمام مسائل کی نگران ہوتی تھیں (۱) -

میونسپلٹی کی طرح پنچائتیں بھی حد درجہ مختار تھیں - خصوصیت سے دیہاتی پنچائتیں یا تو دیہاتی جھگڑوں کو طے کرنے میں کسی بالا قوت سے استفسار و اجازت کی محتاج نہ تھیں -

یہ دیہاتی پنچائتیں جن جھگڑوں کو غیر معمولی قرار دیتیں ان کی اپیل بادشاہ کے پاس ہو سکتی تھی - لیکن ایسے مواقع شاذ و نادر ھی کہیں آتے - پھر ان دنوں جب کہ آمد و رفت کا سلسلہ خاصا دشوار گزار تھا کون پاٹلی پترا پہنچنے کی ہمت کرتا - لوگ تو ٹیکسلا تک نہ جا سکتے اور اپنے ھاں کی پنچایتوں کے فیصلوں کے سامنے سر جھکا دیتے - پنچائتیں پروفیسر رالنسن کی رو سے کوئی تحریری ضابطۂ قانون اپنے سامنے نہ رکھتیں - وہ قبیلوی رسوم و رواج کو کبھی نظر انداز نہ کرتیں اور ہر لحظہ اپنے آباو اجداد کے طریقِ کار سے رہنمائی حاصل کرتیں اور تحقیق و تفتیش کے مراحل میں مجرموں کی تعذیب و تعزیر میں بھی تساھل نہ برتتیں - برھمن البتہ ان کے مشیر ہوتے اور ان کو الجھنوں سے نکالنے میں مدد دیتے تھے -

---

۱- ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ٦٣ -

پنجاب کی تجارت عہدِ چندر گپت میں

پروفیسر رالنسن بڑے یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ تجارت ان دنوں (۱) بہت ترقی پر تھی - یورپ سے جو عظیم کارواں ، سامانِ تجارت لے کر روانہ ہوتے ، وہ منزل بہ منزل چلتے اور تجارتی منڈیوں پر رک رک کر بالآخر پاٹلی پترا کے بازاروں میں آن پہنچتے اور پاٹلی پترا کی دوکانوں میں بابل ، چین ، عراق اور یونانی شہروں کی مصنوعات بکتی نظر آتیں -

پروفیسر رالنسن کی یہ رائے ، میگستھنیز کی شہادت پر مبنی ہے اور اس میں اتنا اضافہ بڑی سہولت سے ہو سکتا ہے کہ مغرب کے وہ کارواں جن کا میگستھنیز نے ذکر کیا ہے یونان سے چلنے کے بعد شام آنے پر بابل ، سوسا ، باختر ، قندھار ، ہرات اور کابل پر رک کر درۂ خیبر ، درۂ بولان یا دوسرے دروں کے ذریعہ وادیٔ سندھ میں اترتے تھے - ٹیکسلا چونکہ اس بڑی سڑک پر واقع تھا جو درۂ خیبر سے اس سمت آتی تھی اور سب سے پہلا ہندی بڑا شہر تھا ، اس لیے پاٹلی پترا کے بازاروں کی نسبت ادھر کے دیسوں کی مصنوعات پہلے ٹیکسلا کے بازاروں میں فروخت ہوتیں اور یہ بات بھی قرینِ قیاس ہے کہ باہر سے آنے والا تجارتی کارواں یہاں پہنچ کر رک جاتا اور اس کی بجائے ٹیکسلا کے تاجر اس کارواں کا سامان خرید کر آگے کے شہروں کا سفر اختیار کرتے -

پنجاب کی تجارتی منڈیاں

ٹیکسلا کی طرح جہلم ، چناب ، راوی ، بیاس ، ستلج ، جمنا ، گنگا اور بعد کے دریاؤں کی وہ گزرگاہیں جہاں سے یہ کارواں دریاؤں کو عبور کرتے ، تجارت کی بڑی منڈیاں تھیں اور ان سب منڈیوں میں بیرونی سامان پہلے بکتا اور بعد میں پاٹلی پترا پہنچتا - بہرحال چونکہ مرکزی حکومت کا مستقر پاٹلی پترا تھا ، اس لیے اس کی دوکانیں زیادہ اونچی تھیں -

رھس ڈیڈوز اپنی کتاب بدھسٹ انڈیا میں اشارتاً کہتے ہیں کہ ان دنوں زیادہ تر غیر ملکی یا وسیع پیمانہ پر تجارت عمدہ سلک اور عمدہ سوتی کپڑے کی ہوتی - سونے چاندی کے برتن ، زرہیں ، دوسرے عمدہ اسلحہ بھی ادھر آدھر لائے جاتے - بروکیڈ یعنی زربفت اور کمخواب کی مانگ

۱- رالنسن ، ص ۷۰ انڈیا -

بڑے شہروں میں بہت تھی - قالین بھی بہت شوق سے امرا خریدتے اور باہر سے لائے جاتے - جواھرات اور سونے کی تجارت بھی بیرونی تجارت کا بڑا اہم جزو تھی (۱) -

سمندری تجارت

پروفیسر رالنسن کا بیان ہے کہ چونکہ ارتھ شاستر میں جہاز رانی کے متعلق بھی بہت سی ھدایات مذکور ھیں ، اس لیے ان دنوں سمندری تجارت بھی خوب ھوتی تھی اور ھندوستانی جہاز بحیرۂ عرب میں داخل ھوکر دجلہ کے دھانہ پر موجودہ بصرہ بھی پہنچتے اور عدن بھی جاتے -

پروفیسر رالنسن اعتراف کرتے ھیں کہ گو تجارت بہت ترقی پر تھی اس کے باوجود چندر گپت کے عہد میں اس ملک میں سکے ، باھر کے ملکوں ھی کے چلتے تھے - ان سکوں میں یونانی سکے اور ایرانی دارائی سکے برابر برابر تھے - گو ھندوستان میں سکے بھی مسکوک کیے گئے تھے لیکن چونکہ یہ عمدہ اور اچھے نہ ھوتے اس لیے ان کا چلن بہت محدود تھا - بہرحال یہ سکے بھی رواں تھے (۲) -

یونانی بتوں کی پرستش

ان دنوں جب چندر گپت کی شاھی ، پاٹلی پترا سے لے کر قندھار تک تھی اور ھندوستان اور پنجاب کے حدود باختر سے ملتے تھے یہاں کے لوگ ھرکولیس یونانی ڈائی ، اونیس ، اوزیوس ، اومبراؤس کی پرستش کرتے تھے - یہ سارے کے سارے وہ یونانی دیوتا تھے جو سکندر یونانی نے متعارف کرائے تھے اور جن کے نام پر بیاس و ستلج کے درمیان موجودہ ھوشیار پور اور گورداسپور کے علاقہ میں بارہ قربان گاھیں قائم کی تھیں -

ھندوستانیوں کو صرف پوجنے سے غرض تھی ، انھیں بت پوجتے وقت یونانی و غیر یونانی کی تمیز نہ تھی -

یہ بت شائد اس لیے بھی مقبول ھوئے کہ چندر گپت کی بیوی یونانی شہزادی تھی اور وہ بادشاہ کو سال بہ سال ادھر ھانک لاتی تھی جہاں یہ قربان گاھیں نصب تھیں - تبھی یہ روایت عام ہے کہ چندر گپت اور

۱- بدھسٹ انڈیا ، ص ۹۸ -
۲- رالنسن انڈیا ، ص ۷۱ -

اس کی اولاد ان قربان گاھوں پر پھول چڑھاتے اور قربانیاں دیتے تھے ۔

یونانی شہزادی تو بہرحال یونانی شہزادی تھی اور ایشیا کے دوسرے بڑے بادشاہ سیلوکس کی بیٹی تھی اور چندر گپت کی سب سے چھوٹی رانی تھی اور بادشاہ کے دل پر حاوی تھی ۔

پنجاب میں مندر ناپید تھے

میگستھنیز کسی بھی مندر کا ذکر نہیں کرتا ۔ جب پاٹلی پترا میں ھی کوئی مندر نہ تھا تو پھر ارضِ سندھ ، پنجاب اور سرحد میں کہاں سے بنتا ۔

مذھبی عقائد

میگستھنیز یہ بھی کہتا ھے کہ ان دنوں پوری قلمرو کی مذھبی رھنمائی پنڈتوں کے ھاتھوں میں تھی اور یہ برھمن پنڈت عموماً یونانیوں ھی کے خیالات و عقائد کے مالک تھے ۔ مثلاً وہ یونانیوں کی طرح اس امر کے قائل تھے کہ دنیا کا ایک آغاز ھے اور ایک انجام ھوگا اور یہ کہ وہ گول ھے اور وہ جو اس کا خالق و نگران کار ھے ۔ ھر شے پر حاوی ھے اور یہ پانی ھی وہ پہلی شے ھے جو تخلیقِ کائنات و ارض کا موجب بنی ۔ کائنات کی تخلیق کے چار عناصر کے ماسوا ایک اور عنصر بھی ھے اور یہ عنصر آکاشا ھے جس سے جنتوں اور ستاروں نے تخلیق پائی ھے اور زمین ساری تخلیق کا مرکزی نقطہ ھے ۔

میگستھنیز ھی راوی ھے کہ روح کی تحلیل و تناسخ کے سلسلہ میں بھی برھمن اور یونانی ھم‌خیال ھیں اور پلیٹو کی طرح ، روح کے غیر فانی ھونے اور روزِ جزا کے قائل ھیں ۔

میگستھنیز نے ان نجومیوں سادھوؤں ، سنتوں کا حال بھی لکھا ھے جو نگر نگر ، بستی بستی گھومتے پھرتے اور عورتوں اور مردوں کو ان کی تقدیروں کے الٹ پھیر میں الجھاتے رھتے تھے ۔

سماجی طبقات

میگستھنیز اس دور کی سوسائٹی کو سات طبقات پر تقسیم کرتا ھے ، ان میں پہلا طبقہ برھمن علماء اور حکماء کا ھے ۔ دوسرا زراعت پیشہ دیہاتی آبادی کا ھے ، جو زراعت و کاشتکاری میں ھر لحظہ مشغول پائے گئے تھے اور جنھیں کاشت کے سوا کسی اور کارو بارِ حیات میں دلچسپی نہ تھی ۔ کاشتکاروں کا یہ طبقہ پنجاب ، سندھ اور سرحد کی معاشی زندگی کی ریڑھ کی

هڈی کی حیثیت رکھتا تھا اور یہ قبائلی نظام سر براھی کے تابع تھا (۱) - تیسرا طبقہ گجروں ، گڈریوں اور جنگل میں شکار کرنے والوں پر مشتمل تھا - یہ لوگ جانوروں کو پرورش کرتے اور حکومت کے لیے ھاتھیوں کو سدھاتے تھے -

چوتھا طبقہ کاریگروں اور فن کاروں کا تھا - چندر گپت کے عہد میں انھیں سب سے زیادہ سہولتیں حاصل تھیں اور ریاست ان پر بہت مہربان تھی - پھر فوجی تھے جنھیں چندر گپت نے بہت سہولتیں دیں اور جنھیں فوجی خدمت کے ماسوا باقی کاموں سے مستثنیٰ قرار دے دیا -

فوجی قوت

فاضل سمتھ کا تخمینہ ھے کہ مرکزی فوج چھ لاکھ پیادوں اور تیس ھزار سواروں پر مشتمل تھی - نو ھزار ھاتھی تھے اور ان کی دیکھ بھال کرنے والے اور ان کے مہاوت بیس ھزار سے کیا کم ھوں گے - نو ھزار کے قریب رتھیں بھی تھیں ، جن میں چار چار ، دو دو گھوڑے جوتے جاتے ، ان کے منتظمین بھی بیس ، تیس ھزار سے کیا کم ھوں گے -

سرکاری حکام

سرسری سا اندازہ ھے کہ چندرگپت کی فوج میں کم سے کم دس لاکھ آدمی کام کرتے تھے اور یہ اس وقت کے معاشرہ کی ایک بڑی فعال جماعت تھی - میگستھنیز نے شاھی محاسبوں اور شاھی کونسلروں کو بھی دو طبقوں میں تقسیم کیا ھے - ھم انھیں ایک طبقہ قرار دیتے ھیں اور سرکاری عمال کا نام دیتے ھیں اور یہ سارے طبقات ، پاٹلی پترا اور وادیٔ سندھ کے چپہ چپہ اور کونہ کونہ میں آباد تھے اور اس وقت کا معاشرہ ان ھی سے عبارت تھا -

معاشرہ میں عورت کی حیثیت

میگستھنیز اور نیرچوس کے حوالہ سے پروفیسر رالنسن کہتے ھیں کہ یہاں کے معاشرہ میں عورت کو بہت احترام حاصل تھا اور ان کے ساتھ زیادتی برداشت نہ کی جاتی ، بیواؤں کے بیاہ کا عام رواج تھا اور شوھر کو ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری بیوی کرنے کی اجازت صرف اس وقت ملتی

۱- رالنسن انڈیا ، ص ۴۷ -

جب اس کے ہاں اولاد نہ ہوتی ۔ اس سلسلہ میں نیرچوس نے خصوصیت سے ٹیکسلا کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ ٹیکسلا میں مردانہ کرتبوں ، خصوصیت سے مکہ بازی میں جیتنے والوں کو خوبصورت لڑکیاں انعام میں دی جاتی تھیں ۔ جو بیوائیں شوہروں کی موت پر ستی نہ ہوتیں ان کو معاشرہ خاصی حقارت سے دیکھتا ۔

غلامی

میگستھنیز اس امر کا بھی راوی ہے کہ ان دنوں کے معاشرہ میں غلامی کا رواج نہ تھا ۔ پروفیسر رالنسن نے اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک طرح کی غلامی ضرور متعارف تھی اور یہ غلام جنگ کے قیدی ہوتے تھے جو گھروں میں ملازموں کی طرح کام کرتے تھے ۔ یہ خریدے اور بیچے بھی جاتے ۔ عام لوگ تفریح کے بھی مشتاق تھے اور حکومت ان کی تفریح کا اہتمام بھی کرتی تھی (۱) ۔

کسان

میگستھنیز اس امر پر بہت زور دیتا ہے کہ چندر گپت کے عہد کے لوگ بالکل جھوٹ نہیں بولتے تھے اور چونکہ اشیائے خوراک اور دوسری ضروریات بہت وافر تھیں ، بارش خوب ہوتی تھی ، دریا زوروں پر تھے اور ملک کی زمین بڑی زرخیز تھی ، اس لیے غربت کا نام و نشان بھی کہیں دکھائی نہ دیتا اور یہ بری شے کہیں سونگھنے کو بھی نہ ملتی ۔ میگستھنیز ایک عجیب بات کہتا ہے کہ چندر گپت کے عہد میں کسانوں کو بہت مقدس جانا جاتا اور لڑائی کے دنوں میں جب کہ ہنگامہ کارزار ان کے قریب ہی کہیں منعقد ہوتا ان سے قطعاً کوئی تعرض نہ کیا جاتا (۲) ۔

چندر گپت کی طرف سے اس بات کی بھی ممانعت تھی کہ کھیتوں کو جلایا جائے اور درختوں کو کاٹا جائے ۔ یہ زمین کی مقدس امانتیں سمجھی جاتیں اور ان کا احترام ملحوظ رکھا جاتا ، غالباً یہ جین اور بدھ مت کی تعلیمات کا اثر تھا ۔ ایک بدھ دستاویز میں بھی اسی قسم کی شہادت

۱- رالنسن انڈیا ، ص ۷۵ ۔

۲- ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ٦٨ - آئی - ایچ - کیو ، جلد اول ، ص ۳٦٩ ۔

درج ہے ۔ اس شہادت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ بادشاہ جو دشمن کے ایک ایک سپاہی کے خون میں نہانا ضروری جانتے ، کھیتوں میں کام کرنے والے مزدوروں کا احترام کرتے ۔ کیونکہ یہ لوگ دونوں فوجوں کے لیے برابر مفید اور کارآمد تھے اور ان کی فلاح اور بہبود بین‌الاقوامی ضابطہ کی اہم کڑی ہے(۱) ۔

شہری امن و امان

میگستھنیز اس بات کی وضاحت بھی کرتا ہے کہ چندر گپت امن و امان اور رعایا کی خوشحالی کا بہت خواہاں تھا ۔ اور اس نے اپنے زمانۂ حکومت میں یہ شے عام کرنے کے لیے بڑی جد و جہد کی تھی ، غالباً یہی وجہ تھی کہ چوری کہیں بھی نہ ہوتی تھی ۔ معاشرہ کی خوشحالی اس کے افراد کو اتنا محتاج نہ بننے دیتی کہ وہ چوری چکاری کے شغل اختیار کرتے ۔

خیال رہے کہ ہم نے پیچھے جسٹین کا ایک اقتباس درج کیا تھا کہ چندر گپت نے جب پنجاب ، سندھ اور سرحد کے قبائل سے ایک فوج مرتب کی تھی ، اس میں دو عنصر چوروں اور ڈاکوؤں کے بھی تھے ۔ یہ شروع کا عہد تھا (۳۲۱ - ۳۲۲ یا ۳۲۳ اور ۳۲۴) اور میگستھنیز نے مذکورہ بالا شہادت ۳۰۳ قبلِ مسیح کے بعد قلمبند کی تھی ، کیونکہ وہ ۳۰۳ قبلِ مسیح میں سفیر مقرر ہؤا تھا ۔ اور چندر گپت کو حکومت کرتے تئیس سال گزر چکے تھے اور یہ بہت بڑی بات تھی جو اس عظیم فرمانروا نے معاشرہ میں پیدا کی تھی ۔

کاشتکاروں کی ضرورتوں سے دلچسپی لینے کے سلسلہ میں پروفیسر ونسنٹ سمتھ نے سدرسن جھیل کی روداد لکھی ہے (۲) ۔ یہ جھیل ، گرنار بحیرۂ عرب کے قریب صوبہ پایۂ تخت پاٹلی پترا سے کوئی ایک ہزار میل کے فاصلہ پر تعمیر کی گئی تھی اور اس کی وجہ سمتھ کے الفاظ میں یہ ہوئی

۱- ایج آف امپیریل یونیٹی، ص ۶۸ - آئی - ایچ - کیو جلد اول - ص۳۶۹۰۳- (مرتبہ) مبک کرنڈلے - آئی - سی - جلد دوم ، ص ۵۵۹ - ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۵۵ -

۲- سمتھ - مطبوعہ حیدر آباد ، ص ۱۸۰ -

تھی کہ چندر گپت کا عامل ، پشی گپتا ایک دن ایک چھوٹی سی ندی کے کنارے پہنچا اور اس نے ماحول کو دیکھ کر رائے قائم کی کہ اگر یہ ندی روک لی جائے اور اس پر بند باندھ دیا جائے تو آس پاس کے کاشتکاروں کی معاشی حالت بہت بدل سکتی ہے ، اس نے اس وقت اس بند کی تعمیر کی طرح ڈال دی اور سندرسن کے نام کی جھیل بنا ڈالی ، اس کے بعد جو بھی وائسرائے وہاں آیا اس نے اس جھیل پر لازماً توجہ کی اور اسے زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کے لیے بڑی سے بڑی رقم خرچ کرنے میں بھی دریغ نہ کیا - پروفیسر سمتھ اس جھیل کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ یہ مفید جھیل جو موریہ عہد میں تعمیر ہوئی ، چار سو برس تک قائم رہی اور ماحول کو سرسبز و شاداب بنائے رکھا -

میگستھنیز نے بہ صراحت موریہ خاندان کے اس بادشاہ کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ کاشتکاروں کی فلاح و بہبود سے بہت دلچسپی لیتا تھا - ہمارے نزدیک دراصل یہ پنڈت چانکیا ٹیکسلی تھا جس نے پنجاب اور ہندوستان کو امن و امان و خوشحالی کی دولت بخشی تھی اور اسی کا بنایا ہوا نظام پوری قلمرو میں رائج تھا -[۴]

چوتھا باب

ارضِ پاکستان، مہاراج اشوک اور اس
کے جانشینوں کے عہد میں

فصل اول

چندر گپت کے پوتے اشوک کی حکومت بھی ان حکومتوں ایسی تھی جن کی بنیاد وادیٔ گندھارا میں رکھی گئی اور جن کے بانی اس وادی کے رہنے والے تھے

اشوک ، پنڈت چانکیا کے لےپالک چندر گپت کا پوتا ہونے کے سبب ٹیکسلا کا بیٹا تھا

یوں تو اصولاً چندر گپت کے بعد اس کے بیٹے بندوسار کا ذکر لازم ہے کہ اس نے اپنے باپ کی موت پر اس کا تاج پہنا اور خاصی مدت یعنی ۲۹۸ - ۳۰۰ سے لے کر ۲۷۳ قبل مسیح تک حکومت کی تھی - بدھ روایات کی رو سے وہ برابر ۲۷ یا ۲۸ سال تک برسرِ اقتدار رہا تھا - مگر بدنصیبی یہ ہے کہ اس کے بارے میں تاریخ خاموش ہے - بدھ اور جین روایات سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ اس کے باپ کے وزیر اعظم چانکیا ، کچھ سالوں تک اس کے بھی وزیر رہے تھے اور یہ وہی تھے جن کے مشورہ پر اس نے کئی بڑی فتوحات حاصل کی تھیں - وزیر اعظم چانکیا ، کس وقت مرے اور آیا موت کے وقت تک وہ وزیر اعظم تھے ، اس سے متعلق کچھ کہا نہیں گیا - خیال ہوتا ہے کہ بندوسار نے پنڈت چانکیا کو چند سال بعد ، شاید ان کے بڑھاپے کے سبب ان کے عظیم منصب سے ہٹا دیا تھا اور شاید اسی وجہ سے ٹیکسلا نے اس کے خلاف بغاوت کر دی تھی ، تاہم یہ بات یقینی طور پر نہیں کہی جا سکتی -

اشوک کا بچپن ٹیکسلا میں گزرا وہیں اس نے تعلیم و تربیت پائی

یہ بغاوت جس وقت ہوئی اس وقت اشوک ۱۸ سال کا تھا اور وزیر اعظم چانکیا اسے کافی مدت پہلے ٹیکسلا لے آئے تھے - اس کی تعلیم و تربیب ٹیکسلا ہی میں ہوئی ، یہیں اس کا بچپن کٹا اور یہیں اس کے شعور نے آنکھیں کھولیں - وزیر اعظم چانکیا کی تربیت و تعلیم نے اس میں

غیر معمولی صلاحیتیں پیدا کر دی تھیں ۔ وہ باپ کے حکم سے جب باغی ٹیکسلا کے قریب پہنچا تو ٹیکسلا کے لوگ ہزاروں، لاکھوں کی تعداد میں اس کے استقبال کو آئے تھے کیونکہ وہ ٹیکسلی پنڈت چانکیا کا شاگرد تھا اور یوں بھی ٹیکسلا کے لوگ اس سے محبت کرتے تھے ۔

ایج آف امپیریل یونیٹی کے مصنف مسٹر مکرجی کا بیان ہے کہ ان لوگوں نے اشوک کا استقبال کرتے وقت اس سے کہا تھا :

ہم نے اس لیے بغاوت کی تھی کہ ہمیں بعض ظالم وزراء کے خلاف شکایت تھی ۔ ہم نہ آپ سے باغی ہیں اور نہ بادشاہ بندوسار کے مخالف ہیں (۱) ۔

ہمارا گمان ہے کہ یہ ظالم وزراء وہ تھے جنھوں نے وزیر اعظم چانکیا کی جگہ پر کی تھی ۔

بہرحال اشوک اس وقت ۱۸ سال کا تھا جب وہ وائسرائے بن کر آیا اور ٹیکسلا پہنچا تھا کہ وہاں کی بغاوت دبائے ۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اشوک ۱۸ برس کی عمر میں ٹیکسلا آیا اور یہ اس کے باپ کی حکومت کے پہلے سال تھے تو احتیاطاً ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ وہ باپ کے تخت نشین ہونے کے پانچ سال بعد ٹیکسلا پہنچا تھا ۔ اس وقت سے لے کر باپ کی موت سے کچھ مدت پہلے تک وہ ٹیکسلا رہا ، تقریباً اس کی جوانی یہیں گزری ۔

اشوک کی جوانی بھی ٹیکسلا میں بسر ہوئی

اشوک کے زمانۂ نیابت سے لےکر ۲۵۰ قبل مسیح تک جب وہ چالیس سال بڑے ٹھاٹھ کی حکومت کرنے کے بعد اس دنیا سے رخصت ہؤا ۔ ٹیکسلا اور اس سے ملحقہ سرزمین میں اس کے خلاف کوئی بغاوت رونما نہیں ہوئی اور اس کی وجہ اس کے سوا کوئی اور نہ تھی کہ ایچ ، جی ، ولز کے الفاظ میں اشوک ، زمانۂ قدیم میں اپنے ذاتی کردار ، شرافت ، نیک نفسی اور رحم دلی اور فرض شناسی کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا ۔ حالانکہ وہ ماضیٔ قدیم کا سب سے بڑا ہندوستانی بادشاہ تھا اور اس کی حدودِ سلطنت جنوبی ہندوستان سے لے کر ارضِ فارس تک پھیلی تھیں ۔ کلنگا کے سوا اس نے کسی

۱- ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۷۰ ۔

سرزمین پر فوج کشی نہیں کی تھی اور اس میں جو خونریزی ہوئی اس پر وہ زندگی بھر شرمندہ رہا تھا ۔ بلاشبہ اس کے کردار کی ہر عظمت اور ہر نیکی ، بدھ دھرم کی شرمندۂ احسان تھی ، لیکن اس کی ذاتی شرافت اور خون کی پاکیزگی بھی ایک بنیادی وجہ ثابت ہوئی تھی ۔ اس کے دادا میں بھی بڑی خوبیاں تھیں ۔ باپ بھی بہت شریف آدمی تھا ، لیکن انھیں سلطنت کو وسعت دینے اور اس کی سرحدوں کو محفوظ کرنے کے لیے مختلف لوگوں سے لڑنا پڑا تھا اور ان کی تلوار نے کافی گردنیں کاٹی تھیں ۔ اشوک جب تخت نشین ہؤا تو سلطنت میں ہر ممکن وسعت ہو چکی تھیں اور سرحدیں حد درجہ محفوظ تھیں ۔ اسے صرف کلنگا کی لڑائی لڑنا پڑی ۔

اشوک کا عہد اور پنجاب و سرحد

کلنگا کی لڑائی کی تفصیل ہمارے موضوع سے قطعاً خارج ہے ۔ ہمارا موضوع صرف اس حد تک محدود ہے کہ اشوک کی نیابتِ سلطنت سے لے کر اس کی موت تک جو ۲۵۰ قبلِ مسیح میں ہوئی ، وادیٔ سندھ نے ارضِ پنجاب اور ارضِ کابل و ہرات و قندھار سمیت ، اس کے عہدِ زرین کے فیوض و برکات خوب خوب سمیٹے اور ہر لحاظ اور ہر اعتبار سے ترقی کی ۔

گو یہ تفصیل ہمارے پاس قطعاً موجود نہیں ہے کہ اس سر زمین نے خصوصی لحاظ سے زندگی کے کس کس شعبے میں ، معراج کی منزلیں طے کی تھیں اور مہاراج اشوک نے ہندوستان کو جو معاشی اور سیاسی سر بلندی بخشی ، اس میں سے اس سرزمین نے کتنا حصہ پایا تھا ؟

بدھ اور جین روایات صرف مہاراج اشوک کی ذات اور صفات تک محدود رہی ہیں ، اس سے آگے ان کا دامن نہیں پھیلا ۔ بہر حال اشوک جب تک بدھ نہیں بنا تھا ، ایک لاکھ انسان قتل کر چکا تھا ۔ پروفیسر رالنسن اور سمتھ راوی ہیں کہ اشوک کو بدھ بنانے کی سعادت متھرا کے اوپا گپتا نے حاصل کی تھی اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس سے کہا تھا اگر آپ نے جتنے آدمی پہلے مارے ہیں ان کا سواں یا ہزارواں حصہ اب مارا یا گرفتار کیا تو یہ آپ کے لیے سخت باعثِ شرم و افسوس ہوگا (۱) ۔

۱- سمتھ اشوکا ، مطبوعہ ۱۹۳۰ء ، ص ۱۴۹ ۔

اشوک نے یہ بات نہ صرف ذہن کی گرہ میں باندھ لی بلکہ پتھر پر نقش کر دی اور اپنے اس گناہ کا باقاعدہ اعتراف کیا ، جو اس سے کلنگ کی جنگ میں سرزد ہؤا تھا ۔ پروفیسر رالنسن نے کلنگ کی جنگ میں ھلاک ہونے والوں کی تعداد تو ایک لاکھ ھی بیان کی ھے ، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی کہتے ھیں کہ اس سے کئی گنا تعداد ، جنگ کے اثرات بد کا شکار ھو کر تباہ ھو گئی تھی (۱) ۔

اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اشوک نے کلنگا یا اڑیسہ میں چار لاکھ آدمی مارے تھے اور پھر توبہ کر لی تھی ۔ اگر وہ توبہ نہ کرتا ، بدھ رھنما اسے مزید فوج کشی اور فتوحات سے باز نہ رکھتے اور وہ مزید فتوحات پر متوجہ ھوتا تو انسانی خونریزی اور ابھی ھوتی ۔

اس طرف وہ خلیج بنگالہ تک پہنچ چکا تھا ، دکن بھی فتح ھو چکا تھا ۔ اگر اشوک کو فتح کا شوق چراتا تو وہ باختر کی طرف آگے بڑھتا اور انسانیت کو بہت نقصان پہنچتا ۔

بدھ بننے کے بعد نہ صرف اس نے خونریزی سے توبہ کر لی ، اپنے بیٹوں اور پوتوں کو بھی ھدایت کی کہ خونریزی سے بچیں اور انسانوں کو پرھیزگاری کے ذریعہ جیتیں کہ آئین و انصاف کے ذریعہ فتح ھی اصل فتح ھے (۲) ۔

اشوک کی مذھبی حکمت عملی

پروفیسر رالنسن ، مختصراً اشوک کی پرھیزگاری پر تبصرہ کرتے ھوئے کہتے ھیں کہ جوں جوں وقت گزرتا گیا ، اشوک زیادہ پرھیزگار اور زیادہ مذھبی ھوتا گیا ۔ وہ نہ صرف خود مذھب کا مبلغ بنا بلکہ اس نے اپنی وسیع قلمرو کے ھر ماتحت افسر کو مذھب کا مبلغ بنا دیا اور ھدایات جاری کیں کہ ھر حاکم ، قانون و آئین کی حکومت کو نصب‌العین بنا لے اور مذھب کی بخشی ھوئی روشنی سے اپنی راھیں منور کرے ۔

ھمیں بدھ مت کی تعلیمات اور اشوک کے مذھبی رجحانات سے حد درجہ اختلاف ھے ، اس کے باوجود ھم یہ تسلیم کرنے پر مجبور ھیں کہ

۱۔ رالنسن انڈیا ، ص ۶ ۔ مطبوعہ ۱۹۳۷ء ۔

۲۔ رالنسن انڈیا ، ص ۷۲ ۔

اشوک کے مذہبی ذہن نے پوری مملکت میں نیکی کی حکومت قائم کر دی تھی ۔ وہ چالیس سال تک برسر اقتدار رہا اور ان چالیس سال میں سے پہلے چند سال چھوڑ کر باقی کے سالوں میں اس نے بادشاہ سے زیادہ ایک مبلغ کی حیثیت سے کام کیا تھا اور جب بادشاہ مبلغ ہو تو افسر خود بخود مبلغ بن جاتے ہیں ۔ بادشاہ کو عوام کی بھلائی اور فلاح و بہبود کا خیال ہو تو افسروں کے ذہن بھی ادھر مائل ہو جاتے ہیں ۔

رعایا کی فلاح و بہبود کے کام

پروفیسر رالنسن کہتے ہیں کہ اشوکا نے مذہبی دامن میں جب پناہ لی اور اس کا ذہن ہموار ہؤا تو اس کی پہلی خواہش یہ تھی کہ اس کی رعایا زیادہ سے زیادہ سکھ پائے ۔ اس لیے اس نے عام شاہراہوں پر سایہ دار درخت لگوائے کہ مسافر دھوپ سے بچیں ۔ کنویں کھدوائے کہ پیاسوں کی پیاس بجھے اور انسانوں حتیٰ کہ جانوروں کے لیے ہسپتال قائم کیے ۔ چندر گپت کے زمانہ کی جتنی سخت قسم کی قانونی پابندیاں تھیں وہ ختم کیں ۔

قیدیوں کو رہائی بخشی حتیٰ کہ موت کی سزا پانے والے قیدیوں کی اصلاح ذہن کی صورتیں پیدا کیں اور ان کی روحانی تربیت کے لیے علماء مقرر کیے اور صوبائی گورنروں کو گنہگاروں اور مجرموں کو معاف کر دینے کے وسیع اختیارات عطا کیے ۔

پروفیسر رالنسن کے الفاظ میں اشوکا کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ لوگ بدھ مذہب کی اہمسا کو اپنا لیں اور انسانوں سے تو کیا جانوروں کے ساتھ بھی نرمی اور محبت سے پیش آئیں ۔ اس نے جانورکشی کی رسم کو آہستہ آہستہ ختم کرنے کی کوشش کی ، عوام کو اس سلسلہ میں ترغیب دینے کے لیے اس نے شکار ترک کر دیا ۔ شاہی مطبخ میں گوشت کا استعمال ممنوع ٹھیرایا اور قربانیاں قطعاً منسوخ کر دیں ۔

مذہبی رواداری

اس کے باوجود کہ وہ پکا بدھ تھا ، اس نے ریاست میں مذہبی لڑائی کی حوصلہ افزائی قطعاً نہیں کی اور مذہبی جذبات کو مشتعل کرنے اور آپس میں مذہب کی بناء پر لڑنے کو سختی سے روکا ۔ خود عملاً وہ برہمنوں کی سرپرستی بھی کرتا اور جین رہنماؤں سے بھی محبت اور شفقت سے پیش آتا

تاکہ اپنے حکام کے سامنے بہتر مثال پیش کرے - حتیٰ کہ اس نے گوسالہ ، دھرم کے ناںگا پجاریوں سے بھی بڑی مہربانی کی اور ان کے لیے بہت قیمتی غاریں تعمیر کیں (۱) -

رالنسن کے الفاظ میں اشوک کے عہد میں اس کی دور دراز کی رعایا نے بھی خوب فیض پایا حتیٰ کہ جنگل کے باشندوں پر بھی اس کی محبت اور شفقت کی بھرپور نگاہ اٹھی اور اس نے ان لوگوں کو بھی ہر سہولت پانے کا اہل سمجھا ، حالانکہ ان لوگوں کو ہندو سوسائٹی نے معاشرہ سے نکال دیا تھا اور انسان نہ سمجھا تھا(۲) -

ہم نے یہ اقتباس اس لیے بھی نقل کیا ہے کہ پڑھنے والوں کو بتا سکیں کہ جب جنگلوں میں رہنے والے لوگ اشوک کے فیوض و برکات سے بہرہ مند ہوئے تو لازماً وادیٔ سندھ ، پنجاب اور سرحد اس سے مالا مال ہوئی تھی اور پاٹلی پترا کے حصہ میں جو امن آیا وہی ٹیکسلا کو بھی نصیب ہؤا تھا -

رالنسن اس امر کا بھی راوی ہے کہ اشوک کے عہد میں کشمیر اور گندھارا میں بدھ مذہب کی تبلیغ سرکاری طور پر کی گئی تھی (۳) - گویا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ گندھارا اور کشمیر کے عوام کی ذہنی اصلاح پر خصوصی توجہ کی گئی تھی اور بدھ رہنماؤں نے لازماً جس طرح شہروں کا رخ کیا ہوگا دیہات اور جنگلات میں بھی ڈیرے ڈالے ہوں گے اور تعلیم بھی عام کی ہوگی اور اخلاقِ عامہ کو بھی سدھارا ہوگا -

ٹیکسلا ، کشمیر ، سوات اور وادیٔ کابل میں اشوکی مینار

مہاراج اشوک نے شمال مغربی سرحدی اضلاع کے عوام کی ذہنی اصلاح اور مذہبی تربیت کے لیے نہ صرف مبلغ مقرر کیے بلکہ اپنے عام دستور کے مطابق نیکی اور پرہیزگاری کے رواج کی خاطر جو کتبات اور سنگی فرمان اپنی پوری قلمرو کے طول و عرض میں نصب کیے ، ان میں سے کئی

۱- رالنسن انڈیا ، ص ۷۷ -
۲- ایضاً ، ص ۷۸ -
۳- ایضاً ، ص ۷۸ -

ٹیکسلا ، کشمیر ، سوات اور وادیٔ کابل کے حصہ میں بھی آئے ۔ ان کتبات اور سنگی فرمانوں کی اصل تعداد کیا تھی ، اس کے بارے میں بدنصیبی سے کوئی تفصیل دستیاب نہیں ہو سکی ، البتہ ان کی تعداد کافی ہوگی اور وادیٔ سندھ کے ہر اہم مقام پر ایک نہ ایک سنگی فرمان ضرور نصب کیا گیا ہوگا ۔ اب تک صرف مانسہرہ اور شاہ باز گڑھی کے مقامات پر دو سنگی فرمان نصب ملے ہیں ۔ یہ مقامات اشوک کے دور میں اس نواح میں بڑی اہمیت رکھتے تھے ۔ ایسی ہی اہمیت کے مقامات کئی اور بھی تھے ۔

خیال رہے کہ پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا کے مصنف راچودھری نے اس سمت مہاراج اشوک کی حدود سلطنت کمبوجہ ، گندھارا اور کشمیر تک پھیلائی ہیں ۔ راچودھری کے نزدیک کمبوجہ ، پونچھ کے نواحی مقام راجوڑی کے علاقہ پر مشتمل تھا اور گندھارا کے حدود دریائے سندھ کی دوسری سمت سے شروع ہو کر قندھار تک دراز تھے ۔ ان دنوں میر زیارت یا بالاحصار اس کے حاکم اعلیٰ کا مستقر تھا جو دریائے سوات اور کابل کے سنگھم پر واقع ہے(۱) ۔

فاضل راچودھری کہتے ہیں کہ اس امر کا ثبوت کہ کشمیر مہاراج اشوک کے تابع تھا ، ایک تو ہیون سانگ کے سیاحت نامہ سے ملتا ہے اور دوسرے راج ترنگنی سے ۔ اس کا مصنف کلہنہ اشوک کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے ، بااصول و وفا شعار و فرض شناس اشوک زمین کا حکمران ہے ۔ اس بادشاہ نے خود کو گناہوں سے پاک کر لیا ہے اور جینا کے مذہب میں داخل ہو گیا ہے اور سری ناگری کا شہر اس نے تعمیر کیا ہے ۔ اور وٹاستاٹرا اور سکھالترا میں کئی سٹوپے بنوائے ہیں (۲) ۔

کلہنہ نے اشوک کے بارے میں کئی اور باتیں بھی لکھی ہیں مگر ہم ان کا تکرار ضروری نہیں جانتے ۔ ہم نے یہ کچھ بھی راچودھری کی پیروی

۱- پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا ، ص ۲۰۸ ۔ انڈین اینڈ انڈونیشئن آرٹ ، ص ۵۵ ۔

۲- راج ترنگنی ۔ جلد اول ، ص ۱۰۲ - ۱۰۶ ۔ بمبئی گزیٹئر حصہ اول ، ص ۱۵ ۔ ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۷۷ - ۱۸۹۶ء ۔

میں نقل کیا ہے ۔ جنھوں نے کشمیر کے مشہور مقام سری نگر کو مہاراج کی تعمیر ظاہر کیا ہے ۔

اگر مہاراج اشوک سری نگر کے معمار تھے تو پھر اس میں قطعاً کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ کشمیر اشوک کی قلمرو کا ایک حصہ تھا اور لازمی بات ہے کہ مہاراج اشوک نے سری نگر ایسے کئی مقامات وہاں تعمیر کیے ہوں گے ۔ خصوصیت سے اس لیے کہ کشمیر مہاراج اشوک کے زمانہ میں بدھ تحریک کا ایک بہت بڑا مرکز بن چکا تھا ۔

ہم پیچھے اشارتاً عرض کر چکے ہیں کہ مہاتما بدھ کی موت کے بعد اصولاً بدھ مت کا سب سے بڑا تبلیغی مرکز کشمیر تھا اور غالباً یہی وجہ تھی کہ مہاراج اشوک نے وہاں سری نگر ایسے شہر آباد کیے اور " لاٹھیں " تعمیر کرائیں ۔

بہرحال یہ بات یقینی ہے کہ مہاراج اشوک نے وادیٔ سندھ ، وادیٔ کابل اور ارضِ کشمیر کے آباد کاروں کو وہی سہولتیں بخشی تھیں جو ان کی اس طرف کی رعایا کو حاصل تھیں اور یہ پورا علاقہ مہاراج اشوک کی موت تک ان کے دامن سے وابستہ رہا ۔

پروفیسر سمتھ نے راج ترنجنی کے حوالہ سے ایسی کئی روایات کا ذکر بھی کیا ہے جن میں یہ بات بڑے وثوق سے کہی گئی ہے کہ مہاراج اشوک کا ایک بیٹا جلوک نامی ان کی موت کے بعد کشمیر میں تخت نشین ہؤا ۔ وہ بڑا زبردست اور لائق بادشاہ تھا اور اس کی سرحدیں یو پی تک دراز ہو گئی تھیں ۔ ہو سکتا ہے کہ اس لائق و فائق بادشاہ نے پوری کی پوری وادیٔ سندھ بھی فتح کر لی ہو ، لیکن یہ ایک بڑی حقیقت ہے کہ مہاراج اشوک کے وارث ۱۸۵ قبلِ مسیح میں وادیٔ سندھ ، وادیٔ کابل ، وادیٔ کشمیر و سوات کے لیے قطعاً اجنبی بن گئے تھے اور اس کی وجہ اس کے سوا کوئی اور نہ تھی کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ اشوک کی جگہ تخت نشین ہونے والے پاٹلی پترا کے بادشاہ یہ بات بھول گئے تھے کہ ان کا جد اعلیٰ چندر گپت ، پنڈت چانکیا ٹیکسلی کا لے پالک بیٹا تھا اور اس کی حکومت دراصل پنڈت چانکیا ٹیکسلی کی حکومت تھی اور پنجاب ، سندھ اور سرحد و کشمیر کے لوگ اسے اپنی حکومت سمجھتے تھے اور اس وجہ سے اس سے وابستہ تھے ۔

پانچواں باب

دو سو سالہ انڈو یونانی حکومت

فصل اول

الـڈو یونـانی بـادشاهت اور وادیٔ گندهـارا

یه انٹی اوچوس اور ایتهی ڈیموس اور اس کا بیٹا ڈیمی ٹروس تهـا جس نے پهر سے وادیٔ گندهارا فتح کی

پروفیسر رالنسن کا بیان هے که ابهی مهاراج اشوک زنده تهے اور ۲۵۰ قبل مسیح میں پاٹلی پترا کے محل میں بڑے امن و سکون کی زندگی گزار رهے تهے که ان کی مغربی سرحد پر دو بہت هی اهم سیاسی تبدیلیاں عمل میں آئیں اور قریب قریب ایک هی وقت باختر یا بلخ کے نائب‌السلطنت ڈائی اوڈوٹس اور پارتهیا یا خراسان کے ارساسیس نے شهنشاه سیلوکس یونانی کے ورثاء کے خلاف بغاوت کر دی اور دو خود مختار بادشاهتوں کی طرح ڈال دی (۱) جنهوں نے آگے چل کر شمال مغربی سرحدی اضلاع یا وادیٔ گندهارا کو بهی اپنے دامن میں لے لیا -

ایج آف امپیریل یونیٹی (۲) کے مصنف نے یه بغاوت انٹی اوچوس کے عہد سے وابسته کی هے - جو ۲۶۱ قبل مسیح میں تخت نشین هؤا اور ۲۴۶ قبل مسیح میں مرا (۳) -

پروفیسر سمتھ راوی هیں که انٹی اوچوس اس سیلوکس کا پوتا تها ، جس نے چندر گپت کو اپنی بیٹی دی اور اس سے مصالحت کر لی تهی اور یه دونوں صوبے جو اس کی حکومت سے کٹے ، بڑے زرخیز ، شاداب اور انتہائی متمول تهے اور ان کا نقصان معمولی نقصان نه تها ، لیکن اس نقصان پر سوچنے کی شهنشاه انٹی اوچوس کو کچھ زیاده مہلت نہیں ملی - یوں بهی وه هر وقت شراب کے نشه میں رهتا اور باغی سرداروں سے جو

۱- رالنسن ، انڈیا ، ص ۸۹ -

۲- ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۸۹ - ۱۰۳ -

۳- سمتھ ، ارلی هسٹری آف انڈیا ، ص ۲۲۴ -

لوٹ اس کی طرف سے لڑتے وہ کچھ زیادہ مخلص نہ تھے ، اس لیے برابر چار سال تک وہ کسی ایک باغی کو بھی دبا نہ سکے اور شہنشاہ ۲۴۶ قبل مسیح میں اس دنیا سے رخصت ہؤا تو بغاوت کے شعلے پہلے ھی کی طرح بھڑک رہے تھے - اس کے جانشین سیلوکس ثانی نے گو اس بغاوت کو دبانے کی بہت کوشش کی مگر کامیابی نے اس کے قدم بھی نہیں چومے حالانکہ اس کا عہد کافی طویل تھا ، وہ ۲۴۶ قبل مسیح میں تخت نشین ہؤاتھا اور ۲۲۳ قبل مسیح میں مرا تھا - اس کی جگہ جس سیلوکس ثالث نے لی ، وہ صرف ایک سال جیا اور انٹی اوچوس ثالث کے لیے راہ ہموار کر دی - اس انٹی اوچوس ثالث کے متعلق یونانی مؤرخین کہتے ھیں کہ یہ بڑا حوصلہ مند اور جی دار تھا ، اس نے برابر دو سال تک بلخ کا محاصرہ کیا اور اس وقت تک اس کی فوجیں بلخ کے نواح سے دور نہیں ہوئیں جب تک بلخیوں نے اسے خود سے راضی نہیں کر لیا -

انٹی اوچوس ثالث اور ڈیمی ٹروس

یہ داستان بھی خاصی دلچسپ ھے - بیان ہؤا ھے کہ اس وقت جب شہنشاہ انٹی اوچوس ثالث نے بلخ کا محاصرہ کیا تھا ، وھاں کا سربراہ ایتھی ڈیموس نامی یونانی تھا - اس نے دو سال کے محاصرہ کے بعد اپنے نوجوان بیٹے ڈیمی ٹروس کو شہنشاہ کے حضور شرائط صلح طے کرنے کے لیے بھیجا -

انٹی اوچوس وادیٔ گندھارا میں

شہزادہ بڑا وجیہ اور انتہائی دانا بینا نوجوان تھا - شہنشاہ اس کی باتوں سے اس درجہ خوش ہؤا کہ نہ صرف اس کے باپ کی خود مختاری تسلیم کر لی بلکہ نوجوان شہزادہ کو اپنی ایک بیٹی بھی بیاہ دی اور ایک دوست کی حیثیت سے خوشی خوشی محاصرہ اٹھا کر وادیٔ گندھارا کی سرحد میں داخل ہؤا - انٹی اوچوس ثالث سیلوکس کے بعد پہلا یونانی تاجدار ھے ، جس نے موریہ عہد میں وادیٔ گندھارا کے حدود پامال کیے - شہنشاہ انٹی اوچوس ابھی وادیٔ سوات تک پہنچا تھا ، جو ان دنوں سوبھا کنیسا راجہ کے ماتحت تھی کہ شہنشاہ کے پیچھے اس کی سلطنت خطرہ میں پڑ گئی اور اس کے مخالفین اس کی مغربی سرحد میں گھس آئے - اس لیے جیسے ھی سوبھا کنیسا راجہ نے شہنشاہ کے حضور حاضری دے کر اسے اپنا مربی

تسلیم کر لیا اور خراج کے طور پر ایک سو ہاتھی نذر کر دیے تو شہنشاہ نے اسے غنیمت سمجھ کر واپسی اختیار کی ۔

ایتھی ڈیموس اور اس کے بیٹے ڈیمی ٹروس کا وادیٔ گندھارا اور پنجاب پر قبضہ

شہنشاہ کی واپسی کے بعد ، ایتھی ڈیموس والیٔ باختر نے خوب پاؤں پھیلائے اور اپنی قلمرو کابل ، ہرات ، قندھار اور گندھارا کی آخری سرحد تک وسیع کر لی ۔

ایج آف امپیریل یونیٹی کے ایک مصنف ڈاکٹر مکرجی نے بعض علمائے تاریخ کا یہ خیال دھرایا ہے کہ وہ یونانی شخص جس نے درحقیقت وادیٔ گندھارا میں دخل پایا ، بادشاہ ایتھی ڈیموس کا وہی نوجوان بیٹا ڈیمی ٹروس تھا ، جس نے شہنشاہ انٹی اوچوس ثالث کی توجہ اپنے اوپر مبذول کی تھی ۔ پہلے تو ڈیمی ٹروس اپنے باپ کی فوجوں کے سپہ سالار کی حیثیت سے وادیٔ گندھارا میں پہنچا اور پھر خود مختار بادشاہ بن کر یہاں آیا اور سوراشٹر سے لے کر کاٹھیاواڑ اور کچھ تک کے علاقے فتح کر لیے ۔ وہ وادیٔ سندھ کا بھی مالک بنا ، ارضِ پنجاب کا بھی (۱) ، حتیٰ کہ یوگاپران کے جزو گرگ سمہتہ کی رو سے اس نے فیض آباد ، روھیل کھنڈ اور متھرا تک اپنی قلمرو بڑھا لی تھی اور ابھی ۲۰۰ قبلِ مسیح کا دامن سکڑا نہ تھا کہ ڈیمی ٹروس کی فوجیں وادیٔ گنگا میں پہنچ گئی تھیں ۔ قریب قریب یہی بیان یونانی سٹریبو کا بھی ہے (۲) ۔ سٹریبو کی رو سے ڈیمی ٹروس یونانی بادشاہوں میں سکندر ثانی کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس نے اپنی قلمرو نہ صرف روھیل کھنڈ تک پھیلا لی تھی تبت کو بھی اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا تھا ۔

ڈاکٹر مکرجی نے بڑے اعتماد کے ساتھ یہ رائے ظاہر کی ہے کہ ڈیمی ٹروس کے سرحد ، پنجاب اور ہندوستان سے رابطہ کا ثبوت نہ صرف اس بادشاہ کے سکوں سے ملتا ہے بلکہ اس دور کی ادبی تصانیف بھی اس کی بین شہادت دیتی ہیں ۔

۱- ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۱۰۵ ۔
۲- سٹریبو ۔ آئی ۔ ایچ ۔ کیو ، جلد ۲۲ ۔ ۸۱ ۔

اس بادشاہ نے مربع شکل کے ایسے سکے سکوک کرائے جن کے ایک سمت یونانی عبارت لکھوائی اور دوسری طرف خروشتی ۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ ڈیمی ٹروس سہابھارتہ کا دتہ مترا ہے ۔ بیس نگر سے جو سکے تمترا کے نام سے دستیاب ہوئے ہیں وہ بھی ڈیمی ٹروس کے ہیں ۔ یوں ڈاکٹر مکرجی نے یہ بات بھی تسلیم کی ہے کہ مدھیا دیسہ سے دست برداری کے بعد ڈیمی ٹروس کے پنجابی اور ہندوستانی مقبوضات کی حد بندی کے متعلق کوئی حتمی رائے قائم کرنا آسان کام نہیں ہے (۱) ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدھیا دیسہ سے دستبرداری کے بعد بھی اترا پاتھہ اور پاسچا دیسہ ، پر اسی کی شاہی تھی ۔

اوپر ہم نے سٹریبو کے حوالہ سے یہ بات کہی ہے کہ انڈو گریک (ہندی و یونانی بادشاھوں) کو سندھ اور کاٹھیاواڑ میں بھی سربراھی نصیب تھی ، مزید براں سکالہ (سیال کوٹ) کا علاقہ بھی ان کے تابع فرمان تھا (۲) ۔

سندھ اور پنجاب میں کئی شہر آباد کیے

یہ بات بھی دلچسپی کا موجب ہو گی کہ سنسکرت کی بعض کتب نحو و صرف میں ، زیریں سندھ کے ایک ایسے شہر کا ذکر موجود ہے ، جو ڈیمی ٹروس نے غالباً آباد کیا تھا اور جس کا نام ڈیمٹری تھا ۔ ڈیمی ٹروس اور اس کے باپ ایوتھی ڈیموس کے نام پر ، اس زمانہ کے پنجاب اور ہند اور افغانستان میں کئی اور شہر بھی تھے ۔

سیال کوٹ بھی اس نے بسایا تھا

ٹولمی کے حوالہ سے ڈاکٹر مکرجی نے یہ بات بھی کہی ہے کہ سکالہ یا سگالہ کا دوسرا نام ایوتھی ڈیمیا تھا ۔ ہو سکتا ہے کہ اس مقام پر اس بادشاہ نے اپنے نام سے جو نئی بستی آباد کی ہو اس کا نام ایوتھی ڈیمیا رکھا ہو ۔

ایوکرٹیڈز

ڈیمی ٹروس کے بعد باختر کے ایک اور یونانی تاجدار ایوکرٹیڈز کے بارے میں جسٹن اور سٹریبو کا بیان ہے کہ اس نے بھی وادیٔ سندھ

۱- ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۱۰۷ ۔ دیویا دلانہ ، ص ۹۵ - ۹۷ ۔ آئی ایچ ۔ کیو جلد ۲۲ ، ص ۸۱ ۔

۲- ایضاً ، ص ۱۰۷ ۔

پر حکومت کی تھی - غالباً اسے یہ موقعہ ۱۶۵ قبل مسیح میں اس وقت نصیب ہؤا جب مقدم الذکر ڈیمی ٹروس اس دنیا سے رخصت ہو چکا تھا - اس بادشاہ نے پنجاب کو فتح کرنے کے بعد ڈیمی ٹروس کی طرح سکے بھی مسکوک کرائے تھے، لیکن اس کا تسلط محض وقتی تھا کیونکہ ایوتھی ڈیمی خاندان کے شہزادوں نے قدم قدم پر اس کے خلاف صف آرائی کی تھی -

اگاتھوکل نپٹیلون

ایک اور ھندی یونانی بادشاہ اگاتھوکل کے نام کے سکے بھی متعدد مقامات سے برآمد ہوئے ھیں، یہ اس امر کا ثبوت ھیں کہ اس بادشاہ نے بھی سرحد اور پنجاب پر حکومت کی تھی - اگاتھوکل کی طرح نپٹیلون کے نام کے سکے بھی دستیاب ہوئے ھیں - ان سکوں کی ایک سمت خروشتی کی بجائے برھمی حروف کندہ ھیں - نپٹیلون، آگاتھوکل کی طرح ایوکرٹیڈز کا ھم عصر تھا اور غالباً اسے مؤخرالذکر سے خاصی سخت لڑائیاں لڑنی پڑی تھیں -

مزید وضاحت

پروفیسر ونسنٹ سمتھ کے نزدیک ایوکرٹیڈز نے ڈیمی ٹروس ثالث کی جگہ باختر پر حکمرانی کی تھی - پروفیسر صاحب کا خیال ھے کہ ایوکرٹیڈز کو ڈیمی ٹروس کی جگہ باختر کے تخت پر جلوہ فرما ہونے کا موقعہ محض اس لیے ملا تھا کہ اس بادشاہ نے اندرون پنجاب و ھند کافی دور تک اپنی قلمرو پھیلا لی تھی اور کافی دنوں تک باختر سے دور رھا تھا - باختر کھو دینے کے بعد ڈیمی ٹروس نے کئی سال تک بڑی شان و شکوہ کے ساتھ پنجاب و ھندوستان پر حکومت کی اور غالباً یہ پہلا یونانی تاجدار تھا جس نے "شاہ ھندیاں" کا خطاب پایا تھا (۱) -

گو ھمارے پاس اس امر کی کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں ھے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ھے کہ ڈیمی ٹروس باختر کھو دینے کے بعد زیادہ مدت نہیں جیا تھا اور اس کے جانشین اگاتھوکل اور نپٹیلون، ایوکرٹیڈز کے ھم عصر تو تھے مگر ھم پلہ نہ تھے - تبھی ایوکرٹیڈز نے ان سے ان کی

۱- سمتھ ارلی ھسٹری آف انڈیا، مطبوعہ حیدرآباد، ص ۳۳۰ - ۳۳۱ - ۳۳۲

کئی پنجابی اور ہندی املاک چھین لی تھیں ۔ اس لحاظ سے ایوکر ٹیڈز کو بھی شاہ ہندیاں کہا جا سکتا ہے کہ پنجاب اور سندھ کے کئی اہم اضلاع اس کے تابع فرمان تھے ۔

ھیلیؤ کلز

ایوکرٹیڈز کے بعد اس کا بیٹا ھیلیؤ کلز تخت نشین ھؤا اور باپ کی طرح اس نے بھی اپنے نام کے سکے مسکوک کرائے ۔ یہ سکے پہلی صدی عیسوی تک ، بھڑوچ کے سواحل پر عام طور پر رائج تھے (۱) ۔

سٹریبو اول

ایوکرٹیڈز کے خاندان کے ایک اور فرد ، سٹریبو اول نے سالہا سال تک پنجاب پر حکومت کی اور اپنے نام کے سکے مسکوک کرائے اور انھیں رواج دیا ۔

سندھ اور پنجاب کئی سلطنتوں میں تقسیم ھوئے

پروفیسر ونسنٹ سمتھ کا خیال ھے کہ انڈو یونانی بادشاھوں کے آخر دور میں حکومت کی مرکزیت ختم ھو گئی تھی اور ارضِ پنجاب اور وادیٔ سندھ کئی یونانی رجواڑوں میں بٹ گئی تھی ۔ ان رجواڑوں کی تعداد بہت کافی تھی ۔ پروفیسر ونسنٹ سمتھ کے نزدیک شمال مغربی اضلاع پر حکومت کرنے والے انڈو یونانی بادشاھوں کی تعداد کوئی دو سو کے قریب تھی اور یہ نام ان لوگوں کے سکوں سے معلوم ھوتے ھیں (۲) ۔

کچھ بادشاھوں کے نام

ڈاکٹر مکرجی کے نزدیک ان انڈو یونانی بادشاھوں میں سے کچھ کے نام یہ تھے ۔ اگاتھوکلیہ ، اگاتھوکلز ، انٹیاس ، انٹیال میڈاس ، انٹی ماچوس ، اپو ڈوٹوس ، اپولو فینس ، آرچی بیوس ، آرٹیمی ڈوروس ، ڈیمی ٹروس ، ڈیڈو ٹوس ، ڈیئو میڈز ، ڈیئون لیوس ، ایپانڈر ، ایوکر ٹیڈز ، ایوتھی ڈیموس ، ھیلی اوکلز ، ھرمایوس ، ھیپوسٹرٹوس ، لیسز ، میناندر ، نیسیز ، نپٹیلون ، پیبوکوٹوس ، فیلوکس نوس ، پلیٹو ، پولیکس نیوس ، سٹریٹو ،

۱- جسٹین باب ۴۱ - فصل ۳ ، فصل ۶ - کننگھم نیو مسٹک کرانیکل ۱۸۶۹ء
ص ۳ - ۲۴ - ریپسن ، جے - آر - ای - ایس ، ص ۱۹۵ - ۲۸۷ -

۲- ایضاً سمتھ ، ص ۳۳۰

ٹیلی فوس ، متھیلو فیلوس ، اور زیولیوس ۔

ڈاکٹر مکرجی نے ان انڈو یونانی تیس بادشاھوں کے نام گنواتے وقت سٹریبو کی یہ شہادت بھی نقل کی ھے کہ ان یونانی بادشاھوں میں صرف تین نے زیادہ شہرت پائی تھی ۔ ایک تو وھی ڈیمی ٹروس ثالث ھے ، جس کا ذکر اوپر ھؤا ھے ، دوسرا اپالو ڈروس تھا ، جس کے بارے میں بہت کم معلومات دستیاب ھوئیں ھیں ، تیسرا میناںڈر تھا جس کی عظمت مستقل عنوان کی متقاضی ھے کیونکہ اس نے سیال کوٹ(١) کو اپنا مستقل پایۂ تخت بنا لیا تھا اور یہیں سے وہ کبھی باختر پر حملہ آور ھوتا اور کبھی وادیٔ گنگا میں کہرام مچا دیتا ۔

اس دور کا یہ خصوص قابلِ لحاظ ھے کہ اس نے چندر گپت اور مہاراج اشوک کی قائم کردہ رسم قطعاً بدل ڈالی تھی اور وھی سیاسی چلن پھر اپنا لیا تھا ، جس کی بنیاد پہلے سومروں نے ڈالی ، پھر آریوں نے ، پھر سائرس نے اور پھر دارا نے ، اور جس کو سکندر مقدونی نے تو ایک مقدس سیاسی مشن کی شکل دے دی تھی ۔

ھمارے نزدیک میناںڈر کو تاریخِ مغربی پاکستان کسی دور میں اس لیے بھی فراموش نہیں کر سکے گی کہ اس بزرگ فرمانروا نے سیال کوٹ کا جھنڈا کبھی وادیٔ گنگا میں لہرایا ، کبھی مہاراشٹر جا پہنچا اور کبھی بھڑوچ و گجرات کی گیلی اور نم آلود زمین پامال کر ڈالی ۔

تاریخ ارضِ مغربی پاکستان کے اس میناںڈر نے سیال کوٹ کو اپنے دور میں وھی عظمت بخشی تھی ، جو چندر گپت اور اشوک مہاراج کے عہد میں پاٹلی پترا کو نصیب رھی تھی ۔

١- امپیریل یونیٹی ، ص ١١٢ - انڈیا رالنسن ص ٩٠ - پولیٹیکل ھسٹری آف اینشنٹ انڈیا ، ص ٣٠٠ ۔

فصل دوم

سیال کوٹ کے مینانڈر کی فوجیں سیال کوٹ سے کبھی باختر پر چڑھ جاتیں اور کبھی گجرات کاٹھیاواڑ پر حملہ آور ہوتیں

مینانڈر کے عہد میں اس کے پایۂ تخت سیال کوٹ نے نینوا ، بابل ، اور پاٹلی پترا سے ہم سری کی

مینانڈر ، پنجاب کے انڈو یونانی بادشاہوں میں سب سے بڑا بادشاہ تھا

ہمیں ڈاکٹر رالنسن مصنف انڈیا کی یہ رائے سو فی صد صحیح معلوم ہوتی ہے کہ پنجاب کے انڈوگریک (انڈو یونانی) بادشاہوں میں ، مینانڈر سب سے بڑا تاجدار تھا (۱) - پروفیسر ونسنٹ سمتھ نے اس کی عدل پسندی اور منصف مزاجی کی بہت تعریف کی ہے (۲) - پری پلوس کے مصنف نے جو ۷۰ - ۸۰ سال بعد مسیح کا آدمی ہے ، بڑے وثوق کے ساتھ لکھا ہے کہ اس کے زمانہ میں بھڑوچ کے سواحلی مقامات پر ، بہت سے ایسے کتبات موجود تھے جن پر مینانڈر کا نام لکھا تھا (۳) -

مینانڈر بڑا ہردلعزیز بادشاہ تھا

مشہور رومی مؤرخ پلوٹارک نے نہ صرف مینانڈر کی عدل پسندی اور اور منصف مزاجی پر اسے خراجِ عقیدت پیش کیا ہے بلکہ اس کی غیر معمولی ہردلعزیزی اور قبولِ عام کی شہادت بھی دی ہے(۴) - پلوٹارک ہی اس امر کا بھی راوی ہے کہ مینانڈر کی ہردلعزیزی اور قبولِ عام کا عالم یہ تھا کہ جب وہ مرا تو اس کی بادشاہت کے تمام بڑے شہروں کے شہریوں نے اس کی "مقدس" راکھ سے حصہ پانے کے لیے بڑی جد و جہد کی تھی -

---

۱- رالنسن انڈیا ، ص ۹۰

۲- سمتھ ارلی ہسٹری آف انڈیا ، ص ۳۳۳ (مطبوعہ حیدر آباد) -

۳- ایج آف اسپیریل یونیٹی ، ص ۱۱۲ -

۴- پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا ، ص ۲۶۱ -

ڈاکٹر مکرجی اس امر پر حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ تمام انڈو یونانی بادشاہوں میں یہ صرف میناندر ہے جسے ہندوستانی بدھ روایات میں بہت اہمیت دی گئی ہے - اسے نہ صرف بدھ دھرم کا سر پرست مانا گیا ہے بلکہ اس کے علم و فضل کا اعتراف بھی کیا گیا ہے - مشہور بدھ کتاب میلندہ پنہا " پانہو " کے دو اہم کرداروں میں پہلا کردار یہی بادشاہ میناندر ہے - دوسرا کردار بدھ راہب ناگ سینا ہے -

میلندہ پنہا کتاب کا ہیرو

ڈاکٹر مکرجی ہی کا بیان ہے کہ بدھ روایات میں میناندر کو کئی " تلفظ " ملے ہیں - مثلاً " مینا مدرا " میلندرا ، میناندرا اور مندرا یا میلندا - ڈاکٹر مکرجی نے بدھ کتاب " میلندا پنہا " کے حوالہ سے اس بات پر زور دیا ہے کہ میناندر ، کالاسی گراما ، نامی مقام پر پیدا ہوا تھا - یہ مقام الاساندا یا ایلگزانڈریا کے نواح میں تھا - کالاسی گراما میں پیدا ہونے والے میناندر نے کن حالات میں تخت پر قدم رکھے اور کس زمانہ میں سیال کوٹ یا سکالہ " سگالہ " کو اپنا پایۂ تخت بنایا ، اس کے بارے میں کوئی حتمی روایت ہم تک نہیں پہنچی -

سیال کوٹ پایۂ تخت بنا

مسٹر راچودھری نے ڈاکٹر سمتھ کی اس رائے سے بڑے وثوق کے ساتھ اختلاف کیا ہے کہ میناندر کا پایۂ تخت کابل تھا - پروفیسر رالنسن نے اپنی کتاب انڈیا میں ڈاکٹر سمتھ کی غلطی تو نہیں پکڑی ، صرف ڈاکٹر مکرجی کی طرح اس بیان پر اکتفا کر لیا ہے کہ میناندر کا پایۂ تخت سکالہ یا سگالہ ، موجودہ سیال کوٹ تھا - پروفیسر رالنسن نے سکیرڈ بکس آف ایسٹ کے حوالہ سے سیال کوٹ یا سکالہ کا محلِ وقوع ، آب و ہوا اور دوسری خصوصیات بھی شمار کی ہیں - مثلاً فرماتے ہیں :

میناندر کے سیال کوٹ کی خصوصیات

"میناندر کا پایۂ تخت یونا کہ ملک میں تجارت کا ایک بہت بڑا مرکز سگالہ نامی شہر ہے - یہ شہر نہایت عمدہ ، زرخیز و شاداب اور پہاڑ کے دامن میں واقع ہے - اس کے چاروں طرف عمدہ باغات ، باغیچے ، تالاب اور جھیلیں پھیلی ہیں - دریا بھی موجزن ہیں اور ندی نالے بھی ، گھنے جنگل بھی ہیں اور سرسبز پہاڑیاں بھی - شہر کی تعمیر کسی بہت بڑے صناع

نے بہت ہوشمندی کے ساتھ کی ہے - اس کی شہر پناہ بہت مضبوط اور آسمان سے باتیں کرتی نظر آتی ہے - جا بجا حفاظتی برج بھی بنے ہیں ، جہاں بوقت دفاع سپاہ نصب کی جا سکتی ہے اور بڑی عمدگی سے دفاع کر سکتی ہے - شہر پناہ کے بیرونی دروازے ، ان کی محرابیں اور ڈیوڑھیاں بہت شاندار ہیں اور وسط میں شاہی قیام گاہ ہے جس کا رنگ سفید ہے - شہر کے بازار ، منڈیاں ، شاہراہیں اور چوک بہت سوچ سمجھ کے بعد بنائے گئے ہیں - بازاروں میں ہر قسم کا سامان بکتا ہے - نادر سے نادر اور قیمتی سے قیمتی سامان سے دکانیں سجی ہیں - شہر میں رفاہِ عامہ کی سینکڑوں عمارتوں کے علاوہ لاکھوں رہائشی مکانات ہیں - بازار ہاتھیوں ، گھوڑوں اور گاڑیوں سے ہر وقت بھرے رہتے ہیں - پیادوں کی بھی بھیڑ عموماً لگی رہتی ہے - ان میں امرا بھی ہوتے ہیں ، برہمن علماء بھی ، ملازمین بھی ہوتے ہیں اور آقا ولی نعمت بھی اور بنارسی کپڑے سے لے کر جواہرات ، عطریات اور مٹھائیاں خریدتے دکھائی دیتے ہیں (۱) -

میناانڈر کے ذاتی اوصاف

خود میناانڈر کے بارے میں بھی پروفیسر رالنسن نے اسی حوالہ سے کام لیا ہے اور کہا ہے کہ میناانڈر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ، اعلیٰ درجہ کا سپاہی بھی تھا اور دانائی ، ہوش مندی ، عدل پروری ، راست بازی ، چستی و چالاکی اور بہادری اور جرأت میں تو پورے پنجاب و ہندوستان میں اپنی مثال آپ تھا - اس کے پاس دولت بھی بہت تھی اور فوج تو بے انتہا و بے حساب تھی - وہ معاملاتِ ملکی و سیاسی کو سلجھانے کے لیے برہمن اور دوسرے زیرک دانشوروں کی اعانت حاصل کرتا اور ان کے افکار و خیالات کو سننے کے بعد موزوں اور مناسب رائے پر عمل کرتا (۲) -

بدھ راہب ناگ سینا سیال کوٹ پہنچا

یہی عالم تھا کہ مشہور بدھ راہب ، ناگ سینا اپنے حواریوں کے ساتھ سیال کوٹ میں وارد ہؤا - بدھ روایت کی رو سے ناگ سینا اور اس کے حواری

۱- رالنسن انڈیا ، ص ۹۰ - ۹۱ سیکرڈ بکس آف ایسٹ ، جلد ۲۵ ، ص ۳۷۲ -

۲- سیکرڈ بکس آف ایسٹ جلد ۲۵ -

زرد یا گیروے رنگ کے لباس پہنے تھے اور ان کے زرد رنگ کے لباسوں نے شہر کو جلتے چراغوں کی طرح روشن کر دیا تھا ۔ بادشاہ میناںڈر اپنے پانچوں درباریوں کے ساتھ ناگ سینا کی زیارت کو پہنچا اور بہت سے سوال و جواب کے بعد اس نے بدھ مذہب اختیار کر لیا ۔

بادشاہ اور راہب ناگ سینا میں جو سوالات و جوابات ہوئے ، وہ ''میلندا پنہا'' نامی کتاب میں پوری تفصیل سے درج ہیں ۔ پروفیسر جیکوبی نے سیکرڈ بکس آف ایسٹ میں اس کتاب کو شامل کر لیا ہے ۔

میناںڈر نے ہندوستان کے وسطی صوبے پامال کر دیے تھے

پروفیسر رالنسن کا بیان ہے کہ میناںڈر اپنے وقت کا بہت بڑا لڑاکا سپاہی تھا ، اس نے مگدھ سلطنت کو فتح کرنے کی جد و جہد کی تھی اور اس کے سواروں نے صوبجات متوسط کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا تھا(۱) اور اس کے ''مقدس'' گھوڑے کو پکڑ کر سیال کوٹ لے آئے تھے ، جو بادشاہ پشپا مترا نے قربانی کے لیے مخصوص کر کے جنگل میں چھوڑ دیا تھا کہ کھیتوں میں چرتا پھرے ۔ اس کو پکڑ لینے کے معنیٰ پشپا مترا کو کھلا چیلنج تھا (۲) ۔

پروفیسر رالنسن کی رو سے یونانی پشپامترا سے جی کھول کر لڑتے مگر انھیں وطن لوٹنا پڑا کیونکہ وہاں فساد اٹھ کھڑا ہؤا تھا ، رالنسن کی رو سے یہ واقعات ۱۶۰ - ۱۸۰ قبلِ مسیح میں پیش آئے تھے اور میناںڈر اسی عہد کا بادشاہ تھا(۳) ۔

پروفیسر سمتھ کے نزدیک میناںڈر ''منیڈر'' ۱۵۳ - ۱۵۶ قبلِ مسیح میں وسطی ہندوستان پر حملہ آور ہؤا تھا ۔ اس تاریخ کے تعین میں پروفیسر سمتھ نے میناںڈر کے سکوں سے استشہاد کیا ہے ۔

سمتھ ہی راوی ہیں کہ میناںڈر کے سکے ۱۸۷۷ء میں دریائے جمنا کے جنوب میں ہلمرپور کے ضلع میں پائے گئے تھے ان کی تعداد چالیس تھی ۔ ہلمرپور کے علاوہ میناںڈر کے سکے متعدد دوسرے مقامات سے بھی برآمد

۱- رالنسن انڈیا ، ص ۹۱ -
۲- ایضاً ، ص ۹۱ -
۳- ایضاً ، ص ۹۱ -

ہوئے ہیں خصوصیت سے پنجاب سے تو یہ کافی تعداد میں میسر آئے ہیں ۔

سیال کوٹ کا میناانڈر دریائے بیاس کو عبور کر کے کاٹھیاواڑ کے ساحلوں اور چتوڑ تک جا پہنچا تھا ۔

میناانڈر کے بارے میں پروفیسر سمتھ نے سٹریبو کے حوالہ سے کئی اور باتیں بھی کہی ہیں ۔ مثلاً وہ کہتا ہے کہ میناانڈر '' مننیذر '' نے دریائے بیاس کو عبور کر کے اساسں تک رسائی پا لی تھی اور پھر اس جگہ سے بھی آگے بڑھ کر پٹیلے جا پہنچا تھا اور سراشتر یا کاٹھیاواڑ فتح کر لیا تھا ۔ مغربی ساحل کی فتح کے باب میں ، سمتھ نے پیری پلس کا حوالہ بھی دیا ہے ۔ یہ پہلی صدی عیسوی کا سیاح ہے اور اس نے بھڑوچ کی بندرگاہ میں میناانڈر کے سکے رائج پائے تھے ۔

سمتھ نے پروفیسر کیلھارن کی مدد سے میناانڈر کی فتوحات کا دائرہ چتوڑ کے شمال میں گیارہ میل تک کے ایک مقام مدھیا مکا ، کانگڑی تک وسیع کر دیا ہے ۔

اس کے ساتھ ساتھ پروفیسر سمتھ اس امر کے بھی معلن ہیں کہ میناانڈر وادیٔ گنگا میں زیادہ دن نہیں ٹھیرا تھا ، البتہ بھڑوچ کے علاقہ میں اس کی حکومت سالہا سال تک قائم رہی تھی(۱) ۔

ڈاکٹر مکرجی میناانڈر کے زمانہ و تاریخ کے بارے میں پروفیسر رالنسن اور ڈاکٹر سمتھ سے اختلاف کرتے ہوئے کہتے ہیں :

''میناانڈر کے بارے میں عام خیال یہ ہے کہ وہ دوسری صدی قبلِ مسیح کے وسط کی شخصیت ہے ، لیکن ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ غالباً ۱۱۵ - ۹۰ قبلِ مسیح کا بادشاہ تھا ۔'' ڈاکٹر مکرجی نے اس روایت پر بھی اعتراض کیا ہے ، جس میں کہا گیا ہے کہ میناانڈر نے سکیتا اور مدھایا میکا پر پتنجلی کے زمانہ میں حملہ کیا تھا اور پتنجلی پشپا مترا کا ہم عصر تھا ۔ ڈاکٹر مکرجی کا اعتراض ہے کہ یہ علماء اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ گرگ سمہتہ یونانی حملہ مدھیا دیسہ اور مشرقی ہند کو آخری

۱- ارلی ہسٹری آف انڈیا ، ص ۳۰۹ - ۳۱۰ - ۳۱۱ - کننگھم رپورٹس جلد ۶ ، ص ۲۰۱ - جلد ۱۴ ، ص ۱۴۶ - انڈین انٹی کیوری جلد ۲ ، ص ۲۰۸ - انڈین انٹی کیوری جلد ۷ ، ص ۲۶۶ -

موریہ بادشاہ سلسی سوکا کے زمانہ کا وقوعہ ٹھیراتا ہے اور یہ آخری موریہ بادشاہ پشپا مترا (۱۸۷ قبل مسیح) سے پہلے تخت نشین ہؤا تھا اور چونکہ مینانڈر ہر حال میں ڈیمی ٹروس کا وارث ہے اور ڈیمی ٹروس کی موت ۱۶۵ قبل مسیح میں واقع ہوئی تھی اس لیے گمان غالب یہ ہے کہ مینانڈر، پشپامترا کے آخری زمانہ کی شخصیت تھا۔ اور یہ وہ نہ تھا جس نے دوسری قبل مسیح کے ربع اول میں مدھیا دیسہ پر حملہ کیا تھا۔ پشپامترا کو پہلے ڈیمی ٹروس سے مقابلہ کرنا پڑا تھا اور پھر مینانڈر سے۔

اس سلسلہ میں ڈاکٹر مکرجی نے ایک اس بدھ روایت کا حوالہ بھی دیا ہے جس میں میناںڈر کو بدھ سے پانچ سو سال بعد کی شخصیت ٹھیرایا گیا ہے۔ یہ روایت چینی سیاح ھیون سانگ کی ہے۔

اس باب میں ڈاکٹر مکرجی نے اس بات سے بھی سند لی ہے کہ میناںڈر کے زمانہ کے ایسے سکے نہیں ملے ھیں جو باختر میں مسکوک ہوئے ہوں۔ اگر میناںڈر کا زمانہ، باختر پر یونانی ہندی بادشاھوں کے تسلط کا ہوتا تو باختر سے میناںڈر کے سکے ضرور دستیاب ہوتے۔

بہر حال ڈاکٹر مکرجی نے بھی منیانڈر کے حلقۂ اثر کی وسعتوں کا اعتراف کیا ہے اور کہا ہے کہ چونکہ میناںڈر کے سکے خاصے وسیع علاقے سے دستیاب ہوئے ہیں اور یہ علاقہ کابل سے لے کر ہندوستان کے صوبہ یو پی تک وسیع ہے، اس لیے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ میناںڈر کابل سے لے کر یو پی تک کی سر زمین کا مالک تھا۔

میناںڈر بہر حال کابل سے لے کر ہندوستان کے وسطی صوبوں کا مالک تھا

ڈاکٹر مکرجی نے بھی وہ یونانی روایت دھرائی ہے کہ پہلی صدی قبل مسیح میں میناںڈر کے سکے بھڑوچ میں رائج پائے گئے تھے اور نیز میناںڈر کی فوجیں قنوج اور روھیل کھنڈ تک پہنچ گئی تھیں۔ ڈاکٹر مکرجی نے شنکوٹ ریکارڈ پر بھی بھروسہ کیا ہے اور اس کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ریکارڈ اس امر کا ثبوت مہیا کرتا ہے کہ میناںڈر، پشاور اور وادیٔ کابل کے بالائی حصہ کا بھی مالک تھا(۱)۔ ڈاکٹر مکرجی کے نزدیک میناںڈر کی سلطنت کے حدود حسب ذیل تھے۔

۱- ایج آف امپیریل یونیٹی، ص ۱۱۴۔

مینانڈر کی سلطنت کے حدود

''وسطی افغانستان کے اضلاع ، شمال مغربی سرحدی صوبہ اور اس سے ملحقہ ریاستیں سوات ، دیر ، اسب ، چترال اور بجوڑ ، صوبۂ پنجاب ، سندھ ، راجپوتانہ ، کاٹھیاواڑ اور غالباً یوپی کا ایک حصہ ۔ اور اس وسیع قلمرو پر جیسے کہ پہلے صراحت کی جا چکی ہے ، بادشاہ مینانڈر سیال کوٹ میں مقیم رہ کر حکومت کرتا تھا ۔

مینانڈر کے بعد کے ایک اور ہندی یونانی بادشاہ کے بارے میں بھی یہ شہادتیں میسر آئی ہیں کہ اس نے بھی ارض پنجاب اور سندھ پر حکومت کی تھی ۔ ان شہادتوں میں ایک تو بیس نگر کی وہ یادگار ہے جو ٹیکسلا کے یوانا سفیر ہیلی اوڈروس نے وشنو دیوتا کے حضور بطور نذر تعمیر کرائی تھی ۔ یہ یوانا سفیر ، ہیلی اوڈروس ، راجن کوتسی پترا بھگدرا کے چودھویں سال حکومت میں ٹیکسلا کے مہاراجہ امتالکیتا کی طرف سے سفیر بن کر آیا تھا اور وشنو دیوتا کا بھگت بن گیا تھا ۔

ٹیکسلا کا راجہ امتالکیتا

ڈاکٹر مکرجی کے نزدیک یہ مہاراجہ امتالکیتا ، انڈوگریک بادشاہ انیٹی الکیڈاس ہے ، جس کا پایۂ تخت ٹیکسلا تھا اور جو غالباً ایوکرٹیڈز کے خاندان میں سے تھا ۔

یہ بادشاہ ایوکرٹیڈز کے کتنے سال بعد تخت نشین ہؤا ، یہ بات صراحتاً کہنی مشکل ہے ، یوں ڈاکٹر مکرجی نے یہ گمان ظاہر کیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ انٹی الکیڈاس ، ایوکرٹیڈز کا پوتا اور ہیلی اوکلز کا بیٹا اور وارث ہو ۔ ڈاکٹر مکرجی نے یہ شبہ بھی ظاہر کیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ انٹی الکیڈاس ، لیسز کا وارث ہو ۔

ڈاکٹر مکرجی کے نزدیک اس بات کا بھی امکان ہے کہ انٹی الیکڈاس ۱۱۳ قبل مسیح کی شخصیت ہو اور اس وقت بھی ہو جب کہ مینانڈر کا طوطی بول رہا تھا ۔ مگر ہمارے نزدیک یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جب مینانڈر کو ۱۱۵ قبل مسیح کی شخصیت مانا جائے اور اس کی تردید ڈاکٹر رالنسن اور پروفیسر سمتھ جیسے اکابر مؤرخین نے کی ہے ۔ اس لیے ہم حتمی

۱۔ ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۱۱۶ ۔

طور پر اس قیاس کے حامی ہیں کہ مینانڈر ۱۸۰ - ۱۶۰ سال قبل مسیح میں برسرِ اقتدار آ چکا تھا اور انٹی الیکڈاس اس کے بہت بعد تخت نشین ہؤا تھا ۔

ملکہ اگاتھوکلیا

میناںڈر کے ورثاء میں ڈاکٹر مکرجی نے ، ملکہ اگاتھوکلیا کا ذکر بھی کیا ہے ۔ یہ ملکہ بادشاہ اگاتھوکلز کی بیٹی اور میناںڈر کی بیوی اور اس کے وارث سٹریٹو کی ماں تھی اور چونکہ وہ نابالغ تھا اس لیے اس کے بلوغ کے عہد تک جو سکے مسکوک ہوئے (۱) ان میں ماں بیٹے دونوں کے نام درج ہیں ۔ سٹریٹو نے بلوغ کے بعد سوٹر اول کے نام سے حکومت کی اور اپنے نام کے سکے الگ سے مسکوک کرائے ۔

سوٹر اول

ڈاکٹر مکرجی اس خیال کے بھی حامی ہیں کہ میناںڈر کی موت کے بعد یونانی ہندی سلطنت پارہ پارہ ہوگئی تھی ۔ خصوصیت سے گندھارا اور افغانستان سے تو اس کا سیاسی تعلق ٹوٹ گیا تھا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ اگاتھوکلیا اور اس کے بیٹے سٹریٹو اول نے صرف پنجاب پر حکومت کی تھی اور میناںڈر کی طرح ان کا پایۂ تخت سیال کوٹ ہی تھا اور غالباً ان کے آخری عہد میں ساکا اور پہلوی پنجاب میں در آئے تھے اور سیاسی بالا دستی حاصل کر لی تھی ، یوں پروفیسر سمتھ کا خیال ہے کہ سٹریٹو اول کے بعد اس کا پوتا سٹریٹو ثانی فلوپیٹر اس کا جانشین ہؤا تھا اور اس کے زمانہ میں ساکا اور پہلوی پنجاب اور سندھ پر غالب آئے تھے (۲) ۔

۱- ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۱۱۸ - ۱۱۹

۲- سمتھ ارلی ہسٹری آف انڈیا ، ص ۳۳۵ (مطبوعہ حیدر آباد) ۔

چھٹا باب

ساکا پہلوی سندھ اور پنجاب پر غالب آئے

فصل اول

ساکا بادشاھوں نے ٹیکسلا کو پایۂ تخت بنا کر متھرا تک حکومت کی جو سکے ٹیکسلا میں مسکوک ہوئے وہ متھرا سے برآمد ہوئے ھیں

ارضِ پاکستان میں جن غیر ملکیوں نے دوسری صدی قبلِ مسیح میں بہت عمل دخل پایا تھا ان میں ساکا ''سکھیتی'' اور پہلوی ''پارتھی'' بھی خاصے ممتاز ھیں - خصوصیت سے اس دور کے ادب اور لسانی روایات میں انھیں بہت اھمیت دی گئی ہے -

ساکے وسطی ایشیا سے سیستان پہنچے

ایسا معلوم ھوتا ہے کہ زیادہ طاقتور خانہ بدوشوں کی نقل و حرکت کے سبب سکھیتی جو کبھی وسطی ایشیا کے باشندے تھے ، نقلِ وطن پر مجبور ھوکر موجودہ ایران میں آن بسے تھے - ان کی نو آبادی خاصی قدیم ہے اور تقریباً تیسری صدی قبلِ مسیح سے متعلق ہے - یہ لوگ اچامنی سلطنت کے زمانہ میں موجودہ بخارا کے علاقہ شیردارا میں جسے ترکستان سے تعبیر کیا جا سکتا ہے ، خاص تعداد میں آباد ھوگئے تھے - کسی قدر بعد میں یہ لوگ سجستان یا موجودہ سیستان پر قابض ھوئے اور اس ملک نے ان کی نسبت سے ، سجستان یا ساکستان کا نام پایا -

بعض علماء کا خیال ہے کہ ساکے ، سیستان میں اس وقت آباد ھوئے تھے جب یوچی قوم نے جو ساکوں سے ھر لحاظ سے طاقتور تھی نقل و حرکت کی تھی اور وہ دریائے ھلمنڈ کی طرف دوڑ پڑے تھے ، لیکن کابل کی یونانی بادشاھت نے ان کا راستہ روک لیا تھا - اس وقت مجبوراً انھیں ھرات کی طرف ھٹ کر سیستان میں آباد ھونا پڑا (۱) -

---

۱- ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۱۲۰ - تاریخ سیستان مطبوعہ تہران ، ص ۱۷ -

یہ بھی بیان ہؤا ہے کہ ساکے جب مشرق ایران میں داخل ہو رہے تھے ، تو انھیں باختر اور خراسان کے بادشاھوں ، فیریٹس اور ارٹا بانوس اول سے بڑی سخت لڑائی لڑنی پڑی تھی اور یہ دونوں بادشاہ ان سے لڑتے وقت مارے گئے تھے - ان دونوں بادشاھوں کا زمانہ علی الترتیب ۱۳۸ - ۱۲۸ - ۱۲۸ اور ۱۲۳ سال قبل مسیح ہے (۱) -

یہ بادشاہ میتھراڈیٹس ثانی تھا ، جس نے اس خانہ بدوش قوم پر کئی لڑائیوں میں فتح پائی اور اس کے بڑوں نے اس کے سامنے ھتھیار ڈال کر اس سے لڑنے کی بجائے اس کی سربراھی تسلیم کرلی اور اس کی فوج میں نام لکھوا لیا - خصوصیت سے ان میں سے جو لوگ مشرق ایران پہنچے ، وہ پارتھین گورنروں کے جھنڈوں تلے جمع تھے -

ساکا پہلے سندھ میں آئے

ڈاکٹر مکرجی کا خیال ہے کہ یہ مشرق ایران میں در آنے والے ساکا تھے جنھوں نے وادیٔ سندھ میں راہ پائی تھی(۲) -

پروفیسر رالنسن کے نزدیک یہ لوگ زیادہ تر درۂ بولان کے راستے ارض پاکستان میں داخل ہوئے تھے اور یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے وادیٔ سندھ میں داخل ہو کر یہاں کے انڈو گریک بادشاھوں کو نیچا دکھایا اور ان کی جگہ پر کی تھی - اور نہ صرف ٹیکسلا اور دوسرے مقامات پر سیاسی مرکز قائم کیے بلکہ متھرا میں بھی اپنی سر براھی کا علم گاڑھ دیا تھا -

ٹیکسلا سے متھرا تک

مسٹر رالنسن نے گمان ظاھر کیا ہے کہ چونکہ ٹیکسلا ، متھرا اور دوسرے شہروں کے ساکا سر براہ خود کو سڑاپ کے ایرانی لقب سے ملقب کرتے جو نائب السلطنت کا ھم معنی ہے اس لیے یہ لوگ عظیم میتھراڈیٹس بادشاہ خراسان (پارتھیا) کے تحت تھے اور ان اطراف میں اس کی نمائندگی کرتے تھے- جیسا کہ ھم پیچھے اشارہ کیا ہے ، میتھراڈیٹس دوم ۱۲۳ قبل مسیح میں تخت نشین ہؤا تھا اور ۸۸ قبل مسیح تک

۱- ارلی ھسٹری آف انڈیا - سمتھ ، ص ۳۳۰ (مطبوعہ حیدر آباد) -
۲- ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۱۲۰ -

برسرِ اقتدار رہا تھا ۔ دوسرے لفظوں میں ساکا قوم وادیٔ سندھ میں اسی مدت کے دوران داخل ہوئی تھی ۔

سکھیتی قوم نے

سندھی مذہب اور تہذیب اپنا لی

ڈاکٹر مکرجی کے نزدیک یہ ساکا جب وادیٔ سندھ میں اترے اور یہاں رہنے لگے تو انہوں نے جس تہذیب کو اپنایا اور جس تمدن کو پروان چڑھایا وہ سکھیتی ، پارتھی اور ایرانی انداز کا تھا ۔ ڈاکٹر مکر جی نے اس سے نتیجہ نکالا ہے کہ ساکا وادیٔ سندھ میں آنے سے پہلے کافی دنوں تک سکھیتی بادشاہان خراسان کے تابع ہو کر ایرانی ساکستان یا سیستان میں آباد رہے تھے ، اس قیام کے دوران میں انہوں نے ایرانی سکھیتی ، تہذیب بھی قبول کی اور خونی اختلاط سے بھی بہرہ مند ہوئے (۱) ۔ غالباً ساکا یا سکھیتی قوم ابھی تہذیبی و تمدنی لحاظ سے بہت ناپختہ تھی ۔ اس لیے وہ جب مشرقی ایران سے نکل کر وادیٔ سندھ میں آباد ہوئی تو اس نے یہاں کی تہذیب حتیٰ کہ مذہب سے بہت تاثر قبول کیا اور نہ صرف سندھی زندگی اختیار کر لی بلکہ سندھی نام رکھ لیے اور سندھیوں کی طرح بت پوجنے لگی ۔ انہوں نے دوسری بیرونی اقوام کی نسبت سندھی خاندانوں سے شادی بیاہ کے مراسم بھی بہت جلد قائم کر لیے اور سندھیوں سے خوب گھل مل گئے ۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ سندھی ، پنجابی معاشرہ نے انھیں اپنی صفوں میں جگہ دے دی اور پتنجلی کی مہابھاشہ جیسی اہم کتاب میں انھیں ذکر کے قابل سمجھا گیا ، انھیں ''پاک شدرا'' کا خطاب دیا گیا ہے ۔ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے کہ منوسمہتہ میں ، انھیں نچلے درجہ کے کشتری کہا گیا ہے اور ان کی حیثیت عام کشتریوں سے خاصی گھٹائی گئی ہے (۲) ۔

ان کے علاوہ رامائن ، اور مہابھارتہ میں بھی ان سے دلچسپی لی گئی ہے (۳) ۔

۱۔ انڈیا رالنسن ، ص ۹۲ ۔

۲۔ ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۱۲۲ ۔

۳۔ انڈین انٹیک جلد ۱۰ ، ص ۲۲۲ ۔

مسٹر راچودھری پروفیسر سٹین کے حوالہ سے کہتے ھیں کہ ہندوستانی کتابوں میں اس قوم کے افراد کو ساکا مرنڈا (سائی مورنگ) بھی کہا گیا ھے ۔ ساکا زبان میں مرنڈا کے معنی آقا یا آغا یا ھندوستانی لفظ سوامی کے ھیں (۱) ۔

سندھ کے ساکے دریائے جمنا اور دریائے گوداوری تک جا پہنچے

فاضل راچودھری نے سٹین کی یہ روایت بھی نقل کی ھے کہ سندھ و پنجاب کی ساکا قوم کو ھندوستانی سیاست پر غالب آنے میں کچھ زیادہ دیر نہیں لگی تھی اور وہ بہت جلد مشرق میں دریائے جمنا اور جنوب میں دریائے گوداوری تک پہنچ گئے تھے اور متھرا کے متروں کی جگہ پر کر دی تھی ۔

اجین پر قبضہ

ڈاکٹر راچودھری نے ھری وامسا کے حوالہ سے لکھا ھے کہ ساکا لوگ آدھے سر منڈواتے تھے ۔ جین روایت ، کالا ، کچھریا ، کتھا ناکہ کی رو سے ان کے بادشاھوں کو ساھی کہا جاتا تھا ۔ یہ بھی بیان ھؤا ھے کہ بعض جینی معلمین نے ساکوں کو اجین ، سوراشترا یا ھندو دیسہ پر حملہ آور ھونے کی تلقین کی تھی اور ساکوں نے ان کی شہ پر آگے بڑھ کر اجین قبضہ کر لیا تھا ۔ ڈاکٹر فلیٹ کا خیال ھے کہ ساکے کاٹھیاواڑ سے آگے نہیں بڑھے تھے ۔ ڈاکٹر راچودھری کو ڈاکٹر فلیٹ کے اس خیال سے اتفاق نہیں ھے ، وہ کہتے ھیں کہ سرکاندیوا پرانا میں ایک ایسی ساکا آبادی کا ذکر موجود ھے جو مدھا دیسہ میں بسی تھی ۔

بہر حال اس امر میں کوئی عالم بھی مختلف الخیال نہیں ھے کہ ساکا ٹیکسلا اور وادیٔ گندھارا کے دوسرے اضلاع اور متھرا تک کے علاقہ پر قابض تھے ، کیونکہ ان کے ناموں کے کئی کتبے متھرا ، ٹیکسلا اور پاکستان کے کئی مقامات سے ملے ھیں ۔ اور یہ کتبے اس کے سوا کوئی اور بات نہیں کہتے کہ ساکے کبھی یہاں برسرِ اقتدار تھے ۔

ڈاکٹر تھامس ان علماء میں پیش پیش ھیں جن کے نزدیک ساکا نہ تو

۱- راچودھری ، پولیٹیکل ھسٹری آف انڈیا، ص ۲۹۳ - جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی (۱۹۰۳) ، ص ۲۲ - جنرل آف ڈیپارٹمنٹ آف لیٹرز جلد ۱ ، ص ۳۵ - ۲۲ - ماڈرن ریویو اپریل ۱۹۲۱ ، ص ۴۲۳ -

کشمیر کے راستے ارضِ پاکستان میں داخل ہوئے تھے اور نہ کابل کی طرف سے - یہ لوگ درۂ بولان سے ہو کر پہلے سندھ میں پہنچے تھے - انھوں نے پہلے موجودہ صوبۂ سندھ پر قبضہ کیا اور پھر آگے بڑھے تھے - مسٹر راچودھری نے ڈاکٹر تھامس کے اس خیال کی پر زور تردید کی ہے - وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ نظریہ پورے طور پر تسلیم کر لیا جائے تو پھر ان چینی روایات کو جھٹلانا ہوگا جن میں کہا گیا ہے کہ ساکا کیپن ، کسپیسی (کابل) اور ہزارہ کے مالک تھے(۱) -

میئوس پہلا بادشاہ تھا

ڈاکٹر مکرجی کی رو سے ارضِ پاکستان کے ساکا بادشاہوں میں میئوس یا ''میوز'' کو پہلا خود مختار بادشاہ کہا جا سکتا ہے ، ورنہ اس سے پہلے جتنے '' ساکے '' بھی برسرِ اقتدار آئے وہ خراسانی بادشاہوں کے نمائندے تھے اور خود مختار نہ تھے -

ڈاکٹر مکرجی نے میئوس کا زمانہ ۲۰ قبلِ مسیح سے ۲۳ بعد ازمسیح تک متعین کیا ہے(۲) ، جب کہ فاضل اجل ونسنٹ سمتھ کہتے ہیں کہ میئوس غالباً ۱۲۰ قبلِ مسیح میں تخت نشین ہؤا تھا (۳) -

ڈاکٹر راچودھری نے میئوس کے وقت اور تاریخوں کے اختلاف پر روشنی ڈالتے ہوئے مختلف اقوال نقل کیے ہیں - ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ میئوس ۱۳۵ سال قبلِ مسیح کی شخصیت ہے ، اس طرح وہ متھراڈیٹس اول کے آخری سال حکومت میں برسرِ اقتدار آیا تھا کیونکہ متھرا ڈیٹس اول ۱۳۶سال قبلِ مسیح میں اس دنیا سے رخصت ہؤا تھا(۴) -

ٹیکسلا اس کا پایۂ تخت تھا

ڈاکٹر راچودھری کا بیان ہے کہ چونکہ میئوس کے سکے زیادہ تر ٹیکسلا اور اس کے دوسری سمت پائے گئے ہیں اور پنجاب میں وہ نسبتاً

۱- جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی (۱۹۰۶ء) ص ۲۱۶ - راچودھری پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا ، ص ۲۹۵ -

۲- ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۱۲۵ -

۳- ارلی ہسٹری آف انڈیا ، ص ۳۳۷ -

۴- ایضاً ، ص ۳۳۶ -

کم دستیاب ہوئے ہیں ، اس لیے میؤس کا پایۂ تخت ٹیکسلا تھا اور وہ وادیٔ گندھارا کے علاقے کا بادشاہ تھا ۔ ڈاکٹر راچودھری نے میؤس کے وقت کے تعین و تشخص میں بھاگا بھدرا اور اگنی مترا سنگا کے زمانوں سے بھی مدد لی ہے اور بالآخر نتیجہ نکالا ہے کہ چونکہ بھاگا بھدرا ، انیٹی الکیڈاس کا ہم عصر تھا، اس لیے میؤس کسی طرح بھی ۱۲۷ قبل مسیح میں تخت نشین نہیں ہؤا تھا ۔

میؤس کے زمانہ و عہد کے متعلق علماء میں اختلاف

ڈاکٹر راچودھری مزید کہتے ہیں کہ فلیٹ کے سوا باقی تمام علماء متفق الخیال ہیں کہ سرسکھ یا ٹیکسلا پلیٹ کا مہاراجہ موگا بادشاہ میؤس ہے اور اس پلیٹ میں اس کا سن ۷۸ رقم ہے ۔ یہ سن کونسا ہے ، اس کے بارے میں پلیٹ کوئی وضاحت نہیں کرتی ۔ ڈاکٹر راچودھری کے نزدیک یہ سنہ اس وقت متعارف ہؤا تھا ، جب ساکا قوم ان علاقوں میں آباد ہو گئی تھی اور یہ آبادی ۱۲۷ قبل مسیح سے پہلے کی نہیں ہے ۔ فاضل راچودھری کے نزدیک ۱۲۷ سے اگر ۷۸ سال کم کر دیے جائیں تو ۴۹ سال بنتے ہیں ۔ اس طرح میؤس ''موگا'' بادشاہ کا زمانہ ۴۹ قبل مسیح پر ختم ہؤا ہو گا ۔

یہ بحث خاصی الجھی ہوئی ہے ۔ جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا ہے کہ فاضل اجل ونسنٹ اے سمتھ نے میؤس کا زمانہ احتیاطاً ۱۲۰ قبل مسیح ٹھیرایا ہے ۔ اگر اس بیان پر بھروسہ کیا جائے تو پھر میوس ۱۲۷ سال قبل مسیح میں نہ سہی، ۱۲۰ قبل مسیح میں برسر اقتدار آیا تھا ۔ اور اس نے یہ اقتدار بادشاہ مینانڈر کے ورثاء سے چھینا تھا ، حالانکہ وہ خود کو بادشاہوں کا بادشاہ کہتا تھا ۔ اس کے باوجود ابھی تک مینانڈر کی اولاد پنجاب کے بعض حصوں پر قابض تھی ۔ غالباً اس وقت بھی سیال کوٹ ، وزیر آباد اور گوجرانوالہ تک کا علاقہ ، ادھر جموں تک مینانڈر کی اولاد کے پاس تھا ، کیونکہ یہ میوس کا جانشین ایزز تھا ، جس نے مینانڈر کے خاندان سے اس کی بادشاہت چھینی تھی ۔

بہر حال ڈاکٹر مکرجی کو اس بات پر اصرار ہے کہ میؤس بادشاہ

۱۔ راچودھری ، پولیٹیکل ہسٹری آف انڈیا ، ص ۲۹۷ - ۲۹۸ ۔
۲۔ سمتھ ، ص ۳۳۶ مطبوعہ حیدرآباد ۔

۲۰ قبل مسیح میں تخت نشین ہؤا تھا اوز ۲۲ بعد مسیح تک حکومت کی تھی ۔ اس کے زمانہ میں ساکا سربراہی کی چادر خاصی وسیع علاقہ پر محیط ہوگئی تھی(۱)۔ میوس نے اپنے نام کے جو سکے مسکوک کرائے ان پر یونانی اور خروشتی رسم الخط میں اپنا نام کندہ کرایا تھا ۔ یونانی رسم الخط میں جو حروف ان سکوں پر کھدے ہیں وہ یہ ہیں ، باسیلیوس ، مائیو ۔ اس کی دوسری سمت خروشتی رسم الخط میں ان ہی حروف کا ترجمہ کیا گیا ہے ، سہاراج سا مؤسا ۔

ڈاکٹر مکرجی نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ میؤس "موگا" کے زمانہ میں ساکا اقتدار متھرا تک پھیل گیا تھا ۔ گویا دوسرے لفظوں میں ٹیکسلا کی بادشاہت ، متھرا تک وسیع ہوگئی تھی اور یہ وہی حدود تھے ، جو مینانڈر کی سلطنت کے تھے ۔ ادھر تو میؤس نے اپنی سلطنت متھرا تک پھیلا لی ، لیکن میناںڈر کے وارثوں سے الجھنا پسند نہیں کیا ۔

میؤس کے جانشین ایزز اول

فاضل اجل ونسنٹ سمتھ کے نزدیک میؤس کے جانشین ایزز اول کی حیثیت ایک خود مختار بادشاہ کی نہ تھی ۔ وہ میتھراڈیٹس ثانی ۱۲۳ قبل مسیح کا نائب السلطنت تھا اور اراکوسیا اور سیستان سے ٹیکسلا تبدیل کیا گیا تھا ۔ ونسنٹ سمتھ ہی کا خیال ہے کہ میتھراڈیٹس ثانی نے اپنے خاندان کے زوال کو ایک بار پھر اقتدار کی شکل دے دی تھی اور ان دور دراز کے صوبوں پر پھر سے تسلط حاصل کر لیا تھا جو اس سے پہلے کے عہد میں اس کے خاندان کی کمزوری کے سبب ختم ہوگیا تھا ۔

ونسنٹ سمتھ ایزز اول کو نائب السلطنت کہنے کے ساتھ ایک بڑا بادشاہ بھی ٹھیراتا ہے اور کہتا ہے کہ ایزز نے پنجاب پر پچاس سال حکومت کی تھی اور شائد آخر عمر میں خود مختاری اختیار کر لی ہو (۲) ۔ مسٹر راچودھری نے ایزز اول کو سیستان کے وونونز بادشاہ سپالیریسز کا ہم عصر اور شریک سلطنت ٹھیرایا ہے اور ان سکوں سے استشہاد کیا ہے جن پر بیک وقت ایزز اول اور سپالیریسز کے نام لکھے ہیں ۔

۱- ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۱۲۶ ۔
۲- راچودھری ، پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا ۔

ڈاکٹر مکرجی کے نزدیک بعض سکوں پر دونوں ناموں کے اشتراک کی وجہ یہ تھی کہ دونوں جنوبی افغانستان کے ایک علاقہ کے مشترکہ مالک تھے - نیز ایزز بیٹا تھا اور سپالیریسز باپ تھا - اگر یہ نظریہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ایزز اول ھی میؤس کا وارث تھا -

ازی لیسز

ڈاکٹر مکرجی ھی راوی ھیں کہ ایزز اول نے ایک اور نام ازی لیسز کے ساتھ بھی مشترک سکے مسکوک کرائے تھے اور دونوں کے ناموں کے ساتھ سکوں میں شاہِ شاھان رقم ھے - البتہ ایزز چونکہ ارفع تھا ، اس لیے اس کا نام سامنے کی طرف لکھا ھے اور اس کے لیے یونانی رسم الخط اختیار کیا گیا ھے اور '' ماتحت '' ازی لیسز کا نام ایک تو پشت پر کندہ ھے ، دوسرے خروشتی رسم الخط میں ھے -

ڈاکٹر مکرجی کے نزدیک ازی لیسز بیٹا تھا اور ایزز باپ تھا اور باپ بیٹا دونوں حکومت میں شریک تھے -

حال ھی میں بعض ایسے سکے بھی ملے ھیں جن پر ازی لیسز کا نام تو یونانی رسم الخط میں لکھا ھے اور سامنے کی سمت ھے اور ایزز کا نام پشت پر ھے اور خروشتی میں ھے ، اس سے بعض علماء نے یہ نتیجہ اخذ کیا ھے کہ یہ ایزز ثانی تھا اور ازی لیسز کا بیٹا تھا -

ڈاکٹر مکرجی نے انڈوسکھیتی یا انڈوساکی بادشاھوں کی ایک فہرست مرتب کی ھے ، جو یہ ھے :

۱- میؤس موگا ۲۰ قبلِ مسیح ۲۲ بعد از مسیح -

۲- ایزز (آئی) (داماد میؤس موگ) اول بن سپالیریز ۵ قبلِ مسیح ۳۰ بعد از مسیح -

۳- ازی لیسز بن ایزز اول ۲۸ - ۴۰ بعد از مسیح -

۴- ایزز بن ازی لیسز ۳۵ تا ۷۹ بعد از مسیح -

ڈاکٹر مکرجی نے بعض علماء کی یہ رائے بھی نقل کی ھے کہ ازیز

اور ازی لیسز ایک ھی نام کی دو مختلف شکلیں ھیں ۔ بہرحال اگر ایزز اول سپارلیسز کا بیٹا ھی تھا ، تاھم وہ مشرق ایران سے کوئی تعلق نہ رکھتا تھا اور چونکہ وہ میؤس کا داماد تھا ، اس لیے اس کی موت کے بعد اس نے اس کی جانشینی کا شرف پایا تھا ۔

مسٹر راچودھری کا بیان ھے کہ حال ھی میں سونے کا ایک سکہ برآمد ھؤا ھے جس پر آتھامہ نامی بادشاہ کا نام کندہ ھے ۔ مسٹر وائٹ ھیڈ نے اس سکے کو دیکھ کر یہ رائے قائم کی ھے کہ یہ بادشاہ ایزز اور ایزی لیسز کے خاندان میں سے تھا (۱)۔

ساکا بادشاھوں کے گورنر یا سٹراپ

ارضِ پاکستان کے یہ سکھیتی یا ساکا بادشاہ فوجی گورنروں یا سٹراپوں کے ذریعہ حکومت کرتے تھے ، ان کی سلطنت تین حصوں یا سٹراپیوں پر منقسم تھی ۔

۱۔ کیپیسی اور ابھی سارا پر استھ کے سٹراپ ۔
۲۔ مغربی پنجاب کے سٹراپ ۔
۳۔ متھرا کے سٹراپ ۔

ان سٹراپوں کے نام سکھیتی بادشاھوں کے ساتھ ساتھ سکوں پر کندہ ھوتے تھے ۔ بعض کتبات میں بھی ان کی نشان دھی کی گئی ھے ، مثلاً منی کیلا کے کتبے میں کیپیسی کے سٹراپ کا ذکر کیا گیا ھے ، یہ سٹراپ یا نائب السلطنت گرانا وھریا کا بیٹا تھا ۔ پنجاب سے کانسی کی ایک مہر ملی ھے جس پر ابھی‌سار پرستھ کے سٹراپ یا شتراپا ، سیوا سینا کا نام کندہ ھے ۔ پنجاب کے علاقہ کے سٹراپ عموماً تین خاندانوں سے متعلق تھے ۔

الف ۔ کوسلوا یا کوسلوکا ۔ اس خاندان کے دو فرد ، لئیکا اور اس کا بیٹا پتیکا یکے بعد دیگرے پنجاب کے سٹراپ بنے تھے ۔

محقق فلیٹ کی رو سے پتیکا نام کے دو شخص تھے ، لیکن سرجان مارشل نے صرف ایک شخص کا اعتراف کیا ھے ۔

پنجاب کے کوسلوکا خاندان کے سٹراپ غالباً متھرا کے سٹراپ کے

۱۔ ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۱۲۶ - ۱۲۷ ۔ پولیٹیکل ھسٹری آف اینشنٹ انڈیا ، ص ۲۹۹ - ۳۰۰ ۔

رشتہ دار تھے - سن ٧٨ کی سرسکھ پلیٹ سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ عظیم موگ بادشاہ کا ستراپ لئیکا تھا -

ایزز ثانی کے دو نائب السطنت سانا گولا اور جوھنیکا نامی تھے - اندر ورما نامی ایک شخص بھی ایزز ثانی کا نائب السلطنت تھا -

مشہور جغرافیہ دان سرکننگھم کا خیال ہے کہ متھرا کے نائب السلطنت رجودولہ اور سوداسہ ساکا خاندان کے فرد تھے اور اگر انھوں نے کسی زمانہ میں خود مختار حکومت بھی قائم کر لی تھی تو یہ حکومت ساکا خاندان کی حکومت تھی (١) -

ہم نے یہ تفصیل محض اس لیے بیان کی ہے کہ ساکا دور میں ، ساکا حکومت کے حدود کابل سے لےکر متھرا تک وسیع تھے اور ان کا پایۂ تخت ٹیکسلا تھا -

---

١- جنرل رائل ایشیاٹک سوسائی (١٩٠٧ء) ، ص ١٠٣٥ و (١٩١٣ء) ، ص ٩٧٩ (١٩١٣ء) ، ص ٩١٩ (١٩١٢ء) ، ص ١٢١ - پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا ، ص ٣٠١ - ٣٠٦ -

فصل دوم

ارضِ پاکستان میں آباد ہونے والی پہلوی یا پارتھی قوم

مسٹر راچودھری کا خیال ہے کہ جن دنوں یونانی ہندی بادشاہ ایوکر ٹیڈز زندہ تھا ، میتھراڈیٹس اول نے پنجاب کے کچھ حصے فتح کر لیے تھے (۱) - مسٹر راچودھری کا یہ خیال اگر صحیح بھی ہو تو ایسا لگتا ہے کہ میئوس موگا بادشاہ کے عہد میں پنجاب کے یہ حصے پارتھی قوم کی ملکیت سے نکل گئے تھے - یوں بھی پارتھی قوم سیاسی لحاظ سے پہلی سی حیثیت سے محروم ہو گئی تھی - غالباً اس لیے اس نے سکھیتی یا ساکا سر براہی تسلیم کر لی تھی اور ساکوں سے اپنی بیٹیاں بیاھنے لگی تھی -

مسٹر راچودھری ھی اس امر کے راوی ھیں کہ ارضِ پاکستان کے کتنے ھی سٹراپ مخلوط النسل تھے - ان میں سے کسی کا باپ ساکا تھا اور کسی کی ماں پہلوی تھی - خصوصیت سے پہلی صدی عیسوی میں تو گندھارا کے زیادہ تر سٹراپ پہلوی یا پارتھی تھے - کہا گیا ہے کہ جب سن ۴۴ بعد از مسیح میں تیانہ کا آپولو نیئوس ٹیکسلا آیا تو وھاں فروٹس نامی پارتھی یا پہلوی تخت نشین تھا اور نہ صرف وہ خود مختار تھا بلکہ پوری کی پوری ریاست گندھارا پر جو کابل و قندھار ، چترال ، باجوڑ اور بالائی وادیٔ سندھ پر مشتمل تھی ، اس کی حکمرانی تھی -

گنڈو فرنیس اور وادیٔ گندھارا

جس پارتھی بادشاہ نے تاریخ کے اس دور میں غیر معمولی شہرت پائی ھے وہ گنڈو فرنیس ھے ، جس کے دربار میں سینٹ تھامس پہنچے تھے اور اسے عیسائیت کی تبلیغ کی تھی - مسٹر راچودھری کی رو سے اگر یہ روایت صحیح ھے تو پھر گنڈو فرنیس کے پاس سینٹ تھامس سن ۴۷ میں

۱- پولیٹیکل ھسٹری آف اینشنٹ انڈیا ، ص ۳۰۹ -

آئے تھے (۱) -

فاضل اجل ونسنٹ سمتھ کے نزدیک گنڈو فرنیس سن ۲۰ میں تخت نشین ہؤا تھا اور اس نے ایزز ثانی کے تخت پر قدم رکھے تھے (۲) اور ارا کوسیہ اور سندھ کا ایک بڑا علاقہ فتح کر لیا تھا اور ایک بڑی وسیع حکومت قائم کی تھی -

مسٹر راچودھری کہتے ھیں ، ایسا معلوم ھوتا ھے کہ شروع شروع میں گنڈوفرنیس کی حکومت گندھارا پر مشتمل نہ تھی - وہ صرف افغانستان کا بادشاہ تھا ، لیکن اپنی حکومت کے چھبیسویں سال میں وہ ضلع پشاور تک آن پہنچا -

صرف وادیٔ پشاور تک

مسٹر را چودھری نے ٹیکسلا کو اس کی قلمرو میں شامل نہیں کیا ، ان کے خیال میں وہ ٹیکسلا تک نہیں آیا تھا (۳) لیکن مسٹر رالنسن ، سینٹ تھامس کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ھیں :

Thomas probably reached Taxila, by the well-known sea route from Alexandria to the mouth of Indus. He was hospitably received at the court of Gondopharnes, for Taxila was Cosmopolition centre of culture and accustomed to give a ready hearing to teachers from strange countries.

''سینٹ تھامس اغلباً ٹیکسلا پہنچے ، انھوں نے ایلگزنڈریہ کے مشہور سمندری راستے کے ذریعہ سندھ کے دھانہ تک رسائی پائی تھی - گنڈوفرنیس کے دربار میں ان کا خوب استقبال ہؤا کیونکہ ٹیکسلا ان دنوں بین‌الاقوامی تہذیبی مستقر کی حیثیت رکھتا تھا اور وھاں اجنبی اور بیرونی معلمین کے خیال و افکار بڑی توجہ اور انہاک سے سنے جاتے تھے (۴) -''

۱- اپالونیئوس ، باب ۱ ، فصل ۲۸ - باب ۲ ، فصل ۲۶ - ۳۱ -

۲- سمتھ ارلی ھسٹری آف انڈیا ، ص ۲۷۱ حاشیہ -

۳- پولیٹیکل ھسٹری آف اینشنٹ انڈیا ، راچودھری ، ص ۳۰۹ -

۴- انڈیا ، رالنسن ، ص ۹۲ -

ہم نے پروفیسر رالنسن کی کتاب انڈیا سے یہ اقتباس ، یہ ظاہر کرنے کے لیے پیش کیا ہے کہ نہ صرف یہ کہ ٹیکسلا گنڈوفرنیس کی قلمرو میں شامل تھا بلکہ یہ اس کا پایۂ تخت تھا اور یہیں سینٹ تھامس اسے عیسائیت کا پیغام پہنچانے آئے تھے -

گنڈو فرنیس اور ایزز ثانی

خود مسٹر راچودھری نے اسپا ورما سکوں سے یہ استشہاد کیا ہے کہ گنڈو فرنیس نے ایزز ثانی کے کئی اس سمت کے علاقے چھین لیے تھے-

ابڈاگیسز

ڈاکٹر مکرجی نے ایج آف اسپیریل یونیٹی میں تخت بائی سے دستیاب ہونے والی بعض اسناد کی بناء پر دعویٰ کیا ہے کہ گنڈو فرنیس ، گندھارا ریاست کا مالک تھا -

بعض گورنروں کے نام جو سکوں پر کندہ ہوئے

ڈاکٹر مکرجی نے بعض سکوں سے یہ رائے بھی قائم کی ہے کہ گنڈو فرنیس کے ساتھ شاہی اقتدار اور کاروبار سلطنت میں اس کا ایک بھتیجا ابڈاگیسز بھی شریک تھا اور جو غالباً سیستان اور قندھار کا نائب السلطنت تھا ، اور اس کے چچا گنڈو فرنیس نے اس کا نام نامی اپنے ساتھ سکوں میں کندہ کرانا ضروری جانا تھا - شاہی سکوں پرگنڈو فرنیس اور اس کے بھتیجے کے علاوہ بعض گورنروں اور سپہ سالاروں کے نام بھی کندہ کیے گئے ہیں ، جن سے ڈاکٹر مکرجی اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ لوگ بھی کاروبار سلطنت میں گنڈوفرنیس کے شریک تھے اور نہ صرف شریک تھے بلکہ خود کو بادشاہ ، حتیٰ کہ بادشاہوں کا بادشاہ لکھتے تھے - یہ طاقتور گورنر ، غالباً گنڈو فرنیس کے عہد میں نیم خود مختار تھے یا اتنے طاقتور تھے کہ گنڈوفرنیس نے ان کی ضمنی بادشاہت کو خوشی سے تسلیم کر لیا تھا - یہ بھی ممکن ہے کہ گنڈو فرنیس نے اپنے ان ماتحت گورنروں کو خود ہی یہ شاہانہ القاب بخشے ہوں - ڈاکٹر مکرجی کی رو سے سکوں پر جن گورنروں کے نام کندہ ہیں وہ حسب ذیل ہیں : سپیدنا ، ستاوسنزا ، اسپاورمن ، اندراورمن، ساسا - نہ صرف یہ کہ یہ لوگ سکوں میں گنڈوفرنیس کے شریک تھے بلکہ انھوں نے اپنے نام کے جداگانہ سکے بھی مسکوک کرائے تھے اور ان سکوں میں خود کو شاہِ شاہان ظاہر کیا تھا - اسپاورمن کے

متعلق کہا گیا ہے کہ وہ پہلے ایزز ثانی کے ساتھ شریک تھا ، بعد میں گنڈو فرنیس کا نائب السلطنت بنا ۔ بہر حال وہ اتنا طاقت ور تھا کہ اس نے اپنے نام کے سکے دونوں زمانوں میں یعنی ایزز ثانی کے عہد میں بھی اور گنڈو فرنیس کے زمانہ میں بھی مسکوک کرائے ۔ اسپا ورمن کے سکوں میں اس کا ایک بھانجا یا بھتیجا ساسا بھی شریک تھا ، یہ بھی گنڈو فرنیس کا ماتحت تھا اور اس کے بعد اس کے وارث کے دامن سے وابستگی اختیار کر لی تھی (۱)

ڈاکٹر مکرجی کا خیال ہے کہ گنڈو فرنیس نے پنجاب اور سندھ پر بالکلیہ تسلط نہیں حاصل کیا تھا ، ایزز ثانی اب تک پنجاب اور سندھ کے کئی علاقوں کا مالک تھا ۔

گنڈو فرنیس اور سینٹ تھامس

گنڈو فرنیس کا اقتدار پنجاب اور سندھ پر مکمل تھا یا نا مکمل ، اس بارے میں کچھ کہنا آسان نہیں ہے ۔ گنڈو فرنیس کے بارے میں جو بات پوری تحقیق سے کہی جا سکتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ وہ سینٹ تھامس حواریٔ مسیح کا ہم عصر تھا اور سینٹ تھامس اس کے دربار میں تشریف لائے تھے ۔ یہ روایت گو تیسری صدی عیسوی کی ہے اور پہلے پہل اعمال سینٹ تھامس نامی کتاب میں درج ہوئی ، تاہم اس کے مستند ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے (۲) ۔

مسٹر ونسنٹ سمتھ کی رو سے بادشاہ گنڈو فرنیس نے اپنے لیے ایک عجیب و غریب محل تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اور ھبان نامی سفیر کو جنوبی ہند بھیجا کہ وہاں سے کوئی غیر معمولی کاریگر اپنے ساتھ لائے ۔

اس ھبان کو سینٹ تھامس اچانک مل گئے ، جنھوں نے اسے یقین دلایا کہ وہ بڑے کاریگر ہیں ۔ ہو سکتا ہے کہ سینٹ تھامس ، سچ مچ بہت بڑے صناع ہوں یا انھوں نے تلمیحاً یہ بات کہی ہو ، بہر حال ھبان

۱۔ ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۱۳۰ ۔

۲۔ انڈیا رالنسن ، ص ۹۲ ۔ جے ۔ این فار کوھار ۔ جان ریلنڈ لائبریری بلٹین ۱۹۲۷ء ، ص ۲۰ ۔

سینٹ تھامس کو اپنے ساتھ جہاز میں سوار کرا کر ٹیکسلا لایا اور بادشاہ کے حضور پیش کیا ۔ بادشاہ نے محل تعمیر کرنے کی خدمت انہیں سونپ دی اور تعمیر شروع کرنے کے لیے کچھ رقم بھی دی ۔ یہ رقم سینٹ تھامس نے ساری کی ساری خیرات کر دی ۔ بادشاہ کو خبر ہوئی اور اس نے باز پرس کی تو سینٹ تھامس نے ساری بات صاف صاف کہہ دی اور عیسائیت کی تبلیغ کچھ اس قدر مؤثر انداز میں کی کہ نہ صرف گنڈوفرنیس نے عیسائیت قبول کر لی بلکہ گنڈو فرنیس کا بھائی گڈو بھی حضرت مسیح پر ایمان لے آیا ۔

فاضل اجل ونسنٹ سمتھ نے اس روایت پر خاصی کڑی تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ یہ بات محتاجِ تصدیق ہے کہ سینٹ تھامس گنڈو فرنیس کے پاس آئے تھے ۔ یوں انھوں نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ بعض بہت اونچے علماء نے اس روایت کو غلط نہیں سمجھا (۱) ۔

مسٹر راجودھری نے گنڈو فرنیس کے عیسائی مذہب قبول کرنے پر کوئی توجہ مبذول نہیں کی ۔ انھوں نے اپنا دائرۂ کار صرف یہ ثابت کرنے پر محدود رکھا ہے کہ ۶۰ یا ۸۰ بعد مسیح میں جب پیری پلس کا مصنف اس سمت آیا تو وادیٔ سندھ سے ساکا سربراھی ختم ہو چکی تھی اور اقتدار پارتھیوں کے پاس تھا ۔

یوں سر جان مارشل نے ٹیکسلا کے ایک کتبہ میں جو ۱۳۶ سال سے منسوب ہے ساکا بادشاھوں کے نام پڑھے ھیں اور یہ بات اس امر پر دال ہے کہ ساکا شمالی گندھارا میں ۱۳۶ تک برسرِ اقتدار تھے ، البتہ وادیٔ پشاور اور وادیٔ سندھ ان سے چھن گئی تھی (۲) ۔

گنڈو فرنیس نے بڑی لمبی عمر پائی تھی ۔ وہ ارضِ پاکستان کے پارتھی بادشاھوں میں سب سے بڑا بادشاہ تھا ، اس کی موت کے بعد سلطنت پارہ پارہ ہو گئی ۔ سیستان پر سینا بریس غالب آیا اور مغربی پنجاب اور قندھار پیکورنیز کے حصہ میں آئے ، اور پھر کشان بڑی شان و شکوہ کے ساتھ آگے بڑھ آئے اور پارتھی اقتدار کی کشتی بری طرح ڈول گئی ۔

۱- سمتھ ، ص ۳۴۷ - ۳۴۸ -

۲- پولیٹیکل ھسٹری آف اینشنٹ انڈیا ، ص ۳۱۰ -

ساتواں باب

کشان بادشاہت کا قیام

فصلِ اول

یوچی قوم کا نقل وطن

یہ کشان جو ارضِ پاکستان کی پہلی ، دوسری اور تیسری صدی عیسوی کی تاریخ کا اہم عنوان ہیں ، در اصل یوچی قوم کی اولاد (۱) ہیں جو مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے کوئی دو سو سال پہلے تک چینی ترکستان میں آباد تھی اور کنسو اور دیوارِ چین کے درمیانی علاقہ کی مالک تھی (۲) - چینی مؤرخین نے اس علاقہ کو سین ھونگ یا تن ھونگ اور کیلیٹی یا تین شان کا نام دیا ہے (۳) - فاضل رالنسن اور میسون اوورسیل کے نزدیک یہ ۱۷۴ قبلِ مسیح کا سال تھا اور ڈاکٹر مکرجی کی رو سے یہ ۱۶۵ قبلِ مسیح تھا - جب یوچی قوم کی تقدیر پر ، اس کے ھمسائے ھن یا ھیونگ نو بجلی بن کر گرے ، ان کے سردار کو مار ڈالا ، اس کی کھوپری کو جام کے طور پر استعمال کیا ، اور اسے مار مار کر چینی ترکستان سے نکال دیا -

مکرجی اور راچودھری کی رو سے یوچی قوم کی قیادت یوچی سردار کی بیوہ نے کی اور وہ اپنی شکست خوردہ قوم کو ھانکتی مغربی سمت لے آئی اور دریائے جیحوں و سیحوں کے علاقہ کو پار کرنے لگی - نقلِ وطن کے وقت پروفیسر ونسنٹ سمتھ کہتے ھیں ، اس قوم کی تعداد پچاس لاکھ اور ایک کروڑ کے مابین تھی جس میں ھر عمر کے لوگ تھے - بچے ، بوڑھے اور عورتیں بھی تھیں اور ایک لاکھ سے دو لاکھ تک کے افراد تیر اندازی میں بھی مہارت رکھتے تھے - یہ تیر انداز اپنے اس عظیم کاروان

۱- ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۱۳۶ - انڈین انٹیک ، ص ۱۲۲ -

۲- رالنسن انڈیا ، ص ۹۳ - اوورسیل اینشنٹ انڈیا اینڈ انڈین سویلیزیشن ، ص ۴۳ -

۳- ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۱۳۶ -

کے لیے راستہ ھموار کرتے ، اسے قدیم صحرائے گوبی یا تکلما کان میں لے آئے ، جہاں ووسن نامی قوم آباد تھی ۔ اس قوم کی تعداد یوچی کی نسبت کم تھی ، اس لیے وہ ھاری ، اس کا سردار قتل ھؤا اور یوچی جیتے، اور اس علاقہ کی چراگاھوں کو روندتے جھیل ایسک کل یا تسنگ تک جا پہنچے ۔ یہاں پہنچ کر یوچی دو حصوں میں بٹ گئے ، ایک جماعت نے تبت کی راہ اختیار کی اور تبت جا پہنچی اور دوسرا گروہ دریائے شیر کے علاقہ میں داخل ھؤا ، جہاں قبل الذکر ساکا آباد تھے ۔ یوچی نے ساکوں سے اس کا علاقہ چھین لیا اور خود وھاں بس گئے (۱) ۔

تقریباً ۱۴۰ سال قبلِ مسیح میں جب کہ یوچی کو دریائے سیحون کے علاقہ میں آباد ھوئے ، ایک روایت کی رو سے ۲۴ سال ھوئے تھے اور دوسری کی رو سے پندرہ سال بیتے تھے کہ وہ ووسن قوم جسے یوچی نے صحرائے تکلما کان میں شکست دی تھی ، آندھی کی طرح پر تولتی یوچی آبادیوں پر آ گری ۔ اس کی قیادت مقتول ووسن سردار کا نوجوان بیٹا کر رھا تھا ، جس نے ھنوں کے ھاں پناہ لی تھی ۔ غالباً کچھ جواں مرد ھن بھی اس کے ساتھ تھے ۔ یوچی کثرتِ تعداد کے باوجود ووسن سے ھارے اور اس زرخیز سرزمین کو چھوڑ دیا جسے انھوں نے ساکا سے چھینا تھا ۔

یوچی قوم بلخ و بخارا میں پہنچی

گویا دوسرے لفظوں میں یوچی قوم ایک بار پھر ترکِ وطن پر مجبور ھوئی اور نئے وطن کو چھوڑ کر ارضِ باختر یا بلخ و بخارا کی طرف آئی اور ساکوں کو جو پندرہ بیس سال سے یہاں آباد ھو گئے تھے ، یہاں سے چلتا کیا ۔ اب ارضِ باختر ان کی تھی ، اس کی چراگاھیں ، اس کے زرخیز و شاداب میدان اور گھنے جنگل سب کے سب، اس کے ھو گئے تھے ۔

پروفیسر ونسنٹ سمتھ کی رو سے ، یوچی قوم اب خانہ بدوش نہ رھی تھی وہ آبادکار بن گئی تھی اور بخارا یا صفدانیہ کو پایۂ تخت بنا کر ایک متمدن حکومت کی طرح ڈال دی تھی (۲) ۔

۱۔ ھیرو ڈوٹس باب ۳ ۔ فصل ۹۳ ۔

۲۔ سمتھ ارلی ھسٹری آف انڈیا ، مطبوعہ حیدرآباد ، ص ۲۷۴ ۔

ڈاکٹر مکرجی کا بیان ہے کہ جب چینی سفیر چانگ کین ، ۱۲۵ قبل مسیح میں بخارا پہنچا تھا اس وقت بخارا یوچی قوم کا پایۂ تخت تھا (۱) -

پورے ایک سو سال بعد پن کو نامی چینی نے ھن قوم کی جو تاریخ مرتب کی اس سے معلوم ھوتا ہے کہ یوچی قوم کا پایۂ تخت دریائے سیحون کے شمال میں کن شی نامی شہر میں تھا اور وہ پانچ چھوٹی چھوٹی سلطنتوں میں منقسم ہو چکی تھی -

ڈاکٹر مکرجی نے چینی روایات سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یوچی بستیاں دریائے سیحون کے دونوں کناروں پر واقع تھیں -

مسٹر راچودھری نے پن کو کو چینی مؤرخ کے واسطے سے جس (۲) نے ۹۲ قبل مسیح میں اپنی کتاب مرتب کی تھی جن پانچ یوچی سلطنتوں کے نام دھرائے ھیں ، ان میں سے پہلی واخان تھی ، دوسری چونگ مو ، چترال تھی اور تیسری کشان تھی جو چترال اور پنج شیر کے مابین واقع تھی ، چوتھی کا نام ھیون تھا اور پانچویں کوپھو (کابل) تھی (۳) -

فاضل ونسنٹ سمتھ کی رو سے یوچی قوم کی ایک سو سال کی تاریخ کے بارے میں کچھ حتمی طور پر کہنا بہت مشکل ہے - البتہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ان سو سالوں میں یوچی قوم کے یہ پانچ خاندان جو فاضل ونسنٹ سمتھ کی رو سے ۱۴۰ قبل مسیح میں پچاس لاکھ افراد پر مشتمل تھے ، باختریہ سے لے کر پنج شیر ، کابل ، چترال اور کافرستان کے علاقے میں پھیل چکے تھے -

---

۱- ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۱۳۷ -

۲- پولیٹیکل ھسٹری آف اینشنٹ انڈیا ، ص ۳۱۲ -

۳- ایضاً ، ص ۳۱۳ - ایج آف امپیریل یونیٹی ص ۱۳۷ -

فصل دوم

گندھارا کے کشان

کڈفائسس اول سے کڈفائسس دوم تک

یہ کڈفائسس دوم تھا جس نے ٹیکسلا کو مستقر بنا کر بنارس تک کی سر زمین کو روند ڈالا تھا

کڈفائسس اول کا سنہری عہد

فان یی چینی مؤرخ کے بیان پر اگر بھروسہ کیا جائے تو جب یوچی قوم کو مذکورہ بالا علاقہ میں آباد ہوئے سو سال گزر چکے تھے اور یہ ونسنٹ سمتھ کی رو سے حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے بعد کا پندرھواں سال تھا جب کیویو چونگ (کوشان) قبیلہ کا سردار، کیئو سیئو کیئو "کڈفائسس اول" نے زور پکڑا اور چار سلطنتوں پر حملہ آور ہو کر چاروں یوچی خاندانوں کو ایک سیاسی شیرازہ میں پرو لیا اور پنج شیر سے لے کر کابل، چترال، کیپین، کشمیر، کافرستان اور پارتھیا کے علاقہ کا مالک بن گیا۔

مسٹر ونسنٹ سمتھ اس امر کے بھی راوی ہیں کہ کڈفائسس اول نے اسی سال کی عمر پائی تھی اور اپنے طویل عہدِ حکومت میں باختر سے لے کر سندھ اور جہلم کی سر زمین پر غالب آ گیا تھا (۱)۔

باختر سے لے کر سندھ اور جہلم کی سرزمین تک

ڈاکٹر مکرجی نے جن شہادتوں پر بھروسہ کیا ہے، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وادیٔ سندھ کا علاقہ کڈفائسس اول کے جانشین کڈفائسس ثانی نے فتح کیا تھا۔ بہر حال کڈفائسس اول کشان سربراہی کا پہلا بانی ہے۔ اس نے یوچی قوم کو آگے بڑھایا اور کابل کے یونانی بادشاہ ہرمائیوس کے ساتھ اس کی حکومت میں پہلے تو ایک ماتحت کی حیثیت سے شرکت کی

۱۔ سمتھ ارلی ھسٹری آف انڈیا، مطبوعہ حیدرآباد، ص ۳۷۶۔

اور پھر اس کی جگہ لے لی ۔

ڈاکٹر مکرجی کہتے ہیں کہ کڈفائسس اول وہی کجالا ہے جس کا نام بادشاہ کابل ہرمائیوس کے ساتھ ان سکوں میں کندہ پایا گیا ہے جو ہندوکش کے جنوب میں مسکوک ہوئے تھے ۔ ان سکوں میں بادشاہ کابل ہرمائیوس کا نام یونانی میں رقم ہے اور سیدھی طرف ہے اور کجالا کا نام پشت پر ہے اور خروشتی زبان میں ہے (۱) ، جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کجالا شروع میں ہرمائیوس کا ماتحت یا نائب السلطنت تھا اور چونکہ خاصا طاقتور تھا ، اس لیے ہرمائیوس نے اس کی خدمات حاصل کر لی تھیں اور اسے اپنا نائب السلطنت بنا لیا تھا ۔ ہو سکتا ہے وہ اس کا سپہ سالار بھی ہو ۔

کڈفائسس کے سکے

ڈاکٹر مکرجی کی رو سے ان سکوں میں کڈفائسس اول کے بارے میں یہ عبارت رقم کی گئی ہے ۔

,,کجالا ، کاساسا ، کشانہ ، یاووگاسا ، دھرما ، تھیداسہ ''

کجالا ، کاسا ، کشانہ ، سردار جو دھرم میں ثابت قدم اور پختہ ہے ۔

یہ عبارت جہاں اس امر کی دلیل ہے کہ کڈفائسس اول کی حیثیت اس وقت کشانہ سردار اور یونانی بادشاہ کے ماتحت کی تھی وہاں اس بات کی شہادت بھی دیتی ہے کہ کشان سردار کڈفائسس اول نے بدھ دھرم قبول کر لیا تھا اور یہ بات اس کے اچھے اعمال میں تصور کی گئی تھی ۔

ڈاکٹر مکرجی کا خیال ہے کہ یہ کڈفائسس اول کی نوجوانی اور ابتدائی عمر کے سکے ہیں اور اس وقت وہ محض کشان سردار تھا ، بادشاہ نہ تھا ۔ ہمارے نزدیک سکوں میں اس کے نام کی شمولیت اس کی سیاسی برتری کی ایک واضح دلیل ہے ۔ کم سے کم اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سیاسی ترقی کی منزل کی طرف بڑی تیزی سے بڑھ رہا تھا ۔ اس نے سیاسی برتری کی یہ منزل کس عمر میں حاصل کی ، اس کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں ہے ۔ اس کے بعد کے سکے صرف اس امر کی وضاحت کرتے ہیں کہ جب وہ مرا تو اس کے سکوں پر اس کا نام یوں لکھا گیا

۱۔ ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۱۳۸ ۔

تھا ، مہاراجسا ، مہاتاسہ ، کشانہ کیولہ ، کپھاسہ (۱) -

پروفیسر رالنسن کا بیان ہے کہ کڈفائسس یا کڈافا نے ہرمائیوس سے گندھارا کی حکومت زبردستی چھینی تھی اور آہستہ آہستہ ، اس علاقہ کے یونانی ، پارتھی اور ساکا رجواڑے ایک ایک کر کے بالکل ختم کر دیے تھے (۲) -

کڈفائسس

کڈفائسس اول نے اسی سال کی عمر پائی اور پچاس برس تک حکومت کی - ۱۵ء میں تخت نشین ہؤا اور ۶۵ء میں مرا -

کڈفائسس اول کی موت کے بعد اس کا بیٹا کڈفائسس ثانی کے لقب سے تخت نشین ہؤا - رالنسن نے اس خیال کی تائید کی ہے کہ کڈفائسس ثانی (Kadpheses II) تھا ، جس نے دراصل پنجاب ، سندھ ، گجرات ، کاٹھیاواڑ اور وسطی ہند تک کشان قلمرو کی حدود وسیع کی تھیں - ڈاکٹر مکرجی نے اس سلسلہ میں چینی مؤرخ فان یی کی شہادت پیش کی ہے -

کڈفائسس نے وسطی ہندوستان پر یلغار کی

چینی مؤرخ فان یی کڈفائسس کو "ویما" "ین" کا نام بھی دیتا ہے - سکوں پر اس کا نام Kao-tchen رقم ہے - اس چینی مؤرخ نے بھی کڈفائسس ثانی کی جھولی میں ہندوستان کی فتح کا شرف ڈالا ہے - اس بادشاہ نے اپنے عہد میں دو قسم کے سکے مسکوک کرائے تھے ، پہلی قسم سونے کے سکوں کی تھی اور دوسری تانبے کی - ان سکوں پر کڈفائسس کا نام خروشتی رسم الخط میں اس طرح کندہ ہے -

> مہاراجاسا ، راجہ دیرا جاسہ ، ساروا ، لوگا اسوارسہ ، ماہسوارسہ ، ورما ، کاتھ فیساسا ، ٹراٹا راسہ ، یعنی کہ ویما کاتھا فیسا عظیم بادشاہ ، بادشاہوں کا بادشاہ ، ساری دنیا کا مالک ہے -

ڈاکٹر مکرجی کا خیال ہے کہ کڈفائسس ثانی اپنے باپ کڈفائسس اول کے برعکس شیوا دھرم کا پابند تھا اور یہ بات اس کے سکے پر کندہ لفظ

۱- ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۱۳۸ -

۲- رالنسن انڈیا ، ص ۹۳ -

''ماهسواراسه'' سے ظاهر هوتی هے (۱) -

کڈفائسس کی حکومت وادیٔ سندھ ، پنجاب ، راجپوتانه اور وادیٔ گنگا کے شهر غازی پور تک پهیل گئی تهی

فاضل ونسنٹ سمتھ کے نزدیک یه باور کرنے کے خاصے معقول وجوہ هیں که کڈفائسس ثانی نه صرف وادیٔ سندھ ، پنجاب اور راجپوتانه کا مالک تها بلکه اس نے اپنے حدودِ سلطنت بنارس تک وسیع کر لیے تهے اور اس کی طرف سے اس کے نائب السلطنت اس حصۂ ملک پر حکومت کرتے۔ اس کے ان هی نائبین سلطنت نے وہ سکے مسکوک کرائے ، جو وادیٔ گنگا کے شهر غازی پور سے لے کر بنارس تک اور پهر کچھ اور کاٹهیاواڑ کے متعدد مقامات سے بکثرت دستیاب هوئے هیں (۲) -

سمتھ هی کا بیان هے که کڈفائسس ثانی ۵۵ء میں حکمران هؤا اور تینتیس برس حکومت کی تهی - سرکننگهم نے تینتیس سال کی بجائے چالیس سال بیان کیے هیں -

---

۱- ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۱۴۰ -

۲- سمتھ ، ص ۲۷۸ -

فصل سوم

کنشک نے پشاور کو پایۂ تخت بنا کر وسطی ہندوستان کے شہر گورکھ پور تک حکومت کی ۔ وہ وادیٔ گندھارا ، پنجاب ، کشمیر ، سندھ اور وسطی ہندوستان کا مالک تھا

پروفیسر رالنسن کی رو سے ، کانشکا یا کنشک کشان حکمرانوں میں نہ صرف سب سے بڑا بادشاہ ہے بلکہ تنہا وہ کشان ہے ، جس کے بارے میں ہمیں صحیح معلومات حاصل ہوئی ہیں ۔ اس کے باوجود ، پروفیسر رالنسن نے اس اختلاف کا اعتراف کیا ہے جو کنشک کے زمانہ سے متعلق علمائے تاریخ میں موجود ہے ۔ یوں پروفیسر رالنسن کے نزدیک قرینِ دانش بات یہ ہے کہ کنشک ۱۲۰ء بعد از مسیح میں تخت نشین ہؤا تھا اور ۱۶۲ء تک حکومت کی تھی (۱) ۔

ڈاکٹر مکرجی کے نزدیک ، کنشک کی تخت نشینی کا زمانہ ۶۵ یا ۷۵ بعد از مسیح ہے ۔ ڈاکٹر مکرجی نے کنشک کی تخت نشینی کو اس مدت سے متعلق کرنے کے ساتھ ساتھ بعض علماء کی یہ رائے بھی نقل کی ہے کہ کنشک ۷۸ء میں تخت نشین ہؤا تھا اور ۱۰۲ء میں مرا تھا ۔

ڈاکٹر مکرجی نے ان علماء کو حق بجانب نہیں سمجھا جو کنشک کا زمانہ ۲۴۸ء اور ۲۷۸ء کے مابین ٹھیراتے ہیں ۔ ڈاکٹر مکرجی کے نزدیک ایسے علماء کی تعداد بھی کافی (۲) ہے جو اس خیال کی حامی ہے کہ کنشک ۱۳۰ء سے تھوڑے دن پہلے تخت نشین ہؤا تھا اور ڈاکٹر فلیٹ کا تو خیال ہے کہ کنشک ، کشان بادشاہاں کڈفائسس اول و دوم سے پہلے تخت نشین ہؤا تھا ۔ کننگھم اور ڈوسن جیسے علمائے تاریخ نے اسے

۱- رالنسن انڈیا ، ص ۹ ۔

۲- ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۱۴۵ - ۱۴۶ ۔

صحیح تسلیم کر لیا ہے ۔

مسٹر راچودھری نے مارشل ، سٹین ، سمتھ اور دوسرے علمائے تاریخ کو اس گمان کا خالق ٹھیرایا ہے کہ کنشک ۱۲۵ء میں تخت نشین ہؤا تھا (۱) ، حالانکہ سمتھ بڑے اصرار کے ساتھ کنشک کی تخت نشینی کو پہلی صدی عیسوی کے آخری حصہ کا وقوعہ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سکوں کی شہادت سے اس کے سوا اور کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ کنشک کڈفائسس دوم کے بعد ۷۸ء میں تخت پر بیٹھا تھا (۲) ۔

بلاشبہ کنشک کڈفائسس دوم کا بیٹا نہ تھا بلکہ کسی دوسرے شخص وجتشپ نامی کا بیٹا تھا ، لیکن چونکہ کڈفائسس دوم اور کنشک کے زیادہ تر سکے ایک ہی جگہ سے دستیاب ہوئے ہیں اور دونوں کی شکل و صورت قطعاً ایک جیسی ہے ، وزن بھی ایک جیسا ہے اور دوسری خصوصیات بھی ایک سی ہیں اس لیے ونسنٹ سمتھ کہتے ہیں کہ دونوں بادشاہوں کا زمانہ یکے بعد دیگرے ہے ۔ فاضل ونسنٹ سمتھ کے نزدیک وہ علمائے تاریخ حق بجانب نہیں ہیں جو کنشک اور اس کے ورثاء کا عہد کڈفائسس اول و ثانی سے پہلے ٹھیراتے ہیں (۳) ۔

فاضل سٹین کونوو Sten Konow کے خیال میں کنشک (کانشکہ) ختن کا رہنے والا تھا اور یوچی قوم کے اس گروہ کا فرد تھا جو ایک سو سال پہلے باختر سے چل کر تبت میں آباد ہو گیا تھا اور یوچی صغیر کے نام سے موسوم تھا (۴) ۔ یوں مسٹر ونسنٹ سمتھ کے نزدیک کنشک کڈفائسس دوم کا قرابت دار تھا ۔

مسٹر راچودھری نے سٹین کے خیال کی تردید کی ہے اور اس بات پر زور دیا ہے کہ کنشک یوچی کے بڑے قبیلے کا فرد تھا اور کشان میں سے تھا (۵) ۔

۱۔ پولیٹیکل ہسٹری آف انڈیا ، ص ۳۱۷ ۔

۲۔ سمتھ ، ص ۳۸۶ (مطبوعہ حیدرآباد) ۔

۳۔ سمتھ ، مطبوعہ حیدرآباد ، ص

۴۔ کورپوس جز ۲ ص ۲۶ ۔

۵۔ راچودھری ، پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا ، ص ۳۲۲ ۔ سمتھ ، ص ۳۸۹ ۔

کنشک کے سکے گورکھ پور اور غازی پور سے برآمد ہوئے ہیں

کئی چینی مؤرخ اس امر کے قائل ہیں کہ کنشک نے بالائی سندھ کے کافی علاقے فتح کر لیے تھے ، اس کا پایۂ تخت پشاور تھا ، اس کے حدودِ سلطنت ایک طرف تو بھاولپور تک پھیلے تھے اور دوسری سمت متھرا سے لے کر سرناتھ تک دراز تھے ۔ اس بات کا ثبوت ان سکوں سے بھی ملتا ہے جو گورکھ پور اور غازی پور کے علاقے سے دستیاب ہوئے ہیں (۱) ۔

فاضل ونسنٹ سمتھ کا گمان ہے کہ وادیٔ سندھ میں کنشک کی حکومت سندھ کے دھانوں تک پھیل گئی تھی اور یہ کنشک تھا جس نے کشان بادشاھوں میں پہلے پہل کشمیر فتح کیا تھا ، اسے کشمیر سے بہت محبت تھی اور اس محبت کے ثبوت میں اس نے وھاں بہت سی عمارات تعمیر کرائیں ۔ ایک شہر بھی بسایا ، جسے اپنے نام کی رعایت سے کنشک پورہ کا عنوان دیا ۔ راج ترنگنی کے عہدِ تصنیف میں یہ شہر موجود تھا ، جو کنشک پور کی بجائے کنسپور کہا جاتا تھا اور اس شاھراہ پر آباد تھا جو (۲) بارہ مولا سے سرینگر کو ان دنوں ملاتی ہے ۔

سٹین نے ھیون سانگ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ کنشک کے حدودِ سلطنت اس سمت ، تسنگ لنگ کے پہاڑوں تک وسیع تھے اور پشاور سے لے کر سطح مرتفع پامیر تک کا علاقہ اس کے ماتحت تھا ۔ اس نے کاشغر ، یار قند ، اور ختن پر چڑھائی کی تھی ، اور ان دنوں ان پر چینی بادشاہ کی حکومت تھی ۔

سٹین ھی راوی ہے کہ کنشک نے ان مقامات پر دو بار چڑھائی کی تھی پہلی بار بہت بری طرح ناکام ھؤا تھا لیکن دوسری بار اسے نہ صرف کامیابی نصیب ھوئی بلکہ وہ چین کے ھن خاندان کے بہت سے سربرآوردہ لوگوں کو یرغمال کے طور پر پکڑ کر اپنے ساتھ لے آیا تھا اور اپنی سلطنت کی حدیں پامیر کی بلندیوں تک پہنچا دی تھیں (۳) ۔ فاضل ونسنٹ سمتھ کے

۱۔ پولیٹیکل ھسٹری آف اینشنٹ انڈیا ، ص ۳۲۳ ۔
۲۔ راج ترنگنی ترجمہ سٹین باب اول ، ص ۱۶۸ - ۱۷۱ ۔
۳۔ سٹین اینشنٹ ختن ، ص ۲۷ - ۸۷ ۔ انڈین انٹی کیوئری ۱۹۱۲ ، ص ۲۲۶ ۔

نزدیک یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ ان یرغمالوں (۱) میں چین کے شہنشاہ کا کوئی بیٹا بھی تھا البتہ وہ اس امکان کو تسلیم کرتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ شہزادہ کا شغر سے ملحقہ ملک کا ہو۔

پشاور کا یہ تاجدار پاٹلی پترا پر حملہ آور ہؤا

بہر حال کنشک ارضِ مغربی پاکستان کے تاجداروں میں پہلا وہ تاجدار ہے ، جس نے کاشغر ، ختن ، یارقند اور اس سے ملحقہ علاقہ فتح کیا تھا ۔ کنشک کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نے پاٹلی پترا پر بھی حملہ کیا تھا ۔

پروفیسر رالنسن کی رو سے کنشک کی زندگی کا سب سے اہم واقعہ اس کی تبدیلیٔ مذہب ہے (۲) ۔ ونسنٹ سمتھ کا بیان ہے کہ اوائل عمر میں ، کنشک بدھ مذہب کا مذاق اڑاتا اور اسے لچر اور ناقابلِ عمل سمجھتا تھا ، لیکن غالباً پاٹلی پترا پر حملہ کے بعد جن بدھ علماء نے اس کے دربار کا رخ کیا ، ان میں پروفیسر رالنسن کی رو سے اسوا گھوشا نامی ایک بڑا عالم بھی تھا ، یہ برہمن عالم ابودھیا کا رہنے والا تھا اور بدھ مت کا تابع تھا ۔

کہا جاتا ہے کہ اسوا گھوشا بیک وقت بڑا اونچا فلسفی ، زبان آور خطیب ، ادیب ، ڈرامہ نویس اور موسیقار تھا ۔ وہ کنشک کے دربار میں پہنچا تو کنشک کے دل و دماغ کو اپنے عالمانہ اور فاضلانہ چنگل میں جکڑ لیا ۔ اسوا گھوشا کے سبب کنشک نے نہ صرف بدھ مذہب قبول کیا بلکہ اس کی تلقین و تبلیغ کی وجہ سے بدھ مذہب میں وہی حیثیت حاصل کر لینے کی جستجو کی جو مہاراج اشوک کو کبھی پہلے نصیب ہوئی تھی ۔ اس وقت بدھ مذہب شمال مغربی علاقہ میں خاصا مقبول مذہب تھا ، خصوصیت سے کشمیر، چترال اورگندھارا کے اس سمت کے علاقے تو اس سے بہت متاثر تھے۔ کنشک نے مذہب تبدیل کیا تو اس کا اور بھی بہتر اثر پڑا اور بدھ مت نے کشان شہنشاہ کے مذہب کی حیثیت سے پہلے سے کہیں زیادہ ہردلعزیزی پائی ۔ جگہ جگہ نئی خانقاہیں تعمیر ہوئیں ۔ نئے سٹوپے عالمِ وجود میں

۱- سمتھ ، ص ۳۹۶ - ۳۹۹ مطبوعہ حیدر آباد ۔

۲- رالنسن انڈیا ، ص ۹۵ - ۹۶ ۔

آئے اور بدھ مذھب کے مبلغ ، گلی گلی اور کوچے کوچے اپنے دین کا پرچار کرتے دکھائی دیے۔

بدھ مذھب کی اصلاح کی جد و جہد

کنشک نے بدھ مت کی اصلاح کی خاطر بدھ علماء کی ایک بڑی کانفرنس بھی طلب کی ۔ یہ کانفرنس کشمیر کے ایک مقام کندلون یا کنڈا لوانا کے مقام پر منعقد ہوئی ۔ ونسنٹ سمتھ کی رو سے یہ بدھ مت کی چوتھی اور آخری بڑی مجلس تھی ، جس میں بدھ دھرم کے پانچسو بڑے علماء شریک ہوئے ۔ جو ہندوستان کے مختلف مقامات سے آئے تھے ۔ سیلون کے کسی نمائندہ کو اس میں شرکت کی دعوت نہ دی گئی تھی ۔ خود بادشاہ کنشک ، اس مجلس کے غور و فکر میں حصہ لینے کے لیے کنڈا لوانا پہنچا اور جب تک یہ مجلس منعقد رہی ، بادشاہ پشاور نہیں لوٹا ۔

بدھ کانفرنس

ڈاکٹر رالنسن کی رو سے ، مشہور بدھ عالم پرسوا اور سمتھ کے بیان کے مطابق باسومترا اس کا صدر بنا ، نائب صدارت پنڈت آسوگھوش نے کی ۔ مجلس کے اجلاس برابر چھ ماہ تک ہوتے رہے ۔ وسوامترا اور ناگارجونا نے بھی مباحث میں دلچسپی لی ، چھ ماہ کی مسلسل بحث و تمحیص کے بعد ، بدھ مت کی ایک انسائیکلوپیڈیا بہ عنوان مہاوبھاسہ مرتب کی گئی۔

ھیون سانگ چینی سیاح کا بیان ھے کہ بادشاہ کنشک نے اس مجلس کی بحث و تمحیص اور نتائج و افکار کو تانبے کی چادروں پر کندہ کرایا ، اور انہیں مہر بند کر کے ایک سٹوپ میں رکھوا دیا (۱) ۔

گمان کیا جاتا ھے کہ سٹوپ میں یہ چادریں جوں کی توں اب تک موجود ھیں ، اور کسی ایسے وقت کی منتظر ھیں جب کسی متلاشی کی گرفت ان تک دراز ہو ۔

فاضل سمتھ کے نزدیک یہ مجلس ، ۱۰۰ء میں منعقد ہوئی تھی اور خالص مذھبی مجلس تھی ، منگولیا کی ایک روایت اس امر کی بھی مدعی ھے کہ اس مجلس میں بدھ مہاتما کے اقوال بھی مرتب ہوئے تھے (۲) ۔

۱۔ ویٹرس جلد اول ، ص ۲۷۰ - ۲۷۸ بیل جلد اول ، ص ۱۱۷ - ۱۵۱ - تککسو۔ جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی (۱۹۰۵) رالنسن انڈیا ، ص ۹۶

۲۔ سمتھ ص ، ۳۰۵ - ۳۱۴ - حاشیہ مطبوعہ حیدر آباد

پشاور میں ایک عظیم بدھ خانقاہ کی تعمیر

ڈاکٹر مکرجی البیرونی اور ہیون سانگ کے حوالے سے ایک عظیم بدھ خانقاہ کا ذکر کرتے ہیں جو کنشک نے بدھ مت کی تبلیغ کی خاطر، پشاور میں تعمیر کی تھی۔ جو نہ صرف کنشک کے عہد میں بدھ دنیا کی سب سے بڑی خانقاہ تھی اسے متواتر نویں صدی عیسوی تک بدھ مت کی سب بڑی تعلیم گاہ اور سب سے عظیم علمی مستقر کی حیثیت نصیب رہی۔

تیرہ منزل کا مینار

اس خانقاہ کے ساتھ، کنشک نے ایک زبردست مینار بھی تیار کیا تھا جو دنیا کے عظیم اور نادر عجائبات میں سے تھا۔ لکڑی سے بنا ہؤا یہ مینار، چار سو فٹ اونچا تھا اور اس کی تیرہ منزلیں تھیں اور آخری چھت پر لوہے کا کلس بنایا گیا تھا۔ کنشک نے اس عجوبہ مینار میں مہاتما بدھ کے تبرکات اور بدھ رشیوں اور راھبوں کی یادگاریں جمع کر دیں۔ فاضل رالنسن کی رو سے اس مینار کی چودہ منزلیں تھیں اور لمبائی چھ سو فٹ سے بھی زائد تھی۔

چھٹی صدی عیسوی کے ایک چینی زائر سنگ ین کا بیان ھے کہ اس مینار میں تین بار آگ لگی اور تینوں بار اس وقت کے بادشاہ نے اس کی از سرِ نو تعمیر کی۔ یہ مینار مہاتما بدھ کے ان بتوں کا مرکز بھی تھا، جو ان کے ماننے والے صناعوں نے ملک کے گوشہ گوشہ میں تعمیر کیے تھے (۱)۔

پروفیسر رالنسن کہتے ھیں کہ یہی وجہ تھی کہ محمود غزنوی نے جب پشاور میں راہ پائی، تو اس مینار اور اس سے ملحق خانقاہ کی تباھی پر سب سے زیادہ توجہ کی اور بت شکنی کا آغاز، سب سے پہلے یہیں کیا(۲)۔ گو تاریخ نے واضح الفاظ میں اس بدھ خانقاہ کی تباھی و بربادی کی تفصیل بیان نہیں کی لیکن گمان غالب ھے کہ محمود غزنوی کے عہد میں یہ زمین کے ساتھ ہموار ہو چکی تھی۔ اس خانقاہ کا ذکر ھیون سانگ نے بھی کیا ھے۔ ایم فوشر نے بڑی جستجو کے بعد اس مقام کی نشان دھی کی ھے جہاں یہ

۱- بیل ریکارڈز جلد اول، ص ۱۰۳ وٹیرس جلد اول، ص ۲۰۱ شینز جلد ۱۳، ص ۶۲ -

۲- رالنسن، ص ۹۹ (انڈیا) جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی (۱۹۰۸)، ص ۱۰۹ -

مینار اور خانقاہ واقع تھی ۔ ایم خوشر کی نشان دہی پر محکمہ آثارِ قدیمہ نے اس جگہ کو کھودا تو خانقاہ کی بنیاد مل گئی اور اس بنیاد میں کنشک کا ایک کتبہ اور عجائبات سے بھرا ہؤا ایک ڈبہ دفن تھا (۱) ۔

ڈاکٹر مکر جی کہتے ہیں ، کنشک علوم و فنون اور تہذیبی جدو جہد کی خوب سرپرستی کرتا ۔ وہ علماء اور فضلاء کا بڑا قدردان تھا اس کے دربار میں نہ صرف بدھ علماء اسوا گھوشا ، پرسوا اور واسو (باسو) مترا کی بڑی قدر و منزلت تھی بلکہ فاضل اجل سنگھارا کشا اور ناگاراجونا بھی بہت مقبول تھے۔ چرکہ نامی ایک طبیب حاذق نے تو کنشک کے ہاں بڑا رسوخ پایا تھا ۔ غیر معمولی صلاحیتوں کا ایک سیاست دان کنشک کا وزیر تھا ، ایک یونانی ، ماہر فنِ تعمیر آگ سیلوس گو میرِ تعمیرات تھا ، لیکن کنشک کے دل و دماغ پر حاوی تھا ۔

کنشک کے سکوں سے کنشک کی مذہبی رواداری ظاہر ہوتی ہے

ڈاکٹر مکرجی کی رائے ہے کہ آگ سیلوس اور اسی قسم کے دوسرے علماء ، فضلاء کنشک کے عہد کی تہذیبی ، تمدنی اور علمی جد و جہد اور سرگرمیوں کے روح رواں تھے (۲) ۔

گو کنشک بدھ مذہب کا سرگرم مبلغ اور اس کا پرچارک تھا ، اس کے باوجود اس کے متعدد سکوں پر یونانی ، سومیری، عیلامی، ایرانی اور ہندوستانی معبودوں اور بتوں کی تصاویر بھی کندہ ہیں ۔ ان معبودوں میں ، شیو پہلا معبود ہے ، دوسرے سکیامنی مہاتما بدھ ہیں اور تیسرے ہواؤں کے ایرانی دیوتا اودو یا ہندوستانی ''وتہ'' ہیں ۔ ان کے علاوہ آگ کے ایرانی دیوتا ایرانی آتھشو ، ''آتشہ'' ، چاند دیوتا ماؤ ، سورج دیوتا میرو ، (ایرانی مہر) ، ہندوستانی ''مترا'' کی تصاویر بھی کھدی ہیں ۔کچھ سکوں پر عیلامی دیوتاؤں میں سے ماتا دیوی نینا کی تصویر بنی ہے ۔ یہی بلوچستان کی ''نینی'' دیوی اور وادیٔ کلو کی نینا دیوی ہے ۔ ان کے ماسوا جنگ کے ایرانی دیوتا بہرام اور آگ کے دیوتا فار، یونانی سورج دیوتا ہیلیوس اور چاند دیوی

۱- سمتھ ، ص ۳۹۵ (مطبوعہ حیدر آباد) ۔
۲- ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۱۴۷ ۔ جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ، (۱۹۱۲ء) ص ۱۰۰۳ - ۱۰۰۴ ۔

سیلسن بھی کہیں کہیں براجمان نظر آتی ھے ۔

ڈاکٹر مکرجی کا خیال ھے کہ کنشک کے مسکوک کیے ھوئے سکوں پر ان متعدد دیوتاؤں کی تصاویر کندہ ھونے کے معنی یہ ھیں کہ کنشک بدھ ھونے کے باوجود انتہائی وسیع الظرف اور روادار تاجدار تھا ۔ یوں ان متعدد بتوں کے کندہ ھونے کی ایک وجہ یہ بھی ھو سکتی ھے کہ کنشک نے ان سکوں کو مسکوک کر کے اپنی مختلف المذھب رعایا کے مذھبی جذبات کی ترجمانی کی تھی اور ان کے مختلف المذھب ھونے کی خبر دی تھی (۱) ۔ ونسنٹ سمتھ کے نزدیک کنشک خود بھی بدھ دھرم قبول کر لینے کے باوجود ابھی تک بت پرست تھا اور ان سب بتوں کی پرستش کرتا تھا جن کی تصویریں سکوں پر مسکوک کی گئی ھیں ۔

بدھ دھرم کو نئی شکل ملی

ونسنٹ سمتھ کا خیال ھے کہ بت پرست کنشک کے عہد میں بدھ دھرم پہلے کی نسبت بہت بدل گیا تھا ۔ اب مہاتما بدھ کو ایک دیوتا کی حیثیت حاصل ھو گئی تھی اور بدھ دھرم کی نئی شکل مہایان نے تو بت پرستی کو مذھبی شعار کی حیثیت دے دی تھی ۔ یوں بھی اب بدھ دھرم وہ پہلے سا دھرم نہ رھا تھا جو بت پرستی کو عیب سمجھتا ۔ نئے مذھب نے زرتشتی ، عیسائی ، ناسٹک اور یونانی عناصر سے بہت تاثر قبول کیا تھا ، سچ پوچھا جائے تو کنشک نے جس بدھ دھرم مہایان کو قبول کیا وہ ھندی ، زرتشتی ، عیسائی ، ناسٹک اور یونانی خیالات و افکار کا مجموعہ تھا (۲) ۔

گندھارا کی سنگ تراشی بدھ مذھب کے نئے عناصر کی ترجمان بنی

فاضل ونسنٹ سمتھ کے نزدیک اس بات کی شہادت گندھارا کی وہ مشہور سنگ تراشی ھے جس نے ضلع پشاور کے گرد و نواح میں ترقی کی انتہائی منازل طے کیں ۔ یہ سنگ تراشی نئے بدھ مذھب کے انتہائی ارتقائی دور کی مظہر ھے اور ان عناصر کی حکایت بڑی شرح و سبط کے ساتھ بیان کرتی ھے ، جو نئے بدھ مذھب میں داخل ھو گئے تھے ۔ ایسا لگتا ھے کہ بدھ مذھب کے علماء نے ذھنی لحاظ سے اپنے ماحول سے شکست تسلیم کر

۱- راجودھری ، پولیٹیکل ھسٹری آف اینشنٹ انڈیا ، ص ۳۲۴ - ۳۲۵ ۔
۲- ونسنٹ سمتھ ، ص ۳۰۱ - ۳۰۲ - رالنسن انڈیا ، ص ۹۷ ۔

لی تھی گو اس کا اعتراف علماء کے لیے شایانِ شان نہ تھا اور نہ وہ بظاہر یہ سوچ ہی سکتے تھے لیکن بدھ مذہب پہلے سے بہت بدل چکا تھا ۔

پروفیسر رالنسن نے نئے مذہبی تصور اور شکل و صورت کو اس مذہبی مجلس کا نتیجہ قرار دیا ہے جو کشمیر میں منعقد ہوئی تھی اور جس میں پانچ سو بدھ علماء شریک ہوئے تھے (۱) ۔ ایک دوسرا اہم سبب مذکور الصدر عالم اسوا گھوش تھا ، جو یہ چاہتا تھا کہ بدھ مت اور ہندوازم دونوں ایک دوسرے میں ضم ہو جائیں اور ایک شکل اختیار کر لیں ۔

پروفیسر رالنسن نے اسوا گھوش کی ذہنی کاوشوں کے ذکر کے ساتھ ساتھ ان عوامل کی فہرست بھی پیش کی ہے ، جو سدتھ کے حوالہ سے ہم اوپر درج کر آئے ہیں ، پرفیسر رالنسن کا خیال ہے کہ ارضِ مغربی پاکستان اور ان سے ملحقہ پہاڑی علاقوں اور ڈھلوانوں کے لوگ جب بدھ مذہب میں داخل ہوئے تو ان کے ذہن بت پرستی کے مخزن تھے اور انھوں نے بدھ مذہب میں داخل ہو کر اس کی حیثیت بالکل بدل ڈالی ۔ اب مہاتما بدھ ایک ”مرحوم“ آنجہانی پیغمبر نہ تھے بلکہ انھوں نے کرشنا اور راما کی حیثیت اختیار کر لی تھی اور مذہب میں نئے نئے داخل ہونے والے سرحدی ، سندھی اور پنجابی لوگوں اور ان کے ہمسایہ پہاڑی باشندوں نے ان کے بتوں کو مندروں میں سجا کر پوجنا شروع کر دیا تھا ۔

بدھ مذہب نے عیسائیت سے بھی اثر قبول کیا

پروفیسر رالنسن کہتے ہیں کہ بدھ مذہب نے ان دنوں عیسائیت سے جو تاثر قبول کیا تھا اس کی مثال وہ کلمات ہیں جو بدھ مذہب میں دوسری صدی عیسوی کے بعد کے بدھ علماء نے ڈالے ہیں :

> میں دنیا کا باپ ہوں ، میں خود ہی اپنا خالق ہوں ، میں دنیا کا مسیحا ہوں ، کائنات اور مخلوقات کا محافظ ہوں ، میں ان کی آخری نجات کا ذمہ دار ہوں ، حالانکہ میں نے خود کوئی آرام نہیں پایا(۲) ۔

۱۔ رالنسن انڈیا ، ص ۹۶ - ۹۷ ۔
۲۔ ایضاً ، رالنسن ، ص ۱۰۱ ۔

جولیاں کی بدھ خانقاہ سے استشہاد

فاضل رالنسن نے اس سلسلہ میں کئی اور مثالیں بھی پیش کی ھیں مختصر یوں سمجھیے کہ کنشک عہد میں بدھ مت بہت بدل گیا تھا اور اس تبدیلی کے جہاں اور بہت سے اسباب تھے وھاں کنشک کا استاد گرامی قدر اسوا گھوش بھی ایک بنیادی سبب تھا ۔ اس دور میں بدھ مت میں بت پرستی جس حد تک داخل ھو گئی تھی ، اس کا مشاھدہ آج بھی سرسکھ سے تھوڑے فاصلہ پر واقع جولیاں خانقاہ سے کیا جا سکتا ھے ۔ یہ خانقاہ کوئی پانچ سو فٹ اونچی پہاڑی پر بنائی گئی ھے اور اس کی وسطی عمارت میں مہاتما بدھ کے مجسموں کے سوا اور کوئی شے زائر کی توجہ کا محور نہیں بنتی ۔ جا بجا چھوٹے بڑے سٹیجوں پر مہاتما بدھ تشریف فرما ھیں ۔ گو محمود غزنوی کے حملوں کے دوران اس کی فوج اس خانقاہ تک پہنچ گئی تھی اور اس نے بڑے بتوں کے سر کاٹ دیے تھے لیکن نچلی دیواروں پر اب بھی لا تعداد و بے حساب بت تشریف فرما ھیں ۔

فاضل رالنسن کا بیان ھے کہ جولیاں کی خانقاہ اور سرسکھ شہر کشان بادشاھوں نے تعمیر کیے تھے ۔ ھو سکتا ھے کہ اس شہر کا معمار اول کنشک ھو اور وہ پشاور شہر کے ساتھ ساتھ اس شہر میں بھی اپنا وقت گزارتا ھو کیونکہ اس کا شاھی محل کسی زمانہ میں اپنی مثال آپ تھا ۔ ھم لوگوں کی بد نصیبی ھے کہ سرسکھ شہر کے آثار پوری طرح برآمد نہیں ھوئے ، صرف ایک بیرونی دیوار اب تک کھودی جا سکی ھے ۔ لیکن یہ دیوار ھی اس امر کی مظہر ھے کہ سرسکھ تمام پہلے شہروں سے بازی لے گیا تھا ۔

فاضل رالنسن کے نزدیک کنشک کا طویل اور شاندار عہد ، جو تقریباً پچاس سال لمبا تھا ، ۱۶۲ء بعد مسیح میں ختم ھؤا ۔ حالانکہ اس کے لمبے عہد میں لوگوں کو خوب خوشحالی اور فارغ البالی نصیب ھوئی تھی ، اس کے باوجود اس کے اعمال اس کی پے در پے فوج کشیوں سے بہت تنگ تھے اور کہتے تھے بادشاہ بڑا حریص ، جابر اور غیر منطقی ھے (۱) ۔ یہی وجہ تھی کہ جب وہ بیمار ھؤا تو انھوں نے اس کے اوپر وزنی لحاف ڈال کر اس کا دم گھونٹ دیا ۔

۱- انڈیا رالنسن ، ص ۱۰۳ ۔

سمتھ کی رو سے ایک آدمی اس پر بیٹھ گیا تھا ۔ سمتھ نے کنشک کا عہدِ حکومت پینتالیس سال قرار دیا ہے (۱) ۔ اس کی موت سے متعلق یہ روایت سمتھ اور رالنسن کے علاوہ ایم سیلوین لیوی نے بھی شائع کی ہے (۲)۔ اس روایت کے ماخذ کیا ہیں اور یہ کہاں سے چلتی ان بزرگ علمائے تاریخ تک پہنچی ، ہمیں معلوم نہیں ہو سکا ۔

بہر حال اس بات کے امکانات ہیں کہ بوڑھے بادشاہ کنشک سے اس کے وزراء اور امراء تنگ آ گئے ہوں ، ہو سکتا ہے کہ اس کے بیٹے بھی اس سازش میں شریک ہوں ۔

کنشک کشان بادشاہوں میں سب سے بڑا بادشاہ تھا

کنشک کشان بادشاہوں میں اپنی الولعزمی ، شاندار فتوحات اور مذہبی اور تہذیبی رواداری کے سبب غیر معمولی حیثیت رکھتا تھا اور تاریخِ مغربی پاکستان کا پہلا وہ تاجدار ہے جس نے پشاور کو پایۂ تخت بنا کر ایک طرف سے پامیر کی انتہائی چوٹیوں پر حکومت کی ، دوسری طرف گورکھ پور کے علاقہ میں اپنی سیاسی سربلندی کے جھنڈے گاڑے ۔

بلاشبہ کنشک سے پہلے میناڈر اور اس کے خاندان کے بعض افراد راجپوتانہ ، کاٹھیاواڑ حتیٰ کہ چتوڑ تک ہو آئے تھے ، مگر ان کی فتوحات محض وقتی تھیں ۔ کنشک نے تو گورکھ پور تک کے علاقہ کو باقاعدہ اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا ۔ اس کے عہد میں جو کارواں پشاور سے روانہ ہوتے وہ ایک ہی قلمرو میں سے گزرتے ، پہلے دریائے سندھ پار کرتے پھر جہلم ، چناب ، راوی اور بیاس کو عبور کر کے جمنا اور گنگا کی وادیوں میں اترتے اور گورکھ پور تک بڑے اطمینان سے بڑھے چلے جاتے اور کوئی جابر سے جابر شخص ان کی جان و مال سے کھیلنے کا حوصلہ نہ کرتا ۔ کنشک کے پچاس سالہ عہد میں پشاور اس دور کی تہذیب کا نہ صرف سب سے بڑا علمبردار تھا بلکہ وہ سطح مرتفع پامیر سے لے کر ارضِ گورکھ پور تک کا نقطۂ اتصال بھی تھا ۔

۱- سمتھ مطبوعہ حیدرآباد ، ص ۳۰۸ ۔

۲- انڈین انٹی کیوری (۱۹۰۳ء) ، ص ۳۸۸ ۔ سمتھ ، ص ۳۰۸ ۔ انڈیا ، رالنسن ، ص ۱۰۳ ۔

جیسا کہ پیچھے مذکور ہؤا ہے پروفیسر رالنسن کی ایک روایت سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اس کے بیٹوں ، پوتوں اور دوسرے وارثوں کے عہد میں شاید پشاور کی جگہ ٹیکسلا نے لے لی تھی اور کشان بادشاہوں نے سرسکھ میں اپنا نیا پایۂ تخت قائم کیا تھا (۱) ۔

۱۔ رالنسن ، انڈیا ، ص ۹۹ ۔

فصل چہارم

کنشک کے وارث

کنشک کے جانشینوں کے باب میں ونسنٹ سمتھ کی یہ رائے خاصا وزن رکھتی ہے کہ وہ اپنے پیچھے ایسے بہت کم آثار چھوڑ گئے ہیں جن سے ان کے حالات معلوم ہوں ۔ یوں متھرا سے برآمد ہونے والے ان کتبات کا ذکر ونسنٹ سمتھ نے بھی کیا ہے جن پر سن ۲۴ ، ۲۸ ، ۳۲ اور ۶۰ کی تاریخیں درج ہیں اور جن سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ کنشک کا بیٹا واسشک اس دوران میں متھرا کا بادشاہ تھا (۱)۔

واسشک

ڈاکٹر مکرجی نے صرف ۲۴ء اور ۲۸ء کی تاریخیں شمار کی ہیں اور ان کا خیال ہے کہ ۱۰۲ اور ۱۰۶ بعد از مسیح میں واسشک متھرا پر حکومت کرتا تھا ۔ ڈاکٹر مکرجی نے بعض ان کتبات کا حوالہ بھی دیا ہے جو بھوپال سے برآمد ہوئے ہیں ۔ ڈاکٹر مکرجی کہتے ہیں کہ آرا کتبہ میں جس و جھشکہ والدِ کنشک ثانی کا ذکر ہے وہ بھی واسشک ہے ۔ کشمیر کرانیکل میں اس کا نام جھشکہ بتایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس نے جشکہ پورہ کی بنیاد رکھی تھی ۔

ہوشک

ڈاکٹر مکرجی اس امر کے بھی راوی ہیں کہ واسشک نے اپنے بھائی ہوشک کے ساتھ مشترک طور پر بھی کچھ دیر تک حکومت کی تھی (۲) ۔

فاضل ونسنٹ سمتھ اس بات کے دعویدار ہیں کہ جب کنشک زندہ تھا اس کے دونوں بیٹے واسشک اور ہوشک متھرا اور اس سمت کے

۱- سمتھ ، ارلی ہسٹری آف انڈیا مطبوعہ حیدرآباد ، ص ۳۰۸ - ۳۰۹ -

۲- ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۱۵۰ -

ہندوستان میں اس کے نائب السلطنت تھے اور چونکہ واسشک کا کوئی سکہ دستیاب نہیں ہؤا اس لیے ممکن ہے کہ وہ باپ کی موت سے پہلے ہی وفات پا گیا ہو (۱) ۔ اگر اس نے اپنے بھائی کی طرح خود مختار حکومت کی ہوتی تو اپنے نام کے سکے بھی مسکوک کرائے ہوتے اور یہ سکے کہیں نہ کہیں سے ضرور مل جاتے ۔

ہوشک متھرا کا بھی مالک تھا

بہرحال اس کا بھائی ہوشک اپنے باپ کے تخت پر یقیناً جلوہ فرما ہؤا، اس نے باپ کی پوری قلمرو پر بادشاہت کی ، کابل اور کشمیر تو حتماً اس کی سلطنت میں شامل تھے اور متھرا اس کا اہم صوبہ تھا ۔ متھرا میں اس نے اپنے نام سے ایک عظیم خانقاہ بھی تعمیر کی تھی ، کیونکہ اسے اپنے باپ کی طرح بدھ مت سے بڑا لگاؤ تھا اور اس کی ترویج کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتا تھا ۔

متھرا سے برآمد ہونے والا کتبہ

متھرا کی اس خانقاہ پر جو کتبہ نصب ملا ہے ، اس میں نہ صرف اس کا خطاب درج ہے بلکہ اس کا نام بھی تحریر ہے ، مثلاً کتبہ کے الفاظ ہیں : ''مہاراجہ ، رجتی راجہ ، دیوا پترا ہوشکہ ''

ڈاکٹر مکرجی ، ایک اور تاریخی سند کا ذکر بھی کرتے ہیں جو متھرا ہی سے دستیاب ہوئی ہے ۔ یہ سند واخان کے کسی نواب کے بارے میں کہتی ہے کہ اس نے بادشاہ ہوشک کے نام پر متھرا کے ایک محتاج خانے کے لیے گیارہ سو چاندی کے سکے مستقل طور پر مخصوص کر دیے تھے ۔ غالباً یہ سالانہ امداد تھی اور واخان کا یہ خان کشان بادشاہ ہوشک کا نائب السلطنت تھا (۲) ۔

ہوشک کے سکوں پر بنی ہوئی بعض تصویریں

اپنے باپ کنشک کی طرح ہوشک بدھ دھرم کے تابع ہونے کے باوجود

۱۔ سمتھ ، ص ۹۰۴ (مطبوعہ حیدر آباد) ۔

۲۔ ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۱۵۰ ۔ سمتھ ، ص ۹۰۴ ۔ کننگھم آرکیالوجیکل رپورٹ جلد اول ، ص ۲۳۸ ۔ جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی (۱۹۱۲) ، ص ۱۰۴ - ۱۰۶ ۔

اپنی رعایا کے معتقدات کا بہت خیال رکھتا تھا ، اس وجہ سے اس نے جو سکے اپنے عہد حکومت میں مسکوک کرائے ، ان پر اپنے باپ کے اتباع میں ہندوستان اور ایران و افغانستان کے باشندوں کے محبوب بتوں کی تصویریں کندہ کرائیں - ان تصویروں میں اوما ، هیرا کلز ، سیراپس ، مانا ابا گو ، (ساؤ) دیوی آردوکشو ، سورج دیوتا ، آینو ، دیوی اوناؤ ، جنگی دیوتا ، شہر وار ، ہندوستانی دیوتا وشنو اور مہاسینا بھی شامل ہیں - بعض سکوں پر شنڈا ، کمار اور ویساکھ بھی براجمان ہیں اور ایک سکے پر ایک ایسے ہندوستانی دیوتا کی تصویر بھی بنی ہے جو تیر کمان اٹھائے ہے - یہ تصویر غالباً شیوا کی ہے - ایک مہر بھی ایسی ملی ہے جو اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ هوشک دیوتا وشنو کا سرگرم پجاری تھا (۱)-

کشمیر کا ایک شہر

مسٹر راچودھری کی شہادت ہے کہ هوشک نے کشمیر میں اپنے نام پر ایک شہر بسایا تھا - سمتھ کے نزدیک یہ شہر درۂ بارہ مولا سے تھوڑے فاصلہ پر واقع تھا اور صدیوں تک اسے بڑی اهمیت حاصل رہی تھی - اس شہر میں بھی هوشک نے ایک بڑی خانقاہ تعمیر کرائی تھی - جس میں هیون سانگ اپنی سیاحت کشمیر کے دوران مقیم هؤا - خانقاہ کے متولیوں نے چینی سیاح کی خوب آؤ بھگت کی ، اور کئی دن تک مہمان رکھا اور جب وہ دارالسلطنت کی طرف چلا تو پانچ هزار بدھ طلباء اور درویش اس کے هم رکاب تھے -

ونسنٹ سمتھ کا خیال ہے کہ هوشک نے کافی عرصہ تک حکومت کی تھی - لیکن عجیب بات ہے کہ اس کے عرصۂ دراز تک حکومت کرنے کی کوئی تاریخی سند کسی بھی مؤرخ کے پاس نہیں ہے اور نہ اس کے سکوں کے سوا جو بلا شبہ بہت بڑی تعداد میں مختلف مقامات سے برآمد ہوئے ہیں اس کے زمانۂ سلطنت کی کوئی اهم بات هم تک پہنچی ہے -

فاضل سمتھ ان سکوں کے بارے میں وضاحت کرتے ہیں کہ یہ کنشک کے سکوں کے ساتھ ساتھ دستیاب ہوئے ہیں - ان میں سے بعض سونے کے ہیں اور بعض چاندی کے - سونے کے سکوں پر بادشاہ هوشک

۱- پولیٹیکل هسٹری آف اینشنٹ انڈیا ، ص ۳۲۵ -

کی تصویریں بھی کندہ ھیں ، ان تصویروں کو دیکھ کر ایسا اندازہ ھوتا ھے کہ بادشاہ کی آنکھیں یوں تو بڑی بڑی تھیں مگر اندر کو دھنسی ھوئی تھیں ، اور باقی چہرے کے خدو خال خاصے بھدے تھے ، ناک البتہ لمبی تھی (۱) ۔

کنشک ثانی

ڈاکٹر مکرجی کا بیان ھے کہ ھوشک کی حکومت میں اس کا بھائی واسشک یا واجھشکا اور اس کا بیٹا کنشک ثانی بھی اس کا شریک تھا اور اس کا عہدِ حکومت کچھ زیادہ مختصر نہ تھا ، جیسا کہ اس کے متعلق دستاویزی شہادتوں کی کمی سے ظاہر ھوتا ھے کیونکہ وہ زیادہ عرصہ اپنے چچا ھوشک کے جونیئر کی حیثیت سے اس کا شریک رھا تھا ۔

فاضل ونسنٹ سمتھ نے کنشک ثانی کا ذکر نہیں کیا اور نہ آرا کتبہ کے کنشک کو کنشک عظیم سے کوئی الگ وجود مانا ھے ، البتہ فاضل ، لوڈرز ، فلیٹ ، کنیڈی اور ستین نو ، دو کنکشوں کے قائل ھیں ، (Luders, Fleet, Kennedy and Stenknow)، خصوصیت سے لوڈرز کے نزدیک آرا کتبہ کا کنشک واسشک کا بیٹا اور کنشک اول کا پوتا تھا (۲) اور مہاراجہ ، راجتی راجہ ، دیوا پترا اور قیصرا کے القاب سے یاد کیا جاتا تھا اور یہی وہ شخص ھے جس نے کشمیر کا شہر کنشک پورہ آباد کیا تھا ۔

باسودیو اول

باسودیو اول کنشک ثانی کے بعد کا فرمانروا ھے ، جس کی تاریخ راچودھری کی رو سے ۶۷ تا ۹۸ یا ۱۵۲ بعد از مسیح تا ۱۷۶ء ھے ۔

ڈاکٹر مکرجی نے باسودیو اول کی تاریخ ۶۷ تا ۹۸ مطابق ۱۴۵ء تا ۱۷۲ء مقرر کی ھے ۔

۱۔ کارڈنر ، برٹش میوزیم کیٹلاگ آف گریک اینڈ انڈو سکیتھن کنگز ، لوح ۲۷ - ۲۸ - ۹۹ - ۹ - سمتھ ارلی ھسٹری آف انڈیا ، ص ۲۱۱ ۔ سمتھ کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم جلد اول ۔ لوح ۱۲ ۔

۲۔ کاربوس جلد ۲ ، ص ۱۶۳ ۔

فاضل اجل ونسنٹ سمتھ کے نزدیک باسودیو اول ۱۴۰ بعد از مسیح تخت نشین ہؤا تھا اور ۱۷۳ء میں وفات پائی تھی - ونسنٹ سمتھ نے اس کا ذکر ہوشک کے فوراً بعد کیا ہے - کنشک ثانی کے وجود کو تاریخی حیثیت نہیں دی -

باسودیو بت پرست تھا

باسودیو اول کے بارے میں تمام مؤرخین متفق الخیال ہیں کہ وہ اپنے باپ دادا کے مذہب کا پابند نہیں تھا - اسے مہاتما بدھ کی بجائے وشنو دیوتا سے والہانہ عقیدت تھی اور وہ اس کا پجاری تھا - اس کا ثبوت اس کے وہ سکے ہیں جو متھرا اور اس سے ملحقہ مقامات سے بکثرت دستیاب ہوئے ہیں اور جن پر وشنو دیوتا اپنے پورے لوازمات کے ساتھ براجمان ہے - فاضل ونسنٹ سمتھ کے نزدیک باسودیو اول کے یہ سکے ۷۴ - ۹۸ء کے مابین کے زمانہ کے ہیں - ان سکوں سے ونسنٹ سمتھ نے یہ بات بھی استخراج کی ہے کہ باسودیو اول نے کم سے کم پچیس سال حکومت کی تھی اور ۱۷۸ء میں اس دنیا سے رخصت ہؤا تھا (۱) -

بعد کے کشان بادشاہ

باسودیو اول کے بعد کے کشان تاجداروں کے بارے میں سمتھ نے کوئی خاص دلچسپی نہیں لی اور کشان سلطنت کے زوال پر گفتگو شروع کر دی ہے اور گمان ظاہر کیا ہے کہ باسودیو اول کی موت کے بعد کشان سلطنت مائل بہ زوال ہو گئی تھی اور ثبوت پیش کرتے ہوئے ان سکوں کا ذکر کیا ہے جن پر شاہ پور اول ساسانی سے ملتی جلتی ایک تصویر بنانے کی کوشش کی گئی ہے (۲) -

اس تصویر سے یہ بات تو بلا شبہ ظاہر ہوتی ہے کہ یہ سکے مسکوک کرنے والے لوگ شاہ پور اول ساسانی کے لباس شاہانہ اور اس

۱- پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا ، ص ۳۲۶ -

۲- سمتھ ، ارلی ہسٹری آف انڈیا ، ص ۲۸۹ - ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۱۵۱ - کارڈنر برٹش میوزیم کیٹلاگ آف گریک اینڈ انڈو سکیتھن کنگز ، لوح ۲۷ - ۹ - ۲۸ - ۹ - سمتھ کیٹلاگ آف کائنز جلد اول ، لوح ۱۲ -

کی سیاسی عظمت سے متاثر تھے لیکن یہ قیاس کہ ان دنوں (۲۶۹ - ۲۳۸ء) کشان مائل بہ زوال تھے ، ان سکوں سے واضح نہیں ہوتا - پھر جبکہ فاضل ونسنٹ سمتھ نے مسٹر آر - ڈی - بینر جی کے اس خیال کو بھی دھرانا ضروری جانا ہے کہ باسودیو اول کے جانشینوں میں کنشک دوم ، باسودیو دوم اور باسودیو سوم نے اپنے ناموں کے سکے مسکوک کرائے تھے اور یہ سکے خاصی تعداد میں مختلف مقامات سے برآمد ہوئے -

یوں فاضل ونسنٹ نے خود بھی یہ اعتراف کیا ہے کہ تیسری صدی عیسوی کے آخر تک کوئی تاریخی شہادت ایسی میسر نہیں آئی جس سے یہ ثابت ہو کہ ساسانی تیسری صدی عیسوی میں ارض پاکستان پر حملہ آور ہو گئے تھے - بلا شبہ بہرام ثانی نے سیستان پر ۲۷۷ - ۲۹۴ء میں چڑھائی کی تھی مگر سیستان پر چڑھائی ارض پاکستان پر چڑھائی کے ہم معنی نہیں ہے -

اگر یہ حقیقت ہے کہ کسی ساسانی بادشاہ نے تیسری صدی عیسوی میں ارض پاکستان کے سیاسی معاملات میں مداخلت نہیں کی اور نہ ان کی فوجیں کسی شاھد عادل نے وادیٔ سندھ کے بالائی یا زیریں حصہ میں داخل ہوتی دیکھیں تو پھر لازماً یہ ماننا پڑے گا کہ پشاور یا ٹیکسلا کو پایۂ تخت بنانے والے کشان بادشاہوں کی سیاسی قوت تیسری صدی عیسوی میں مائل بہ انحطاط نہ ہوئی تھی اور ان کی حربی شان و شکوہ میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا ورنہ ایران کی ابھرتی ہوئی ساسانی حکومت کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر اس علاقہ میں داخل ہو جاتی اور پشاور اور ٹیکسلا کی سیاسی عظمت و بزرگی کی چادر چاک کر دیتی -

فاضل ونسنٹ سمتھ ہی اس امر کے راوی ہیں کہ کابل اور پنجاب کے مختلف مقامات سے کشان بادشاہوں کے جو سکے برآمد ہوئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ کابل اور پنجاب کے کشان بادشاہ پانچویں صدی عیسوی تک برسر اقتدار رہے تھے اور یہ پانچویں صدی عیسوی تھی جس میں کابل اور پنجاب کے کشان بادشاہوں پر تباہی آئی تھی اور یہ تباہی لانے والے سفید ھن تھے (۱) -

---

۱- ارلی ھسٹری آف انڈیا ، سمتھ ، ص ۳۱۳ - ۳۱۴ - (مطبوعہ حیدرآباد)

کننگھم ونسنٹ سمتھ نے ۳۶۰ء میں شاپور دوم کے اس محاصرہ ''آمد'' کا ذکر کیا ہے جس میں اسے آمد کے رومی محصورین پر فتحِ کامل نصیب ہوئی تھی اور یہ فتحِ کامل اسے اس کے کشان حلیف کے پنجابی سپاہیوں اور ھاتھیوں کے سبب ملی تھی ۔ اس کشان بادشاہ کا نام غالباً گرمبیٹس تھا اور ساسانی چھاؤنی میں اس کی خیمہ گاہ سب سے معزز اور مفتخر تھی (۱) ۔

فاضل سمتھ نے چوتھی صدی عیسوی کے ایک کشان بادشاہ کا حال لکھا ہے ، جس نے اپنی بیٹی ساسانی بادشاہِ ایران ھرمز دوم سے بیاھی تھی (۲) ۔

سمتھ نے بعض ان سکوں پر بھی روشنی ڈالی ہے جو تیسری صدی عیسوی میں پنجاب کے حکمرانوں نے مسکوک کرائے تھے اور جن پر باسودیو اول اور کنشک کشان شہنشاہ کے نام لکھے ھیں ۔ ان سکوں کی دوسری سمت برھمی رسم الخط میں ایک ھی حرکت کا جو لفظ لکھا ہے ، وہ کسی ایسے سردار کا نام معلوم ھوتا ہے جو بیرونی حملہ آور قوم سے متعلق تھا اور جس نے کابل یا پنجاب کے کشان بادشاھوں کی سیاسی سربراھی تسلیم کر لی تھی ۔

فاضل سمتھ نے ایک اس سکہ سے بھی استشہاد کیا ہے جس پر برھمی حروف میں پاسن ، ن شلہ کا نام رقم ہے اور آگ کی قربان گاہ بھی نقش ہے ۔ فاضل سمتھ اس سے یہ نتیجہ نکالتے ھیں کہ تیسری صدی عیسوی میں پنجاب کا براہِ راست تعلق ساسانی بادشاھوں سے قائم ھو گیا تھا (۳) ۔

اردشیر اول ساسانی اور پنجاب

ڈاکٹر مکرجی نے اس سلسلہ میں مؤرخ فرشتہ کی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ اردشیر اول ساسانی بادشاہ ایران نے بلخ ، خراسان اور کابل فتح کرنے کے بعد پنجاب پر چڑھائی کی تھی اور ستلج کو پار کر لیا تھا اور

۱- کننگھم ، نیو مسمیٹک ۱۸۹۳ء ، ص ۱۶۹ - ۱۷۷ - ریویو نیو مسمیٹک ۱۸۹۶ء ، ص ۱۶۳ ۔ تاریخ روما ، گبن ، باب ۱۹ ۔

۲- سمتھ ، ۳۱۳ ۔

۳- سمتھ ، ص ۳۱۶ ۔

سرھند تک جا پہنچا تھا ۔ مکرجی نے اس شہادت کو نقل کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی صحت کو بالکلیہ تسلیم نہیں کیا ۔ مسٹر راچودھری نے بھی فرشتہ کی اس روایت کا حوالہ دیا ھے لیکن ساتھ ساتھ کنیڈی اور وائٹ ھیڈ کی وساطت سے یہ بات بھی کہی ھے کہ تیسری صدی عیسوی سے چوتھی صدی عیسوی تک اس سمت چار ایسی بادشاھتیں قائم ھو چکی تھیں جو یوچی خاندان کے شہزادوں نے قائم کی تھیں اور وہ یوچی سربراھی کے قائل تھے (۱) ۔

شاپور ثانی

مسٹر راچودھری نے امرت بازار پترکا کے حوالہ سے ایک اس پہلوی کتبہ کا ذکر بھی کیا ھے جو پرسی پلس میں سے دستیاب ھؤا ھے اور جس سے ظاھر ھوتا ھے کہ ساسانی شاپور ثانی کے عہد میں پنجاب پر سیاسی برتری حاصل کر چکے تھے ۔

ڈاکٹر مکرجی نے ایک پائکلی کتبہ سے بھی سند لی ھے جو غالباً تیسری صدی عیسوی کے آخر کا ھے اور جس میں لکھا ھے کہ سوساشترا ، آوانتا ، کشان ، ساکا اور ابھیری بادشاہ ساسانیوں کے فرمانبردار حلیف تھے ۔

ھرمزد ثانی

اس سلسلہ میں ڈاکٹر مکرجی نے بھی اس کشان بادشاہ کا ذکر کیا ھے جس نے اپنی بیٹی ھرمزد ثانی سے (۳۰۱ - ۳۱۰ء) کے مابین بیاھی تھی اور ھرمزد ثانی نے اپنے بعض سکوں پر یہ حروف کندہ کرائے تھے ۔ کشان ملکہ اور کشان ملکان ملکہ (۲) ۔

اس بادشاہ ایران ھرمزد کے سکوں پر شیوا دیوتا اور بیل کی تصویریں بھی موجود ھیں ۔

شاپور ثانی اور اس کا ایک ماتحت

شاپور ثانی ۳۱۰ء میں برسرِ اقتدار آیا تھا اور ۳۷۹ء میں اس دنیا سے رخصت ھؤا تھا ۔ اس کے ایک ماتحت بادشاہ ، بادشاہِ ساکستان کے

۱۔ راچودھری ، پولیٹیکل ھسٹری آف اینشنٹ انڈیا ، ص ۳۲۷ ۔ (حاشیہ و متن) ۔

۲۔ ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۱۵۲ ۔

بارے میں پرسی پلس[1] کے ایک کتبہ میں یہ عبارت لکھی ہے ''ساکان شاہ، دبیران دبیر ہند، ساکستان اور تخارستان۔''

مزید براں یہ امر تو خاصا تاریخی وزن رکھتا ہے کہ پانچویں صدی عیسوی میں وادیٔ سندھ کا مغربی حصہ ایران کی ملکیت تھا۔

چوتھی صدی کا ایک کشان بادشاہ

اس ذکر کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر مکرجی نے چوتھی صدی عیسوی کے نصف ثانی کی ایک گپتا دستاویز کا حوالہ بھی دیا ہے جس میں کشان بادشاہ کو دیو پترا، شاہِ شاہان کے لقب سے یاد کیا گیا ہے جو یقیناً اس امر کی ضانت ہے کہ ۳۵۰ء میں کشان بادشاہانِ پنجاب، شاہ شاہان کہے جاتے تھے (۱)۔

ڈاکٹر مکرجی اور سمتھ کی بیان کردہ اس تاریخی شہادت کو بھی اگر پیشِ نظر رکھا جائے جس کی رو سے کشان بادشاہ نے ۳۶۰ء میں آسیدہ کے محاصرہ میں شاپور ثانی کی مدد کی تھی اور اس کی خیمہ‌گاہ ساری خیمہ گاہوں سے زیادہ شاندار اور معزز تھی تو پھر یہ کہنا کسی طرح بھی صحیح نہ ہوگا کہ اس دور کے کشان بادشاہ، شاہانِ ساسان کے باجگزار تھے۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں برابر کے حلیف ہوں اور اگر ساسانی بادشاہوں کے سامنے کشان شاہان نے سر جھکایا بھی تھا تو یہ چوتھی صدی عیسوی کے آخر کا واقعہ ہوگا یا پانچویں صدی کے آغاز کی بات تھی۔

کشان بادشاہوں کے زوال کے متعلق سر مارشل کی قیاس آرائی

کشان بادشاہوں کے زوال کے سلسلہ میں سر جان مارشل نے خاصی سیر حاصل گفتگو کی ہے، گو بعض باتیں تو ارد کی حیثیت رکھتی ہیں لیکن ہم ذیل میں پورا اقتباس درج کرنا ضروری جانتے ہیں۔

سر جان مارشل فرماتے ہیں:

باسودیو اول کشان بادشاہوں میں وہ آخری کشان ہے جس کے آخر عہد میں زوال کے آثار شروع ہو گئے تھے اور اس کی موت کے بعد تو کشان اقتدار بڑی سرعت سے زوال پذیر ہؤا۔ اس زوال کا موجب اردشیر ساسانی تھا جس نے اپنے اقتدار کی عمارت ۲۲۶ء میں کھڑی کی۔ اس نے

۱۔ ایج آف امپیریل یونیٹی، ص ۱۵۲۔

بہت جلد بختاریہ کے کشانوں پر غلبہ حاصل کر لیا اور بلخ کے شاھی خاندان کے ایک فرد کے ماتحت ایک صوبائی حکومت قائم کر دی ۔ بختاریہ میں صوبائی حکومت قائم کرنے کے بعد وہ گندھارا اور پنجاب کی طرف بڑھا اور سرھند تک آ پہنچا ، یہ روایت فرشتہ کی ھے لیکن اس بات کے بہت کم شواھد ھیں کہ اردشیر کی اس جدو جہد کے باوجود ھندوکش سے اس سمت کے علاقہ سے کشان سربراھی ختم ھو گئی تھی یا ٹیکسلا میں کشان بادشاھوں کے اقتدار پر اردشیر کی یلغار کا کوئی مستقل اثر پڑا تھا ۔

یوں سرجان مارشل اس بات کا امکان ظاھر کرتے ھیں کہ ھو سکتا ھے کہ یہ اردشیر کا طوفانی حملہ ھی ان سکوں کی تدفین کا موجب بنا ھو جو غیر معمولی تعداد میں بدھ خانقاھوں کے اندر دبے پڑے ملے ھیں ۔

گو یہ بات مانی جا سکتی ھےکہ اردشیر کے اس طوفانی حملہ کے سبب کشانوں سے ان کے بعض مشرقی اور مغربی اضلاع چھن گئے ھوں لیکن یہ بات ماننے کی کوئی وجہ ھمارے پاس نہیں ھے کہ پنجاب ، گندھارا اور پارا پمپی سادئی کے علاقہ میں کئی خود مختار سلطنتیں قائم ھو گئی تھیں (۱) ۔

بد نصیبی سے باسودیو اول کے ان جانشینوں کے بارے میں ھمیں بہت کم معلومات حاصل ھیں جو تیسری اور چوتھی صدی عیسوی میں برسر اقتدار آئے ۔ جو کچھ معلوم ھؤا ھے صرف ان کے سکوں سے معلوم ھؤا ھے اور یہ بہت کم ھے ۔

کشان بادشاھوں اور ایران کے ساسانیوں میں لڑائی

لیکن یہ حقیقت ھے کہ چوتھی صدی عیسوی کے قریب کشان بادشاھوں اور ایران کے ساسانیوں کے مابین پہلے کی نسبت سخت نزاع شروع ھؤا اور اس نزاع میں کشان بادشاہ نے شکست کھائی اور سخت نقصان اٹھایا ۔

سرجان مارشل کی رو سے اس لڑائی کا ذکر روسی مصنف آمینوس(۲) نے

۱- ٹیکسلا جلد اول ، ص ۷۳ ۔

۲- مارٹن ، ص ۳۱ ۔

بھی کیا ہے ۔ یہ مصنف کہتا ہے کہ ۳۵۰ء اور ۳۵۸ء کے مابین شاپور دوم اپنی ریاست کی مشرقی سرحد پر کوسینی اور چائیونی لوگوں سے برسرِ پیکار تھا ۔ کوسینی لازماً کشان ھیں اور ثانی الذکر ھنوں کی ایک شاخ جون جون نامی ہے جو ایسا لگتا ہے کہ اس مرحلہ پر کشان کے ساتھ مل کر ساسانی جوئے کو اپنے گلے سے اتار پھینکنے کی جدو جہد کر رھی تھی (۱) ۔

ھرز فیلڈ نے پرسی پولی کے مقام سے شاپور ثانی کا جو کتبہ متعلقہ ۳۵۶ء برآمد کیا ہے ، اس سے ظاھر ھوتا ہے کہ اس سال اس نے کابل میں چھاؤنی ڈال لی تھی اور گندھارا اور پنجاب پر حملے کر رھا تھا اور کابل کے جس چیف جسٹس نے یہ کتبہ تحریر کیا تھا اس نے اس کے ذریعہ مقدس آگ کے حضور قربانی پیش کی اور شاپور ثانی کی بخریت واپسی کی دعا مانگی تھی (۲) ۔

اپنے ان حملوں میں شاپور ثانی کو کامیابی نصیب ھوئی یا نہیں ، اس کے بارے میں کوئی وزنی شہادت کسی بھی مؤرخ کے پاس نہیں ہے البتہ سر جان مارشل کہتے ھیں کہ ٹیکسلا میں ان دنوں پیتل تانبے کے سکوں کی فراوانی اس امر کی دلیل ہے کہ یہ سکے ان بادشاھوں کے ھیں جو ساسانیوں کے تابع تھے (۳) ۔

لیکن جیسا کہ ھم نے پیچھے عرض کیا ، فاضل سمتھ اور کننگھم کی رو سے شاپور ثانی نے ۳۶۰ء میں آمدہ کا محاصرہ کیا تھا اور اس محاصرہ میں کشان بادشاہ کے ھاتھی اور فوج ظفر موج کے جوان مرد شاپور ثانی کی طرف سے حملہ‌آور ھوئے اور ان ھی کے سبب شاپور ثانی کو فتح نصیب ھوئی تھی ۔ فتح کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ میدانِ جنگ میں ساسانی اور غیر ساسانی فوج کی صفوں میں سب سے اونچا مقام کشان بادشاہ

۱۔ ٹیکسلا جلد اول ، ص ۳۷ ۔ جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی ''مراسلات'' جلد ۳ (۱۹۳۷ء) ص ۲۶ ، مراسلہ نمبر ۲ ۔

۲۔ مارٹن ، ص ۳۱ ۔

۳۔ ٹیکسلا جلد اول ، ص ۴۷ ۔ کننگھم نیو مسیٹک ۱۸۹۳ء ، ص ۱۶۹ - ۱۷۷ ۔ سمتھ ، ص ۲۱۴ ۔

کو ملا تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کشان بادشاہ ۳۶۰ء میں شاپور ثانی کا سب سے بڑا حلیف تھا ۔ دونوں میں باہمی دوستی کب اور کن شرائط پر ہوئی ، یہ کچھ معلوم نہیں ہے ، لیکن اگر ہرز فیلڈ نے پرسی پولی کے مقام سے جو کتبہ برآمد کیا ہے اس سے ۳۵۶ء میں شاپور ثانی کشان مملکت پر حملہ‌آور ظاہر ہوتا ہے تو چار سال بعد یعنی ۳۶۰ء میں ان دونوں کے مابین دوستی کے مظاہرے اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ ان میں دوستی لڑائی کے بعد پیدا ہوئی تھی ۔

باختر کے کشانوں کا حملہ

سر جان مارشل اس امر کے بھی داعی ہیں کہ چوتھی صدی کے نصف آخر میں باختر کے کشان اپنے سربراہ کدارا کی سرکردگی میں ٹیکسلا اور شمال مغربی ہند کے اہم مقامات پر حملہ آور ہوئے ۔

یہ حملہ ۳۶۸ء سے لے کر ۵۵۲ء کے مابین کسی وقت ہؤا ۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یوچیوں پر جو بلخ کے حکمران تھے ، شمال کی طرف سے ''جون جون'' قبیلہ نے سخت دباؤ ڈالا اس لیے وہ مغرب کی طرف ترکِ وطن پر مجبور ہوئے اور بلقان میں بحیرۂ کسپین کے کنارے پر آباد ہو گئے ۔

کدارا کا بیٹا پشاور پہنچا

ان کا بادشاہ ان دنوں کدارا نامی تھا ۔ اس نے اپنے ایک بیٹے کو حکم دیا کہ آگے بڑھ کر پشاور پہنچ جائے اور وہاں آباد ہو جائے اور اس نے باپ کے حکم کی تعمیل کی ، اپنی فوج کے ساتھ پشاور آیا اور وہاں آباد ہؤا ۔

اس روایت سے اور کچھ اگر نہ بھی سمجھا جائے پھر بھی یہ بات بدیہی ہے کہ کشان قبیلہ کے اس نئے گروہ نے پشاور پہنچ کر ، پشاور کے ضلع کو پہلے کے کشانوں سے چھین لیا تھا ۔

سر جان مارشل کہتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کدارا کشان پشاور اور شمال مغربی پنجاب پر ۳۹۰ء سے لے کر ۴۶۰ء تک غالب رہے تھے اور یہ لازمی بات ہے کہ ٹیکسلا پر بھی ان کا اقتدار ہو (۱) ۔

۱- ٹیکسلا جلد اول ، ص ۷۵ ۔

قطع نظر اس امر کے کہ کشان ، پہلے کشانوں کے عزیز تھے اور ان ہی میں سے تھے ، یہ بات خاصی اہمیت رکھتی ہے کہ ان کے برسر اقتدار آ جانے سے کنشک اور باسودیو اول کے خاندان کی سربراہی ۳۹۰ء میں ختم ہو گئی تھی -

ہمارا گمان ہے کہ ۳۶۰ء میں جس کشان بادشاہ عظیم نے شاپور ثانی کے دوست و حلیف کی حیثیت سے آمدہ کے محاصرہ میں شرکت کی تھی ، وہ ۳۹۰ء میں زندہ نہیں تھا - اس کی موت ۳۶۰ء سے لے کر ۳۹۰ء کے مابین کسی وقت ہوئی اور اس کی موت کے بعد ساسانی اور ٹیکسلا کے کشانوں کی دوستی لازماً ختم ہو گئی اور بلخ کے کدارا کو یہ حوصلہ ہؤا کہ آگے بڑھ کر پشاور اور ٹیکسلا پر قبضہ کر لے - ہو سکتا ہے کہ اس سلسلہ میں بعض قدیم کشان امراء نے جو شاید شاپور ثانی اور اپنے مرحوم بادشاہ کی دوستی سے خوش نہ تھے ، کدارا سے مراسلت کی ہو اور اسے ایلچی بھیج کر اس سمت بلایا ہو کہ بہرحال وہ بھی کشان تھا اور اس کے بازو مضبوط تھے اور ساسانی اقتدار کے خلاف صف آرا ہو سکتا تھا -

بہرحال شمال مغربی علاقوں کی کشان سلطنت اس اعتبار سے بڑی عظمت کی حامل ہے کہ اس نے بیک وقت وسطی ایشیا پر بھی حکومت کی اور وسطی ہندوستان میں اپنی سرحدیں پاٹلی پترا کے قلب تک بڑھا دی تھیں - گو آخر میں وسطی ہندوستان کے کچھ حصے کشانوں سے کٹ گئے تھے اس کے باوجود وہ ۳۶۰ء تک شہنشاہ یا بادشاہوں کے بادشاہ کہے جاتے تھے اور اگر کسی حلیف کی مدد کو جاتے تو میدان جنگ میں ان کی خیمہ‌گاہ سب سے اونچی ہوتی تھی - بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ کشان تاجداروں کی یہ حیثیت شاپور ثانی کے احساس شرافت و پاسداری کا نتیجہ تھی اور اس نے اپنے اس بزرگ حلیف کو جس کی ایک بیٹی اس کے پیشرو سے بیاہی گئی تھی بمنزلہ باپ سمجھا ہو - بہرحال یہ بات یقینی ہے کہ کشان بادشاہان کابل ، پشاور اور ٹیکسلا و پنجاب کو ساسانی بادشاہوں کا پورا تعاون حاصل تھا اور چونکہ وہ ساسانیوں کی نسبت کم طاقتور تھے ، اس لیے وہ رسماً ان کے باجگزار ہوں گے - کشان بادشاہوں کی عام سیاسی قوت و طاقت کا محاسبہ کرتے وقت راچودھری کے اس بیان کو بھی جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ چوتھی صدی عیسوی میں کشان بادشاہوں کے بعض ناگا

سربراھوں کی قوت خاصی ابھر آئی تھی ۔ خصوصیت سے لاھور سے برآمد ھونے والی ایک مہر سے ثابت ھوتا ھے کہ چوتھی صدی عیسوی میں مھیشورا نامی ناگا ، جو ناگا بھٹہ کا بیٹا تھا ، خود کو بادشاہ کہلانے لگا تھا ۔ یہ ناگ خاندان جس کی مہر لاھور سے برآمد ھوئی ھے ، کشان بادشاھوں کا تابع تھا یا خود مختار تھا ، اس کے بارے میں کچھ کہنا بہت مشکل ھے حتیٰ کہ یہ تعین بھی ڈاکٹر مکرجی کی رو سے آسان نہیں ھے کہ ناگ خاندان کس علاقہ کا حکمران تھا اور اس کے حدودِ سلطنت کیا تھے ۔

ڈاکٹر مکرجی نے بعض اسناد کی بناء پر اس خاندان کو رھتک ، حصار ، لدھیانہ اور اس سے پرے کے علاقہ کا سربراہ ظاھر کیا ھے (۱) ۔

اگر اس خاندان کی سربراھی کی حد موجودہ مشرقی پنجاب تھی تو یہ ھمارے موضوع سے خارج ھے ۔ زیادہ سے زیادہ اس پر سیاسی سربراھی کی حدیں متعین ھونے کے بعد یہ کہا جا سکتا ھے کہ چوتھی صدی عیسوی میں اس خاندان نے ترقی کی منازل طے کی تھیں تو مشرقی پنجاب آجکل کی طرح شمال مغربی علاقہ کے کشان تاجداروں کے دامن سے کٹ چکا تھا ۔

چشتنی خاندان

کشان تاجداروں کے دامن سے کٹنے والے اور ان کے آخری دنوں میں خود مختاری کا شرف پانے والے ایک اور خاندان کا نام بھی بہت ممتاز ھے ، یہ خاندان چشتانہ یا چشتنی (۲) کے نام سے موسوم ھے ۔ ڈاکٹر مکرجی کی روایت ھے کہ چشتانہ لیسمو تیکا نامی شخص کا بیٹا تھا جو ساکا نسل سے تھا ۔ اس کے پہلے سکوں میں اسے کشتراپہ چاشتانہ لکھا گیا ھے ۔ بعد کے سکوں میں وہ مہا کشتراپہ کا لقب پاتا ھے ، جس کے معنیٰ یہ ھیں کہ اس کا اقتدار آھستہ آھستہ بڑھا تھا ۔ سکوں ھی سے یہ شہادت بھی میسر آئی ھے کہ اس کے باپ کو کوئی شاھی لقب یا اعزاز حاصل نہ تھا جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ھے کہ چشتانہ سے اس خاندان

۱۔ پولیٹیکل ھسٹری آف انڈیا ، ص ۳۲۸ ۔ ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۱۶۹

۲۔ سمتھ ، اردو ترجمہ ، ص ۱۴۴ ۔ مطبوعہ حیدرآباد ۔

کے اقتدار کی ابتداء ہوئی ، غالباً وہ سندھ میں کشان بادشاہوں کا نائب السلطنت تھا - پہلے اس کی حیثیت کشتراپہ یا صوبیدار کی تھی بعد میں وہ وائسرائے یا مہا کشتراپہ بنا اور اس نے اپنے بیٹے جایا دمان کو صوبیدار یا کشتراپہ کا اعزاز بخشا ، جایا دمان چند دن بعد ھی اس دنیا سے رخصت ہؤا اور اس کے بیٹے ردرا دمان کو اس کے دادا نے اپنے ساتھ شریک کر لیا -

ردرا دمان

یہ غالباً ۱۳۰ء یا ۱۳۱ء بعد از مسیح کا زمانہ تھا ، ابھی کشان بادشاھوں کی قوت کمزور نہیں پڑی تھی اور صوبیداریاں آزادی اور خود مختاری کی طرف مائل نہیں ھوئی تھیں ، لیکن صوبیداروں یا وائسراؤز کو راجہ کہلانے کا حق حاصل تھا ، اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے نام کے سکے مسکوک کراتے تھے - چشتانہ جب تک زندہ رھا ، سکوں میں اس کا نام آیا اور اس کے نام کے ساتھ راجہ لکھا گیا ، لیکن جب وہ ۱۳۰ء - ۱۳۱ء میں مرا تو اس کی جگہ اس کے پوتے ردرا دمان نے لی - اب وہ مہا کشتراپہ کہلاتا اور اس کے نام کے سکے مسکوک ھونے لگے - اسے اس حد تک آزادی حاصل تھی کہ وہ اپنی ھمسایہ ریاستوں سے جب چاھتا لڑائی چھیڑ دیتا اور اپنی حدودِ سلطنت جس سمت چاھتا بڑھا لیتا - ردرا دمان کے بارے میں کہا گیا ھے کہ اس نے مالوہ ، کاٹھیاواڑ ، گجرات اور شمالی کونکن کو فتح کر لیا تھا اور اپنی حدودِ سلطنت مھیشور تک بڑھا لی تھیں - دوسری سمت مارواڑ ، کچھ ، سابرمتی وادی ، زیریں سندھ کے مغربی اور مشرقی اضلاع بھی اس کے ماتحت تھے - اس کے ساتھ ساتھ اس نے جنوبی پنجاب کے جمہوری قبائل یدھیسوا کو بھی شکست دی تھی(۱) -

پنجاب کا یہ سپہ سالار شمالی کونکن تک جا پہنچا اور اسے فتح کر لیا

ڈاکٹر مکرجی نے یدھیسوا قبائل سے ردرا دمان کی لڑائی کی روداد لکھتے وقت وضاحت کی ھے کہ اس نے یہ لڑائی اپنے کشان آقاؤں کے لیے لڑی تھی ، الفاظ ھیں :

۱- ایج آف امپیریل یونٹی ، ص ۱۸۵ -

It is probable that he tried to subdue their subordinate Vaudheras on behalf of his Kushana overlords.

ردرا دمان نے اپنا پایۂ تخت بدلا

یوں ڈاکٹر مکرجی نے یہ صراحت بھی ضروری جانی ھے کہ ردرا دمان تقریباً معاملاتِ خسروی میں پوری طرح خود مختار تھا اور امورِ سلطنت کا فیصلہ کرتے وقت اپنے ان آقاؤں سے پوچھتا نہ تھا ۔ وہ بڑا بہادر ، حوصلہ مند اور خوش نصیب فاتح تھا ۔ اس نے اپنے عہدِ حکومت میں بڑی فتوحات حاصل کی تھیں ۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ بڑا عالم ، نجومی ، زبان دان اور منطقی ، ماہر موسیقار ، بلند پایہ شاعر اور اونچا ادیب تھا اور اس کے عہدِ حکومت میں اجین نے ایک بڑے علمی مرکز کی حیثیت اختیار کر لی تھی ۔ یہ غالباً ردرا دمان تھا جو خروشتی زبان کے علاقہ سے اپنا پایۂ تخت منتقل کر کے اجین لایا تھا اور غالباً یہی وہ شخص تھا جس نے اس سمت کشان حدودِ سلطنت کو انتہائی وسعت بخشی تھی اور اس کے ڈانڈے پونا تک کی سر زمین سے ملا دیے تھے ۔

سمتھ نے اس کی قلمرو کو مغربی سٹراپ (۱) کا عنوان دیا ھے اور اس کے خاندان کو چندر گپت بکرماجیت ثانی کے عہد تک برسرِ اقتدار ظاہر کیا ھے اور یہ شرف چندر گپت ثانی کی جھولی میں ڈالا ھے کہ وہ ایک غیر ملکی پلید خاندان کو نیست و نابود کرتا ۔ چندرگپت ثانی نے ۳۸۸ء یا ۴۰۱ء کے مابین کسی تاریخ میں چشتنا خاندان کے آخری ساک بادشاہ کو آپ اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور اس غیر ملکی حکومت کو اختتام بخشا جو پونا تک پہنچ گئی تھی (۲) ۔

آخری چشتنا فرمانروا

ڈاکٹر مکرجی کی رو سے ردرا دمان نے غالباً ۱۵۰ء - ۱۵۱ء میں وفات پائی تھی ، اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا داما ، جادا سری اس کی جگہ تخت نشین ہؤا اور مہاکشترایہ کہلایا اور پھر ردرا اسمہا اور جیوا دمان نے علی لترتیب اس کی جگہ پر کی ۔ پھر ردرا سینا اول برسرِاقتدار

۱- سمتھ ، ص ۳۴۴ ، مطبوعہ حیدرآباد ۔

۲- ایج آف امپریل یونیٹی ، ص ۱۸۸- ۱۸۹ ،

آیا اور ۲۲۲ء - ۲۲۳ء تک بادشاهت کی - ایسا لگتا هے که جوں جوں کشان بادشاہ کمزور هوتے گئے ، چشتنا خاندان کی قوت بڑھتی گئی اور علی الترتیب سانگا دمان ، پرتھوی سینا ، اور داما سینا ، چشتنا تخت پر براجہان هوئے -

ڈاکٹر مکرجی کا بیان هے که داما سینا کے عهد میں چشتنا خاندان کی حدودِ سلطنت خاصی محدود هوگئی تهیں اور اب صرف گجرات ، کاٹھیاواڑ اور راجپوتانه اور سندھ اس کے تابع تھے - مالوہ اور اس سے پرے کا علاقه اس سے چھن گیا تھا -

بہرحال چشتنا سا کا خاندان ، اس لحاظ سے تاریخ مغربی پاکستان میں لازماً قابلِ ذکر هے که اس نے زیریں وادیٔ سندھ کے اکثر اضلاع پر چوتھی صدی عیسوی کے اختتام تک تسلط قائم رکھا - گو اس امر کی کوئی تاریخی شہادت همیں میسر نہیں آئی که چشتنا خاندان آخر وقت تک کشان بادشاهوں سے متعلق رها ، لیکن اس کے آخری فرمانروا وسواسینا کا خطاب کشتراپه اس امر کی دلیل هے که وہ خود مختار فرمانروا نہیں بنا تها اور خواہ رسماً سہی اس کا تعلق آخر وقت تک کشان خاندان سے قائم رها هوگا اور غالباً اس کا یہی قصور اس کی تباهی کا محرک بنا -

آٹھواں باب

خاندان گپت اور ارضِ پاکستان

خاندان گپت اور ارضِ پاکستان

بلا شبہ پاٹلی پترا کے خاندان گپت کے بانی چندر گپت اول اور اس کے بیٹے سمدرگپت نے مہاراجہ اشوک اور کشان بادشاہ کنشک کی یاد تازہ کر دی تھی اور چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی میں ہندوستان کو سیاسی لحاظ سے بہت اونچا اٹھا لے گئے تھے لیکن ہمارے نزدیک ان دونوں بادشاہوں کی حیثیت محض وسطی ہند کے تاجداروں کی تھی ، ان کا براہِ راست پنجاب ، سندھ اور سرحد سے تعلق پیدا نہیں ہؤا تھا ۔

سمدر گپت اور کشان بادشاہ

یقیناً مسٹر راچودھری کی یہ روایت صداقت سے خالی نہیں ہے کہ سمدرگپت ۳۳۰ء تا ۳۷۵ء کے آخری عہد میں بیرونی ملکوں کی جو سفارتیں اس کی سیاسی عظمت و شوکت سے مرعوب ہو کر اس کے دربار میں پہنچیں ، ان میں اترا پاتھہ ، مالوہ اور سوراشترا کی سفارتیں بھی تھیں اور یہ اپنے ساتھ بہت سے تحائف لائی تھیں اور ان کے آنے کی غرض یہ تھی کہ بادشاہ کو اپنی دوستی کا یقین دلائیں ۔ مسٹر راچودھری نے ان سفارتوں میں دیوا پترا شہنشاہِ پنجاب، و سندھ کی سفارت کا ذکر بھی کیا ہے اور صراحت کی ہے کہ یہ سفارت کشان بادشاہ کی تھی (۱) ۔

مسٹر سمتھ کے نزدیک یہ کشان شہنشاہ گرمباس تھا جس نے گپت بادشاہ کے ہاں سفارت بھجوائی تھی اور یہ وہی (۲) تھا جو شاپور ثانی کی مدد کے لیے ۳۶۰ء میں آمدہ پہنچا تھا اور اس کی خیمہ گاہ سب سے اونچی خیمہ گاہ تھی ۔

۱- پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا ، ص ۳۷۲ - ۳۷۳ -

۲- سمتھ ، جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۸۹۷ء ، ص ۳۲۹ -

اس سفارت کے معنیٰ دو ہی ہو سکتے ہیں ، ایک یہ کہ کشان شہنشاہ نے سمدرگپت کی سیاسی سربراہی کو خراجِ تحسین پیش کیا تھا ، دوسرے یہ کہ وہ اس سے دوستانہ تعلقات پیدا کرنا چاہتا تھا ۔ لیکن اس سے یہ قطعاً مراد نہیں لی جا سکتی کہ کشان بادشاہ گرمباس نے سمدرگپت کی باجگزاری قبول کر لی تھی ۔

چندر گپت ثانی بکرماجیت نے زیریں سندھ پر تسلط پایا

اگر یہ بات ہوتی تو سمدرگپت کا وارث ، چندرگپت ثانی بکرماجیت ۳۸۸ء میں کشان شہنشاہ کے نائب السلطنت وسواسینا پر حملہ آور نہ ہوتا اور کاٹھیاواڑ اور زیریں سندھ کو اپنی قلمرو میں شامل نہ کر لیتا (۱)۔

بہرحال خاندان گپت کا تعلق وادیٔ سندھ اور پنجاب سے صرف اس قدر ہے کہ ۳۷۰ء کے لگ بھگ یہاں کے کشان شہنشاہ گرمباس نے سمدرگپت سے دوستی پیدا کر لی تھی اور اسے دوستانہ طور پر قیمتی تحائف بھجوائے تھے اور ۳۸۸ء میں چندرگپت ثانی نے کاٹھیاواڑ اور ارضِ سندھ کے کشان وائسرائے کو ذبح کر کے اس کی سلطنت اپنی قلمرو میں ملا لی تھی ۔

یہ بات حتمی نہیں ہے

ہمارے پاس ایسی کوئی شہادت موجود نہیں ہے جس کے بل پر ہم وادیٔ سندھ پر چندرگپت ثانی کی دراز دستی کی تفصیل بیان کر سکیں ۔ تاریخ کے اوراق میں جو روداد اس باب میں بیان ہوئی ہے وہ انتہائی مختصر ہے اور اس کا ملخص صرف اتنا ہے کہ کاٹھیاواڑ ، گجرات اور زیریں سندھ اور کچھ کے ستراپ کا خاتمہ چندر گپت نے کیا تھا ۔ مسٹر سمتھ نے یہ روداد لکھنے کے بعد گمان ظاہر کیا ہے کہ ممکن ہے اس فتح کے بعد جلد ہی چندرگپت ثانی نے مقتول کی ریاست اپنی قلمرو میں شامل کر لی ہو (۲) ۔

کمار گپت اور سمدر گپت

ہمارا خیال ہے کہ چندرگپت ثانی نے وادیٔ سندھ میں آنے کی تکلیف گوارا نہیں کی ۔ چشتنا سربراہ کو شکست دے کر اور اسے پکڑ کر اپنے

۱۔ ارلی ہسٹری آف انڈیا ، مطبوعہ حیدرآباد ، ص ۴۴۳ ۔
۲۔ سمتھ ارلی ہسٹری آف انڈیا ، ص ۴۴۳ ۔

ساتھ لے جانے ہی کو کافی سمجھا تھا اور اس ریگزار سے گھبرا گیا تھا ، جو زیریں سندھ اور کاٹھیاواڑ گجرات کے مابین حائل ہے - چندرگپت ثانی اور اس کے وارث کمار گپت اور سمدر گپت ۴۵۵ء - ۴۸۰ء کو زیریں سندھ کا حاکم اعلیٰ کہا جا سکتا ہے ، اور یہ بات تسلیم کی جا سکتی ہے کہ ۳۸۸ء سے لے کر ۴۶۵ء تک گپت خاندان کو زیریں سندھ میں سیاسی سربراہی نصیب رہی لیکن اس وقت بھی جبکہ گپت بادشاہ زیریں سندھ کے حاکم اعلیٰ تھے کابل سے لے کر راوی دریا کے کناروں تک کی سر زمین کشان بادشاہوں کے تابع تھی اور یہ گپت خاندان کے بادشاہ نہیں ، خانہ بدوش سفید ھن تھے ، جنھوں نے کشان بادشاہوں سے وادیٔ گندھارا پر مشتمل علاقوں کی حکومت چھینی تھی (۱) اور وسطی ھند تک قیامتیں لہرا دی تھیں -

---

۱- سنگ ین چینی سیاح ۵۲۰ء بیل ریکارڈز جلد اول ، ص ۱۰۰ -

نواں باب

کشانوں کی طرح سفید ھن بھی وادیٔ گندھارا ، پنجاب اور سندھ کے میدانوں سے نکل کر وسطی ھندوستان تک جا پہنچے تھے

درۂ خیبر سے در آنے والے ان حملہ آوروں نے ھندوستان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے

سمدر گپت اور سفید ھنوں کا مقابلہ

درۂ خیبر کے ذریعہ ارض پاکستان میں داخل ھونے والی تمام دوسری اقوام کی طرح سفید ھن بھی وسطی ایشیا کے باشندے تھے اور خانہ بدوشوں کے سے انداز میں اپنے وطن سے نکلے اور جدھر سے گزرے آگ اور طوفان کا کھیل کھیلتے گئے -

عجیب بات ھے ، حالانکہ ان سے پہلے کی تمام وہ قومیں جو ھندوکش کی سمت آئیں اور وادیٔ گندھارا میں داخل ھوئیں ، جھولیوں میں پھول بھر کر ادھر نہیں آئی تھیں ، لیکن تاریخ نے ان پر بربریت اور وحشت کے وہ الزام عاید نہیں کیے جو ھنوں پر عائد کیے ھیں - شاید اس کی وجہ یہ ھو کہ ھنوں سے پہلے کے لوگ ، آبادکاروں کے انداز میں ادھر آئے تھے وہ کبھی ایک چراگاہ میں ٹھیرتے اور کبھی دوسری میں - وہ رک رک کر آگے بڑھتے رھے وہ تلواروں اور تیروں کے کھیل بھی کھیلتے ، کمزوروں کے خون سے ھاتھ بھی رنگتے ، لیکن ان کی رفتار میں وہ تندی و تیزی نہ تھی جو ھنوں کی رفتار میں تھی - ھنوں نے وہ منزلیں جو ان کے پیشرؤوں نے صدیوں میں طے کی تھیں مہینوں اور سالوں میں طے کر لیں - وہ طوفان کے سے انداز میں آگے کو اڑے اور کہیں رکنے کی بجائے شمال مغربی دروں میں سے ھوتے وادیٔ سندھ میں داخل ھو گئے - وہ بستیوں کو جلاتے اور کھیتوں کو ویران کرتے جب زیریں سندھ تک پہنچے تو گپت نے (۴۵۸) آگے بڑھ کر ان کی راہ روک لی - فریقین میں بڑی سخت لڑائی

ہوئی (۱) ۔ حالانکہ ہنوں کی تعداد ٹڈیوں ایسی تھی ، لیکن چونکہ ان کا کوئی رہنما سمدر گپت ایسا دانا بینا نہ تھا اس لیے وہ ہارے اور ہار کر پیچھے کو پلٹے ۔ سمدر گپت اور ہنوں میں کس مقام پر لڑائی لڑی گئی ، اس کی تصریح کہیں بھی موجود نہیں ہے ۔ البتہ کننگھم نے ایک مینار کی تصویر چھاپی ہے جو سمدر گپت نے بنارس کے مشرق میں ضلع غازی پور کے بھری مقام پر تعمیر کیا تھا اور یہ فتح کا مینار تھا (۲) ۔ ہو سکتا ہے ، فریقین میں یہ بڑی لڑائی بنارس کے آس پاس کہیں لڑی گئی ہو ۔

ہنوں کا دوسرا حملہ اور سارے پاکستان پر قبضہ

بہر حال ہن ہارے تو واپس ہوئے ، مگر چند سال بعد یعنی ۳۶۵ء میں دوبارہ اس طرف آئے ۔ اب وہ شاید بسنے کے لیے آئے تھے ، ان کی رفتار طوفانوں اور سیلابوں ایسی نہ تھی ۔ وہ بڑے اطمینان کے ساتھ وادیٔ گندھارا میں اترے اور چترال و سوات کے علاقوں میں سے ہوتے ، پوری ارض پاکستان پر غالب آ گئے ۔ یوں اس بار بھی انھوں نے بڑی وحشیانہ حرکات کیں ۔ بستیوں کو لوٹا ، ان میں آگ لگائی لیکن وہ شاید دل میں فیصلہ کرکے آئے تھے کہ یہاں آباد ہوں گے اس لیے برابر پانچ سال تک ارض پاکستان سے آگے نہیں بڑھے ۔ انھوں نے وادیٔ سندھ اور پنجاب پر دھیرے دھیرے قبضہ کیا اور اپنا قبضہ مضبوط کرنے کے بعد ۳۷۰ء میں سمدر گپت کی سرحد میں داخل ہوئے اور بستیوں کو جلاتے اور کھیتوں کو برباد کرتے وسط ہند تک پہنچ گئے ۔ غالباً یہ سمدر گپت کے بڑھاپے کے دن تھے کہ اس نے انھیں آگے بڑھنے سے قطعاً نہیں روکا ، یا روک نہیں سکا اور ہن ملک کو بڑی آزادی سے تباہ کرتے پھرے (۳) ۔

۱۔ پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا ، ص ۳۸۸ ۔ سمتھ ارلی ہسٹری آف انڈیا ، ص ۳۶۷ ۔

۲۔ کننگھم آرکیالوجیکل رپورٹ جلد اول جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی (۱۹۰۷) ، ص ۹۷۶ لوح ۳۹ ۔

۳۔ سمتھ ، ص ۳۷۸ ۔ بیل ریکارڈز جلد اول ، ص ۹۱ - ۱۰۰ ۔ پلیسٹرنا مترجمہ میک کرنڈلے ، ص ۵۹۷ ۔ ہیون سانگ مترجمہ شیفز ، ص ۹۴ ۔

تورمان ان کا قائد تھا وہ انھیں آگے بڑھاتا مالوہ تک لے گیا

ونسنٹ سمتھ کی رو سے اس بار ہن پہلے سے بہت بہتر حالت میں تھے۔ انھیں تورمان نامی ایک دانا سیاست دان کی راہ نمائی حاصل تھی ۔ وہ انھیں بڑی ہوش مندی کے ساتھ راجپوتانہ کے اندر سے آگے بڑھاتا مالوہ تک لے گیا اور راجہ مہاراجگان کا لقب اختیار کر کے حکومت کرنے لگا ۔

ونسنٹ سمتھ ہی کا بیان ہے کہ تورمان اپنی فوج کے ساتھ جدھر بڑھا ادھر ہی کے بادشاہ نے اس کی اطاعت قبول کر لی اور اسے خراج دینے لگا ۔

مہر گل کا زمانہ

عجیب بات ہے کہ تاریخ نے تورمان کو تو مالوہ تک آگے بڑھتے دیکھا ہے ، لیکن اس کی موت کے بعد اس کے جس بیٹے مہرگل نے اس کی خالی جگہ پر کی ، اس کا پایۂ تخت سیال کوٹ میں بیان کیا ہے ۔ خیال غالب ہے کہ تورمان کا پایۂ تخت بھی سیال کوٹ ہی تھا اور اس نے اس شہر کو مستقر بنا کر اپنی فوجیں آگے بڑھائی تھیں ۔

مہر گل کے بارے میں بیان ہؤا ہے کہ وہ ۵۱۰ء میں تخت نشین ہؤا۔ وہ بڑا ظالم اور جابر فرمانروا تھا وہ جب اپنے مفتوحہ علاقوں سے خراج کی رقم وصول کرنے کے لیے عمال روانہ کرتا ، تو ان کے ساتھ دو ہزار ہاتھی اور ایک بڑی فوج ہوتی تھی اور وہ لوٹ مار کرتی آگے بڑھتی تھی ۔

مہر گل اور کشمیر

یہی مہر گل وہ ہن بادشاہ ہے ، جس کے دربار میں ۵۲۰ء میں مشہور چینی سیاح سانگ ین حاضر ہؤا تھا ۔ اس وقت مہر گل اور کشمیر کے بادشاہ میں لڑائی جاری تھی ۔

مہر گل کے مقابلہ میں ہندوستانی اتحاد

مہر گل کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کے ظلم و جور کے خلاف ، قریب قریب سارے ہندوستان نے ایکا کر لیا تھا اور ہندوستان کی متحدہ فوجوں اور اس کے مابین بڑی سخت لڑائی ہوئی تھی ۔ ونسنٹ سمتھ کی رو سے یہ لڑائی ۵۲۸ء میں لڑی گئی تھی ، اس وقت مہر گل کو برسرِ اقتدار آئے ۱۸ سال ہو چکے تھے ۔ مہر گل کے خلاف صف بستہ ہونے والی

ہندوستانی فوج کی قیادت ، گپت بادشاہ بالادت اور وسطی ہند کے ایک راجہ لیسودھرمن نے کی تھی - مہر گل کو سخت شکست نصیب ہوئی - وہ لڑتا ہؤا گرفتار ہؤا لیکن بالادت نے اسے رہائی بخش دی اور بہت عزت کے ساتھ واپسی کی اجازت دے دی -

ونسنٹ سمتھ کہتے ہیں کہ مہرگل رہائی پانے کے بعد ساکل واپس ہؤا ، تو اس کا بھائی تخت و تاج پر قبضہ کر چکا تھا - غالباً اسے یہ حوصلہ مہر گل کی شکست اور اس کے گرفتار ہو جانے کی خبروں کی اشاعت کے بعد ہؤا تھا - بھائی نے ساکل کے دروازے اس پر بند کر دیے تو وہ کشمیر کی طرف دوڑا اور کشمیر کے بادشاہ کے ہاں پناہ لی -

مہر گل اور اس کا بھائی

ہم پیچھے سانگ ین کے حوالہ سے کہ چکے ہیں کہ وہ جب مہر گل کے دربار میں پہنچا تو اس میں اور بادشاہ کشمیر میں لڑائی چھڑی تھی - ہو سکتا ہے جس بادشاہ کشمیر کے پاس ، مہر گل نے پناہ لی ، وہ کوئی دوسرا ہو یا اس نے اس کے زوال پر اس کے حال پر رحم کھایا ہو - بہر حال مہر گل بادشاہ کشمیر کے ہاں حاضر ہؤا تو اس نے نہ صرف اسے خوش آمدید کہا بلکہ اسے ایک جاگیر بھی عطا کر دی - کچھ سال مہر گل نے اطمینان سے کاٹے لیکن بالآخر اپنے محسن کے خلاف بغاوت کی اور اس سے اس کی حکومت چھین لی - کشمیر پر قابض ہونے کے بعد مہر گل ، وادیٔ گندھارا کے علاقہ میں داخل ہؤا - غالباً گندھارا کے علاقہ سے مراد سوات ، چترال ، باجور اور وادیٔ کابل اور بالائی وادیٔ سندھ ہے - یہاں اس وقت ہن قوم کا ہی ایک فرد حاکم تھا - مہر گل نے اسے دھوکے سے قتل کر کے گندھارا کی پوری ریاست قبضہ میں کر لی -

مہر گل اور وادیٔ گندھارا

کہا گیا ہے کہ مہر گل نے جب گندھارا ریاست پر قبضہ کیا تو دریائے سندھ کے کنارے پر ہزاروں آدمیوں کو ذبح کیا - ممکن ہے یہ آدمی مہر گل کے خلاف صف بستہ ہوئے ہوں - یہ بھی بیان ہؤا ہے کہ مہر گل نے گندھارا اور کشمیر پر قبضہ کے وقت وہاں کی بدھ خانقاہوں اور سٹوپوں کو بڑی سفاکی سے تباہ کیا اور ان کے خزانے لوٹ لیے تھے - مہر گل اور اس کے ماتحت ہنوں پر یہ الزام بھی عائد کیا گیا ہے کہ انہوں

نے ٹیکسلا کی اینٹ سے اینٹ بجائی تھی اور اسے اس کی ہر پرانی عظمت سے محروم کر دیا تھا ۔ کہا گیا ہے کہ سفید ھنوں نے ٹیکسلا کو کچھ اس طرح برباد کیا تھا کہ یہ پھر کبھی آباد نہ ہو سکا ۔

یہ مہر گل کی زندگی کا آخری سال تھا ، اس کے بعد وہ زندہ نہیں رہا ۔ ونسنٹ سمتھ کی رو سے مہر گل کی موت غالباً ۵۴۰ء میں واقع ہوئی تھی(۱)۔ اور اس وقت اسے تخت نشین ہوئے تیس سال ہو چکے تھے ۔ ھیون سانگ نے اس کی بے رحمی اور سفاکی پر اسے بہت مطعون کیا ہے ۔ (۲)

مہر گل کی موت کے بعد کس ھن نے اس کی جگہ لی کچھ کہا نہیں جا سکتا ، یوں یہ حقیقت ہے کہ تقریباً ۶۰۴ء تک ھن وادیٔ سندھ اور پنجاب پر غالب رہے ۔

۱- سمتھ مطبوعہ حیدر آباد ، ص ۳۸۲ - بیل ریکارڈز جلد اول ، ص ۱۶۵ - ۱۷۲ -

۲- ویٹرس ، جلد اول ، ص ۲۲۸ -

دسواں باب

مہاراج ہرش کا تعلق ارض پاکستان سے

چھٹی صدی عیسوی کے نصف آخر کے بارے میں ڈاکٹر سمتھ کو جائز شکایت ہے کہ اس کے حالات بہت کم تاریخ کے سامنے آئے ہیں (۱)۔ ہمارے نزدیک اس کی وجہ اس کے سوا اور کوئی نہ تھی کہ اس دور میں ہندوستان اور ارض مغربی پاکستان کے کسی گوشہ میں بھی کوئی ایسی بڑی شخصیت نہیں ابھری تھی، جو تاریخ کا موضوع بن سکتی اور نہ کوئی ایسا اہم واقعہ ہی پیش آیا، جو اس سر زمین کے سیاسی سمندر میں غیر معمولی ہیجان پیدا کرنے کا موجب بنتا۔ ایشیائے وسطیٰ سے کوئی نئی حوصلہ مند، جری اور طوفانوں کا مزاج رکھنے والی قوم بھی ادھر نہیں آئی جو کچھ اور نہ سہی کھیتوں کو ویران ہی کرتی، عمارتوں کو گراتی اور آبادیوں کو کھنڈرات کی شکل دے سکتی۔

ہنوں کے خلاف خسرو نوشیرواں اور ترکوں کا اتحاد

پچھلی صدی میں جو سفید ہن مشرقِ وسطیٰ کے جنگلوں سے اٹھ کر ہزاروں سیلابوں کی سی تندی اور تیزی سے ادھر آئے تھے وہ اپنی ہر تندی اور ہر حرارت سے محروم ہو چکے تھے۔ ایران کے بادشاہ خسرو نوشیرواں(۲) اور ترکوں نے ایک مضبوط اتحاد کی شکل اختیار کر کے ۵۶۳ء اور ۵۶۷ء کے مابین صرف چار سال کے اندر اندر ہنوں کا کچھ اس طرح قتلِ عام کیا تھا کہ عوام ان کی نعشوں کو حشرات الارض کی طرح بستی بستی اور قریہ قریہ میں مرے پا کر حیرت سے انگلیاں منہ میں داب لیتے اور سوچتے تھے کہ کیا یہ نعشیں ان ہی سفید ہنوں کی ہیں جن کی تندی اور تیزی قیامت کو شرماتی تھی۔

۱- چونیز ص ، ۳۳۶ -

۲- ارلی ہسٹری آف انڈیا ، سمتھ ، ص ۳۸۳ - مطبوعہ حیدرآباد -

پربھا کرا وردھن اور ھن

غالباً ایران ، افغانستان اور ترکستان کے اضلاع میں سفید ھنوں کا یہ قتل عام ھی تھا جس کے باعث وسطی ھند کے ایک معمولی سے رجواڑے تھانیسر کے پربھاکرا وردھن کو حوصلہ ھؤا کہ تھانیسر سے چل کر ارض مغربی پاکستان کے ان پہاڑوں سے بار بار آن ٹکرائے جہاں ھن زخمی شیر کی طرح اپنے زخم چھپائے بیٹھے تھے ۔

تاریخی شہادتوں کی کمی کے سبب ھمارے لیے یہ فیصلہ بہت مشکل ھے کہ تھانیسر سے لے کر ارض پاکستان کے ھنوں کے علاقہ کے مابین کون کونسا رجواڑہ قائم تھا ۔ تاھم ھرش کے دور کے ایک سوانح نگار ''بانا'' نے پربھا کرا وردھن کو جو چند القاب دیے ھیں ، ان سے اندازہ ھوتا ھے کہ ھنوں کی سرحد اور تھانیسر کے مابین کوئی بڑی قوت حائل نہ تھی کیونکہ اس وقت کی چند بڑی قوتیں یہ تھیں : گندھارا ، ھن ، سندھو ، لتہ ، مالوا اور گرجرا ۔ آخرالذکر تین ، جنوبی ریاستیں تھیں اور گندھارا ، ھن اور سندھو اس سمت کی تھیں ۔

تھانیسر کے عروج کے وقت گندھارا ھن اور سندھو

بانا سوانح نگار ، اپنے ممدوح پربھا کرا وردھن کو ان سب ریاستوں کے لیے عظیم خطرہ ٹھہراتا ھؤا اسے ھر ایک کی نسبت سے ایک ایک خطاب دیتا ھے ۔ مثلاً اس کا ممدوح ھنوں کے مقابلہ میں شیر تھا اور ھن ھرن تھے ۔ سندھو کے بادشاہ کے لیے اس کے ممدوح کی حیثیت تپ محرقہ کی تھی ، گرجرا بادشاہ کی نیند اس کی وجہ سے حرام تھی اور گندھارا کا تاجدار اس کے سبب لرزش تپ کی مانند کانپتا رھتا تھا ۔

بانا کا ممدوح مالوہ کے لیے ایک کلھاڑے کی حیثیت رکھتا تھا اور لٹاس کے ھوش اس کے تصور سے گم ھو جاتے تھے (۱) ۔

ھمیں نہیں معلوم شاعر بانا بھٹ نے اپنے اس ممدوح کو یہ خطابات محض ''حافظ شیرازی'' کے سے انداز میں بخشے تھے ، یا ان کی کوئی حقیقت بھی تھی ۔ بانا نے اس سلسلہ میں اپنے ممدوح اور اس کے حریفوں کے مابین کسی بڑی لڑائی کا ذکر نہیں کیا ، صرف اتنا کہا ھے کہ پربھاکرا وردھن

۱۔ ھرسا کریتا بانا ترجمہ کوول ، ص ۱۰۱ ۔ کلاسیکل ایج ، ص ۹۷

نے اپنی موت سے کچھ دن پہلے اپنے دونوں بیٹوں رجیا وردھن اور ہرشا وردھنا کی قیادت میں دو فوجیں ہنوں کے مقابلہ میں تھانیسر سے روانہ کی تھیں ۔

ھن ریاست پر رجیا وردھن اور ھرش کا حملہ

ڈاکٹر سمتھ کا بیان ہے کہ رجیا وردھن کافی پہلے تھانیسر سے نکلا اور ہرشا کی (۱) سوار سپاہ کافی دن بعد چلی ، رجیا وردھن ہنوں کے ساتھ لڑتا ، پہاڑوں میں گھس چکا تھا تو ہرشا ھن حدود میں داخل ہؤا اور ابھی شکار و تفریح میں مصروف تھا کہ تھانیسر سے خبر آئی کہ پربھا کرا وردھن مرض الموت میں مبتلا ہے ۔ ہرشا فوراً واپس ہؤا ۔ ڈاکٹر سمتھ کا بیان ھے کہ اس دوران رجیا وردھن ہنوں کو شکست دے چکا تھا ، لیکن باپ کی موت کی خبر پا کر اسے تھانیسر لوٹنا پڑا (۲) ۔

ڈاکٹر مزمدار نے رجیا وردھن کی کامیابی یا عدم کامیابی کے بارے میں لاعلمی ظاہر کی ہے وہ کہتے ھیں :

But the result of the expedition is not known, probably no conflict took place as Rajya-vardhna was suddenly called back to the capital on account of the illness of his father which proved fatal.

ڈاکٹر مزمدار کے نزدیک بانا سوانح نگار کی یہ روداد خاصی تشنہ ہے اور اس سے اس کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوتا کہ یہ یا ایسی ایک اور مہم ہنوں کے خلاف بھیجی گئی تھی اور ہنوں کی بادشاہت ہمالیہ کے دامن سے کچھ زیادہ دور نہ تھی (۳) ۔

ھنوں کا پایۂ تخت سیال کوٹ تھا

ڈاکٹر مزمدار کو یہ کہتے وقت غالباً خیال نہیں رہا کہ مہر گل اور اس سے پہلے کے ھن بادشاہوں کا پایۂ تخت سکالہ یا موجودہ سیال کوٹ تھا ۔ ہو سکتا ہے کہ رجیا وردھن جب سیال کوٹ پر حملہ آور ہؤا ہو تو

۱- سمتھ ، ص ۵۰۹ - ۵۱۰ (مطبوعہ حیدرآباد) ۔
۲- سمتھ ، ص ۵۰۹ ۔
۳- کلاسیکل ایج ، ص ۹۸ ۔

ہن جموں سے پرے ، کشمیر کے پہاڑوں میں جو ہمالیہ کا ھی حصہ ھیں جا چھپے ھوں ۔

ڈاکٹر مزمدار نے اس مرحلہ پر یہ اشتباہ بھی ظاھر کیا ھے کہ ھو سکتا ھے کہ تھانیسر کے پربھاکرا وردھن اور اس کے دشمنوں میں عملاً کوئی لڑائی نہ لڑی گئی ھو اور شاعر بانا بھٹ نے محض شاعرانہ تعلی سے کام لیا ھو اور یوں ھی اپنے ممدوح کو اپنے دشمنوں کے لیے خطرہ قرار دے دیا ھو ۔

بہرنوع ھنوں کے خلاف پربھاکرا وردھن کی یہ مہم جو اس کے بیٹے رجیا وردھن اور ھرش کی قیادت میں روانہ ھوئی تھی ، اس لحاظ سے کامیاب نہ تھی کہ اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ھؤا تھا ۔

یہ مہم خواہ کامیاب تھی یا نہ تھی اس سے یہ لازماً ظاھر ھوتا ھے کہ ھنوں اور تھانیسر کے حدودِ سلطنت تمام مقامات سے نہ سہی ، کسی نہ کسی جگہ سے ضرور ملتے تھے اور ھن تھانیسر کے اسی طرف کے ھمسائے تھے ۔

ڈاکٹر ٹری پاتھی نے اپنی کتاب ھسٹری آف قنوج میں سر کننگھم کی یہ رائے نقل کی ھے کہ تھانیسر کے حدود ایک طرف سے جنوبی پنجاب اور دوسری طرف سے مشرقی راجپوتانہ تک پھیلے تھے ، خود ڈاکٹر ٹری پاتھی کی اپنی رائے ھے کہ تھانیسر کے شمال مغربی حدود پنجاب میں ھنوں کی حدود سے ملتے تھے ۔

جیسا کہ ھم نے اوپر عرض کیا ، پربھاکرا وردھن ، اس کے سوانح نگار بانابھٹ کی رو سے گندھارا ھنوں اور سندھو بادشاھوں کے لیے ایک بڑا خطرہ تھا ۔ دوسرے لفظوں میں ھرش نے جب اپنے باپ کی موت اور بہنوئی اور بھائی کے قتل کے بعد تھانیسر اور قنوج کے تاج سر پر پہنے ، تو اس وقت تھانیسر کی ادھر کی شمال مغربی ریاستیں صرف تین تھیں ، گندھارا ، ھن اور سندھو ۔

ھرش چندرگپت اور اشوک کی طرح تاریخ ھند کا ایک بہت بڑا بادشاہ ھے ۔ اس کے شاعر سوانح نگار بانابھٹ نے دنیا بھر کی ھر بڑائی اور خوبی اس کی جھولی میں ڈال دی ھے اور اسے عظیم ترین بادشاہ اور فاتح گردانا ھے ، لیکن اس نے ھرشا کی جھولی میں ھر بڑائی ڈال دینے کے باوجود اس کی

حدودِ سلطنت پر کوئی ایسی روشنی نہیں ڈالی جس سے اندازہ کیا جا سکتا کہ اس کے ممدوح کے زمانہ میں تھانیسر و قنوج کے حدود کیا تھے۔

سندھ پر حملہ

ڈاکٹر ترپاتھی نے بلاشبہ بانا کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

The greatest of all men, having pounded the King of Sind, made his wealth his own, and also taken tribute from an inaccessible land of the snowy mountains.

دنیا کے انسانوں میں سے اس سب سے بڑے انسان نے سندھ کے بادشاہ کو اپنے پاؤں تلے روندنے کے بعد اس کی املاک اپنے قبضہ میں لے لیں۔ اس کے علاوہ اس نے ناقابلِ رسائی برفانی پہاڑی علاقہ سے خراج وصول کیا (۱)۔

گو بانابھٹ کی یہ شہادت ابہام کی حد تک مجمل ہے، تاہم اس سے اتنا ضرور واضح ہوتا ہے کہ بادشاہ ہرش نے سندھ فتح کر لیا تھا اور غالباً ہمالیہ کی برفانی چوٹیوں پر چڑھائی بھی کی تھی۔

ہرش کے زمانہ کی ریاست گندھارا

ڈاکٹر ترپاتھی کے نزدیک بانابھٹ کی یہ مبہم شہادت چونکہ ناکافی ہے اس لیے ہمیں ہرش کے حدودِ سلطنت کے تعین کے وقت ہیون سانگ کی ان تشریحات کو پیشِ نظر رکھنا لازم ہے، جو اس عظیم بدھ سیاح نے اپنی سیاحت کے دوران، اس وقت کی بعض ریاستوں کے بارے میں اپنے سفرنامہ میں درج کی ہیں(۲)۔ مثلاً وہ لغمان کے بارے میں کہتا ہے کہ "یہ ریاست ان دنوں ہر طرح کی سیاسی سربلندی سے محروم ہو چکی ہے اور کیسپیا کے ماتحت ہے۔ گندھارا کے متعلق بھی ہیون سانگ کا یہی بیان ہے کہ یہ بھی کیسپیا کے تابع ہے۔ اس کی آبادی بہت کم ہے۔ بستیاں ویران ہو چکی ہیں اور شہر کھنڈرات میں تبدیل ہو گئے ہیں۔"

۱- بانا ترجمہ کوول، ص ۲۰۹۔ ترپاتھی ہسٹری آف قنوج، ص ۸۱-

۲- ہسٹری آف قنوج، ص ۸۵۔

هیون سانگ بنوں پہنچا

هیون سانگ گندھارا ریاست کے حدود سے نکلنے کے بعد وارانا ریاست میں پہنچتا ہے ، جو سینٹ مارٹن کی رو سے موجودہ وانیہ اور کننگھم کے نزدیک بنوں ہے - هیون سانگ نے اسے خوب آباد پایا لیکن یہ ریاست بھی کیسپیا کے ماتحت تھی -

وادیٔ گندھارا اور اس سے ملحقہ علاقہ کا هرش سے کوئی تعلق نہ تھا

هیون سانگ کیسپیا کے بادشاہ کو کھشتری بتاتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ وہ بدھ دھرم کے تابع تھا اور اس کے حلقۂ اطاعت میں دس علاقے شامل تھے -

ڈاکٹر ٹری پاتھی هیون سانگ کے ان اقتباسات کو نقل کرنے کے بعد اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک ان دنوں کیسپیا کی یہ کھشتری ریاست خود مختار تھی اور قنوج سے اس کا کوئی واسطہ نہ تھا (۱) -

هزارہ ، ٹیکسلا اور کشمیر

هیون سانگ بنوں سے ٹیکسلا پہنچتا ہے - هیون سانگ کی رو سے ٹیکسلا ان دنوں کیسپیا سے الگ ہو چکا تھا اور اس کے سربراہوں نے جو شہر کے نظم و نسق کے ذمہ‌دار تھے اور مل جل کر حکومت کرتے تھے ، کشمیر کو اپنا سربراہ بنا رکھا تھا -

ٹیکسلا کے بعد هیون سانگ سمہاپڑہ یا ناراسمہا میں داخل ہؤا ، جو کوهستان نمک کے شمال کا علاقہ تھا ، وهاں ان دنوں کوئی حکومت قائم نہ تھی ، راجہ کشمیر کا سکہ وهاں بھی رواں تھا -

ناراسمہا کے بعد هیون سانگ هزارہ میں پہنچا جسے وہ وولاشی یا اسارا کا نام دیتا ہے - یہ بھی ان دنوں کشمیر کے ماتحت تھا -

کشمیر کا راجہ

هیون سانگ نے هزارہ کے بعد پونچھ اور راجوڑی کا ذکر کیا ہے اور انھیں کشمیر کے حدود میں شامل کیا ہے - یہاں سے هیون سانگ کشمیر

۱- ویٹرس ، جلد اول ، ص ٦٥٩ - هسٹری آف قنوج ، ص ۸۵ -

کے اصل حدود میں پہنچتا ہے اور راجہ کشمیر کا مہمان ہوتا ہے ۔ حالانکہ کشمیر کے اس راجہ نے اس عظیم سیاح کی خوب خاطر مدارات کی تھی اور اسے بہت سی سہولتیں مہیا کی تھیں ، اس کے باوجود ہیون سانگ نے اپنے میزبان کا نام نہیں لکھا ۔

ڈاکٹر ٹری پاتھی نے اس راجہ کشمیر کے نام کے سلسلہ میں کلہانہ کی راج ترنگنی سے مدد لی ہے ۔ جس کی رو سے ہیون سانگ کی سیاحت کے وقت ورلبھ وردنھا کشمیر کا حکمران تھا ۔ وہ ۶۰۱ بعد از مسیح میں تخت نشین ہؤا اور چھتیس سال تک حکومت کی ، اس طرح وہ ہرش کا ہمعصر تھا ۔

ڈاکٹر مکرجی نے ، ہرش کے حالات میں جو کتاب رقم کی ہے اس میں انھوں نے ہیون سانگ کی سوانح حیات کے حوالہ سے یہ مفروضہ قائم کیا ہے کہ کشمیر کا راجہ مہاراج ہرش کا احترام کرتا تھا اور اسے خراج دیتا تھا ۔

غالباً ڈاکٹر مکرجی کے پیش نظر بانا بھٹ کی یہ روایت تھی کہ ہرش نے برفانی پہاڑوں کی سرزمین سے خراج وصول کیا تھا ۔

ہرش کی کشمیر پر چڑھائی

اس اجمال کی تفصیل کہتے وقت ڈاکٹر مکرجی رقم طراز ہیں کہ ہمیں معلوم ہؤا ہے کہ مہاراج ہرش کو خبر ملی تھی کہ کشمیر میں مہاتما بدھ کا ایک دانت محفوظ ہے ۔ مہاراج ہرش یہ اطلاع پانے کے بعد بہ نفس نفیس ، کشمیر کی سرحد پر پہنچا اور سرحد کے سربراہ کو مطلع کیا کہ وہ مقدس دانت کی زیارت اور اس کی پرستش کرنا چاہتا ہے ، راستے سے ہٹ جائے ۔ مگر سربراہ نے دانت چھپا دیا اور ہرش کو قوت استعمال کرنا پڑی (۲) ۔

یہ بھی بیان ہؤا ہے کہ ہرش نے زبردستی کشمیر کے لوگوں کی مرضی کے خلاف یہ مقدس امانت اپنی تحویل میں لے لی اور اسے لے کر قنوج واپس ہؤا ۔

۱- ہرش مکرجی ، ص ۴۰ ۔

۲- ویٹرس جلد اول ، ص ۲۵۹ ۔ ہرش مکرجی ، ص ۴۰ ۔

ڈاکٹر ٹری پاتھی نے گو یہ ساری داستان دھرا دی ہے ، لیکن انھوں نے اس پر تنقید بھی کی ہے ۔ ان کے نزدیک ہرش کے قوت استعمال کرنے سے یہ مراد نہیں لی جا سکتی کہ اس نے راجہ کشمیر سے لڑائی لڑی تھی ۔ کیونکہ راجہ کشمیر نے یہ دانت آپ اپنی خوشی سے ہرش کے حضور نذر کر دیا تھا (۱) ۔

کشمیر کا اپنا ایک ہرش تھا

ڈاکٹر ٹری پاتھی نے اس سلسلہ میں راج ترنگنی کی ایک عبارت بھی نقل کی ہے ، جس کا مفہوم یہ ہے کہ اس وقت سے لے کر ریاست کشمیر جو اندرونی خلفشار کے سبب کافی کمزور ہو چکی تھی کچھ دن ہرش اور دوسرے بادشاہوں کے تابع رہی ۔

ڈاکٹر مکرجی کہتے ہیں کہ اس باب میں یہ شہادت خاصی وزنی نظر آتی ہے لیکن اس میں جس ہرش کا ذکر ہوا ہے وہ قطعاً قنوج کا ہرش نہیں ہے ۔ جب کہ مسٹر این رائے کو غلط فہمی ہوئی ہے ، یہ کوئی دوسرا ہرش تھا ، جس کا ایک بیٹا بھی تھا ۔ لیکن قنوج کے ہرش کے بارے میں ہر ایک کو معلوم ہے کہ اس کا کوئی وارث نہ تھا ۔ اسی لیے اس کی موت کے بعد اس کی سلطنت پارہ پارہ ہو گئی (۲) ۔

سندھ اور بیاس کا درمیانی علاقہ بھی ہرش کا نہ تھا

ڈاکٹر ٹری پاتھی نے ، ہیون سانگ کے سیاحت نامہ سے یہ بات بھی اخذ کی ہے کہ سندھ اور بیاس کا درمیانی علاقہ بھی ہرش کے تابع نہ تھا ۔

وہاں تاکا حکومت قائم تھی ، جس کے ماتحت ملتان اور پرواتہ کے صوبے تھے ۔

ڈاکٹر ٹری پاتھی کہتے ہیں کہ ہیون سانگ کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تاکا سلطنت خود مختار تھی اور ہرش کے ماتحت نہ تھی (۳) ۔

۱- ہسٹری آف قنوج ، ص ۸۵ ۔
۲- ایضاً ، ص ۸۵ ۔
۳- ایضاً ، ص ۸۵ ۔

ریاست جالندھر اور ھرش

ڈاکٹر ٹری پاتھی نے ھیون سانگ کے حوالہ سے پنجاب کی ایک اور ریاست جالندھر کا ذکر بھی کیا ھے ، جہاں سے ھیون سانگ گزرا تھا اور جس کے بادشاہ ووٹی ، ودھی یا بڈھی کو ھرش کی طرف سے یہ خدمت تفویض ھوئی تھی کہ وہ عظیم سیاح کو سرحد تک حفاظت کے ساتھ پہنچا دے ۔ ڈاکٹر ٹری پاتھی نے اس امر کو تسلیم کیا ھے کہ ھو سکتا ھے کہ جالندھر کی ریاست ھرش کے ماتحت ھو اور اس کا راجہ ھرش کا باجگزار ھو ۔

ہمارے نزدیک یہ محض امکان ھی نہیں ھے ، یہ ایک حتمی بات ھے ۔ کیونکہ ڈاکٹر ٹری پاتھی نے اس ریاست کے ایک پہلے راجہ کے بارے میں یہ داستان بھی ھیون سانگ سے نقل کی ھے کہ وہ بدھ مذھب سے بڑی عقیدت اور محبت رکھتا تھا اور وسطی ھند کے بادشاہ نے اسے پوری مملکت میں بدھ خانقاھوں اور معبدوں کی تعمیر و قیام کی خدمت سونپ رکھی تھی اور اس نے یہ خدمت بجا لاتے ھوئے ، جا بجا خانقاھیں اور معبد تعمیر کیے تھے (۱) ۔

ڈاکٹر سمتھ نے اپنی تصنیف ارلی ھسٹری آف انڈیا میں بھی ، ھیون سانگ کی واپسی کے ذکر میں ، یہ روداد ویٹرس جلد اول سے نقل کی ھے ۔ لیکن عجیب بات ھے ، ڈاکٹر ٹری پاتھی اور ڈاکٹر سمتھ نے ویٹرس کی روداد سے جدا جدا نتائج برآمد کیے ھیں ۔ ٹری پاتھی کہتے ھیں :

As we learn from the life that he charged the King of Jalandhara named Wuti Wuddhi or Buddhi to escort the pilgrim in safety to the frontiers.

اس کے برعکس ، سمتھ فرماتے ھیں :

> ودیت نامی راجہ کو حکم ھؤا کہ ایک دستہ کو ساتھ لے کر جاتری کو سرحد تک پہنچا آئے ۔ آھستہ آھستہ راستہ طے کرنے اور

۱۔ ٹری پاتھی ، ص ۸۷ ۔ ھسٹری آف قنوج ۔ بحوالا ویٹرس جلد اول ۲۹۶ ۔ بیل جلد اول ، ص ۱۷۶ ۔

منازل میں طویل قیام کرنے کے بعد تقریباً چھ ماہ کے عرصہ میں راجہ اپنے فرض سے سبکدوش ہؤا اور اپنے مہمان کو امن و امان سے پنجاب کے مشرق میں جالندھر کے مقام تک پہنچا گیا ۔ جہاں هیون سانگ نے ایک ماہ قیام کیا ۔ یہاں سے وہ ایک نئے طلبه کے ساتھ روانہ هؤا اور کوهستان نمک کو بمشکل قطع کرنے کے بعد دریائے سندھ کو عبور کیا (۱) ۔

ساکل اور ملتان هرش سے الگ تھے

ڈاکٹر سمتھ کی رو سے هیون سانگ نے جس پنجابی ریاست کا ذکر کیا ہے اس کا پایۂ تخت ساکل ، سیال کوٹ کے نواح میں واقع تھا اور ملتان اس کے تابع تھا جہاں سورج دیوتا کی پرستش ہوتی تھی ۔

اگر اس سلطنت کی راج دهانی سیال کوٹ کے نواح میں تھی اور اس میں ملتان تک کا علاقه شامل تھا ، تو پھر یا تو یه هنوں کی ریاست تھی یا هنوں کے اقتدار اور پیچھے کی سمت سرک گیا تھا ۔

سندھ کا راجه شودر تھا

ڈاکٹر سمتھ نے هیون سانگ سے ، سندھ کی اس وقت کی جو روداد مستعار لی ہے اس کی رو سے سندھ کا راجه شودر تھا ، لیکن بدھ مذهب کے تابع تھا اور اس کی عملداری میں بھکشوؤں کی بہت بڑی تعداد رهتی تھی اور یه تعداد دس هزار سے کم نه تھی ، ڈاکٹر سمتھ کا بیان ہے که اس وقت کے سندھ کے اس بدھ راجه کا پایۂ تخت الور تھا اور یه یقیناً دیو جی کا بیٹا سهرس رائے تھا (۲) ۔

ڈاکٹر سمتھ کے اس منقوله اقتباس کو پیش نظر رکھتے وقت اگر اس شاعرانه تعلی کو فراموش نه کیا جائے که هرش نے جو روئے زمین کے انسانوں میں سے سب سے بڑا تھا ، سندھ کے راجه کو اپنے پاؤں تلے مسل کر اس کی املاک اپنے قبضه میں لے لی تھیں تو پھر ان دونوں روایتوں میں تطبیق کی صورت صرف یه هوگی که هو سکتا ہے که بانا بھٹ نے جس

۱- قدیم تاریخ هند ، ص ۵۳۰ - مترجمه مولوی جمیل الرحمان ۔ مطبوعه حیدر آباد ۔

۲- قدیم تاریخ هند ، ص ۵۳۴ ۔

بادشاہ سندھ کا ذکر کیا ہو ، اسے ہرش نے شکست تو دی ہو ، اس کے املاک بھی چھین لیے ہوں لیکن بعد میں اسے معاف کر دیا ہو اور اس کی ریاست اسے واپس دے دی ہو ۔

بہر حال ہرش اس دور کی چونکہ عظیم ترین شخصیت تھی ، اس لیے ارض مغربی پاکستان کی سیاسیات پر اس کے وجود کے کافی اثرات پڑے تھے۔

گیارھواں باب

ارضِ پاکستان کی تہذیبی و تمدنی زندگی میں ٹیکسلا کا مقام

فصل اول

ٹیکسلا ، ارضِ پاکستان اور ہندوستان کی تہذیبی زندگی کا سب سے بڑا مرکز تھا

ارضِ پاکستان اور ہندوستان کی معلوم تاریخ میں اسے تمام شہروں پر تقدم حاصل ہے

سرجان مارشل کا خیال ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ شہر پانچ سو سال قبلِ مسیح سے بھی پہلے آباد ہؤا ہو اور اس کا زمانہ وہی ہو جو موہن جوڈیرو یا ہڑپا کا ہے ، لیکن سرجان مارشل کے نزدیک یہ بات اس وقت تک قیاسی ہے جب تک ایسی کسی تہ کی کھدائی نہ ہو جس سے موہن جوڈیرو اور ہڑپا سے ملتے جلتے آثار برآمد ہوں (۱) ۔

ٹیکسلا اور رام چندر جی

سرجان مارشل نے اس اظہارِ خیال کے باوجود یہ بات دہرانی ضروری جانی ہے کہ رامائن میں ٹیکسلا کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اس کی بنا مہاراج رام چندر کے چھوٹے بھائی بھرت کے ایک بیٹے نے رکھی تھی (۲) ۔

سرجان مارشل نے اس اجمال کی تفصیل بیان نہیں کی ، شاید اس لیے کہ یہ ''داستان'' ''روایت'' کے واسطے سے ان تک پہنچی تھی ، اسے ''پتھر'' کی زبان نصیب نہ ہوئی تھی تاہم ہمارے نزدیک یہ داستان بہت اونچی روایت کا مقام رکھتی ہے اور ہم اس کی تفصیل لازماً بیان کریں گے ۔

---

۱ ۔ ٹیکسلا جلد اول ، ص ۱۲ ۔

۲ ۔ رامائن جلد ۸ ، ص ۱۰۱ ۔ ویدک ایج ، ص ۲۹۰ ۔

جیسے کہ پیچھے بھی ذکر ہؤا ھے کہ مہاراج رام چندر کے باپ دسرتھ کی کئی بیویاں تھیں اور ایک بیوی وادیٔ گندھارا کی ایک بڑی ریاست کیکایا کی شہزادی تھی (۱) غالباً کیکائی رانی اپنے ماں باپ کی بڑی لاڈلی بیٹی تھی اور دسرتھ نے اس سے شادی کرتے وقت بڑی کڑی شرائط تسلیم کی تھیں، جن میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ اس کے بطن سے جو بیٹا پیدا ھوگا وھی وارثِ تاج و تخت ھوگا - اس شرط کی وجہ سے مہاراج رام چندر کو بن باس اختیار کرنا پڑا اور ان کا چھوٹا بھائی "بھرت" جسے کیکائی رانی کے بطن سے پیدا ھونے کا شرف حاصل ہؤا تھا، باپ کا وارث بنا اور تاج پہنا -

ویدک ایج کے مصنف کا بیان ھے کہ بھرت کو اپنے ماموں کی طرف سے کیکایا ریاست، زیریں سندھ اور بالائی سندھ کے میدان بطور وراثت نصیب ھوئے تھے - اس کے دو بیٹے تھے، تکشا اور پشکارا، جو باپ کے بعد کیکائی تخت پر جلوہ فرما ھوئے - ایک نے اپنے نام پر پشکاراوتی آباد کیا اور دوسرے نے تکشاسلہ بسایا، یہی بعد میں ٹیکسلا بنا (۲) -

رامائن کی یہ روایت جسے ویدک ایج کے مؤلفین اور سرجان مارشل نے دھرایا ھے، اگر بنیاد مان لی جائے تو پھر ٹیکسلا کی قدامت مہاراج رام چندر کے زمانہ کو چھو لیتی ھے -

مہاراج رام چندر تاریخِ قدیم ھند کی ایک عظیم ترین شخصیت ھیں اور ان کے زمانہ کے تعین میں علمائے قدیم تاریخ نے بڑی دلچسپی لی ھے - مثلاً سر ولیم جونز کے نزدیک رام دو ہزار انتیس سال قبلِ مسیح کی شخصیت تھے - مشہور عالمِ لسانیات و نسلیات رنگ اچاریہ نے انھیں گیارہ سو سال قبلِ مسیح سے منسوب کیا ھے - گورسیو کی رو سے مہاراج رام چندر تیرھویں صدی قبلِ مسیح میں پیدا ھوئے تھے - البتہ بنٹلے نے انھیں ۹۵۰ سال قبلِ مسیح سے وابستہ کیا ھے (۳) -

ان تاریخوں میں بنٹلے کی تاریخ سب سے کم ھے، اگر فرض کر لیا

۱- ویدک ایج، ص ۲۹۱ -
۲- ایضاً، ص ۲۹۱ -
۳- ویدک انڈیا - رنگ اچاریہ جلد ۳، ص ۱۲۹ -

جائے کہ مہاراج رام چندر ۹۵۰ قبل مسیح کی شخصیت تھے تو پھر ان کے بھتیجوں نے ٹیکسلا اور پشکراوتی شہر ۹۰۰ سال قبل مسیح میں آباد کیے تھے ۔

ہمارے نزدیک یہ مدت کم سے کم مدت ہے ، ورنہ جین روایتوں میں تو ادعیٰ کیا گیا ہے کہ لاکھوں سال گزرے کہ پہلا جینا ، رشابھہ اس دنیا میں مبعوث ہؤا تھا اور اس نے ٹیکسلا کو شرف قدام بخشا تھا (۱) ۔

جب سے یئیل اکسپڈیشن اور دوسرے علمائے سائنس جدید نے راولپنڈی کے ماحول کو اپنی تحقیقات نو کا محور بنایا ہے اور یہ انکشاف کیا ہے کہ سون اور ھرو ندیوں کے سیراب ہونے والے اس علاقہ میں آدمی پہلے برفانی عہد کے اختتام اور دوسرے برفانی وقفہ کے آغاز میں آباد تھا اور یہ عہد پانچ لاکھ سال پہلے کا ہے تو اس وقت سے نئے علمائے تاریخ نے بھی یہ امکان تسلیم کر لیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ٹیکسلا کا علاقہ لاکھوں سال پہلے سے آباد ہو چکا ہو ۔

ٹیکسلا کی شاھراھیں اور ان کی قدامت

یوں ہمیں سرجان مارشل کی اس رائے سے سو فی صدی اتفاق ہے کہ شہر ٹیکسلا کی بنا اس وقت رکھی گئی تھی جب شاھراھیں وجود میں آ چکی تھیں اور نقل و حرکت بیل گاڑیوں کے ذریعے ممکن ہو گئی تھی (۲)۔

ہمارے نزدیک یہ شاھراھیں اس وقت لازماً موجود تھیں جب موھن جوڈیرو اور ہڑپا کی تہذیب جوان تھی ، کیونکہ موھن جوڈیرو اور ہڑپا جیسے اونچے شہروں کے خالقوں کے ملک میں آمد و رفت کے ذرائع عمدہ نہ ہوں ، یہ بات بعید از قیاس ہے ، خصوصیت سے جبکہ اس کے تجارتی تعلقات بہت وسیع ہوں ۔

ویدک ایج کے مؤلفین نے ڈاکٹر میکے کے حوالہ سے یہ دعویٰ کیا ہے کہ نفیس دھاتوں ، قیمتی پتھروں اور اس نوع کے دوسرے سامان کی درآمد کے سلسلہ میں وادیٔ سندھ اور جنوبی اور مشرق ہندوستان ،

۱- سیکرڈ بکس آف ایسٹ ، جلد ۱۷ ، ص ۱۷۳ - ۱۷۵ -
۲- ٹیکسلا جلد اول ، ص ۱۲ -

کشمیر ، میسور ، نیل گری اور وسطی اور مغربی ایشیا کے مابین گہرا رابطہ تھا ۔ سومر کے ساتھ وادیٔ سندھ کے روابط کی شہادتیں بہت ھیں ۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ھے کہ اس کے تجارتی تعلقات کریٹ اور مصر سے بھی تھے (۱) ۔

ہم زیادہ تفصیل میں نہیں جائیں گے کیونکہ یہ بات ہم پہلے کافی وضاحت سے کہ چکے ھیں ۔ یہاں صرف یہ اشارہ مقصود ھے کہ جب وادیٔ سندھ کا تجارتی تعلق سومر ، وسطی اور مغربی ایشیا ، کریٹ ، مصر اور ھندوستان کے جنوبی اور مشرقی حصوں سے قائم تھا تو پھر یہ تعلق ٹیکسلا اور اس نواح کے دوسرے شہروں سے بھی قائم ھوگا اور لازماً اس تعلق کو استوار رکھنے کے لیے چھوٹی بڑی سڑکیں بھی بنی ھوں گی اور ان میں سے بڑی سڑک غالباً وھی ھوگی جو درۂ خیبر کو پار کر کے کابل ، قندھار کے راستے بلخ بخارا تک رسائی پاتی تھی ۔

اگر فرض کر لیا جائے کہ یہ عالم گیر شاھراہ موھن جوڈیرو اور ھڑپا کے زوال کے زمانہ تک قائم رھی تھی اور اسی کے راستے پہلے آرین قبائل وادیٔ سندھ میں اترے تھے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ بعد میں ایران سے ترکِ وطن کر کے آنے والے آریوں اور تجارتی کاروانوں نے مسلسل و متواتر اسی شاھراہ کو روندا ھوگا ۔

پیچھے سکندر مقدونی کے حملہ کے سلسلہ میں یہ بات واضح کی جا چکی ھے کہ سکندر مقدونی نے اوھند کے مقام پر جب دریائے سندھ کو عبور کیا تو وہ جس راہ پر چلا وہ اسے ٹیکسلا لے آئی تھی ۔ حالانکہ اوھند ٹیکسلا سے تین منزل کے فاصلہ پر تھا (۲) ۔

مشہور جغرافیہ دان سر کننگھم کا یہ بیان بھی اس سلسلہ میں قابلِ ملاحظہ ھے کہ وادیٔ کابل سے ھندوستان میں داخل ھونے کا قدیم راستہ پشاور (پرشپور) سے ھوتا ، ھوتی مردان اور شاھباز گڑھی سے گزر کر اوھند پہنچتا تھا (۳) ۔

۱- ویدک ایج ، ص ۱۷۹ ۔

۲- قدیم تاریخ ھند ، سمتھ ، ص ۷۹ ۔ مطبوعہ حیدرآباد ۔ جرنل ایشیاٹک سوسائٹی جلد ۱۸ ، ص ۲۳۴ ۔

۳- اینشنٹ جیاگرافی ، ص ۵۳ (کننگھم) ۔

یہ راستہ جو اب تک پہلے ہی کی طرح رواں دواں ہے ، سب سے پہلے کب تعمیر ہؤا یا سب سے پہلے آریوں نے اپنے تجارتی کارواں اس پر کب دوڑائے تھے ، یہ سوال خاصا اہمیت رکھتا ہے ۔

ویدک ایج کے مؤلفین کے نزدیک اگر موہن جو ڈیرو کی آخری آبادی ۲۷۰۰ قبلِ مسیح کی ہے اور تل اثمار ، عر ، سومر ، عیلام اور مصر سے برآمد ہونے والی مہریں وادیٔ سندھ کے ان تاجروں کی ہیں جو وادیٔ سندھ کے علاقوں سے مالِ تجارت لے کر مشرقِ وسطیٰ میں پہنچتے تھے تو پھر یہ راستہ جو اس دور میں بہت اہم تجارتی راستہ تھا ، کم سے کم ۲۷ سو سال قبلِ مسیح کا ہے ۔

بلاشبہ ہمارے پاس اس امر کی کوئی ٹھوس شہادت موجود نہیں ہے کہ تہذیبِ سندھ کی جوانی کے دنوں کے تاجر لازماً اسی راستہ سے مشرقِ وسطیٰ کے ملکوں میں آتے جاتے تھے ۔ یوں ہمیں یہ بات اس لیے قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے کہ اس راستہ کے سوا جتنی بھی دوسری بری راہیں مغربی پاکستان اور باہر کے ملکوں کے مابین ذریعۂ آمد و رفت تھیں ان کی نسبت یہ راہ زیادہ آسان اور زیادہ پامال تھی ۔ یوں بھی قدیم تذکروں میں اس راہ کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے ۔ مثلاً یونانی سفیر میگستھین جب اپنے ملک کا سفیر بن کر چندرگپت موریا کے عہد میں پاٹلی پترا پہنچا تھا تو بیرونِ ملک اور اندرونِ ملک کی جس بڑی شاہراہ نے اس کی سواری کے پاؤں چومے تھے وہ یہی شاہراہ تھی(۱) ۔

لطف کی بات یہ ہے کہ میگستھین کے زمانہ میں جو دوسری بڑی شاہراہ وسطی ایشیا سے چلتی ، سرینگر کے راستے بارہ مولہ اور مانسہرہ تک پہنچتی تھی اور پھر ھری پور سے ہوتی ارضِ مغربی پاکستان کی سرحد میں داخل ہوتی وہ بھی ٹیکسلا کے قریب آ کر پہلی بڑی شاہراہ سے مل جاتی ۔

دوسرے لفظوں میں شمال مغربی پاکستان کو باہر کے ملکوں سے جو بڑی شاہراہیں ملاتی تھیں ، ان میں سے دو لازماً ٹیکسلا پہنچتی تھیں ۔

۱- ویدک ایج ، ص ۱۲۹ - کارلیٹون برڈ امپائرز ، ص ۱۰۵ - انڈین کلچر مطبوعہ کلکتہ ، جز ۳ ، ص ۷۳ - ۶۶۳ -

جو لوگ ان دونوں شاہراہوں کے ذریعہ ٹیکسلا آتے ، انھیں اندرونِ ملک لے جانے والی ایک اور شاہراہ لبیک کہتی - میگستھین ھی کی رو سے یہ شاہراہ ٹیکسلا سے شروع ھو کر پاٹلی پترا پر ختم ھوتی تھی - اس شاہراہ کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کچھ زیادہ قرینِ دانش نہیں ھے کہ یہ بھی اتنی ھی قدیم تھی جتنی کہ مذکورالصدر دو بیرونی شاہراھیں تھیں کیونکہ اس شاہراہ کے بارے میں ھم صرف اتنا جانتے ھیں کہ اس پر چل کر آرین حملہ آور ٹیکسلا سے آگے بڑھے اور شمال مغربی پاکستان اور ھندوستان کے مختلف اطراف میں پھیلے تھے -

ٹیکسلا اور اندرونِ ملک جاتی شاہراہ کی عمر

اگر آرین حملہ آور پندرہ سو سال قبلِ مسیح میں یہاں آئے تھے تو پھر لازماً ھم اس شاہراہ کی عمر پندرہ سو سال قبلِ مسیح تک دراز کر سکتے ھیں لیکن اگر آرین حملہ آوروں کی تاریخِ نزول بارہ سو سال قبلِ مسیح ھے تو پھر اس شاہراہ کی عمر بھی اتنی ھی ھوگی - یوں بلاشبہ جب تک آرین قوم نے پاٹلی پترا تک رسائی نہیں پائی تھی ، یہ طویل شاہراہ عالمِ وجود میں نہیں آئی تھی اور اس پر آمدو رفت شروع نہیں ھوئی تھی -

اس سلسلہ میں حسبِ ذیل امور پیشِ نظر رکھنا بھی لازم ھیں :

۱ - رگ وید کے زمانہ تک آرین قوم سرسوتی دریا تک پہنچی تھی(۱) اور سرسوتی دریا موجودہ سرھند کے قریب بہتا تھا - گویا دوسرے لفظوں میں اگر آرین پندرہ سو سال قبلِ مسیح میں ٹیکسلا سے گزرے تھے تو انھیں سرسوتی دریا یا سرھند تک پہنچتے کئی صدیاں بیت گئی تھیں -

۲ - سرسوتی دریا کے بعد آرین قوم تھانیسر اور دھلی سے ھوتی دریائے گنگا اور جمنا کے مابین کے علاقہ میں آباد ھوئی - رام چندر جی کے زمانہ تک آرین قوم من حیث القوم جنوبی ھندوستان سے قطعاً نابلد تھی - اگر ھم اس ثانوی دور کی انتہا بنارس کو قرار دیں تو اس کے معنیٰ یہ ھوں گے کہ سرسوتی سے لے کر بنارس تک جانے والی شاہراہ ٹیکسلا اور سرسوتی کی درمیانی شاہراہ سے کئی سو سال کم عمر ھے -

ہم نے پیچھے جاتکہ کہانیوں کی وساطت سے اس امر کی وضاحت کی

۱- وِنڈر دیٹ واز انڈیا ، ص ۳۱ - ۳۲ -

ہے کہ ۸۰۰ ، ۹۰۰ ، ۱۰۰۰ سال قبلِ مسیح تک تمام ہندوستانی تاجداروں کے بیٹے تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں ٹیکسلا آتے تھے -

جاتکہ کہانیوں میں جن شہزادوں کی ٹیکسلا میں آمدو رفت پر زیادہ زور ڈالا گیا ہے وہ بنارس تک کی ہندوستانی ریاستوں کے شہزادے تھے (۱) -

اس دوران عام آمد و رفت کی کیا کیفیت تھی ، اس سلسلہ میں ہمارے پاس کوئی ٹھوس شہادت موجود نہیں ہے - جو شہادتیں ہمیں میسر آئی ہیں وہ زیادہ سے زیادہ سکندر مقدونی کے سفر از ''ٹیکسلا تا دریائے بیاس'' تک حتمی وضاحت کرتی ہیں - سکندر مقدونی کے اس سفر سے پہلے اس راستہ کا کیا عالم تھا جس پر چل کر سکندر مقدونی دریائے بیاس کے کنارے پہنچا تھا (۲) یہ کون حتماً کہہ سکتا ہے -

سکندر مقدونی کے ساتھیوں نے اس راستہ کے بارے میں گو بلا واسطہ کوئی بات ہم سے نہیں کہی تاہم چونکہ بیاس تک سکندر مقدونی کی فوج برابر بڑھتی چلی گئی تھی ، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کوئی راہ ضرور موجود تھی جسے اس فوج نے پامال کیا تھا -

اس راہ سے متعلق بلاواسطہ معلومات ہمیں صرف میگستھین نے مہیا کی ہیں - اس لیے ہم حتماً صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ٹیکسلا سے لے کر پاٹلی پترا تک لمبی شاہراہ صرف چندرگپت موریا کے عہد کی پیداوار ہے ، جس کی سلطنت کے حدود ٹیکسلا سے بھی اس سمت سے شروع ہو کر پاٹلی پترا کے کافی دور تک بڑھے چلے گئے تھے -

بہرحال ٹیکسلا کو اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک سے ملحق کرنے والی جو تین شاہراہیں قدیم دور میں موجود تھیں ، ان میں سے دو بیرونی شاہراہیں تو پندرہ سو سال قبلِ مسیح سے بھی زیادہ پہلے کی ہیں اور تیسری کی عمر تدریجاً بارہ سو ، ایک ہزار ، آٹھ سو ، چھ سو اور تین سو اکیس سال قبلِ مسیح ٹھہرائی جا سکتی ہے -

---

۱- ارلی ہسٹری آف انڈیا ، ص ۹۵ -

۲- جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۰۶ء ، ص ۲۱۷ - ارلی ہسٹری آف انڈیا ، ص ۱۸۳ ، مطبوعہ حیدرآباد -

ٹیکسلا کی دوسری خصوصیات

ماضی میں تین بڑی راہوں یا شاہراہوں پر واقع ہونے کے ساتھ ساتھ ٹیکسلا کو قدرت نے اپنی نوازشاتِ خاص سے بھی نوازا تھا ، اس امر کی گواہی سکندر مقدونی کے ساتھی مؤرخین نے بڑی فراخدلی سے پیش کی ہے اور ٹیکسلا کی عمدہ آب و ہوا ، زمین کی زرخیزی و شادابی اور پرفضا ماحول کی بہت تعریف کی ہے ۔

اگر ٹیکسلا کا ماحول چوتھی صدی قبلِ مسیح میں یونانی مؤرخین کی توجہ کا مرکز بن سکتا تھا تو یہ آسانی سے فرض کیا جا سکتا ہے کہ پندرہ سو سال قبلِ مسیح کے آرین کو بھی اس ماحول نے لازماً متاثر کیا ہوگا اور وہ یقیناً مستقل طور پر نہ سہی کچھ دنوں کے لیے یہاں رکے ہوں گے ۔ زیادہ تیز رو اور جذباتی یقیناً آگے بڑھ گئے ہوں گے ، لیکن بعض بعض ایسے بھی ہوں گے جنھوں نے اس ماحول کو چھوڑنا پسند نہیں کیا ہوگا ۔

علما یہاں بس گئے

اہلِ علم جانتے ہیں کہ زیادہ سست رو اور آرام پسند طبقہ علما اور طلبا کا ہوتا ہے اور ہمارا خیال ہے کہ آرین کارواں سے جو لوگ ٹیکسلا میں چھٹے اور یہیں بس گئے ان میں علما اور طلبا کی کثرت تھی تبھی ٹیکسلا ان جاتکہ کہانیوں کا دلپسند موضوع بنا ، جن میں اسے علم و عرفان و آگہی کا مرکز قرار دیا گیا ہے اور جن میں کہا گیا ہے کہ ٹیکسلا کی یونیورسٹی پورے مغربی پاکستان اور ہندوستان کے خواص و عوام کا مرجع و ماویٰ تھی ۔ تمام ہندوستان کے شہزادے بلا لحاظ سیاسی اختلافات وہاں آتے اور یہاں کے علما سے کسبِ فیض کرتے تھے ۔

اس لیے ہمارا گمان ہے کہ ٹیکسلا لازماً ۹۰۰ سال قبلِ مسیح سے پہلے آباد ہو چکا تھا ورنہ کبھی جاتکہ کہانیوں کی رو سے اس کا یونیورسٹی پوری ہندوستان میں مشہور نہ ہوتی ۔

دارا اول اور ٹیکسلا کی بنا

بہر حال سر جان مارشل کو اس امر پر اصرار ہے کہ ٹیکسلا ۵۱۸ قبلِ مسیح سے پہلے آباد نہیں تھا ۔ سرجان مارشل کے نزدیک یہ بھی کہا

جا سکتا ہے کہ اس شہر کا بانی خود دارا اول تھا (۱) ۔

اس اعلان کے باوجود سر جان مارشل کا خیال ہے کہ اس دور کے جو یوانا شہر اور برآمد ہوئے ہیں ان کے نقشے ٹیکسلا کی سب سے قدیم تہ کے آثار کی نسبت بہت بھونڈے اور غیر مرتب نوعیت کے ہیں ۔

کیا اس شہر کا بانی کوئی آریہ تھا

اگر سرجان مارشل کے نزدیک ٹیکسلا کی آخری تہ کے آثار دوسری ایرانی عمارتوں کی نسبت بھونڈے ہیں تو پھر کیا یہ امکان پیدا نہیں ہوتا کہ یہ کسی ایسے شہر سے متعلق ہوں جو دارا اول سے پہلے کے کسی آرین نے بسایا ہو (۲) یا اس کے خالق بھی وہی لوگ ہوں جنھوں نے ہڑپاؔ کو جنم دیا تھا ۔

سرجان مارشل کے نزدیک ٹیکسلا میں دارا اول کے ورثا کی حکومت ۳۵۹ قبل مسیح تک تو حتماً قائم رہی تھی لیکن اس کے بعد کے زمانہ سے لے کر سکندر مقدونی کے حملہ کے مابین ٹیکسلا کی سیاسی صورتِ حال کیا تھی ، اس کے بارے میں کوئی ٹھوس شہادت ہمارے پاس موجود نہیں ہے ۔ ہو سکتا ہے بعض دوسرے شمال مغربی اضلاع کی طرح ٹیکسلا بھی ایرانی دامن سے الگ ہو چکا ہو ۔

ہمارے نزدیک یہ امکان خاصا کمزور ہے کیونکہ اربل کے مقام پر سکندر مقدونی اور دارا ثالث کے مابین جو لڑائی ہوئی تھی اس میں شمال مغربی پاکستان کی سپاہ بھی شریک تھی اور اس کی شرکت اس امر کی دلیل ہے کہ اس وقت تک ٹیکسلا دارا ثالث سے جدا نہیں ہؤا تھا اور وہ راجہ ٹیکسلا جس نے نکیا کے مقام (۱) پر سکندر کے حضور حاضری دی تھی اور اسے شمال مغربی پاکستان آنے کا مشورہ دیا تھا ، دارا ثالث کا ماتحت تھا ۔

ٹیکسلا میں ایرانی حکومت

بہرحال سرجان مارشل کی رو سے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ٹیکسلا میں ایرانی حکومت کا دامن ۳۵۹ قبل مسیح تک دراز رکھا جائے ۔ یوں

۱- ٹیکسلا جلد اول ، ص ۱۲ ۔

۲- قدیم تاریخ ہند ، مصنفہ سمتھ ، ص ۹۷ ۔ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۸۹۰ء ، ص ۲۳۴ ۔

زمانۂ تاریخ میں ٹیکسلا ۵۱۸ قبلِ مسیح سے ۳۵۹ قبلِ مسیح تک ایرانی حکومت سے وابستہ رہا ۔ گویا ٹیکسلا کوئی ایک سو انسٹھ سال تک ایرانی قلمرو کا ایک حصہ تھا اور یہ لازمی بات ہے کہ اس ڈیڑھ سو صدی میں ٹیکسلا کے لوگوں پر ایرانی تہذیب نے بہت سے اثرات ڈالے ہوں ۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ ایران سے ٹیکسلا کا یہ کوئی نیا تعلق قائم نہیں ہؤا تھا ۔ ایران اور ٹیکسلا کی تہذیبی وحدت کی عمر آرین حملہ اتنی لمبی ہے ۔

ہم پیچھے بصراحت کہ چکے ہیں کہ مشہور عالم میکس مولر کی رو سے ''اوستن گاتھا'' اور رگ وید کے ان منتروں کی زبان بالکل ایک ہے جو ایک ہزار سال قبلِ مسیح میں کہے گئے تھے ۔

دارا اول کے زمانہ کے کتبات کی زبان

ویدک ایج کے مؤلفین نے تو یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ ایرانی شہنشاہ دارا اول کے زمانہ کے کتبات کی زبان اور رگ وید اور اوستن گاتھا کی زبان میں کوئی خاص دوری نہیں ہے (۱) اور یہ دوری اس وقت پیدا ہوئی جب آرین قوم وسطی اور جنوبی ہندوستان میں پہنچی اور مقامی بولیوں نے ویدک زبان پر بہت گہرا اثر ڈالا ۔

ٹیکسلا میں سب سے پہلے آرامی رسم الخط متعارف ہؤا

سر جان مارشل کو اس امر کا یقین ہے کہ ایرانی حکومت جب ٹیکسلا میں قائم ہوئی تو وہ آرامی رسم الخط اپنے ساتھ لائی تھی ، جو پوری ایرانی قلمرو کا واحد ذریعۂ تحریر تھا (۲) ۔

مسٹر باشم کے نزدیک یہ آرامی رسم الخط گو آچامنی ایران میں تو بہت عام تھا مگر شمال مغربی پاکستان میں بھی متعارف تھا اور وہ خروشتی رسم الخط جس میں مہاراج اشوک نے اپنے بعض کتبات تحریر کرائے ، اسی آرامی رسم الخط کی پیداوار ہے ۔

خروشتی رسم الخط آرامی سے مشابہ ہے

مسٹر باشم کے خیال میں خروشتی رسم‌الخط کے کئی حروف آرامی

۱- ویدک ایج ، ص ۲۰۴ -

۲- ٹیکسلا جلد اول ، ص ۱۵ -

سے بہت گہرے مشابہ ہیں اور پھر خروشتی بھی آرامی کی طرح دائیں سے بائیں لکھا جاتا ہے ۔ البتہ خروشتی اور آرامی میں جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ خروشتی حروف کے وضع کے وقت ہندوستانی زبانوں کے صوتی ابھار ملحوظ رکھ کر کئی نئے حروف ایجاد اور کئی حروفِ علت ایزاد ہوئے ۔ یہ حروف آرامی میں موجود نہیں تھے (۱) ۔

ٹیکسلا میں خروشتی رسم الخط کے کتبات

سرجان مارشل نے ٹیکسلا کی کھدائی سے خروشتی رسم الخط میں لکھے ہوئے جو کتبات برآمد کیے ہیں ، ان میں ایک کتبہ تو اس وقت کا ہے ، جب اشوکا اپنے باپ کی طرف سے ٹیکسلا کا وائسرائے تھا (۲) ۔

اس کتبہ کی موجودگی اس امر کی دلیل ہے کہ خروشتی رسم الخط اشوکا کے بعد کے عہد میں ٹیکسلا کا عام رسم الخط تھا ۔

خروشتی رسم الخط میں لکھے ہوئے کئی کتبات پانچ سو سال بعد مسیح کے بھی ہیں ، مثلاً وہ کتبات جو خانقاہ جولیاں کے سٹوپوں پر نصب ہیں ۔

اس کے درمیانی زمانہ کے کئی اور کتبات بھی مختلف کھدائیوں سے برآمد ہوئے ہیں ۔ ایک کتبہ تو کشان عہد کا ہے اور باقی کے کتبات بعد کے ہیں ۔ ہم ان کتبات کا ذکر آگے چل کر بھی کریں گے ۔ یہاں صرف اتنا اشارہ مقصود ہے کہ ان کتبات کی برآمدگی سے یہ بات یقینی ہو گئی ہے کہ خروشتی رسم الخط چوتھی صدی قبلِ مسیح سے لے کر پانچویں صدی بعد مسیح تک تقریباً ، کوئی نو سو سال تک برابر ٹیکسلا میں رائج رہا ۔ حالانکہ اس دوران میں ٹیکسلا نے کئی حکومتوں اور مختلف بیرونی تاجداروں کے چہرے دیکھے اور کئی زبانوں کی چاشنی چکھی تھی ۔

چوتھی صدی قبلِ مسیح کے ربع اول میں ٹیکسلا نے جس عظیم غیر ملکی تاجدار کی شکل دیکھی وہ سکندر مقدونی تھا ۔ وہ اپنے ساتھ ٹیکسلا میں پہلی بار

۱- ونڈر دیٹ واز انڈیا ، ص ۳۹۸ ۔
۲- ٹیکسلا جلد اول ، ص ۱۵ ۔
۳- ونڈر دیٹ واز انڈیا ، ص ۳۹۷ ۔

ایک نئی تہذیب اور ایک نئی زبان لے کر آیا ۔ اس زبان اور اس تہذیب نے ٹیکسلا کی حیاتِ اجتماعی ، تہذیبی و تمدنی زندگی اور زبان پرکیا اثرات مرتب کیے ہمارے پاس ان کی کوئی روداد موجود نہیں ہے ۔ البتہ ہم اتنا ضرور کہ سکتے ہیں کہ یہ ٹیکسلا کا راجہ امبھی تھا ، جس نے سکندر مقدونی کو شمال مغربی پاکستان آنے کی ترغیب دی تھی (۱) اور یہ راجہ کوئی مستقل مزاج شخص نہ تھا ، لازماً اس کی ریاست میں ایسے لوگوں کی کمی تھی جو بیرونی حکومت کے تسلط کو برا جانتے ۔

سکندر مقدونی کے وقت کا ٹیکسلا

سکندر مقدونی جب ٹیکسلا میں داخل ہؤا تو اس وقت وہاں کن لوگوں کی اکثریت تھی ، آیا برھمن برسرِ اقتدار تھے یا ان کی حیثیت محض غیر سیاسی معلمین کی تھی اور آیا عوامی مذھب اور حیاتِ اجتماعی کی نوعیت کیا تھی ، یہ سوال تشنۂ تحقیق ہے ۔

کسی قوم یا کسی علاقہ کی حیاتِ اجتماعی کی ترجمانی یا تو زبان کرتی ہے یا مذھب ، اور ہمارے پاس ایسی کوئی شہادت موجود نہیں ہے جس سے ہم یہ اندازہ کر سکیں کہ سکندر مقدونی کی آمد کے وقت ٹیکسلا کے لوگ کون سی زبان بولتے تھے اور ان کا مذھب کیا تھا ۔ البتہ سکندر یونانی کے ساتھ جو یونانی مؤرخ ٹیکسلا پہنچے ، انھوں نے گو ٹیکسلا کی حیاتِ اجتماعی اور تہذیب و تمدن پر کچھ زیادہ گفتگو نہیں کی ، تاھم ان کے بیانات سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ ٹیکسلا شمال مغربی پاکستان کا ایک بڑا اھم شہر تھا ۔

یونانی مؤرخین کا ٹیکسلا کی تہذیب پر تبصرہ

سٹریبو کے نزدیک ان دنوں ٹیکسلا کے لوگ ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کے عادی تھے ، ان کی عورتیں شوھروں کی موت پر ستی ہو جاتیں اور غریب لڑکیاں جنھیں شوھروں کو نذر کرنے کے لیے معقول جھیز نہ ملتا ، اپنے آپ کو کھلے بازار میں فروخت کے لیے لے آتیں اور مرد کھلم کھلا ان کی قیمت چکا کر انھیں اپنے گھروں میں لے جاتے

۱۔ ارلی ھسٹری آف انڈیا ، سمتھ ، ص ۷۹ ۔ انڈیا ، رالنسن ، ص ۴۸ - ۴۹ ۔

اور انھیں اپنی بیویاں بنا لیتے (۱) -

سرجان مارشل کو جائز شکایت ہے کہ یونانی مؤرخین نے سکندر یونانی کے عہد کے ٹیکسلا کی حیات اجتماعی اور تہذیب و تمدن پر سیر حاصل گفتگو نہیں کی ، شہر کے اندازِ زیست اور مکانوں کی نوعیت و کیفیت کے بارے میں کچھ نہیں لکھا - ایسا لگتا ہے کہ شہر میں ان یونانیوں کو غیر معمولی نوعیت کی کوئی عمارت دکھائی نہیں دی تھی - اگر ایسی کوئی عمارت انھیں نظر آئی ہوتی تو اس کا ذکر وہ ضرور کرتے -

سرجان مارشل کے نزدیک چوتھی صدی قبلِ مسیح کے زمانہ کے ٹیکسلا کی عمارتیں خاصی بے تکی تھیں - بازاروں ، راستوں اور منڈیوں میں کوئی خاص موزونیت نہ تھی اور یونانی مؤرخین کو ان کی کوئی بات دلچسپ نہیں لگی - ہو سکتا ہے کہ اگر یونانی حکومت کچھ دن اور یہاں رہ جاتی تو اس کی عمارتیں یونانی طرزِ تعمیر اپنا لیتیں -

ٹیکسلا اور چندرگپت

ٹیکسلا کو تاریخی لحاظ سے یہ بہت بڑا اعزاز نصیب ہے کہ چندرگپت موریا نے اسی شہر میں اپنی عظمت و بزرگی کا چراغ پہلی بار روشن کیا ، یہ ٹیکسلا تھا جس نے اس جلا وطن نو عمر لڑکے کو اپنے ہاں پناہ دی اور اس کے ایک باشندے پنڈت چانکیا کوشلیا نے اسے اپنا متبنیٰ بنا کر سربلندی کی راہ دکھائی - یہ صرف ٹیکسلا کے لوگوں کا خلوص تھا جو چندر گپت کی ہر بڑائی کا باعثِ اول بنا تھا اور یہ ٹیکسلا کے لوگ ہی تھے جن کی حبِ وطنی نے اسے اس قابل کیا کہ وہ یونان کی غلامی کی زنجیریں یکسر توڑ ڈالے - یہ ٹیکسلا ہی کی عزیمت تھی جس کے بل بوتے پر چندرگپت نے ۳۰۵ - ۳۰۶ قبلِ مسیح میں شہنشاہ سیلوکس کو اپنے حضور گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا تھا اور اس یونانی بادشاہ نے نہ صرف گندھارا ، آرچوسیا اور گڈروشیا کے علاقے چندرگپت کو نذر کیے بلکہ اپنی بیٹی بھی اس سے بیاہ دی (۲) -

---

۱- سٹریبو ، کتاب ۱۵ -

۲- جرنل آف بہار اینڈ اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی (۱۹۳۰ء) ، ص ۳۵ - انڈیا ، رالنسن ، ص ٦٦ - سمتھ ارلی ہسٹری آف انڈیا ، ص ۵۸ مطبوعہ حیدرآباد -

ٹیکسلا پایۂ تخت بنا

اور یہ سب کچھ اس لیے ہؤا کہ چندر گپت کے ساتھ وادیٔ گندھارا، وادیٔ سندھ اور پنجاب کے لوگ شریک تھے ۔ یہ ایک بڑی حقیقت ہے کہ چندرگپت نے اس شہر کا احسان ہمیشہ یاد رکھا اور اس کا بدلہ اتارنے کے لیے اسے ہر حسن اور ہر رعنائی عطا کی اور اسے مغربی پاکستان کا پایۂ تخت بنا کر اس کی سیاسی منزلت حد درجہ بڑھا دی ۔ یہ ٹیکسلا کی تاریخ کا پہلا دور ہے جب وہ مغربی پاکستان کا پایۂ تخت بنا اور وہاں مقیم رہ کر چندرگپت کے نائب السلطنت ، سندھ کے آخری کونے سے لے کر بلوچستان ، افغانستان اور قندھار تک کے علاقہ پر حکومت کرتے ۔ یہاں مغربی پاکستان کی سب سے بڑی فوج ٹھیری ، نئی چھاؤنی اور نئی خیمہ گاھیں قائم ھوئیں اور نئی عمارتوں کی تعمیر بڑے وسیع پیمانہ پر ھوئی ۔

چندرگپت کے بعد اس کے بیٹے بندسرہ کے زمانہ میں ٹیکسلا کی اھمیت اور زیادہ بڑھی اور مہاراج اشوک جو اس وقت شہزادے تھے ، وھاں وائسرائے بن کر آئے اور کافی سال تک وھاں مقیم رہے اور جب مہاراج اشوک خود بادشاہ بنے تو ٹیکسلا نے اور بھی ترقی کی اور ارضِ مغربی پاکستان کے تمام شہروں سے بازی لے گیا ۔

مہاراج اشوک کا دور اور ٹیکسلا

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ مہاراج اشوک کے زمانہ میں ٹیکسلا کے لوگوں نے حکومت کے خلاف بغاوت بھی کی تھی ۔ لیکن اس بغاوت کے معنیٰ یہ نہ تھے کہ ٹیکسلا سیاسی یا تہذیبی لحاظ سے اپنے اونچے مقام سے نیچے گر گیا تھا ۔ اس بغاوت کی بنیادی وجہ صرف یہ تھی کہ مہاراج اشوک نے ولیعہد سے کم تر رتبہ کے نائب السلطنت کو وھاں متعین کیا تھا اور یہ اس ٹیکسلا کی توھین تھی جو چندرگپت کی سلطنت کا اصل بانی تھا ۔ جوں ھی مہاراج اشوک کو اس غلطی کا احساس ھؤا اور ولیعہد سلطنت شہزادہ کنال ٹیکسلا کا نائب السلطنت بن کر ٹیکسلا کے قریب پہنچا تو ٹیکسلا والوں نے اس کا خیر مقدم کیا اور مہاراج اشوک کا شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے ٹیکسلا کی سیاسی بڑائی پر آنچ نہیں آنے دی اور ٹیکسلا کا احسان فراموش نہیں کیا ۔

دنیا کا تیسرا عظیم ترین شہر

ٹیکسلا ، پروفیسر رالنسن کے الفاظ میں چندرگپت ، بندسرہ اور اشوک کے عہد میں دنیا کا تیسرا عظیم ترین شہر تھا (۱) - میگستھین یونانی کی رو سے ان دنوں ٹیکسلا کی حیثیت وہی تھی جو مشہور شہر سوس ، بابل اور پاٹلی پترا کی تھی (۲) - گندھارا ، کابل ، ھرات ، بلوچستان اور مشرق اور مغربی ایشیا کے تمام وہ تجارتی کارواں جو انتہائے مشرق سے شمال مغربی پاکستان کے ارادہ سے کوہ ھندوکش کو عبور کرتے ٹیکسلا ھی کی راہ سے گزرتے - یوں ٹیکسلا نے ھندوستان اور مشرق کے مابین ایک بڑے واسطہ کی حیثیت بھی حاصل کر لی تھی (۳) -

بدھ مت اور ٹیکسلا

بدھ مذھب کے فروغ کے سلسلہ میں شوک نے جو جد و جہد کی ، ٹیکسلا نے اس میں بھی بڑا حصہ لیا - اشوکا کے عہد میں وہ غالباً کشمیر کے بعد بدھ مذھب کا سب سے بڑا مستقر بنا - وھاں بہت سی خانقاھیں تعمیر ھوئیں ، جہاں بدھ بھکشو قیام فرماتے اور بدھ مذھب کی تعلیم عام کرتے -

ھیون سانگ کا یہ بیان اس سلسلہ میں خاصی مدد دے سکتا ھے کہ ٹیکسلا ، اس کے نواحی مقامات گندھارا اور ادیانہ میں ساتویں صدی عیسوی میں ایک ھزار اور چودہ سو بدھ خانقاھیں تعمیر ھو چکی تھیں(۴) - گو ھیون سانگ نے ٹیکسلا کی بدھ خانقاھوں کا شمار نہیں کیا - شاید اس وجہ سے کہ ھنوں نے ٹیکسلا کی بہت سی عمارتیں تباہ کر دی تھیں بہر حال ایک ھزار اور چودہ سو خانقاھوں میں سے کئی سو خانقاھیں تو لازماً ٹیکسلا میں قائم ھوں گی -

اگر ایک تبتی روایت قبول کر لی جائے ، تو مہاراج اشوک کو ٹیکسلا اس درجہ عزیز تھا کہ انھوں نے یہیں موت کی گود میں سر رکھا

۱- رالنسن انڈیا ، ص ٦٩ -
۲- ایج آف اسپیریل یونیٹی ، ص ٦٢ -
۳- ارلی ھسٹری آف انڈیا ، ص ۲۱۱ - ۲۱۲ -
۴- لیسن ، ص ۲۸۳ - کیمبرج ھسٹری آف انڈیا ، ص ۵۱۲ -

تھا(۱) - ان کے بیٹے کنال کے بارے میں تو بیان ھؤا ھے کہ اس کی جوانی کا بہت سا وقت ٹیکسلا میں بسر ھؤا تھا اور اس کے نام کا ایک سٹوپا اب تک ٹیکسلا میں موجود ھے - سر جان مارشل نے اس کے آثار سرکپ سے تھوڑے فاصلہ پر واقع ایک پہاڑی سے برآمد کر لیے ھیں -

انڈو یونانی عہد

موریا خاندان کے بعد انڈو یونانی عہد میں بھی جو تقریباً دو سو سالہ عہد ھے ، ٹیکسلا بجز چند فرمانرواؤں کے باقی تمام کا پایۂ تخت رہا ھے - خصوصیت سے ڈیموٹروس کے ایک وارث آپولو ڈوٹس کے بارے میں تو یقینی طور پر کہا جا سکتا ھے کہ اس نے جب گندھارا اور مغربی پنجاب کو فتح کیا ، تو ٹیکسلا ھی کو پایۂ تخت بنایا تھا - یہیں اس نے اپنی سب سے بڑی ٹکسال قائم کی اور سکے مسکوک کرائے (۲) -

بلا شبہ مینانڈر کے عہد میں جو غالباً ۱۶۳ قبلِ مسیح کے بعد تخت نشین ھؤا تھا ، ٹیکسلا انڈو یونانی حکومت کا پایۂ تخت نہ تھا ، یہ شرف سیال کوٹ کو حاصل ھؤا ، لیکن ٹیکسلا سے اس کی عظمت اور بزرگی اب بھی نہیں چھنی تھی - وہ اس عہد میں بھی تجارت کا سب سے بڑا مرکز تھا - ایران ، توران ، بختاریہ اور مشرقِ بعید کے سارے تجارتی کارواں اس کے راستہ سے ارضِ مغربی پاکستان میں داخل ھوتے -

ھم نہیں کہ سکتے کہ مینانڈر نے ٹیکسلا کی بجائے سیال کوٹ کو کیوں پایۂ تخت بنایا ، ھو سکتا ھے کہ ڈیمی ٹروس کے عہد میں وہ سیال کوٹ میں اس کا جانشین ھو -

مینانڈر کے بعد اس کے بیٹے سٹریٹو اول کے عہد میں ٹیکسلا یوں بھی مینانڈر خاندان سے کٹ گیا تھا کیونکہ ھیلی اوکلز یونانی نے ٹیکسلا اس سے چھین لیا تھا اور ٹیکسلا میں بیٹھ کر سندھ ساگر دواب ، گندھارا اور آرچوسیا پر حکومت کرتا تھا - ھیلی اوکلز کا زمانہ بہت مختصر ھے ، غالباً وہ ۱۳۵ قبلِ مسیح میں اس دنیا سے رخصت ھؤا ، اور اس کے بعد اس کی سلطنت کئی حصوں میں بٹ گئی تھی - بہر حال اس کا ایک وارث

۱- ٹیکسلا جلد اول ، ص ۲۵ - (سر جان مارشل) -
۲- ٹارن ، ص ۲۰۰ - (گریکس ان بکٹاریہ اینڈ انڈیا) -

اینٹی السیڈ (انٹی السیڈ) ، ٹیکسلا ہی میں مقیم تھا ۔ انٹی السیڈ کی جگہ جس بدنصیب آرچی بوس نے لی ، اس کا پایۂ تخت بھی ٹیکسلا تھا ۔ بیس نگر کے ایک غیر معمولی کتبہ میں وشنو دیوتا کی جو تصویر ایک یادگار تعمیر پر نصب ہے اس کے معمار ہیلی اوڈروس نے ایک ٹھوس شہادت آنے والی نسلوں کے سپرد کی ہے ۔ یہ ہیلی اوڈروس ، ٹیکسلا کا رہنے والا تھا اور اپنے بادشاہ کی طرف سے جس کا نام اس نے کتبہ میں رقم کیا ہے بھاگا بھدرا کے دربار میں سفیر تھا(۱) ۔ بادشاہ کا نام اس کتبہ کی رو سے ، انٹی السی ڈز تھا ، اور انٹی السیڈز (انٹی الیکڈز) (Antialkidos) کے بارے میں ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ وہ ٹیکسلا میں رہتا تھا اور اس کا عہدِ حکومت ۱۱۴ قبلِ مسیح سے ۸۲ قبلِ مسیح تک تھا ۔

سرکپ کی بنا رکھی گئی

ٹیکسلا میں انڈو یونانی بادشاہوں کے بارے میں سر جان مارشل کی روایت ہے کہ انھوں نے ٹیکسلا میں بالکل ایک نئے شہر کی بنا رکھی تھی ، جو سرکپ کے نام سے موسوم تھا اور قدیم شہر بھڑ سے زیادہ بہتر اور مرتب فنِ تعمیر کا مظہر تھا ۔ اس کے بازار ، کوچے اور گلیاں اور دوسری عمارات پہلے سے تیار شدہ نقشوں کے مطابق بنائی گئی تھیں ۔

سرکپ پر یونانی اثرات

سر جان مارشل افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ چونکہ یونانی شہر کی اوپر کی تہوں میں ، ساکا اور پارتھی فرمانرواؤں کے زمانے کے شہر دفن ہیں ، اس لیے ابھی تک پورے یونانی شہر تک کھدائی ممکن نہیں ہو سکی ۔ خصوصیت سے اندر کی عمارتیں برآمد نہیں کی جا سکیں ، تاہم جو کھدائی ہوئی ہے ، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یونانی شہر کے بازاروں اور گلی کوچوں کا انداز قریب قریب وہی تھا جو اوپر کے ساکا اور پارتھی شہروں کا ہے ۔ بعض مکانات بھی کھودے گئے ہیں ، اور

۱- جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ، ۱۹۰۹ء ، ص ۱۰۵ - ٹارن ، ص ۳۱۳ - ۳۸۰ - راچودھری ، جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۔

یہ تقریباً ساکا اور پارتھی مکانوں سے ملتے جلتے ہیں ۔

انڈو یونانی ایک سو سالہ عہدِ حکومت میں مغربی پاکستان کی تہذیب و تمدن پر یونانی تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کا خاصا گہرا اثر پڑا(۱) ۔

یہ یونانی تھے جنھوں نے ایسے سکے پہلی بار متعارف کرائے جن پر بادشاھوں کے چہرے اور نام کندہ تھے ، ایک طرف یونانی تحریر تھی اور دوسری طرف ملکی ۔

یہ بھی یونانی تھے جنھوں نے پتھر سے بیل بوٹے دار ، پلیٹیں ، پیالے ، جام اور غسل کے کام آنے والے جگ بنانے کا فن ٹیکسلا میں عام کیا ۔ سرکپ کی کھدائی سے ایسے بہت سے برتن برآمد ھوئے ھیں جو یونان کے فنِ برتن سازی کا عمدہ نمونے ھیں ۔

یہ بھی یونانی تھے ، جنھوں نے تانبے ، پیتل میں سکے کی آمیزش اور ان کے اختلاط کے بعد انھیں ڈھالنے کا فن ٹیکسلا کے لوگوں کو سکھایا ، زنک اور پیتل کی آمیزش کا گر بھی یونانی اپنے ساتھ لائے تھے(۲) ۔

غالباً یہ رائے ، سر جان مارشل نے سرکپ سے برآمد ھونے والے برتنوں کے مشاھدہ کے بعد قائم کی ھے ۔ ھو سکتا ھے اس سلسلے میں یونانیوں اور ٹیکسلا والوں کی معلم کوئی اور ذات ھو ۔

انڈو یونانی ملکی بن گئے تھے

ان کی فوجیں یہیں سے بھرتی کی جاتیں

انڈو یونانی بادشاھوں کے بارے میں ہم پچھلے باب میں کافی کھل کر گفتگو کر چکے ھیں ، یہاں مسٹر ٹارن کے حوالہ سے اتنی صراحت اور کریں گے کہ انڈو یونانی حکام برائے نام غیر ملکی تھے ۔ وہ بلا شبہ

۱۔ ھیلی نزم ان اینشنٹ انڈیا ، ص ۱۴ ۔ ایج آف امپیریل یونیٹی ، ص ۱۱۶ ۔ آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا ، ص ۱۲۶ (۹ - ۱۹۰۸) ۔
کیمبرج ھسٹری آف انڈیا جلد اول ، ص ۵۲۱ - ۵۵۸ ۔

۲۔ ٹیکسلا جلد اول ، ص ۴۰ ۔

بعض معاملات خسروی میں اپنے پیشرو سیلوکس کی مثال اپنے سامنے رکھتے تھے ، لیکن اس لحاظ سے وہ اپنے پیشرو یونانیوں کے قطعاً برعکس تھے کہ پہلے یونانی ، حکومت کے کاروبار میں محض یونانیوں پر انحصار رکھتے تھے ، ان کی ساری کی ساری فوج تقریباً یونانی تھا اور وہ فوجی سرگرمیوں کے وقت زیادہ تر اسی پر اعتماد کرتے ، لیکن انڈو یونانیوں کی فوج سراسر شمال مغربی پاکستان کی رہنے والی تھی ، حکام بھی زیادہ تر یہیں کے تھے ، صرف ایک مخصوص گروہ ، یا شاہی خاندان یونانی تھا لیکن یہ شاہی خاندان اور اس کے برسر اقتدار افراد ہر لحاظ میں ملکی رسوم و رواج کا خیال رکھتے اور کوئی ایسی بات عمداً نہ کرتے جس سے ملکی باشندوں کی دلآزاری ہوتی ۔ انہوں نے اپنی نسل تو نہیں بدلی تھی کہ یہ تبدیلی ان کے بس میں نہ تھی ، لیکن انھوں نے اپنے آپ کو بالکل ملکی سانچے میں ڈھال لیا تھا اور ان کی پوری کوشش یہ تھی کہ ملکی جذبات کا احترام کریں(۱) ۔

انڈو یونانی نظام کار

یوں انڈو یونانی حکومت کا نظام قریب قریب وهی تھا ، جو ایرانی سٹراپی کے زمانہ میں تھا ۔ سٹراپ سب سے بڑا حاکم ہوتا اور اس کے ماتحت اضلاع کا کاروبار ڈویژنل کمشنر چلاتے جنھیں میر دارچ کہا جاتا ۔ انڈو یونانی دور میں سارے ایرانی القاب و مناصب قائم رہے اور ان کے عنوان قطعاً نہ بدلے (۲) ۔

آیا انڈو یونانی عہد میں سرکاری زبان یونانی تھی یا ٹیکسلی سنسکرت ، اس کے بارے میں کچھ کہنا آسان نہیں ہے ، جہاں تک سکوں کی شہادت کا تعلق ہے ان کے ایک طرف یونانی حروف کندہ ہیں اور دوسری سمت خروشتی ۔

زبان ملکی تھی

اب تک کی کھدائی سے کوئی ایسا کتبہ برآمد نہیں ہؤا ، جو

۱۔ ٹارن ، گریکس ان بکٹاریہ اینڈ انڈیا ، ص ۲۵۹ ۔

۲۔ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۱۶ء ، ص ۲۷۹ ۔ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول ، ص ۵۷۷ ۔ ٹارن ، ص ۲۴۲ ۔

یونانی زبان میں ہو اور شمال مغربی پاکستان کے کسی ایسے شہر میں دفن ہو، جو یونانیوں کی طرف منسوب تھا جو دو کتبے اب تک برآمد ہوئے ہیں ان میں سے ایک شاہپور سے ملا ہے اور دوسرا سوات وادی سے - یہ دونوں اس وقت کی رائج پراکرت میں ہیں اور رسم الخط خروشتی ہے - جس کے معنی واضح ہیں کہ انڈو یونانی سارا کاروبار حکومت، مقامی بولی میں کیا کرتے جو خروشتی رسم الخط میں لکھی جاتی تھی -

ایک وہ کتبہ جو ہیلی لوڈروس کا ہے اور جو ویدیسا سے برآمد ہوا ہے، پراکرت زبان میں لکھا گیا ہے، اس کا رسم الخط خروشتی نہیں برھمی ہے - اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ شمال مغربی پاکستان میں اوڈروس انڈو یونانی بادشاہ کے عہد میں، برھمی رسم الخط بھی رائج تھا -

جیسے کہ ہم نے اوپر عرض کیا، انڈو یونانی بادشاہوں کے سکوں میں ایک طرف یونانی تحریر کندہ ہے اور دوسری طرف خروشتی رسم الخط، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ یونانی زبان بھی شاید سرکاری زبان تھی، لیکن یہ قیاس ان کتبوں کی موجودگی میں جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا، بے بنیاد ٹھیرتا ہے، البتہ یہ امکان ہے کہ یونانی بادشاہ اپنے محلات میں یونانی زبان بولتے تھے اور سکوں پر یونانی زبان اس لیے کندہ کراتے تھے کہ بختاریہ اور دوسری یونانی ریاستوں میں وہ اجنبی نہ سمجھے جائیں -

ان انڈو یونانی حکام کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ پاکستان کے لوگوں سے بیاہ شادی کے مراسم بھی قائم کر لیتے تھے - خصوصیت سے ان کے حرموں میں بہت سی ملکی عورتیں تھیں - باپوں کی زبان ماؤں کی زبان کے مقابلہ میں ذرا کم وزن رکھتی ہے اس لیے غالب خیال یہ ہے کہ ایسے یونانی حکام کی اولاد جن کی بیویاں ارض پاکستان کی رہنے والی تھیں، پراکرت یا دوسری تمام بولیاں بولتی ہوگی - ملکی ماؤں کی اولاد کی زیست کی راہیں بھی قریب قریب وہی

۱- کورپوس انسکرپٹونیم، انڈی کاروم جلد ۲، ص ۴ - ۵ - سر جان مارشل ٹیکسلا، ص ۱ ۴ - ٹارن، ص ۳۶ -

تھیں جو ان کی مائیں انھیں سکھاتیں ۔ یوں بلاشبہ باپوں کی تہذیب اور تمدن سے بھی اولاد لازماً متاثر ہوتی ہوگی اور یہ بھی ممکن ہے کہ اولاد باپ کی زبان بھی بولنا جانتی ہو ۔

باہمی تہذیبی تاثر

ان دنوں پنجاب ، سندھ اور سرحد کی تہذیب ، انڈو یونانی حکام کی تہذیب سے کس حد تک متاثر ہوئی تھی اس کے بارے میں کچھ کہنا آسان نہیں ہے ، تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ حکام اور محکوم دونوں کے باہمی اختلاط سے طرفین یکساں متاثر ہوئے تھے ۔ انڈو یونانی ذہن نے مقامی اور ملکی ذہن کو بھی متاثر کیا تھا اور اس سے خود بھی متاثر ہؤا تھا ۔ کہیں طرفِ اول کا تاثر نسبتاً زیادہ تھا اور کہیں طرفِ ثانی کا ۔ خصوصیت سے مذہب کے باب میں اس تاثر کی نمایاں مثالیں ملتی ہیں ۔

سرجان مارشل کا خیال ہے کہ چونکہ انڈو یونانی پاکستان کے مذہب کا احترام ضروری جانتے تھے اور اپنی رعایا کے مذہبی جذبات کا بہت لحاظ رکھتے ، اس لیے وہ اپنے مذہب سے اپنی رعایا کو متاثر کرنے کی قطعاً کوشش نہ کرتے تھے ۔ یوں یہ امر واقعہ ہے کہ انڈو یونانی حکام کچھ زیادہ مذہبی لوگ نہ تھے اور انھیں اپنے آباؤ اجداد کے مذہبی رجحانات سے کوئی خاصی دلچسپی نہ تھی ۔ یوں بھی وہ اپنے مخالف ہندو بادشاہ پشپا مترا کی مخالفت میں جو ہندو دھرم کا رکھوالا تھا ہندو دھرم کی بجائے بدھ مت کی سر پرستی کرتے تھے کیونکہ بدھ مت ، ان دنوں ارضِ پاکستان کے عوام کا انتہائی محبوب مذہب تھا ۔ اس کے ساتھ ساتھ یونانی مرنجا رنج قسم کے لوگ تھے اور دوسروں کے دل رکھنے کی خاطر بھی بعض کام کر لیتے تھے ۔ مثلاً پیچھے ہم نے انڈو یونانی بادشاہ ، انٹی السیڈاس کے ایک سفیر ھیلی اوڈروس کے بارے میں لکھا ہے کہ انھوں نے ویڈیسا میں جہاں کے بادشاہ کے دربار میں وہ سفیر بن کر گیا تھا ، وشنو دیوتا کے حضور ایک نذر پیش کی اور ایک خاصی مضبوط اور شاندار عمارت تعمیر کی اور خود کو وشنو دیوتا کا ایک بھگت ظاہر کیا (۱) ۔

۱۔ مونومنٹس آف سانچی ، ص ۱۵۳ ۔

اس ایک مثال سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ پاکستان کے یونانی حاکم مقامی لوگوں کے مذہبی جذبات کا کس درجہ لحاظ رکھتے تھے بعض انڈو یونانی تاجدار ایسے بھی تھے جو عقیدتاً بدھ تھے ، مثلاً مینانڈر جس کا حال ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں بڑا پکا بدھ تھا ۔

اس کے علاوہ تھیوڈروس کے بارے میں بھی بیان ہؤا ہے کہ وہ بھی بدھ مت کا پیرو تھا ۔

بلاشبہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان انڈو یونانیوں نے جو بدھ کے ماننے والے تھے ، ارضِ پاکستان میں رائج بدھ مت پر بہت اثرات ڈالے اور اس میں بہت سی تبدیلیوں کے موجب بنے، خصوصیت سے انھوں نے بدھ آرٹ کو تو یکسر بدل ڈالا ۔ بلاشبہ ٹیکسلا سے کھدائی کے وقت سرجان مارشل اور ان کے رفقاء کو کوئی ایسی شہادت دستیاب نہیں ہوئی ، جسے وہ اس تاثر کے سلسلہ میں پیش کر سکتے ، تاہم یہ حقیقت ہے کہ انڈو یونانی دور گزرنے کے بعد ، ساکا عہد میں جو یادگاریں تعمیر ہوئیں ان کے معماروں نے انڈو یونانی صناعوں سے بہت کچھ مستعار لیا تھا ۔ سرجان مارشل اس سلسلہ میں جنڈیال سے برآمد ہونے والے ایک مندر کی مثال پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس مندر کا فنِ تعمیر سراسر انڈو یونانی فنِ تعمیر سے مشابہ ہے ۔ اور سرجان مارشل کا تو خیال ہے کہ یہ تاثر اور تشابہ جنڈیال مندر سے کافی بعد کے زمانہ تک باقی رہا ۔ خصوصیت سے پارتھی حکمرانوں نے تو اس کے بقا میں بہت مدد کی ، کیونکہ یہ خود ہیلینی تمدن سے بہت متاثر تھے ۔ ''گندھارا سکول آف آرٹ'' میں ٹیکسلا نے کیا کردار ادا کیا ہے اور کس حد تک سرگرمی دکھائی ہے اس کا اندازہ ان مجسموں سے کیا جا سکتا ہے جو کھدائی کے وقت انڈو یونانی ساکی اور پارتھی شہروں سے برآمد ہوئے ہیں ۔ چونکہ ٹیکسلا تقریباً ہر دور میں ہر اس حکومت کا پایۂ تخت تھا جو گندھارا اور بالائی وادیٔ سندھ اور جہلم تک کے علاقہ کی سربراہ تھی ۔ اس لیے پورے ملک میں پروان چڑھنے والا آرٹ ، ٹیکسلا کے نقشِ قدم پر چلا ۔ سوات ، مردان اور تحصیل چھار سدہ اور گندھارا کے دوسرے مقامات سے جو سٹوپے ، یادگاریں اور مجسمے برآمد ہوئے ہیں وہ ٹیکسلا آرٹ ہی کے ترجمان ہیں ۔ گویا دوسرے لفظوں میں اس پورے دور میں ٹیکسلا نے شمال مغربی پاکستان میں پہنچنے والے آرٹ کی راہ نمائی کی ۔

---

۱ ۔ ٹیکسلا جلد اول ، ۴۲ ۔

فصل دوم

ٹیکسلا یونیورسٹی ارضِ پاکستان اور بھارت کی سب یونیورسٹیوں پر فوقیت رکھتی تھی

یہاں بھارت اور مغربی پاکستان کے شہزادے اور امرا یکساں تعلیم پاتے

ہم نے پیچھے جاتکہ بدھ کہانیوں میں سے کئی ایسی روایات نقل کی ہیں جن میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ مہاتما بدھ کی پیدائش سے بھی پہلے ٹیکسلا علوم و فنون کا بہت بڑا گہوارہ تھا اور بھارت اور اتر دیس کے شہزادے بڑی تعداد میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے یہاں آتے تھے -

حتیٰ کہ ایک جینی روایت میں بڑے وثوق کے ساتھ یہ کہا گیا ہے کہ جینیوں کا پہلا جینا ، مہاتما رشابہ ٹیکسلا میں مقیم تھا اور اس نے اپنی تعلیمات یہاں سے عام کی تھیں (۱) -

خیال رہے کہ مہاتما رشابہ کے بارے میں جینی روایات مدعی ہیں کہ وہ لاکھوں سال پہلے کی شخصیت ہیں - اگر یہ روایت من و عن صحیح تسلیم نہ کی جائے تو بھی یہ ماننا ہوگا کہ ٹیکسلا کی قدامت اور اس کے گہوارۂ علم و فن ہونے کے بارے میں تمام قدیم دستاویزیں متحد ہیں -

اس سلسلہ میں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ ییل کیمبرج اکسپڈیشن کی رو سے ٹیکسلا کے ماحول کی سون وادی وہ انسانی آبادی ہے جو برفانی عہدِ اول کے انسان نے پہلے پہل آباد کی تھی اور برفانی عہدِ اول کی عمر علمائے آثارِ قدیمہ نے پانچ لاکھ پچاس ہزار سال بتائی ہے (۲) -

دوسرے لفظوں میں نئی سائنس نے اس قدیم جینی روایت کی تصدیق

۱- پری بدھسٹ انڈیا ، ص ۹۱ - ٹیکسلا جلد اول ، ص ۴۳ -

۲- وید ، ص ۱۶ - سٹڈیز آن آئس ایج ان انڈیا ، ص ۳۱۰ - ۳۱۳ -

کر دی ہے ، کہ جینی معلم اول رشابہ وادیٔ سون کے ان آباد کاروں میں سے تھا جو اس میں پہلے پہل آباد ہوئے تھے۔ اگر اس روایت اور نئی سائنسی تحقیقات کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تاہم ایسی جینی روایات تو بے شمار ہیں جن میں یہ کہا گیا ہے کہ مہاتما سہاویرا کی پیدائش سے پہلے ، ٹیکسلا علوم و فنون کا گہوارا تھا اور پورے پاکستان اور ہندوستان کے طلبا ، خصوصیت سے شہزادے اور امیر زادے یہاں تعلیم حاصل کرنے کے لیے پہنچتے تھے اور یہاں کے اساتذہ سے ویدوں کے ساتھ ساتھ حساب ، نجوم ، ہیئت اور طب کے علوم سیکھتے (۱) ۔

سرجان مارشل نے اس سلسلہ میں ایک بہت ہی بدیہی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ٹیکسلا کے شروع عہد میں علمی اور فنی مرکز ہونے کی وجہ یہ تھی کہ یہ مغرب ، دور مشرق اور وسط مشرق سے ہندوستان آنے والی شاہراہ کا پہلا بڑا مقام تھا اور ہر وہ قوم اور ہر وہ کارواں جو ایشیا سے ہندوستان آیا ، سندھ عبور کرنے کے بعد لازماً ٹیکسلا میں ٹھیرا (۲) ۔

گو سرجان مارشل نے احتیاط کے نقطۂ نگاہ سے ٹیکسلا کی عمر چھ سو سال قبل مسیح تک پھیلائی ہے ، لیکن ہمارا خیال ہے کہ یہ شہر لازماً آریوں نے آباد کیا تھا اور وہ روایت صحیح ہے جو ہم پیچھے نقل کر چکے ہیں کہ مہاراج رام کے بھائی بھرت کا ایک بیٹا اس کا بانی تھا ۔

ٹیکسلا اور حسن ابدال کے مابین کا خوبصورت ماحول

جن لوگوں نے اس شہر کا محل وقوع دیکھا ہے وہ لازماً ہمارے اس خیال سے اتفاق کریں گے کہ ٹیکسلا سے لے کر حسن ابدال تک کا قطعۂ زمین اپنے ماحول کی خوبصورتی اور دلآویزی کے لحاظ سے پشاور اور راولپنڈی تک کے سارے علاقہ میں اب بھی لاجواب ہے ۔ ماضی میں تو اس کی زرخیزی و شادابی کی دور دور تک دھوم تھی ۔ اس لیے لازماً ہر وہ کارواں جو پشاور کے درۂ خیبر سے ہوکر ارض مغربی پاکستان میں داخل ہوتا ، خواہ وہ تجارتی نوعیت کا تھا یا فوجی ، ماحول کی خوبصورتی اور دلآویزی کے سبب یہاں ٹھیرتا ۔

۱۔ ٹیکسلا جلد اول ، ص ۳۳ ۔

۲۔ ایضاً ، ص ۳۳ ۔

جیسے کہ ہم پیچھے عرض کر چکے ہیں کہ آریہ قبائل جب ارض مغربی پاکستان میں داخل ہوئے تو ان میں سے اکثر نے درۂ خیبر کی راہ اختیار کی تھی - وہ پشاور کے ماحول میں پھیلتے ، رکتے رکاتے ، جب موجودہ حسن ابدال کے قریب پہنچے ہوں گے تو ماحول نے ان کی توجہ اپنی طرف لازماً منعطف کرلی ہوگی اور وہ لازماً یہاں رکے ہوں گے اور ان کی جو پہلی بستی اس ماحول میں بنی ہوگی وہ لازماً یہیں کہیں ہوگی - ان دنوں حسن ابدال اسی شاہراہ پر واقع ہے ، جو وادیٔ ہزارہ میں سے ہوتی پشاور سے راولپنڈی آنے والی شاہراہ کو کاٹتی ہے - لیکن شروع میں یہ شاہراہ ٹیکسلا پہنچتی تھی اور وہ اہمیت جو ان دنوں حسن ابدال کو حاصل ہے ، ٹیکسلا کو حاصل تھی - ہم پیچھے فاضل ہویل کی یہ رائے نقل کر چکے ہیں کہ آرین قبائل جب وادیٔ سندھ میں داخل ہوئے تھے تو رگ وید کے منتر گاتے آئے تھے کیونکہ ان کے ساتھ ان کے وہ شعرا بھی تھے جنھوں نے رگ وید کے شروع کے منتر منظوم کیے تھے (۱) -

ہم کیمبرج ہسٹری کے حوالہ سے یہ بات بھی پہلے کہہ چکے ہیں کہ رگ وید میں دریائے کابل ، دریائے سوات اور دریائے سندھ و کنہار کا ذکر اس امر کی دلیل ہے کہ رگ وید اس وقت تخلیق ہؤا ، جب آرین شعرا ان دریاؤں کے علاقہ (۲) سے گزر کر اس سمت آ چکے تھے - ہو سکتا ہے کہ اس کے بعض اجزا ٹیکسلا میں مقیم ہونے والے آرین شعرا نے رقم کیے ہوں اور رگ وید کی تصنیف کا سہرا پہلے پہل ان شعرا کے سر ہو جو ٹیکسلا میں آباد ہو گئے تھے -

بہرحال یہ ساری باتیں قیاسی ہیں ، حتمی بات تو صرف یہ ہے کہ ٹیکسلا اور حسن ابدال کے مابین کے ماحول میں آرین حملہ آور لازماً رکے تھے اور ان کے شعرا ان کے ساتھ تھے -

ہمیں آرین قبائل کی نقل و حرکت کی رفتار اور انداز کے بارے میں

۱- آرین رول آف انڈیا ، اے - پی ہویل ، ص ۲۴ -

۲- کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول ، ص ۹۵ - ویدک انڈیا جلد اول ، ص ۳۶۸ . رالنسن انڈیا ، ص ۱۷ - اینشنٹ انڈیا مصنفہ میسن پال ، ص ۱۴ - ۱۵ -

کچھ معلوم نہیں ہے ، صرف اتنا خیال ہے کہ ان کی نقل و حرکت ضرورت کے تابع ہؤا کرتی تھی ۔ یہ عمدہ اور مناسب ماحول میں لازماً رکتے اور جب وھاں کی پیدوار ان کی ضرورت کو پورا نہ کر سکتی تو وہ اور آگے بڑھ جاتے لیکن اس کے معنیٰ یہ نہ تھے کہ وہ پچھلی آبادیاں برباد کر جاتے اور پچھلی املاک کو چھوڑ دیتے ۔

ٹیکسلا نو سو سال قبل مسیح سے علم کا گہوارہ تھا

جیسے کہ ھم نے اوپر عرض کیا ، ھمیں جاتکہ کہانیوں کا یہ بیان مبنی برصداقت نظر آتا ھے کہ ٹیکسلا نو سو سال قبل مسیح سے علم و آگہی اور فن و تہذیب کا گہوارہ تھا اور وھاں وقت کے سب سے بڑے اساتذہ جمع تھے اور پورے ملک کے شہزادے ، خواہ وہ مخالف گروہ سے تعلق رکھتے تھے ، اعلیٰ تعلیم کے لیے ٹیکسلا آتے (۱) اور انھیں وہ شعرائے عالی مقام پڑھاتے تھے جو قانع مزاج تھے اور ٹیکسلا ھی میں رہ گئے تھے ۔ یہ شعرا ھی اس وقت کے علوم کے مخزن تھے ۔ انھیں الہامی اور وھبی قوتوں کے ساتھ ساتھ انسانی نفسیات کا وسیع مشاھدہ حاصل تھا ۔ ھمارے خیال میں ان ھی آرین علما نے جو رگ وید کے منتروں کے خالق ھیں ، ٹیکسلا کی پہلی درسگاھیں قائم کی تھیں جو سال بسال ترقی کرتیں ایک بڑی یونیورسٹی کی شکل اختیار کر گئیں ۔

اگر رگ وید کی تصنیف کی عمر ۱۲۰۰ سے ۱۰۰۰ سال قبل مسیح قرار دی جائے ، جیسے کہ ویدک انڈیا کے مصنف کا خیال ھے تو ٹیکسلا کی ان درسگاھوں کا آغاز اسی زمانہ میں ہؤا تھا ۔

یوں ھمارے نزدیک ایرین کی یہ روایت بھی خاصے غور کی محتاج ھے کہ بالائی وادیٔ سندھ کے آبادکار آسا کینوئی اشیری بادشاھوں کے تابع تھے (۲)۔

ھم پیچھے اشیری یا عشوری حکمرانوں کے بارے میں مختصر سی روداد پیش کر چکے ھیں ۔ ان کا زمانۂ حکومت کم سے کم ۲۴ سو سال قبل مسیح سے شروع ہؤا تھا اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ یہ اشیری

۱۔ پری ہسٹارک انڈیا ، ص ۹۱ ۔ آر ۔ کے ۔ مکرجی ، ص ۲۴۰ ۔ ۲۴۴ ۔

۲۔ ایرین انڈیکا ، ۳۰۱ مترجمہ ایم کرنڈلے ، ص ۱۷۹ ۔ کیمبرج ھسٹری آف انڈیا ، جلد اول ، ص ۱۴۱ ۔

یا عشوری بعد کے ہیں ، جنھوں نے وادیٔ سوات ، وادیٔ کابل اور وادیٔ سندھ کے علاقوں میں رہنے والے لوگوں کو اپنا تابع بنایا تھا تو بھی ٹیکسلا اور بابل ، نینوا ، اربل اور سوس کے مابین کافی مدت پہلے سے گہرے مراسم قائم ہو چکے تھے -

بہرحال اگر سرجان مارشل اور پروفیسر برڈل کیتھ کی رائے کو احتیاطاً بنیاد مانا جائے اور فرض کر لیا جائے کہ ٹیکسلا کی عمر ۵۱۸ قبل مسیح سے لمبی نہیں ہے ، تاهم ٹیکسلا یونیورسٹی پاکستان اور هندوستان میں وہ سب سے پہلی یونیورسٹی ہے جہاں هر قسم کے علوم و فنون کی تعلیم دی جاتی تھی - پری بدھسٹ انڈیا کے مصنف ڈاکٹر مکرجی کے نزدیک اس یونیورسٹی میں نہ صرف ویدوں کی تعلیم دی جاتی بلکہ علوم هندسہ و حساب ، نجوم و هیئت اور طب بھی سکھائے جاتے اور جوں جوں یونیورسٹی کی عمر بڑھتی گئی وہ ترقی کے منازل طے کرتی گئی ، خصوصیت سے موریا اور انڈو یونانی عہد میں اس نے بہت ترقی کی -

ٹیکسلا یونیورسٹی خود مختار حیثیت رکھتی تھی

سرجان مارشل نے اس یونیورسٹی کے نظام کار کے باب میں اپنی ناواقفیت کا اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے کہ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ اس یونیورسٹی میں کوئی خاص قسم کا نظام رائج تھا اور اساتذہ اور طلبا کسی ضابطہ کے پابند تھے یا نہیں (۱) -

سرجان مارشل نے امکان ظاہر کیا ہے کہ شاید اساتذہ اور طلبا ریاست کے تابع نہ تھے اور یونیورسٹی کے استاد اپنے اپنے طور پر کام کرتے تھے ، متحد نہ تھے - یوں یہ ہو سکتا ہے کہ بعض مسائل پر گفتگو کے لیے وہ سبھا میں مجتمع ہو جاتے ہوں -

فاضل مکرجی نے ٹیکسلا کے ایک استاد کا حال بیان کیا ہے کہ کس طرح اس کے هاں ایک شہزادے نے جو بنارس سے آیا تھا ، ایک هزار روپے کی رقم پیش کی تھی اور اس رقم کی وصولی سے پہلے استاد نے اس سے پوچھا تھا کہ تم آیا اجرت دے کر تعلیم حاصل کرو گے یا تعلیم کے بدلے میں میری خدمت اپنے ذمہ لو گے اور اس شہزادے نے ایک هزار سکے

۱- پری بدھسٹ انڈیا ، ص ۹۱ -

استاد کے حضور ڈھیر کر دیے تھے (۱) -

اگر یہ مثال پیشِ نظر رکھی جائے تو پھر یہ سوال باقی نہیں رھتا کہ ٹیکسلا یونیورسٹی میں اساتذہ کس طرح تعلیم دیتے تھے -

سرجان مارشل کا بیان ھے کہ انڈو یونانی عہد میں اس یونیورسٹی کے نظام میں خاصی اھم تبدیلی پیدا ھوئی تھی ، کیونکہ یونانی ایک خاص قسم کے نظامِ تعلیم کے عادی تھے اور یونان میں افلاطون کے عہد سے تعلیم اکاڈمیوں کے تابع تھی جن کی ذاتی ملکیتیں بھی ھوتیں اور جن کی ملکیتیں وراثتاً آگے چلتیں ، لیکن مشرقِ قریب میں مثلاً سکندریہ اور انٹیوچ میں تعلیم یونیورسٹیوں کے تابع تھی اور یہ یونیورسٹیاں حکومت کی مالی مدد کی محتاج ھوتی تھیں - حکومت ھی ان کی عمارتیں بنواتی اور وھی ان کے باقی کے اخراجات برداشت کرتی - یونیورسٹیوں کی عمارتیں عموماً شاھی محلات سے متصل واقع ھوتی تھیں اور ان کے اساتذہ اور صدر بادشاہ خود مقرر کرتے تھے -

سرجان مارشل نے سوال اٹھایا ھے کہ آیا ٹیکسلا کے انڈو گریک بادشاھوں نے ٹیکسلا کے تخت پر قبضہ کرنے کے بعد ٹیکسلا کی یونیورسٹی بھی براہِ راست اپنے تابع کر لی تھی یا نہیں کی تھی ؟

سرجان مارشل کے نزدیک انڈو گریک بادشاھوں نے ھو سکتا ھے ، ٹیکسلا یونیورسٹی کو براہِ راست اپنی سرپرستی میں لے لیا ھو ، یوں یہ بھی ممکن ھے کہ انھوں نے اس سلسلہ میں کوئی مداخلت نہ کی ھو -

ڈاکٹر لیونل ڈی - بارنٹ ، ایم - اے نے اپنے ایک مکتوب میں جو انھوں نے سرجان مارشل کو ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۲ء میں رقم کیا تھا ، ٹیکسلا یونیورسٹی کے بارے میں کچھ مزید معلومات بہم پہنچائی ھیں -

ڈاکٹر بارنٹ کی رو سے ٹیکسلا کی یونیورسٹی کے اساتذہ یوں تو آزادانہ تعلیم دیتے لیکن ھر شعبہ اور ھر فن کے اساتذہ کی جداگانہ سبھائیں قائم تھیں - طب کے علما کی سبھا الگ تھی اور علومِ مذھبی کے اساتذہ کی الگ ، حساب و ھندسہ اور دوسرے علوم کے اساتذہ کی سبھائیں بھی الگ الگ تھیں - ھو سکتا ھے کہ عمومی دلچسپی و نوعیت کے مسائل پر یہ سبھائیں یکجا ھو کر بھی غور کر لیتی ھوں (۲) -

---

۱- پری بدھسٹ ، ص ۹۱ -
۲- ٹیکسلا ، جلد اول ص ۴۵ -

فصل سوم

ٹیکسلا کی حیثیت ساکا اور سابعد کے ادوار میں

ساکا بادشاھوں کے اقتدار کے متعلق پیچھے گفتگو ہو چکی ہے ، ٹیکسلا سے ان کی کیا نسبت تھی اور انھوں نے کس وقت اس پر غلبہ حاصل کیا ، یہ سوال البتہ حل طلب ہے کہ سکوں اور کتبوں سے جو شہادتیں میسر آئی ھیں ان سے معلوم ھوتا ہے کہ یہ ساکا قوم کا سردار میئوس یا مالو تھا جس نے ٹیکسلا اور مغربی پنجاب پر پہلے پہل قبضہ کیا تھا (۱) ۔

سرجان مارشل کی رو سے ٹیکسلا سے تانبے کا ایک کتبہ برآمد ھؤا ہے جس پر لکھا ہے کہ مہاراجہ میئوس ۷۸ میں ٹیکسلا کا بادشاہ تھا ۔ اس کے دو اور کتبے بھی دستیاب ھوئے ھیں جن میں سے ایک مانسہرہ اور ایبٹ آباد کے مابین کشمیر کو جانے والی بڑی سڑک کے نیچے سے برآمد ھؤا ہے اور دوسرا ضلع اٹک کے ایک مقام فتح جنگ سے ملا ہے ۔

یہ دونوں کتبے ۶۸ کے ھیں یعنی ان کی تاریخ پہلے کتبے سے دس سال بعد کی ہے ۔ سرجان مارشل کا خیال ہے کہ یہ تاریخ تقریباً ۱۵۰ - ۱۵۵ء کے متوازی ہے ۔ مسٹر راپسن کی رائے میں یہ سن اس وقت سے شروع ھؤا جب میتھرا ڈیٹس اول پارتھی بادشاہ نے سیستان کی حکومت کو اپنی بادشاھت میں ضم کر لیا تھا ۔ مسٹر ٹارن نے اس رائے سے اختلاف کیا ہے ، ان کے نزدیک یہ ساکا سن ہے اور پارتھی سن سے جداگانہ حیثیت رکھتا ہے (۲) ۔

بہرحال سرجان مارشل نے کافی بحث و تمحیص کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ میئوس ساکا بادشاہ نے ٹیکسلا کے یونانی بادشاہ پر ۹۰ء میں فتح

۱- ٹیکسلا اینڈ کس بی ، ص ۸۲ ۔
۲- ٹیکسلا جلد اول ، ص ۴۵ ۔

پائی تھی اور اسی سن میں ٹیکسلا میں تخت نشین ہؤا تھا ۔

سرجان مارشل کے نزدیک جوں ھی میئوس نے ٹیکسلا پر قبضہ پایا (۳) یونانی ٹکسال میں اپنے نام کے سکے مسکوک کرائے اور خود کو بادشاہ کہنے لگا ۔ اپنے ان پہلے سکوں پر اس نے یونانی زبان میں اپنا خطاب بیسی لیؤس (basileus) کندہ کرایا اور خروشتی رسم الخط میں خود کو مہاراجہ لکھا ۔

ٹیکسلا سے تانبے کی جو پلیٹ برآمد ہوئی ہے اس پر عظیم بادشاہ اور عظیم موگا کے الفاظ تحریر ھیں جس کے معنی واضح ھیں کہ اس وقت تک وہ خود کو بادشاھوں کا بادشاہ نہیں سمجھتا تھا ۔ میئوس کے ٹیکسلا پر قبضہ کر لینے کے باوجود دریائے جہلم کے آس پاس کی زمین یونانیوں کے تابع تھی ۔ جیسے کہ پہلے کہا جا چکا ھے ، میئوس کے جانشینوں میں ایزس اول ، ایزی لیسز ، ایزس ثانی خاصے ممتاز بادشاہ تھے اور ان کے عہد میں ان کی حکومت متھرا سے آگے تک پہنچ گئی تھی ۔ ان کے زمانہ میں ٹیکسلا کو گو پہلے سی حیثیت حاصل تھی لیکن متھرا ، سیالکوٹ بھی خاصے اھم مقامات بن گئے تھے ۔

سرجان مارشل کے نزدیک ساکا بادشاھوں نے انڈو یونانی بادشاھوں کی جگہ پر کرنے کے باوجود کوئی نئی تہذیبی روش متعارف نہیں کرائی ، انہوں نے ھر اس تہذیبی رسم کی پیروی کی جو یونانی اپنے پیچھے چھوڑ گئے تھے ۔

بلا شبہ ساکا بادشاھوں نے سرکپ میں اپنے لیے نیا شہر تعمیر کرایا لیکن ان کے معماروں اور صناعوں کو اتنا حوصلہ نہ ہؤا کہ یونانی طرزِ تعمیر سے کوئی الگ راستہ اختیار کرتے اور نئے مکانوں کے نقشوں میں کوئی جدت پیدا کرتے ۔

سرجان مارشل نے اس اظہارِ خیال کے بعد ساکا عمارتوں میں سے ایک یادگار عمارت مندر جنڈیال کا ذکر کیا ھے ۔ ان کے نزدیک یہ عمارت ھر لحاظ سے یونانی عمارتوں جیسی ھے ۔ اس کے ستون ، اس کی دیواریں

۱۔ کیمبرج ھسٹری آف انڈیا جلد اول ، ص ۵۶۸ ۔ ٹیکسلا جلد اول ، ص ۴۵ ۔ کارپوس جلد ۲ ، ص ۱۸ - ۲۰

اس کے محراب اور دوسری چیزیں سب کی سب یونانیوں کی خوشہ چینی اور نقالی کی مظہر ہیں ، اس کی کوئی چیز بھی تو ایسی نہیں ہے جسے ساکا خصوص کا نام دیا جا سکے ۔

اس کے علاوہ ایزس اول اور ایزس ثانی کے عہد کے سٹوپ بھی یونانی ''سٹوپوں'' کی قطعاً نقالی ہیں ، یوں اس نقالی کے وقت ساکا صناعوں نے لازماً ہندوستانی فن تعمیر کو بھی پیش نظر رکھا ہے اور متھرا کی بعض قدیم عمارتوں سے بھی کچھ کچھ روشنی حاصل کی ہے کیونکہ ساکا عہد میں متھرا ساکا حکومت کا ایک اہم صوبہ بن گیا تھا اور ساکا بادشاھوں کے مزاج میں '' ہندوستانیت '' خاصا گھر کرتی جا رہی تھی ۔

ساکوں کی کوئی اپنی تہذیب نہیں تھی ، ان کی تہذیب سے بہرحال یونانی اور مغربی پاکستانی تہذیبیں فوقیت رکھتی تھیں ، اس لیے انھوں نے دونوں تہذیبوں کے اثرات قبول کیے اور ان کے صناعوں نے ان تہذیبی اثرات کے تمدنی اعتراف میں کوئی بخل نہ کیا ۔

سرجان مارشل بجا طور پر ساکا ذہن پر الزام عائد کرتے ہیں کہ ساکوں کے پاس اپنی کوئی ذاتی صلاحیت نہ تھی وہ فن کے جزئیات میں اضافہ کرنے کے قطعاً اھل نہ تھے ، انھوں نے ٹیکسلا یا دوسرے مقامات جب فتح کیے تو جو فن مقامی طور پر ترقی یافتہ تھے ، انھوں نے انھیں اپنانے میں قطعاً کوئی دیر نہ کی ۔ سارے کے سارے فنون اور صناعیاں بڑی جلدی اپنا لیں ۔ خصوصیت سے ٹیکسلا پر قبضہ کے وقت وھاں جو فن جس حال میں تھا ساکوں نے اسے اسی عالم میں قبول کر لیا(۱) ۔

ٹیکسلا میں ساکوں نے جو یادگاریں تعمیر کیں اور جو کتبات کندہ کرائے ، ان سے یہ بات بخوبی ظاھر ہوتی ہے کہ ٹیکسلا پہنچتے ھی ساکے وھاں رائج بدھ مذھب سے متاثر ھو گئے تھے اور پہلے دن ھی سے اس مذھب کی سرپرستی شروع کر دی تھی ۔ یوں بلا شبہ جنڈیال مندر کا وجود اس امر کی دلیل ہے کہ ساکے زرتشتی مذھب کے پیروکار تھے اور

۱۔ ٹیکسلا جلد اول ، ص ۵٦ ۔ ۵۷ ۔ ۵۸ ۔ کارپوس ، جلد ۲ ، ص ۲۳ ۔ ۲۹ ۔ کننگھم جلد ۲ ، ص ۱۳۴ ۔

اس مذہب کے پیروکار ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ٹیکسلا اور دوسرے مقامات کے باشندوں کے مذہبی جذبات کا احترام کرنا جانتے تھے اور قطعاً متعصب نہ تھے ۔ اسی وجہ سے ان کے عہد میں بدھ خانقاہوں اور سٹوپوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہؤا ۔ سرکپ ، دھر مارجھیکا ، سنگرام اور ان سے ملحقہ علاقہ میں چھوٹے بڑے کتنے ہی بدھ معبد نئے تعمیر ہوئے ، جن میں سے سرجان مارشل نے جنڈیال مندر کے شمال میں واقع ایک بدھ خانقاہ اور ''الف'' اور''ب'' عنوانوں کے دو سٹوپوں ، باجرن کے ایک سٹوپے ، سرکپ کے چار سٹوپوں ، دھر مارجھیکا کے ماحول کے ٹیرہ سٹوپوں اور کئی دوسرے سٹوپوں کو بطور مثال پیش کیا ہے ۔ ان میں سے ایک سٹوپا نمبر ۳۱ تو ٹیکسلا کے ساکا ڈویژنل کمشنر (میر دارچ) نے تعمیر کیا تھا ۔ ایک سٹوپا کی پیشانی پر سونے کی جو پلیٹ نصب ملی ہے ، اس میں کسی خاتون سرا دَ نام لکھا ہے ، جس نے یہ سٹوپا تعمیر کیا تھا ۔ وہ لازماً ساکا شاہی خاندان سے متعلق تھی ۔

ساکا عہد میں ٹیکسلا کی تہذیبی اور تمدنی زندگی میں جو اضافے ہوئے ان کا ثبوت بدھ خانقاہوں ، مندر جنڈیال اور اس کے آس پاس کے بدھ سٹوپوں کے سوائے کوئی اور نہیں ہیں ۔

ہم یہ بھی حتماً کہ نہیں سکتے کہ ساکا بادشاہوں نے ٹیکسلا یونیورسٹی کی کس طرح سرپرستی کی اور تعلیم کے فروغ اور تہذیبی نشو و نما میں کس حد تک دلچسپی لی ۔

پارتھی عہد

ساکوں کے بعد پارتھی ٹیکسلا میں داخل ہوئے ۔ یہ گندوفیرز پارتھی بادشاہ تھا جس نے ایزس ثانی کی جگہ ٹیکسلا کے تخت پر قدم رکھے ۔ سرجان مارشل کی رو سے اس کی حکومت ۱۹ بعد از مسیح سے لے کر ۲۵ بعد از مسیح تک کے زمانہ کے مابین شروع ہوئی (۱) ۔

مسٹر ونسنٹ سمتھ نے گندو فیرز کی تخت نشینی ۲۰ء میں بیان کی ہے (۲) ۔ یہ وہی گندو فیرز ہے جس کے بارے میں ہم پیچھے صراحت

۱۔ ٹیکسلا جلد اول ، ص ۵۹ ۔

۲۔ سمتھ ، ارلی ہسٹری آف انڈیا ، ص ۲۴۰ مطبوعہ حیدر آباد ۔

کر چکے ھیں کہ سینٹ تھامس نے اس کے دربار میں حاضری دی تھی اور اسے عیسائیت کی تبلیغ کی تھی - رالنسن کی رو سے سینٹ تھامس ٹیکسلا میں گنڈو فیرز سے ملے تھے (۱) اور ٹیکسلا اس بڑے بادشاہ کا پایۂ تخت تھا - اس کے عہد میں ٹیکسلا ایک ھولناک زلزلہ کا شکار ھؤا اور مندر جنڈیال ھی نہیں کئی بدھ خانقاھیں اور سٹوپے اس زلزلے سے متاثر ھوئے - خصوصیت سے دھر مارجھیکا کے بڑے سٹوپے اور دوسری تاریخی عمارتیں تو آدھی تباہ ھو گئیں - سرکپ کی زیادہ تر عمارتیں ٹوٹ پھوٹ گئیں اور ایک سٹوپا تو بنیادوں تک ھل گیا اور بھی بہت سی عمارتوں پر برا اثر پڑا -

سرجان مارشل کے نزدیک اس زلزلے کے سبب ٹیکسلا کے فنِ تعمیر میں بنیادی تبدیلیاں پیدا ھوئیں اور صناعوں کو ایسے ذرائع اختیار کرنا پڑے کہ عمارتیں پھر ایسی تباھی کا شکار نہ ھوں (۲) - نئے مصالحے ایجاد ھوئے اور نیا سامانِ تعمیر تجویز ھؤا - پہلے عام عمارتیں مقامی پتھر سے تعمیر ھوتی تھیں اب باھر سے پتھر منگوایا گیا جو ٹیکسلا کے پتھر کی نسبت زیادہ مضبوط اور زیادہ بہتر تھا - پہلے کی نسبت نئی عمارتوں کی بنیادیں زیادہ گھری کھودی گئیں اور مکانوں کی بلندی پہلے سے خاصی کم رکھی گئی - سرکپ کے ایک مندر کے بارے میں سرجان مارشل کا بیان ھے کہ اس کی بنیاد بیس فٹ گھری ھے - یہ زلزلہ کے بعد کی عمارت ھے - اس زلزلہ کے بعد جتنی عمارتیں تعمیر ھوئیں ، ان میں سے کوئی بھی دو منزلوں سے زائد نہیں ھے - نچلی منزل کی حیثیت قریب قریب تہ‌خانہ کی سی ھے جو آدھی کے قریب زمین میں دفن ھے -

سرجان مارشل نے اس سلسلہ میں ثیانہ کے زائر سیاح آپولونیس سے استشہاد کیا ھے - یہ زائر گنڈوفیرز کے عہد میں ٹیکسلا آیا تھا- اس نے ٹیکسلا کی عمارتوں کے بارے میں لکھا ھے کہ باھر سے عمارتیں ایک منزلہ نظر آتی ھیں لیکن اندر پہنچ کر معلوم ھوتا ھے کہ یہ دو منزلہ ھیں اور

۱- رالنسن انڈیا ، ص ٦٠ -

۲- ٹیکسلا جلد اول ، ص ٥٩ -

نچلی منزل میں بھی رھائش رکھی گئی ھے (۱) - اسی سیاح کا بیان ھے کہ شہر سرکپ وسعت میں نینوا کے لگ بھگ ھے اور طرز تعمیر کے لحاظ سے یونانی شہر معلوم ھوتا ھے - ایتھنز یونانی شہر کی طرح اس کے گلی کوچے تنگ ھیں - شہر کے بیچ میں سورج دیوتا کا مندر اور شاھی محل واقع ھیں - شاھی محل اپنی سادگی کے باوجود حد درجہ دلآویز ھے - یہ زائر زلزلے کے بعد تقریباً ۴۴ء میں ٹیکسلا پہنچا تھا -

گنڈو فیرز تقریباً ۵۰ء میں اس دنیا سے رخصت ھؤا اور اس کے تخت پر پیکوز جلوہ فرما ھؤا لیکن زیادہ دن تک فرمانروائی نہیں کی -

گو پارتھی اقتدار کا زمانہ بہت مختصر ھے ، تاھم اس مختصر عہد میں پارتھیوں نے ٹیکسلا کے تمدنی آثار میں بہت ھی قابلِ قدر اضافہ کیا - شاید اس کی وجہ یہ ھو کہ زلزلے نے پہلے کے تمام آثار قریب قریب تباہ کر دیے تھے اور پارتھیوں کو از سرِ نو ایک نئے شہر کو تعمیر کرنا پڑا تھا - اس نئے شہر کی کھدائی پر سرجان مارشل کہتے ھیں کہ غیر معمولی نوادر اور قیمتی زیورات ، فرشوں تلے دبے ملے ھیں - اتنے نوادر اور ذاتی استعمال کی اشیا کسی بھی دوسرے شہر کی کھدائی سے ھاتھ نہیں آئیں - غالباً ایسا معلوم ھوتا ھے کہ جب کشان حملہ آور شہر پر قیامتیں توڑنے کے لیے ادھر آئے تو پارتھی شہر کے باشندوں نے ان کے ڈر سے تمام نوادر اور قیمتی زیورات ، فرشوں تلے دبا دیے تھے جو کھدائی کے وقت تک زمین کے سینہ میں دبے پڑے رھے -

سرجان مارشل نے آپولونیس کے بارے میں یہ بھی لکھا ھے کہ زائر جب گنڈوفیرز کے دربار میں آیا تو بادشاہ نے اس سے یونانی میں بات چیت کی تھی - سرجان مارشل کا خیال ھے کہ ان دنوں یونانی ٹیکسلا میں سمجھی جاتی تھی اور بڑے خاندانوں کے افراد اس زبان کی تعلیم ضروری جانتے تھے کیونکہ یہ ان دنوں بین الاقوامی زبان کی حیثیت رکھتی تھی -

پارتھی عہد کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ھے کہ اس میں مغرب سے تجارت میں غیر معمولی اضافہ ھؤا تھا اور چونکہ ٹیکسلا پایۂ تخت تھا

۱- اینول رپورٹس آف آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا - ٹیکسلا جلد اول ، ص ٦٥ -

اس لیے یہ سمجھنا غلط نہ ہوگا کہ اس مختصر سے دور میں ٹیکسلا کی اقتصادی اور معاشی حالت بہت ترقی کر گئی تھی اور تجارتی منڈیاں ہر وقت بیرونی سامان سے بھری رہتیں اور روس ، چین ، شام ، مصر اور دوسرے مشرقی اور مغربی ملکوں کا سامان یہاں بکثرت آتا ۔

سرجان مارشل کا بیان ہے کہ کھدائی کے وقت کچھ ایسے نوادر بھی دریافت ہوئے ہیں جن کے بارے میں گمان ہے کہ وہ جنوبی روس کے ہیں (۱) ۔ بہرحال یہ حقیقت ہے کہ پارتھی عہد میں خشکی کی وہ راہ جو بحیرۂ اسود کے ساتھ ساتھ ہوتی ، ایک طویل و عریض سرزمین میں سے گزرتی ہرات پہنچتی اور پھر شمال مغربی پاکستان میں داخل ہوتی ، بہت ترقی پر تھی اور مشرقِ اقصیٰ اور مغرب کے زیادہ تر تجارتی کارواں اسی راستہ سے ٹیکسلا آتے اور اس کی معیشت و اقتصاد کو روز افزوں ترقی دیتے ۔

پارتھی عہد میں ٹیکسلا کی تہذیبی اور علمی زندگی کی کیا نوعیت تھی ہمیں کوئی شہادت اس سلسلہ میں میسر نہیں آئی اور نہ یہ معلوم ہو سکا ہے کہ پارتھی بادشاہوں کے مذہبی رجحانات کیا تھے ، بجز گنڈو فیرز کے جس کے بارے میں بیان ہؤا ہے کہ اس نے عیسائیت قبول کرلی تھی (۲) ۔ مسٹر ونسنٹ سمتھ نے اس روایت پر کئی اعتراضات کیے ہیں ، تاہم اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو بھی اس سے صرف یہ ظاہر ہوگا کہ گنڈو فیرز نے یا زیادہ سے زیادہ اس کے بعض ساتھیوں نے عیسائیت قبول کی تھی ، عام لوگوں کا مذہب لازماً وہی تھا جو پہلے کے دور میں تھا ۔ ان کی زیادہ تعداد اب بھی بدھ مذہب کا تابع تھی ۔ اس دور میں تعلیمی ارتقا کے بارے میں بھی کوئی شہادت میسر نہیں آئی ۔

۱۔ ٹیکسلا جلد اول ، ص ٦٦ ۔

۲۔ انڈیا رالنسن ،

فصل چہارم

کشان عہد

جیسے کہ پیچھے مذکور ہؤا ، کشان خاندان کا پہلا وہ شخص جس نے شمال مغربی ہند میں کشان بادشاہت کا چراغ جلایا ، وہ کجالا کاڈفیسز اول تھا - سرجان مارشل کا بیان ہے کہ اس کشان بادشاہ کے کوئی ڈھائی ہزار سکے ، '' سرکپ '' ٹیکسلا کے دوسرے بڑے حصہ سے برآمد ہوئے ہیں - اس کے باوجود یہ حتماً کہنا ممکن نہیں ہے کہ کجالا ، کاڈفیسز اول نے ٹیکسلا کو اپنے قدوم سے نوازا تھا - ہو سکتا ہے وہ ٹیکسلا آیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے ٹیکسلا کی صورت نہ دیکھی ہو - سرجان مارشل کے نزدیک البتہ یہ بات یقینی ہے کہ اس کا بیٹا (۱) ویما کاڈفیسز ٹیکسلا کا فاتح تھا اور اس نے لازماً اس تاریخی شہر کو اپنا پایۂ تخت بنایا ہوگا - سرجان مارشل نے یہ قیاس بھی ظاہر کیا ہے کہ ٹیکسلا غالباً ۶۰ء میں فتح ہؤا تھا اور ویما کاڈفیسز نے اپنے باپ کے نام کے سکے ، فوراً بعد وہاں کی ٹکسال میں مسکوک کرائے تھے اور وہاں قیام فرما ہوئے اور اپنا پنجہ مضبوط کر لینے کے بعد اسی کو اپنا پایۂ تخت بنا لیا تھا - اپنے نام کے سکے ویما کاڈفیسز نے '' پشکالوتی '' کی ٹکسال میں بھی مسکوک کرائے تھے - سرجان مارشل کہتے ہیں ان سکوں میں سے تئیس سکے سرکپ میں پائے گئے ہیں اور ان پر سہارا یاسا ، رایا تیرا یاسا ، کجالا کارا کافاسہ ، ساکا دھرما تھیسا کے الفاظ رقم ہیں -

فاضل سرجان مارشل کا خیال ہے کہ ویما نے یہ سکے ان دنوں مسکوک کرائے تھے جبکہ وہ ٹیکسلا میں اپنے باپ کا نائب السلطنت اور ولی عہد تھا کیونکہ اس میں کا ایک لفظ کارا ، بمعنی کالا ، ترکستان میں ان دنوں '' لفظ '' شہزادہ کے ہم معنیٰ تھا - اس لحاظ سے وہ سکے جن پر

۱- ٹیکسلا جلد اول ، ص ۶۷ ، کونو ، کارپوس جلد ۲ -

کجالا کارا ، دھرماتھیدامہ کے الفاظ لکھے ھیں ، اسی کے ھیں ۔ سرجان مارشل مزید کہتے ھیں کہ سرکپ سے چاندی کے چار اور سکے بھی ملے ھیں ، جن کے بارے میں علمائے تاریخِ قدیم کوئی حتمی رائے قائم نہیں کر سکے ۔ یہ سکے اپنی مثال آپ ھیں ، ان سکوں پر ایک کشان بادشاہ کا چہرہ کندہ ھے اور یہ الفاظ لکھے ھیں ، مہاراجاسا ، راجہ تیرا جاسہ ، کشانہ ، یا ووگاسا (۱) ۔

کشان بادشاھوں نے چاندی کے علاوہ سونے کے سکے بھی مسکوک کرائے تھے ، کیونکہ یہ قیمتی دھات انہیں خاصی مقدار میں حاصل ھوگئی تھی اور وہ اپنے پیشروؤں کی نسبت اس اعتبار سے زیادہ خوش قسمت تھے ۔ کاڈفیسز ثانی کے بارے میں کہا گیا ھے کہ اس نے رومی '' پاؤنڈ '' '' آیورے '' کے مقابلہ میں بالکل اس جیسے اسی وزن اور اسی نوعیت کے سونے کے پاؤنڈ بھی مسکوک کرائے تھے تا کہ عام منڈی میں ، رومی آیورے کے چلن کو روک دے ، یوں اس سکے کا کوئی نمونہ سرکپ سے برآمد نہیں ھوا ۔

سرجان مارشل کا خیال ھے کہ اس کی وجہ یہ ھے کہ ٹیکسلا کی فتح سے فوراً بعد ، ویما کاڈفیسز نے سرکپ کا قیام ترک کر دیا تھا اور ایک نیا شہر '' سرسکھ '' کے نام سے بسایا تھا اور سرکپ کی غالب آبادی اسی نئے شہر میں منتقل ھوگئی تھی ۔

سرجان مارشل نے '' دھر'' مارجھیکا کے ایک معبد بہ عنوان '' گ '' سے چاندی کی ایک تختی بھی برآمد کی ھے جس پر ۱۳۶ء ایزس کا مہینہ آشاد کی پانچویں تاریخ درج ھے اور لکھا ھے کہ ان دنوں ٹیکسلا کا مالک حکمران عظیم کشانہ ھے جو دیوتاؤں کی اولاد ھے اور بادشاھوں کا بادشاہ ھے ۔

سرجان مارشل کے نزدیک ۱۳۶ ایزس ، ۷۸ء کے مطابق ھے اور یہ وہ سن ھے جب ویما کاڈفیسز نے اپنے باپ کی جگہ کشان تخت پر قدم رکھے تھے (۲) ۔ اس سلسلہ میں سرجان مارشل نے اس کتبہ سے بھی استشہاد

۱۔ ٹیکسلا جلد اول ، ص ۷۱

۲۔ ایضاً ، ص ۷۱

کیا ہے جس پر ۴۳ء مطابق ۷۶ قبل مسیح کی تاریخ کندہ ہے اور جس میں کشان بادشاہ کا قطعاً ذکر موجود نہیں ہے -

ہم پیچھے کنشک اور اس کے ورثا کا ذکر کر چکے ہیں اور کہہ چکے ہیں کہ گو شروع دور میں ان کشان بادشاہوں کا پایۂ تخت پشاور تھا ، لیکن بعد میں یہ ٹیکسلا میں منتقل ہوگئے تھے یا محتاط زبان میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے ٹیکسلا میں دوسرا پایۂ تخت قائم کیا تھا - کبھی یہاں رہتے اور کبھی پشاور -

بہرحال کشان بادشاہوں کے جو بہت سے سکے ٹیکسلا سے برآمد ہوئے ہیں ، ان میں وسشک اور کنشک ثانی کا کوئی سکہ نہیں ہے - اس سے خیال گزرتا ہے کہ ان دونوں نے اپنے نام کا کوئی سکہ مسکوک نہیں کرایا تھا ، البتہ ہوشک کے ۲۷ سکے ملے ہیں - ٹیکسلا میں سے سب سے زیادہ جس کشان بادشاہ کے سکے برآمد ہوئے ہیں - وہ باسودیو اول ہے اور اس کے سکوں کی تعداد آٹھ سو اکتیس ہے ، جن میں سے سات سو پچاسی بدھ خانقاہوں کے آس پاس سے ملے ہیں - اس سے سرجان مارشل نے یہ رائے قائم کی ہے کہ باسودیو اول کا عہد کنشک اول کی طرح (۱) بدھ مذہب کے لیے بہت سازگار تھا - حالانکہ باسودیو اول کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ شیو دیوتا کا پرستار تھا اور اس کے سکوں پر ہندوستانی شیو اور بابلی نینا براجمان ہیں -

سرجان مارشل بڑے وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ انھوں نے مسلسل و متواتر بدھ خانقاہوں کی کھدائی کے بعد یہ رائے قائم کی ہے کہ باسودیو اول کے دور میں بدھ مذہب نے بہت ترقی کی تھی -

یوں پورے کشان عہد میں بدھ مت بہت آگے بڑھا تھا اور کشان بادشاہوں نے بہت سی خانقاہیں تعمیر کی تھیں اور غیر معمولی تبلیغی ذرائع اختیار کیے تھے - سرجان مارشل کی رو سے ان خانقاہوں میں جو ٹیکسلا میں تعمیر ہوئیں کلوان ، گیری ، جولیاں اور مہرہ مرادو کی خانقاہیں بہت شاندار تھیں - ان کے سوا کئی سٹوپے اور معبد بھی تیار ہوئے - ان سٹوپوں اور معبدوں میں مہاتما بدھ کے مجسمے نصب کیے گئے - ان میں

۱- ٹیکسلا جز اول ، ص ۷۲ -

سے زیادہ تر مجسمے ، دریائے سندھ کے بالائی حصہ سے منگوائے گئے ۔ اس حصے میں جو چترال ، سوات ، بجور اور بنیر پر مشتمل تھا ، بدھ مجسمہ سازی بہت اونچے مرحلہ میں سے گزر رہی تھی اور گندھارا آرٹ اپنی انتہائی پختہ منازل میں داخل ہو گیا تھا ۔

سرجان مارشل کا خیال ہے کہ گندھارا آرٹ کی مبادیات میں قدیم ہندوستانی آرٹ اور ہیلینی فن بطور بنیاد موجود ہے ، لیکن اس امتزاج کے باوجود اس میں ایک خاص انفرادیت ہے جو اسے مغربی ایشیا کے آخر دور کے ہیلینی آرٹ سے ممتاز کرتی ہے ۔ ان میں سے کئی نمونے آج بھی ٹیکسلا کی پارتھی عمارات میں موجود ہیں (۱) ۔

ہم اس موضوع پر ایک مستقل عنوان کے ماتحت گفتگو کریں گے ۔ یہاں صرف اتنا ملحوظ خاطر رہے کہ کشان عہد میں ، ٹیکسلا گندھارا آرٹ کا ایک بڑا مرکز بن گیا تھا اور مہاتما بدھ کی مجسمہ سازی ایک ایسے مرحلہ میں داخل ہوگئی تھی جہاں فن اپنی انتہائی بلندی کو چھو لیتا ہے ۔

کشان عہد ، مذہبی ترقی اور مذہبی فروغ کا عہد ہے ۔ کشان بادشاہوں کی دیکھا دیکھی امرا اور خواص بھی خانقاہوں پر خانقاہیں بنائے چلے جا رہے تھے اور بدھ مت ، انتہائی ہردلعزیز مذہب بن گیا تھا ۔

اس عہد میں جین مت اور دوسرے مذاہب کا کیا عالم تھا ، کچھ کہا نہیں جا سکتا ۔ غالباً جین مت تو کہیں کہیں موجود بھی تھا ، لیکن برہمن ازم اس عہد میں قطعاً ٹیکسلا سے رخصت ہو چکا تھا ۔ اس وجہ سے ہمارا خیال ہے کہ ٹیکسلا یونیورسٹی کی تعلیم پر بہت اثر پڑا تھا اور درسی مضامین میں بدھ تعلیم سے متعلق مضامین زیادہ اہمیت اختیار کر گئے تھے اور ویدک تعلیم بہت کم ہوگئی تھی ۔

جیسے کہ ہم نے پیچھے ذکر کیا ۳۶۰ء اور ۳۹۰ء کے مابین ، بخارا کے کدارا کشان ، پشاور اور ٹیکسلا میں در آئے تھے اور ۴۶۰ء تک یہاں غالب رہے تھے ، یہ خاصی مدت ہے ۔ اس مدت کے دوران میں

۱۔ ٹیکسلا جلد اول ، ص ۲۷ ۔

بخاری اور بلخی کشانوں نے ٹیکسلا اور پشاور پر بہت سے تہذیبی اثرات ڈالے ۔ وہ اپنے ساتھ جو آرٹ لائے ، اس میں گندھارا آرٹ کے اثرات یقیناً شامل ہوں گے ، مگر اس کی ہیئت ترکیبی میں ہیلینی آرٹ کا زیادہ عمل دخل تھا ، کیونکہ بلخ اور بخارا ہیلینی تہذیب سے ٹیکسلا اور گندھارا کی نسبت کہیں زیادہ متعلق رہے تھے اور وہاں پرورش پانے والے فن کاروں کے ذہن ٹیکسلا کے فن کاروں سے خاصے مختلف تھے ۔

ان دونوں آرٹوں میں ایک بدیہی اختلاف تو یہی ہے کہ گندھارا یا ٹیکسلا آرٹ کا تختۂ مشق پتھر کی لوح تھی ، اس کے برعکس بلخ اور بخارا کے آرٹ کا اوڑھنا بچھونا چونے اور اس کا امتزاج تھا ۔

بلا شبہ چونے کے ملیدے سے جو مجسمے تیار ہوتے ، اس میں پتھر کے مجسموں کی نسبت بہت زیادہ صفائی پیدا ہو جاتی ، کیونکہ صناع اپنی تخلیق کی رعنائی اور چمک دمک پر نسبتاً زیادہ قادر تھے ۔

اس دور میں ٹیکسلا میں جو فنی تخلیقات ہوئیں ، ان میں کئی نچلے درجہ کی بھی ہیں ، لیکن زیادہ تعداد اونچے شاہکاروں کی ہے اور اس دور کا ٹیکسلا آرٹ ، پہلے تمام ادوار پر بھاری ہے ۔ اس آرٹ کو پانچویں صدی میں ٹیکسلا اور اس سمت کے پنجاب میں بہت فروغ نصیب ہؤا ، اس کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ "پتھر" کی لوح پر فن کار کو وہ دسترس نصیب نہ تھی ، جو چونے کے ملیدے پر حاصل تھی ۔ وہ اسے جس اندازے سے چاھتا ، ڈھال لیتا اور جس قسم کا حسن چاھتا اس میں پیدا کر دیتا ۔ وہ صرف چونے کے ملیدے سے بنائے ہوئے مجسموں میں جان نہیں ڈال سکتا تھا ، یوں اسے ہر ایسی رعنائی بخش سکتا تھا ، جو اسے مصنوعی زندگی دے سکے اور جسے دیکھ کر نظر تماشہ بین دھوکہ کھا جائے اور سمجھے کہ اس کے سامنے بے جان مجسمہ نہیں ، کوئی جاندار شے موجود ہے ۔

سر جان مارشل کہتے ہیں کہ چونے کی مجسمہ سازی کی اس علاقہ میں ہردلعزیزی کی ایک اور بنیادی وجہ بھی تھی ، اور وہ یہ کہ اس علاقہ میں مجسمہ سازی کے قابل عمدہ پتھر موجود نہ تھا(۱) ۔

۱۔ ٹیکسلا جلد اول ، ص ۷٦ ۔

سر جان مارشل کا خیال ہے کہ اس مجسمہ سازی کے فروغ سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اس نواح کی حکومت خاصی مضبوط تھی، کیونکہ اگر یہ علاقہ سیاسی انتشار میں مبتلا ہوتا تو فن اس درجہ ترقی نہ کرتا۔

تہذیبی و تمدنی تباہی

جیسے کہ پیچھے ذکر ہؤا، کشان سلطنت کی سیاسی اور تہذیبی تباہی کا باعث وہ سفید ہن بنے تھے، جو وسط ایشیا کے جنگلوں سے اٹھ کر ٹڈی دلوں کی طرح شمال مغربی پاکستان کی فضا پر چھا گئے تھے۔ یہ ہن چونکہ قطعاً غیر مہذب اور ناشائستہ لوگ تھے، اس لیے انھیں کسی تہذیبی اور تمدنی یادگار کو باقی رکھنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ وہ خون کی ندیاں بہاتے اور تہذیبی اور تمدنی سرمایوں پر کلھاڑے اور ہتھوڑے چلاتے ادھر آئے تھے۔

ٹیکسلا میں خصوصیت سے انھوں نے جو کھیل کھیلے، ان کی شہادت اب بھی ان جلی ہوئی خانقاہوں سے مل سکتی ہے، جو ٹیکسلا میں ہنوں کے ہاتھوں تباہ ہوئیں۔

سر جان مارشل کہتے ہیں کہ انھوں نے ان جلی ہوئی عمارتوں کا ملبہ جب اٹھایا، تو اس کے نیچے بے شمار انسانی ڈھانچے دفن پائے۔

ہنوں نے تقریباً ۴۶۰ء میں ٹیکسلا پر قبضہ کیا تھا، گویا اس تاریخ کے بعد ٹیکسلا کی تہذیبی زندگی پر زوال آیا۔

چینی سیاح ہیون سانگ جب دو سو سال بعد ٹیکسلا پہنچا، تو ٹیکسلا کی وہ تباہی جو ہنوں کے ہاتھوں دو سو سال پہلے ہوئی تھی، ابھی تک نظرِ تماشہ بین کو خون کے آنسو رلاتی۔ ابھی تک خانقاہیں جوں کی توں جلی پڑی تھیں اور سٹوپے اپنی بربادی پر نوحہ خواں تھے۔

ہیون سانگ نے اس شہر کو خستہ حال تو یقیناً پایا، لیکن یہ ابھی بے آباد نہ تھا۔ اس میں جو لوگ آباد تھے وہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ غالباً اسی لیے کشمیر کے راجہ کو موقعہ ملا کہ ہزارہ کے پہاڑوں پر قبضہ کر چکنے کے بعد ٹیکسلا کو بھی اپنے ساتھ ملا لے۔

گویا ساتویں صدی عیسوی میں ٹیکسلا کشمیر کا ایک حصہ بن چکا تھا اور ماضی کی ہر تاریخی اور تہذیبی عظمت سے محروم ہو چکا تھا -

سر جان مارشل کی رو سے اگر ٹیکسلا پانچویں صدی قبل مسیح میں آباد ہؤا اور اس پر تباہی ۶۰۰ء میں نازل ہوئی ، تو گویا اس نے تقریباً ایک ہزار سال کی عمر پائی تھی - لیکن اگر مہاراج رام کے بھائی بھرت کے بیٹے اس کے بانی تھے ، تو پھر اس کی تہذیبی زندگی دو ہزار سال لمبی ہے - اور ان دو ہزار سال میں ٹیکسلا ارضِ پاکستان اور ہندوستان ھی میں نہیں ، پورے مشرق میں اپنی تہذیبی سربلندی کے سبب رشکِ بابل ونینوا سوس تھا اور ہندوستان کے شہروں میں سے تو کوئی شہر بھی حتیٰ کہ پاٹلی پترا بھی اس سے آنکھ ملانے کے قابل نہ تھا -

بارھواں باب

ٹیکسلا کے تہذیبی اور تمدنی آثار

فصل اول

قدیم ترین آبادی ، بھڑ

جیسے کہ پیچھے بیان ہؤا ، ٹیکسلا شہر راولپنڈی سے کوئی بیس میل کے فاصلہ پر اس شاہراہِ عام پر واقع ہے جو راولپنڈی سے پشاور کو جاتی ہے - موجودہ شہر سے کسی قدر ہٹ کر دائیں سمت کو ایک پختہ سڑک محکمۂ آثارِ قدیمہ کے عجائب خانہ کی سمت بڑھتی ہے ، اسی پر عجائب خانہ سے کوئی سو قدم اس طرف ٹیکسلا کے اس قدیم ترین شہر کے آثار واقع ھیں ، جسے ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے بھڑ ٹیلا کا عنوان دیا ہے - اس کے ایک طرف تمڑا نالہ اور دوسری طرف حویلیاں ریلوے لائن ہے - بھڑ ٹیلے کی سطح تمرا نالہ سے کوئی ساٹھ ، ستر فٹ اونچی اور شمالاً جنوباً ۱۲۱۰ گز لمبی اور شرقاً غرباً ۷۳۰ گز چوڑی ہے -

۱۹۱۳ء میں جب سر جان مارشل محکمۂ آثارِ قدیمہ کی طرف سے ٹیکسلا کے آثار کھودنے کے لیے یہاں تشریف لائے ، تو انھوں نے سب سے پہلے اس ٹیلے کی کھدائی شروع کی ، کیونکہ سینہ بہ سینہ جو روایت صدیوں سے ٹیکسلا میں زبان زدِ خاص و عام تھی وہ یہی تھی کہ بھڑ ھی سب سے قدیم ٹیکسلا ہے اور یہی وہ شہر ہے جس نے کبھی بھرت کے بیٹوں اور کبھی رام ، کبھی دارا اول ، کبھی سکندر اور کبھی چندر گپت اور اشوک کے پاؤں چومے (۱) -

سر جان مارشل کا اپنا بیان ہے کہ انھوں نے جوں جوں کھدائی کی ، انھیں اس روایت کی صداقت معلوم ہوتی گئی اور جب انھوں نے

۱- ٹیکسلا جلد اول ، ص ۹۰ - گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ۴۷ - ھیلن ازم ان اینشنٹ انڈیا ، ص ۴۱ - ۴۲ -

کھدائی کا کام مکمل کر لیا جو ۱۹۳۳ء میں یعنی کوئی بیس سال میں ختم ہؤا ، تو انھیں اس بات کا پورا یقین ہوگیا کہ یہی بھڑ ٹیلا سب سے قدیم شہر ٹیکسلا کا امین ہے ۔

سر جان مارشل نے اپنی کتاب ٹیکسلا میں اس امر کا اعتراف خود ہی کیا ہے کہ انھوں نے پورے ٹیلے کی شمالاً ، جنوباً اور غرباً ، شرقاً کھدائی نہیں کی ، آزمائشی طور پر کہیں کہیں گڑھے کھودے اور خندقیں تیار کیں ۔ کہیں بہت نیچے آخری آثار تک پہنچ گئے اور نچلی تہ برآمد کر لی ، کہیں تیسرے طبقہ تک اپنی تحقیق کا دامن سمیٹا اور کہیں دوسری سطح ہی پر رہ گئے ۔ اکثر گڑھے انھوں نے بعد میں نتائج اخذ کر لینے کے بعد بھر دیے ، تا کہ پانی ان میں جمع رہ کر پورے آثار کی شکل نہ بگاڑ دے ۔

بہر حال انھوں نے جو کھدائی متواتر و مسلسل کی ہے وہ عجائب خانہ کے جنوب میں موضع بھڑ درگاہی سے متصل ایک وسیع رقبہ میں پھیلی ہے ۔ اس رقبہ میں جو آثار برآمد ہوئے ہیں اور جو آزمائشی خندقوں میں پائے گئے تھے ، ان کو دیکھ کر سر جان مارشل نے رائے قائم کی ہے کہ یہ قدیم ترین شہر چار بار تباہ ہؤا اور چار بار ہی از سرِ نو آباد ہؤا ۔

سب سے پہلی آبادی پانچ سو سال قبلِ مسیح سے منسوب کی جا سکتی ہے ، ہو سکتا ہے یہ آبادی اس سے بھی پہلے زمانہ کی ہو ۔ اس کے بعد کی آبادی سکندر کے حملہ کے وقت کی ہے ۔ یہ آبادی غالباً موریا خاندان کے اقتدار کے پہلے سو سال تک چلی تھی اور پھر کسی حادثہ کا شکار ہوگئی کہ شہر والوں کو نئی آبادی بسانا پڑی ۔ تیسری آبادی موریا خاندان کے آخری دور کی ہے اور چوتھی آبادی کو اغلباً بختاری یونانیوں کے حملہ کے زمانہ تک دراز سمجھا جا سکتا ہے ۔ سب سے اوپر کی آبادی یا اوپر کی تہ کے آثار بہت کم ملے ہیں البتہ دوسری تہ کے آثار تقریباً تین ایکڑ کے رقبہ میں پھیلے ہیں ۔ یہ آثار رہائشی مکانات اور دوکانوں پر مشتمل محلوں کے ہیں ، جنھیں بازاروں ، سڑکوں اور گلی کوچوں نے ایک دوسرے سے جدا کر رکھا ہے اور انھیں دیکھ کر ایسا لگتا ہے جیسے

ان کی تعمیر کے وقت پہلے سے کوئی نقشہ تیار نہیں کیا گیا تھا ۔ بازاروں میں سے سب سے اہم بازار پہلا بازار ہے ، جو شمال سے جنوب کی طرف پھیلا ہے ، اس کی چوڑائی ۲۲ فٹ ہے ۔ یہ تقریباً سیدھا بازار ہے ۔ دوسرا ، تیسرا اور چوتھا بازار پہلے بازار کی نسبت بہت کم چوڑا ہے ۔ ان میں سے ایک تو ستر فٹ ہے اور دوسرا نو فٹ ۔ گلی ، کوچے اور بھی زیادہ تنگ ہیں اور بعض مکانوں کے مابین جو گلیاں واقع ہیں ، ان میں سے دو آدمی ایک ساتھ بمشکل گزر سکتے ہیں ۔ البتہ بیل گاڑیوں یا دوسری سواریوں کے نقل و حرکت کے لیے جا بجا ، کسی قدر کھلی جگہیں موجود ہیں ۔

سر جان مارشل کا بیان ہے کہ انھوں نے پہلے بازار کی نچلی تہ تک اتنی کھدائی کی کہ خالص زمین نکل آئی ، لیکن اس کے نیچے سے کوئی شے برآمد نہیں ہوئی ، البتہ پتھروں کے ریزے اور کنکر ضرور دستیاب ہوئے جو یا تو بازار کی سطح ہموار اور بلند کرنے کے لیے بچھائے گئے تھے ، یا آس پاس کے مکانات کے گرنے کے بعد نئے مکانات کی بنیادیں مسطح کرتے وقت یہاں بچھ گئے تھے اور بازار کو خاصا ٹھوس بنا دیا تھا(۱) ۔

چونکہ اس پہلے بازار کی سطح کے نیچے سے ماضی سے متعلق کوئی شے برآمد نہیں ہوئی ، اس لیے خیال ہے کہ یہ بازار سب سے پہلی آبادی کے زمانہ کا ہے ۔ یعنی چھ سو یا پانچ سو سال قبل مسیح کا ۔ سر جان مارشل نے تیسرے بازار کی کھدائی جب کی تو اس کے نیچے سے پتھروں سے بنی ہوئی ایک چوکی برآمد ہوئی ، جو سر جان مارشل کے خیال میں چار سو سال قبل مسیح میں بنی تھی اور پہلے بازار کی تعمیر کے بعد کی ہے ۔

سر جان مارشل نے تیسرے بازار کے نیچے کی کھدائی کے وقت پتھروں کی ایک چوکی بھی برآمد کی ہے اور اس کے نیچے سے تقریباً بیس فٹ تک کھودنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ وہاں کوئی آبادی نہ تھی ۔

۱۔ ٹیکسلا جلد اول ، ص ۹۰ ۔

سر جان مارشل کا خیال ہے کہ بڑے بازار کی نسبت باقی تمام بازار اور گلیاں، کوچے سطح کے لحاظ سے کافی اونچے تھے، تا کہ ان کا پانی بارش کے وقت بھی اور دوسرے اوقات میں بھی بڑے بازار کے راستے باہر نکل جائے۔ یوں بھی جب پہلی آبادی کے بعد مکانات گرے تو ان کا ملبہ اس قدر تھا کہ باشندگانِ شہر انھیں اٹھوا کر باہر نہ پھینک سکے اور انھوں نے اسے مسطح کر کے پہلی ہی بنیادوں پر ملبے کو پھیلا کر نئی عمارتیں کھڑی کر لیں۔ دوسری، تیسری اور چوتھی آبادی کے وقت بھی یہی عمل جاری رہا، یوں بڑے بازار کے دونوں سمت واقع گلیاں بھی اونچی کرنی پڑیں اور ہوتے ہوتے یہ بڑے بازار سے خاصی اونچی ہوگئیں۔

یہ سوال خاصی اہمیت رکھتا ہے کہ آیا موہن جو ڈیرو اور ہڑپا کے شہروں کی طرح ٹیکسلا کے اس قدیم ترین شہر میں گندے پانی کی نکاسی کا کوئی مرتب نظام موجود تھا یا نہ تھا؟ چوتھے بازار اور پہلی گلی میں چھتی ہوئی موریاں دستیاب ہوئی ہیں، اور یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید ایسی ہی موریاں دوسرے بازاروں اور گلیوں میں بھی موجود تھیں، جن کے آثار حوادثِ زمانہ کی نذر ہوگئے ہیں۔ لیکن آیا یہ گلیاں بڑے بازار سے وابستہ تھیں، اس کا کوئی ٹھوس ثبوت بڑے بازار کو کھودنے کے بعد ہاتھ نہیں آیا، اس لیے اس سوال کا جواب دینا آسان نہیں ہے۔ یوں سر جان مارشل کی رائے ہے کہ متعلقہ بازاروں اور گلیوں کی اونچائی اس امر کی داعی ہے کہ بارش کے دنوں میں پانی ان گلیوں کے ذریعہ بڑے بازار تک رسائی پاتا، کیونکہ گھروں کے گندے پانی کی نکاسی کے لیے موریاں نہیں بنائی گئی تھیں، گندا پانی بہت گہرے کھدے ہوئے گڑھوں یا کنوؤں میں ڈال دیا جاتا۔ سر جان مارشل نے ایسے کئی کنویں برآمد کیے ہیں، جو ۱۵ یا ۲۵ فٹ تک گہرے ہیں اور دو، ڈھائی فٹ چوڑے ہیں اور ان میں سے متعدد مٹی کے سالم برتن اور زیادہ تر ٹوٹے ہوئے برتنوں کے ٹکڑے اور اسی قسم کی دوسری خراب شدہ چیزیں پڑی ملی ہیں۔ برتن اوپر نیچے اس طرح ڈالے گئے ہیں کہ ان میں گندے پانی کے ٹھیرنے کی گنجائش رہے، اور ہولے ہولے زمین اسے چوستی جائے۔ کئی گڑھے یا کنویں ناپختہ ہیں اور کہیں پختہ ہیں۔ جو پختہ ہیں وہ نو سے ۱۸ فٹ گہرے ہیں اور ان میں ٹوٹے ہوئے لوٹے، برتن یا

ہنڈیاں موجود نہیں ہیں کیونکہ ان کے پختہ ہونے کے سبب ان کی دیواروں کے دھنس جانے کا امکان کم تھا(۱) ۔ عموماً گندگی کے کنویں جوڑا جوڑا بنے ہیں یعنی دو ایک ساتھ ہیں ، اس سے غالباً یہ غرض تھی کہ ایک بھر جائے ، تو دوسرا چالو کر دیا جائے تا کہ دوسرے کے استعمال کے دوران پہلا خشک ہو جائے ۔

قدیم ترین پہلی آبادی کے بازاروں کی کیفیت بیان کرتے ہوئے سر جان مارشل نے یہ نکتہ بھی سمجھایا ہے کہ ایسے بازاروں اور گلیوں میں جہاں بیل گاڑیوں یا رتھوں کی آمد و رفت ہوتی ، اور خطرہ ہوتا کہ گاڑیاں گزرتے یا مڑتے وقت مکانوں کی عمارتوں کو نقصان پہنچائیں گی ، تو مکانوں کے آگے دیواروں کے ساتھ دو یا تین ، چار اور پانچ فٹ اونچے پشتے تعمیر کر دیے جاتے ۔ ایسے کئی پشتے بعض بازاروں میں موجود ہیں (۲) ۔

بعض گلیاں جو بڑے بازاروں میں کھلتی ہیں ، ایک طرف سے بند بھی پائی گئی ہیں ۔ غالباً خیال یہ ہے کہ یہ اس لیے ایک طرف سے بند کی گئی تھیں کہ ایک بڑے بازار سے دوسرے بڑے بازار میں آنے جانے والے غیر متعلق لوگ گلیوں میں عام آمد و رفت نہ رکھیں اور گلی میں واقع گھروں کی خلوت ، جلوت میں تبدیل نہ ہو جائے ۔

شخصی گھروں کی عمارتیں

اس پہلی آبادی میں عوام‌الناس کے گھروں کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس کے ایک یا دو طرف کھلا صحن ضرور ہوتا ۔ خصوصیت سے امرا کی رہائش گاہوں کے گرد ایک ذاتی فصیل ضرور بنی ہوتی ۔ ایسے چند مکانات کو بطور مثال پیش کرتے وقت سر جان مارشل کہتے ہیں کہ ان گھروں میں ہرگھر تقریباً چھتیس سو مربع فٹ احاطہ پر مشتمل ہے ، اس احاطہ میں سے سات سو فٹ کے تو کھلے صحن ہیں ، باقی میں کمرے بنے ہیں ۔ یہ کمرے کہیں تو بیس ہیں اور کہیں پندرہ ، ان میں سے

۱۔ ٹیکسلا جلد اول ، ص ۹۱ ۔

۲۔ ایضاً ، ص ۹۴ ۔

کچھ کمرے ڈیڑھ سو مربع فٹ کے ہیں اور زیادہ تر کی پیمائش بچھتر مربع فٹ ہے ۔

یہ بھی خیال رہے کہ ان میں سے زیادہ تر مکانات دو منزلے تھے ۔ عموماً اہلِ خانہ اوپر کی منزل میں رہتے اور ملازمین اور دوسرا عملہ نچلی منزل میں ۔ عوام‌الناس کے بعض مکانات کے بارے میں سر جان مارشل کو یہ شکایت ہے کہ انھیں ان کے حدود اربعہ سے متعلق کوئی یقینی بات معلوم نہیں ہوئی اور نہ وہ کہ سکتے ہیں کہ ایک مکان کہاں ختم ہوتا اور دوسرا کہاں سے شروع ہوتا ، کیونکہ ان کے مابین ایسی کوئی حد بندی موجود نہیں ہے ۔

سر جان مارشل کہتے ہیں کہ ان مکانات میں سے بعض کی نچلی منزلوں میں دکانیں بنی تھیں جو بازاروں میں واقع تھے ، کیونکہ انھوں نے دوسرے بازار میں واقع ایک ۱۷ × ۶۰ مربع فٹ کے کمرے میں سے گھونگے اور سیپیاں برآمد کی ہیں اور ان کا خیال ہے کہ یہ دکان ، گھونگوں اور سیپیوں کا کام کرنے والے کسی کاریگر کی تھی(۱) ۔

اول درجہ کے گھروں کے دو صحن تھے ، ایک کو ہم مردانہ کہ سکتے ہیں اور ایک کو زنانہ ۔ مردانہ صحن بازار یا کوچے میں کھلتا ، اور اسی سے عام آمد و رفت ہوتی ۔ بیرونی اور اندرونی صحنوں کے فرش یا تو پتھر کی روڑی سے بنے ہوتے یا دریاؤں کے پیندوں سے دستیاب ہونے والے کنکروں سے ۔ اسی قسم کے کنکر غسل خانوں میں بھی بچھائے جاتے تھے اور عام گزرگاہوں اور راستوں میں بھی ۔ بعض مکانات کے فرش بجری سے بھی بنے ہیں ، کہیں کہیں بجری کے ساتھ گارا بھی استعمال ہوا ہے ۔ یوں عام گھروں کے فرش مٹی کے ہیں ۔ عموماً کمروں اور صحنوں کی سطح ایک جیسی ہے اور بیرونی گلیوں اور بازاروں سے اونچی ہے ۔ کہیں کہیں یہ التزام ملحوظ نہیں رکھا گیا ۔

ایسی نچلی منزل کی کھڑکیاں جو بازاروں میں کھلتی ہیں ، کچھ اس قسم کے روزنوں کے مشابہ ہیں ، جن سے باہر کے لوگ اندر جھانک نہ سکیں اور اگر جھانکیں تو انھیں کچھ نظر نہ آئے ۔ مثلاً ایک کھڑکی

۱- ٹیکسلا جلد اول ، ص ۹۲ -

محض چھ انچ اور ایک محض دس انچ لمبی ہے اور اسے دیکھ کر ایسا لگتا ہے ، جیسے ایک موٹی سی لکیر کھنچی ہو ۔ البتہ اوپر کی منزل کی کھڑکیاں نسبتاً بڑی اور کشادہ ہیں ۔ صحنوں میں کھلنے والی کھڑکیوں کے بارے میں سر جان مارشل کا خیال ہے کہ یہ ضرور موجود ہوں گی ، لیکن کسی دیوار سے برآمد نہیں ہوئیں ۔

ہو سکتا ہے ان دنوں دیواروں میں کھڑکیاں رکھنے کا رواج نہ ہو اور ہوا کے لیے چھتوں میں سوراخ کر لیے جاتے ہوں ، لیکن بدنصیبی سے کوئی چھت دریافت نہیں ہوئی ، اس لیے اس خیال کی حیثیت محض قیاسی ہے اور ٹھوس ثبوت کی محتاج ہے ۔

ٹیکسلا کے یہ مکانات اس زمانہ میں کس ٹیپ ٹاپ اور بیرونی منظر کے مظہر تھے ، اس سوال کا جواب دینا آسان نہیں ہے ، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان میں سے ہر مکان کی دیواروں پر باہر کی طرف بھی اور اندر کی طرف بھی ''توڑی'' یا بھوسہ ملے ہوئے گارے کا لیپ (پلستر) کیا جاتا تھا ۔ ہر مکان کی چھتیں لکڑی کی ہوتیں اور بالکونیاں ''جھروکے'' بھی لکڑی کے بنتے تھے اور چھتوں پر مٹی کا لیپ کیا جاتا تھا ۔ اس کا ثبوت ایک تو یہ بات ہے کہ ٹائلیں برآمد نہیں ہوئیں اور دوسرے آدھے جلے ، توڑی ملے ہوئے لیپ کے ٹکڑے کمروں کے اندر دبے پڑے ملے ہیں ۔ لیپ کے یہ ٹکڑے اس بات کی دلیل ہیں کہ چھتیں جب گریں ، تو توڑی ملے ہوئے خشک گارے کے یہ خشک ٹکڑے ملبے میں دفن ہوگئے (۱) ۔

گندے پانی کی نکاسی کے بارے میں کچھ پیچھے ذکر ہوا ہے ، اتنا اور سمجھانا باقی ہے کہ چھوٹی گلیوں میں برسات کے پانی کی نکاسی کے لیے اسی طرح کی نالیاں بنی ہوئی تھیں ، جس طرح ان دنوں پنجاب کے بعض قصبات کی پختہ گلیوں میں بنی ہوتی ہیں ۔ یہ موریاں اوپر سے کھلی ہوتی ہیں اور بازاروں کے نالوں میں آن ملتی ہیں ۔ کہیں کہیں پختہ مٹی کی نالیاں بھی استعمال کی جاتیں ، ایسے نمونے بھی دستیاب ہوئے ہیں مگر پختہ مٹی کی نالیوں کا رواج بہت کم تھا ۔

۱۔ ٹیکسلا جلد اول ، ص ۹۵ ۔

پینے کے پانی کے لیے شہر میں کنویں نہیں کھودے گئے تھے ، کیونکہ ایسا کوئی کنواں شہر کے کسی حصہ سے برآمد نہیں ہؤا ۔ ایسا لگتا ھے کہ شہر کی عورتیں یا ملازم ، پینے کا پانی ملحقہ تمڑا نالہ سے ''گھڑوں'' میں بھر کر لاتے تھے ۔ بالکل اسی طرح جس طرح مشرقی پنجاب یا بھارت کے قصبات میں عورتیں اب بھی کنوؤں سے پانی لینے آتی ھیں ۔ ٹیکسلا کی عورتیں ، گھڑے سر پر اٹھا کر تمڑا نالہ سے پانی بھرنے جاتیں ۔ یقیناً تمڑا نالہ کے بعض گھاٹوں پر ''پانی بھرن کو آئی سکھیاں'' قسم کے بول بھی مرتب ھوتے ، سکھیاں گیت بھی گاتیں ، ایک دوسری پر چھینٹے بھی اچھالتیں اور تھوڑا بہت وقت تفریح میں کاٹتیں ۔

چونکہ گھروں کی عموماً بیرونی اور اندرونی دیواریں چونہ گچ نہ ھوتیں ، اس لیے دیواروں کی کمزوری پر قابو پانے کے لیے ہر کمرے میں امدادی ستون کھڑے کیے جاتے ، جو چھت کو سہارہ دیتے ۔ یہ امدادی ستون لکڑی کے شہتیروں کی شکل کے ھوتے تھے ۔ وہ کبھی کبھی تو کمرہ کے وسط میں کھڑے کیے جاتے اور کبھی دائیں بائیں دیواروں کے ساتھ چونکہ یہ شہتیر لکڑی کے ھوتے تھے ، اس لیے مٹی نے لکڑی کو دو ڈھائی ھزار سال گزر جانے کے سبب اپنے اندر ملا لیا ھے اور ان کا وجود کہیں بھی موجود نہیں ھے ، لیکن پھر بھی یہ ستون پتھروں کے جن پشتوں پر کھڑے تھے ، وہ بعض کمروں کے وسط میں اور بعض دیواروں کے ساتھ ساتھ بنے ھوئے اب تک موجود ھیں ۔ یہ پشتے پانچ ، دس اور پندرہ فٹ گہری بنیاد کھودنے کے بعد تعمیر کیے گئے ھیں ، تا کہ بیٹھنے کا امکان کم ھو جائے ۔ کہیں کہیں ایسا بھی ہؤا ھے کہ بڑی دیواروں کے ساتھ چھوٹی دیواریں بنائی گئی ھیں اور ان دیواروں پر لکڑی کے شہتیر کھڑے کر کے چھتوں کو سہارا دیا گیا ھے ۔

مثلاً سر جان مارشل نے ''ک'' اور ''ج'' نمبری دو مکانوں کی تفصیلی سرگزشت لکھی ھے ۔ یہ دونوں مکان دوسری آبادی کے ھیں اور فاضل سر جان مارشل کا خیال ھے کہ ان دو مکانوں سے باقی مکانوں کی کیفیت قیاس کی جا سکتی ھے ۔ ان دونوں مکانوں میں سے پہلا مکان ''ک'' پہلے ، دوسرے اور تیسرے بازار میں واقع کہا جا سکتا ھے کیونکہ اس کی مشرقی حد پر پہلا بازار ھے ، شمالی حد پر تیسرا اور مغربی حد پر دوسرا بازار ھے ۔

اس کے جنوب میں بھی ایک گلی ہے ۔ اس کی مغربی سمت کی عمارت کے آثار گو کافی مٹ چکے ہیں تاہم اس کے کھنڈرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکان کی نچلی منزل چوبیس چھوٹے کمروں پر مشتمل تھی اور کچھ کمرے اوپر بھی تھے ، جن کی تعداد کھنڈرات کی روشنی میں متعین نہیں کی جا سکتی ۔ اس مکان کے دو صحن ہیں ، جن میں سے بڑا صحن مشرقی سمت ہے ۔ کمرے تین طرف بنے ہیں اور برآمدے شمال کی طرف بھی ہیں اور جنوب کی طرف بھی ۔ آیا مشرقی سمت کے بازار میں اس مکان کے جو کمرے ہیں ، یہ محض رہائشی تھے یا ان میں سے کچھ دوکانیں بھی تھیں ، کھنڈرات یہ راز بھی چھپائے ہوئے ہیں ۔ اگر یہ کمرے رہائشی تھے ، تو لازماً ان کا تعلق دوسری اطراف کے کمروں سے بھی قائم ہوگا جو دوسرے اور تیسرے بازاروں کے رخ بنے ہیں ۔ اس مکان کا دوسرا صحن شمال مغربی سمت پر ہے ، جہاں دوسرا اور تیسرا بازار ، ایک دوسرے سے مل رہے ہیں ۔ ادھر صرف چار کمرے اور ایک ڈیوڑھی ہے ، جو غالباً چوکیدار کی رہائش گاہ تھی ۔ ان دونوں صحنوں میں واقع کمروں کے علاوہ جنوبی سمت بھی کئی کمرے ہیں ۔

پہلے صحن میں دو گول ، گندے پانی کے کنویں بھی بنے ہیں ۔ ان میں سے ایک کی دیواریں چونہ گچ پتھروں کی ہیں اس لیے وہ سلامت رہ گیا ہے اور دوسرا کسی حد تک ٹوٹ چکا ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نمبر ۳ اور ۴ کمروں کے نیچے زمین دوز جو نالی بنی ہے ، وہ اس گندے کنویں تک دراز تھی ۔ کمرہ نمبر ۱۵ کے نیچے سے ایک اور گندہ کنواں برآمد ہؤا ہے جو اس امر کی دلیل ہے کہ کمرہ نمبر ۱۵ غالباً غسل خانہ تھا کیونکہ یہ ایک عام راستہ پر واقع ہے اور یہ راستہ باقی کمروں تک پھیلا ہؤا ہے ۔

اوپر کی منزل کو جانے والی سیڑھیوں کا کوئی نشان باقی نہیں رہا ، خیال ہوتا ہے کہ سیڑھیاں پتھروں کی نہیں ، لکڑی کی تھیں اور امتدادِ زمانہ کی نذر ہوگئی ہیں ۔

مکان بہ‌عنوان ''ح'' کے بھی دو صحن ہیں اور اس کے اندر بنے ہوئے

۱۔ ٹیکسلا جلد اول ، ص ۹۷ ۔

کمروں کی بھی کئی قطاریں ھیں ۔ ان میں سے ایک رو جو پہلے بازار کی سمت بنی ھے ، سر جان مارشل کی رو سے شاید رھائشی کمروں کی نہ تھی ، دکانوں کی تھی ۔ ایک دوسری قطار کے متعلق بھی جس میں کمرا نمبر ۷ - ۱۰ - ۱۷ اور ۱۸ واقع ھیں ، سر جان مارشل کا یہی خیال ھے ۔ مشرق صحن میں دو چھوٹے چھوٹے کمرے ھیں ، ان میں سے ایک جنوب مشرق رخ ھے اور دوسرا شمال مغربی کونے پر ھے ۔ اس کمرے کے اندر ایک گندا کنواں بھی بنا ھے ، غالباً یہ غسل خانہ تھا(۱) ۔ اس صحن کے جنوب مغربی کونہ پر ایک راستہ بنا ھے ، جو کمرا نمبر ۱۰ ، ۱۱ ، ۱۲ ، ۱۷ اور ۱۸ کے آگے سے گزرتا ھے ، ان سب کمروں کے دروازے اس میں کھلتے تھے ۔ کمرا نمبر ۱۷ اور ۱۸ کے وسط میں چھت کو سہارہ دینے والے ستونوں کے دو پشتے بنے ھیں ۔ کمرا نمبر ۲ میں گندے پانی کا ایک اور کنواں واقع ھے جس کا ایک حصہ ایک دیوار تلے دبا ھے ، ایسا معلوم ھوتا ھے کہ یہ دیوار بعد میں بنائی گئی تھی اور کنواں پہلے تعمیر ھؤا تھا ۔ اس کمرے کے مرکز میں چھت کو سہارہ دینے والے ایک اور ستون کا پشتہ بھی موجود ھے ۔

سرجان مارشل نے ان دو مکانوں کے علاوہ ایک ایسی عمارت کے آثار پر بھی روشنی ڈالی ھے جس کے مغربی سمت کے حصہ میں کئی ستونوں والا ایک ہال واقع ھے اور مشرق سمت کوئی تیس چھوٹے بڑے کمرے ھیں ۔ خیال کیا گیا ھے کہ یہ عمارت یا تو کسی بڑے افسر کی رھائش‌گاہ تھی اور ہال کمرا بطور ''دیوان'' یا مہمانوں کے ملنے کے لیے استعمال ھؤا کرتا تھا یا یہ کسی مندر یا معبد کی عمارت تھی اور ہال کمرے میں پوجا ھوتی تھی اور تیس چھوٹے کمروں میں پجاری رھائش رکھتے تھے ۔

فاضل سرجان مارشل کی رائے ھے کہ یہ اغلباً کوئی مندر تھا کیونکہ اس کے بعض کھنڈرات میں سے کئی '' مورتیاں '' دستیاب ھوئی ھیں ۔ یہ مورتیاں ایک دیوتا اور دیوی کی ھیں جو ہاتھ میں ہاتھ دیے کھڑے ھیں ۔ سرجان مارشل کہتے ھیں کہ یہ مورتیاں پجاریوں کے پاس بیچنے کے لیے بنائی گئی تھیں اور آجکل کی طرح قدیم عہد میں بھی مندر میں

۱- ٹیکسلا جلد اول ، ص ۶۷ ۔

آنے والے زائرین کے پاس مورتیاں بیچنے کا رواج تھا ۔

ہال کمرا ۵۹×۴۴ فٹ کے طول و عرض میں ہے ۔ یہ تین ستونوں کے سہارے کبھی کھڑا تھا جو ایک دوسرے سے ۱۱ فٹ کے فاصلہ پر بنے ہیں ۔ بیچ کا ستون بالکل کمرے کے وسط میں ہے ۔ کمرے کی دیواریں اس وقت کوئی پانچ چھ فٹ اونچی ہیں اور کھردرے پتھروں سے بنی ہیں ۔ بیچ کا ستون تین فٹ نو انچ اور کناروں کے ستون تین فٹ چھ انچ مربع ہیں جن کے اوپر کے حصوں میں چونا گچ کی کوئی چھ اور آٹھ انچ کے مابین ''سلیب'' بنی ہے ۔ کنارے کے ستونوں کی ''سلیبیں'' یا بالائی سطحیں کچھ اس طرح کی سیاہ ہیں جیسے جل گئی ہوں ۔ خیال گزرتا ہے کہ ان ''سلیبوں'' پر لکڑی کے شہتیر کھڑے کیے گئے تھے ۔ جب عمارت میں آگ لگی اور چھت جل گئی تو یہ شہتیر بھی جل گئے ۔ دیواریں کھردرے پتھروں کی ہیں جن میں بہت ھلکا چونا استعمال کیا گیا ہے ۔ اس میں کہیں کہیں کنجور کی آمیزش بھی کی گئی ہے ۔ کئی دیواروں میں تقریباً شہتیروں اتنے چوڑے اور لمبے خلا موجود ہیں ۔ غالباً ان خلاؤں میں لکڑی کے شہتیر بھرے ہوئے تھے تاکہ پتھروں کی دیوار کی پائداری کا موجب بنیں ۔

اس عمارت کے ہال کمرے کے پیچھے صحن بہ عنوان ''ث'' میں پتھر کے گول ٹکڑوں کا فرش بچھا ہے جس کے نیچے سے ایک نالی برآمد ہوئی ہے جو صحن کے جنوبی رخ اندرونی دیوار کے متوازی چلتی گلی نمبر ۲ تک پہنچتی ہے ۔ اس نالی کی تہ اور دونوں طرف کی دیواروں میں لمبی لمبی پتھر کی سلیٹیں جوڑی گئی ہیں ۔ یہ سلیٹ نما پتھر ضلع ہزارہ میں سے اب بھی برآمد ہوتا ہے ۔ خیال ہے کہ نالی کے اوپر بھی ایسی ہی سیٹیں بچھائی گئی ہوں گی ۔ صحن کے شمالی کونہ میں ایک چھوٹی سی جگہ پر سلیٹوں کا فرش بچھا ہے جس کی نچلی تہ میں چونے کی لیپ کی گئی ہے ، غالباً یہاں غسل خانہ بنا تھا ۔ کمرا بہ عنوان ب ۴ میں تالاب قسم کی تعمیر دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ شاید یہ کمرا ''حمام'' کے طور پر استعمال ہوتا تھا یا پھر یہاں آگ جلتی ہوگی ۔ پتھروں سے بنے ہوئے کئی اور پشتے کمروں کی دیواروں سے ملحق اور الگ بھی برآمد ہوئے ہیں ، ان پشتوں پر غالباً شہتیر کھڑے کر کے چھت کو سہارا دیا گیا تھا ۔

ان عمارتوں کے بارے میں سرجان مارشل کا عمومی تجزیہ یہ ہے کہ یہ بختاری یونانیوں کے حملہ کے وقت جلیں اور برباد ہوئی تھیں اور ان کی تباھی کا الزام ان بختاری یونانیوں پر عائد ہوتا ہے جو مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے کوئی سو سال پہلے ٹیکسلا پر حملہ آور ہوئے تھے -

بعض نوادرات

کھدائی کے وقت بعض نوادرات بھی دستیاب ہوئے ہیں ، مثلاً ایک ناچنے والی کی مورتی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاید آرام کر رہی ہے - بہت سے کھلونے جو ھاتھی ، شیر ، چیتے ، ھرن اور گائے بیلوں کے مجسموں پر مشتمل ھیں ، پتھر کے وزن اور سونے کے چار کنگن ، ایک کلھاڑا ، ایک دھری دھار کا خنجر اور نیزے کی ایک انی -

گھریلو استعمال کا کوئی ایسا برتن نہیں ملا جو پیتل یا تانبے کا ہو البتہ مٹی کے کئی برتن برآمد ہوئے ھیں - یہ برتن کمھاروں نے ''پہیے'' کی مدد سے بنائے تھے - ان برتنوں میں شراب کی ایک نازک سی صراحی بھی ہے جس کی گردن خاصی تنگ ہے ، ایک ھنڈیا ہے ، ایک مرتبان ہے اور ایک کوزہ ہے - یہ سارے کے سارے برتن سرخ رنگ کے ھیں اور خوب پختہ مٹی سے بنائے گئے ھیں اور ان کے بنانے میں بڑی ھنرمندی کا مظاھرہ کیا گیا ہے - دو عدد قیمتی پتھر یا جواھرات بھی ملے ھیں ، ان میں سے ایک کانوں میں ڈالنے والا بندا ہے اور ایک بہت عمدہ ستارہ نما کرسٹل ہے (۱) -

ھاتھی دانت اور ھڈی سے بنی ہوئی چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی ملی ھیں ، ان میں سے ایک کنگھی ، بالوں میں اڑسنے والا ایک پن (سوئی) ، تیروں کی انیاں جو ھڈی سے بنی ھیں ، کانوں کے بندے اور خنجر جن میں سے ایک کا دستہ ھاتھی دانت کا ہے - ''موتیوں'' کے ''دانوں'' اور نگینوں کی تعداد کافی ہے ، مثلاً خاصے قیمتی پتھروں کے دانے پینسٹھ ھیں ، پینتالیس مونگے ھیں ، پچیس شیشے کے ، پانچ ھڈی کے ، تین عام پتھر کے اور دو پیتل کے ھیں - ان ''نگینوں'' میں سے کچھ سیاہ ھیں ، کچھ بہت گھرے سبز ھیں ، کچھ نیلے اور زیادہ تر سفید ھیں -

---

۱- ٹیکسلا جلد اول ، ص ۱۰۲ -

سکے

تریسٹھ مختلف انداز کے سکے بھی ملےھیں ، جن میں سے سات چوتھے دور کے ، نو تیسرے دور کے ، چوالیس دوسرے دور کے اور تین پہلے دور کے ھیں ۔

تیسری تہ سے چوتھی صدی قبلِ مسیح کے نوادر برآمد ھوئے ھیں

اس صدی میں سکندر مقدونی ٹیکسلا میں داخل ھؤا تھا اور اس دور کی عمارات کے نیچے سے جو نوادر برآمد ھوئے ھیں ، ان میں سے بعض یونانی اثر کا پتہ دیتے ھیں مثلاً تانبے اور پیتل کی آمیزش سے بنی ھوئی ، دانت اور کان صاف کرنے کی سلائیاں ۔

سونے کے کچھ چھوٹے چھوٹے زیورات بھی سکوں کے ایک خاصے بڑے دفینے کے ساتھ دفن پائے گئے ھیں ۔ اس دفینے کا زمانہ لازماً چوتھی صدی قبلِ مسیح کا آخری دور ھے جب کہ موریا خاندان کی حکومت کی بنیادیں کافی مضبوط ھو چکی تھیں ۔ زیورات میں ایک تو کانوں کے کانٹے ھیں ، ایک گلوبند ھے جس میں موتی ٹکے ھیں ، دو بٹن نما پھول ھیں اور ایک مالا قسم کا ھار ھے ، جو سونے کی دھری تہوں سے بنا ھے ۔ اس ذخیرے میں چاندی کا ایک گلوبند بھی ھے جو اس امر کا ثبوت ھے کہ اس دور میں سونے کے ساتھ ساتھ چاندی کے ھار بھی پہننے کا رواج تھا اور اچھے خاندانوں کی عورتیں چاندی کے ھار پہننا پسند کرتی تھیں(۱) ۔

لوھے کی جو چیزیں دریافت ھوئی ھیں ، ان میں سے چھریوں کے دو پھل ، ایک چاقو اور ایک ''تیسی'' یا ''چوسی'' ھے ۔

سکندر کے زمانہ کے مابعد کے دور کے کچھ مٹی کے برتن بھی ملے ھیں ، جن میں ایک لوٹا ، ایک ھنڈیا اور بہت سے جام ھیں ۔ مرتبان اور جگ بھی ھیں اور سجاوٹ کی بہت سی چیزیں ھیں ۔ جانوروں کے مجسموں پر مشتمل کچھ کھلونے بھی ھیں ۔

سرجان مارشل کا بیان ھے کہ موریا عہد میں ٹیکسلا کی عورتیں قیمتی جواھرات کے '' نگینے'' بہت استعمال کرنے لگی تھیں ۔ اس عہد سے متعلق ۵۸۷ ''دانے'' سرجان مارشل کو ملے ھیں جن میں سے ۲۳۰ خاصے

۱۔ ٹیکسلا جلد اول ، ص ۱۰۴ - ۱۰۵ ۔

قیمتی جواہرات سے بنائے گئے ہیں ، ۲۱۷ شیشے کے ہیں ، ۵۱ گھونگے کے اور ۹۴ مصنوعی مصالحہ کے ۔

سکوں اور زیورات پر مشتمل جس '' ذخیرے'' کا ذکر اوپر ہؤا ہے ، اس میں ایک ہزار ایک سو سڑسٹھ چاندی کے روپے ہیں اور کچھ سونے کے ہیں ۔ چاندی کے سارے سکے کرشاپنا انداز کے ہیں ۔ ان سکوں میں سے کچھ سکے پرانے ایرانی دور کے بھی ہیں ، تین یونانی سکے ہیں ، دو سکندر مقدونی کے اور ایک فلپ ایری ڈیوس کا ہے جس نے ۳۱۷ قبل مسیح میں حکومت کی تھی ۔ یہ سکے اس بات کی علامت ہیں کہ دفینہ تقریباً تین سو سال قبلِ مسیح میں زمین تلے دفن کیا گیا تھا ۔

دوسری تہ تین سو سال قبلِ مسیح سے لے کر موریا زوال تک کی غمازی کرتی ہے

ان آثار کی دوسری تہ کے دور میں موریا خاندان ٹیکسلا کا حکمران تھا ، کیونکہ اس تہ کے اندر سے جو نوادر دریافت ہوئے ہیں وہ موریا تہذیب کی غمازی کرتے ہیں ۔ اس تہ میں سے قیمتی جواہرات پر مشتمل زیورات بالکل نہیں ملے ، البتہ سونے اور چاندی کا ایک ایک زیور ملا ہے جن میں سے سونے کا زیور کانوں کا بندا ہے اور چاندی کا زیور ایک انگوٹھی ہے ۔ اس تہ میں سے پیتل اور تانبے کے گھریلو استعمال کے برتن قطعاً دستیاب نہیں ہوئے جس سے سرجان مارشل نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ان دونوں دھاتوں کے برتنوں کا اس زمانہ میں رواج نہ تھا ۔ بلاشبہ چند چھوٹی چھوٹی چیزیں ان دھاتوں سے بنی ہوئی ملی ہیں جن میں سے نو عدد ہاتھ کی انگوٹھیاں ہیں ، چار بازوبند ہیں ، ایک گلے کا ہار ہے ، ایک بالوں کی سوئی ہے ، دو جام اور اسی قسم کی چیزیں ہیں ۔

پیتل اور تانبے کے استعمال کی اس کمی کی وجہ پیتل اور تانبے کی کمیابی تھی ، البتہ لوہا اس دور میں خوب استعمال ہؤا ہے ۔ نہ صرف اس سے مختلف اوزار اور ہتھیار بنائے گئے ہیں ، گھریلو استعمال کے برتن بھی اسی کے ہیں ۔ مثلاً چمچے ، پیالے ، جام ، دیگچیاں اور اسی قسم کی چیزیں ، ہتھیاروں میں دو دھاری خنجر ۶۴ ، ہلکے نیزے ۸۵۷ ، انکوسا ۱۰۳ ، کلہاڑے ۱۱۳ ، '' تیشے'' ۱۱۸ ، چاقو ۱۳۰ اور اسی قسم کے اور چھوٹے چھوٹے بہت سے اوزار ہیں ۔

سرجان مارشل نے اس دور کے مٹی کے برتنوں کے متعلق خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ کسی خصوصیت کے حامل نہیں ہیں ، یہ عام انداز کے ہیں اور انھیں امتیازی حیثیت نہیں دی جا سکتی ، کیونکہ اس دور کے کمہار عوامی استعمال کے برتن زیادہ تیار کرتے اور انھیں خوبصورت اور نفیس بنانے کی ضرورت محسوس نہ کرتے۔

بہرحال اس دور کے مٹی کے برتنوں کی صنعت پر ''ھندوستانیت'' زیادہ غالب آ گئی تھی ۔

سرجان مارشل نے شراب کی صراحیاں ، تنگ اور کھلے منہ کے پیالے ، گھڑے ، لوٹے ، کوزے ، ''کوزیاں'' گندی نالیاں اور گٹر بھی برآمد کیے ہیں ۔

برتنوں کے علاوہ سجاوٹ کی چیزیں بھی اس زمانہ میں خوب تیار ہوئیں ، خصوصیت سے کھلونے اور مورتیاں بہت بنیں ، یہ مورتیاں دھرتی ماتا اور بعض دوسری ھندوستانی دیویوں اور مقدس عورتوں کی ہیں ۔ ایک ھندوستانی دیوداس کی مورتی بھی ان میں شامل ہے ۔ بچوں کے مختلف کھلونے بھی وافر تعداد میں ہاتھ آئے ہیں جن میں سے کچھ جانور پہیوں پر سوار ہیں اور کچھ الگ الگ ہیں ۔

پتھر کا استعمال

اس دور میں چونکہ تانبا اور پیتل بہت کم ملتا تھا ، اس لیے اس کی کمی پتھر سے پوری کی گئی تھی اور کوزے ، پیالے ، جام حتیٰ کہ پلیٹیں اور ٹریئیں پتھر سے بنائی گئی ہیں ۔ موریا عہد کے پتھر کے صناع پتھر سے برتن بنانے میں بڑی مہارت رکھتے تھے ۔ خصوصیت سے ٹیکسلا کے نواح میں ایک خاص قسم کا ابری پتھر نکلتا تھا جس کے کئی رنگ تھے ۔ ٹیکسلا کے صناع اس گونا گوں رنگوں کے پتھر سے ہر قسم کے پیالے ، جام اور صراحیاں گھڑتے ، سنگِ مرمر ، سنگ موسیٰ اور دوسری قسم کے قیمتی پتھر ملک کے نچلے حصوں سے منگوائے جاتے اور ٹیکسلا کے صناع ان پر بھی طبع آزمائی کرتے اور ہر قسم کے چھوٹے چھوٹے نازک اور خوبصورت پیالے ، جام اور صراحیاں تیار کرتے (۱)۔

۱- ٹیکسلا جلد اول ، ص ۱۰۷ - ۱۰۸ -

اس تہ میں سے ھڈی اور ھاتھی دانت کی جو مصنوعات ملی ھیں وہ تقریباً پہلے ادوار سے مشابہ ھیں ۔

موریا عہد میں جواھرات بطور زیورات بہت استعمال ھونے لگے تھے ، موریا عہد کے صناع مختلف قسم کے قیمتی جواھرات تیار کرتے ، جن میں زیادہ پسندیدہ وہ جواھرات تھے جو بیک وقت کئی طرح چمکتے تھے ۔ سرجان مارشل نے کئی رنگوں کی چمک دینے والے جواھرات میں سے ۲۳۲ اور دوسری انواع کے ایک سو آٹھ دانے برآمد کیے ھیں اور کہتے ھیں کہ یہ اس عہد میں بہت مرغوب تھے ۔ شیشے کے ''دانے'' بھی خوب پسندیدہ تھے ، ان میں جن رنگوں کے ''دانے'' عورتیں زیادہ پسند کرتیں وہ سبز اور نیلے رنگ تھے ۔ سیاہ اور لال رنگ بہت کم مرغوب تھا ، زرد اورنجی رنگ کے ''موتی'' تو شاذ و نادر ھی کوئی پسند کرتا ۔

سرجان مارشل کا خیال ھے ، موریا عہد میں جواھرات اور موتیوں کے کاروبار نے بڑا فروغ پایا اور اس دور کے صناعوں نے بہت اعلیٰ ، نفیس اور عمدہ ''موتی'' تیار کیے ۔

پہلی تہ

پہلی تہ کے بارے میں جیسے کہ ھم نے پیچھے عرض کیا ھے ، سرجان مارشل کا بیان ھے کہ اس کے آثار بہت تھوڑے باقی ھیں ، نیز اس دور کے نوادر بھی اسی نسبت سے کم ھاتھ آئے ھیں ۔ ایک دفینہ جو خاصی محنت و جستجو کے بعد سرجان مارشل کو ملا ھے ، اس میں ایک سو چھیاسٹھ سکے چاندی کے اور انٹی اوچوس دوئم کے زمانہ کی ایک اشرفی اور کچھ سونے اور چاندی کے زیور ھیں اور کچھ مختلف انواع و اقسام کے جواھرات ھیں ۔ اس دفینہ کے علاوہ بھی کچھ متفرق زیورات دستیاب ھوئے ھیں جن میں سے پیپل کے پتے سے مشابہ ''کنٹھے'' ، چار شیر کی شبیہوں کے سروں والے کنگن اور سکے کی ایک انگوٹھی زیادہ ممتاز ھے اس پر بھی شیر کی شبیہ کندہ ھے (۱) ۔

اسی تہ میں سے ۶۲ موتیوں اور جواھرات کے ''دانے'' اور نگینے بھی ملے ھیں ، جو قریب قریب موریا عہد کی وضع قطع اور ساخت کے ھیں اور ان میں کوئی خاص امتیاز موجود نہیں ھے ۔

۱- ٹیکسلا جلد اول ، ص ۱۱۰ ۔

فصل دوم

دوسری قدیم آبادی "سرکپ"

جیسے کہ پیچھے بیان ہؤا ، یہ دوسری صدی قبل مسیح کے پہلے سال تھے جب بختیاری یونانی ٹیکسلا پر غالب آئے تھے (۱) - سرجان مارشل کہتے ھیں کہ ٹیکسلا پر قبضہ کے فوراً بعد بختیاری یونانیوں کو نئے پایۂ تخت کی تعمیر کا خیال نہیں آیا تھا یہ کچھ دن (کچھ سال) بھڑ ھی میں مقیم رہے - لیکن ایسا معلوم ھوتا ھے کہ بھڑ میں اتنی وسعت نہ تھی کہ نئے حاکموں کو اپنے ھاں زیادہ دیر تک ٹھہرائے رھتا - یوں بھی نئے قبضہ اور تبدیلیٔ حکومت کے وقت بھڑ کے بہت سے مکانات تباھی کی نذر ھوگئے تھے اور شاید ان یونانیوں کے لیے جو بختیاریہ کے مہذب و متمدن شہروں سے اس طرف آئے تھے - بھڑ کچھ زیادہ موزوں شہر نہ تھا - ان کے انجنیئروں نے بہت جلد نئے پایۂ تخت کا منصوبہ تیار کر لیا - نئے شہر کے لیے جو جگہ منتخب کی گئی وہ ھر لحاظ سے بہت موزوں تھی - اس کے ایک طرف ھتھیال پہاڑ تشریف فرما تھا ، دوسری طرف تمرا نالہ اور تیسری طرف گئو ندی واقع تھی اور زمین انتہائی زرخیز و شاداب ھونے کے ساتھ ساتھ بڑی ھموار تھی - ایک اچھے اور عمدہ پایۂ تخت کے لیے اس سے زیادہ موزوں اس ماحول میں کوئی اور جگہ قطعاً نہ تھی -

ان دنوں گو ماضی کی ھر بات بدل چکی ھے ، نہ تمرا نالے اور گئو ندی کی پہلی سی شان و شکوہ باقی ھے اور نہ ماحول کی زرخیزی و شادابی اور

۱- انڈیا رالنسن ، ص ۵۹ - ارلی ھسٹری آف انڈیا بائی سمتھ - اینشنٹ انڈیا ، ص ۳۲۹ - ۴۱ - ۸۴ - مطبوعہ حیدرآباد -
کارپوس جلد ۴ ، ص ۱۴۸ اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ۶۱ - ٹیکسلا جلد اول ، ص ۱۱۲ -
اینول رپورٹس آف آرکیا لوجیکل سروے آف انڈیا ۱۸۶۰ - ۱۸۸۴ ، ص ۱۵۳ -

دوسری قدرتی لطافتیں موجود ہیں ، پھر بھی جیسے ہی کسی زائر کی سواری میوزیم سے دو ایک میل آگے بڑھتی ہے تو اسے ایسا لگتا ہے جیسے وہ کسی ایسی وادی میں آ پہنچا ہے جو کبھی سوات و کشمیر کے ہم پلہ ہونے کا دعویٰ کر سکتی تھی - حدِ نظر تک اونچی نیچی پہاڑیاں پھیلی ہیں ، جن کے دامن میں جگہ بہ جگہ برساتی نالوں کی لاتعداد گزر گاہیں واقع ہیں ، جو غالباً برسات کے دنوں میں پانی سے بھر جاتی ہوں گی اور اس دور میں جو آج سے بائیس سو سال پہلے کا دور تھا ، جب اس وادی کی ہر بات اور ہر ادا آج سے مختلف تھی ان ندی نالوں کی عجیب بہار ہوگی -

سرجان مارشل اور سر کننگھم نے اس جگہ کے نام '' سرکپ '' کے سلسلہ میں ایک مقامی روایت کا ذکر کیا ہے ، جو کبھی ٹیکسلا کے ماحول میں رہنے والے بچے بچے کی زبان پر رواں تھی - یہ کہانی سیال کوٹ کے ایک شہزادے رسالو نامی اور '' راکششوں '' کے ایک خاندان سے متعلق ہے جس کے سات افراد تھے - تین بھائی تھے اور چار بہنیں تھیں - بھائیوں میں سے ایک کا نام سرکپ ، دوسرے کا سرسکھ اور تیسرے کا رمبھا تھا ، بہنوں میں پہلی کا نام کپی ، دوسری کا کالپی ، تیسری کا منڈا اور چوتھی کا منڈھی تھا -

کہتے ہیں شہزادے رسالو نے شہر میں سے گزرتے وقت ایک عورت کو جو چولھا جلائے تھی ، کبھی روتے اور کبھی ہنستے دیکھا تو تعجب سے پوچھا ، ماں یہ تم ہنس بھی رہی ہو اور رو بھی - عورت نے وجہ بتائی ، آج میرے بیٹے کی شادی ہے ، اس خوشی میں ہنسنے لگتی ہوں لیکن روتی اس لیے ہوں کہ وہ راکششوں کا لقمہ بن جانے کو ہے -

• کہانی تفصیل میں نہیں گئی صرف اتنے تک محدود ہے کہ شہزادے رسالو نے عورت کو تسلی دی اور وعدہ کیا کہ اس کے بیٹے کو راکششوں کا لقمہ نہیں بننے دے گا -

اس کہانی کی رو سے شہزادے رسالو نے اپنا وعدہ پورا کیا اور راکششوں کو مار ڈالا اور عورت کے بیٹے کو بچا لیا (۱) -

---

۱- کارپوس جلد ۲ ، ص ۱۵۶ - اینول رپورٹس آف آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا ۱۸۶۰ - ۱۸۴ ، ص ۱۵۲ (جلد ۲) -
ٹیکسلا جلد اول ، ص ۱۱۲ - اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ۶۰ -

سرجان مارشل نے یہ کہانی اپنی کتاب ٹیکسلا کی جز اول میں دھرا تو دی ہے ، لیکن یہ وضاحت نہیں کی کہ یہ جگہ ، جہاں بختیاری یونانیوں نے اپنا پایۂ تخت تعمیر کیا ، ''سرکپ'' کے نام سے کیوں موسوم ہوئی ؟

بہرحال یونانی بختیاری شہر کے یہ آثار جوان دنوں ''سرکپ'' کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں ، اس شہر کے آثار ہیں جو بائیس سو سال پیشتر بختیاری یونانیوں نے آباد کیا تھا اور برابر تین صدیوں تک یونانیوں ، ساکوں ، پارتھیوں اور کشان کے شروع دور تک پایۂ تخت ہونے کے شرف سے محروم نہیں ہؤا تھا ۔ حتیٰ کہ کشان بادشاہوں نے شروع عہد میں اسے ہی اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا (۱) ۔

یونانی دور میں شہر کی بیرونی فصیل مٹی کی تھی اور خاصے احاطہ کو محیط تھی ، یہ قدیم فصیل جو یونانیوں نے مٹی کے گارے اور لکڑی کی آمیزش سے تعمیر کی تھی ، آج بھی مندر جنڈیال کے جنوب مغرب سے ذرا دور موجود ہے ، گویا اس وقت مندر جنڈیال اور اس سے ملحقہ عمارت یونانی شہر پناہ کے اندر واقع تھی اور اس کی حد تمرا نالہ تھا ۔

یہ موجودہ سنگی دیوار جو سرجان مارشل نے کھدائی کے بعد برآمد کی ہے ، یونانیوں نے نہیں غالباً ساکا بادشاہ ایزس اول نے ۵۰ سال قبل مسیح میں تعمیر کی تھی ، یعنی شہر کی دوسری آبادی کے وقت اس بادشاہ نے شہر کے حدود مختصر کر دیے اور شہر کی کئی پہلی عمارتیں جو غالباً کیا یقیناً سرکاری عملہ کی عمارتیں تھیں ڈھا دیں اور مقامی پتھروں اور کنجور کی کتلیں باہم جوڑ کر ایک عظیم سنگی شہر پناہ تعمیر کر ڈالی ۔

سرجان مارشل کی رو سے اس نئی فصیل کے چاروں اطراف چار دروازے تھے ۔ چونکہ سرجان مارشل نے اس کی صرف ایک سمت کھودی ہے اور ایک دروازہ برآمد ہؤا ہے اس لیے صرف ایک دروازہ متعین ہے اور باقی قیاسی حیثیت رکھتے ہیں ۔

سرجان مارشل کی رو سے یہ بڑا دروازہ ایک بڑے ہال پر مشتمل تھا جس کا طول ۶۲ فٹ شمال سے جنوب میں اور ۳۵ فٹ مشرق سے مغرب میں تھا ۔ ہال کے دونوں طرف پہرہ داروں کی کوٹھریاں بنی تھیں ، جہاں ہر

۱- کار پوس جلد ۲ ، ص ۱۵۶ - اینول رپورٹس آف آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا ۱۸۶۰ - ۱۸۸۸۴ ، ص ۱۵۲ (جلد ۲) -
ٹیکسلا جلد اول ، ص ۱۱۲ - اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ۶۰ -

وقت ضرورت کے مطابق پہرہ دار موجود رہتے۔ آیا بڑے دروازے پر محیط ہال دو منزلہ تھا یا ایک منزلہ یا عام ہندوستانی قلعوں کے بڑے دروازوں کی طرح اس کی کئی منزلیں تھیں یہ کچھ معلوم نہیں ہے اور نہ ایسے آثار ہی موجود ہیں ، جو اس بات کی شہادت دیں ۔

سر جان مارشل نے دروازہ کی نچلی تہ کی جو کھدائی کی ہے اس سے دروازہ کے ایک سمت ایک گول کنواں بھی نکلا ہے جو غالباً بارہ چودہ فٹ گہرا ہے ۔ یہ کنواں یا تو راہ گیروں کی پیاس بجھانے کے کام آتا تھا ، یا ہال کمرہ کے دائیں بائیں متعین محافظین کے خصوصی استعمال کے لیے مخصوص تھا(۱) ۔

منسلکہ نقشے سے معلوم ہوگا کہ سر جان مارشل نے اس شمالی دروازہ سے چند فٹ آگے کی سمت واقع بڑے بازار کے دونوں سمت کوئی دو ہزار فٹ کے رقبہ میں کھدائی کی ہے ۔ یہ کھدائی فصیل کی شمالی جانب سے شروع ہوکر قلب شہر کو اپنے احاطہ میں لے لیتی ہے ۔ جو آثار برآمد ہوئے ہیں وہ زیادہ تر دوسری تہ کے ہیں اور یہ تہ بڑے بازار سے کوئی تین ، ساڑھے تین یا چار فٹ اونچی ہے ۔ بڑا بازار اور اس کے دونوں سمت بنی ہوئی دکانوں یا مکانوں کو دیکھ کر بالکل کراچی کی بندر روڈ یا شاہ عالمی بازار کی تصویر سامنے آ جاتی ہے ، گو یہ بازار شاہ عالمی بازار اور بندر روڈ سے بہت کم چوڑا ہے ۔ شاید انارکلی سے بھی ہیٹا ہو ، تاہم شمالی دروازہ سے شروع ہوکر بالکل سیدھا کنال سٹوپے تک یکساں بڑھا چلا گیا ہے ۔ اس کے دونوں سمت کی عمارتیں آج سے بائیس سو یا دو ہزار سال پہلے یکساں اونچی تھیں یا ان کی نوعیت مختلف تھی ، آثار کو دیکھ کر کچھ اندازہ نہیں ہوتا ۔ البتہ سارے کے سارے آثار بڑے بازار سے ایک جتنے یا کوئی تین ساڑھے چار فٹ اونچے ہیں ۔ کہیں کہیں بعض عمارتوں کی سطحوں تک پہنچنے کے لیے کنجور پتھر کی سیڑھیاں بھی بنی ہیں ۔ آثار پر ایک اچٹتی نظر ڈالتے ہی یقین ہو جاتا ہے کہ ساری عمارتیں ایک وقت میں تعمیر ہوئی تھیں ، کیونکہ جو سامان پوری عمارتوں میں استعمال ہؤا ہے وہ قطعاً ایک طرح کا ہے ۔

۱۔ سر جان مارشل ٹیکسلا جلد اول ، ص ۱۲۱ ۔

سر جان مارشل اپنی تصنیف اے گائڈ ٹو ٹیکسلا میں ان آثار کے عمومی منظر کے بارے میں کہتے ھیں کہ پہلی نگاہ میں ان کا نقشہ کچھ الجھا الجھا اور غیر واضح نظر آتا ہے ، لیکن ھمیں اس وقت کے آثار کی صورتِ حال سے قطع نظر کر کے یہ تصور کرنا ھوگا کہ ھم آج نہیں ، پہلی صدی بعد از مسیح میں اس شہر کے اندر ، اس کے شمالی دروازہ سے داخل ھو رہے ھیں اور ھماری نگاہ اس کے بڑے بازار پر سیدھی دوڑ رھی ہے ۔ فرض کر لیجیے کہ ھم اس شہر میں اسی دن داخل ھوئے جب تیانہ کے سیاح آپولونیس نے ٹیکسلا کی سیاحت کی ۔ یہ ۴۰ء بعد از مسیح کا سال ہے اور بڑے زلزلہ کے کہرام کو گزرے ایک سو سال ھو چکے ھیں اور اس دوران میں شہر ٹیکسلا نے قطعاً نئی زندگی پالی ہے ۔ ھر سمت نئی عمارتیں بن گئی ھیں اور ان کی چمک دمک پوری طرح جاذبِ توجہ ہے ۔ ان میں سے اکثر پر پلستر چڑھا ہے اور ان کا رنگ سفید ہے ، لیکن کسی کسی عمارت کا رنگ زرد ، کسی کا نیلا ، کسی کا سرخ اور کسی کا سبز بھی ہے اور بڑے بازار کے دونوں سمت دور دور تک دکانیں ھی دکانیں پھیلی ھیں ۔ دکانوں کی عمارتیں چھوٹی دیواروں اور ایک منزلہ چھتوں کی ھیں ، ان میں سے کوئی دکان ایک کمرہ کی ہے ، کوئی دو پر مشتمل ہے ۔ ان کی بنیادی سطح بازار سے کئی فٹ اونچی ہے ۔ اگلے حصوں میں یا تو برآمدے بنے ھیں یا پلیٹ فارم ۔ کہیں کہیں دکانوں کا تسلسل بغلی کوچوں نے توڑ دیا ہے ۔ یہ بغلی کوچے مشرق سے مغرب کی سمت اور مغرب سے مشرق کی سمت چلتے ھیں ۔ کوچوں کے علاوہ دکانوں کے تواتر میں ان مندروں کے سبب بھی رخنے پڑ گئے ھیں جو دکانوں ایسے اونچے پلیٹ فارموں پر جا بجا واقع ھیں اور جو اس امر کے شاھدِ عادل ھیں کہ ٹیکسلا کے رھنے والے ، اچھے کاروباری ھونے کے ساتھ ساتھ مذھبی بھی ھیں (۱) ۔

بڑے بازار میں تھوڑی دور آگے جاتے ھی بڑے سٹوپے پر نگاہ اٹھتی ہے ، یہ ٹیکسلا کے جینیوں کا سٹوپا ہے ۔ جو دوسرے اور تیسرے کوچہ میں بنا ہے (یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ٹیکسلا میں جین دھرم کے

۱- اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ٦٦ ۔

ماننے والے بھی موجود ھیں) اس سٹوپا سے کوئی ۸۰ گز اور آگے بڑھیں تو ٹیکسلا کے بدھوں کا سب سے بڑا مندر واقع ھے - یہ اپنی طرز کا سب سے بڑا مندر ھے ، جس کے اگلے حصوں میں دو سٹوپے بنے ھیں - اس مندر کے بالکل متوازی تیسرے نمبر کے محلہ میں ایک اور سٹوپا بھی موجود ھے - اس کے علاوہ ذرا اور آگے بڑھیے ، تو دکانوں کی عمارتوں کے مابین محلہ ''ف''، ''گ'' اور ''ی'' کے اندر تین اور سٹوپے قائم ھیں ، ان میں سے دو دائیں جانب اور ایک بائیں رخ ھے اور ان کے گنبد عام مسطح چھتوں کے اندر ابھرے ھوئے نگینوں کا سا منظر پیدا کر رھے ھیں اور ان سے کسی قدر دور پیچھے کی طرف شاھی محل ھے ، جس کا رنگ سفید ھے اور خوب چمک رھا ھے -

دکانوں اور مندروں کی پچھلی اطراف میں ٹیکسلا کے شہریوں کے نجی مکانات ھیں ، جن کے دروازے تنگ گلیوں اور کوچوں میں کھلتے ھیں - ان میں سے وہ چند مکانات جو فصیل سے متصل ھیں ، غریبوں کے ھیں - ان میں غالباً سپاھی اور پہرہ دار رھتے ھیں لیکن ان میں سے اگلے کافی وسیع ھیں اور کھاتے پیتے اور مرفع الحال لوگوں کے ھیں ، کیونکہ یہ حصۂ شہر بڑا مہذب علاقہ ھے - شاھی محل اس بازار سے اوپر کی طرف کوئی پانچ سو گز کے فاصلہ پر ھوگا اور محل اور شمالی دروازہ کے مابین جو لوگ رھتے ھیں وہ لازماً حکام ھوں گے - یقیناً ان کے ساتھ ان کے ملازمین اور غلام بھی رھتے ھیں - یہ وہ لوگ ھیں جو مغربی شہروں سے درآمد کیے ھوئے قیمتی جواھرات کا استعمال کرتے ھیں اور عمدہ اور قیمتی ملبوسات پہنتے ھیں - ان کے مکانوں کی چھتیں مسطح اور خاصی نیچی ھیں کیونکہ جب سے پچھلا زلزلہ آیا ھے ، ٹیکسلا کے مکانات زیادہ اونچے نہیں بنتے - یوں ان میں کافی وسعت ھے اور ان میں سے ھر ایک تقریباً پندرہ ھزار مربع فٹ احاطہ لیے ھوئے ھے - اگر ھم ان مکانوں میں داخل ھوں تو ھمیں پتہ چلے کہ ان کے کمرے قطاروں میں بنے ھیں ، جیسے کہ مشرقی شہروں کا عام دستور ھے - یہ قطاریں الگ الگ صحنوں میں کھلتی ھیں ، جن سے کمروں میں ھوا اور روشنی آتی جاتی ھے یہ صحن کچھ زیادہ بڑے نہیں ھیں ، تقریباً کمرے اتنے لمبے چوڑے ھیں اور عموماً گزرگاھوں کا کام دیتے ھیں -

کھڑکیاں صرف کمروں کی ان دیواروں میں ھیں جو کوچوں کی سمت واقع ھیں لیکن یہ کھڑکیاں اتنی مختصر ھیں کہ ان پر ''روزنوں'' کا گمان ھوتا ہے -

بڑے بازار سے خاصے اوپر کی سمت کے اس علاقہ میں جو شاھی محل سے قریب ہے جو مکانات بنے ھیں وہ زیادہ مرتب اور عمدہ طرز کے ھیں اور ان کے صحن کافی کشادہ ھیں - ان میں سے کچھ دفاتر کے طور پر استعمال ھوتے ھیں ، اس لیے محل کے آس پاس بنے ھیں (۱) -

شاھی محل

شاھی محل ایک شاندار نجی طرز کا انتہائی عمدہ مرتب مکان ہے ، اس کا اندازِ تعمیر گو اس کے ماحول کے اندازِ تعمیر سے کچھ مختلف نہیں ہے لیکن وہ زیادہ وسیع ہے اس کے کمرے بھی بڑے بڑے ھیں اور صحن بھی بہت کشادہ ھیں ، اس کی دیواریں بھی نسبتاً اونچی اور زیادہ مضبوط ھیں - یہی وجہ ہے کہ یہ محل پورے شہر کی عمارات سے زیادہ ممتاز اور بلند نظر آتا ہے (۲) -''

یہاں تک تو سرجان مارشل کسی قدر تخیل کے سہارے چلے ھیں لیکن اس کے بعد وہ آثار کی گفتگو کرنے لگے ھیں اور پہلی صدی بعد از مسیح کے زمانہ سے حال میں داخل ھو گئے ھیں اور ایک اس زائر کی شکل اختیار کر لی ہے جو سرکپ کے کھنڈرات کا تماشہ کرنے وھاں ان دنوں پہنچے اور اس کی نگاہ محل کی ھر قدیم عظمت کو بھول کر بڑے بازار سے کوئی تین چار فٹ اونچی سطح کے آثار پر جم جائے ، یہ آثار مغربی سمت ۳۵۰ فٹ اور شرقاً غرباً چار سو فٹ لمبے احاطہ میں پھیلے ھیں -

سرجان مارشل کا خیال ہے کہ ان میں سے سب سے قدیم اس عمارت کے آثار ھیں جو ساکا عہد میں اول صدی عیسوی کے پہلے حصہ میں بنی تھی لیکن بعد میں اس میں کافی ترمیمیں ھوئیں اور کچھ اضافے بھی

۱- اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ٦٧ -

۲- ایضاً ، ص ٦٩ -

ہوئے ، خاص طور پر شمال کے اس حصہ میں جو زنانہ رہائش کے لیے مخصوص تھا ، کئی نئے کمرے بنے -

ان آثار کو دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ زیادہ اہم کمروں ، خصوصیت سے دیوان خاص کی دیواروں میں ربل کی چنائی میں کنجور کی پیشانیاں جھلک رہی ہیں ، کہیں کہیں ویسے ستون بھی بنے نظر آتے ہیں جو جنڈیال کے مندر میں عام ہیں - متعدد کمروں کی دیواروں میں جھریوں کے نشان بھی موجود ہیں جن سے گمان ہوتا ہے کہ دیواریں چنتے وقت تھوڑی تھوڑی دور چوبی شہتیر عموماً چنے گئے تھے ، جن کے اوپر غالباً لکڑی کے تختوں کو جوڑ کر دیواروں کا حسن بڑھایا گیا تھا اور نچلے حصوں میں لکڑی کے حاشیے بنائے گئے تھے (جیسے کہ ان دنوں بھی گورنمنٹ ہاؤسوں کے ملاقاتی کمروں میں بنانے کا عام رواج ہے) باقی دیواریں غالباً پلستر سے لیپی گئی تھیں -

اس وقت کے محل کے آثار میں بیرونی سمت سے داخل ہونے کے لیے صرف تین دروازوں کی علامات موجود ہیں ، ایک مغرب کی سمت واقع بڑے بازار میں ہے اور دو جنوب کی طرف کے کوچے نمبر ۱۳ میں ہیں ، غالباً مشرق سمت ایک اور بھی دروازہ تھا ، لیکن چونکہ مشرق سمت کی دیواریں ناپید ہو گئی ہیں اس لیے اس کے بارے میں محل کے اندر کی اطراف کے سارے دروازے چھوٹے چھوٹے ہیں جو دروازہ بڑے بازار سے محل میں داخل ہونے کے لیے بنا ہے - یہ غالباً ایک کھلے صحن میں کھلتا تھا اور اس کھلے صحن کے آگے ایک چھتی ہوئی غلام گردش کے ذریعہ اس سے ملحقہ دیوانِ خاص میں رسائی ملتی تھی ۔ جو ایک کرسی دار ہال پر مشتمل ہے اور بالکل مغلیہ عہد کے دیوانِ خاص کی طرز کا ہے - دیوانِ خاص کے گرد جن کمروں کے آثار موجود ہیں ، یہ محل کے بہترین کمرے تھے اور غالباً بادشاہ کے ذاتی استعمال کے لیے مخصوص تھے - محل کا دوسرا دروازہ جو کوچہ نمبر ۱۳ کی سمت کوچہ سے کوئی دس گز کے فاصلے پر بنا ہے ، ایک کاریڈور "غلام گردش" سے ملحق ہے - یہ غلام گردش محافظ فوج کے صحن تک آتی ہے - غالب خیال یہ ہے کہ جو بیرونی لوگ محل میں داخل ہوتے

وہ اسی دروازہ سے آتے تھے - انھیں محل میں داخلے سے پہلے محافظوں سے اپنا تعارف کرانا ضروری ہوتا تھا -

محل کا تیسرا دروازہ جو کوچہ نمبر ۱۳ میں پہلے دروازے سے خاصا اوپر کو واقع ہے ، شاید عوام کی گزرگاہ تھی کیونکہ اس سمت دیوانِ عام کی عمارت ہے اور عوام کو صرف دیوانِ عام میں رسائی ملتی تھی - اس دیوانِ عام کے ساتھ ساتھ جن کمروں کے آثار ملے ہیں وہ ان سرکاری دفاتر کے لیے استعمال ہوتے تھے جن میں عوامی کاروبار ہوتا - دیوانِ عام سے ملحق کئی اور کمرے بھی ہیں جو ایک ساتھ بنے ہیں - ہر کمرا اپنے طور پر جدا بھی ہے اور خود کفیل بھی ہے - گمان گزرتا ہے کہ یہ کمرے غالباً مہمان خانہ کے طور پر استعمال ہوتے تھے - یہاں شاہی مہمان ٹھہرتے تھے - کافی دور شمال کی جانب محل کا اندرونی حصہ ہے یہ زنان خانہ تھا ، یہ گمان اس لیے پیدا ہؤا ہے کہ اس اندرونی محل اور بیرونی حصہ میں جو دیواریں حائل ہیں وہ دوسری دیواروں کی نسبت بہت موٹی ہیں - زنانہ حصہ کے مشرق میں کئی چھوٹے چھوٹے ، معمولی معمولی دیواروں کے کمرے بنے ہیں - ان کے اندازِ تعمیر کو دیکھ کر سرجان مارشل کو خیال ہؤا ہے کہ یہ لونڈیوں یا باندیوں کے لیے مخصوص تھے - ان کمروں اور زنان خانہ یا حرم کے مابین ایک صحن بھی بنا ہے جس کے پہلو میں کچھ اور آثار بھی ہیں - غالباً یہاں کچھ اور عمارتیں بھی تھیں لیکن شاید اچھی نہیں بنی تھیں کہ ان کی علامات قریب قریب معدوم ہو گئی ہیں -

سرجان مارشل کے خیال میں اس زنانہ صحن میں ایک اور دلچسپ عمارت کے آثار بھی موجود ہیں جو ایک سٹوپا کی ہے - اس کی مربع کرسی اب بھی موجود ہے - سٹوپا عورتوں کا معبد تھا ، شاہی خواتین اس میں عبادت کرتی تھیں (۱) -

سرجان مارشل کا بیان ہے کہ سٹوپا کی کرسی کے ساتھ ساتھ چار پختہ مٹی کے کنال نما تالاب بھی چپکے تھے - یہ چاروں تالاب سٹوپا کے چاروں کونوں میں نصب تھے - ان تالابوں میں اترنے کے لیے

۱- اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ۶۸

سٹوپا کے چاروں کونوں میں چار سیڑھیاں بنی ہیں اور فرش اور کناروں پر آبی جانوروں کے مجسمے نصب ہیں ۔ ان آبی جانوروں کے سروں پر خوبصورت دئے بنے ہیں جو غالباً پوجا کے وقت جلائے جاتے تھے ۔ تالابوں میں پانی بھر جاتا تھا اور ان میں جلتے چراغ کائنات کی تخلیق کے عناصرِ اربعہ ، باد و خاک و آتش و آب کی ترجمانی کرتے تھے ۔ تالاب ، ان میں بھرا ہؤا پانی اور جلتے چراغ اس دور کے کس مذہبی رواج کی عملی تعبیر تھے ۔ یہ کہنا کچھ آسان نہیں لیکن اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ سٹوپا اور اس سے متعلق یہ تالاب بدھ مذہبی روایات کے ترجمان ہرگز نہ تھے ، غالباً یہ جین دھرم سے متعلق تھے ۔

جیسے کہ پیچھے بیان ہؤا کہ اس دور میں سرکاری مذہب بدھ دھرم تھا ۔ ہو سکتا ہے کہ زنانہ محل کی بعض بااقتدار خواتین جین دھرم کی عقیدت مند ہوں ۔

یوں ان دنوں بھی ہند و بنگال میں ہندو کنواری لڑکیاں اس قسم کے تالاب جنھیں یامہ پکور کہا جاتا ہے ، یامہ دیوتا کے حضور بطور نذر چڑھاتی ہیں اور ہندوستان میں اس قسم کی پوجا قدیم زمانہ سے چلی آ رہی ہے ۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اس قسم کے تالابوں کا رواج ساتویں صدی قبلِ مسیح میں جزائر ایجین میں بھی موجود تھا اور مصر میں تو آج سے کوئی تین ہزار سال پہلے کی تیسری مصری بادشاہت کے افراد ایسے تالاب دیوتاؤں کے حضور نذر لایا کرتے (۱) ۔

یہ شاہی محل جس کی کیفیت اوپر مذکور ہوئی ، یوں تو خاصا مضبوط بنا تھا اس میں وسعت بھی بہت تھی لیکن کچھ خاص شان و شکوہ اور جاہ و جلال کا حامل نہ تھا ۔

تیانہ کے سیاح اپولونیوس سوانح نگار فلوسٹریٹس اپنے روزنامچہ میں اس محل کا ذکر کرتا ہؤا کہتا ہے کہ اس کے کسی حصہ میں کوئی تعمیری عجوبہ یا کمال نہیں تھا ۔ رہائشی کمرے جلسہ خانے ، دیوان

---

۱ - فلو ٹروٹس سیاحت نامہ اپولونیوس جلد ۲ ، ص ۲۵ ۔

حاص و عام اور ڈیوڑھیاں یا غلام گردشیں بہت سیدھی سادی طرزِ تعمیر کی مظہر تھیں (۱) -

اس سادگی کے باوجود محل کے آثار اس لحاظ سے بڑے دلچسپ ہیں کہ پاکستان و ہندوستان سے جتنی قدیم عمارتوں کے کھنڈرات تاحال برآمد ہوئے ہیں ، ان میں یہ اپنی ندرت کے لحاظ سے بے مثال ہیں - یعنی پاکستان و ہندوستان کی قدیم عمارتوں اور اس عمارت میں قطعاً کوئی تشابہ موجود نہیں ہے - اس کے برعکس یہ ان قدیم شاہی عمارتوں سے حد درجہ مشابہ ہے جو عراق کے قدیم شہروں کی کھدائی کے وقت برآمد ہوئی ہیں -

مثلاً سارگون اسیری کے محل واقع خورس آباد میں ٹیکسلا کے شاہی محل کی طرح وسط میں ایک بڑا صحن ہے اور اس صحن کے چاروں طرف رہائشی کمرے بنے ہیں - ایک طرف زنانہ ہے ، ایک طرف ملازمین کی رہائش گاہیں ہیں اور دوسری اور تیسری سمت انتظار گاہ ، مہمان خانہ اور سرکاری دفاتر واقع ہیں - سارگون کے اس محل اور ٹیکسلا کی شاہی قیام گاہ میں جو فرق ہے وہ صرف یہ ہے کہ وہاں زنان خانہ سے متصل مینارہ زگرت بنا تھا اور یہاں وہ سٹوپا ہے جس کا حال اوپر بیان ہوا - اور یہ تفریق غالباً اس لیے ہے کہ دونوں کے ساکنوں کے مذہب جدا جدا تھے ، لیکن دونوں کے معمار ایک ہی قسم کے فن کے حامل تھے -

سر جان مارشل کی رو سے اس تشابہ کی وجہ یہ تھی کہ باختر ، ایران اور اس سے ملحقہ ممالک پر اسیری تہذیب مدت ہائے مدید تک غالب رہی تھی اور اس کے غلبہ و تسلط کے اثرات بڑے گہرے اور بہت دیرپا تھے (۲) - اور وہ ساکے جو پہلی صدی عیسوی میں اس محل کے خالق بنے ، باختر و ایران ہی سے ٹیکسلا میں وارد ہوئے تھے اور ان کے صناعوں کے ذہن اسیری فنِ تعمیر سے بہت متاثر تھے -

اس محل کے آثار کو کھودتے وقت سر جان مارشل کو جو اشیا

۱- اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ٦٩ -

۲- ایضاً ، ص ۷۰ -

ملی ھیں ، ان میں مٹی کے پکے برتن ، مورتیاں ، کھلونے ، کانسی تانبے اور لوہے کی مختلف مصنوعات گلوں میں پہننے والے ھاروں میں پروئے جانے والے موتی اور جواھر انگوٹھیوں کے نگینے اور متعدد سکے بھی ھیں ۔

سکوں میں ۶۱ سکوں کا ذخیرہ ایک ھی جگہ دفن تھا ۔ ان میں کچھ سکے ایسز اول ، ایسز دوئم ، اسپاورما ، گنڈوفیرس اور کاڈفیسز کے زمانہ کے ھیں ۔

سکے ڈھالنے کے کچھ سانچے بھی ملے ھیں ۔ یہ سانچے شاھی محل سے متصل ایک چھوٹے سے کمرے میں دفن تھے ۔ غالباً یہ کمرا کسی جعل ساز کی ٹکسال کے طور پر استعمال ھوتا تھا ۔ سر جان مارشل نے جو سانچے اس جعل ساز کے ھاں سے برآمد کیے ھیں ان مین آٹھ مکمل اور بیس ٹوٹے ھوئے ھیں اور ان میں بہت سے سانچوں میں ایزز دوئم کے زمانہ کے سکوں کی عبارت صاف کندہ ھے ۔

سرکپ کے نجی مکانات

سرکپ کے نجی یا عوامی مکانات اور شاھی محل کے طرزِ تعمیر میں کوئی خاص فرق نہیں ھے ۔ ان میں سے اکثر دیواریں ان گھڑ پتھروں اور کنجور کی کتلوں کو باھم جوڑ کر بنائی گئی ھیں ۔ ان پر چونے اور گارے کا پلستر بھی کیا گیا تھا ، جو گو اب ھر جگہ موجود نہیں ھے ، لیکن کہیں کہیں باقی ھے ۔ وہ کہیں چونے کا ھے اور کہیں مٹی کا ھے اور اس پر رنگ بھی چڑھا ھے ، اس سے سر جان مارشل نے اندازہ کیا ھے کہ ان دنوں پلستر پر رنگ بھی کیے جاتے تھے ۔

سر جان مارشل نے یہ گمان بھی ظاھر کیا ھے کہ شاید پوری دیواریں پتھروں کی نہیں بنی تھیں ۔ اوپر کے حصوں میں روڑوں اور گارے سے چنائی کی گئی تھی ، جیسے کہ پپلا کی بعض دیواروں سے ظاھر ھوتا ھے (۱) ۔

بہر حال آثار اس امر کی شہادت نہیں دیتے ۔ آثار تو تین یا چار فٹ اونچی دیواروں کے ھیں اور ان کے اوپر کے حصے امتدادِ زمانہ کی

۱۔ اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ۷۰ - ۷۱ ۔

نذر ہو چکے ہیں ۔

سر جان مارشل کی رو سے ان مکانوں کے نقشے بھی کچھ بہت زیادہ مرتب نہیں ہیں اور قریب قریب ان کا انداز وہی ہے جو بھڑ کے مکانات کا ہے ، مثلاً وہاں بھی تقریباً ہر عمارت کے وسط میں صحن ہے اور یہاں بھی کمرے صحن کے اردگرد بنے ہیں ، البتہ بڑے صحن کو چھوڑ کر کمروں کی ہر صف سے وابستہ ایک نہ ایک صحن یا کھلی جگہ ضرور موجود ہے ، جس کے ذریعہ کمروں میں روشنی اور ہوا کا گزر ہوتا تھا ، چھتیں مسطح تھیں اور ان پر بھوسہ ملے ہوئے گارے کا لیپ کیا گیا تھا ۔

سر جان مارشل کی رو سے شاہی محل سے اس سمت چل کر اگر ہم بڑے بازار میں اتریں ، تو وہاں ہمیں جو آثار ملیں گے ، ان کے سامنے کا حصہ یعنی وہ حصہ جو بڑے بازار کے ساتھ ساتھ چلتا ہے ، دکانوں پر مشتمل ہے ۔ ان دکانوں کے اندر ایک سٹوپا بھی بنا ہے ، جس کے پہلو میں پجاری کی رہائش‌گاہ ہے ۔ اسی سٹوپا کے عقب میں ایک وسیع اور بڑے شاندار مکان کے آثار ہیں ۔ یہ مکان غالباً پہلی صدی عیسوی میں تعمیر ہؤا تھا اور دو منزلہ تھا ۔ اس کی نچلی منزل میں تیس کمرے ہیں اور چار صحن - اس بڑے مکان سے متصل شرقاً اور جنوباً کچھ اور آثار ہیں ، جو غریبوں کے مکانات کے معلوم ہوتے ہیں یا یہ مکانات ان لوگوں کے تھے جو اس بڑے مکان کے سٹوپا یا مندر سے متعلق تھے ۔ اس مندر کے آثار کے بارے میں پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے ۔ یہ وہی مندر ہے ، جو غالباً جینیوں کا تھا ۔ ہو سکتا ہے اس بڑے مکان میں جو لوگ رہتے ہوں ، وہ عقیدتاً جینی ہوں ۔ سر جان مارشل نے یہ خیال عام جینی سٹوپوں اور اس سٹوپا میں باھمی تشابہ کی بنا پر قائم کیا ہے ۔ اس وقت گو اس سٹوپا کی کرسی باقی ہے ، لیکن اس کے آثار خاصے واضح ہیں ۔ کرسی کے چاروں کونوں پر پانچ پانچ ستونوں کے علاوہ ایک زناری گولا بھی موجود ہے ، جس کی کارنس پر کٹی اور دانے کے انداز کے بیل بوٹے بنائے گئے ہیں ۔ سٹوپے کی چھتری اور گنبد ٹوٹ چکے ہیں ، لیکن ان کے بعض اجزا صحن کو کھودنے سے دستیاب ہوگئے ہیں ۔ ان اجزا کے ساتھ ساتھ پتھر کے دو ستونوں کے اوپر کے حصے بھی ملے ہیں ، جن پر شیروں کی تصویریں بنی ہوئی ہیں ۔ یقیناً یہ

تصویریں ان ستونوں سے نقل کی گئی ہیں جو مہاراج اشوک نے زیادہ مشہور بدھ سٹوپوں کے ستونوں پر کندہ کرائی تھیں ۔

سٹوپے کے دائرے کا ایک کٹھرا بھی ملبے میں سے برآمد ہؤا ہے ، یہ بھی پتھر کا ہے ۔ عمارت کی نچلی سطح سے تقریباً چار فٹ گہرائی میں ایک طاق بنا ہؤا ہے ، جس کے اندر سے دو نادر ڈبیاں دستیاب ہوئی ہیں ، جن میں سے ایک اودے رنگ کے پتھر کی ہے اور ایک سونے کی ہے ۔ پہلی میں ایسز اول کے زمانہ کے آٹھ کانسی کے سکے اور دوسری میں ایک جلی ہوئی ہڈی ، سونے کے ورق کے ریزے اور عقیق اور یشب کے چند دانے رکھے تھے ۔ جلی ہوئی ہڈی غالباً مہاویرا مہاتما کی ہے ، اس لیے کہ یہ سٹوپا جینیوں کا ہے ۔

سٹوپے کی سیڑھیوں کے قریب جنوبی جانب ایک چبوترہ بنا ہے جہاں غالباً چراغ جلتے تھے یا یہ کسی اور مصرف میں آتا تھا ۔

مکان سے ملحقہ چھوٹے چھوٹے کمروں کے آثار بھی ملے ہیں اور ان کی کھدائی سے ایک عدد شطرنج اور مختلف موتی دستیاب ہوئے ہیں(۱) ۔

مندر عقاب

اس بڑی عمارت اور سٹوپا سے ذرا آگے بڑے بازار کی سمت مزید بڑھنے سے دکانوں کا جو سلسلہ ملتا ہے ، وہ پہلی دکانوں کی نسبت زیادہ نفیس اور زیادہ اہم معلوم ہوتی ہیں اور ان کے پہلو میں جو مندر بنا ہے ، وہ غالباً اس دور کا سب سے بڑا مندر تھا ۔ بڑے بازار میں اس کی جو سیڑھیاں اترتی ہیں وہ پتھر کی ہیں اور ان کو دیکھ کر گمان گزرتا ہے کہ اس زمانہ میں مندر کی عمارت بڑی شان و شکوہ اور جلال کی آئینہ دار تھی ۔ سیڑھیوں سے متصل سٹوپا کی سامنے کی دیوار چوڑے چوڑے پتھروں سے بنی ہے ، جن پر غالباً ستون کھڑے کیے گئے تھے ۔ ان ستونوں کے جو حصے باقی ہیں وہ کارنتھی انداز کے ہیں ۔ دو ستونوں کے عمود گول ہیں اور باقی کے چار کونہ ہیں ۔ ستونوں

۱۔ اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ۷۳ ۔

کے مابین کی دیوار اور فاصلہ پر مختلف انداز کے بڑے خوبصورت طاق بنائے گئے ھیں خاص طور پر زینے سے ملے ہوئے طاق تو بہت ھی خوبصورت ھیں اور ان کا انداز وھی ھے ، جو عام یونانی عمارتوں کی پیشانیوں پر بنے ہوئے طاقوں کا ھے - درمیانی طاقوں کی محرابیں اور بیل بوٹے ، بنگالی چھتوں سے ملتے جلتے ھیں اور کونوں کے طاقوں کے بیل بوٹے متھرا کے ستونوں کی زیبائش سے مشابہ ھیں - درمیانی اور باھر کے طاقوں کے سروں پر عقاب نما جانور کے مجسمے نصب ھیں - ایک مجسمہ تو کسی دو سر والے عقاب کا ھے اور ٹیکسلا کی اس عمارت میں دو سروں والے اس عقاب کی موجودگی دلچسپی کی حامل ھے ، جو پہلے پہل حتی اور بابلی مجسموں میں متشکل ہوا اور بعد میں سکھیتی قوم نے اسے اپنی قومی خصوصیات میں شامل کر لیا - ایسا لگتا ھے کہ دو سروں والا یہ مجسمہ کسی سکھیتی فن کار نے ھی ٹیکسلا میں پہلے پہل متعارف کرایا تھا - سکھیتیوں ھی سے یہ دو سروں والا عقاب ، روس اور جرمنی پہنچا اور قومی نشان کی حیثیت حاصل کر لی - جب سکھیتی اسے اپنے ساتھ ٹیکسلا لائے تو یہ ان کے واسطے سے وجیانگر اور سیلون بھی جا پہنچا اور وھاں کے قبیلہ کانڈی کے سرداروں نے اسے اپنے جھنڈوں میں جگہ دے دی -

سٹوپا کی پیشانی ساری کی ساری کنجور پتھر کی ھے ، جس پر پہلی بار جو پلستر ہوا ، وہ بہت ھی عمدہ اور نفیس تھا - جیسے جیسے وقت گزرتا گیا ، پیشانی کے پہلے پلستر پر اور پلستر چڑھتے رھے(۱) -

سر جان مارشل نے جب اسے کھودا تو پلستر کی بعض تہوں پر سرخ ، ارغوانی اور زرد رنگ چڑھا تھا - ایسا معلوم ہوتا ھے کہ سٹوپے کے گنبد اور دائرہ پر بھی پلستر کی تہ جما کر نقش و نگار بنائے گئے تھے -

گنبد کے اوپر اصلاً تین چھتریاں بنی تھیں اور سٹوپا کے چاروں اطراف کی دیوار کا کٹھرا ، عام بدھ مندروں کے کٹھروں سے

۱- اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ۳۷ -

ملتا جلتا تھا - اس کٹھرے کے چند ٹکڑے ملبہ سے برآمد ہو گئے ہیں -

آرامی کتبہ اور خروشتی رسم‌الخط کا ثبوت

سٹوپے کے پہلو میں پجاری کی رھائش گاہ ھے اور اس رھائش گاہ کی ایک دیوار میں سے سنگِ مرمر کی تختی پر کندہ ایک آرامی کتبہ بھی دستیاب ھؤا ھے - سنگِ مرمر کی تختی وضع قطع کے اعتبار سے کسی ھشت پہلو ستون میں سے کٹی ھوئی معلوم ھوتی ھے - کتبہ کی عبارت تشنہ ھے اور اس کے معنیٰ کچھ زیادہ یقینی نہیں ھیں تاھم علمائے تاریخ نے اسے اشوک کی ولی عہدی کے زمانہ سے منسوب کیا ھے(۱) -

سر جان مارشل کے نزدیک یہ بات واضح ھے کہ کتبہ کسی بڑے حاکم کے اجلال و احترام میں نصب کیا گیا تھا جس کا نام اومیدتے تھا اور ان دنوں اشوکا اپنے باپ بدسرا کی طرف سے ٹیکسلا میں نائب‌السلطنت تھا -

سرجان مارشل فرماتے ھیں کہ اس کتبہ کی دریافت خروشتی رسم‌الخط کے اصل و مبدا کے باب میں خاصی دلچسپی کا موجب بنی ھے کیونکہ اس سے اس نظریہ کی شہادت میسر آتی ھے کہ خروشتی رسم‌الخط ، **آرامی** زبان سے ٹیکسلا میں تخلیق کیا گیا تھا اور ٹیکسلا ان دنوں خروشتی رسم‌الخط کے علاقہ کا سب سے بڑا شہر تھا -

سر جان مارشل کا یہ بھی خیال ھے کہ یہ اچامنی تھے ، جنھوں نے ۵۰۰ سال قبلِ مسیح میں آرامی رسم‌الخط ٹیکسلا میں متعارف کرایا تھا -

اگر ٹیکسلا میں آرامی رسم‌الخط ۵۰۰ سال قبلِ مسیح میں پہنچا اور اس سے پیدا ھونے والا خروشتی رسم‌الخط سو سال بعد مسیح میں ٹیکسلا کا سرکاری ذریعۂ اظہار خیال تھا ، تو اس کے معنیٰ یہ ھوں گے کہ چھ سو سال کے عرصہ میں جو نیا رسم‌الخط پیدا ھؤا اور جس کا نام خروشتی تھا ، کسی مقامی زبان سے مل کر اس شکل میں آیا تھا -

---

۱- اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ۴۷ -

یہ زبان کوئی مقامی پراکرت تھی یا برھمی تھی یا اس کا اصل الاصول موھن جو ڈیرو کی مہروں کا رسم الخط تھا ۔

ھم یہ بحث ایک مستقل عنوان ''شمال مغربی ھند کی زبان'' کے تحت آگے چل کر کریں گے ۔ یہاں صرف سر جان مارشل کا تتبع کر رہے ھیں ۔

عجیب بات ھے ، سر جان مارشل کی رو سے دو سروں والے عقاب کا یہ مندر جس مکان سے متعلق ھے ، اس کے کمرے بھی پہلے معبد کے کمروں کی طرح تیس سے زائد ھیں ۔ فرق صرف اتنا ھے کہ پہلے معبد کے صحن چار تھے اور اس کے پانچ عدد ھیں ۔ تین صحن تو اندر کی سمت ھیں اور ایک بڑا صحن مشرقی جانب ھے ۔ جس میں شاید آبادی کے وقت باغ لگا تھا ۔ پانچواں صحن مغربی سمت ھے ، بیرونی دروازہ سے تھوڑے فاصلہ پر بالکل دکانوں کے عقب میں سات کمروں کے آثار ھیں ، یہ کمرے شاید ملازمین کے استعمال میں آتے تھے (۱) ۔

سرجان مارشل کی رائے یقیناً ھم سے زیادہ صائب ھے لیکن کیا اس امر کا امکان نہیں ھے کہ یہ عمارت مندر سے ملحق خانقاہ کی ھو ، کسی رئیس کی ملکیت نہ ھو ؟

بڑے صحن سے متصل ایک مستطیل قسم کی عمارت بھی برآمد کی جا رھی ھے ، اس کی ابھی تک پوری کھدائی نہیں ھوئی ، اس لیے اس کے بارے میں کوئی رائے قائم نہیں کی جا سکتی ۔

تیسرے محلہ میں کوئی مندر بڑے بازار میں نہیں کھلتا ۔ پہلا حصہ دکانوں ھی پر مشتمل ھے ، البتہ نمبر ایک مکان کے صحن میں شمال مغربی جانب یک گول سٹوپا بنا ھے ۔ یہ کسی ایک شخص نے اپنے ذاتی استعمال کے لیے بنوایا تھا ۔ اس میں دو خصوصیات ھیں ۔ ایک یہ کہ اس کی بنیاد مکان کی بنیادوں سے بہت گہری ھے اور اس کی عمارت مکان کی عمارت سے قدیم تر ھے اور دوسری یہ کہ جب سٹوپا زلزلہ کے ساتھ پہلی بار گرا تو اس کی پیشانی پر ایکنتھسس کے پتے بڑی ھنرمندی سے کام لے کر بنائے گئے تھے ۔ اس احاطہ میں

۱- اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ۷۶ ۔

الف نمبر صحن کے ماسوا صحن ''ب'' اور ''ث'' بھی تھے، جن کے چاروں طرف کمروں کی قطاریں استادہ تھیں، ایک چوتھا صحن بھی تھا جس میں جنوبی سمت تین کمرے اور مغربی جانب صرف ایک کمرہ بنا تھا جس کے فرش کے نیچے سے کئی چھوٹی چھوٹی نادر چیزیں برآمد ہوئی ہیں۔ ان نوادر میں ایک تو یونانی دیوتا ڈایونیس کا چہرہ ہے جو چاندی کی ایک تختی پر ابھرا ہؤا ہے۔ یونانی دیوتا ڈایونیس کے تقریباً دو فٹ اوپر کی تہ سے ایک ننھے دیوتا ہارپوکریٹز کا مجسمہ بھی دستیاب ہؤا ہے۔ یہ مجسمہ کانسی کا ہے اور غالباً سکندریہ سے برآمد کیا گیا تھا، جو اس ننھے دیوتا کے پجاریوں کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ ان دو مجسموں کے علاوہ سونے چاندی کا ایک قابلِ قدر دفینہ بھی ملا ہے، جس میں سونے کے کئی کنگن، کانوں کی بالیاں، آویزے، بندے، انگوٹھیاں، موتی، جواہر، سونے کا کنٹھا اور چاندی کا چمچہ دفن تھا، اس چمچہ کی شکل ایک طرف سے چوہے کی دم ایسی ہے اور دوسری طرف بکری کے کھر سے مشابہ ہے۔

غالب خیال یہ ہے کہ یہ دفینہ ٹیکسلا کے دوسرے دفینوں کی طرح اس وقت دفن کیا گیا تھا جب ۶۰ء میں کشان حملہ کا خطرہ عام ہؤا تھا۔

محلہ ''د'' سے ایک چھوٹا سا دفینہ اور دستیاب ہؤا ہے یہ کشان عہد کا ہے اور اس میں سب سے نمایاں یونانی حسن کی دیوی افرو ڈائٹے کا سونے کا پر دار مجسمہ ہے جس کے خد و خال سونے کی تختی پر ابھارے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک تمغہ بھی ملا ہے جس پر عشق کے دیوتا کا مجسمہ پھول پتیوں کے اندر جلوہ فرما (۱) ہے۔ کچھ عقیق اور سنگِ یشب کے محدب نگینے اور اکیس چاندی کے سکے بھی ان مجسموں کے ساتھ دفن تھے جو ٹیکسلا کے چار فرمانرواؤں سیپ دانہ، ستدسترا، ساسان اور کاڈفیسز اول کے ہیں۔ پہلے دو بادشاہوں کے سکے صرف پہلی بار برآمد ہوئے ہیں اور ان کے ذریعہ جن بادشاہوں کا تعارف ہؤا ہے وہ تاریخ کے لیے قطعاً اجنبی ہیں۔

۱- اے گائڈ ٹو ٹیکسلا، ص ۷۶۔

بڑے بازار کے ساتھ ساتھ ذرا اور آگے بڑھنے پر جنوب مشرقی کونہ میں ایک اور سٹوپا بنا ہے جس کے آثار پر سات سات سیڑھیوں کے ایک دہرے زینہ کے ذریعہ چڑھا جا سکتا ہے ۔ زینہ کی پیشانی پر کنجور پتھر کی چورس سلیں چنی گئی ہیں ۔ سٹوپا کی کرسی جن مضبوط دیواروں پر قائم ہے ان کے درمیانی فاصلہ میں ملبہ بھرا ہؤا تھا جسے کھودنے پر ایک چوکور ڈبہ دستیاب ہؤا ، خیال تھا کہ اس میں کچھ تبرکات ہوں گے مگر یہ خیال غلط نکلا ، ڈبہ کھولنے پر معلوم ہؤا کہ تبرکات کوئی پہلے ہی سے چرا چکا ہے ۔

سب سے بڑا بدھ مندر

اس سٹوپا سے بڑے بازار کی مشرقی جانب دوسری عمارت بدھوں کے سب سے بڑے مندر ''گریہا سٹوپا'' یا (Apsidal Temple) (محرابی) کی ہے ۔ یہ مندر ایک مستطیل صحن میں بنا ہے ، اس کی پیشانی مغربی سمت ہے اور دروازہ کے دونوں اطراف دو اونچے چبوترے تعمیر کیے گئے ہیں جن کے ساتھ ساتھ پجاریوں کی رہائش گاہیں ہیں ۔

اس مندر کی تعمیر سب سے بڑے زلزلہ کے بعد ہوئی اور اس کی دیواریں ساکا پارتھی عہد کی پہلی عمارتوں کی بنیادوں پر سے اٹھائی گئیں ۔ ٹوٹی ہوئی دیواروں کو پہلے ہموار کیا گیا اور انھیں ملبہ سے بھر کر حسب منشا ایک چبوترہ تیار ہؤا جس کے دونوں جانب سیڑھیاں بنیں ۔ جونہی بڑے بازار سے ان سیڑھیوں پر کوئی چڑھے تو دائیں بائیں جو چبوترے نظر آئیں گے وہاں کبھی دو سٹوپے بنے تھے جو امتداد زمانہ کے سبب نذر حوادث ہو گئے ، ان کے بعض ٹکڑے صحن کے ملبہ میں سے ملے ہیں جو ٹوٹے پھوٹے مجسموں ، سنگی تصویروں اور آرائشی سامان پر مشتمل ہیں ۔

سرجان مارشل کا خیال ہے کہ ان مجسموں اور سنگی تصویروں میں سے کچھ قطعاً ہیلینی آرٹ کے نوادر ہیں ۔ غالباً ان کا خالق کوئی مغربی فنکار تھا ۔ البتہ غالب تعداد ان مجسموں اور سنگی تصویروں کی ہے جو یوں تو مقامی صناعوں نے تخلیق کیے تھے لیکن سراسر ہیلینی آرٹ کی نقل کی تھی (۱) ۔

---

۱ ۔ اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ۷۷

ان سنگی تصویروں اور مجسموں کے بارے میں سرجان مارشل کا خیال ہے کہ یہ پہلی صدی عیسوی کے نصف اول کی پیداوار ہیں اور ساکا پارتھی عہد کے آرٹ کی تاریخ میں خصوصی علامات و نشانات کا نام پا سکتے ہیں۔

مندر کا صحن مشرق سے مغرب کی سمت ۲۳۸ فٹ اور شمال سے جنوب کی طرف ۱۳۵ فٹ لمبا ہے ، اس کے بالکل وسط میں محرابی مندر تعمیر کیا گیا ہے جس طرح بڑے بازار کی نسبت سیڑھیوں اور بیرونی چبوتروں کی کرسی کی سطح بلند ہے اسی طرح مندر کی عمارت سیڑھیوں اور بیرونی چبوتروں سے اونچی رکھی گئی ہے۔ اصل مندر کی عمارت ایک چوکور ہال اور ایک گول دائرہ پر مشتمل ہے۔ مندر کی شکل و صورت بالکل ضلع گیاہ ، صوبہ بہار کے غار سداما کے مندر جیسی ہے۔ گول دائرہ کا قطر ۲۹ فٹ ہے۔ یہ شائد کوئی سٹوپا تھا ، مگر اس کی اوپر کی چھتری کا کوئی نشان دریافت نہیں ہؤا۔ اس کی بنیادیں غیر معمولی طور پر کوئی بائیس فٹ نیچے تک کھودی گئی ہیں ، غالباً اس لیے کہ معمار چاہتے تھے ، پہل بنیادوں کے نیچے پہنچ جائیں اور خالص مٹی پر سے اپنی عمارت کی بنیادیں اٹھائیں تاکہ نئی دیواریں بھاری بھرکم سٹوپا کا بوجھ اٹھا سکیں لیکن سرجان مارشل کا بیان ہے کہ پرانے فرش سے متصل دیواروں میں ایک سیدھا افقی خلا بھی موجود پایا گیا ہے۔ یہ خلا غالباً لکڑی کے شہتیر سے پر کیا گیا تھا ، لیکن اب لکڑی کے اس شہتیر کا کوئی اتہ پتہ نہیں ہے۔ سرجان مارشل نے یہ خلا پتھروں سے بھروا دیا ہے۔ مندر کے اس وقت کے آثار بڑے بازار کی سطح سے پانچ فٹ چھ انچ اور مندر کی اپنی سطح سے کوئی ایک انچ اونچے ہیں اور سرجان نے جو کچھ رائے قائم کی ہے ، وہ ان ہی آثار کو دیکھ کر کی ہے۔ سرجان کہتے ہیں کہ اس وقت یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ مندر کی اصل عمارت میں روشنی اور ہوا کس طرح پہنچتی تھی ، کھڑکیاں یا روشن دان کہاں تھے ، شاید دروازے یا ان کے اوپر کی کھڑکیاں اس کام آتی ہوں۔

مندر کے عقبی کمرے میں سے ایک بڑا قابلِ قدر ذخیرہ بھی برآمد ہؤا ہے ، جس میں سونے کے بندے ، آویزے ، کنگن ، کنٹھے اور ہار کے علاوہ ہیکل بھی ہے ، نیز چاندی کے کئی برتن بھی ہیں۔ چاندی کے

برتنوں میں کئی جگ، پیالے، جام، پیالیاں، طشتریاں اور رکابیاں ہیں۔

سرجان مارشل کا خیال ہے کہ یہ دفینہ اس وقت دفن کیا گیا تھا جب کشان حملہ کا خطرہ پیدا ہؤا تھا اور یہ برتن اور زیورات سارے کے سارے پجاریوں اور معتقدوں نے مندر پر بھینٹ چڑھائے تھے۔ ان میں سے کئی پر نذر لانے والوں کے نام کندہ ہیں، ایک نام چکھسا کے والی جیھونیکا کا ہے اورجو تاریخ لکھی ہے اسے سرجان مارشل نے ۳۶ء بعد ازمسیح کے متوازی ٹھیرایا ہے (۱)۔ اس کے ماسوا ایک اور دفینہ محرابی مندر اور شمالی دروازہ کے مابین کی ایک عمارت تلے سے دستیاب ہؤا ہے۔ سرجان مارشل نے اپنی کتاب، اے گائڈ ٹو ٹیکسلا میں اس سے برآمد ہونے والے سونے کے زیورات کو غیر معمولی قدر و قیمت کا ٹھیرایا ہے۔ خصوصیت سے اس کے ایک ہار کی تصویر بھی چھاپی ہے، اس ہار میں ۲۷ بندے یا آویزے جڑے ہیں۔ دو بہت ہی قیمتی آویزوں کی ایک جوڑی بھی اس دفینہ میں شامل ہے۔

بعض دوسرے مکانوں سے قدیم دور کی بہت سی چھوٹی چھوٹی مصنوعات بھی ملی ہیں، مثلاً لاتعداد پختہ مٹی کے برتن، چراغ، پیالے، لوبان دانیاں، مٹیاں، گھڑے، صراحیاں، چھوٹی بڑی مورتیاں، کھلونے، پتھر کے پیالے، جام، طشتریاں اور رکابیاں، لوہے کے برتن بھی ملے ہیں۔ برتنوں کے علاوہ پھاوڑے، تپائیاں، کرسیاں، گھوڑوں کی لگامیں، کنجیاں، درانتیاں، تلواریں، خنجر، ڈھالوں کے بٹن اور تیروں کی انیاں، زرہ بکتریں، ھلوں کے پھل اور دوسرے زرعی اوزار بھی ہیں۔ ان کے علاوہ کانسی اور تانبے کی بہت سی ڈبیاں، صندوقچیاں، عطر دانیاں، چراغ، پیالے، دواتیں، نقش گھنڈی دار سوئیاں، گھنٹیاں، چھلے، انگوٹھیاں، دیوتاؤں اور دیویوں کے مجسمے اور مورتیاں بھی برآمد ہوئی ہیں۔ ان مکانوں سے بھی سونے چاندی کے برتن اور زیورات کافی تعداد میں دستیاب ہوئے ہیں، جس سے گمان ہوتا ہے کہ سونا اور چاندی عوامی استعمال میں آ چکے تھے۔ سکے تو ہزاروں ہیں، مہریں اور ٹھپے بھی بہت ہیں۔

۱- اے گائڈ ٹو ٹیکسلا، ص ۷۹۔

سرجان مارشل کا بیان ہے کہ قیمتی زیورات ، جواہرات اور اسی قسم کی دوسری مصنوعات میں یونانی اور مغربی ایشیائی آرٹ کا زیادہ اثر ہے - کم قیمت کی اشیا مثلاً لوہے اور پتھر کی مصنوعات ، خصوصیت سے مٹی کے برتنوں میں مقامی فن غالب ہے - سرجان مارشل کے نزدیک جس ملک میں غیر ملکی حکومت ہو اور وہ حکومت یونانی ذہن اور تہذیب و تمدن سے متاثر ہو تو وہاں کا فن لازماً ہیلینی خصوصیات کا حامل ہوگا (۱) -

اوپر سر کپ کی جن عمارتوں کا حال بیان ہؤا وہ دوسری تہ یا پارتھی کشان عہد سے متعلق ہیں - سرجان مارشل نے کچھ قدیم عمارات کی کھدائی بھی کی ہے - ان کا اپنا بیان ہے کہ انھوں نے یہ کھدائی بازار کے مغرب کی جانب بلاک اے ، بی ، سی میں کی ہے ، جو شمالی بڑے دروازہ سے متصل ہے - اس کھدائی سے مقصود یہ تھا کہ ساکا عہد یونانی دور اور اس سے پہلے کی عمارات کا حال معلوم ہو -

پہلے دور کی عمارات کے آثار

ساکا عمارات تیسری اور چوتھی تہوں میں ، یونانی پانچویں اور چھٹی تہوں میں اور یونانیوں سے پہلے کی عمارات صرف ایک یعنی ساتویں تہ میں ملی ہیں اور یہ عمارات محض ان گھڑ پتھروں پر مشتمل چند نامکمل دیواروں کی شکل میں ہیں - کہیں کہیں بجری کا فرش بھی بچھا ہؤا ہے -

سر جان مارشل نے محل کے مشرق میں ایک اور جگہ جب گہری کھدائی کی تو وہاں سے یونانیوں سے پہلے دور کی کوئی عمارت برآمد نہیں ہوئی - وہاں سے یونانی عہد اور ساکا دور کے آثار کی بھی صرف ایک ایک تہ برآمد ہوئی ہے اور یہ دونوں تہیں ، دوسری تہ سے نچلی ہیں اور تیسری اور چوتھی تہ پر مشتمل ہیں - ان سے نیچے اصل زمین ہے اور کچھ بھی نہیں ہے - شروع ساکا دور اور یونانی عہد کی بنیادیں دیکھ کر زائرین کچھ خوش نہیں ہوں گے کیونکہ ان میں کوئی بھی تعمیری دلچسپی موجود نہیں ہے - البتہ انہیں دیکھ کر یہ احساس لازماً

۱- اے گائڈ ٹو ٹیکسلا

پیدا ہوتا ہے کہ اوپر کی تہ کی عمارات کی بیرونی دیواریں ان ہی پہلی دیواروں پر اٹھائی گئی ہیں ، کہیں کہیں جزوی تبدیلیوں سے بھی کام لیا گیا ہے ۔

سر جان مارشل کا خیال ہے کہ یونانیوں نے جب بھڑ شہر کو چھوڑ کر سرکپ آباد کیا تو ان کے مکانات کے نقشے زیادہ مرتب اور زیادہ اچھے تھے ۔ لیکن انھوں نے بھڑ شہر کے مکانوں کے اس خصوص کو ترک نہیں کیا کہ وسط میں صحن ہو اور اس کے ارد گرد کمرے بنائے جائیں کیونکہ ان دنوں پورے مشرق میں یہی رواج تھا ۔ جہاں تک مرتّب اور پہلے سے تیار شدہ نقشوں کے مطابق عمارات کی تعمیر کا تعلق ہے ساکوں نے بھی یہ بات ملحوظ رکھی اور یونانیوں کا تتبع کیا ، لیکن بعد میں تیسری اور دوسری تہ میں پہلے سی ترتیب ملحوظ نہیں رہی اور مکانات کچھ بے ڈھنگے ہوگئے ۔ یقیناً پارتھی عمارات مرتب شکل اختیار کر گئیں (۱) ۔

اس کھدائی میں سے سر جان مارشل کو کچھ نوادرات بھی ہاتھ آئے ہیں ۔ جن میں کانسی کا ایک برتن جو پوجا کے وقت استعمال کیا جاتا تھا ، کانسی کا ایک چراغ دان جس کی ٹانگیں پردار پرندوں کی شکل کی ہیں ۔ ایک چوبی پلنگ کے پائے جن پر تانبے کا پترا چڑھا ہؤا ہے ۔ کچھ جام ، پیالے ، شیشے ، ہیلن طرز کا ایک دستہ دار جگ اور ساتھ سے زیادہ عام گھریلو استعمال کے برتن ہیں(۲) ۔

سر جان مارشل نے ہتھیال پہاڑی سے ملحق ایک اور شاہی محل کے آثار کا ذکر بھی کیا ہے ۔ اس محل کی کھدائی چونکہ مکمل نہیں ہوئی اس لیے اس کے بارے میں مفصل گفتگو ممکن نہیں ہے ، تاہم اتنا خیال رہے کہ یہ محل طرزِ تعمیر کے لحاظ سے پہلی عمارات سے کسی طرح بھی مختلف نہیں ہے کیونکہ یہ محل بھی اسی بادشاہ نے تعمیر کیا تھا ، جو قبل الذکر شاہی محل کا بانی تھا اور یہ غالباً ایسز اول تھا ۔

۱- اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ۸۱-۸۲

۲- اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ۸۳

فصل سوم

مندر جنڈیال اور اس سے ملحقہ آثار

یونانیوں کا یہ مشہور مندر جو جنڈیال مندر کے نام سے موسوم ہے ، ایک اونچے ٹیلہ پر واقع ہے اور سر کپ کے شمالی دروازہ سے سات سوگز اور کچا کوٹ سے دو سو پچاس گز دور ہے ۔ اس سے تھوڑے فاصلہ پر مغرب کی سمت ایک اور ٹیلہ ہے ۔ یہ بھی جنڈیال ھی کے نام سے موسوم ہے ۔ سر جان مارشل کا بیان ہے کہ کبھی ان دو ٹیلوں کے مابین وہ قدیم شاھراہ رواں تھی جو دریائے سندھ اور گندھارا ریاست کو جاتی تھی ۔ مندر جنڈیال جس ٹیلے پر بنا ہے ، وہ اردگرد کی زمین سے کوئی پچیس فٹ اونچا ہے ۔ اگر اس نکاس کو شامل کر لیا جائے جو مندر کی ڈیوڑھی کے سامنے ہے تو مندر کا طول پچھلی دیوار تک ۱۵۸ فٹ ہے لیکن اگر ستونوں کے سلسلہ کو نکال دیا جائے تو طول صرف سو فٹ رہ جاتا ہے ۔

تاحال جتنے مندر ھندوستان اور پاکستان میں دریافت ہوئے ھیں ۔ مندر جنڈیال اپنی طرزِ تعمیر کے لحاظ سے ان سب سے مختلف ہے ۔ البتہ یونان کے پرانے مندروں اور اس میں زبردست تشابہ موجود ہے ۔

سر جان مارشل نے مثال کے طور پر مندر پارتھیاں واقع شہر ایتھنز اور مندر آرٹیمسس واقع ایفسس کے نام لکھے ھیں اور دعویٰ کیا ہے کہ یہ مندر بھی اپنے طرزِ تعمیر کے لحاظ سے ان سے مشابہ ہے ۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس مندر کے تین طرف ستونوں کی بجائے ایک پختہ دیوار بنی ہے ، جس میں کئی کھڑکیاں ھیں ۔

مندر کے جنوبی سمت کے دروازہ کے سامنے یونانی مندروں کے ستونوں سے ملتے جلتے دو ستون اب تک موجود ھیں جن میں سے ایک

کا کھنڈر تقریباً ساڑھے تین چار فٹ اور دوسرے کا دو فٹ کے لگ بھگ ہوگا۔

ان ستونوں کے دونوں اطراف میں عمدہ گھڑے ہوئے، پتھروں کی دو دھری چوکیاں بنی ہیں۔ بائیں چوکی کے آثار زیادہ اچھی حالت میں ہیں۔ چوکی کی نچلی سطح تقریباً دو فٹ اونچی اور اوپر کی ایک فٹ ہوگی۔ یہ مربع نوع کے نیم ستونوں کی چوکیاں ہیں، ان پر اور دوسرے ستونوں پر بڑے دروازہ کی چھت کھڑی تھی جس کے ذریعہ پجاری مندر کی بڑی عمارت میں داخل ہوتے(۱)۔ سر جان مارشل کا بیان ہے کہ بالکل یہی شکل یونان کے قدیم مندروں کی ہے جہاں بڑے ہال کمرے کے بعد ایک عقبی کمرا اور اس سے ملحقہ عقبی ڈیوڑھی بنی ہوتی ہے۔ اس مندر اور یونانی مندروں کی عمارتوں کی جزوی تفصیل میں اگر کوئی فرق ہے تو وہ صرف یہ کہ اس مندر کے بڑے ہال اور اس ڈیوڑھی کے مابین کوئی کمرا موجود نہیں ہے۔ اس کی بجائے ایک بڑی ٹھوس دیوار چنی ہوئی ہے، جس کی بنیادیں مندر کے فرش سے بیس فٹ سے بھی گہری ہیں۔

سر جان مارشل کا خیال ہے کہ یہ ٹھوس دیوار جس کی بنیاد اس قدر گہری ہے، اس امر کی داعی ہے کہ اصل میں اس ٹھوس دیوار پر کوئی مینار یا اسی قسم کی کوئی بوجھل اور وزنی عمارت کھڑی تھی۔ اگر مینار تھا تو وہ کم سے کم چالیس فٹ اونچا تھا اور اس پر چڑھنے کے لیے عقبی ڈیوڑھی سے متصل ایک زینہ بنا تھا جس کے دو چبوترے اس وقت بھی موجود ہیں۔

سر کپ کی عام عمارتوں کی چنائی کی طرح مندر جنڈیال کی دیواریں بھی ان گھڑ پتھر اور کنجور کی کتلوں کے سہاروں سے بنائی گئی ہیں۔ سر کپ کی عام عمارتوں کی دیواروں کی چنائی اور اس مندر کی چنائی میں قطعاً کوئی فرق نہیں ہے البتہ پورے مندر کی دیواروں پر اندر باہر چونے کا پلستر کیا گیا تھا، جس کے ٹکڑے اب بھی کہیں کہیں موجود ہیں۔

۱- اے گائڈ ٹو ٹیکسلا، ص ۸۶

سر جان مارشل اوپر کے مینار کی چھت کے بارے میں قیاس کرتے ہیں کہ یہ لکڑی سے بنی تھی کیونکہ اگر یہ پتھروں کی سلوں کو جوڑ کر بنائی گئی ہوتی تو ملبہ کو کھودتے وقت ایسے ٹکڑے ضرور دستیاب ہوتے جو اس سے ٹوٹ کر گرے تھے ۔ چونکہ ایسا کوئی ٹکڑا موجود نہیں ہے ، اس لیے لازماً چھت لکڑی کی تھی اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ملبہ میں سے لمبے لمبے لوہے کے کیل ، قبضے اور جلے ہوئے شہتیروں کے ٹکڑے کافی تعداد میں برآمد ہوئے ہیں ۔ ان میں دیواروں کے پلستر کی ٹکڑیاں بھی بہت تھیں ۔ مینار کی طرح مندر کی چھت بھی لکڑی کی تھی اور عام چھتوں کی طرح مسطح تھی ۔

یہ مندر کب تعمیر ہؤا اور اس میں کس مذہب کے لوگ عبادت کرتے تھے یہ سوال خاصا اہم ہے ۔ سر جان مارشل کا خیال ہے کہ چونکہ مندر شہر کے سب سے بڑے دروازے کے بالکل سامنے واقع ہے اور پھر غیر معمولی شان و شکوہ کا مالک ہے ، اس لیے یہ بات بدیہی ہے کہ اس کے خالق و معمار وہی انڈو یونانی تھے جو سر کپ کے بانی تھے ۔ اس گمان کی تائید پتھروں کی زبان بھی کر رہی ہے کیونکہ سر کپ شہر کے سرکاری اور غیر سرکاری مکانات کی دیواریں اور مندر کی دیواریں ایک ہی انداز کے پتھروں اور کنجور کی امدادی کتلوں سے چنی گئی ہیں ۔

اس کے علاوہ اس مندر کو جب سر جان مارشل نے کھودا تو وہاں سے مہاتما بدھ کی کوئی تصویر بالکل برآمد نہیں ہوئی ۔ مہاتما بدھ کے علاوہ ، مہاتما مہاویرا یا کسی دوسرے بدھ اور جین رہنما کی کوئی مورتی بھی ملبہ میں دفن نہیں تھی ۔ یوں بھی اس کا فنِ تعمیر ، ظاہری انداز اور شکل و صورت بدھ عمارتوں یا مذہبی یادگاروں سے قطعاً مختلف ہے ۔ اس لیے یہ مندر بدھ مندر تو قطعاً نہیں ہے ، ان ہی اسباب کی بنا پر نہ اسے برہمن مندر ٹھیرایا جا سکتا ہے اور نہ جین ۔

سر جان مارشل کے نزدیک ان اسباب کے ماسوا اس عمارت کے وسط میں اور معبد کے پیچھے جس مینار کی بنیاد موجود ہے ، وہ اس امر کی

داعی ھے کہ اسے زگورت مندر مانا جائے اور زرتشتوں یا میگئین کا آتش کدہ قرار دیا جائے اور چونکہ ھمیں بخاری یونانیوں کے مذھب سے متعلق حتمی معلومات حاصل نہیں ھیں ، اس لیے ھو سکتا ھے کہ یہ اپنے ملک کے عام مذھب زرتشتیت یا ''میگئیت'' کے تابع ھوں اور انھوں نے بدھ مت کی سرپرستی ، رواداری کے جذبہ کے ماتحت اختیار کر رکھی ھو -

مینار کے متعلق سر جان مارشل کہتے ھیں کہ یا تو اس میں آتشیں قربان گاہ بنی تھی ، یا اس پر بیٹھ کر آتش پرست ، چاند ، سورج اور ستاروں کی پرستش کیا کرتے تھے -

اغلباً مندر جنڈیال وھی مندر ھے ، جس کا حال فیلوسٹریٹوس سوانح نگار اپالونیس نے اپنی تصنیف حیات اپالونیوس میں لکھا ھے - فیلوسٹریٹوس اور اس کا رفیق شہر میں داخل ھونے کے لیے جب بادشاہ کے اجازت نامہ کے لیے منتظر تھے تو اسی مندر میں ٹھیرے تھے - فیلوسٹریٹوس کے الفاظ ھیں کہ انھوں نے جس مندر میں انتظار کیا ، وہ شہر پناہ کے بالکل سامنے واقع تھا اور اس کی عمارت ایک سو فٹ لمبی تھی اور اس کی دیواریں سیپ ایسے پتھروں سے بنی تھیں - اس کے اندر ایک معبد تھا ، جو مندر کی عمارت کی نسبت خاصا چھوٹا تھا ، تاھم خاصا خوبصورت تھا اور اس کی دیواروں پر پیتل کی تختیاں میخوں سے جڑی ھوئی تھیں - ان تختیوں پر سکندر مقدونی اور پورس جہلمی کے اھم واقعات اور کارناموں کی تصویریں کندہ تھیں (۱) -

سر جان مارشل ، فیلوسٹریٹوس کے اس اقتباس کو نقل کرنے کے بعد کہتے ھیں :

''دیوار کے سامنے کے الفاظ'' مندر جنڈیال کے محلِ وقوع کی صحیح صحیح وضاحت کرتے ھیں کیونکہ جو بیرونی مسافر شمال کی سمت سے شہر سرکپ میں داخل ھونے کے لیے آتے انھیں لازماً شہر میں داخل ھونے کے اجازت نامہ کا انتظار کرنے کے لیے شمالی دروازہ کے قریب ھی کہیں رکنا ھوتا - مزید برآں ''مندر'' کے اندرونی معبد پر

۱- اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ۸۹ - اشاعت (۶۲) -

فیلو سٹریٹوس کا یہ اعتراض کہ وہ مندر کی نسبت بہت چھوٹا ہے ، اس مندر جنڈیال پر وارد ہوتا ہے ، کیونکہ مندر جنڈیال کی یہ ایک عجیب خصوصیت ہے کہ اس کا معبد بہت چھوٹا ہے ۔

یوں بھی اگر ستونوں کو نکال دیا جائے تو اس کا طول سو فٹ ہی ہے ، کونیئر اور دوسرے مؤلفین نے جن یونانی لفظوں کا ترجمہ (Porphyry of stone covered with stuco) یا سنگِ سماق کیا ہے اس کا ترجمہ سر جان مارشل کی رو سے ایسا پتھر ہے جس پر چونا کی لیپ کی گئی ہو ، کیونکہ چونا کے لیپ میں سیپ پیس کر ملانے کا رواج مشرق میں بہت قدیم سے چلا آتا ہے (۱) ۔

مندر جنڈیال سے کسی قدر مغرب میں ایک اور بڑی عمارت کے آثار ملے ہیں ، لیکن یہ آثار محض ٹوٹی پھوٹی بنیادوں پر مشتمل ہیں اور صحیح طور پر اس عمارت کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنا ممکن نہیں ہے ۔ اس سے دو فرلانگ کے فاصلہ پر ذرا اور آگے بڑھیے ، تو دو اور ٹیلے نظر آئیں گے ۔ یہ ٹیلے بھی قدیم آثار کے حامل ہیں ، خصوصیت سے دوسرے ٹیلے کو کھودنے کے بعد تو ایک بدھ سٹوپا برآمد ہؤا ہے ، جو ایک خانقاہ کے صحن میں بنا تھا اور غالباً دو ادوار کی ترجمانی کرتا تھا ۔ پہلے پہل یہ سٹوپا ساکا پارتھی عہد میں تعمیر ہؤا اور پھر اس کی دوسری بار تعمیر تیسری اور چوتھی صدی عیسوی میں ہوئی ۔ پہلے دور کا سٹوپا مربع شکل کا ہے اور اس کی موجودہ دیواریں فرش سے تقریباً دو فٹ اونچی ہوں گی ، اس کے جنوبی سمت کی دیوار کو ایک زینہ کے ذریعہ سہارا دیا گیا ہے ۔ ایسا ہی سہارا مشرقی جانب بنا ہے اور بیچ میں تبرکات رکھنے کی ایک غیر معمولی نوعیت کی کوٹھری ہے ۔ عمارت کی کرسی پر چاروں طرف چھ چھ نیم ستون تعمیر ہیں ، جن کے اوپر دندانے دار کارنس کندہ ہے ۔

سر جان مارشل کا بیان ہے کہ جب پہلا سٹوپا گرا ، تو اس کے آثار پر دوسرا سٹوپا تیار ہؤا جو پہلے سٹوپا سے مختلف ہے اور اس کی کرسی ایک تو چونے کے پتھر کی ہے ، دوسرے گول ہے ۔ کئی سال ہوئے ، تبرکات کی کوٹھری ایک دیہاتی نور نامی نے کھود لی تھی

۱۔ اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ۸۹ ۔ اشاعت (٦٢) ۔

اور اس کے تبرکات کو جن کی قدر و قیمت سے وہ آگاہ نہ تھا ، قریب کے ملبہ ھی میں پھینک دیا تھا ۔

سر جان مارشل نے جب اس کی کھدائی کی ، تو انھیں ملبہ کے اندر سے چاندی کی ایک چھوٹی سی صندوقچی ملی ، جس کے اندر سونے کی ایک اور صندوقچی بند تھی اور اس کے بیچ میں(۱) ھڈی کا ٹکڑا رکھا تھا ۔ غالباً یہ ھڈی مہاتما بدھ کی تھی اور تبرک کے طور پر اس سٹوپا میں رکھی گئی تھی ۔

ظاھر بات ھے کہ یہ سٹوپا جس خانقاہ سے متعلق تھا وہ بدھ خانقاہ تھی اور لازماً اس وقت تعمیر ھوئی تھی جب بدھ دھرم نے ٹیکسلا میں غیر معمولی ھردلعزیزی حاصل کر لی تھی ۔

اس سٹوپا کے قریب ، ایک اور سٹوپا بھی سر جان مارشل نے ایک ٹیلا کھود کر نکالا ھے ، جو اس سٹوپا سے طرزِ تعمیر اور دوسری نوعیت سے کم تر درجہ کا ھے ۔

۱۔ اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ۹۰

فصل چہارم

تیسرا قدیم شہر ، سرسکھ

بیان ہؤا ہے کہ جب ٹیکسلا کے کشان حملہ آوروں نے سرکپ شہر کو چھوڑ کر نیا پایۂ تخت بنانے کا منصوبہ بنایا ، تو انھوں نے جو جگہ اس کے لیے انتخاب کی وہ لنڈی نالے کی اگلی سمت واقع تھی اور سرکپ کے شمالی دروازہ سے شمال مشرق کی سمت کوئی ایک میل دور تھی(۱) -

راولپنڈی سے ٹیکسلا کو ملانے والی بڑی سڑک پر پہلے میوزیم ، پھر سرکپ ، پھر جنڈیال آتا ہے - جنڈیال سے آگے کوئی ڈیڑھ میل سیدھی سڑک پر چلنے کے بعد ایک چھوٹی سی ناپختہ راہ چھوٹے چھوٹے درختوں سے گھری ، اس قدیم شہر کو جاتی ہے -

کشان بادشاہوں نے سرکپ کو چھوڑکر نیا پایۂ تخت کیوں آباد کیا ، اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا بیان ہو سکتی ہے کہ کشان فاتح ، مفتوح شہر سے الگ تھلگ رہنا چاہتے تھے اور اپنے فاتح ہونے کی خوشی اور یاد میں ایک نیا شہر آباد کرنا چاہتے تھے - سر جان مارشل نے ایک اور وجہ بھی بیان کی ہے اور وہ یہ کہ کشان حملہ آوروں سے کچھ دن پہلے سرکپ شہر میں ایک خوفناک وبا پھوٹ پڑی تھی اور شہر کی آدھی آبادی اس کی نذر ہوگئی تھی - دو تین سو سال پہلے جو زلزلہ آیا تھا ، اسے بھی ایک وجہ ٹھیرایا جا سکتا ہے - بہر حال یہ کشان بادشاہ ویما کاڈفیسز تھا(۲) ، جس نے نئے پایۂ تخت کا سنگِ بنیاد رکھا اور سرکاری دفاتر اور شاہی محلات نئے پایۂ تخت میں تعمیر کرائے -

---

۱- اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ۹۴

۲- ایضاً ، ص ۹۴

نیا پایۂ تخت بن جانے کے باوجود سرکپ آباد رہا - گو پہلی سی رونق باقی نہ رہی تھی ، پھر بھی لوگ وہاں رہتے تھے -

حالانکہ نیا شہر پہلے دونوں شہروں سے حد درجہ خوبصورت اور مستحکم بنا تھا ، لیکن بدنصیبی یہ ہے کہ امتدادِ زمانہ کے سبب اس پر سب سے زیادہ تباہی آئی اور اس کے آثار اور کھنڈرات حوادثِ زمانہ کے زیادہ شکار ہوئے -

اس وقت جو زائر بھی میوزیم کے ملازمین کی راہ نمائی میں سرسکھ آتا ہے - اسے مشرق ، جنوبی سمت کی ایک بیرونی دیوار دکھائی جاتی ہے اور جب زائر اس دیوار کے اندر بنی ایک غلام گردش سے اندر داخل ہوتا ہے ، تو وہاں مالٹوں کا ایک وسیع و عریض باغ لگا دیکھ کر حد درجہ حیران ہوتا ہے - یہ باغ غالباً پاکستان بننے کے بعد لگا ہے اور کسی ایسے شخص نے لگایا ہے ، جو آثارِ قدیمہ کی قدر و قیمت سے آگاہ نہ تھا اور نہیں جانتا تھا کہ تاریخ کے قدیم آثار کی حفاظت قومی امانتوں کا درجہ رکھتی ہے -

بہر حال سر جان مارشل نے جس زمانہ میں اس کی کھدائی پر توجہ فرمائی ، اس وقت یہ باغ نہیں بنا تھا - البتہ کھیت موجود تھے اور دور دور تک زمین کی سطح ہموار ہو چکی تھی ، بجز ، جنوبی اور مشرقی سمت کے ٹیلے کے جو ماحول کی زمین سے کافی اونچا تھا -

سر جان مارشل نے اس ٹیلے کو دیکھا ، تو انھوں نے آزمائشاً جنوب مشرقی کونے کی کھدائی شروع کی ، تو اندر سے ایک خاصی اونچی اور انتہائی خوبصورت ، دلفریب اور اپنی نوع کی منفرد دیوار برآمد ہونے لگی - سر جان مارشل نے کام جاری رکھا اور اس سمت کی کافی لمبی فصیل ٹیلے کے اندر سے نکال لی -

جو زائر بھی اس فصیل کو دیکھتا ہے ، وہ اس کی خوبصورتی اور انفرادیت سے حد درجہ متاثر ہوتا ہے ، خصوصیت سے اس لیے کہ دیوار میں بڑی ہنرمندی کے ساتھ گولائی پیدا کی گئی ہے اور اس میں جو پتھر استعمال کیے گئے ہیں ، وہ ایک تو پہلے شہروں کی فصیلوں کے پتھروں کی نسبت بڑے ہیں - دوسرے انہیں کنجور کی امدادی کتلوں کے درمیان بڑے سلیقہ سے جڑا گیا ہے - یہ پتھر گو سارے

کے سارے چوکور نہیں ہیں ، کہیں کہیں تین کونوں کے ہیں اور کہیں کہیں پانچ کونوں کے ، لیکن ان کو جن صناعوں نے کنجور کی کتلوں کی مدد سے جوڑا ، وہ پہلے شہروں کے صناعوں کی نسبت بڑے فن کار تھے ۔

یوں سر جان مارشل نے ان پتھروں کو بھی ربل اور ''رف ربل''(۱) کا نام دیا ہے ۔ البتہ ان کی عمدہ فٹنگ یا چنائی کا اعتراف فرمایا ہے ۔

سرجان مارشل کے تخمینہ کے مطابق یہ فصیل ساڑھے اٹھارہ فٹ موٹی ہے اور اس کے نچلے حصہ میں بیرونی طرف جو گولائی ہے ، وہ اصل فصیل کی تعمیر کے بعد بنائی گئی تھی ۔ فصیل کی بیرونی دیوار میں تقریباً ۹۰ ، ۹۰ فٹ کے فاصلہ پر نیم دائرہ کی شکل کے برج بنے ہوئے ہیں ، جو گول ہونے کے سبب بہت بھلے نظر آتے ہیں ۔ ان برجوں اور فصیل کے مابین دیوار کے اندر سے راستے بنے ہیں ، برجوں کی دیواروں اور فصیل کی بیرونی دیوار میں پشتے کی گولائی سے تقریباً پانچ فٹ اونچائی پر جا بجا چھوٹے چھوٹے روزن یا سوراخ ، اس وقت بھی موجود ہیں ، ان روزنوں کی ساخت کچھ اس قسم کی ہے کہ یہ باہر کی سمت زیادہ لمبے ہیں اور اندر کی طرف سے بہت مختصر ہیں اور ان کے اوپر مثلثی شکل کی چھت پڑی ہے ۔

یہ روزن غالباً اس لیے بنائے گئے تھے کہ فصیل اور برجوں کے اندر جو محافظ فوج موجود ہوتی تھی ، وہ باہر کے لوگوں کو دیکھ لیتی ۔

روزنوں سے کسی قدر نیچے ، برجوں کی اندر کی دیواروں میں لمبے لمبے افقی خلا بھی بنے ہیں ، جو اس وقت مٹی سے بھرے ہوئے ہیں ، لیکن جب شہر آباد تھا اور فصیل استعمال میں آتی تو اس وقت ان خلاؤں میں لکڑی کے شہتیر نصب کیے گئے تھے ۔

دیوار کے بالکل آخری نچلے سرے پر ایک فٹ آٹھ انچ اونچے اور سات انچ چوڑے ، کئی سوراخ بھی برآمد ہوئے ہیں ، خیال ہے

۱- ٹیکسلا ، ص ۹۲

کہ یہ سوراخ گندے پانی کے نکاس کی نالیوں کے طور پر کام آتے تھے -

سر جان مارشل نے کہیں کہیں برجوں کے اندر چونے اور بجری اور ریت کی آمیزش کے بعد بنے ہوئے فرش کے ٹکڑے بھی نکالے ھیں ، اس لیے ان کا گمان ھے کہ برجوں میں چونے اور بجری اور ریت کے فرش بنے تھے -

سر جان مارشل کا بیان ھے کہ سرسکھ کا نقشہ مستطیل نوع کا ھے اور اسے دیکھ کر گمان ھوتا ھے کہ کشان صناع ھی وہ لوگ تھے ، جنھوں نے ٹیکسلا میں مستطیل نقشوں کا پہلے پہلے تعارف کرایا تھا کیونکہ یہ لوگ مشرق کے جس علاقہ سے نکل کر شمال مغربی پاکستان میں داخل ھوئے تھے ، وھاں ان دنوں مستطیل نقشے قومی روایت کی حیثیت حاصل کر چکے تھے -

سرسکھ کی صرف ایک سمت کی کھدائی کے سلسلہ میں سر جان مارشل نے ان اسباب پر بھی روشنی ڈالی ھے ، جن کی بنا پر انھوں نے پورے شہر کی کھدائی سے اجتناب ضروری جانا اور اس حصۂ فصیل کی کھدائی پر اکتفا کر لیا -

وہ کہتے ھیں کہ سرسکھ کی اس فصیل کے ماسوا باقی کے ماحول میں کھدائی موزوں نہ تھی - ایک تو اس لیے کہ رقبہ خاصا نشیب میں ھے اور اس پر صدیوں پہلے سے کاشت ھوتی رھی ھے اور خوب آبپاشی ھوتی ھے ، نتیجۃً قدیم آثار زمین کی بہت نچلی تہ میں دب گئے ھیں اور جو ٹیلے عام سطح سے اونچے ھیں ، ان پر آس پاس کے دیہاتیوں اور آباد کاروں نے قبریں اور زیارتیں بنا دی ھیں اور قبریں اور زیارتیں کھودی جائیں ، یہ امکان ھی نہیں ھے اور پھر جو آبادیاں یہاں آباد ھوگئی ھیں انھیں یہاں سے رخصت کرنا آسان نہیں ھے -

فصل پنجم

ٹیکسلا کی بدھ خانقاہیں

ہم کسی پچھلے باب میں ہیون سانگ سے متعلق یہ روایت درج کر چکے ہیں کہ وہ ساتویں صدی عیسوی میں جب مہاراج ہرش کے زمانۂ حکومت میں ٹیکسلا پہنچا تھا تو اس نے وہاں سینکڑوں بدھ سٹوپوں اور خانقاہوں کو آباد دیکھا تھا ۔ حالانکہ سفید ہن ان پر سے دو بار طوفانوں (۱) کے سے انداز میں لہرا چکے تھے اور انہوں نے جو تباہی عام کی تھی وہ بڑی ہولناک تھی ۔

سرجان مارشل نے ٹیکسلا کی کھدائی کے وقت جن بدھ سٹوپوں اور خانقاہوں کے آثار کی نقاب کشائی کی ہے ان کی تعداد گو کئی سو نہیں ہے تاہم ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بدھ خانقاہیں اور معبد اس گروہ کے تھے جسے ٹیکسلا کی آبادی میں ایک تو اکثریت حاصل تھی دوسرے اسے خاصا اقتدار بھی نصیب تھا ۔

پیچھے ’’ سرکپ ‘‘ کا حال بیان کرتے وقت بعض بدھ خانقاہوں اور معبدوں کا بھی ضمناً ذکر ہو چکا ہے ۔ اگر ’’ سرکپ ‘‘ میں بدھ عبادت گاہیں اور خانقاہیں موجود تھیں تو لازماً سرسکھ میں بھی ہوں گی کیونکہ سرسکھ کے معمار بدھ مذہب کے بڑے سرگرم حامی تھے اور یہ لازمی بات ہے کہ ان کے بنائے ہوئے شہر میں سرکپ کی نسبت زیادہ عبادت گاہیں اور خانقاہیں بنیں ، لیکن چونکہ سرسکھ کی کھدائی ممکن نہیں ہوسکی اس لیے اس سلسلہ میں حتماً کچھ کہنا آسان نہیں ہے کہ سرسکھ میں کتنے بدھ معبد بنے تھے ۔

بلاشبہ سرجان مارشل کا یہ خیال بھی بہت وزن رکھتا ہے کہ ان دنوں شہروں کی نسبت زیادہ تر خانقاہیں شہروں سے باہر بنائی جاتی

۱- ونڈر دیٹ واز انڈیا ، ص ٦٥ - ٦٦

تھیں اور یہ رسم مہاتما بدھ کے زمانہ سے چلی آ رہی ہے ۔ مہاتما بدھ کی زندگی میں جو خانقاہیں راج گڑھی ، وسالی ، جتوانہ اور بنارس میں تعمیر ہوئی تھیں ، وہ سب کی سب شہروں سے باہر بنی تھیں ۔

یوں بھی سرجان مارشل کہتے ہیں کہ چونکہ خانقاہوں میں رہنے والے بھکشو گھر گھر بھیک مانگ کر گزر اوقات کرتے تھے اس لیے ان کی قیام گاہیں شہروں کے نواح میں ہونا ضروری تھیں (۱) ، لیکن بعد میں جب حکومتوں اور بادشاہوں کی سرپرستی کے سبب بدھ خانقاہیں بڑی بڑی عمارتوں میں قائم ہوئیں اور بادشاہوں نے ان کے اخراجات کے لیے معقول اوقاف قائم کر دیے ، تو خانقاہیں شہروں کے حدود میں بھی بننے لگیں ، تاہم پھر بھی کچھ نہ کچھ الگ تھلگ جگہیں انتخاب کی جاتیں ۔ مثلاً کنال خانقاہ یہ اشوک کے بیٹے کنال نے تعمیر کی تھی اور بھڑ شہر کے آخری کونے اور سرکپ کی انتہائی جنوبی سمت میں ھتھیال کی نسبتاً کم اونچائی پر بنائی گئی تھی ۔

کنال خانقاہ ہی تنہا ایسی خانقاہ نہ تھی ؛ لاتعداد اور بے حساب خانقاہیں شہر کے اندر اور اس سے متصل علاقوں میں پھیلی تھیں ۔ سرجان بجا کہتے ہیں کہ سرسکھ ، سرکپ اور بھڑ کے مابین اور ان کے ماحول میں جدھر نکل جائیے ، تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر کسی نہ کسی خانقاہ کے آثار موجود ہوں گے ۔ خصوصیت سے ھتھیال پہاڑ کے ایسے ڈھلوان جن کے آس پاس درختوں کے جھنڈ تھے یا ہوا نسبتاً خوشگوار تھی ، بدھ خانقاہوں کے آثار سے اٹے پڑے ہیں ۔

سرجان مارشل کا یہ دعویٰ بھی کچھ غلط معلوم نہیں ہوتا کہ خانقاہوں کی زیادہ تر تعمیر پہلی دوسری اور تیسری صدی میں ہوئی البتہ سٹوپے ، سم راج اشوک کے زمانہ ہی میں کافی بننے لگے تھے ۔ حتیٰ کہ مہاراج اشوک سے پہلے کے دور میں بھی آٹھ بڑے سٹوپوں کی تعمیر ہوچکی تھی ۔ بہرحال مہاراج اشوک نے سٹوپوں کی تعمیر کو زیادہ رواج دیا اور سٹوپوں کو تعمیر کر کے مہاتما بدھ کے تبرکات ان میں رکھنے کی رسم ڈالی ، مہاراج اشوک سے پہلے مہاتما بدھ کے تبرکات صرف ان آٹھ

۱۔ اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ۹۶ ۔

سٹوپوں میں بند تھے ، جنھیں ان کی موت پر ان کے ماننے والوں نے آٹھ بڑے شہروں میں تعمیر کیا تھا ، مہاراج اشوک نے ان میں سے سات کو کھلوایا اور ان کے تبرکات تھوڑے تھوڑے کرکے پوری ریاست کے سٹوپوں میں تقسیم کر دیے -

یوں مہاراج اشوک نے عملاً سٹوپوں کی تعمیر اور ان کے اندر تبرکات رکھنے کی حوصلہ افزائی کی اور پہلی صدی عیسوی تک تو سٹوپے کی تعمیر بدھ روایات میں بڑی اھمیت اختیار کر گئی اور پورے ملک میں جہاں کہیں بدھ رہتے تھے - سٹوپے بڑی کثرت سے تعمیر ہونے لگے - سٹوپے کی تعمیر بدھوں کے نزدیک بہت بڑے ثواب کی چیز بن گئی - جن سٹوپوں کے اندر رکھنے کے لیے ان کے معماروں کو بدھ تبرکات نصیب نہ ہوئے انھوں نے بدھ کے مجسمے بنا کر سٹوپوں میں رکھ لیے اور ان کی پرستش اپنے اوپر لازم جان لی -

لفظ سٹوپا درحقیقت پراکرت زبان کے لفظ تھوپ کا بگڑا ھؤا ھے - پہلے دور میں تھوپ کردوں کو دفن کرنے کی غرض سے بنائے جاتے تھے ، لیکن بعد میں بدھ لوگوں نے انھیں اپنے ساتھ مخصوص کر لیا اور کوئی سنگرام ایسا نہ ھوتا جس کے ساتھ سٹوپا تعمیر نہ کیا جاتا - سرجان مارشل کی رو سے ابھی عیسوی صدی کا آغاز نہیں ھؤا تھا کہ ھر سنگرام کے ساتھ سٹوپے تعمیر کرنے کی رسم بدھ لوگوں کے نزدیک انتہائی ناگزیر رسم بن گئی - اس نے بدھ مذھب کی خصوصی علامت کی شکل اختیار کر لی اور بدھ لوگ بڑے شوق ، ذوق سے سٹوپے تعمیر کرنے لگے - کچھ سٹوپے خانقاھوں کے اندر تعمیر ھوئے اور کچھ انفرادی طور پر بنے -

گو بعض سٹوپے چھوٹے چھوٹے بھی ھوتے ، لیکن ان کی تعمیر کے وقت سانچی کا عظیم سٹوپا ھمیشہ ملحوظ رکھا گیا اور اگر اس میں کوئی تخفیف ھوئی تو اس نے ٹیکسلا کے دھرما راجیکا کی شکل اختیار کر لی - دھرما راجیکا کے بارے میں ھم پوری تفصیل ذرا آگے چل کر پیش کریں گے یہاں صرف اتنا واضح کرنا ضروری سمجھتے ھیں کہ شروع دور کے سٹوپے عموماً دھرما راجیکا کی طرز کے ھوتے تھے - خصوصیت سے سانیکل اور جنال گڑھی کے سٹوپوں کی تعمیر کے وقت تو دھرما راجیکا کی شکل ھی رھنما بنی -

البتہ یونانی دور میں سٹوپوں کی تعمیر پر دوسری صنعت کی طرح خاصا اثر پڑا - گول کرسیوں کی بجائے مستطیل کرسیاں بننے لگیں اور اوپر کی گولائی ایک اونچے ڈرم کے اوپر بنائی جانے لگی - ہیلینی فنِ تعمیر نے پلستر اور بیل بوٹوں پر بھی خاصے اثرات ڈالے -

جوں جوں وقت گزرتا گیا ، کرسی افقی انداز میں دو یا تین حصوں میں تقسیم کر دی گئی اور مہاتما بدھ کا مجسمہ ہر حصہ میں نصب ہونے لگا -

سرجان مارشل کا بیان ھے کہ دھیرا قسم کی خانقاھیں '' سٹوپا دور'' کے بعد کی (۱) پیداوار ھیں - یہ پہلی صدی میں زیادہ بننا شروع ھوئیں - ہندوستان میں جو خانقاھیں شروع شروع میں تعمیر ھوئیں ، ان کے گرد اونچی دیواروں کی فصیل عموماً نہیں بنتی تھی ، کیونکہ وھاں بھکشوؤں اور بھکشنیوں کی زندگیاں کسی خطرہ میں نہ ھوتی تھیں - ٹیکسلا اور اس کے نواح میں جو دھیرا قسم کی خانقاھیں بنیں ، ان کے گرد لازماً اونچی فصیل بھی بنانا پڑی . کیونکہ یہاں کے لوگوں کے مزاج ہندوستان کے وسطی حصوں کے آباد کاروں کی نسبت زیادہ گرم اور جوشیلے تھے اور ان سے یہ ڈر پیدا ھو سکتا تھا کہ وہ اپنے مخالفین کی جانوں پر وقتاً فوقتاً حملہ آور ھو جائیں -

اس وجہ سے ٹیکسلا کی تمام کی تمام خانقاھوں یا '' سنگراموں '' کی تعمیر کے وقت ان کے معماروں نے بنیادی طور پر عمارت کے مکینوں کی حفاظت ملحوظ رکھی اور جو عمارتیں بھی تعمیر کیں وہ بالکل ویسی تھیں جیسی کہ اس دور میں دوسری رھائشی عمارتیں بنائی جاتیں ، یعنی بیچ میں صحن اور اس کے ارد گرد کمرے - بیرونی دروازہ صحن میں کھلتا اور اس بات کی قطعاً گنجائش نہ ھوتی کہ اس دروازہ کے بغیر اس عمارت میں کوئی بیرونی شخص داخل ھو سکتا -

دھرما راجیکا

دھرما راجیکا سٹوپا ٹیکسلا کے تمام سنگراموں میں انتہائی وقیع ہونے کے ساتھ ساتھ سب سے قدیم بھی ھے - یہ ھتھیال پہاڑی کی جنوبی

۱- اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ۱۰۱ -

ڈھلوان اور تمرا نالے کے مابین واقع ہے ۔ اس کا پرانا نام وھی ہے جو ہم نے سرِ عنوان لکھا ہے ، لیکن مقامی لوگ اسے چیر ٹوپ کہتے ھیں کیونکہ سرجان مارشل سے پہلے کے کسی ماھر آثارِ قدیمہ نے اس کی ٹوپی میں تحقیقات کے ضمن میں ایک شگاف یا '' چیر '' ڈال دیا تھا ۔

دھرما راجیکا کے معنیٰ بیان کرتے وقت سرجان مارشل نے صراحت کی ہے کہ چونکہ بدھ عقیدہ کی رو سے مہاتما بدھ ھی اصل دھرم راجہ ھیں ، اس لیے ان کی جلی ھوئی نعش کے تبرکات جس عمارت میں محفوظ ھوں اسے دھرم راجیکا کہا جا سکتا ہے ۔

سرجان مارشل کی یہ قیاس آرائی خاصی صحیح معلوم ھوتی ہے کیونکہ مہاراج اشوک کے زمانہ کے تمام''سنگراموں'' یا سٹوپوں میں مہاتما بدھ کے '' تبرکات '' محفوظ کر دیے گئے تھے اس لیے یہ ان سٹوپوں کے لیے بڑا مناسب عنوان تھا ۔

سرجان مارشل نے یہ گمان بھی ظاھر کیا ہے کہ چونکہ مہاراج اشوک نے اپنے زمانۂ حکومت میں ھر بڑے شہر کو مہاتما بدھ کے '' تبرکات '' سے نوازا تھا اس لیے ٹیکسلا کے حصہ میں بھی یہ تبرکات آئے تھے اور خود مہاراج اشوک نے ان '' تبرکات '' کے رکھنے کے لیے یہ سٹوپا تعمیر کیا تھا (۱) ۔

سرجان مارشل کہتے ھیں کہ خواہ ھمارے پاس اس قیاس آرائی کے ٹھوس شواھد نہ بھی ھوں ، تاھم دھرما راجیکا سٹوپا چونکہ ٹیکسلا کی تمام خانقاھوں سے زیادہ قدیم بھی ہے اور عظیم تر بھی ہے اس لیے یہ حتماً مہاراج اشوک کی تعمیر ہے ۔ کیونکہ ٹیکسلا ایسی اھمیت رکھنے والے شہر کو مہاراج اشوک نظر انداز کر دیتے یہ قطعاً ممکن نہ تھا ۔ خصوصیت سے اس لیے کہ ان کی جوانی کا زمانہ یہیں بسر ھؤا تھا اور وہ برسھا برس تک اس کے وائسرائے رہے (۲) ۔

دھرما راجیکا سٹوپا عام سٹوپوں کی طرح گول ہے اور اس کے چاروں طرف ایک بلند چبوترہ بنا ہے ۔ اس کے مدور کا طول مشرق سے مغرب

۱۔ سمتھ قدیم تاریخ ھند ، ص ۲۱۲ ۔
۲۔ اے گائڈ ٹو ٹیکسلا

کی طرف ۱۵۰ فٹ اور شمال سے جنوب کی سمت ۱۳۶ فٹ چھ انچ ہے ۔ اس وقت اس کے آثار تقریباً پینتالیس فٹ بلند ہیں ۔ سٹوپے کی گول عمارت سولہ دیواروں پر مشتمل ہے جو تین فٹ سے پانچ فٹ تک موٹی ہیں اور باہر سے شروع ہو کر وسط میں ایک دوسرے سے مل گئی ہیں ۔ لیکن چونکہ سٹوپے کے چبوترے تک ختم ہو جاتی ہیں ، بنیادوں تک نہیں پہنچتیں اس لیے گمان ہے کہ پہلی عمارت جب کسی وجہ سے تباہ ہوگئی تو یہ دیواریں بعد میں تعمیر کی گئیں ۔ تاہم یہ " تعمیرِ نو " بھی موریا عہد کی ہے ۔ کشان بادشاہوں کے زمانہ میں غالباً کنشک کے وقت اس کے حاشیہ یا کنگورہ کی پھر سے تعمیر ہوئی اور چاروں طرف کے زینے بھی از سرِ نو بنے ۔ سٹوپے کی پیشانی شروع ہی میں بڑے وزنی پتھروں سے تعمیر کی گئی تھی ۔ جا بجا ستون بھی بنائے گئے تھے اور ان ستونوں کی خوب زیبائش کی گئی تھی ۔

کدارا کشان کے عہد میں جو چوتھی یا پانچویں صدی عیسوی کا بادشاہ تھا ، اس کی زیبائش پر غیر معمولی توجہ مبذول کی گئی اور پتھروں میں نہایت عمدہ اور نفیس بیل بوٹے بنائے گئے ۔ یہ بیل بوٹے اب بھی مشرقی سمت کسی قدر اچھی حالت میں موجود ہیں ۔

اس سٹوپے کی بنیادی اور اہم خصوصیات میں اس کے طاقچوں کی امتیازی طرز اور انتہائی گولائیاں ہیں ۔ سارے کے سارے طاقچے تہری کمانوں کی شکل کے ہیں اور ان کے مابین کارنتھی انداز کے ستون بنے ہیں ۔ یہی انداز چونکہ تیسری اور چوتھی صدی کے سٹوپوں کے بھی ہیں اس لیے سرجان مارشل کا گمان ہے کہ یہ کام تیسری یا چوتھی صدی عیسوی میں ہؤا (۱) ۔

سٹوپے کے گرد ایک چبوترہ بنا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ایک راستہ گھوم گیا ہے ۔ یہ قدیم زمانہ میں پردکھشنا کے طور پر کام آتا تھا یعنی زائرین اس کے ذریعہ سٹوپے کے گرد فرطِ عقیدت سے طواف کیا کرتے ۔

یوں تو طواف گاہ کا فرش چونے اور ریت کا ہے ، لیکن اس کے شمال

۱- اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ۱۰۳ ۔

مغربی حصہ میں صدف کے کنگن بچھے ھیں - جن میں سے کچھ تو سالم ھیں اور کچھ آدھے اور کچھ چوتھائی - یہ سارے کنگن کچھ اس طرح ترتیب دیے گئے ھیں کہ ایسا لگتا ھے کہ جیومیٹری کی بعض شکلیں ھیں -

سرجان مارشل نے جب کھدائی کی تو اس فرش کے اوپر تین انچ ملبہ کی تہ جمی تھی اور اس پر ایک اور فرش بنا تھا - یہ فرش بھی چونے کا تھا اور اس میں شیشے کے ٹکڑے جا بجا جوڑے گئے تھے - گمان ھوتا ھے کہ کسی وقت ''طواف گاہ'' کا سارا فرش اس طرح کے شیشوں سے بنا تھا -

سٹوپا کے مشرقی زینے کے قریب ایک مینار کی نچلی چوکی موجود ھے جس کے بارے میں سرجان کہتے ھیں کہ یہ مینار اتنا ھی اونچا تھا جتنے کہ وہ مینار تھے جن کی تعمیر مہاراج اشوک سے منسوب کی گئی ھے اور اس کی ٹوپی پر اشوکی میناروں کی طرح شیر کی مورتی بنی تھی -

اس سٹوپا کو کھودتے وقت دو دفینے بھی ھاتھ آئے ھیں ، جن میں سے ایک میں ۳۳۵ سکے تھے اور دوسرے میں ۳۰۵ - پہلے دفینہ کے سکوں میں زیادہ تعداد بادشاہ اجودلہ ، ایسز ثانی ، کاڈفیسز اول ، سوٹرمیگس ، کنشک ، ھوشک ، باسودیو اور کچھ آخری ساسانی بادشاھوں کے عہد کے ھیں - دوسرے دفینہ میں دو باسودیو کے اٹھارہ ساسانیوں کے اور ۲۸۵ انڈو ساسانیوں کے ھیں -

سرجان مارشل کا بیان ھے کہ یہ دونوں دفینے کسی پجاری کی ملکیت تھے ، جس نے انھیں احتیاطاً پتھروں کے نیچے چھپا رکھا تھا -

بڑے سٹوپا کے ماحول میں بارہ چھوٹے سٹوپوں اور بے شمار چھوٹے چھوٹے مندروں کے آثار بھی موجود ھیں ، جنھیں دیکھ کر گمان ھوتا ھے کہ بدھ مذھب سے عقیدت رکھنے والے سادہ لوح ٹیکسلیوں کو پنی عقیدت کے اظہار کی اس کے سوا کوئی اور صورت نظر نہ آئی کہ وہ مقدس عظیم سٹوپا دھرما راجیکا کے گرد چھوٹے چھوٹے سٹوپے اور مندر تعمیر کرکے ان میں مہاتما بدھ اور ان کے بڑے چیلوں کی مورتیاں سجا دیں (۱) -

---

۱- اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ۱۰۸ -

یہ بھی ممکن ھے کہ یہ چھوٹے سٹوپے اور مندر بعض لوگوں نے بڑے پجاریوں کے حضور بطورِ نذرانہ پیش کیے ھوں ۔

سرجان مارشل کا اندازہ ھے کہ اس ماحول میں جتنے بھی مندر بنے ھیں وہ طرزِ تعمیر کے لحاظ سے جہال گڑھی کے مندر سے حد درجہ مشابہ ھیں ۔

سرجان مارشل نے ان نواحی سٹوپوں اور مندروں کے آثار میں سے ج الف کو خصوصی اھمیت دی ھے ۔ یہ ۳۲ فٹ چار انچ مربع چبوترے پرمشتمل ھے اور اس کے تین طبقے ھیں ۔ سرجان مارشل کا خیال ھے کہ یہ سٹوپا برابر چار سو سال تک تعمیر ھوتا رھا تھا ۔ پہلے پہل اس کی تعمیر پہلی صدی عیسوی میں ھوئی اور پھر دوسری ، تیسری اور چوتھی صدی میں ۔ اس میں متواتر اضافے ھوتے رھے اور اس کی تعمیرِ نو اور مرمت پر خوب توجہ کی گئی ۔ جو آثار اس وقت موجود ھیں ان میں سے کچھ پہلے طبقہ کے ھیں اور کچھ بعد کے طبقات کی ترجمانی کرتے ھیں ۔ خصوصیت سے شمالی جانب کے نچلے درجہ کے بیل بوٹے اور تصاویر پہلے دور کی ھیں ، تصاویر مہاتما بدھ کی ھیں اور انھیں کارنتھی ستونوں کے درمیان نصب کیا گیا ھے ۔ ان تصاویر میں مہاتما بدھ کی تپسیا کے مختلف ادوار کی عکاسی کی گئی ھے ۔ ایک درمیانی تصویر میں مہاتما بدھ آلتی پالتی مارے تشریف فرما ھیں اور ان کے دونوں طرف ایک عقیدت مند چیلا کھڑا ھے ۔ ان چیلوں میں سے بعض کشان لباس زیب بدن کیے ھیں ، جس سے خیال ھوتا ھے کہ یہ تصاویر کشان عہد میں بنی تھیں لیکن جب تیسری اور چوتھی صدی میں ان کی مرمتیں ھوئیں تو مہاتما بدھ کی بڑی مورتی سے اس کا سر غائب ھو چکا تھا ۔ باقی مورتیوں کا بھی یہی عالم تھا ، اس لیے نئی تعمیر کے وقت وہ بیلیں جو مورتیوں کے سروں کے ساتھ ساتھ ستونوں میں جڑی ھوئی تھیں ، انھیں نیچے اتار کر مورتیوں کے کندھوں پر نصب کر دیا گیا ۔ غالباً اس وقت ھاتھیوں کی وہ مورتیاں بھی تعمیر ھوئیں ، جو دوسرے طبقہ میں قطار اندر قطار بنی ھوئی پائی گئی ھیں ۔

اس سٹوپا کے ساتھ ساتھ کئی اور سٹوپے بھی بنے ھیں ۔ یہ سارے کے سارے مربع طرز کے ھیں اور ان کے آثار تین یا چار فٹ اونچے ھیں ۔

کسی عمارت میں کوئی خاص بات نہیں ہے البتہ ایک سٹوپا بہ عنوان ''نون'' کے اندر سے ایک پختہ گھڑا برآمد ہؤا جس میں شاپور ثانی کے ۱۵ سکے رکھے تھے - اسی عنوان کے ایک اور سٹوپے کے اندر لاجورد، سیپ اور مونگے دفن تھے -

مندر نمبر ۱۸ میں سے جو ان سٹوپوں سے کسی قدر فاصلہ پر واقع ہے ایک نادر مورتی برآمد ہوئی ہے - یہ مورتی غالباً پینتیس فٹ اونچی تھی، گو اس وقت صرف ایک پاؤں موجود ہے - یہ پاؤں، انگوٹھے، ایڑی تک پانچ فٹ تین انچ ہے جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اصل تصویر کتنی بڑی ہوگی، جس کا پاؤں اتنا ہے - اس مندر میں سے اور بھی بہت سی مورتیاں برآمد ہوئی ہیں جو مختلف زمانوں کے فنِ مصوری کی عکاسی کرتی ہیں - ایک تصویر تو کچھ عجیب تاثر پیدا کرتی ہے جس میں ایک بندر مہاتما بدھ کے حضور جھکا، انہیں شہد پیش کر رہا ہے - مصور نے اس تصویر کے ذریعہ کیا کہنا چاہا تھا، تصویر سے کچھ واضح نہیں ہوتا -

جہاں یہ تصویر نصب ہے اس کے ذرا نیچے ایک ہنڈیا مدفون تھی جس میں سے پانچ اشرفیاں کشان عہد کی، سونے کا ایک ٹھوس بندا، سونے کے کئی سوراخ دار دانے اور ایک شکستہ حاشیہ دار زیور ملا ہے -

اس سے ذرا آگے کی غربی عمارات میں سے ایک کو جب کھودا گیا تو اس میں مہاتما بدھ کے دو بہت عمدہ مجسمے دفن تھے - دونوں مجسمے ساتھ ساتھ پڑے تھے - سرجان مارشل نے جب یہ مجسمے کھود کر نکالے تو ان کے سر موجود نہ تھے باقی جسم موجود تھے(۱) -

نقشہ منسلکہ سے معلوم ہوگا کہ یہ سارے کا سارا علاقہ سٹوپوں اور خانقاہوں کے آثار سے اٹا پڑا ہے - جن میں سے زیادہ تر سٹوپے مربع شکل کے ہیں اور کہیں کہیں مندر بھی ہیں - جیسا کہ ہم نے پیچھے عرض کیا اتنے سارے سٹوپوں کی ایک ہی جگہ پاس پاس تعمیر کی - بظاہر اس کے سوا اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ عقیدت مندوں نے ان کے ذریعے اپنی اندھی عقیدت ظاہر کی تھی اور شاید ان دنوں کوئی یہ روایت ان میں

۱- اے گائڈ ٹو ٹیکسلا

عام ہو کہ دھرما راجیکا سٹوپا کے آس پاس سٹوپے اور خانقاھیں تعمیر کرنے والے کو کچھ بہت زیادہ ثواب ملتا ھے ۔

بہرحال اتنے سارے سٹوپوں اور خانقاھوں کو ایک ھی ماحول میں آس پاس بنے دیکھ کر زائر کو خاصا تعجب ھوتا ھے اور لطف کی بات یہ ہے کہ ابھی سرجان مارشل کی روایت کے مطابق پورے مواقع کھودے نہیں گئے ۔ ادھر ادھر بے شمار ٹیلے ابھی کھدائی کے منتظر ھیں ۔ سرجان مارشل کا بیان ھے کہ آس پاس کی ساری بلند سطحوں اور ٹیلوں پر ایک نہ ایک سٹوپا ضرور موجود ھے اور اگر سارا ماحول کھد جائے ، تو ٹھیک ٹھیک اندازہ ہو کہ اس دور میں جو حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے چند سال پہلے سے شروع ھوتا اور ھنوں کے زمانہ تک چلتا ھے ، بدھ مذھب ٹیکسلا اور اس کے ماحول کا سب سے بڑا مذھب تھا اور اس سے عوام کو غیر معمولی عقیدت تھی ۔

سرجان مارشل کے نزدیک ان بدھ مندروں میں سے ایک مندر بہ عنوان ,, گ ،، کے آثار کو آج تک برآمد ھونے والے آثار میں بڑی اھمیت دی گئی ھے ۔ اس لیے نہیں کہ یہ بہ اعتبار صنعت بہت غیر معمولی نوعیت کے ھیں ، بلکہ اس لیے کہ یہاں سے سونے کا ایک ایسا پترا ملا ھے جس پر ۱۳۶ء مطابق ۷۸ء کی ایک تحریر کندہ ھے ، جو خروشتی رسم الخط میں ھے ۔

سرجان مارشل کی رو سے اصل عبارت اور اس کا ترجمہ حسب ذیل ھے :

ایسی اشاڑس ، ماسس دیو سے اشا دیو سے پروس تویت بھگو تودھاتو اور تضریا پترن بھلین نواچائے نگرے وستوین تیں اسے پروستویت بھگو تودھاتواد دھمرا ۔ پچٹیسئے ، تنو وائے بودھی ستوا گھا می سہاراجس راجتی راجس دیو پترس گھشانسی ارد گہ اچھنائے سرو بدھن پیائے پر اچیگ ، بدھن پیائے ارا ان پیائے سروسی تو ان پیائے ماتو پتو پیائے متر مچ نیٹس ۔ لوھی تن پیائے اتمانو ارو گہ اچھنائے نیا نائے ھوتو اے سمسپری چگو ۔

یہ ۱۳۶ء ایسز کے مہینہ اساڑ کی پندرھویں تاریخ ھے ۔ اسدن مقدس ھستی کی ان ھڈیوں کو اورسک نامی باختری نے جو اسھوریا کے کنبے سے ھے اور اس وقت قصبہ نواچہ میں رھتا ھے محفوظ کیا ۔ اس نے مقدس ھستی کی ان ھڈیوں کو اپنے بنائے ھوئے بودھی ستوا مندر نزد دھرما راجیکا سٹوپا میں محفوظ کیا ھے کہ اس سے بادشاہ اعظم ، شاہ شاھان ، آسمان کے

بیٹے شاہ کشان کو صحت نامہ نصیب ہو ۔ یہ مندر تمام بدھوں فرداً فرداً ہر بدھ ، ہر اراھٹ اور ہر بزرگ ، ماں باپ ، دوستوں ، مشیروں اور عزیزوں کے اعزاز و اجلال کے لیے تعمیر ہؤا ہے اور اس سے مقصود ہے کہ اس کے بانی کو صحت نصیب ہو ۔ اے کاش ، تمھارا یہ نیک کام نروان کا ذریعہ بنے۔

ہم اس تحریر کے متعلق آگے ایک مستقل عنوان کے تحت سیر حاصل تبصرہ کریں گے ، یہاں صرف اتنا اشارہ ضروری جانتے ہیں کہ اگر یہ خروشتی زبان ٹیکسلا اور اس کے نواح کی روز مرہ کی زبان تھی تو خاصی مشکل تھی ۔

سرجان مارشل کے نزدیک اس نواح کے ایک مندر بہ عنوان ''ر'' کا ذکر اس لیے ضروری ہے کہ اس کی بغلی دیواروں کے درمیانی طاقچوں میں گندھاری طرز کی بہت عمدہ مورتیاں بنی ہیں جنھیں گندھارا آرٹ کی بہت اچھی کامیاب ترجمان مورتیاں کہا جا سکتا ہے (۱) ۔

سر جان مارشل کی رو سے ان تصاویر میں وہ تاریخی منظر ابھارا گیا ہے جب مہاتما بدھ اپنے محل کپل وستو سے نکلے تھے اور ان کے ہمراہ ایک گرز بردار بھی تھا ۔

دوسرا منظر وہ ہے جب مہاتما کا گھوڑا ان کے پاؤں میں جھکا ہے اور ایک طرف ان کا سائیس چنڈک کھڑا ہے ، ایک گرزبردار بھی موجود ہے ۔

حقیقت میں کوئی گرزبردار اس وقت موجود تھا یا نہ تھا ، اس سے قطع نظر یہ تصویر گندھارا آرٹ کی مکمل ترجمانی کرتی ہے ۔ اس مندر کے آثار کھودتے وقت اور بھی بہت سی ٹوٹی ہوئی تصویریں جگہ جگہ سے برآمد ہوئی ہیں ، جنھیں گندھارا آرٹ کا ترجمان کہا جا سکتا ہے ۔

ان تصاویر میں سے سر جان مارشل نے پتھر کا ایک چراغ بھی ڈھونڈ نکالا ہے ، جس پر خروشتی حروف میں ایک مختصر عبارت کندہ ہے ، جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ چراغ کسی بھکشو دھرم داس نے بطور

۱- اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ۱۴ ۔

نذر دھرما راجیکا مندر کے صحن میں نصب کیا تھا(۱) ۔

سر جان مارشل نے اس سلسلہ میں دو اور گول سٹوپوں کی سنگین بنیادوں کو قابلِ توجہ سمجھا ھے جو کرسی کی سطح سے دس فٹ نیچے زمین میں دفن ھیں ۔ یہ گول بنیادیں کس قسم کی عمارت کی تھیں، سر جان مارشل نے ان کے بارے میں کچھ بیان نہیں کیا۔ صرف اتنا کہتے ھیں کہ یہ کسی بوجھل عمارت کی بنیادیں تھیں ۔

شیشے کا آرٹ

سر جان مارشل نے کمرا بہ عنوان ''ف'' کے فرش میں پیوست کانچ کے چوکوں کا ذکر کیا ھے ۔ یہ کانچ کے چوک سوا دس انچ مربع اور کوئی پونے دو انچ موٹے ھیں ۔ ان میں سے زیادہ تر نیلے رنگ کے ھیں، کچھ زرد ، کچھ سفید اور کچھ سیاہ بھی ھیں ۔

یہ فرش آج تک کے تمام آثار و باقیات میں اپنی طرز کا نرالا فرش ھے اور اس چینی روایت کی عملاً تائید کرتا ھے جس میں کہا گیا ھے کہ شیشے کی صنعت شمالی پاکستان سے چین پہنچی تھی(۲) ۔

اس چینی روایت اور اس کے اصل پر سر جان مارشل نے گفتگو ضروری نہیں جانی اور نہ کوئی حوالہ ھی پیش کیا ھے ۔ بہر حال اگر یہ فرش پہلی صدی عیسوی کا ھے ، تو پھر اس کے معنیٰ یہ ھوں گے ، کہ شیشے کی صنعت اس وقت عروج پر تھی ۔ لیکن عجیب بات ھے کہ کسی اور عمارت میں اس عروج کی نمائش نہیں کی گئی ۔ اس لیے محض ایک فرش کو دیکھ کر یہ دعویٰ کوئی زیادہ وزنی معلوم نہیں ھوتا ۔

سب سے بڑی خانقاہ

دھرما راجیکا سے متصل ایک بڑی خانقاہ کے آثار بھی برآمد کیے گئے ھیں ۔ یہ خانقاہ سٹوپا کے پجاریوں ، بھکشوؤں اور بھکشنیوں کی رہائش گاہ تھی اور اس میں متعدد کوٹھریوں ، حجروں کے علاوہ باورچی خانے اور غسل خانے بھی بنے تھے ۔ یہ حجرے تین صفوں پر مشتمل ھیں ، جن میں سے کچھ سٹوپا کے مغربی رخ واقع ھیں اور کچھ شمالی ۔ یہ خانقاہ

۱- اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ۱۱۶ ۔
۲- ایضاً ، ص ۱۱۷ ۔

پہلی صدی عیسوی سے لے کر ساتویں صدی عیسوی تک برابر بنتی رھی تھی ، اس میں سے ایک حصہ گر جاتا تو اس کی جگہ دوسرا بن جاتا - سر جان مارشل نے اس کے صحن ''گ'' میں واقع ایک حجرہ کو کھود کر پانچ سو اکتیس سکے باسودیو کے برآمد کیے ھیں اور کہتے ھیں کہ باسودیو کے زمانہ کے بہت سے اور دفینے بھی ان کو ملے ھیں اور یہ سارے کے سارے دفینے تیسری صدی عیسوی میں اس وقت دفن کیے گئے تھے جب ساسانی ٹیکسلا پر حملہ آور ھوئے تھے -

اس حملہ کے باوجود نہ یہ خانقاہ بے آباد ھوئی اور نہ سٹوپا کی ہردلعزیزی پر کوئی حرف آیا - اس دور کے بعد بھی یہ جگہ پوری کی پوری محبوب رھی اور آنے والی نسلوں نے اس کے گرد بہت سی نئی خانقاھیں اور نئے سٹوپے بنا ڈالے - جو نئی خانقاہ ساسانی حملہ کے بعد پہلی عمارت کے کھنڈرات پر استوار ھوئی ، اس کا رقبہ پہلی عمارت کی نسبت تین گنا کم تھا - اس مختصر رقبہ پر تعمیر کی وجہ غالباً یہ تھی کہ دفاع کے پیش نظر بیرونی دیواریں زیادہ مضبوط اور اونچی بنانی ضروری تھیں - بہر حال جو نئی خانقاہ تعمیر ھوئی اس کی نچلی منزل میں انیس کمرے بنے - اتنے ھی کمرے دوسری منزل کے بھی ھوں گے (۱) -

یہ نئی خانقاہ اور اس ایسی جو عمارتیں پانچویں صدی عیسوی تک تعمیر ھوئیں وہ سب کی سب ھنوں کے حملہ میں تباہ ھوگئیں - ھنوں کی لائی ھوئی تباھی اس درجہ ھمہ گیر تھی کہ ٹیکسلا کی ایک بدھ عمارت بھی ایسی نہ تھی جو تباہ نہ ھوگئی ھو - سر جان مارشل کہتے ھیں کہ سفید ھن ان عمارتوں پر جو تباھی لائے تھے ، اس کی شہادت لکڑی کے وہ جلے ھوئے ٹکڑے ، لوھے کے قبضے اور کیل دیتے ھیں ، جو ان عمارات کے آثار کھودتے وقت ملبہ میں دبے پڑے ملے ھیں - مزید برآں حجرہ نمبر ۸ کے اندر گندم کا ادھ جلا ڈھیر تو ایک طرح سے اس تباھی کا عینی شاھد ھے -

گو دھرما راجیکا کے بعض سٹوپے اور کچھ خانقاھیں بعد کے بدھوں نے پھر سے تعمیر کیں مگر ایسا معلوم ھوتا ھے کہ تعمیر کا یہ

۱- اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ۱۲۱

کام کافی مدت گزر جانے کے بعد ہؤا کیونکہ جو نئی عمارات پرانی بنیادوں پر استوار ہوئیں وہ خاصی بے ڈھنگی اور کم حیثیت کی تھیں ۔

سر جان مارشل نے ان تباہ شدہ اور جلی ہوئی عمارات کے ایک احاطہ بہ عنوان ''ج'' کی کھدائی کے بعد جہاں ملبہ کے اندر سے پچیس سکے برآمد کیے ہیں ، وہاں چھ انسانی ڈھانچے بھی نکالے ہیں ۔ ان ڈھانچوں کے سر کٹے ہوئے تھے ، جنھیں دیکھنے کے بعد سر جان مارشل نے رائے قائم کی ہے کہ ہنوں نے خانقاہوں اور سٹوپوں میں قتلِ عام کرنے کے بعد عمارتوں میں آگ لگا دی تھی ۔

برہمی کا ایک مسودہ

ایک خاص چیز جو اس ملبہ سے سر جان مارشل کو ملی ہے ، وہ برہمی رسم الخط میں ایک بدھ مسودہ ہے جو جلا ہؤا تھا(۱) ۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو یہ مسودہ کہیں باہر سے یہاں لایا گیا تھا ، یا اس دور میں برہمی رسم الخط بھی ٹیکسلا میں متعارف تھا اور خروشتی کی طرح اسے بھی رواج مل گیا تھا ۔

سر جان مارشل کا بیان ہے کہ چونکہ ان جلی ہوئی عمارات کے ملبہ کے اندر سے جو سکے برآمد ہوئے ہیں وہ ساکا ، کشان ، کدارا کشان ، سفید ہنوں اور پانچویں صدی عیسوی تک کے ساسانی بادشاہوں کے ہیں ، اس لیے یہ قتلِ عام سفید ہنوں نے پانچویں صدی کے اختتام پر کیا تھا ۔

۱- اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ۱۲۲

فصل ششم

کلون ، اکھوڑی اور کھدر سہڑہ

سر جان مارشل کی رو سے کلون کی بدھ آبادی دھرما راجیکا کے بعد ٹیکسلا کی سب سے بڑی بدھ آبادی شمار ہوتی تھی ۔ یہ مرگلا پہاڑی کی شمالی جانب دھرمارا جیکا سے جنوب مشرق میں کوئی سوا میل کے فاصلے پر واقع ہے ۔

اس آبادی کی ایک عمارت سے جو کتبہ برآمد ہؤا ہے ، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا نام قدیم زمانہ میں چادا سیلہ تھا ۔ لیکن ان دنوں یہ کلون کہی جاتی ہے ۔ کلون کے معنی غار کے ہیں اور اس سے ملحق پہاڑی میں تین غار ہیں جہاں آس پاس کے کاشتکار غلہ اور بھوسہ ذخیرہ کرتے ہیں ۔

گو ان دنوں بھی اس بدھ بستی کا ماحول خاصا عمدہ ہے اور قدرتی مناظر دلفریب ہیں لیکن اس زمانہ میں جب کہ آب و ہوا آج کل کی نسبت بہت زیادہ بہتر تھی ، بارش خوب ہوتی تھی اور ہر طرف سبزہ ہی سبزہ لہلہاتا تھا ، یہ ماحول بہت ہی بھلا لگتا ہوگا ۔

پہاڑی کے مغربی دامن میں کوئی ایک سو تیس گز کے فاصلہ پر ایک کنواں بنا ہے ۔ سر جان مارشل کا خیال ہے جو بدھ ، بھکشو اور راہب اس آبادی میں رہتے تھے وہ اسی کنویں سے پانی لے جاتے تھے ۔

جو آثار اس آبادی کے موجود ہیں ، ان میں سے درمیانے چبوترے کا دائرہ تقریباً چار سو پچاس فٹ ہے اور اس کے شمال میں ایک سٹوپا اور حجروں کی تین قطاریں بنی ہیں اور جنوب میں کئی ہال یا نسبتاً بڑے کمرے واقع ہیں ۔

ساری عمارتوں کی سطح ایک نہیں ہے اور نہ ان کا زمانۂ تعمیر ایک

ہے ، کیونکہ ان کی دیواروں میں جو پتھر لگے ہیں وہ ایک طرز کے نہیں ہیں ۔ کوئی دھرما راجیکا کی دیواروں ایسے اور کچھ پارتھی عمارتوں کے پتھروں کی مانند ہیں ۔ خانقاہوں کے فرش زیادہ تر مٹی کے ہیں البتہ صحنوں میں دریاؤں سے دستیاب ہونے والی بجری ، گارے میں ملا کر بچھائی گئی ہے ۔ چھتیں چپٹی تھیں اور ان کے اوپر بھوسا ملی ہوئی مٹی کا لیپ کیا گیا تھا ۔ سر جان مارشل نے اس لیپ کے کئی جلے ہوئے ٹکڑے ملبہ کے اندر سے برآمد کیے ہیں ۔

کلوان کی عمارات میں ایک غیر معمولی بات یہ ہے کہ اس کا مرکزی سٹوپا ، ماحول کے سٹوپوں اور مندروں سے کچھ زیادہ بڑا نہیں ہے ۔ جیسے کہ دھرما راجیکا کا سٹوپا ہے ۔ اس میں اور ماحول کے سٹوپوں کے حجم میں بہت تھوڑا فرق ہے ۔ سٹوپا کی پہلی عمارت کشان عہد کی ہے کیونکہ اس میں کشان عہد کی عمارتوں ایسے دوپاری پتھر استعمال ہوئے ہیں ۔ البتہ تیسری صدی میں جب اس کی دیواروں کی مرمت ہوئی ، تو ان میں کسی قدر چورس پتھر برتے گئے اور پانچویں صدی میں اس میں کنجور کی نسبتاً بڑی سلیں استعمال ہوئیں ۔ آخری دور میں اس سٹوپا میں کارتھی طرز کے ستون بھی ایزاد ہوئے اور مہاتما بدھ کی چونے کی بنی ہوئی مورتیاں بھی نصب کی گئیں ۔ مہاتما بدھ کے ساتھ دوسرے بڑے بدھ بزرگوں اور راہبوں کے مجسمے بھی جا بجا رکھے گئے ۔

اس سٹوپا کی غیر معمولی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا تبرکات کا خانہ بہت بڑا ہے اور تقریباً ۱۳ فٹ تین انچ قطر میں ہے ۔ اس خانۂ تبرکات کی اندر کی دیواروں پر چونے کے لیپ کی کئی تہیں پائی گئی ہیں ، جن سے سر جان مارشل نے اندازہ کیا ہے کہ اس پر کئی بار سفیدی کی گئی تھی ۔

اس سے متصل ایک اور سٹوپا ہے ، جس کی صرف کرسی اس وقت موجود ہے ۔ یہ دوپاری پتھروں سے بنی ہے اور اس کی پیشانی پر کنجور کی سلیں چنی ہوئی ہیں ۔ اس کے ملبہ کے اندر سے بھی کئی مورتیاں اوپر کی چھتری کے کئی ٹکڑے اور ستونوں کے ٹوٹے ہوئے حصے ملے ہیں ۔ اس کے پہلو میں کئی اور چھوٹے چھوٹے مندروں اور سٹوپوں کے آثار

موجود ھیں - جن کا اندازِ تعمیر پہلی عمارتوں ایسا ھے - ان میں سے ایک سٹوپا میں سے جس کا قطر کوئی گیارہ فٹ ھے ایک صندوقچی ملی ھے ، جس میں چھوٹے چھوٹے کئی نوادر اور تبرکات رکھے تھے اور اس پر کانسی کی ایک تختی پر خروشتی رسم‌الخط میں ایک کتبہ کندہ تھا - جس کا ترجمہ سر جان مارشل نے حسب ذیل کیا ھے :

ایزز کے سال ۱۳۴ میں مہینہ سرادنہ کی تئیسویں تاریخ کو سندرابی ، بجارن اپاسیکا جو دھرما کی بیٹی اور بدرھا پالا کی بیوی ھے ، چاداسیلہ کے سٹوپا مندر میں یہ تبرکات محفوظ کرتی ھے - اس کے ساتھ اس کا بھائی نندی وردھنہ ، اس کے بیٹے ساما اور سکیتہ اور بیٹی دھرما اور بہوئیں ، راجہ اور اندرا اور اس کے بیٹے ساما کا بیٹا جیوا نندن اور اس کا استاد بھی شامل ھیں -

اے کاش ، اس کی یہ نذر ، اس کے لیے نروان کا موجب بن جائے -

سر جان مارشل کا بیان ھے کہ یہ کتبہ اس عمارت کو دھرما راجیکا سے دو سال بعد کی تعمیر ٹھیراتا ھے - یوں بھی اس عمارت میں جس انداز کے پتھر استعمال ھوئے ھیں وہ دھرما راجیکا کی عمارت کے پتھروں سے ملتے جلتے ھیں -

سر جان مارشل کو سٹوپا کے ملبہ میں سے اٹھارہ گندھارا آرٹ کی مورتیاں بھی دستیاب ھوئی ھیں - جن میں سے ایک مورتی کے بارے میں سر جان مارشل کا خیال ھے کہ وہ ھیلینی آرٹ کا چربہ ھے اور ایک سو سال بعد از مسیح میں بنی تھی - ستر کے قریب ایسی مورتیاں بھی ملی ھیں جو انڈو افغان آرٹ کی ترجمان ھیں اور زیادہ پختہ فن کی مظہر نہیں ھیں(۱) -

سٹوپوں اور مندروں کے علاوہ کلون میں ایک بڑی خانقاہ کے آثار بھی برآمد ھوئے ھیں ، یہ خانقاہ تین صحنوں یا احاطوں پر مشتمل ھے - ان تینوں میں ایک سو پچاس راھبوں کی رھائش گاھیں بنی تھیں - سرجان مارشل نے تینوں صحنوں کی کھدائی کے بعد جو آثار برآمد کیے ھیں ان کو شمار کرنے

۱- اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ۱۳۶ -

کے بعد انھوں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ یہ تینوں صحن ایک سو پچاس حجروں پر مشتمل تھے ۔ حجرہ نمبر ۶ میں اوپر کی منزل کو جانے والی پختہ سیڑھیاں بھی برآمد ہوئی ہیں ۔ غالباً یہ اوپر کی منزل کو جاتی تھیں ۔ اور پانچویں صدی عیسوی میں بنی تھیں ۔ صحن بہ عنوان ''ف'' کے ایک حجرہ میں سے سرجان مارشل نے ایک چھوٹا سا سٹوپا بھی برآمد کیا ہے ، جس کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ یہ کسی بدھ راہب کے تبرکات پر مشتمل تھا اور غالباً ایک میاں بیوی نے بنوایا تھا ، جن کی '' مورتیاں '' اس سٹوپا کے ملبہ میں سے برآمد ہوئی ہیں ۔

سرجان مارشل فرماتے ہیں کہ کلون آثار کی کھدائی کے وقت انھوں نے جتنی محنت کی ، اس کا جو صلہ انھیں وہاں سے برآمد ہونے والی ''مورتیوں'' کی صورت میں ملا ہے وہ بہت گراں بہا ہے اور ان کی محنت سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے ۔ یہ '' مورتیاں '' مندر نمبر ۲ کے اندر دفن تھیں ۔ ان میں سے وسطی مورتی مہاتما بدھ کی ہے اور ان کے دو طرف ان کے کچھ چیلے اور نذریں پیش کرنے والے دیو کھڑے ہیں ۔ چار مورتیاں چونے کی ہیں اور دو کا نچلا حصہ چونے کا ہے اور سر پختہ مٹی کے ہیں (۱) ۔

سرجان مارشل کے نزدیک مہاتما بدھ کی مورتی انتہائی پختہ اور اونچے فن کی ترجمان ہے ۔ جس فن کار نے اس مورتی کو بنایا ہے اس نے اپنے سارے کمالات اس پر صرف کر دیے ۔ یوں بھی اس نے یہ مورتی بناتے وقت اس دور کی ہر فنی اور مذہبی روایت کو بڑی شدت سے ملحوظ رکھا ۔ مورتی کو دیکھ کر ایسے لگتا ہے جیسے اس میں ابھی جان پڑ جائے گی اور وہ ابھی بولنے لگے گی ۔

سرجان مارشل نے کلوان میں سے ایک اور خانقاہ اور ایک اور سٹوپا بھی برآمد کیا ہے ۔ خانقاہ کے آثار کہیں کہیں تو دس دس فٹ اونچے ہیں اور انھیں دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کہ یہ بدھ خانقاہ بہت مضبوط تھی اور اس کی تعمیر پر بہت توجہ مبذول کی گئی تھی ۔

اس کا نقشہ بھی دوسری بدھ عمارتوں سے خاصا مختلف ہے ، اس کے وسط میں عام خانقاہوں کی طرح کھلا صحن نہیں ہے ۔ صحن کی بجائے ایک بڑا

۱۔ اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ۱۴۰ ۔

ہال کمرا ہے جس کے دروازے ایک ایسے کاریڈور میں کھلتے ہیں جس کے دوسرے رخ پر کئی چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہیں ۔ ان کمروں میں جو لوگ مقیم ہوتے وہ اسی کاریڈور میں سے ہوکر ہال میں آتے جاتے ۔

کاریڈور میں کئی کھڑکیاں بھی بنی ہیں جو فرش سے چار فٹ اونچی ہیں ۔ ان ہی کھڑکیوں کے راستے ہال کمرے میں روشنی اور ہوا پہنچتی تھی ۔

کھدر سہڑہ

سرجان مارشل کے نزدیک کلون کی بدھ آبادیوں کی طرح کھدر سہڑہ کی چار بدھ آبادیاں بھی بڑی اہمیت رکھتی ہیں ۔ گو سرجان مارشل نے ان کے بہت مختصر حصوں کی کھدائی کی ہے ۔ تاہم ان کا بیان ہے کہ یہ چاروں بدھ آبادیاں ۲۰۰ء بعد از مسیح سے لے کر ۵۰۰ء بعد از مسیح کے مابین آباد ہوئی تھیں اور طرزِ تعمیر کے لحاظ سے باقی تمام آبادیوں سے مختلف تھیں ۔ پہلی آبادی صرف چند کمروں کی ایک قطار پر مشتمل ہے جس کا طول ایک سو تین فٹ شمالاً جنوباً اور ایک سو پینتیس فٹ شرقاً اور غرباً ہے ۔ عام خانقاہوں کی طرح اس کا سٹوپا اندر کی طرف واقع ہونے کی بجائے باہر کی سمت بنا ہے اور ۳۵ فٹ مربع ہے ۔

سٹوپا اور خانقاہ کی عمارتیں دوپاری چونے کے پتھر سے بنی ہیں اور ان کے درمیانی فاصلوں میں کنجور کی کتلوں کی چنائی کی گئی ہے ۔ کچھ ایسے آثار ملے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ دیواروں پر اندر باہر چونے کا پلستر کیا گیا تھا ۔

[1] اکھوڑی کی خانقاہ

اکھوڑی کی خانقاہ ، کھدر سہڑہ کی خانقاہ سے زیادہ وسیع ہے ۔ اس کا صحن ۱۶۹ فٹ شرقاً غرباً اور ۱۴۳ فٹ شمالاً جنوباً لمبا ہے ۔ باہر کا راستہ شمال کی دیوار میں بالکل سٹوپا کے عین سامنے بنا ہے جس سے ملحق ایک ڈیوڑھی اور پھر ایک بڑا ہال کمرا ہے اور اس سے دوسری سمت ۲۱ چھوٹے کمرے ہیں ، پھر ایک صحن آتا ہے ۔ صحن سے ملحق کمرے تعداد میں گیارہ ہیں ۔ سٹوپا اور خانقاہ کی عمارت دوپاری پتھروں کی ہے ، جس میں کنجور کی

۱۔ اے گائڈ ٹو ٹیکسلا

کتلیں چنی ہوئی ہیں - کھدر سہڑہ کی خانقاہ کی طرح اس کی دیواروں پر بھی چونے کا پلستر کیا گیا تھا - جس کی لکڑیاں جگہ جگہ موجود ہیں - سٹوپا اور خانقاہ سے ذرا فاصلہ پر چار چھوٹے سٹوپوں کے آثار بھی دستیاب ہوئے ہیں جن کے ساتھ پانچ چھوٹے چھوٹے مندر بنے تھے -

تیسری جگہ پہلی دونوں آبادیوں کی نسبت زیادہ بڑی ہے - یہ ایک سٹوپے اور پینتیس کمروں پر مشتمل ہے - دیواریں بڑے اچھے دوپاری پتھروں سے بنائی گئی ہیں - خصوصیت سے سٹوپا کی دیواروں پر بہت عمدہ چونے کا پلستر کیا گیا ہے -

چوتھی جگہ سے ایک کی بجائے دو سٹوپوں اور دو خانقاہوں کے آثار برآمد ہوئے ہیں ، ان کے علاوہ کئی اور چھوٹی چھوٹی عمارتیں بھی ان سے منسلک ہیں -

سرجان مارشل نے کھدائی کے دوران ، ان کے اندر سے جو نوادر پائے ہیں ، ان میں ۳۳۵ سکے بھی ہیں - ان میں سے صرف ایک سکہ کشان سے پہلے کا ہے اور تین سو نو سکے کشان بادشاہوں کے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عمارتیں کشان بادشاہوں کے عہد میں بنی تھیں اور واسودیو کے زمانہ میں تباہ ہوگئی تھیں ورنہ ملبہ میں سے واسودیو کے بعد کے بادشاہوں کے سکے بھی برآمد ہوتے -

فصل ہفتم

گیڑی کے بدھ آثار

سارگلہ پہاڑی کے دامن میں جو دو بستیاں خرم پراچہ اور خرم گوجر واقع ہیں ، یہ دھرما راجیکا سٹوپے سے شمالاً جنوباً کوئی دو میل دور ہوں گی ۔ ان کے اندر سے ایک راستہ پہاڑوں پر سے گزرتا ، وادیٔ گیڑی میں پہنچتا ہے ، جہاں اب بھی ایک میٹھا چشمہ رواں ہے ۔ اس وقت اس وادی میں پہلے سی دلکشی باقی نہیں رہی اور نہ ماحول پہلے کی طرح سرسبز و شاداب ہے ، لیکن جس دور میں بدھوں نے یہاں اپنی بستیاں بسائی تھیں ، ان دنوں تو یہ غیر معمولی طور پر دلچسپ تھا ۔ بدھ بستیوں میں سے ایک تو چشمے سے ذرا اوپر واقع تھی اور دوسری ذرا نشیب میں آباد تھی ۔ جنوب میں گیڑی کے میدان اور وادی کے درمیان ایک چٹیل پہاڑی ہے جو اصل سلسلہ سے بالکل کٹی ہوئی ہے ۔ اس کے مغرب میں ایک تیز نالہ بہتا ہے اور جنوب میں ایک گہرا کھڈ ہے ، شمال میں کافی بلند پہاڑی چوٹیاں ہیں اور مشرق میں ایک تنگ زین سی بنی ہے ۔ گو یہ جگہ خاصی محفوظ نظر آتی ہے ، لیکن زمانۂ قدیم میں اسے اور زیادہ محفوظ بنانے کے لیے اس کے گرد ایک مضبوط فصیل تعمیر کی گئی تھی ، جس کا ساڑھے پانچسو گز طویل حصہ اس وقت بھی مشرقی سمت اور کئی اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑے دوسری اطراف میں باقی ہیں ۔ جنوبی حصہ کی دیوار کوئی دس فٹ موٹی ہے ۔ چاروں کونوں میں کئی برجوں کے آثار بھی موجود ہیں ۔ فصیل کی مزید مضبوطی کے لیے اس کے ساتھ ایک پشتہ بھی بنا نظر آتا ہے ۔

بظاہر یہ دیوار کسی بڑے قلعہ کی بیرونی فصیل معلوم ہوتی ہے ، لیکن چونکہ کسی قلعہ کے آثار برآمد نہیں ہوئے اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ بڑی فصیل ان بدھ خانقاہوں کے گرد پھیلی تھی جن کے آثار یہاں موجود ہیں ۔ سر جان مارشل کا گمان ہے کہ یہ جگہ خطرہ کے

وقت آس پاس کے تمام بدھوں کے لیے جائے پناہ تھی اور پانچویں صدی عیسوی میں ہنوں کے خطرہ کے پیشِ نظر تعمیر ہوئی تھی اور ہنوں نے جب حملہ کیا تھا تو بدھ راہب جو کسی طرح بھی دس ہزار سے کم نہ تھے اس کے اندر چھپ گئے تھے ۔

یہ بھی ممکن ہے کہ جو دو خانقاہیں یہاں آباد تھیں ، ان کے راہب بڑی حیثیت کے لوگ ہوں اور ان کی حفاظت کی خاطر بدھ برادری نے یہ اتنی بڑی دیوار بنا ڈالی ہو ۔

یوں یہ خانقاہیں ، جن کے آثار سر جان مارشل نے برآمد کیے ہیں کچھ زیادہ بڑی نہیں ہیں اور ان میں سے بھی ایک بڑی ہے اور ایک چھوٹی ۔ بڑی ایک چبوترے پر بنی ہے ، جس کا رقبہ ۱۲۰ گز طول میں ہے اور ساٹھ گز عرض میں ۔ شمالی سمت ایک بڑا سٹوپا واقع ہے اور جنوبی سمت میں بیس کمرے ہیں ۔ سٹوپا ۶۲ فٹ لمبا چوڑا اور پندرہ فٹ اونچا ہے ۔ لیکن آثار خاصے خستہ عالم میں ہیں ۔ خانقاہ کی عمارت کسی قدر بہتر ہے ۔ اس خانقاہ اور دوسری بدھ خانقاہوں کے طرزِ تعمیر میں کوئی خاص فرق نہیں ہے ، قریب قریب ہر بات ایک جیسی ہے ۔ جیسے کہ عام خانقاہوں میں ہے ، بیچ میں ایک صحن ہے اور اس کے گرد ۱۸ کمرے بنائے گئے ہیں اور باورچی خانہ اور اس نوع کا ایک اور کمرا ذرا فاصلہ پر ایک کونہ میں ہے ۔

دوسری خانقاہ چونکہ ایک نالے کی زد پر پڑتی ہے ، اس لیے اس کے بہت سے حصے ضائع ہو چکے ہیں ، جو آثار اس وقت موجود ہیں ، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ خانقاہ سے ملحقہ سٹوپا کی کرسی ساٹھ فٹ مربع تھی اور ہر ضلع کی پیشانی کارنتھی ستونوں سے مزین کی گئی تھی ۔ جن کی نچلی تہ یوں تو مسطح پتھروں سے بنی تھی ، لیکن اس کے اوپر کے کونے گول تھے اور ساری چنائی کنجور پتھر کی تھی ۔ ملبہ کے اندر سے بہت سی ایسی مورتیاں بھی دستیاب ہوئی ہیں جو پیشانی کے ستونوں کے ساتھ نصب کی گئی تھیں ۔

بڑے سٹوپے کے شمال مغربی اضلاع کے بالکل سامنے کوئی آٹھ ، چھوٹے چھوٹے سٹوپے بھی برآمد ہوئے ہیں ، جن کے اوپر شیروں اور بونوں کی مورتیاں نصب ہیں ، جو خاصی شکستہ ہیں ۔

سر جان مارشل نے ملحقہ خانقاہ کو چالیس راہبوں کی رہائش گاہ ٹھیرایا ہے اور چونکہ اس کے اندر سے کوئی باورچی خانہ برآمد نہیں ہؤا ، اس لیے ان کا گمان ہے کہ اس خانقاہ کی تعمیر کا دور وہ ہے جب بدھ راہب اپنی روٹی بھیک مانگ کر لاتے اور بازاروں ہی میں کھا لیتے تھے -

خانقاہ کی کھدائی کے وقت بہت سی لوہے کی پتیاں ، قبضے ، چمچے ، ہتھوڑیاں ، برچھیوں کے پھل ، تیروں کی انیاں ، سرمہ کی سلائیاں ، سیپ ، تانبے اور کانچ کی چوڑیاں اور ۳۰۹ سکے برآمد ہوئے ہیں(۱) -

سونے کا ایک زیور بھی ملا ہے - سکوں میں ایسز اول ، اسپا ورما ، کاڈفیسز ، سوٹریگس ، کنشک ، هوسشک ، باسودیو ، شا پور ثالث اور هرمزد ثانی کے سکے زیادہ ہیں -

سب سے اہم شئے جو حقیقتاً نادر کہی جا سکتی ہے ، مہاتما بدھ کی ایک وہ مورتی ہے جس میں مہاتما بدھ غار اندرسال میں تشریف فرما ہیں اور ان کی دونوں طرف کچھ چیلے اور جانور کھڑے ہیں اور اوپر سے چار دیوتا ان پر پھولوں کی بارش کر رہے ہیں(۲) -

سر جان مارشل کے نزدیک یہ مورتی گندھارا آرٹ کے ان بہترین نمونوں میں سے اول درجہ کی ہے جو ٹیکسلا سے برآمد ہوئے ہیں -

---

۱- اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ۱۴۷ - ۱۴۸

۲- ایضاً ، ص ۱۴۹

فصل ہشتم

سٹوپا کنال اور گھی

سر جان مارشل کا بیان ہے کہ مشہور سیاح ہیون سانگ جن دنوں ٹیکسلا آیا تھا اور اس نے ٹیکسلا کی چار اہم بدھ یادگاروں کو دیکھا تو اس وقت گو سرکپ شہر کو تباہ ہوئے پانچ سو سال گزر چکے تھے ، تاہم یہ بدھ یادگاریں ابھی موجود تھیں ۔ خصوصیت سے سٹوپا کنال جو اس فصل کا موضوع ہے ، مرجعِ خاص و عام تھا ۔

اس سٹوپا کنال نامی کے بارے میں عام روایت یہ ہے کہ اسے مہاراج اشوک نے اپنے بیٹے کنال کے نام پر تعمیر کیا تھا ، اور جو جگہ اس کے لیے انتخاب کی تھی وہاں کنال کی آنکھیں نکالی گئی تھیں ۔

ہیون سانگ کی سیاحت کے وقت اندھے ، اس سٹوپا کی زیارت کرتے اور وہاں آ کر اپنی کھوئی ہوئی بینائی کی واپسی کی دعائیں مانگتے تھے ۔ ہیون سانگ خاصے یقین کے ساتھ کہتا ہے کہ ان اندھوں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور انھیں ان کی چھنی ہوئی بینائی واپس مل جاتی ہے(۱) ۔

ہیون سانگ نے اس سٹوپا کی کرامات بہ چشمِ خود ملاحظہ کیں ، اندھوں کو وہاں دعائیں مانگتے اور بینائی واپس پاتے دیکھا یا محض اس نے کوئی کہانی سنی تھی ؟ یہ اس نے کچھ نہیں لکھا ۔ بہر حال اس نے کنال شہزادے کے نام پر بنے ہوئے اس سٹوپے کی نشان دہی کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ یہ شہر ٹیکسلا کے جنوب مشرق میں جنوبی پہاڑی پر بنا ہے اور سو فٹ اونچا ہے(۲) ۔

۱۔ ویٹرس ، جلد اول ، ص ۲۴۳

۲۔ ایضاً ، ص ۲۴۳

سر جان مارشل کہتے ھیں کہ سر کننگھم نے اپنی تحقیقات کے دوران جب ھیون سانگ کے اس بیان کی روشنی میں شہر ٹیکسلا کے جنوب مشرق میں اس سٹوپا کی جستجو کی تو وہ نا کام رہے ۔ کیونکہ انھوں نے یہ غلط سمجھ لیا تھا کہ ھیون سانگ جس ٹیکسلا میں ٹھہرا تھا ، وہ بھڑ ٹیلہ پر آباد تھا حالانکہ ھیون سانگ نے جس ٹیکسلا میں قیام کیا تھا وہ سرسکھ تھا ۔ اگر انھیں یہ غلط فہمی نہ ہوتی تو وہ ھیون سانگ کی نشان دھی کے مطابق ان کے دریافت کیے ہوئے کنال سٹوپا تک ضرور رسائی پا لیتے ۔

سر جان مارشل نے کنال شہزادے کی آنکھیں نکلوانے کی کہانی بیان کرتے ہوئے وھی کچھ دھرا دیا ھے ، جو ھیون سانگ نے اپنے سیاحت نامہ میں رقم کیا ھے ۔

کہا جاتا ھے کہ کنال کی ایک سوتیلی ماں کنال کو بہت چاھتی تھی اور درپردہ اس سے جنسی ھوس پوری کرنے کی خواھشمند تھی لیکن کنال نے اپنی اس سوتیلی ماں سے کوئی دلچسپی نہ لی اور اس نے ناراض ہو کر کنال کو پاٹلی پترا سے نکال دینے کی سازش کی اور اسے ٹیکسلا کا نائب السلطنت بنوا دیا اور کچھ دن بعد مہاراج اشوک کی طرف سے ایک جعلی فرمان لکھ کر ٹیکسلا بھیجا ۔ اس فرمان کے مخاطب بعض معتمد امرا تھے ۔ اس میں کنال پر بعض سنگین الزامات عائد کیے گئے تھے اور معتمد امرا کو حکم دیا گیا تھا کہ جیسے ھی یہ فرمان ٹیکسلا پہنچے ، کنال کی آنکھیں نکلوا دیں ۔ معتمد امرا نے اس فرمان کے باوجود اس کی تعمیل سے گریز کیا ، لیکن کنال نے باپ کی حکم عدولی کو سب سے بڑا گناہ سمجھتے ہوئے ، امرا کو تاکید کی کہ شہنشاہ کا حکم بجا لائیں ۔ حکم کی تعمیل ہوئی اور کنال کی آنکھیں نکال دی گئیں اور وہ اندھا ہوکر اپنی بیوی کا ھاتھ پکڑ کر ھزارھا مصائب سے دو چار ہوتا ، بستی بستی بھیک مانگتا ، پاٹلی پترا پہنچا اور شاھی محل کے قریب پہنچ کر بنسری بجانے لگا ۔ مہاراج اشوک نے بیٹے کی آلاپ پہچان لی ۔ اسے بلا کر جب حال دیکھا ، تو خون کے آنسو رویا اور اس رانی کو اسی وقت پھانسی دے دی ، جس نے اس کی طرف سے جعلی فرمان تیار کر کے ٹیکسلا بھیجا تھا(۱) ۔

۱- اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ۱۵۱

ہیون سانگ راوی ہے کہ شہزادے کی بینائی گھوش نامی ایک ارہٹ کی دعا سے اسے واپس مل گئی اور یہ گھوش شاید وہی تھا جو آنکھوں کا سب سے بڑا معالج تھا۔

سر جان مارشل نے اس قصہ کو دہرانے کے بعد ایک اعتراض اٹھایا ہے اور کہا ہے کہ یہ قصہ ہپولائی ٹس اور فڈرا کے یونانی قصہ سے بہت مشابہ ہے اور غالب خیال یہ ہے کہ یہاں کے لوگوں نے یہ قصہ یہاں مشہور یونانی روایات میں سے اخذ کیا تھا۔ کیونکہ شمال مغربی علاقوں میں یونانیوں کی حکومت کم سے کم دو سو سال تک رہی تھی(۱)۔

سر جان مارشل کہتے ہیں، یوں بھی کئی اور واسطوں سے یہ روایت جس طرح ہم تک پہنچی ہے اس سے یہ خاصی بدل گئی ہے۔ ان واسطوں کی بیان کردہ روایت میں کنال کو رانی تشیر رکھشتا کے کہنے پر نہیں بلکہ وزیرِ سلطنت کے مشورے پر ٹیکسلا بھیجا گیا تھا، کیونکہ ٹیکسلا میں بغاوت ہوگئی تھی۔

سر جان مارشل کا اعتراض ہے کہ چونکہ بعض روایات کے مطابق کنال واپس وطن پہنچ کر مر گیا تھا، اس لیے یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی کہ اس کی بینائی اسے واپس مل گئی تھی۔

یوں سر جان مارشل نے اس سلسلہ میں جو بدھ روایات دہرائی ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ کنال کی آنکھیں جاتی رہی تھیں۔

ہمیں اس روایت کی صحت یا عدم صحت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کیونکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ کنال بہر حال ٹیکسلا کا وائسرائے بن کر آیا تھا۔ ہو سکتا ہے اس کی آنکھیں، ہتھیال پہاڑ کے اس مقام پر جہاں اس کے نام سے سٹوپا بنا ہے کسی حادثہ کے سبب ضائع ہوگئی ہوں اور اس کے باپ نے وہاں یادگار کے طور پر ایک سٹوپا بنا دیا ہو۔

یہ سٹوپا اس وقت سرکپ کے آثار کے جنوب میں ہتھیال کی ایک ڈھلوان پر موجود ہے۔ اس کی کرسی شرقاً غرباً ۶۳ فٹ نو انچ اور

۱- اے گائڈ ٹو ٹیکسلا، ص ۱۵۱

شمالاً جنوباً ۱۰۵ فٹ ایک انچ لمبی ہے - کرسی کے تین حصے ہیں - سب سے نیچے کا حصہ کارنتھی وضع کے چھوٹے چھوٹے خوبصورت ستونوں اور محدب حاشیوں سے آراستہ کیا گیا ہے، اس کے اوپر ہندی وضع کی دندانے دار ٹوڈیاں ، کارنسیں اور پرکال بنی ہیں - سٹوپا کے ساتھ کسی قدر بلندی پر مغربی سمت ایک وسیع خانقاہ کے آثار بھی برآمد ہوئے ہیں - اس کی بعض دیواریں اب تک موجود ہیں اور کہیں کہیں ۱۳ فٹ بلند ہیں -

اس سے تھوڑے فاصلہ پر ایک اور خانقاہ بنی ہے ، جو ٹیلے آ گہی پر بنے ہونے کے سبب خانقاہ آگہی کہلاتی ہے - گو سر جان مارشل نے اسے کنال خانقاہ کی اضافی خانقاہ ٹھیرایا ہے ، لیکن اس کا نقشہ کلوان خانقاہ سے بہت زیادہ مشابہ ہے - بلکہ اس کی ہو بہو نقل ہے - اس کے وسط میں بھی صحن کی بجائے بڑا ہال کمرا بنا ہے اور اس سے ملحقہ ویسے ہی چھتے ہوئے راستے ہیں ، جیسے کہ کلوان خانقاہ کے ہیں - اگر کوئی فرق ان دونوں عمارتوں میں ہے ، تو وہ حجروں کی تعداد میں ہے - گو عمارت کے شمالی اور جنوبی حصوں کی دیواریں کافی ضائع ہو چکی ہیں اور حجروں کی صحیح تعداد کا تعین ممکن نہیں ہے ، تاہم اس وقت پندرہ حجروں کے آثار موجود ہیں -

فصل نہم

مہڑہ مرادو ، پپلا ، جولیاں ، بھامل ، بھلر ، لال چکی اور بادل پور

اگر ہم سرسکھ شہر سے جنوب مشرق کی سمت ایک میل کے قریب چلیں تو ہمیں ایک چھوٹا سا درہ دکھائی دے گا جس کے چاروں طرف کے جنگل زیتون اور سنتھا کے پودے اگے ہیں اور ماحول خاصا سرسبز اور شاداب ہے۔

سرجان مارشل کے نزدیک یہ درہ جسے ماضی میں بدھ راہبوں نے اپنی رہائش گاہ کے طور پر پسند کیا تھا ، پہاڑوں کے مابین ایک پیالے کی شکل و صورت لیے ہوئے ہے۔

سرجان مارشل نے جب اس پیالے نما درہ میں بنی ہوئی بدھ عمارت کی پہلے پہل نقاب کشائی کی تو ساری عمارتیں پتھروں کے بڑے ڈھیر میں چھپی ہوئی تھیں۔ البتہ بڑے سٹوپے کے ٹوٹے ہوئے گنبد کا ایک حصہ نمایاں تھا۔ گو یہ سٹوپا کبھی ٹیکسلا کے ممتاز سٹوپوں میں شمار ہوتا تھا ، لیکن طرزِ تعمیر کے لحاظ سے اس میں کوئی خاص خوبی نہیں ہے البتہ اس کی دیواروں کے ساتھ نصب مورتیاں گندھارا فنِ مصوری کی شاہکار ہیں۔

سرجان مارشل کا بیان ہے کہ یہ مورتیاں سٹوپا کی کرسی سے لے کر گنبد کے چبوترے تک برابر مسلسل نصب کی گئی تھیں۔

ان میں سے کچھ مورتیاں تو سرجان مارشل نے میوزیم میں رکھوادی ہیں البتہ ستونوں کی مورتیاں اب بھی ہر زائر کی توجہ اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں۔ سرجان مارشل کہتے ہیں کہ یہ جوں جوں اوپر کو بڑھتی گئی ہیں ، ان کا حجم نسبتاً کم ہوتا گیا ہے۔ زینے کے دونوں طرف بھی یہی دہرائی گئی ہیں اور یہ بھی جوں جوں اوپر کو اٹھتی ہیں ، ان کا حجم نسبتاً کم ہوتا گیا ہے۔

سرجان مارشل کے نزدیک ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان کے خد و خال میں زندگی جھلکتی نظر آتی ہے۔ بلکہ کہیں کہیں تو

ایسا لگتا ہے کہ بت حرکت کرنے کو ہیں ۔ کپڑوں کے شکن اور جسم کے ابھار بالکل حقیقت کے ترجمان ہیں اور جو اعضا کپڑوں سے باہر ہیں ، ہر لحاظ سے حقیقی معلوم ہوتے ہیں ۔

سرجان مارشل کے نزدیک یہ مورتیاں نہایت اعلیٰ یونانی مجسموں کا ہم پلہ قرار دی جا سکتی ہیں اور ان میں تمام وہ خوبیاں موجود ہیں جو صفِ اول کے مجسموں میں ہو سکتی ہیں (۱) ۔

بڑے سٹوپے سے متصل جنوبی سمت ایک اور چھوٹا سٹوپا بنا ہے ، اس کی شکل و صورت بھی بڑے سٹوپے جیسی ہے اور اس کے زینوں کے دونوں اطراف پیشانیوں اور ستونوں پر ویسی ہی مورتیاں ایستادہ تھیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے ۔

کسی دور میں ان سٹوپوں کے متصل خانقاہ بھی بہت اہمیت رکھتی تھی اور بدھ تعمیرات میں اول درجہ کی تعمیر سمجھی جاتی تھی ۔

نقشہ کے لحاظ سے تو اس میں کوئی خاص خصوص نہیں ہے ، وہی عام خانقاہوں کی طرح اس کے اندر ایک مستطیل صحن ہے ۔ صحن کا دروازہ شمالی طرف واقع ہے ۔ جس کے آگے پختہ سیڑھیاں بنی ہیں جو ایک مسطح چبوترہ پر ختم ہوتی ہیں ۔ چبوترے کے متصل ایک ڈیوڑھی ہے ، جس کی مغربی دیوار کے ایک بڑے سے طاق میں مہاتما بدھ کی ایک نہایت خوبصورت مورتی رکھی ہے ۔ یہ مورتی ان ہی مورتیوں سے مشابہ ہے ، جن میں مہاتما آلتی پالتی مارے بیٹھے ہیں اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں الجھی ہیں ، مہاتما کے پیچھے چار چیلے کھڑے ہیں ۔

خانقاہ ئی اصل عمارت ستائیس محرابوں پر مشتمل ہے اور صحن کے بالکل وسط میں دو فٹ گہرا مربع تالاب بنا ہے ، جو خانقاہ کا حمام یا غسل خانہ تھا ۔ تالاب کے نشیب کے چاروں طرف پانچ پانچ فٹ کے فاصلہ سے پتھر کی سلیں نصب ہیں ۔ غالباً ان سلوں پر لکڑی کے ستون کھڑے کرکے پورے ماحول میں لکڑی کا ایک برآمدہ بنایا گیا تھا ۔

سرجان مارشل کا خیال ہے کہ یہ عمارت دو منزلہ تھی کیونکہ دوسری منزل کی سیڑھیاں اب تک جنوبی پہلو کے ایک حجرے میں موجود ہیں ۔

۱۔ اے گائڈ ٹو ٹیکسلا

گو حجروں کے اندر کی طرف کی دیواروں پر چونے کا پلستر تو تھا ، مگر کوئی اور زیبائش نہ کی گئی تھی البتہ کمروں کے سامنے کے برآمدہ کو مہاتما بدھ کی مورتیوں سے خوب سجایا گیا تھا ۔ مہاتما بدھ کے علاوہ یہاں اور بہت سے بدھ سربراہوں کی مورتیاں بھی نصب کی گئی تھیں (۱) ۔

اس خانقاہ کے حجرے نمبر۹ میں کنجور کے پتھر سے بنا ہؤا ایک نادر اور غیر معمولی سٹوپا بھی برآمد ہؤا ہے جو گول ہے اور بارہ فٹ اونچا ہے ۔ اس کی کرسی کو اس کے معمار نے پانچ درجوں میں تقسیم کیا ہے ۔ نچلے حصہ میں کہیں آدمیوں کی شکل کے ستون بنے ہیں اور کہیں ہاتھیوں کی صورت کے ۔ سرجان مارشل کے نزدیک نچلا درجہ کچھ زیادہ خوبصورت نہیں ہے البتہ دوسری سطح پر زیادہ محنت کی گئی ہے شاید اس لیے کہ اس میں مہاتما بدھ کی مورتیاں بنائی گئی ہیں ، تیسرے درجہ کی سجاوٹ بھی مہاتما بدھ کے مجسموں سے کی گئی ہے ۔

پانچ منزلوں کے بعد ایک گول دائرہ بنا ہے جو ایک پیالہ سے ڈھکا ہے اور اس کے اوپر پتھر کی سات چھوٹی بڑی چھتریاں ہیں ۔ جس کمرے میں یہ سٹوپا رکھا تھا اس کی دیواریں بڑی محنت سے ان گھڑ پتھروں اور کنجور کی کتلوں کی مدد سے اٹھائی گئی ہیں اور کنجور کی کتلوں کی تہیں بڑی باقاعدہ اور بہت ہی نفیس ہیں ۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کمرا کسی بڑے راہب کی رہائش گاہ تھا اور اسے پوری خانقاہ میں سب سے ممتاز حیثیت حاصل تھی ، تبھی اس میں یہ سٹوپا رکھوایا گیا تھا اور تبھی اس کی تعمیر پر زیادہ توجہ کی گئی تھی (۲) ۔

پپلا

سرکپ سے جو سڑک جولیاں کو جاتی ہے اس سے کوئی چار سو گز جانب جنوب کسی قدر ہٹ جائیں تو پہاڑیوں کے مابین پپلا واقع ہے ۔ پپلا کی بدھ خانقاہ اور سٹوپا کی عمارتیں گو مہڑہ مرادو ایسی حیثیت نہیں رکھتیں ، تاہم اس اعتبار سے قابل دید ہیں کہ وہ سرسکھ اور مہڑہ مرادو کے

۱- اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ۱۵۹ - ۱۶۰

۲- ایضاً ، ص ۱۶۱ - ۱۶۲

ہم عصر ہونے کے ساتھ ساتھ پانچویں صدی تک قائم رہی تھیں ۔ گو اصل عمارتیں گرتی گئی تھیں ، لیکن ان کی جگہ نئی عمارتیں بنتی گئیں اور بالآخر پانچویں صدی عیسوی تک چلیں ۔ اس وقت جو عمارت موجود ہے وہ آخری دور کی ہے اور اچھی حالت میں ہے یہ مہوڑہ مرادو سے یوں تو کسی قدر چھوٹی ہے ، لیکن بالکل اس سے مشابہ ہے یعنی شمال میں حجرے ، جنوب میں اسمبلی ہال ، باورچی خانہ ، نعمت خانہ اور مشرق میں ایک بڑا اور تین چھوٹے چھوٹے سٹوپے بنے ہیں ۔ بڑے سٹوپے کی کرسی مربع ہے ۔ اس سے چھوٹے سٹوپوں کی تعمیر بھی اسی نوع کی ہے ۔

یہ عمارت اصل میں دو منزلہ تھی کیونکہ اسمبلی ہال اور باورچی خانہ سے ملحق ایک کمرے میں اوپر کو جانے والی سیڑھیاں بنی ہیں جو ادھوری ہیں تاہم ان کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے ذریعہ نچلی منزل سے اوپر جایا جاتا تھا ۔ اس عمارت کے جنوب مشرق حصے کے ایک حجرہ میں سے ایسا ہی سٹوپا برآمد ہؤا ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے مگر یہ سٹوپا ۱۲ فٹ کی بجائے نو فٹ بلند ہے اور اس کی نچلی تہ میں انسانوں اور ہاتھیوں کی مورتیوں کی بجائے محض ستون بنے ہیں ، البتہ گنبد کے نچلے حصہ پر مہاتما بدھ کی آٹھ مورتیاں براجمان ہیں ۔ خانقاہ کے باہر ایک اور سٹوپا بھی قائم ہے ، جس کی چنائی دوپاری پتھروں سے کی گئی ہے ۔ سٹوپے کی کرسی کو بھی بدھ مہاتما کی تصویروں سے مزین کیا گیا ہے ۔ سٹوپا کے گرد ایک طواف گاہ بھی بنی ہے اور پوری کرسی مہاتما بدھ کی تصویروں سے مزین ہے تاکہ طواف کرنے والے قدم قدم پر سر جھکاتے اور ثواب کماتے جائیں ۔

سرجان مارشل کے نزدیک یہ تصویریں بھی ویسے ہی نفیس آرٹ کی مظہر ہیں جیسے کہ موہڑہ مرادو کی ہیں ، فرق صرف اتنا ہے کہ موہڑہ مرادو کی تصویریں زیادہ محفوظ رہی تھیں اور خراب نہیں ہوئی تھیں اور یہ ٹوٹی ہوئی ہیں اور سخت خراب حالت میں ہیں (۱) ۔

خانقاہ کی کھدائی کے وقت بہت سے سکے بھی ملے ہیں ، جن میں سے ساسان ، کاڈفیسز اول ، دوئم ، کنشک ، واسودیو ، شاپور ثانی اور ثالث کے

۱۔ اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ۱۶۱

سکے اس امر کے معلن ھیں کہ یہ عمارت کشان بادشاھوں کے شروع عہد میں تعمیر ھوئی تھی - تقریباً اس وقت جب سرسکھ آباد ھؤا اور اس کی بربادی کا زمانہ شاپور ثالث کے بعد کا ھے -

جولیان

ھم نے ٹیکسلا کی جتنی عمارتوں کے آثار دیکھے ھیں ان سب میں جولیاں کے آثار بہت اچھی حالت میں ھیں - اتنی اچھی حالت میں کہ عام دیواروں کو دیکھ کر ایسا لگتا ھے جیسے تھوڑی مدت ھوئی اس کے معماروں نے اسے بناتے بناتے اچانک چھوڑ دیا ھے ، البتہ سٹوپوں کے '' درجات '' میں نصب مہاتما بدھ کی لاتعداد مورتیوں کے کٹے ھوئے سروں ، ٹوٹے ھوئے ھاتھوں اور بگاڑے ھوئے اعضا سے ذھن بدل جاتا ھے اور خیال گزرتا ھے کہ اس عمارت پر بھی غالباً ھنوں کے زمانہ ھی میں تباھی آئی تھی -

بہرحال یہ عدیم النظیر اور غیر معمولی ساخت اور انداز کی بدھ خانقاہ جو خانقاہ جولیاں کے نام سے مشہور ھے سرکپ کے آثار سے کوئی تین ، سوا تین میل شمال مشرق جانب ایک پہاڑی پر واقع ھے ، پہاڑی ماحول سے کوئی تین سو فٹ اونچی ھے اور اس تک رسائی پانے کے لیے تین ، سوا تین میل تک پختہ سڑک پر چلنا پڑتا ھے اور پھر ایک کچی سی پگڈنڈی ایک خشک نالے تک رسائی پاتی ھے ، جو خانقاہ والی پہاڑی اور اس کے پہلو کے پہاڑ کو دو ٹکڑے کرنے کے بعد شمال مغرب کی طرف بہتا ھے - سردیوں میں یہ نالہ عام برساتی نالوں کی طرح خشک رھتا ھے اور اس کے پیندے کے اندر سے گزرتی پگڈنڈی پر چلنے والے بڑی آسانی کے ساتھ جولیاں خانقاہ کی سمت چڑھتی راہ پر پہنچ جاتے ھیں - اس راہ پر محکمۂ آثارِ قدیمہ کی خاصی توجہ مبذول رھی ھے کیونکہ وہ عام پہاڑی راستوں کی طرح دشوار گزار نہیں ھے -

اس راستہ کے ذریعہ تین سو فٹ کی بلندی پر چڑھنے کے بعد خانقاہ کا بڑا دروازہ آتا ھے ، جس کے اندر داخل ھونے کے بعد ایک مختصر سے صحن سے گزرتے وقت ان سٹوپوں پر خواہ مخواہ نظر اٹھ جاتی ھے جن کے دائیں بائیں ، آگے پیچھے مہاتما بدھ کے لاتعداد مجسمے بنے ھیں - سٹوپوں کی ٹوپیاں اور گنبد اس وقت موجود نہیں ھیں اور محکمۂ آثارِ قدیمہ نے ان کی

حفاظت کی خاطر ان پر چھتیں ڈال دی ہیں تاکہ وہ مورتیاں بارش سے بچی رہیں جن کے سبب یہ سٹوپے زمانۂ ماضی میں بھی اور اب بھی حد درجہ دلچسپ ہیں ۔ سٹوپوں کی مربع کرسیاں کنجور کی بڑی بڑی سلوں سے بنائی گئی ہیں ، جن کے اوپر چاروں طرف مہاتما بدھ بودھی ستوا اور ان کے چیلوں کی مورتیاں نصب ہیں جو غالباً متعدد نیک لوگوں نے اپنے اپنے خرچ پر بنوائی تھیں کیونکہ جہاں جہاں یہ نصب ہیں وہاں ان لوگوں کے نام بھی کندہ ہیں ۔ یہ تحریریں یا مختصر کتبات خروشتی رسم الخط میں ہیں اور اتنے واضح اور صاف ہیں کہ بڑی آسانی سے پڑھے جاتے ہیں ۔

انھیں دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ پندرہ سو سال گزر جانے کے باوجود ان کے حروف قطعاً مدھم نہیں ہوئے ۔ ایسا لگتا ہے جیسے پندرہ سو سال کے عرصہ میں ان پر بار بار تباہی نہیں آئی اور غالباً ہنوں نے جب خانقاہ میں آگ لگائی تھی تو خانقاہ کی لکڑی کی چھتیں ، ٹوپیاں اور گنبد جل کر ان کے اوپر گرے تھے اور ملبہ کی ایک گہری تہ نے انھیں مزید حوادثِ زمانہ سے قطعاً محفوظ رکھا یا شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ پندرہ سو سال کے درمیانی عرصہ میں پہاڑ پر چڑھنے والی پگڈنڈی ، پتھروں اور ملبہ سے اٹ گئی ہو یا معدوم ہوگئی ہو ۔

سرجان مارشل کی رو سے اس خانقاہ اور اس کے سٹوپوں کی تعمیر گو کشان عہد کے شروع میں ہوئی تھی لیکن اس کی مرمتیں اور اس کے اندر بنی چونے کی مورتیں آخری عہد کی ہیں یعنی پانچویں صدی عیسوی کی ۔

بڑے سٹوپے کی شمالی پیشانی پر مہاتما بدھ کی جو مورتی نصب ہے اس کی ناف میں معمار نے ایک گول سوراخ کر رکھا ہے اس کے متعلق روایت ہے کہ ناف کے اس سوراخ میں جو بیمار انگلی ڈال دیتا ، وہ بیماری سے شفا پا لیتا ۔ اس ناف والے بت کے ساتھ ''کرسی پر'' ایک کتبہ درج ہے جس میں خروشتی رسم الخط میں لکھا ہے کہ یہ مورتی ایک شخص بدھ متر نے بنوائی اور نصب کی ۔ اس بڑے سٹوپا سے متصل سٹوپا نمبر الف ۱۵ پر اس نام کا ایک اور کتبہ نصب ہے جس کے الفاظ ہیں ''سنگھا متراسہ بدھ دیواسہ ، بھکشو دانا مکھ'' ''مقدس برادری کا متر بدھ دیو نامی بھکشو'' نے یہ مورتی نذر کی ہے ۔ ایسی ہی متعدد عبارتیں اور بھی جا بجا چونے سے لکھی ہیں ۔

سرجان مارشل کہتے ہیں کہ ان کتبات اور کئی دوسری تحریروں سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ خروشتی خط پانچویں صدی عیسوی کے اختتام تک ٹیکسلا کی عوامی زبان کا رسم الخط تھا

اس سٹوپا کے تبرکات کے خانہ سے سرجان مارشل کو ایک نادر وضع کا سٹوپا بھی ملا ہے جو تین فٹ آٹھ انچ اونچا ہے اور چونا کا بنا ہؤا ہے۔ اس کے گنبد پر عقیق ، لاجورد ، لعل سلیمانی ، نیلم اور نرم یاقوت کے نگینے جڑے ہیں۔

سٹوپا کی طرح خانقاہ کی عمارت بھی خاصی ندرت کی حامل ہے ؛ جوں ہی زائر اس میں داخل ہوتا ہے ، اس کے عجائبات آشکار ہونے لگتے ہیں۔ ڈیوڑھی سے ملحقہ حجرہ میں اس کی نگاہ ایک ایسی دلفریب مورتی پر اٹھ جاتی ہے جو اگر مہاتما بدھ کی نہ ہوتی تو اسے دیکھ کر شبہ ہو جاتا جیسے کہ وہ جاندار ہے۔

اس خانقاہ کے وسط میں بھی عام خانقاہوں کی طرح ایک کھلا صحن ہے اور صحن کے چاروں طرف حجرے ہیں۔ وسط صحن میں موہڑہ مرادو کی طرح عام عمارت کی سطح سے خاصا نشیب میں ایک چھوٹا سا تالاب بنا ہے اور حجروں کی زیادہ تعداد مشرقی جانب ہے۔ صحن کے شمالی پہلو کے ایک کمرے میں اوپر کی منزل کو جانے والی سیڑھیاں بنی دیکھ کر گمان گزرتا ہے کہ خانقاہ دو منزلہ تھی اور یہ دوسری عمارت کا ملبہ تھا جس نے اس خانقاہ کے باقی ماندہ آثار کو اپنے اندر چھپا لیا تھا اور آج ہم انہیں دیکھ کر بجا محسوس کرتے ہیں کہ اس کی تعمیر کو کچھ زیادہ مدت نہیں گزری۔

سرجان مارشل کے نزدیک خانقاہ کی عمارت تو کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتی ، البتہ اس کے بعض حجروں کے بیرونی طاقوں میں مہاتما بدھ کی جو مورتیاں رکھی ہیں وہ لاجواب ہیں۔

یہ مورتیاں حسب ذیل ہیں :

(۱) مہاتما بدھ تلقین اور وعظ فرما رہے ہیں۔ مہاتما بدھ ایک تخت پر تشریف فرما ہیں جسے بونے اپنے سروں پر اٹھائے ہیں ، دونوں طرف دو دو چیلے کھڑے ہیں اور مہاتما ایک شاندار عورت اور ایک شاندار مرد کو وعظ فرما رہے ہیں۔ عورت زیورات

پہنے ہے اور اس کے بالوں میں پھول ٹکے ہیں ۔

(۲) ایسی ہی ایک مورتی حجرہ نمبر ۱۷ کے سامنے کے طاق میں نصب ہے ۔

(۳) حجرہ نمبر ۲۹ کے سامنے کے طاق میں ایک اور تصویر میں مہاتمابدھ کھڑے دکھائی دیتے ہیں اور ان کے گرد دس بارہ آدمی جمع ہیں ۔ سب سے عجیب مورتی ایک اس شخص کی ہے جس نے سر پر سواتی انداز کی ٹوپی پہن رکھی ہے ؛ کرتہ گھٹنوں گھٹنوں تک لمبا ہے ۔ پاجامہ میں بٹن لگے ہیں اور پائنچے تنگ ہیں ۔

اس خانقاہ سے خروشتی رسم‌الخط کے علاوہ برھمی رسم الخط کی ایک مہر بھی برآمد ہوئی ہے جس پر ''شری گلیشورا'' کے الفاظ کندہ ہیں ۔ ایک اور دستاویز بھی ملی ہے جو برھمی رسم‌الخط میں لکھی ہوئی ہے ۔ یہ غالباً کسی بدھ منظوم تحریر پر مشتمل ہے ۔ زبان سنسکرت ہے اور رسم الخط برھمی ہے ۔

دو سو سے زیادہ سکے بھی دستیاب ہوئے ہیں جن میں کشانی بھی ہیں اور ساسانی بھی اور یہ سب سکے چوتھی اور پانچویں صدی کے ہیں ۔ اس لیے یہ بات اور بھی یقینی ہو جاتی ہے کہ یہ خانقاہ پانچویں صدی عیسوی میں تباہ ہوئی تھی ۔ اگر اس کی تباہی بعد میں ہوئی ہوتی تو لازماً پانچویں صدی کے بعد کے سکے بھی برآمد ہوتے ۔

کھودتے وقت لوہے کی سیخیں ، قبضے ، کنڈے ، پختہ مٹی کے برتن ، مٹیاں اور گھڑے بھی کافی تعداد میں دستیاب ہوئے ہیں ۔

بھامل سنگھا راما

بھامل سنگھا راما خانقاہ تنہا ایسی بدھ خانقاہ ہے جو ٹیکسلا کی آبادی سے خاصے فاصلہ پر بنی تھی ۔ یہ خانقاہ ٹیکسلا سے کوئی دس میل بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ فاصلے پر ھرو وادی کے بالکل سر پر اور مری پہاڑیوں کے دامن میں آباد کی گئی تھی ۔ تین طرف سے اسے ھرو ندی گھیرے ہوئے تھی اور ایک طرف مری کی پہاڑیاں ۔

یہ خانقاہ جس چوکی پر قائم ہے اس کا طول کوئی چار سو فٹ شرقاً غرباً ہے اور ایک سو چالیس فٹ شمالاً جنوباً ہے ۔ وسط میں ٹھوس

سٹوپا بنا ہے اور اس کے گرد چھوٹے چھوٹے کئی سٹوپے اور مندر ہیں اور مشرق سمت عام خانقاہوں کی طرز کی خانقاہ کی عمارت ہے ۔ مغرب میں کچھ اور عمارتیں بھی بنی نظر آتی ہیں ، لیکن سرجان مارشل نے ان کی خراب حالت کی بنا پر کھدائی نہیں کی ۔

سٹوپا کی اصل عمارت اب تک کوئی تیس فٹ اونچائی میں باقی ہے ۔ اس کی کرسی تین فٹ ہوگی جو کنجور کی بڑی بڑی سلوں سے بنائی گئی ہے ۔

سٹوپا کی عمارت پانچویں صدی کی عام عمارتوں کی طرح گھڑے ہوئے پتھروں سے بنی ہے ۔ کہیں کہیں ستون بھی ہیں اور مورتیاں بھی ہیں ۔ ان میں ایک خاص مورتی ایسی بھی ہے جیسی کسی اور عمارت میں موجود نہیں ہے ۔ یہ مورتی اس وقت کی عکاسی کرتی ہے جب مہاتما بدھ موت کے دامن میں سو گئے تھے ۔ مہاتما لیٹے ہوئے دکھائے گئے ہیں ۔ ان کے دونوں طرف آگے اور پیچھے ان کے چیلے معتقدین کھڑے ہیں ، ایک عورت پاؤں پر جھکی ہے اور باقی مرنے والے آقا کو بڑی حسرت کے ساتھ دیکھ رہے ہیں ۔

اس مورتی کے علاوہ اور بھی کئی اعلیٰ درجہ کی مورتیاں یہاں موجود ہیں مگر سخت خستہ حالت میں ہیں ۔

سٹوپا کے ''تبرکات'' والے خانہ سے معمول کے خلاف ''تبرکات'' برآمد نہیں ہوئے ۔ البتہ گیارہ اور ساڑھے چودہ فٹ اندر کی طرف سکوں کے دو ذخیرے برآمد ہوئے ہیں ۔ ان میں سے ایک میں چھ سکے تھے اور دوسرے میں ایک سو تیرہ ۔ یہ سارے کے سارے سکے چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی کے ہیں ۔

یہ سٹوپا جس صحن میں بنا ہے اس کی چوکی متصلہ خانقاہ سے کوئی سات فٹ اونچی ہے اور جس دروازے کے اندر سے زائر اس میں داخل ہوتا ہے اس کے مشرق اور مغربی سمت دو چھوٹے چھوٹے مورتی مندر ہیں جن میں سے مورتیاں تو غائب ہیں لیکن چوکیاں موجود ہیں ۔ ان سے متصل تین اور معبد ہیں ، جن میں سے دو کے منہ ایک دوسرے کے متوازی ہیں اور تیسرے کا منہ مغربی سمت ہے اور اصل سٹوپا سے متقابل ہے ۔

بڑے سٹوپا کے صحن میں تقریباً چھوٹے چھوٹے انیس سٹوپے بنائے

گئے ھیں ، جو غالباً اپنی مثال آپ ھیں ۔ ان سب سٹوپوں کی چوکیاں مربع اور چپٹی ھیں اور دھرما راجیکا سٹوپا کی ھو بہو نقل ھیں ۔

خانقاہ کی عمارت بھی ٹیکسلا کی دوسری خانقاھوں جیسی ھے یعنی اس کے وسیع احاطہ میں سامنے کی طرف حجروں کی صفیں ھی صفیں پھیلی ھیں اور پچھلی جانب اسمبلی ھال اور باورچی خانہ ھے ۔ اس کے نقشے میں سرجان مارشل کی رو سے دو امتیازات موجود ھیں ۔ پہلا یہ کہ اس کے جو حجرے مغربی سمت بنے ھیں ، ان کے آگے ایک وسیع برآمدہ ھے اور برآمدے کے دونوں سمت چھوٹے چھوٹے کمرے ھیں ۔ اس خانقاہ کا دوسرا امتیاز یہ ھے کہ اس کی اوپر کی منزل کی سیڑھیاں باورچی خانہ میں سے ھو کر اوپر کو جاتی تھیں ، جو سرجان مارشل کے نزدیک بہت عجیب سی بات ھے ۔

خانقاہ کے طرز تعمیر میں کوئی خاص بات نہیں ھے ، وھی دوپاری اور نیم تراشیدہ پتھر زیادہ تر استعمال ھوئے ھیں جن سے اس دور کی دوسری عمارات تعمیر ھوئی ھیں ۔ کہیں کہیں دو دو ، تین تین لائنیں صاف اور چورس پتھروں کی بھی ھیں ۔ اس کی اندر کی دیواروں پر بھی دوسری عام عمارات کی طرح مٹی کا پلستر کیا گیا تھا جس کے کئی حصے اس آگ کے سبب پک گئے جو تباھی کے وقت لگی تھی ۔ کئی دیواریں دس ، بارہ فٹ اونچی کھڑی ھیں اور کمرہ نمبر ۶ اور ۷ کا تو دروازہ اور دروازہ کے اوپر کی محراب خوب اچھی طرح محفوظ ھے (۱) ۔ روشندانوں کی جگھیں بھی موجود ھیں ، البتہ کھڑکیاں جو غالباً چھتوں سے ملی ھوئی بنائی گئی تھیں ضائع ھو چکی ھیں ۔

سرجان مارشل کو ملبہ کھودتے وقت بہت سی جلی ھوئی مٹی ملی ھے ، جس سے انھوں نے رائے قائم کی ھے کہ جو آگ اس خانقاہ میں لگی تھی وہ بہت شدید اور ھولناک تھی ۔ سرجان مارشل کا خیال ھے کہ اس عمارت کی کھڑکیاں ، برآمدوں ، دروازوں اور چھتوں میں دوسری خانقاھوں کی نسبت زیادہ لکڑی استعمال ھوئی تھی ، تبھی مٹی کا وہ لیپ جو دیواروں اور اوپر کی چھتوں پر ملا تھا ، پک گیا ھے ۔

۱۔ اے گائڈ ٹو ٹیکسلا ، ص ۱۷۶ ۔

اس خانقاہ میں سے جو نوادر اور قدیم مصنوعات برآمد ہوئی ھیں ان میں سکوں کے ذخیروں کے علاوہ تیس چونے کی مورتیاں اور "سر" بھی ھیں - علاوہ ازیں سفید ھنوں کے اکیس چاندی کے سکے بھی ملے ھیں -

ان سکوں کی اکثریت برھمی رسم الخط کی حامل ھے - جس سے اندازہ ھوتا ھے کہ یہ سکے پانچویں صدی عیسوی کے آخر کے ھیں، کیونکہ پانچویں صدی عیسوی تک برھمی رسم الخط ٹیکسلا میں شاید ھی متعارف ھو سکا ھو -

بھلڑ سٹوپا

وادیٔ ھرو سے نصف میل بہ طرف شمال ایک اور مشہور سٹوپا کے آثار موجود ھیں جس کے بارے میں چینی سیاح ھیون سانگ کہتا ھے کہ اصل میں اس کی تعمیر مہاراج اشوک نے کی تھی، کیونکہ ایک بدھ روایت کے مطابق کسی قدیم دور میں مہاتما بدھ یہاں پیدا ھوئے تھے - انھوں نے یہاں کے راجہ چندر پربھ کی شکل میں جنم لیا تھا - ان دنوں ٹیکسلا کا نام بھدر شلہ تھا - اس عام بدھ روایت کے احترام میں مہاراج اشوک نے یہاں ایک سٹوپا کی تعمیر ضروری جانی (۱) - ھیون سانگ نے اس سٹوپا کے بارے میں یہ بھی کہا ھے کہ سوترانتک فرقہ کے بانی کمارلبدہ نے اسی میں بیٹھ کر اپنی تصانیف مکمل کی تھیں -

سرجان مارشل کے نزدیک اگر مہاراج اشوک نے ایسا کوئی سٹوپا تعمیر کرایا بھی تھا تو یہ کبھی کا ضائع بھی ھو چکا ھے - اس وقت جس سٹوپے کی عمارت کھڑی ھے وہ تو کافی بعد کی عمارت ھے (۲) -

سٹوپا کنال کی طرح اس کی عمارت ایک اونچی مستطیل کرسی پر قائم کی گئی ھے - کرسی کی مشرق سمت ایک بہت بڑا زینہ ھے جس کے آثار بہت مدھم ھو گئے ھیں - خیال گزرتا ھے کہ اوپر کی عمارت میں گنبد اور کئی چھتریاں بنی تھیں - اس وقت سٹوپا کی کافی بڑی عمارت کھڑی

۱- بدھسٹ ریکارڈز آف ویسٹرن ورلڈ جلد اول، ص ۱۳۸ - دیویا دندنہ جلد ۲۲، ص ۳۱۴ - ۳۲۸ -

۲- اے گائڈ ٹو ٹیکسلا، ص ۱۷۸ -

ہے اور غالباً شمال مغربی پاکستان کے سٹوپوں میں یہ پہلا سٹوپا ہے جو اس اونچائی پر اب تک آدھا پونا قائم ہے ۔

لعل چک

سرسکھ شہر سے شمال مشرق کے رخ آگے بڑھیں تو موضع گڑھی سیداں کو جانے والے راستہ پر سو یا دو سو گز کے مابین چار ٹیلے نظر آئیں گے ۔ یہی ٹیلے لعل چک کے نام سے مشہور ہیں اور ان کے اندر بدھ خانقاہیں اور سٹوپے کبھی دبے ہوئے تھے ۔ یہ سٹوپے اور خانقاہیں غالباً چوتھی صدی عیسوی میں تعمیر ہوئی تھیں ۔ ان تمام آثار میں سب سے بہتر آثار اس خانقاہ کے ہیں جو شمالی جانب واقع ہے ۔ اس کی کرسی عام سطح زمین سے کوئی سات آٹھ فٹ اونچی ہے اور سامنے کی طرف ایک ڈیوڑھی اور اس سے متصل چار کمرے ہیں ۔

سرجان مارشل نے یہ امکان بھی ظاہر کیا ہے کہ اصل عمارت دو منزلہ تھی ، کیونکہ ملبہ میں سے بہت سے کیل ، قبضے اور اسی قسم کا دوسرا سامان برآمد ہؤا ہے ، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اوپر کی منزل میں زیادہ لکڑی استعمال ہوئی تھی ۔ خانقاہ کے جنوب مشرق سمت ایک مستطیل صحن میں ایک سٹوپا کے آثار بھی موجود ہیں جس کی کرسی چورس ہے اور کرسی پر نیم ستون استادہ ہیں ۔

خانقاہ اور سٹوپا میں سے ایک سو چالیس سکے اور یشب ، نرم یاقوت ، بلور ، لعل ، لاجورد اور موتیوں کے متعدد دانے بھی ملے ہیں ۔

سٹوپا نمبر ایک اور خانقاہ کے مابین ایک اور عمارت کے آثار بھی برآمد ہوئے ہیں ، یہ بھی کوئی سٹوپا تھا ۔

بادل پور

بادل پور کا سٹوپا بھی گو ، بھلڑ اور کنال نامی سٹوپوں کی طرح کسی زمانہ میں بہت شاندار سٹوپا ہوگا ، لیکن اس وقت اس کی صرف کرسی موجود ہے جو بلاشبہ اسی فٹ لمبی اور بیس انچ موٹی ہے ۔ سٹوپے کے شمالاً اور جنوباً بھی کئی آثار موجود ہیں ، غالباً ان دونوں اطراف میں بہت سے کمرے بنے تھے اور ان کمروں میں مورتیاں رکھی جاتی تھیں ۔

ایک بڑی خانقاہ کے آثار بھی زمین کی چھاتی سے لگے دزدیدہ نگاھوں سے ھر زائر کو دیکھتے نظر آتے ھیں ۔ کہیں کہیں ان کی کھدائی ھو چکی ھے باقی ابھی تک مدفون ھیں ۔

اس عمارت سے جو سکے برآمد ھوئے ھیں وہ صرف کشان بادشاھوں کے ھیں اس لیے غالب خیال یہ ھے کہ یہ عمارت کشانی عہد ھی میں بنی اور آخر عہد میں فنا ھو گئی تھی ۔

تیرھواں باب

ارضِ پاکستان کے قدیم ترین سکے

۱۰۰۰ قبل از مسیح سے ۷۰۰ بعد از مسیح تک

فصل اول

سب سے قدیم عہد کے سکے

فاضل لینورمنٹ (Lenorment) ان علمائے تاریخ میں پیش پیش ہیں ، جن کی رو سے ارض مغربی پاکستان میں یونانیوں کی آمد سے پہلے سکے مسکوک کرنے کا فن قطعاً متعارف نہ تھا ۔ ان کا دعویٰ ہے کہ سکندر مقدونی جب شمال مغربی پاکستان میں داخل ہؤا ، تو یہ فن اپنے ساتھ لایا تھا(۱) ۔

گورنگا ناتھ بینرجی نے اپنی تصنیف ہیلنزم ان اینشنٹ انڈیا (Hellenism in Ancient India) میں فاضل لینورمنٹ کا یہ دعویٰ نقل کرنے کے بعد مسٹر تھامس کو خراج عقیدت پیش کیا ہے ، جنھوں نے ارض مغربی پاکستان اور ہندوستان کے اساتذۂ تاریخ کی ترجمانی کی اور لینورمنٹ اور ان کے ساتھیوں کے دعویٰ کی تردید کی ۔

گورنگا ناتھ بینرجی درمیانی راہ اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ گو تمام وہ قدیم سکے ، جن میں ذرا بھی فنی حسن موجود ہے ۔ جب بھی جانچے پڑتالے گئے ، خالصتاً یونانی ثابت ہوئے ۔ تاہم یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یونانیوں کے آنے سے پہلے ارض مغربی پاکستان اور ہندوستان میں سکوں کا رواج نہ تھا ۔ ارض مغربی پاکستان اور ہندوستان میں سکے مسکوک ہوتے تھے اور یہاں کے لوگ اس فن سے آگاہ تھے(۲) ۔

میجر جنرل سر کننگھم کا تو خیال ہے کہ بعض سکے ، جن میں مخصوص شبیہیں یا خصوصی علامتیں کندہ (Punch-marked) کی گئی

۱۔ ہیلنزم ان اینشنٹ انڈیا ، ص ۱۲۳ ۔ بٹر ورتھ اینڈ کمپنی کلکتہ ، لنڈن مطبوعہ ۱۹۲۰ء

۲۔ ایضاً ، ص ۱۲۴

ھیں ایک ھزار سال قبل مسیح اور اس سے بھی پہلے کے ھیں -

اور ان میں سب سے زیادہ قدیم سکوں کو تول کر لینے دینے کا رواج تھا - جیسے کہ منو کے باب ھشتم میں تصریح موجود ھے (نمبر ۱۳۲) -

گورنگا ناتھ بینرجی کے نزدیک سب سے قدیم شمال مغربی پاکستانی اور ھندوستانی سکے وہ ھیں جو کوٹی ھوئی چاندی سے ۳۲ رتی کے متوازی غیر متشکل اور بے ھنگم ، تکونے ٹکڑوں میں کاٹ لیے گئے ھیں اور جن پر نہ تو کوئی حرف کندہ ھے اور نہ علامت کھدی ھے -

کسی قدر بعد کے زمانہ میں جو سکے رائج ھوئے ، ان پر درختوں ، ستاروں اور جانوروں کی تصویریں کھودی جانے لگیں(۱) - ابتدائی تصویریں یا علامات محض علاقوں یا انفرادی حیثیت کی معلن تھیں ، ان سے کسی خاص مذھبی رسم کا اظہار مقصود نہ تھا(۲) -

مشہور مؤرخ ونسنٹ اے سمتھ نے کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم کلکتہ کی جز ۲ میں ''پنچ مارکڈ کائنز'' کے عنوان کے ماتحت اس قسم کے سکوں پر سیر حاصل تبصرہ کیا ھے - فاضل سمتھ کی رو سے گو کھدے ھوئے سکے بظاہر خاصے بے ھنگم اور بد وضع نظر آتے ھیں ، مگر ان پر کوئی عبارت تحریر نہیں ھے - نہ وہ کسی خاص تاریخ کے حامل ھیں اور نہ انھیں کسی خاص علاقے یا ریاست سے مخصوص کیا جا سکتا ھے - تاھم سکے مسکوک کرنے کی تاریخ قدیم میں تسکیکی سائنس کے ارتقا سے متعلق ، وہ لازمی اور خصوصی استناد کی حیثیت رکھتے ھیں - نیز ان سے اندازہ کیا جا سکتا ھے کہ متواتر کئی صدیوں تک ارض مغربی پاکستان اور ھندوستان میں کس قسم کی مذھبی اشارتی علامتیں استعمال ھوتی تھیں اور عوام کا مذھبی اور ذھنی رجحان کیا تھا -

''پنچ مارکڈ'' ''کھدے ھوئے سکے'' کی اصطلاح کا عام مفہوم

۱- اینشنٹ انڈین ویٹس ، ص ۵۲ -

۲- کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم کلکتہ جلد ۱ ، ص ۱۳۱ -

یہ ہے کہ سکوں پر ان کی خصوصی علامتیں یا شبیہیں کسی ایسی ڈائی کے ذریعے ثبت نہیں کی گئیں جو پورے چہرے کو ایک ہی وقت میں چھاپ دے۔

ونسنٹ اے سمتھ نے مسٹر تھیو بالڈ کا حوالہ دیا ہے، جنھوں نے بڑی محنت سے تین سو مختلف ''پنچ مارکڈ'' سکوں کی سیدھی سمتوں اور پشتوں پر کندہ شبیہوں اور علامات کا تجزیہ کیا ہے۔ ان کی رو سے یہ شبیہیں اور علامات چھ قسم کی ہیں۔ ۱۔ انسانی تصویریں۔ ۲۔ اسلحہ، انسانی مصنوعات، سٹوپے، معبد اور تیر کمان، اسی نوع کی اور دوسری چیزیں۔ ۳۔ حیوانات، ۴۔ درخت، ان کی شاخیں اور پھل، ۵۔ ایسی علامتیں، جو شو پوجا یا سورج پرستی کی ترجمان ہیں، ۶۔ غیر متعارف اور مبہم تشبیہات جن میں سے پہلی یعنی انسانی تصویریں تو بہت کم موجود ہیں، البتہ سٹوپوں کی تصویریں بہت عام ہیں اور سیدھی سمت بھی کھدی ہیں اور الٹی طرف بھی(۱)۔

موجودہ تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شروع دور میں سٹوپا یا معبد کی شبیہ، جینیوں اور بدھوں میں بہت محبوب تھی۔ خصوصیت سے جہاں تک سکوں کا تعلق ہے، ہم ان سکوں کو جن پر سٹوپوں کی شبیہیں کندہ ہیں۔ بدھ دور کے سکے ٹھیرا سکتے ہیں کیونکہ بدھ مذہب زیادہ رائج تھا اور بدھوں نے سیاسی اقتدار جینیوں کی نسبت زیادہ پایا تھا۔ تیر کمان والے سکوں کی تعداد بہت کم ہے۔ جن سکوں پر سونڈ اوپر کو اٹھائے ہوئے، ہاتھی کی شبیہ بنی ہے، وہ فاضل ونسنٹ سمتھ کے نزدیک قدیم سکے ہیں۔

ہنٹر نے اپنی تصنیف، سکرپٹ آف ہڑپا اینڈ موہن جو ڈیرو میں جو شبیہ نمبر ۴۷۸ چھاپی ہے وہ ہاتھی کی تو ہے، لیکن سونڈ جھکی ہوئی ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہاتھی کی شبیہ موہن جو ڈیرو اور ہڑپا کے دور میں بھی محبوب تھی(۲)۔

۱۔ کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم کلکتہ جز ۲، ص ۱۳۲۔

۲۔ ہنٹر، سکرپٹ آف ہڑپا اینڈ موہن جو ڈیرو نمبر ۴۷۸ و بیٹ نمبر ۱۔

اکثر سکوں پر مور کی شبیہ کندہ ہے - یہ شبیہ زیادہ تر سٹوپا یا بدھ معبد کے اوپر بنی ہے - ھنس کی شبیہ بھی بعض سکوں پر موجود ہے ، مگر ایسے سکے بہت کم ہیں - کچھ ایسے سکے بھی ہیں جن پر تالابوں اور ان میں تیرتی ہوئی مچھلیوں کی شبیہیں کندہ کی گئی ہیں - کچھ سکوں پر صرف مچھلیاں ہی بنی ہیں ، تالاب ندارد ہیں - درختوں کی شبیہوں میں ناریل زیادہ عام ہے -

ونسنٹ سمتھ کا خیال ہے کہ سکہ سازی کا فن جیسے کہ اکثر لوگوں کو علم ہے ، یونان میں لیڈیا سے پہنچا تھا ، جہاں تقریباً سات سو سال قبلِ مسیح میں پہلے سکے مسکوک ہوئے تھے جو خاصے بے ھنگم تھے - یہ سکے آھستہ آھستہ بہتر صورت اختیار کرتے گئے اور موجودہ حالت تک پہنچے - فاضل ونسنٹ سمتھ کے نزدیک یونان اور لیڈیا کے یہ پہلے سکے سونے اور چاندی کے مواد سے تیار کیے جاتے تھے ، لیکن اس کے برعکس شمالی ھندوستان کے پہلے سکے ، تانبے اور کانسی سے بنائے گئے کیونکہ یہاں شروع دور میں قیمت کا معیار '' تانبا '' تھا اور سب سے پہلے سکے تانبے ہی کے تھے -

فاضل ونسنٹ سمتھ نے اپنی کیٹلاگ کے نمبر ۸۰–۸۴ تک اور ۹۲–۹۴ تک کے بے ھنگم ، بے وضع اور چوکور پنچ مارکڈ ، ''کھدے ہوئے تانبے کے سکوں'' کو ٹیکسلا سے منسوب کیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ یہ سکے اگاتھوکلز اور پنٹیلون ، انڈو یونانی بادشاہانِ مغربی پاکستان ۲۰۰ قبلِ مسیح کے زمانہ کے زیادہ قیمت اور زیادہ وزن کے سکوں سے کافی پہلے کے ہیں - ان کی تاریخ ۳۰۰ اور ۴۰۰ قبلِ مسیح کے مابین قرار دی جا سکتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ ضلع بنارس کے ایک مقام بیرانت سے کارلائل نے جو بے ھنگم ، بد وضع کئی کونوں کے کھدے ہوئے تانبے کے بیس سکے حاصل کیے ہیں ، وہ ان سکوں سے زیادہ قدیم العہد ہوں - چاندی کے بعض وہ سکے ، جن میں بیس فی صدی کھوٹ کی آمیزش ہے ، خاصے قدیم کہے جا سکتے ہیں - بہت ممکن ہے ارضِ مغربی پاکستان اور ھندوستان کے بعض حصوں میں چاندی ، تانبے ، پیتل سے پہلے متعارف ہوئی ہو اور چاندی کے یہ سکے پیتل اور تانبے کے سکوں کی نسبت زیادہ پہلے کے ہوں - خصوصیت سے وہ سکے جن پر تین نقطے کندہ ہیں ، سب سے زیادہ عمر کے ہیں - لیکن بدنصیبی یہ ہے

کہ ہمارے پاس ایسی کوئی سند نہیں ہے ، جس کے ذریعہ ہم ان کی عمر متعین کر سکیں اور یہ کہ سکیں کہ وہ ملک کے کن حصوں میں پہلے پہل بنائے گئے تھے(۱) -

ان میں سے چاندی کے وہ سکے ، جن کی شکلیں کچھ محرابی سی ہیں اور جن کی سیدھی اطراف میں شبیہیں بنی ہیں اور الٹے رخ خالی ہیں تقریباً ۵۰۰ قبل مسیح سے ۶۰۰ قبل مسیح کے زمانہ کے ہیں(۲) -

ونسنٹ سمتھ کا خیال ہے کہ کھدے ہوئے سکوں میں زیادہ قدیم العہد وہ ہیں ، جن کے الٹے رخ خالی ہیں - خصوصیت سے ایسے جن کے وجود ھلکے ہیں اور ساخت پتلی ہے(۳) -

بعض علمائے تاریخ کا یہ بھی خیال ہے کہ کھدے ہوئے سکے ، سرکار کی طرف سے جاری نہیں کیے گئے تھے ، یہ انفرادی اداروں یا کاروباری گروہوں یا چاندی کے زیورات بنانے والے صرافوں نے بنائے تھے اور حکومت کی اجازت سے انھیں رائج الوقت سکوں کی حیثیت دی تھی - پہلے رخ پر جو مختلف نشان کندہ ہیں ، وہ ان مختلف صرافوں نے کندہ کیے تھے جن کے ھاتھوں میں یہ سکے وقتاً فوقتاً آتے جاتے - پچھلی سمت کے نشانات کو سرکاری نشان قرار دیا جا سکتا ہے - .

بیان ہوا ہے کہ ارض پاکستان اور ہندوستان کے پہلے سکہ ساز صرافوں نے جب سکے بنانے کا کاروبار شروع کیا ، تو انھوں نے چاندی کو کوٹ کوٹ کر اسے ایک مسطح تختی کی شکل دے لی اور پھر اسے ایک خاص وزن تقریباً ۱۰۰ رتی کے برابر ، برابر ٹکڑوں میں کاٹ لیا - جی چاہا تو کناروں پر حاشیے بنا لیے اور نہیں تو اسی شکل میں بازار میں چالو کر دیا اور چونکہ چاندی کی سطح تختی سے صاف اور سیدھے چوکور ٹکڑے کاٹنے میں زیادہ دقت ہوتی ، اس لیے تین کونوں کے یا غیر متوازی الاضلاع ٹکڑے عموماً کاٹ لیے جاتے - چوکور سکوں کے بارے میں خیال کیا گیا ہے کہ وہ کسی قدر بعد کے دور کے ہیں

۱- کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم کلکتہ جلد ۲ ، ص ۱۳۳ -
۲- کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم کلکتہ
۳- ایضاً -

جب سکہ ساز زیادہ نفاست پسند ہوگئے تھے اور سکے بنانے میں زیادہ محنت گوارا کر لیتے تھے۔

ونسنٹ سمتھ کا گمان ہے کہ تین کونے یا غیر متوازی الاضلاع سکے صدیوں تک رائج رہے تھے ۔ یوں بعض افراد نے اس دور میں چوکور سکوں کی طرح ڈال دی تھی(۱) ۔

ارض مغربی پاکستان اور قدیم ہندوستان میں کوہ ہمالیہ کے ڈھلوانوں اور دامنوں سے لے کر راس کماری تک کے علاقہ میں چاندی کے جو کھدی ہوئی سطحوں کے سکے صدیوں تک جاری رہے تھے ، ان کی یہ خصوصیت قابل لحاظ ہے کہ ان کے وزن میں پورے ملک کے کسی گوشہ میں بھی کوئی فرق نہ پایا جاتا تھا ۔ ہر جگہ کے سکے وزن میں قطعاً برابر تھے ۔

سر کننگھم کا بیان ہے کہ چاندی کے کچھ پرانی وضع کے کھدے ہوئے سکے انٹی ماچوس ثانی (Antimachus II) ، فیلوکس نیوس (Philoxenuse) ، لیسیز (Lysias) ، انٹی الکیڈس (Antialkidas) ، اور میناڈر (Menander) کے سکوں کے ساتھ ساتھ دفن ملے ہیں ۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہم نے شروع میں جن سکوں کا عہد ۲۰۰ قبل مسیح قرار دیا ہے ، وہ صحیح ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ یہ زمانہ کسی قدر پہلے بھی ہو اور ہو سکتا ہے کہ (Cuitus Curtius) کوٹوس کرٹیوس کی روایت کے مطابق ۳۲۶ قبل مسیح میں ٹیکسلا کے راجہ امبھی ''اوبھس'' نے سکندر مقدونی کے حضور جو سکے نذر گزارے تھے وہ یہی کھدے ہوئے سکے ہوں(۲) ۔

ضلع غازی پور کے ایک مقام مسان دہ سے کارلائل کو تانبے کا جو ایک عدد تنہا ''کھدا ہؤا'' سکہ دستیاب ہؤا ۔ اس پر کچھ عبارت بھی لکھی ہوئی ہے ، کارلائل کا خیال ہے کہ یہ سکہ اشوک عہد کا ہے(۳) ۔

۱- کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم کلکتہ ، جلد ۲ ، ص ۱۳۵ ۔
۲- کائنز آف اینشنٹ انڈیا ، ص ۵۴ ۔
۳- کننگھم ، رپورٹس جلد اول ، ص ۷۰ ۔ ایضاً ۱۰۳ ۔

اس سے ظاهر هوتا هے که چاندی کے یه قدیم نوع کے سکے جب ملک میں رائج تھے ، تو ان کے ساتھ ساتھ تانبے ، کانسی کے سکے بھی چلتے تھے ، جو ریزگاری کے کام آتے ، بلاشبه ریزگاری کا کام کوڑیوں سے بھی لیا جاتا تھا(۱) -

ونسنٹ سمتھ نے سر کننگھم کے اس نظریه کو قرین قیاس نہیں سمجھا که ارض پاکستان اور هندوستان میں سکوں کا رواج ایک هزار قبل مسیح سے شروع هو چکا تھا(۲) -

جیمز پرنسپ تو اس بات کو سرے سے شبه کی نگاہ سے دیکھتے هیں که ۳۲۶ قبل مسیح سے پہلے ارض پاکستان اور هندوستان میں سکوں کا فن متعارف تھا - وہ کہتے هیں که جس طرح چین میں ان دنوں بھی سونے اور چاندی کو تول کر قیمتوں کا تعین کیا جاتا هے ، اسی طرح ارض پاکستان اور قدیم هندوستان میں یه قیمتی دھاتیں ، اجناس اور اشیائے ضرورت کی قیمتوں میں تول کر لی اور دی جاتی تھیں -

فاضل جیمز پرنسپ نے دلیل پیش کی هے که هندوؤں کی کسی بھی قدیم‌العهد مذهبی تصنیف میں مسکوک سکوں کا ذکر موجود نہیں هے - اگر قدیم عهد میں سکے مسکوک کیے جاتے ، تو ان کا ذکر لازماً ان کتابوں میں کسی نه کسی جگه ضرور هوتا - پورانوں میں جو لفظ ''سورنه'' بکثرت استعمال هؤا هے اس سے مراد محدود وزن کا سونے کا ٹکڑا هے ، جو اب بھی آوا اور چین میں لین دین میں کام آتا هے -

کول بروک کا بیان هے که منو کے نزدیک سورنه ، کرشا ، ارشا یا تلکه ، سوله ماشوں کے هم وزن تھا - جس کے معنی صاف هیں که پورانوں میں جس ''سورنه'' کا ذکر هے وہ سونے کا ایک خاصا چھوٹا ٹکڑا تھا - شبه پیدا هوتا هے که هو سکتا هے که سونے کے اس ٹکڑے پر کوئی چھاپ بھی هو -

اس کے برعکس اب بھی اس سے بھی کم وزن کے سونے کے ٹکڑے

۱- کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم کلکته -

۲- ایضاً ، ص ۱۳۵ - جلد ۲ ، ص ۱۳۵ -

جنھیں ''پھتنگ'' کہا جاتا ہے ، پہاڑوں سے لوگ میدانوں میں لاتے اور ان سے سودا سلف خریدتے ہیں ۔

مسٹر پرنسپ کو یقین ہے کہ جب تک یونانی اس ملک میں داخل نہیں ہوئے تھے ، یہاں سکے نہیں ڈھلتے تھے ۔ کم سے کم ان پر ''ڈائی'' یا چھاپ کے ذریعے حروف یا شبیہیں کندہ کرنے کا کام یونانیوں نے متعارف کرایا(۱) ۔

کول بروک نے ایشیاٹک ریسرچز کے جزو پانچ میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے اور ایسی شہادتیں مہیا کی ہیں کہ قدیم عہد میں سونے اور چاندی کے ٹکڑے تول کر لین دین میں استعمال ہوتے تھے ۔ ان کا شمار نہ کیا جاتا تھا اور آج تک چینی قومیں ایسا ہی کرتی ہیں ۔ ان کے نزدیک سونے اور چاندی کے خاص وزن کے ٹکڑوں پر چھاپ بھی ہوتی ہے جس کے ذریعہ ان کا وزن بھی تحریر ہوتا ہے ، ذمہ داری بھی رقم کی جاتی ہے ۔ قدیم ہندوستان میں بھی یہی طریق رائج تھا(۲) ۔

مسٹر ایڈورڈ تھاسس نے اس پر حاشیہ چڑھایا ہے کہ جب تک انڈو بختاری یونانی ارضِ پاکستان اور ہندوستان میں داخل ہوئے تھے ، یہاں کے لوگ لین دین میں سونے اور چاندی کے ایسے ہی خاص وزن کے ٹکڑے استعمال کرتے تھے ۔ ہو سکتا ہے پاکستان اور ہندوستان کے لوگوں نے سکے ڈھالنے کا کام انڈو یونانیوں یا یونانیوں کی آمد سے پہلے ہی ان سے تجارت کرتے وقت سیکھ لیا ہو ، کیونکہ اس بات کا امکان ہے کہ پاکستان اور ہندوستان اور یونانیوں کے تجارتی تعلقات فتح سے پہلے بھی موجود ہوں اور پاکستان اور ہندوستان کے لوگ یونانیوں کے ورودِ پاکستان سے پہلے کے زمانہ میں چھاپ شدہ سکے بھی ڈھال لیتے ہوں ۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ارضِ پاکستان اور ہندوستان کے کسی ایک حصہ میں سے نہیں متعدد مقامات اور تقریباً ہر گوشہ سے ایسے سکے برآمد ہوئے ہیں ، جن کی ساخت بھونڈی اور بے ہنگم ہے ۔

۱- ایسیز آن انڈین انٹی کیوٹیز پرنسپ جز اول ، ص ۵۵ ۔

۲- کول بروک ایشیاٹک ریسرچز جز ۵ ۔

مسٹر تھامس کے نزدیک یہ بات کچھ قرین قیاس نہیں ھے کہ ملک میں اچھے سکوں کی موجودگی میں برے اور بد وضع سکے وضع کرنے کا کام برابر جاری و ساری رھے (۱) -

خصوصیت سے پاکستان کے ان اضلاع میں جو اس کتاب کے خصوصی موضوع ھیں ، جو بد وضع سکے زمین میں مدفون ملے ھیں ، وہ لازماً یونانیوں کی آمد سے پہلے وضع ھوئے تھے -

مسٹر ونسنٹ سمتھ نے ٹیکسلا سے برآمد ھونے والے بعض ان بد وضع اور بے ھنگم سکوں کی عمر کے بارے میں بڑے یقین کے ساتھ کہا ھے ، جن پر ایک چھاپ پڑی ھے ، کہ وہ کسی طرح بھی ۳۵۰ قبل مسیح سے کم نہیں ھیں لیکن ان میں سے وہ سکے جن پر کوئی چھاپ موجود نہیں ھے ، اس تاریخ سے بھی پہلے کے ھیں - گو یہ سکے بہت کم تعداد میں ملے ھیں تاھم ان کی موجودگی اس امر کی دلیل ھے کہ سکہ سازی کا کام ٹیکسلا میں یونانیوں کی آمد سے پہلے بھی ھوتا تھا -

پہلے پہل ٹیکسلا یا شمال پاکستان میں سکے کب مسکوک ھوئے - کیا دارا اول جو سرجان مارشل کی رو سے ٹیکسلا کا بانی تھا - اپنے ساتھ سکوں کو ڈھالنے والی ٹکسال بھی ٹیکسلا لایا تھا اور آیا اس نے اس ٹکسال میں سکے ڈھالے تھے ؟ یہ سوال اس وقت تک حل طلب رھے گا جب تک ھمیں اس کے جواب کے لیے پوری اسناد مہیا نہیں ھوں گی(۲) -

اور اگر ایڈورڈ تھامس کی یہ بات مان لی جائے کہ ارض پاکستان اور ھندوستان نے چھاپ والے سکے بنانے کا فن یونانیوں سے سیکھا تھا اور ونسنٹ سمتھ کی رو سے ان سکوں پر پہلی چھاپ ۳۵۰ قبل مسیح کے لگ بھگ پڑی تھی تو پھر یہ ماننا بھی لازم آئے گا کہ پاکستان کے تاجر ۳۵۰ قبل مسیح سے پہلے یونان سے بہت گہرے تجارتی روابط قائم کر چکے تھے اور وہ یونان کے بڑے شہروں میں آتے جاتے تھے اور وھاں سے اچھی قسم کے سکے ڈھالنے کا فن اپنے ساتھ اپنے ملک میں لائے (۳) -

---

۱- آریانہ انٹیکا ، ص ۴۰۳ -

۲- ھندو کائنز حاشیہ ، ص ۵۴ - ایسیز آن انڈین انٹی کیوٹیز ، ص ۵۴ جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی جلد ۲ ، ص ۲٦٦ -

۳- کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم کلکتہ ، ص ۱۴۷ -

ہم نے پیچھے ونسنٹ سمتھ کی یہ رائے بھی نقل کی ہے (۱) ، کہ یونان کے لوگوں نے ۷۰۰ قبل مسیح میں سکے ڈھالنے کا فن لیڈیا والوں سے سیکھا تھا اور اگر یہ مان لیا جائے کہ یونان اور ارض مغربی پاکستان کے علاقوں میں تجارتی روابط ۷۰۰ سال قبل مسیح میں قائم ہو چکے تھے تو اس پر کوئی بوجھل اعتراض وارد کرنا ممکن نہیں ہے -

کیونکہ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ ارض پاکستان اور سطح مرتفع ایران اور اس سے ملحق مغربی ممالک میں تجارتی روابط کا سلسلہ موہن جو ڈیرو اور ہڑپا کے شباب کے دنوں میں قائم ہو چکا تھا اور اگر یہ بات نہ بھی مانی جائے اور ہم پاکستان اور اس کے ہمسایہ ممالک میں تجارتی رابطہ کی عمر آرین قوم کے ورود ہند تک محدود رکھیں تو بھی آرین کم سے کم بارہ سو سال قبل مسیح میں شمال مغربی پاکستان میں داخل ہوئے تھے اور لازمی امر ہے کہ انھوں نے بحیرۂ کیسپین سے جب اپنا سفر شروع کیا تھا تو یونان اور دوسرے ممالک سے تجارت کرتے آئے تھے -

حد درجہ احتیاط کی بنا پر اگر یونانیوں اور ہندیوں کے تجارتی تعلق کو ساتویں صدی عیسوی سے قبل حتمی نوعیت نہ دی جائے اور اسے صرف اس عہد کی پیداوار ٹھیرایا جائے جب دارا اول نے ٹیکسلا فتح کیا تھا تو اس وقت ارض پاکستان کی سکہ سازی کی عمر چھٹی صدی اور پانچویں صدی قبل مسیح تک بڑھانا پڑے گی اور اس سلسلہ میں ہر لحاظ سے تقدم وادیٔ سندھ کو نصیب ہوگا اور ٹیکسلا ھی یہ دعویٰ کر سکے گا کہ اس نے یہ فن لطیف ارض پاکستان اور ہندوستان میں متعارف کرایا -

ونسنٹ سمتھ نے سکوں کے ان ڈھیروں کو دیکھ کر جو ٹیکسلا اور اس کے نواحی مقامات سے برآمد ہوئے ہیں ، یہ رائے بھی قائم کی ہے کہ پرانی وضع کے بے ھنگم سکوں کی اتنی ساری تعداد اس امر کی دلیل ہے کہ سکے ڈھالنے کا فن یہاں کافی دنوں سے متعارف تھا (۲) -

اور اگر حد سے زیادہ احتیاط ملحوظ رکھی جائے ، جیسے کہ ھیلنزم ان اینشنٹ انڈیا کے مؤلف ، گورنگا ناتھ بینرجی نے ملحوظ رکھی ہے ،

۱- کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم کلکتہ ، ص ۱۳۳ -

۲- ایضاً ، ص ۱۴۷ -

تو صرف اس بات پر اکتفا کرنا پڑے گا کہ ٹیکسلا میں سکوں کا رواج بہت زیادہ قدیم نہ سہی ، سکندر کی تشریف آوری سے کچھ تھوڑا بہت پہلے کا ضرور ہے - اس لیے جیسے کہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ، سکندر مقدونی ۳۲۶ قبل مسیح میں جب ٹیکسلا پہنچا تھا تو اس کے بادشاہ اسبھی نے اس کے حضور میں کئی ہزار سکے اور ہاتھی نذر کیے تھے - اگر سکوں کا رواج اس علاقہ میں نہ تھا تو کونیٹوس ، کرٹیوس اس نذرانہ کا ذکر کرتے ہوئے سکوں کی بجائے سونے اور چاندی کی سلوں اور ٹکڑیوں کا ذکر کرتا(۱) -

گورنگا ناتھ بینرجی نے کونیٹوس کرٹیوس کی کتاب سے اصل عبارت نقل کی ہے (۲) اور ثابت کیا ہے کہ کونیٹوس کرٹیوس اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ سکندر مقدونی کے وقت ٹیکسلا میں سکے ڈھالے جاتے تھے اور یہ یونانی نہ تھے جنھوں نے ٹیکسلا اور ہندوستان کے لوگوں کو اس فن کی تعلیم دی تھی -

گورنگا ناتھ بینر جی خاصے غصے کے ساتھ کہتے ہیں کہ اگر ہندوستانی ، یونانی معلموں کی آمد تک سکے بنانے سے رکے ہوتے اور انھوں نے ان کا انتظار کیے بغیر اپنے سکے مسکوک نہ کیے ہوتے تو ان کے سکوں میں وہ انفرادیت نہ ہوتی جو یونانیوں کی تشریف آوری کے بعد بھی ہندوستانی سکوں کی خصوصیت رہی تھی - گورنگا ناتھ بینرجی نے مشہور عالم سکہ جات موسیو ڈرون (M. Droun) کی ایک کتاب Monnaies Anciennes de L in de سے ایک اقتباس نقل کیا ہے جس میں فاضل مؤلف نے یہ حقیقت تسلیم کی ہے کہ سکندر مقدونی کے وقت ہندوستانی سکے موجود تھے (۲) - یوں مسٹر ایڈورڈ تھامس کے تتبع میں گورنگا ناتھ بینرجی یہ کہنے پر مجبور ہوگئے ہیں -

" But at an early period "The owls of Athens" were carried in course of Commerce to the East. When

---

۱- ہیلنزم ان اینشنٹ انڈیا ، ص ۱۲۶ -

۲- کونیٹوس کرٹیوس کتاب ہشتم ، ص ۱۴ - ۱۵ -

۳- مونیز اینشنٹز ڈی انڈ ، ص ۱۰۷ -

the supply from the Athenian mint grew less for about a century before 322 B.C. and when that mint was closed imitations were made in Northern India. Some of these are merely attempts to faithfully reproduce the originals, others probably somewhat later in date, substitute for the owl on the reverse an eagle from the latter class. The coins of Sophytes, who at the time of Alexanders invasion [326 B.C.] ruled over a district on the banks of the Acesines, seem to be copied.(۱)

البتہ ایک قدیم دور میں ایتھنز کے وہ سکے جن پر اُلو کی تصویر بنی ھے ، تجارت کے سلسلہ میں مشرق میں لائے جاتے رھے اور جب ایتھنز کی ٹکسال بہت تھوڑے سکے ڈھالنے لگی (یہ حادثہ تقریباً ۳۲۲ قبل مسیح سے ایک سو سال پہلے پیش آیا) اور پھر بالکل بند ھوگئی تو شمالی ھند میں نقالی شروع ھوئی - ان میں سے کچھ نقالوں نے ایتھنز کے سکوں کی ھو بہو نقل تیار کرلی اور جو کسی قدر بعد کی تاریخ کے تھے انھوں نے الو کی بجائے الٹی سمت پر عقاب کو چھاپ دیا - پچھلے درجے میں سے وہ سکے ھیں جو اس امبھی نے مسکوک کیے تھے جو سکندر مقدونی کے حملے کے وقت ایسنیز کے کناروں کے ایک علاقے کا تاجدار تھا سراسر نقل معلوم ھوتی ھے -

گورنگا ناتھ بینرجی اور ان کے پیشرو یورپین مصنفین کا علم اور مشاھدہ ھم سے کہیں ارفع و اعلیٰ ھے - لیکن سوال پیدا ھوتا ھے کہ ان حضرات ِ کرام کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ھے کہ امبھی بادشاہ ٹیکسلا نے جو سکے مسکوک کرائے تھے وہ یونانی سکوں کی نقل تھے ؟

یوں یہ بات سو فی صد حقیقت پر مبنی ھے ، جیسے کہ ھم پہلے بھی عرض کر چکے ھیں کہ ٹیکسلا اور سطح مرتفع ایران اور اس سے ملحق مغربی ممالک سے تجارتی روابط بہت دنوں پہلے سے قائم تھے ، لیکن آیا مغرب

۱- ھیلنزم ان اینشنٹ انڈیا ، ص ۱۲۶ -

سکہ سازی میں مشرق کا معلم تھا یا مشرق نے یہ فن مغرب کو سکھایا اس سوال کا جواب مضبوط اور بین شواہد کا محتاج ہے -

بلا شبہ ونسنٹ سمتھ نے یہ خیال آرائی کی ہے کہ یونان کی ایک ریاست لیڈیا میں سات سو سال قبلِ مسیح میں سکے ڈھالے جاتے تھے (۱) - یہ روایت اگر صحیح بھی مان لی جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یونان یا لیڈیا مشرق کا معلم ہے -

بہرحال قطع نظر اس بحث کے ٹیکسلا کی کھدائی کے وقت جو سکے برآمد ہوئے ان میں سے چونکہ ایک چھاپ والے سکے ۳۵۰ قبلِ مسیح کے ہیں اور چھاپ کے بغیر اس سے بھی قدیم تر ہیں اور ان میں اور یونانی سکوں میں تشابہ موجود نہیں ہے اس لیے یہ کہنا قطعاً جائز نہیں ہے کہ یونان فنِ سکہ سازی میں شمال مغربی پاکستان کا معلم ہے -

ہمیں اعتراف ہے کہ یونان نے چوتھی صدی قبلِ مسیح میں جب مشرق کو اپنے پاؤں تلے بچھا لیا تو نہ صرف سطح مرتفع ایران کو ایک نئی تہذیب بخشی بلکہ ٹیکسلا کو بھی بہت کچھ سکھایا - ہم یہ ماننے کے لیے آمادہ ہیں کہ یونانیوں نے عمدہ اور اچھے سکے بھی متعارف کرائے، اس فن کو نفاست بھی بخشی مگر وہ اس کے پہلے معلم نہیں تھے -

ہمارے نزدیک اس کے پہلے معلم موہن جو ڈیرو اور ہڑپا کے معمار ہیں اور ہمارے اس خیال کی بنیاد مشہور ماہرِ آثارِ قدیمہ مسٹر ہنٹر کا حسب ذیل استشہاد ہے :

These pieces of copper, thin rectangular slabs about 8th of an inch thick, of standard size, would appear to be pieces of money. As for as is known they are unique, nothing similar having been found in archaeological sites in other countries. On the reverse they bear animal designs similar to those on the seals. The fact that several of the inscriptions are identical suggests that they give the name and

---

۱- پنچ مارکڈ کائنز انٹروڈکشن ، ص ۱۳۳ (کیٹلاگ جلد اول) -

titles of rulers, of the issuing authority, or of the place of issues. (۱)

تانبے کانسی کے یہ ٹکڑے ، جو چوکور ہیں اور انچ کے آٹھویں حصہ کے برابر موٹے ہیں اور سکے کے عمومی حجم اتنے ہیں ، روپے کے ٹکڑے معلوم دیتے ہیں - جہاں تک ہمیں معلوم ہے ، وہ اپنی نوع اور طرز کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہیں - ان کی نوع کے دوسرے سکے اور ملکوں کے آثار قدیمہ سے قطعاً برآمد نہیں ہوئے - ان کی الٹی طرف ایسی ہی حیوانی شبیہیں ہیں جیسی کہ موہن جوڈیرو سے برآمد ہونے والی مہروں پر کندہ ہیں اور یہ حقیقت کہ ان میں سے اکثر پر جو تحریر کندہ ہے اس میں یکسانیت ہے ، اس امر کی غمازی کرتی ہے وہ ان بادشاہوں کے ناموں کی طرف اشارہ کرتی ہے جنھوں نے انھیں جاری کیا اور جہاں سے وہ جاری ہوئے (۲) -

خیال رہے کہ مسٹر ہنٹر کا یہ بیان ۱۹۳۴ء کی تحریر ہے اور اس وقت کی تحریر ہے جب موہن جوڈیرو اور ہڑپا کے آثار برآمد ہوئے تھے اور پیچھے ہم نے جن بزرگ مستشرقین مثلاً ونسنٹ سمتھ ، سر کننگھم ، ایڈورڈ تھامس اور پرنسپ کے افکار گرامی نقل کیے ہیں اور جن میں سے بعض کا دعویٰ ہے کہ ارض پاکستان کے لوگوں نے فن سکہ سازی یونانیوں سے سیکھا تھا ، ۱۹۳۴ء میں اس دنیا میں موجود نہ تھے اور انھیں ان انکشافات کا علم نہیں ہؤا تھا جو موہن جو ڈیرو اور ہڑپا سے ہوئے -

اس لیے ہمارے نزدیک مسٹر ہنٹر کی رائے گرامی ان سب کے خیالات پر مقدم و افضل ہے کیونکہ انھوں نے موہن جوڈیرو اور ہڑپا کے آثار ملاحظہ فرمائے ہیں اور ان سکوں کا تجزیہ کیا ہے جو موہن جو ڈیرو اور ہڑپا سے برآمد ہوئے ہیں - مسٹر ہنٹر کے خیال میں ان سکوں پر جو عبارت کندہ ہے وہ پڑھی نہیں گئی تاہم اس عبارت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ سکوں کے وزن یا قیمت کی ترجمان ہے ، کیونکہ ایک ہی حجم کے بہت سے سکوں پر جو حروف کندہ ہیں وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں -

---

۱- سکرپٹ آف ہڑپا اینڈ موہن جو ڈیرو ، ص ۲۶ -
۲- سکرپٹ آف ہڑپا اینڈ موہن جو ڈیرو -

بلاشبہ ان سکوں میں سے بعض کی عبارتیں ، بعض مہروں کی عبارتوں سے ملتی جاتی ھیں - مثلاً سکہ بہ عنوان م اور ۴۲ نمبری اور مہر م ۴۸۱ اور سکہ م ۴۵ اور مہر ۱ - ۱۵ -

فاضل محترم جی آر ھنٹر نے اپنی کتاب میں وہ تصویری حروف بھی چھاپ دیے ھیں اور ھم ان کے مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ھیں کہ ان کا بیان سو فی صد درست ہے -

مثلاً ایک مہر اور ایک سکہ کے حروف یہ ھیں :

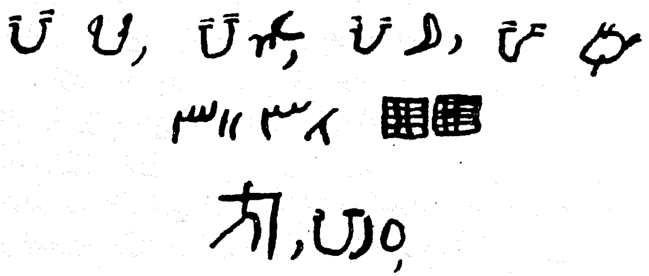

یہ حروف نقل کرنے کے بعد مسٹر ھنٹر مزید فرماتے ھیں کہ ان حروف سے یہ بات ظاھر ھوتی ہے کہ بعض مہروں اور سکوں پر کندہ عبارتیں ایک جیسی ھیں اور ان حکمرانوں کے خطابات اور ناموں پر مشتمل ھیں جنھوں نے انھیں جاری کیا - مسٹر ھنٹر کہتے ھیں کہ یہ بات ذھن میں رکھ کر ھم سکہ نمبر ایم ۲۴ - ۳۱ اور ۳۰ پر لکھے حروف کا ایک بار اور موازنہ کریں گے - خیال رہے کہ یہ حروف دائیں سے بائیں طرف چلتے ھیں - ان میں سے پہلا نشان اغلباً ھٹی بادشاھوں کی خصوصی علامت ہے اور دوسرا نشان ''زمین'' کو ظاھر کرتا ہے اور اس کے معنیٰ ھیں ''زمین کا بادشاہ'' -

مسٹر ھنٹر نے اس قیاس کو نمبر ۴۳ ، ۴۴ ، ۳۲ اور ۳۳ پر بھی منطبق کرنے کی کوشش کی ہے اور ان کا ادعیٰ ہے کہ سکوں کی الٹی طرف جو ھاتھی ، بیل ، شیر اور بکری کی شبیہیں بنی ھیں وہ بھی خصوصی علامات ھیں (۱) -

مسٹر ھنٹر کی ان تصریحات کے بعد مسٹر ونسنٹ سمتھ کا یہ استشہاد

۱- سکرپٹ آف ھڑپا اینڈ موھن جو ڈیرو ، ص ۲۷ - ۲۸ -

بھی ملحوظ رہے کہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے ذخیروں میں جو قدیم ہندوستانی سکے جمع ہیں ان میں سے بعض پر ہاتھی ، بعض پر کوہان والے بیل ، بعض پر گائے اور گھوڑے کی شبیہیں کندہ ہیں ۔ دوسرے لفظوں میں یہ سکے اگر یونانیوں کے بعد کے بھی ہیں تو بھی ان کے بنانے والوں نے یونانی سکوں کی نقالی نہیں کی تھی بلکہ موہن جو ڈیرو اور ہڑپا کی خوشہ چینی کی تھی ۔

ہمیں پختہ یقین ہے کہ اگر موہن جو ڈیرو اور ہڑپا کے انکشافات ۱۹۲۸ء سے پہلے اس وقت ہو جاتے جب سر کننگھم ، ونسنٹ سمتھ اور ایڈورڈ تھامس جیسے ماہرین بقیدِ حیات تھے تو یہ لوگ ہندوستانی فنِ سکہ سازی کو یونان کی نقالی قرار نہ دیتے اور ان کے اتباع میں گورنگا ناتھ بینرجی جیسے محبِ وطن عالم یہ کہنے پر مجبور نہ ہوتے کہ سکندر مقدونی کے حضور ٹیکسلا کے امبھی نے جو سکے نذر کیے تھے وہ یونانی سکوں کی نقل تھے (۱) بلکہ وہ یہ اعتراف کر لیتے کہ یہ سکے موہن جو ڈیرو اور ہڑپا کی نقل میں ٹیکسلا والوں نے تیار کیے تھے ۔

۱۔ ہیلنزم ان اینشنٹ انڈیا ، ص ۱۲۸ ۔

فصل دوم

یونانی ، بختاری اور انڈو یونانی

اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ تانبے کانسی کے وہ سکے جن پر ایلگزانڈر کا لفظ کندہ ہے ، سکندر یونانی نے ٹیکسلا آنے کے بعد مسکوک کرائے تھے تو پھر انھیں ارضِ پاکستان میں متعارف ہونے والے پہلے یونانی سکے قرار دیا جا سکتا ہے ۔ اس طرح پہلے یونانی سکے ۳۲۶ قبل از مسیح میں مسکوک ہوئے تھے ۔

پروفیسر گورنگا ناتھ بینرجی نے گارڈنر کی یہ رائے نقل کی ہے کہ ۳۰۶ قبلِ مسیح میں شہنشاہ سیلوکس یونانی نے ارضِ پاکستان پر حملہ کیا تھا اور دورانِ حملہ میں اس نے بھی کچھ سکے جاری کیے تھے اور ٹیکسلا کے سوفیٹس کے سکے ان ھی کی نقل تھے (۱) ۔

پروفیسر بینرجی نے یہ رائے نقل کرنے کے بعد یہ احتمال بھی ظاہر کیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ شہنشاہ سیلوکس نے سوفیٹس کے سکوں کی نقل اتاری ہو یا دونوں ھی نقال ہوں اور انھوں نے ایک ھی اصل کی نقل کی ہو ۔ بہرحال ہم ان یونانی سکوں کو جنھیں شہنشاہ سیلوکس نے ۳۰۶ قبلِ مسیح میں جاری کیا تھا ، ارضِ پاکستان میں متعارف ہونے والے دوسرے یونانی سکے کہ سکتے ہیں ۔

بیان ہؤا ہے کہ ۳۰۶ قبلِ مسیح کے بعد سے لے کر ۲۴۸ قبلِ مسیح تک کسی یونانی بادشاہ کے سکے ارضِ پاکستان میں رائج نہیں تھے حالانکہ اس عہد میں یونانیوں اور پاکستانیوں میں خاصے سیاسی روابط قائم تھے ۔ طرفین کے سفیر بھی ایک دوسرے کے دربار میں رہتے تھے اور لازماً دونوں میں تجارت بھی ہوتی تھی اور ایک دوسرے کے سکے بھی

۱۔ گارڈنر کیٹلاگ آف کائنز آف گریک اینڈ سکیتھک کنگز ، ص ۲۰ ۔
ہیلنزم ان اینشنٹ انڈیا ، ص ۱۳۰ ۔

ادلے بدلے جاتے تھے۔ اس کے باوجود ارض پاکستان کے کسی ذخیرے میں سے کوئی بھی اس دور کا یونانی سکہ برآمد نہیں ہؤا ، جس کے معنی واضح ھیں کہ ۳۰۶ اور ۲۴۸ قبل مسیح کے دوران کوئی یونانی تاجدار ادھر نہیں آیا تھا ، ورنہ اس کے سکے کہیں نہ کہیں سے ضرور برآمد ھوتے ۔

یونانی سکوں کی ''برآمد'' کے باب میں مسٹر ولسن نے اپنی تصنیف آریانہ انٹیکا میں بڑی سیر حاصل بحث کی ھے ۔ فاضل موصوف کی رو سے بختاری یونانی بادشاھوں کے سکوں میں سے مبلغ ایک عدد سکہ جو بادشاہ ایوکرٹیڈز (Eukratides) کا تھا ، اٹھارھویں صدی عیسوی کے شروع میں ھاتھ آیا تھا ۔ یہ اس سلسلہ میں یکہ و تنہا سرمایہ تھا ، کچھ دنوں بعد ایک عدد اور سکہ کسی ''صاحب'' کے ھاتھ لگا ، جس کے بارے میں اس وقت گمان کیا گیا تھا کہ یہ بختاری سلطنت کے بانی تھیوڈوٹس (Theodotus) کا ھے ۔ بعد میں اس خیال کی تردید ھوگئی اور یہ سکہ بادشاہ مینانڈر کا ثابت ہؤا ۔ اس صدی کے آخر میں سونے کا ایک اور سکہ بھی دریافت ہؤا ، جس کے بارے میں فاضل اجل پیلرئین (Pellerin) نے انکشاف فرمایا کہ یہ ایک بادشاہ ایوتھی ڈیموس (Euthydemus) کا ھے ۔ کافی دنوں تک کوئی اور سکہ اس سلسلے میں ھاتھ نہیں آیا ، البتہ ۱۷۹۹ء کے آخری سال جیسے کہ اٹھارھویں صدی ختم ھو رھی تھی ، ایک اور سکے کی رونمائی ھوئی ، یہ ''سکہ'' ایک اور یونانی بختاری بادشاہ ھیلی اوکلس (Heliocles) کا تھا ۔

۱۸۲۲ء میں فاضل کوھلر نے ایک اور سکہ انٹی ماچوس بادشاہ بختاریہ سے منسوب کیا ۔ فاضل کوھلر نے اگلے سال ایک اور سکہ کی نمائش کی ، جو بخارا کے روسی سفیر مینڈروف (Meyendroff) کو بخارا سے نصیب ہؤا تھا ۔ اسی فاضل کوھلر نے قریب قریب اسی وقت ، بختاری بادشاہ ایتھی ڈیموس (Euthydemus) کے کئی اور چھوٹے سکے بھی متعارف کرائے (۱) ۔

اس دور میں سکوں کے سلسلے میں سب سے زیادہ محنت اور جستجو کرنل ٹوڈ نے کی ۔ کرنل ٹوڈ نے ھندوستان میں اپنے قیام کے آخری

۱۔ ویلسن ۔ آریانہ انٹیکا (Ariana Anticua) ، ص ۴ ۔

بارہ سالوں میں سکے جمع کرنے پر اپنی توجہ خوب مبذول کی اور اس وقفہ میں کوئی بیس ہزار سکے جمع کر لیے ، جن میں بختاری یونانی بادشاہوں میناںڈر اور آپالوڈوٹس کے سکے تو تاریخی نقطۂ نگاہ سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں ۔ یہ پہلے پہل کرنل ٹوڈ ہی کے ہاتھ لگے اور پہلی بار دنیا نے سکوں کی زبان سے عظیم بادشاہ میناںڈر اور آپالو ڈوٹس (Menander & Apollodotus) کی وسعتِ سلطنت کی داستان سنی ۔

یوں ان کے بارے میں بدھ ادب میں کئی اسناد موجود ہیں ۔ ان ہی دو بختاری یونانی بادشاہوں کے سکوں کی سواحلِ بھڑوچ میں موجودگی کی شہادت (Periplus of the Erythrean Sea) کے مصنف نے بھی دی ہے ۔

کرنل ٹوڈ کا بیان ہے کہ ان سکوں میں سے ایک سکہ متھرا سے اور دوسرا جمنا کے ایک دوسرے کنارے کے مقام بیٹیور سے برآمد ہوا ۔ اس سے علمائے قدیم تاریخ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ان دو بختاری یونانی بادشاہوں کے سکے شمال مغربی ہند کے ساتھ ساتھ متھرا تک جاری و ساری تھے (۱) ۔

اس وقت سے پہلے کسی کو بھی یہ معلوم نہ تھا کہ ان بادشاہوں کے حدودِ سلطنت کیا تھے ۔ ان سکوں نے اس باب میں ایک نئی راہ کھولی ۔

کرنل ٹوڈ کی دریافت میں کئی اور یونانی بختاری بادشاہوں کے سکے بھی موجود ہیں ۔ لیکن چونکہ یہ اور جگھوں سے بھی برآمد ہوئے ہیں ، اس لیے مسٹر ولسن نے ان پر زیادہ توجہ نہیں کی ۔

مسٹر ولسن کا بیان ہے کہ گو اس وقت (۱۸۴۱ء) لندن اور پیرس کی ''کیبنٹس'' کے پاس دو ہزار سکے ان ہی دو بادشاہوں میناںڈر اور اپالوڈوٹس کے موجود ہیں ، تاہم پہل کا شرف کرنل ٹوڈ کو نصیب رہے گا ۔ ان دو ہزار سکوں میں چاندی اور تانبے کانسی کے مختلف النوع سکے شامل ہیں ۔

مسٹر ولسن نے کرنل ٹوڈ کے بعد ڈاکٹر رابرٹ ٹیلر اور کرنل

۱- ولسن ، ص ۷ ۔

میکنزے کے ذخیروں کا ذکر کیا ہے ، جو اس وقت انڈیا ہاؤس کی ملکیت ہیں - مسٹر ولسن کی رو سے ان ذخیروں میں سے ڈاکٹر رابرٹ کے ذخیرے میں زیادہ تر تانبے کانسی کے سکے تھے اور انھوں نے یہ سکے الہ‌آباد اور بنارس سے جمع کیے تھے - ان میں انڈو سکیتھک بادشاہوں کے بھی کئی سکے تھے ، لیکن ولسن کے نزدیک چونکہ یہ سکے بہت زیادہ دیر تک چالو رہے تھے - اس لیے ان پر کندہ حروف مٹ گئے اور ان کی قدر و قیمت خاصی کم ہوگئی -

یہ دونوں ذخیرے ۱۸۲۰ء سے پہلے کے ہیں - مسٹر ولسن کے نزدیک ۱۸۳۰ء میں جنرل ونٹورا نے جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ہاں ملازم تھے ، پنجاب کے ایک مقام منکیالہ سے سکوں کا ایک اور بڑا مفید اور کارآمد ذخیرہ برآمد کیا - جس میں انڈو سکیتھک تاجداروں کے بہت سے سکے تھے -

۱۹۳۲ء کے آغاز میں سر الیگزنڈر ، برنس ، بخارا جاتے ہوئے ، منکیالہ پر رکے اور اس جگہ کو دیکھا ، جہاں جنرل ونٹورا نے کھدائی کی تھی اور کچھ سکے سمیٹنے کا شرف پایا - یہ سکے بھی انڈو سکیتھک تاجداروں کے تھے -

کرنال کے مقام سے ڈاکٹر سونی (Swney) کو بھی انڈو سکیتھک سکوں کی کچھ تعداد ملی - ۱۹۳۳ء میں سر الیگزنڈر نے کچھ اور سکے بھی برآمد کر لیے اور ان کی نمائش مسٹر پرنسپ نے ۱۸۳۳ء کے جون میں اپنے رسالہ جرنل دی ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے ذریعہ کی - ان سکوں میں سے ایک سکے پر پہلی بار انڈو سکیتھک بادشاہ کانیرکس (Kanerks) کا نام نامی اچھی طرح سے پڑھا گیا -

ڈاکٹر سونی نے جو سکے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے حوالے کیے تھے ، ان میں سے اٹھارہ سکوں پر مسٹر پرنسپ نے اگست کے شمارہ میں روشنی ڈالی -

ان میں سے کچھ سکے مینانڈر کے تھے اور کچھ اپالوڈوٹس کے تھے - اور کرنال میں کافی تعداد میں ان کی موجودگی ، اس امر کی ڈھنڈورچی

۱- جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی ، بنگال جلد ۲ - ص ۲۷ -

بنی که ان دونوں بادشاہوں کا حلقۂ اثر و اقتدار کرنال کا یہ علاقہ بھی تھا جہاں سے یہ سکے اتنی ساری تعداد میں برآمد ہوئے ہیں ۔ ان میں چاندی کے وہ ڈراچم بھی تھے جن کا وزن ۶۰ گرین ہے اور جن کا ذکر سیاح ایرین (Arrian) نے اپنے روزنامچہ میں کیا ہے ۔

مسٹر ولسن کی رو سے اس قسم کے سکے پہلی بار روشنی میں آئے اور پہلی بار دنیا نے ان ڈراچم کی شکل دیکھی ، جسے ایرین نے اپنے زمانہ میں رائج پایا تھا(۱) ۔

بیفرام کا ذخیرہ

گورنگا ناتھ بینرجی کی رو سے نئے دور کے ماہرینِ سکہ جاتِ قدیم کو یونانی سکوں کے بارے میں جو متعدد معلومات میسر آئیں ، ان کا اصل وہ ذخیرہ ہے ، جو مسٹر میسون کو ۱۸۳۳ء کے ماہ جولائی میں (بیفرام) سے دستیاب ہؤا ۔ مسٹر میسون سکندر اعظم کے بنائے ہوئے شہروں کی تلاش کرتے اس میدان میں پہنچے تھے ، جو موجودہ شہر کابل سے تقریباً بیس میل کے فاصلے پر مشرقی سمت واقع ہے ۔

اس وقت اس میدان میں جگہ بہ جگہ پتھروں اور اینٹوں کے متعدد ڈھیر ادھر ادھر پھیلے تھے ۔ ٹوٹے پھوٹے برتنوں اور دوسری دھاتوں کے ٹکڑے بھی جا بجا منتشر تھے ۔

گورنگا ناتھ بینرجی کہتے ہیں کہ اس میدان میں ایک تو دو دریا ، ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں ۔ دوسرے دو بڑی سڑکیں بھی ایک دوسری کو کاٹتی ہیں ۔ پھر ماحول بھی خاصا ذرخیز و شاداب ہے اور اسے دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ یہاں لازماً کسی دور میں کوئی بڑا شہر آباد ہوگا ۔ گو ان دنوں یہ میدان بالکل بے آباد ہے اور چراگاہ کی شکل اختیار کر لی ہے(۲) ۔

یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ پہلے پہل کس زمانہ میں چرواہوں کو اس جگہ مدفون سکوں کا علم ہؤا اور انھوں نے سکوں کے لالچ میں جگہ جگہ کھدائی شروع کی ۔ گمان غالب ہے کہ یہ سترھویں یا

۱- آریانہ انٹیکا ، ص ۱۰ ۔ مطبوعہ لنڈن (۱۸۴۱ء) ۔

۲- ہیلنزم ان اینشنٹ انڈیا ، ص ۱۲۲ ۔

اٹھارھویں صدی تھی ، جب گڈریوں کو اس جگہ مدفون سکوں کا علم ہؤا اور انھوں نے وہاں سے سکے نکال کر کابل کے بازاروں میں فروخت کرنے شروع کیے -

یہ سکے چونکہ زیادہ تر تانبے یا کانسی کے تھے ، اس لیے صراف انھیں تول کر خریدتے -

شروع شروع میں چرواھے انھیں بیچنے کے لیے شہر جاتے ، لیکن پھر شہر کے صراف خود ھی ترازو لے کر وھاں آنے لگے اور چرواھوں سے سکے تول تول کر خریدنے لگے -

مسٹر گورنگا ناتھ بینرجی کا خیال ھے کہ ھر سال تقریباً تیس ھزار سکے زمین تلے سے برآمد ھوتے اور صراف ان سکوں کو فوراً ھی دھات میں تبدیل کر لیتے - مسٹر گورنگا ناتھ بینرجی نے افسوس ظاھر کیا ھے کہ اگر گڈریے اور صراف ان ''سکوں'' کی اصل قدر و قیمت سے متعارف ھوتے اور ان کو ضائع نہ کرتے اور باقی رکھتے ، تو وسطی ایشیا کے متعلق ھمیں بہت سی باتیں مزید معلوم ھو جاتیں -

مسٹر بینرجی کی روایت کے مطابق مسٹر میسون جب ۱۸۳۳ء میں اس مقام پر پہنچے اور کھدائی شروع کی تو انھیں پہلے پہل صرف ۸۰ سکے ملے ، لیکن انھوں نے اپنا کام جاری رکھا اور بالآخر تیس ھزار سکے برآمد کر لیے جن میں غالب تعداد تانبے اور کانسی کی تھی ، باقی چاندی اور سونے کے تھے -

یہ سکے برآمد ھوئے تو مسٹر میسون نے ان کی روشنی میں جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی میں کئی مضامین تحریر کیے ، لیکن اس سلسلہ میں زیادہ محنت مسٹر جیمز پرنسپ نے کی(۱) -

مسٹر میسون نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے ایک اجلاس منعقدہ اپریل ۱۸۳۴ء میں جو مضمون اس موضوع پر خود پڑھا ، اس کے کچھ اقتباسات مسٹر ایڈورڈ تھامس نے ایسیز آن انڈین انٹی کیوٹیز کی جز اول میں چھاپ دیے ھیں - ایک اقتباس میں مسٹر میسون نے یہ خیال ظاھر کیا ھے کہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ پانچ سو سال ھوئے جب کہ یہ شہر

۱- ھیلنزم ان اینشنٹ انڈیا ، ص ۱۲۲ -

تباہ ہؤا تھا ، جس کے آثار کو انھوں نے کھودا اور ان آثار میں سے ان کے اندازے کے مطابق ہر سال تیس ہزار سکے ، چرواہے یا دوسرے لوگ نکال لے جاتے رہے تو تقریباً پندرہ ملین سکے ان کے وقت تک (۱۸۳۳ء) اس جگہ سے نکال لیے گئے تھے (۱) -

بہرحال ان پندرہ ملین سکوں میں سے صرف تیس ہزار مسٹر میسون کے ہاتھ آئے اور یہ بھی ماہرینِ آثارِ قدیمہ کی رو سے بہت قیمتی معلومات کا موجب بنے -

فاضل ولسن کا بیان ہے کہ مسٹر میسن کو یہ تیس ہزار سکے چار سالوں میں دستیاب ہوئے تھے (۲) -

اس اعتبار سے ہمیں مسٹر میسون کے اس قیاس میں سے مبالغہ کی بو آتی ہے کہ پانچ سو سال میں گڈریے اس میدان سے ہر سال تیس ہزار سکے نکالتے رہے تھے -

فاضل ولسن کو بھی مسٹر میسون کے اس تجزیہ میں سے مبالغہ کی بو آئی تھی ، لیکن انھوں نے اس قیاس آرائی کو اس لیے قابلِ قبول سمجھ لیا کہ مسٹر میسون نے جب کھدائی کی تھی تو وہ بہت بعد کا زمانہ تھا -

بہرحال ان سکوں میں سے بعض سکے ایسے بھی ہیں جو اس سے پہلے کہیں سے بھی برآمد نہیں ہوئے تھے اور جن کا ذکر تاریخ میں کہیں بھی موجود نہیں ہے ، مثلاً Aghathocles ، Lysias ، Antialkidas ، Archilias ، Pantaloon اور Hermaus ، انٹی الکیڈاس ، لیسیز ، اگاتھوکل ، آرچی لیز ، پنٹیلون اور ہرمیوز -

ان کے علاوہ میسون کے سکوں میں بعض ایسے سکے بھی ہیں جن پر ان کو مسکوک کرنے والے بادشاہ کا نامِ نامی تو درج نہیں ہے لیکن اس کے خطابات ''عظیم شہنشاہ'' محافظ و نقیب کندہ ہیں -

ان کے علاوہ بہت سے بربر انڈوسکیتھین سکے اور بھی ہیں - جن میں سے مسٹر میسون نے Undapherres ، Azes Azilisca ، Kadphises اور Kanerks کو زیادہ اہمیت دی ہے -

---

۱- ایسیز آن انڈین انٹی کیوٹیز جلد اول ، ص ۸۱ -
۲- ولسن آریانہ انٹیکا ، ص ۱۱ -

مسٹر ولسن کے نزدیک مسٹر میسون کی اس برآمد یا انکشاف سے ، بختاری یونانی سکوں کے سلسلہ میں پہلی منزل اپنے اختتام کو پہنچ گئی(۱) -

مسٹر ولسن ہی کا بیان ہے کہ مسٹر میسون نے بیغرام کے بعد اپنی جستجو اور بھی پھیلائی اور جلال آباد ، کابل ، پشاور اور ہزارہ کی پہاڑیوں سے بھی بہت سے سکے نکال لیے - اس سلسلہ میں مسٹر واسن کہتے ہیں کہ مسٹر میسون کی طرح جنرل ونٹورا نے بھی اپنی جستجو کا دامن اور پھیلایا اور منکیالہ کے بعد کئی اور مقامات پر کھدائی کی اور اپنے مقصد میں خوب کامیاب ہوئے - مسٹر ولسن کا بیان ہے کہ جنرل ونٹورا نے جو سکے اس جد و جہد کے بعد حاصل کیے وہ اپنے ایک ساتھی افسر کے سپرد کر دیے ، جو کلکتہ سے ہوکر یورپ جا رہا تھا ان سکوں میں سے کچھ نمونے کے طور مسٹر پرنسپ سیکرٹری ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے مشاہدہ کے لیے بھی بھیجے گئے -

مسٹر ولسن نے جنرل ونٹورا کے بعد شیخ کرامت علی پولیٹیکل ایجنٹ کابل مسٹر موہن لعل اور ڈاکٹر گیریرڈ Dr. Gerard کو بھی داد دی ہے جنھوں نے کئی سو سکے جمع کیے -

۱۸۳۳ء میں کیپٹن کوٹلے (Cautley) نے بیہت کے مقام پر جو کھدائی کی وہ بھی بہت نتیجہ بخش ثابت ہوئی اور ہندوستانی سکوں کے ڈھیروں میں بہت سے انڈو سکیتھک اور گریک سکے بھی موجود پائے گئے -

مسٹر ولسن نے مسٹر پرنسپ کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے کہ انھوں نے بڑی جانفشانی اور جد و جہد کے بعد ان سکوں پر کندہ عبارتیں پڑھیں - خصوصیت سے انھیں مینانڈر اور آپالوڈوٹس کے سکوں کی الٹی سمت کندہ غیر معروف رسم الخط کو پڑھنے میں بڑی دشواری پیش آئی ، لیکن انھوں نے بالآخر اس دشواری پر فتح پا لی(۲) -

مسٹر پرنسپ نے کمال احسان شناسی سے کام لیتے ہوئے اس سلسلہ میں مسٹر میسون کی رہنمائی کو خراج ادا کیا ہے اور اعتراف فرمایا ہے کہ اپنے برآمد کیے ہوئے سکے ، جب مسٹر میسون نے انھیں بھیجے تو ساتھ

۱- جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۳۶ء ، جلد ۵ ، ص ۱ -
۲- آریانہ اینٹیک ، ص ۱۸ -

ہی ڈاکٹر گیریرڈ کے ذریعہ یہ فہمائش بھی ارسال کی کہ بعض سکوں پر جو پہلوی عبارتیں کندہ ہیں وہ میناڈرو ، اوپلو دوتوو ، ارمایو ، باسی لیوس اور سوٹروز کی نشان دہی کرتی ہیں ۔

مسٹر پرنسپ فرماتے ہیں کہ انھیں جب سکوں کو پڑھنے کی فرصت ملی تو انھوں نے مسٹر میسون کے تجزیہ کو صحیح پایا اور اسی تجزیہ کی روشنی میں بارہ دوسرے بادشاہوں کے نام اور القاب پڑھ لیے (۱) ۔

فاضل اجل پرنسپ نے ان سکوں کے مشاہدہ اور مطالعہ کے بعد یہ رائے بھی قائم کی ہے کہ بختاری یونانی سلطنت کے بانی تھیو ڈوٹس اول و ثانی (ڈیڈوٹیوس) سے لے کر میناڈر کے عہد سے پہلے تک بختاری یونانی بادشاہ اپنے سکوں پر صرف یونانی عبارتیں کندہ کراتے تھے ۔

ایوکرٹیڈز پہلا بختاری یونانی بادشاہ ہے ، جس نے اپنے سکوں کی ایک طرف یونانی اور دوسری طرف بختاری پہلوی زبان تحریر کی (۲) ۔

اپنے سکوں پر یونانی زبان تحریر کرنے والے بختاری یونانی بادشاہوں میں پرنسپ نے پہلا نام Euthydemus کا تجویز کیا ہے ، جو میگنیشیا کا رہنے والا تھا اور جس نے تھیوڈوٹس پر ۲۳۰ قبل مسیح میں غلبہ حاصل کیا ۔ مسٹر پرنسپ کہتے ہیں کہ اس بادشاہ کا ایک چاندی کا سکہ مسٹر موہن لعل نے انھیں مہیا کیا ہے یہ اس سکے سے کہیں عمدہ اور بہتر ہے جو لیفٹیننٹ برنز اپنے ساتھ گھر لائے تھے (۳) ۔

تھیوڈوٹس

مسٹر ولسن کی رو سے یہ تھیوڈوٹس اول تھا ، جس نے اپنے سکوں پر یونانی عبارت کندہ کرائی تھی ۔ مسٹر ولسن ہی کا بیان ہے کہ اس بادشاہ کے سکے ابھی حال ہی میں دریافت ہوئے ہیں اور اس سلسلہ میں انھوں نے موسیو راؤل روچٹ M. Raoul Rochette کا شکریہ ادا کیا ہے ، جن کی توجہ سے وہ اس قابل ہوئے کہ تھیوڈوٹس کے سونے کے سکہ کی نشان دہی کریں ۔

۱۔ آریانہ انٹیک ، ص ۱۸ ۔ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال جلد ۴ ، ص ۳۲۷ ۔

۲۔ ایسیز آن انڈین انٹی کیوٹیز جلد اول ، ص ۱۷۸ ۔ ۱۷۹ ۔

۳۔ ایضاً ۔

مسٹر ولسن کہتے ہیں کہ اس بزرگ مذکور نے انہیں خط میں لکھا ہے کہ ڈیڈوٹوس کا سونے کا سکہ ، وزن ، شکل و صورت اور دوسری خصوصیات کے لحاظ سے بادشاہ انٹی چوس ثانی سے بالکل مشابہ ہے ۔ اس پر کندہ تصویر بھی انٹی چوس کی تصویروں سے ملتی جلتی ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس فن کار نے پہلی تصویر بنائی اس نے دوسری کے خد و خال بھی تراشے ۔
اس سونے کے سکے کی پہلی طرف بادشاہ کا چہرہ نقش ہے اور الٹی سمت جوپیٹر کی ننگی شبیہ بنی ہے ۔

ایک سمت سکے کی زمین پر تاج کی تصویر کھینچی گئی ہے اور شبیہ کے پاؤں میں عقاب بیٹھا ہے اور سکے کی عبارت کے حروف یہ ہیں :

BAΣIΛEΩΣ ΔIOΔOTOY

سکہ بڑی اچھی حالت میں ہے ۔

اس سکے پر جو مضمون Revue Numismatique ریویو نیومسمیٹک میں چھپا ، اس کے ساتھ ایڈیٹر رسالہ نے یہ وضاحت بھی ضروری جانی کہ ہمارے پاس بھی اس ملک میں اسی بادشاہ کا چاندی کا ایک سکہ موجود ہے ، یہ سکہ سر الیگزنڈر برنز نے برٹش میوزیم کو نذر کیا ہے ۔ ہمیں اس سکہ کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا ۔

مسٹر ولسن اس اقتباس کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ میں نے اور پرنسپ نے اس سکہ کو انٹی چوس کا سکہ قرار دیا ہے ۔ یوں اس میں کوئی کلام نہیں ہے کہ اوپر مذکور سونے کے سکے کی جو شکل و صورت وضع قطع اور خصوصیات بیان کی گئی ہیں وہی اس چاندی کے سکے کی بھی ہیں ۔ البتہ اس پر جو عبارت لکھی ہے وہ اور ہے

BAΣIΛ ANTIO

مسٹر ولسن نے آپ ہی اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے وضاحت پیش کی ہے کہ جب تک ڈیڈوٹوس انٹی اوچوس Antiochus بادشاہ کا ماتحت رہا وہ اسی کے نام کے سکے چھاپتا رہا ۔ لیکن جب اس نے بختاریہ کے خود مختار بادشاہ کی حیثیت حاصل کر لی تو گو اس نے پہلے سے سکے جاری رکھے لیکن ان سکوں میں اتنی تبدیلی ضرور کی کہ انٹی اوچوس کی بجائے اپنا نام کندہ کرایا ۔

مسٹر ولسن کے خیال میں چاندی کا سکہ اس وقت کا ہے جب

ڈیڈوٹوس ، انٹی اوچوس کا ماتحت گورنر تھا اور سونے کا سکہ اس وقت کا ہے جب اس نے خود مختاری حاصل کر لی تھی (۱) -

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مسٹر ولسن ، پرنسپ اور سمتھ کے تتبع میں ڈیڈوٹوس کے مختصر حالات یہاں بیان کر دیں ، گو ہم پیچھے اس سلسلے میں کچھ کہ آئے ہیں ، کسی قدر شاید تکرار تو ہو جائے مگر ڈیڈوٹوس کے بارے میں ان علما کا تتبع لازم ہے کیونکہ انھوں نے اس باب میں بہت سی نئی باتیں کہی ہیں -

ڈیڈوٹوس اول ۲۵۶

ولسن کی رو سے سکندر مقدونی نے جب بختاریہ کو فتح کیا تھا تو ایک فارسی ارتا بازوز Artabazus کو بختاریہ کا گورنر مقرر کیا تھا - شخص مذکور بہت تھوڑے دنوں اس منصب پر فائز رہا ، کیونکہ بہت بڑی عمر کا شخص تھا ، اس کی جگہ امین تاز Amyntaz گورنر بنا -

ایرین راوی ہے کہ انٹی پاتر نے سوسی کے ایک باشندے ستاسانو (Stasano) کو بختاریہ اور صفدانہ کا گورنر بنایا تھا - یونانی مؤرخ ڈیڈوروس نے اس کا نام فلپ لکھا ہے -

بہرحال جب سیلوکس Seleucus ہندوستان کی مہم پر روانہ ہؤا اور یہ مہم چندرگپت سے مصالحت پر منتج ہوئی اور سیلوکس اپنے رقیبوں سے لڑنے کے لیے بابل لوٹا تو اس نے اپنے رقیبوں پر جو فتح حاصل کی اس سے وہ ایشیا کا مالک بن گیا - اس وقت بختاریہ اور صفدانہ ایشیا کے ماتحت صوبے تھے -

مسٹر ولسن کہتے ہیں کہ اس بات کا ٹھوس ثبوت وہ سکے ہیں جو بلخ اور بخارا میں جگہ جگہ سے برآمد ہوئے ہیں -

انٹی چوس تھیوس کے زمانہ میں جو سیلوکسی بادشاہوں میں سے تیسرا بادشاہ ہے ، گورنر بختاریہ تھیوڈوٹس نے بعض دوسرے گورنروں کی طرح موقعہ غنیمت جان کر انٹی چوس کے خلاف بغاوت کر دی - اس وقت بادشاہ انٹی چوس اپنے رقیب فلاڈلفیوس Philadelphus سے لڑنے میں مصروف تھا - اس لیے اس نے باغی تھیوڈوٹس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی - انٹی چوس کی موت پر اس کے وارث سیلوکس کیلنکوس (Seleucus Callinecus) کو بھی اس کے رقیبوں نے اتنی فرصت نہ

۱- آریانہ انٹیک ، ص ۲۱۸ - ۲۱۹ -

دی کہ وہ باغی تھیوڈوٹس (ڈیڈوٹوس) کے خلاف نبردآزما ہوتا (۱) ۔

اس رقابت کی بنا پر تھیوڈوٹس کو دن بدن مضبوط سے مضبوط تر ہونے کے مواقع ہاتھ آئے ۔ مسٹر ولسن کا خیال ہے کہ بادشاہ سیلوکس نے غالباً اس سے آرسا سیدی بادشاہ ٹیری ڈیٹس کے خلاف مدد بھی مانگی تھی اور اس کی حیثیت کو شاید تسلیم کر لیا تھا(۲) ۔

تھیوڈوٹس ثانی

مسٹر ولسن نے احتیاطاً تھیوڈوٹس یا ڈیڈوٹوس کا آخری زمانہ ۲۴۰ قبلِ مسیح قرار دیا ہے ۔ اگر مسٹر ونسنٹ سمتھ کی روایت مان لی جائے تو تھیوڈوٹس نے (۳) ۲۵۰ قبلِ مسیح میں بغاوت کی تھی ۔ اس طرح وہ کوئی دس سال برسرِ اقتدار رہا ۔ اس کی موت پر اس کے بیٹے تھیوڈوٹس ثانی نے اس کی جگہ پر کی ۔ تھیوڈوٹس ثانی کی حکمت عملی باپ سے مختلف تھی ۔ باپ نے بادشاہ سیلوکس کی مدد کی تھی اور پارتھی باغی گورنر ٹری ڈیٹس کو نیچا دکھانا چاہا تھا ، لیکن تھیوڈوٹس ثانی نے ٹری ڈیٹس سے یارانہ گانٹھا اور سیلوکس کو شکست دینے میں مدد کی ، سیلوکس نہ صرف ہارا بلکہ ٹری ڈیٹس کے ہاتھوں میں قید ہؤا ۔ (۲۳۶ قبل مسیح - ۲۲۶ قبلِ مسیح) ۔

ٹری ڈیٹس کی اس کامیابی نے اس کا مزاج بہت اوپر اٹھا دیا اور اس نے تھیوڈوٹس ثانی کی دوستی کا خیال رکھے بغیر اس کی قلمرو کے کئی علاقے اپنی ریاست میں شامل کر لیے ۔ جب کہ ہمسایہ پارتھی بادشاہ کا طریقِ کار یہ تھا ، تھیوڈوٹس ثانی کے خلاف اس کے اپنے سرداروں نے جوڑ توڑ شروع کر دیا ۔ بہرحال ونسنٹ سمتھ کے بیان کے مطابق تھیوڈوٹس ثانی ۲۳۰ قبلِ مسیح تک برسرِ اقتدار رہا اور اس کی جگہ میگنیشیا کے ایوتھی ڈیموس نے لے لی (۴) ۔

۱۔ ایرین کتاب III ، ص ۲۹ ۔ سٹریبو کتاب ۱۵ ، ص ۲ - ۹ ۔
آریانہ انٹیک ، ص ۲۱۵ - ۲۱۶ ۔

۲۔ آریانہ انٹیک ، ص ۲۵۶ ۔

۳۔ کیٹلاگ جلد اول ، ص ۲

۴۔ ایضاً ، ص ۳ ۔

ایوتھی ڈیموس

ولسن نے ایوتھی ڈیموس کا زمانہ ۲۲۰ تا ۱۹۰ قبل مسیح ٹھیرایا ھے - ان کا بیان ھے کہ سٹریبو کی رو سے یہ ایوتھی ڈیموس (Euthydemus) دراصل بختاری یونانی حکومت کا بانی ھے - ولسن کو سٹریبو کی اس روایت سے اختلاف ھے - وہ کہتے ھیں کہ حقیقت وھی ھے جو اوپر بیان ھوئی ھے کہ بختاری حکومت کا بانی تھیوڈوٹس اول تھا اور ایوتھی ڈیموس نے اقتدار کی باگ ڈور یا تو تھیوڈوٹس ثانی کے ھاتھ سے چھینی تھی یا اس کے وارثوں سے (۱) -

مسٹر پرنسپ کا بیان بھی یہی ھے اور انھوں نے بھی ایوتھی ڈیموس کے اقتدار کو تھیوڈوٹس ثانی کے بعد کا حادثہ قرار دیا ھے اور ۲۲۰ قبل مسیح تاریخ متعین کی ھے (۲) -

بہرحال ایوتھی ڈیموس اپنے وقت کا بڑا دانا بینا تاجدار تھا اور پولی بیؤس یونانی مؤرخ کی رو سے میگنیشیا کا رھنے والا تھا - اس نے جب شہنشاہ انٹی چوس سے شکست کھائی تو اس کے حضور سفارت بھیج کر معذرت کی کہ حضور والا شہنشاہ کے خلاف نیازمند نے ھتھیار نہیں اٹھائے اور نہ بغاوت کی - باغی دوسرے لوگ تھے میں نے ان کو شکست دے کر ان کی جگہ لی ھے اور خود کو شہنشاہ کی خوشنودی کے قابل بنایا ھے -

ولسن کہتے ھیں یہ بات سٹریبو کے بیان سے بھی ثابت ھوتی ھے (۳) -

بہرحال شہنشاہ انٹی چوس نے یہ پیغام سن لیا اور آرٹابانوس (Artabanus) کی گردن اپنے سامنے جھکا کر بختاریہ کی راہ لی -

گو چالاک ایوتھی ڈیموس نے شہنشاہ کے حضور معذرت بھجوائی تھی تاھم جب شہنشاہ کی فوج ظفر موج اس کی سلطنت کے حدود میں داخل ھوئی تو اس نے دریائے آریوس (Arius) کے کناروں پر کچھ سوار فوج

۱- آریانہ انٹیک ، ص ۲۲۰ -
۲- پرنسپ ، ایسیز آن انڈین انٹی کیوٹیز جلد اول ، ص ۱۸۵ -
۳- آریانہ انٹیک ، ص ۲۲۰ - پولی بیؤس باب دھم ، ص ۴۹ -

متعین کر دی کہ شہنشاہ کا راستہ روک لے اور خود تاپوریہ Tapauria میں خیمہ زن ہؤا ۔

ولسن کی رو سے تاپوریہ موجودہ طبرستان ہے اور دریائے آریوس ہرات ہے ۔

شہنشاہ انٹی چوس جس وقت دریائے ہرات کی سمت بڑھا تو بختاریوں نے اس سے بڑی سخت جنگ کی ۔ شہنشاہ کو زخم بھی آئے ، تاہم شہنشاہ نے انھیں شکست دی اور دریائے ہرات کو پار کر کے طبرستان پہنچا ۔ ایوتھی ڈیموس نے پسپائی اختیار کی اور زیر اسپ مقام میں پناہ لی جو ان دنوں بختاریہ کا پایۂ تخت تھا ۔

ولسن کے نزدیک زیر اسپ ، مرو یا اندکوہ کے کہیں آس پاس واقع تھا ۔

ھمیں تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے ، مختصراً یوں سمجھیے کہ شہنشاہ انٹی‌چوس نے بختاریہ کے پایۂ تخت کا محاصرہ کیا ، تو یہ محاصرہ ایک سال تک چلا ۔ اسی محاصرے کے دوران نوجوان شہزادہ ڈیمی‌ٹروس (Demetrios) سفیر بن کر شہنشاہ کے حضور حاضر ہؤا اور نہ صرف باپ کے لیے شہنشاہ سے معافی حاصل کی بلکہ شہنشاہ کی دامادی کا شرف بھی پایا ۔

یہ واقعہ غالباً ۲۱۲ - ۲۱۱ - ۲۱۰ قبل مسیح کا ہے کیونکہ شہنشاہ انٹی چوس ۲۱۲ قبل مسیح میں مشرق سمت تشریف لائے تھے(۱) ۔

بختاری یونانی ایوتھی ڈیموس کے جو چاندی کے سکے خاصی تعداد میں مختلف مقامات سے برآمد ہوئے ہیں ، وہ بہت خوبصورت اور خالص ہیں ۔ لیکن بعض سکے غیر خالص اور بھدی شکل کے بھی ہیں ۔ ان کے متعلق مسٹر ولسن کہتے ہیں کہ وہ نقلی سکے ہیں جو بعض سرحدی جاگیرداروں نے آپ ہی وضع کر لیے تھے (۲) ۔

چاندی کے یہ سکے زیادہ تر کوہ ہندوکش کے شمال میں پائے گئے ہیں اور ان پر بادشاہ ایوتھی ڈیموس کا نام کندہ ہے ۔ بادشاہ کی جو تصویر ان سکوں پر بنی ہے اس میں بادشاہ کے چہرے پر داڑھی نہیں ہے ، البتہ

۱- آریانہ انٹیک ، ص ۲۲۱ ۔
۲- ایضاً ، ص ۲۲۲ ۔

سر کے گرد ایک 'رومال' لپٹا ہے -

پیتل تانبے کے سکوں پر جو تصویر ہے وہ داڑھی والے چہرے کی ہے - خیال ہوتا ہے کہ یہ دیوتا جو پیٹر کا چہرہ ہے -

بعض سکوں کی پشت پر ہرکولیس کی شبیہ بنی ہے - کہیں کہیں وہ ایک چٹان پر بیٹھا ہے اور کہیں کہیں کھڑا ہے -

چاندی کے ایک سکہ میں اپالو ''Apollo'' کا چہرہ بھی ثبت ہے - تانبے کے ایک سکہ میں بھی اپالو کھڑا دکھائی دیتا ہے :

ولسن کی رو سے ایوتھی ڈیموس کے سونے، چاندی اور تانبے کانسی کے سکوں کی الگ الگ کیفیت حسب ذیل ہے -

سونا

بادشاہ کا سر دائیں سمت ثبت ہے، چہرے پر داڑھی نہیں ہے اور سر کے گرد ''رومال'' لپٹا ہے - دوسری سمت ہرکلیس ننگا ایک چٹان پر بیٹھا ہے - اس کا دایاں ہاتھ چٹان پر رکھا ہے اور بائیں ہاتھ میں کمند نما لاٹھی پکڑ رکھی ہے جس کا ایک سرا موٹا ہے اور دوسرا پتلا -

یہ سکہ پہلے پہل پلرین(Pellerin) نے متعارف کرایا اور اسے اب تک مختلف مصنفین ملاحظہ کر چکے ہیں - ان مصنفین میں Mionnet، Visconti اور R. Rochette جیسے بڑے عالم بھی ہیں -

ونسنٹ سمتھ نے اس کا ذکر اپنی کیٹلاگ کے جز اول کے صفحہ آٹھ پر کیا ہے اور تصریح کی ہے کہ اس پر بادشاہ ایتھی ڈیموس کا نام یونانی رسم الخط میں کندہ ہے -

چاندی

اس پر بھی بادشاہ کا سر دائیں سمت نقش ہے، چہرہ، داڑھی سے خالی ہے اور سر کے گرد رومال لپٹا ہے - پچھلی سمت ہرکولیس کی ننگی شبیہ ہے، سونے کے سکہ کی طرح اس میں بھی ہرکلیس چٹان پر بیٹھا ہے - چٹان پر شیر کی کھال بچھی ہے- دایاں ہاتھ پہلے سکے ہی کے سے انداز میں مسند پر رکھا ہے اور بائیں میں لاٹھی پکڑ رکھی ہے - اس پر بھی بادشاہ ایتھی ڈیموس کا نام کندہ ہے -

---

۱- آریانہ انٹیک، ص ۲۲۳ - کیٹلاگ جلد اول، ص ۸ -

مسٹر ولسن کی رو سے یہ سکے اب کچھ زیادہ نادر نہیں رہے ۔ برٹش میوزیم میں ان کی کافی تعداد موجود ہے ۔ ان میں نمبر ۳ - ۱ پی نائٹ اسکوائر کے ذخیرے سے دستیاب ہوئے ہیں ۔ باقی سکے سر ایلگزانڈر بخارا سے جمع کر کے لائے تھے ، سر ایلگزانڈر نے یہ سکے میوزیم کو نذر کر دیے (۱) ۔

اس قسم کے پانچ سکے جو بڑی اچھی حالت میں ہیں ، مسٹر میسون کے ذخیرہ میں بھی موجود ہیں ۔ مسٹر ونسنٹ سمتھ کی رو سے مذکورہ بالا سکے نو قسم کے ہیں اور ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے میوزیم میں محفوظ ہیں ۔

مسٹر ولسن نے ان سکوں کی بائیس اقسام بیان کی ہیں ، جن میں سے نمبر ۱۷ سے لے کر بائیس تک کی اقسام تانبے کانسی کے سکوں پر مشتمل ہیں ان میں سے انیسویں قسم کے بیس سکے مسٹر میسون سے حاصل کیے گئے ہیں ۔ مسٹر میسون کے پاس ایک قسم چھوٹے سکوں کی بھی تھی جو انھوں نے جلال آباد کے دوران قیام میں جمع کیے تھے ۔

مسٹر ولسن کہتے ہیں کہ تانبے کانسی کے سکوں پر جو عبارت کندہ ہے ، وہ وہی ہے ، جو چاندی کے سکوں پر نقش ہے لیکن تصویر مختلف ہے ۔ یہ تصویر غالباً جیوپیٹر دیوتا کی ہے یا ہرکولیس کی ہے ۔ ان میں سے ایک سکے پر جو کیٹلاگ کی رو سے نمبر ۷ ہے سیدھی سمت ایک داڑھی والے چہرہ کی شبیہ ثبت ہے اور دوسری سمت ایک گھوڑا اگلے پاؤں اوپر اٹھائے کھڑا ہے ۔ بادشاہ ایتھی ڈیموس کا نامِ نامی دو حصوں میں بانٹ دیا گیا ہے ، آدھا نام اوپر کے حصے میں اور آدھا نچلے حصہ میں کندہ ہے (۲) ۔

۱- جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال جون ۱۸۳۳ء جلد ۲ آریانہ انٹیک ، ص ۲۲۴ ۔

۲- کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم جلد اول ، ص ۸ ۔ آریانہ انٹیک ، ص ۲۲۸ ۔

ڈیمی ٹروس ۱۹۰ قبل مسیح

مسٹر ولسن کا بیان ہے کہ ڈیمی ٹروس نے تاریخ بختاریہ میں جو جگہ پائی ہے، وہ قدیم مؤرخین کے نزدیک شاید کچھ زیادہ اہم نہ تھی - اس لیے انھوں نے اس کا ذکر بہت کم کیا ہے - ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ڈیمی ٹروس کا تعلق بختاریہ کی نسبت ہندوستان سے بہت زیادہ ہے اور محقق بائر تو کہتا ہے کہ اس نے بختاریہ میں سرے سے حکومت ھی نہ کی تھی -

مسٹر ولسن نے بائر کے اس خیال کی تردید بہت شدت سے کی ہے اور فرمایا ہے کہ اس بادشاہ کے بہت سے سکے ''غالب تعداد میں'' بختاریہ ہی سے برآمد ہوئے ہیں - اس لیے لازم آتا ہے کہ وہ بختاریہ کا بادشاہ ہو اور اپنے باپ ایوتھی ڈیموس کی موت کے بعد تخت نشین ہؤا ہو (۱) - اس کے ساتھ ساتھ ایسے وزنی اور ٹھوس شواھد بھی موجود ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نے ہندوستان میں بہت سی فتوحات حاصل کی تھیں اور ہندوستان کا تاج سر پر رکھا تھا -

اس سلسلے میں سٹریبو کا بیان ہے کہ ہندوستان میں کچھ فتوحات تو مینانڈر نے حاصل کی تھیں اور کچھ ڈیمی ٹروس نے جو ایوتھی ڈیموس کا بیٹا تھا -

یونانی مؤرخ جسٹین تو بڑے واضح الفاظ میں ڈیمی ٹروس کو ہندوستانیوں کے بادشاہ کا خطاب دیتا ہے -

ولسن نے سٹریبو کے بیان کا تجزیہ کیا ہے اور دو باتیں اخذ کی ہیں، ایک یہ کہ ڈیمی ٹروس اور مینانڈر دونوں ہندوستان کے فاتح تھے اور دوسری یہ کہ ڈیمی ٹروس نے اپنے باپ کی زندگی میں ہندوستان میں فتوحات حاصل کی تھیں، کیونکہ سٹریبو اسے شہزادہ قرار دیتا ہے -

ولسن کا خیال ہے کہ اگر ڈیمی ٹروس نے اپنے باپ کی زندگی میں ہندوستان میں فتوحات حاصل کی تھیں تو یہ اس کے باپ کا آخری زمانہ ہوگا - کیونکہ باپ کی حکومت کے شروع ایام میں شہزادے کی عمر بہت چھوٹی تھی(۱) -

---

۱- آریانہ انٹیک، ص ۲۲۸ - جرنل ایشیاٹک نومبر ۱۸۲۸ء -

یوں بھی یہ ایک حقیقت ہے کہ شہنشاہ انٹی اوچوس (Antiochus) نے ہندوستان پر جب حملہ کیا تھا تو ہندوستانی بادشاہ سوفاگاسینا (Sophagasena) نے اس سے مصالحت کرلی تھی اور ہندوستان سے واپسی کے وقت شہنشاہ نے اپنے مفتوحہ علاقے ، سوفاگاسینا کو سونپ دیے تھے۔ یہ بات ولسن کے نزدیک بختاریہ کے تاجدار ایوتھی ڈیموس کو بری لگی ہوگی اور اس نے شہنشاہ کی واپسی کے بعد اپنے بیٹے کو اس سمت لازماً بھیجا ہوگا ۔ اس لیے ڈیمی ٹروس کی فتح ہند کا زمانہ شہنشاہ انٹی اوچوس کی واپسی کا ہے ۔ اس وقت ڈیمی ٹروس شہنشاہ انٹی اوچوس کا داماد بن چکا تھا اور اپنے آپ کو اپنی بیوی کے باپ کی املاک کا وارث گردانتا تھا ۔

ولسن مزید فرماتے ہیں کہ اس دوران باپ بیٹے نے پیروپامیسز (Paropamisus) ، آرچوسیا (Arachosia) اور ڈرانگئینا (Drangiana) کی فتح پر اپنی تمام تر توجہ مبذول کر رکھی تھی ۔ تبھی یوکراٹیڈس (Eukratides) کو موقعہ ملا کہ بختاریہ پر قبضہ کر لے اور انھیں ان کے پایۂ تخت سے محروم کر دے(۱) ۔

بائر کا خیال ہے کہ ڈیمی ٹروس اپنے باپ سے وراثت میں پائی ہوئی سلطنت پر بہت تھوڑے دن قابض رہ سکا تھا ۔ اس کے رقیب یوکراٹیڈس نے اسے یہاں سے جلد نکال دیا اور اسے جنوب کی پہاڑیوں میں پناہ لینی پڑی ، جہاں اس نے اپنے نام سے ڈیمی ٹریئس (Demetrias) شہر کی بنا رکھی۔ اس نے اپنی زندگی کے آخری ایام یہیں گزارے ۔ گو بہت کوشش کی کہ بختاریہ واپس لے لے ، لیکن ناکام رہا(۲) ۔

یہ بھی ڈیمی ٹروس ہے ، جس نے اپنے باپ کے نام پر پاکستانی شہر سگالہ کا نام ایوتھی ڈیمیا رکھا تھا ۔ ڈیمی ٹروس کی تخت نشینی کے بارے میں ایم ۔ آر ۔ روشت (M. R. Rochette) کا بیان ہے کہ وہ ۱۹۰ قبلِ مسیح میں تخت نشین ہؤا تھا اور ۱۷۰ قبلِ مسیح میں اس

۱- لیسن ، ص ۲۳۴ ۔

۲- بائر (Bayer) ، ص ۶۴ - ۲۳۳ - ۹۲ - ۹۳ - آریانہ انٹیک ، ص ۲۳۰ - ۲۳۱ ۔

کی حکومت ختم ہوگئی تھی - پروفیسر لیسن نے تخت نشینی کی تاریخ ۱۸۵ قبل مسیح متعین کی ہے -

لیکن اس کے سکے طاطری دراهم (ٹٹرا ڈراچم) پر اس کی جو تصویر ثبت ہے ، اس میں وہ بالکل نوجوان نظر آتا ہے اور گمان ہے کہ جس وقت اس کا تعارف شہنشاہ انٹی اوچوس سے ہؤا ، عین اس سے تھوڑے دن بعد وہ تخت نشین ہو گیا تھا - پروفیسر لیسن کی رو سے وہ ۱۶۵ قبل مسیح تک حکمران رہا اور پارتھین بادشاہ میتھرا ڈیٹس (Mithridates) کی تخت نشینی سے پہلے ہی موت کے دامن میں سو گیا تھا -

اس وقت تک اس بادشاہ کے جو سکے برآمد ہوئے ہیں وہ اس کی حکومت کے مختلف ادوار کی عکاسی کرتے ہیں اور بختیاری فن کے بہترین نمونے ہیں - اس دور کے سکے زیادہ تر بختاریہ ہی سے ملے ہیں اور اس امر کا ثبوت ہیں کہ ان سکوں کے دور میں ڈیمی ٹروس صرف بختاریہ کا حکمران تھا -

باپ بیٹے کے سکوں میں بھی کافی تشابہ موجود ہے -

ولسن نے اس کے چاندی اور تانبے کانسی کے سکوں کو الگ الگ عنوان کے تحت بیان کیا ہے - چاندی کے سکوں کی بھی کئی اقسام شمار کی ہیں :

۱- پہلی قسم ٹٹرا ڈراچم کی ہے - ان پر بادشاہ کا چہرہ دائیں سمت ثبت ہے اور اس کے سر پر جو ٹوپی رکھی ہے وہ ہاتھی کے سر سے مشابہ ہے اور ہاتھی کی سونڈ اوپر کو اٹھی ہوئی ہے - الٹی طرف ہرکلیس کھڑا ہے ، اس کا منہ بالکل سامنے کی سمت ہے اور لاٹھی اور کھال اس کے بائیں ہاتھ میں ہے اور دائیں ہاتھ کو وہ اپنے سر پر رکھے ہے - اس پر بادشاہ ڈیمی ٹروس کا نام یونانی رسم الخط میں کندہ ہے -

۲- بادشاہ کا چہرہ حسب سابق - الٹی سمت منروا دیوی خود سر پر پہنے کھڑی ہے - اس کا دایاں ہاتھ اس کے نیزے پر رکھا ہے اور بائیں سے وہ ڈھال اٹھائے ہے - اس پر بھی وہی حروف کندہ ہیں جو اوپر درج کیے گئے ہیں -

۳- اس کی کیفیت بھی پہلے سکے ایسی ہے -

۴- اس سکے پر بھی پہلے سکے کی طرح بادشاہ کا چہرہ نقش ہے ، فرق صرف اتنا ہے کہ شبیہ کپڑے سے ڈھکی ہوئی ہے ، الٹی سمت میں پہلے سکے سے کوئی امتیاز نہیں ہے -

تانبے اور کانسی کے سکوں پر بھی بادشاہ کا چہرہ دائیں سمت نقش ہے ، لیکن اس چہرے پر داڑھی ہے اور سر پر لورال کے پتوں کا تاج ہے اور لاٹھی کا ایک سرا بائیں کندھے پر رکھا ہے - دوسری سمت اپالو کچھ ننگا اور کچھ ڈھکا ہوا کھڑا ہے - اس پر بھی وہی عبارت رقم ہے ، جو اوپر تحریر کی گئی ہے -

مسٹر ولسن کہتے ہیں کہ یہ سکہ ان سکوں میں سے ہے، جنھیں مسٹر میسون نے آخر میں گھر بھجوایا تھا(۱) -

مسٹر ونسنٹ سمتھ کے نزدیک ڈیمی ٹروس کا زمانہ ۲۰۰ قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے اور اس کے سکوں کی سات اقسام انڈین میوزیم اور ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی تحویل میں ہیں(۲) - جن میں سے چاندی کے چار سکے ایک قسم کے ہیں اور باقی تین کی اقسام جداگانہ ہیں - نمبر پانچ کی سیدھی سمت پہلے چار جیسی ہے ، لیکن اس کی الٹی طرف پالاز کی تصویر ہے ، جو زرہ بکتر پہنے ہے ، سیدھے ہاتھ میں نیزہ پکڑے ہے اور بایاں ہاتھ ڈھال پر رکھا ہے -

تیسری قسم کے سیدھے رخ ہرکولیس کی شبیہ ہے جس نے ہاتھی دانت کا تاج پہن رکھا ہے اور شیر کی کھال گردن سے لپٹی ہے اور کندھے پر لاٹھی رکھی ہے(۳) -

چوتھی قسم میں سیدھے رخ ایک گول ڈھال کندہ ہے اور اس پر عبارت پہلی قسم ایسی لکھی ہے -

---

۱- آریانہ انٹیک ، ص ۲۳۳ -
۲- کیٹلاگ جلد اول ، ص ۹ -
۳- کیٹلاگ جلد اول ، ص ۹

ایوکر ٹیڈز

مسٹر ولسن کی رو سے یوکراٹیڈس (Eukratides) ڈیمی ٹروس کے بعد کا وہ بختاری یونانی بادشاہ ہے جس نے ۱۸۱ قبل مسیح میں پہلے ڈیمی ٹروس کو بختاریہ سے نکال باہر کیا اور پھر آخر میں پیروپامیزن انڈیا (Paropamisan India) سے بھی رخصت کر دیا۔

بیان ہؤا ہے کہ یوکراٹیڈس پارتھی بادشاہ، میتھراڈیٹس کا ہم عصر تھا اور اس بادشاہ نے تقریباً ۱۶۵ قبل مسیح سے لےکر ۱۳۵ قبل مسیح تک حکومت کی تھی۔

مسٹر ولسن کا جائز خیال ہے کہ چونکہ اپنے زمانۂ حکومت کے آخر میں یوکراٹیڈس نے ڈیمی ٹروس پر بہت سی فتوحات حاصل کی تھیں اور اس جیسے جنگجو مزاج رکھنے والے بادشاہ سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ ڈیمی ٹروس سے اس کی ہندوستانی اقلیم میں پہنچ کر بھی لڑا ہو اور دریائے سندھ ہی نہیں دریائے جہلم کے علاقے تک بھی رسائی پائی ہو(۱)۔

مسٹر واسن کہتے ہیں کہ انہیں یہ خیال ان سکوں کو دیکھ کر ہؤا ہے جو وادیٔ کابل کے بالائی حصہ سے دستیاب ہوئے ہیں۔

مسٹر ولسن کا یہ بھی خیال ہے کہ یوکراٹیڈس نے بڑی لمبی عمر پائی تھی اور اس کا زمانۂ حکومت خاصا طویل تھا۔ ان کے اس خیال کی بنیاد بھی وہ سکے ہیں، جو بختاریہ اور بیفرد سے بہت کافی تعداد میں برآمد ہوئے ہیں۔ خصوصیت سے بیفرام سے برآمد ہونے والے سکوں سے تو ولسن نے یہ رائے بھی قائم کی ہے کہ وہ ہندوستان کا بھی بادشاہ تھا۔

اس سلسلے میں مسٹر ولسن نے سٹریبو سے بھی استناد کیا ہے، جو کہتا ہے کہ یوکراٹیڈس سندھ کے پرے کے علاقہ کا بھی مالک تھا اور وہاں اس کے ماتحت ایک ہزار شہر تھے(۲)۔ جسٹین نے گو اس کی اتنی ساری املاک کے بارے میں کوئی شہادت نہیں دی، تاہم وہ سندھ کے مغربی اور مشرقی کنارے پر اس کی بالا دستی کا ذکر کرتا ہے۔

قدیم حوالوں کی رو سے ہندوستانی فتوحات یوکراٹیڈس کی زندگی کی

۱۔ آریانہ انٹیک، ص ۲۳۵۔
۲۔ سٹریبو کتاب ثالث۔

آخری کرامات ہیں اور ان میں الجھے رہنے کے بعد جب وہ لوٹ کر وطن پہنچا ، تو اس کے اپنے بیٹے نے اس کی جان لے لی ۔

مسٹر ولسن کو یقین ہے کہ اگر پارتھی بادشاہ میتھراڈیٹس نے اس کی زندگی میں اس سے لڑائی چھیڑی ہوتی تو یوکراٹیڈس کبھی بھی اتنی فرصت نہ پاتا کہ ہندوستان پہنچے اور وہاں کے لوگوں سے اپنی طاقت منوائے ۔

بہرحال یوکراٹیڈس ان مختاری یونانی بادشاہوں میں بہت ممتاز ہے ، جنھوں نے پاکستان کے شمال مغربی علاقے بہ زورِ شمشیر فتح کیے تھے اور ثبوت کے طور پر اپنے سکے جا بجا بکھیر دیے تھے ۔

یوکراٹیڈس کے جو سکے برآمد ہوئے ہیں ، ان میں چاندی کے سکے بھی کافی ہیں اور کانسی تانبے کے سکے تو انبار در انبار ہیں ۔

ولسن کی رو سے چاندی کے سکوں کی کیفیت حسب ذیل ہے :

نمبر ۱ ٹٹرا ڈراچم (طاطری دراہم) بادشاہ کا چہرہ دائیں سمت نقش ہے ۔ سر پر لوہے کی ٹوپی ہے جو کنپٹیوں کے اوپر بیل کے سینگ اور کان سے سجائی گئی ہے ۔ الٹی سمت کیسٹور اور پولوکس (Pollux & Castor) گھوڑوں پر سوار ہیں اور ان کے ہاتھوں میں نیزے اس طرح پکڑے ہیں جیسے وہ ان سے کسی کو مار رہے ہیں ۔ دونوں کے سروں کے اوپر ستارے ہیں اور کندھوں پر کھجوروں کے پتے اٹھائے ہیں اور اوپر کی سمت بادشاہ یوکراٹیڈس کا نام یونانی رسم الخط میں ثبت ہے ۔

ولسن کا تبصرہ ہے کہ یہ سکہ بہت خوبصورت ہے اور اسے آرسٹیورٹ ایران سے لائے تھے ۔

ٹٹرا ڈراچم نمبر ۲ اور نمبر ۳ بھی مذکورہ بالا سکے سے مشابہ ہیں ۔ فرق یہ ہے کہ ان دونوں سکوں کی پشت پر ڈائس کری (Dioscuri) کی تصویر ہے ، ونسنٹ سمتھ نے ان میں سے اول نوع کی تصویر اپنی کیٹلاگ میں چھاپ دی ہے ۔

۱۔ ولسن آریانہ انٹیک ، ص ۲۳۸ ۔
۲۔ کیٹلاگ پلیٹ نمبر ۱۱ جلد اول ۔

مسٹر ولسن کا بیان ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی کیبنٹ سے ملتے جلتے سکے گو برٹش میوزیم میں بھی موجود ہیں لیکن ان پر کندہ شبیہیں بھی مختلف ہیں اور مونوگرام بھی جدا ہیں ۔ اسی قسم کا ایک سکہ سر اے برنز نے کندوز (Kunduz) سے حاصل کیا ہے اور ان کے ذخیرے میں شامل ہے ۔ اس کے علاوہ ایک ایسا ہی سکہ سر ایچ ولووک (Sir H. Willock) نے ایران سے حاصل کر کے ایسٹ انڈیا کمپنی کو نذر کیا ۔

نمبر ۴ ٹٹرا ڈراچم بھی پہلی نوع سے ملتا جلتا ہے ۔ لیکن اس پر جو حروف لکھے ہیں وہ خلط ملط سے ہیں اور اچھی طرح پڑھے نہیں گئے ۔ یوں بھی یونانی حروف میں کئی خروشتی حروف شامل کر د گئے ہیں ۔

یہ نوع جنرل ونٹورا کے اس ذخیرے میں شامل ہے جو انھوں نے پنجاب کے مختلف مقامات سے جمع کیا ۔ نمبر ۵ ٹٹرا ڈراچم پر بھی بادشاہ کی شبیہ سیدھے رخ ثبت ہے ۔ سر پر ٹوپی رکھی ہے ، الٹی طرف اپالو کھڑا ہے ، چہرہ سامنے کی سمت ہے ۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ایک تیر ہے جس کا سرا نیچے کو ہے ۔ اس کا بایاں ہاتھ اس کی کمان پر جھکا ہے ۔ ایک رسی اس کے کندھوں سے گزر رہی ہے اور پیچھے سے ہوکر اس کی آدھی ٹانگوں تک دراز ہے(۱) ۔ اس پر بادشاہ یوکراٹیڈس کا نام بہت صاف پڑھا جاتا ہے ۔

نمبر ۶ ڈراچم سیدھے رخ بادشاہ کی شبیہ ہے ۔ اس کے سر پر خود رکھا ہے ۔ اسی سمت ڈائس کری (Dioscuri) نیزہ چلا رہا ہے ۔

نمبر ۷ ڈراچم بھی نمبر ۶ جیسا ہے ۔ البتہ حروف ذرا سے مختلف ہیں ۔

نمبر ۸ ڈراچم مربع الاضلاع ہے ۔ بادشاہ کے سر پر ٹوپی ہے ۔ اس پر بھی بادشاہ یوکراٹیڈس کا نام اسی طرح لکھا ہے جس طرح نمبر پانچ سکے پر کندہ ہے ۔

۱- آریانہ انٹیک ، ص ۲۳۸ - ۲۳۹ - جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال جون ۱۸۳۵ء پلیٹ نمبر ۲۵ - جرنل ایشیاٹک فروری ۱۸۳۶ء -

یہ پہلا سکہ ہے جس پر یونانی رسم الخط کے علاوہ ایک دوسرے رسم الخط کے حروف نقش ہیں ، جو پہلی بار یونانی سکوں پر کندہ پائے گئے ہیں - حروف یہ ہیں

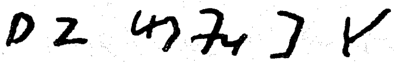

مسٹر پرنسپ نے اس کی نشان دہی کے وقت انہیں پہلوی رسم الخط کی پہلی اور ابتدائی شکل قرار دیا ہے -

عجیب بات ہے مسٹر پرنسپ کی رو سے یہ مینانڈر پہلا مختاری یونانی تاجدار تھا جس نے سکوں پر یونانی زبان کے ساتھ ساتھ پہلوی زبان بھی کندہ کی تھی - لیکن مسٹر ولسن نے یہ شرف یوکراٹیڈس کی جھولی میں ڈالا ہے اور تانبے کانسی کے کئی سکوں کو بطور مثال پیش کیا ہے -

مثلاً ان کی رو سے نمبر ۱۳ ، تانبے اور کانسی کے سکے پر بادشاہ کی شبیہ کے ساتھ ساتھ ، جہاں اس کا نام یونانی میں لکھا ہے وہاں پہلوی رسم الخط میں بھی موجود ہے -

پہلوی حروف یہ ہیں -

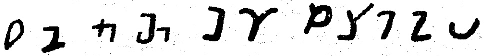

فاضل ولسن کی رو سے ، نمبر ۱۳ کے تانبے اور کانسی کے سکوں کی تعداد بہت ہے - مسٹر میسون کے ذخیرے ہی میں کئی سو ہیں - جنرل ونٹورا ، ھونیگ برگر (Honigberger) اور کوٹ (Court) نے پشاور سے ملحق پنجاب اور وادیٔ کابل کے علاقہ سے بھی کافی تعداد جمع کی ہے - ان کا حجم اور وضع قطع ایک سی نہیں ہے - بعض پر بادشاہ کا چہرہ جوان ہے اور بعض پر ادھیڑ اور عمر رسیدہ نظر آتا ہے - عبارت بھی مختلف ہے(۱) -

نمبر ۱۴ پر جو خروشتی عبارت کندہ ہے وہ نامکمل ہے - صرف چند حروف ہیں -

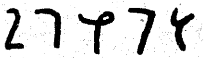

باقی کے حروف سکے کے پرانے ہونے کے سبب مٹ گئے ہیں اور پڑھے نہیں جاتے - نمبر ۱۵ چوکور اور چھوٹے حجم کا ہے سر ننگا ہے -

---

۱- آریانہ انٹیک ، ص ۲۴۲ -

یونانی عبارت کے ساتھ الٹے رخ خروشتی رسم الخط کے جو حروف کندہ ہیں وہ یہ ہیں -

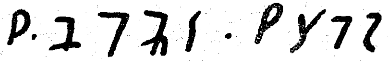

نمبر ۱۷ درمیانے حجم کا چوکور سکہ ہے - بادشاہ کا چہرہ بائیں جانب ہے -

یونانی حروف پہلے سکے ایسے ہیں اور خروشتی رسم الخط کے حروف یہ ہیں -

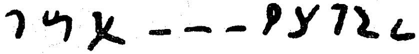

نمبر ۱۸ پر بادشاہ کی شبیہ دائیں طرف ہے اور یہ عبارت ساتھ لکھی ہے -

BAΣIΛEΩ - EY
KΡATIΔOV

دوسری سمت ہندی حروف میں کافی اختصار برتا گیا ہے -

ہم نے انہیں ” ہندی حروف “ مسٹر ولسن کے تتبع میں قرار دیا ہے - یوں مسٹر ولسن خود ہی فرماتے ہیں کہ (Concieving however, that the language was probably Zend.) (۱) -

گو یہ رسم الخط خاصے مغالطے میں ڈال دیتا ہے ، تاہم زبان غالباً زند تھی -

سکوں اور کتبات کی زبان پر ہم اگلے باب میں مفصل گفتگو کریں گے - یہاں صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ یہ بختاری یونانی بادشاہ یوکرٹیڈس تھا ، جس نے اپنے سکوں پر یونانی رسم الخط کے ساتھ ساتھ ملکی رسم الخط یعنی زند یا پہلوی کو بھی استعمال کیا -

مسٹر پرنسپ کی رو سے ، یوکرٹیڈس نے اپنے جن تانبے کے سکوں پر پہلوی رسم الخط استعمال کیا ، وہ چوکور سکے تھے اور ان پر یونانی میں جو حروف کندہ تھے ان کے معنی یہ تھے : ملکو ، کاکاؤ ، یکرٹائڈو اور اس کا پہلوی ترجمہ تھا مہاراجہ یوکراٹیڈاسہ (۲) -

---

۱- آریانہ انٹیک ، ص ۲۴۳ -
۲- بکٹارئین کائنز و دگریک انسکرپشنز بہ سلسلہ ایسیز آن انڈین انٹی کیوٹیز ، ص ۱۸۷ -

مسٹر پرنسپ نے یہ امکان ظاہر کیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ہندی بادشاہ وکرمادتہ اور یوکراٹیڈامسہ ایک ہی شخص ہوں ۔

مسٹر پرنسپ نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ یوکراٹیڈس نے جب ڈیمی ٹروس کو شکست دی تھی تو پارتھی بادشاہ میتھرا ڈیٹس نے اس سے تعاون کیا تھا اور ڈیمی ٹروس کی شکست کے بعد دونوں حلیفوں نے اس سے چھنی ہوئی قلمرو آپس میں بانٹ لی تھی ۔ یوکراٹیڈس کو سندھ سے پرے کا علاقہ ملا تھا اور میتھراڈیٹس نے سندھ سے لے کر جہلم تک کی زمین کی ملکیت پائی تھی ۔

ہیلی اوکلس ۱۴۷ قبلِ مسیح

مسٹر ولسن نے ہیلی اوکلس کی تاریخ ۱۴۷ قبلِ مسیح اور سمتھ نے ۱۵۶ تا ۱۴۰ قبلِ مسیح قرار دی ہے ۔

مسٹر ولسن کہتے ہیں کہ ہیلی اوکلس کا جب پہلا سکہ ماہرینِ سکہ جات کے ہاتھ لگا تو وہ کچھ حتمی فیصلہ نہ کر پائے لیکن اس سکے کے انداز اور وضع قطع کو پیشِ نظر رکھ کر ایم میونٹ (M. Mionnet) نے تجویز کیا کہ یہ مختاری سکہ ہے اور ہیلی اوکلس ، یوکرٹیڈس کا بیٹا اور اس کا جانشین تھا ۔

یہ خیال بھی بڑے وثوق سے ظاہر کیا گیا ہے کہ ہیلی اوکلس اپنے باپ کی زندگی میں معاملاتِ خسروی اورِ امور مملکت میں حصہ لینے لگا تھا ۔ اس خیال کی بنیاد وہ سکہ ہے جو ڈاکٹر لارڈ کو کندوز سے دستیاب ہؤا ۔ جس کی ایک سمت یوکراٹیڈس کی شبیہ ثبت ہے اور اس پر یونانی رسم الخط میں تحریر ہے، عظیم بادشاہ یوکرٹیڈس اور دوسری طرف ہیلی اوکلس اور لوڈیکی کی دہری شبیہ ہے اور ہیلی اوکلس اور لوڈیکی کے نام لکھے ہیں ۔ ہیلی اوکلس کے سر پر چونکہ ٹوپی نہیں ہے اس لیے گمان ہے کہ اس وقت وہ بادشاہ نہ تھا ۔

مسٹر ولسن کہتے ہیں کہ یہ سکہ یوکرٹیڈس کا نہیں ہے ، خود ہیلی اوکلس کا ہے اور اس نے اپنے نام سے یہ سکہ مسکوک کرایا تھا اور چونکہ یوکراٹیڈس اس وقت زندہ تھا اس لیے اس نے اس سکے میں اس کی بالا دستی کو تسلیم کیا ہے اور اس کی تصویر پہلے چھاپی ہے کیونکہ اس وقت وہ خود مختار بادشاہ نہ تھا یووراج یا ولی عہدِ سلطنت تھا ۔

قدیم تاریخی دستاویزات بھی اس امر کی شہادت دیتی ھیں که یوکرٹیڈس کا بیٹا اس کے ساتھ سلطنت میں سریک تھا -

یوں بعض سکے اس بات کی شہادت بھی پیش کرتے ھیں که ھیلی اوکس کا زمانه نه تو طویل تھا اور نه پرامن اور خوشحال تھا -

یه خیال فاضل ولسن کو اس وجه سے ھؤا ھے که ھیلی اوکس کے سکے کچھ زیاده تعداد میں برآمد نہیں ھوئے ھیں - لیکن چونکه یه سکے وادیٔ کابل اور وادیٔ سنده کے علاقے سے بھی برآمد ھوئے ھیں اس لیے کہا جا سکتا ھے که اس کی حکومت یہاں تک دراز تھی -

فاضل ولسن نے ھیلی اوکس کے اس گناه کو بھی اس کی حکومت کی ناخوش حالی اور اس کے عہد کے کوتاه ھونے کا سبب ٹھیرایا ھے جو اس سے باپ کے قتل کے سلسله میں سرزد ھؤا تھا (۱) - باپ کیسا بھی ھو کوئی بیٹا اسے قتل کر کے اس کی جگه لے لے تو لوگ بدظن ھو جاتے ھیں - ھیلی اوکس سے بھی اس کی رعایا بد دل ھو گئی تھی اور یہی وجه ھوئی که عظیم باپ کے بیٹے کی حدودِ سلطنت بہت مختصر ھو گئیں -

بہرحال ھیلی اوکس کے سکے حسب ذیل اقسام کے ھیں :

چاندی ! نمبر ۱ ٹٹرا ڈراچم ! بادشاه کی شبیه دائیں سمت ثبت ھے ، وه ٹوپی پہنے ھے اور اس پر بادشاه کا نام یونانی رسم الخط میں کنده ھے :

مسٹر ولسن کہتے ھیں که یه نادر اور بہت اھم سکه ڈاکٹر لارڈ کو تاش کرغن سے دستیاب ھؤا اور مسٹر پرنسپ نے سب سے پہلے جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی اشاعت جولائی ۱۸۳۸ء میں اس پر تبصره لکھا -

نمبر ۲ - ٹٹرا ڈراچم ! حسب سابق بادشاه کی شبیه دائیں سمت ثبت ھے لیکن الٹی سمت جو پیٹر کھڑا ھے - اس پر جو حروف کنده ھیں وه پہلے سکے کے حروف سے کسی حد تک مختلف ھیں -

نمبر ۳ - ٹٹراڈراچم بھی نمبر ۳ سے مشابه ھے لیکن فرق یه ھے که

۱- آریانه انٹیک ، ص ۲۶۲ - کیٹلاگ جلد اول ، ص ۱۳ -

اس پر یونانی حروف کے ساتھ ساتھ پہلوی حروف بھی کندہ ہیں (۱) -

نمبر ۴ - تانبے کانسی کے سکوں میں سے مسٹر ولسن نے ایک درمیانے حجم کے چوکور سکے کا ذکر کیا ہے جس کی دائیں سمت بادشاہ کی شبیہ ہے - وہ ٹوپی اور کھلی عبا پہنے ہے - الٹی سمت ہاتھی کھڑا ہے اور نمبر ۳ کی سی پہلوی عبارت کندہ ہے -

ونسنٹ سمتھ کا بیان ہے کہ ہیلی اوکلس کا یہ جو سکہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے ذخیرے میں موجود ہے ، اس پر ہاتھی کے ساتھ ساتھ جو خروشتی عبارت کندہ ہے وہ یہ ہے :

مہاراجاسہ دھرمیکاسا ہیلیا کریاسا -

ونسنٹ سمتھ کی رو سے یہ سکہ بہت اچھی حالت میں ہے - اسی طرح کا ایک اور سکہ انڈین میوزیم میں بھی ہے - ونسنٹ سمتھ نے اس کا نمبر ۷ متعین کیا ہے -

لیسیاس ۱۴۷ قبل مسیح یا ۱۵۰ قبل مسیح (Lysias)

ولسن نے لیسیاس کو ۱۴۷ قبل مسیح سے منسوب کیا ہے (۲) اور ونسنٹ سمتھ اسے ۱۵۰ قبل مسیح کا بادشاہ قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ پنجاب کا بادشاہ تھا اور انٹی الیکڈاس (Anti Alkidas) کا ساتھی اور پیشرو تھا - مسٹر ولسن کا خیال ہے کہ لیسیاس کے سکوں پر جو ایرانی رسم الخط (خروشتی) ثبت ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ باختر کے پہاڑوں کی جنوبی سمت کا تاجدار تھا -

اس بادشاہ کے چاندی کے سکے بہت تھوڑے ہیں ، البتہ کانسی اور تانبے کے سکوں کی تعداد خاصی ہے ، گو بہت زیادہ بھی نہیں ہے - ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ لیسیاس کی حکومت کچھ زیادہ خوشحال اور لمبی نہ تھی - تاہم یہ سکے اس امر پر دال ہیں کہ لیسیاس ، ہیلی اوکلس کا ہمعصر اور یوکرٹیڈس کے بعد کا تاجدار ہے - مسٹر ولسن کے خیال میں وہ آرچوسیا یا

۱- آریانہ انٹیک ، ص ۲۶۷ - ۲۶۸ -

۲- کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم جلد اول ، ص ۱۴ پلیٹ نمبر ۳ -

۳- کیٹلاگ جلد اول ، ص ۱۴ - آریانہ انٹیک ، ص ۲۰۷ -

وادیٔ گومل کا مالک تھا اور اس نے یہ ملکیت اس وقت پائی تھی جب پارتھیوں کو شکست نصیب ہوئی تھی اور ھیلی اوکلس خاصا کمزور ہو گیا تھا - اس وقت لیسیاس نے جو ڈیمی‌ٹروس کے خاندان سے تھا ، موقعہ غنیمت جانا اور اپنے آبائی ملک کا کچھ تھوڑا سا حصہ اپنے قبضہ میں کر لیا -

فاضل ولسن یہ بات بھی ذہن نشیں کرانا چاھتے ھیں کہ ھیلی اوکلس کے سکوں پر جو خاص نشان اور ھاتھی کی شبیہ ھے وھی لیسیاس کے تانبے کے سکوں پر بھی ثبت ھے - اس سے گمان ھوتا ھے کہ لیسیاس نے ھیلی اوکلس سے وہ شہر چھین لیا تھا جہاں ٹکسال تھی (۱) -

مسٹر ولسن نے لیسیاس کے ایک چاندی کے سکے پر تنقید کی ھے - ان کی رو سے اس سکے کے ایک طرف بادشاہ کی تصویر ھے جو ھاتھی کے سر کی شکل ایسی ٹوپی پہنے ھے ، یہ ٹوپی ڈیمی ٹروس کے سکوں پر ثبت ٹوپی سے حد درجہ مشابہ ھے - اس کی الٹی سمت بھی ڈیمی ٹروس کے سکوں ایسی ھے - اس میں بھی ھرکولیس ایک ھاتھ میں لاٹھی اور کھال لیے کھڑا ھے اور دوسرے میں پتوں یا پھولوں کا ھار تھام کر اپنے سر پر رکھ رہا ھے -

لیسیاس کے اس سکہ پر پہلوی یا زند میں جو عبارت کندہ ھے وہ یہ ھے :

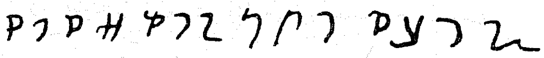

مہاراجاسہ آپا تیہاتاسا لیسی آسا -

ایسا ھی ایک سکہ جنرل ونٹورا نے رائل ایشیائک سوسائٹی کو پیش کیا تھا - مسٹر میسون نے آخر میں جو سکے جمع کیے ان میں بھی اس کا ایک بڑا اچھا نمونہ موجود ھے - البتہ پہلوی حروف میں نام لیکا‌ا پڑھا جاتا ھے -

تانبے اور کانسی کے سکوں میں سے ایک سکہ چوکور اور درمیانے حجم کا ھے - بادشاہ کی شبیہ دائیں سمت ھے ، سر ننگا ھے اور منہ پر داڑھی ھے ، سینے پر کپڑا لپٹا ھے اور لاٹھی کا سرا بائیں کندھے سے مس کر رہا ھے -

---

۱- آریانہ انٹیک ، ص ۲۷۰ -

سیدھی طرف یونانی رسم الخط میں بادشاہ لیسیاس کا نام لکھا ہے ۔

الٹی طرف ہاتھی کی شبیہ ہے اور اس کے ساتھ یہ حروف کندہ ہیں :

مہاراجاسا آپاتی ھاتسا

لیسی آ سا ـــــ(۱) ۔

مسٹر ولسن فرماتے ہیں کہ یہ سکے شاذونادر نہیں ہیں ، یہ کافی تعداد میں سیسون ذخیرہ میں موجود ہیں ۔ مسٹر ونسنٹ سمتھ نے ان سکوں میں سے نو قسم کے سکوں کی شکل و صورت اور وضع قطع پر اپنے کیٹلاگ میں بحث کی ہے ۔ ان میں سے چار چاندی کے ہیں ، جن کی نوع وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے ۔ مسٹر ونسنٹ سمتھ بھی انہیں ڈیمی ٹروس کے سکوں سے مشابہ قرار دیتے ہیں(۲) ۔

نمبر ۵ - ۶ - ۷ - ۸ اور ۹ تانبے کے ہیں اور سمتھ کے زمانے میں ایشیاٹک سوسائٹی بنگال اور انڈین میوزیم کی ملکیت تھے ۔

امنیتاس

مسٹر ولسن کا بیان ہے کہ امنیتاس نامی بادشاہ جس کے سکوں کے صرف دو نمونے سردست برآمد ہوئے ہیں آیا لیسیاس کا جانشین تھا یا ڈیمی ٹروس کا یہ ابھی تک واضح نہیں ہؤا ۔ اس کے سکوں پر منروا کا نقش انہیں ڈیمی ٹروس کے سکوں سے مشابہ ٹھیراتا ہے ، لیکن سر کا لباس جس طرز کا ہے ، وہ امنیتاس کو اور زیادہ بربر عہد میں لے جاتا ہے ۔

ولسن کی رو سے اس کے جو سکے دستیاب ہوئے ہیں ، ان میں صرف تانبے کے سکے ہیں ۔ یہ چوکور اور درمیانے حجم کے ہیں ۔

بادشاہ کی شبیہ دائیں سمت ہے اور اس کے ساتھ یونانی رسم الخط میں بادشاہ کا نام لکھا ہے ۔

الٹی سمت منروا کی تصویر بنی ہے اور پہلوی رسم الخط میں لکھا ہے :

مہاراجاسا جیاد دھراسا امیتاسا

۱- آریانہ انٹیک ، ص ۲۷۰ ۔

۲- ونسنٹ سمتھ ، کیٹلاگ جلد اول ، ص ۱۴ - ۱۵ - پرنسپ بکٹارین کائنز ود گریک انسکرپشنز ، ص ۱۸۹ ۔

مسٹر ولسن کہتے ہیں کہ اس بادشاہ کا پہلا سکہ کرنل سٹیسی (Colonel Stacey) کو ملا تھا اور اس کے بارے میں مسٹر ولسن نے جو معلومات تحریر کی ہیں ، وہ جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی اشاعت نومبر ۱۸۳۶ء سے اخذ ہیں(۱) ۔

دوسرے سکے کا ذکر ایم ۔ آر ۔ روشت (M. R. Rochette) نے جے ۔ ڈس سیو کی اشاعت فروری ۱۸۳۹ء میں کیا ہے ۔ مسٹر ونسنٹ سمتھ نے اس کے ایک چاندی کے سکے کا نمونہ بھی اپنی کیٹلاگ میں شائع کیا ہے اور کہا ہے کہ اس پر یونانی کے جو حروف کندہ ہیں اس میں آخر میں (AMYNTOY) پورا لکھا ہے ۔ البتہ خروشتی میں امنیٹائی کی بجائے (Amitasa) امیتاسا رقم ہے(۲) ۔

اگاتھوکلیا

مسٹر ولسن کا بیان ہے کہ ملکہ اگاتھوکلیا کس زمانہ میں حکمران تھی ، اس کے سکے ہمیں یہ راز نہیں بتاتے البتہ یہ گمان ہو سکتا ہے کہ اگاتھوکلیا کا کچھ تعلق اگاتھوکلس نامی بادشاہ سے ہو ۔ لیکن اگاتھوکلس کے سکوں پر خروشتی ہندی رسم الخط میں جو حروف کندہ ہیں ، وہ خاصے مختلف ہیں ۔ پروفیسر لیسن نے اسے اپولوڈوٹس (Apollodotus) اور ڈائی میڈز کے بعد رکھا ہے(۳) ۔

مسٹر ولسن نے اس ملکہ کے صرف تانبے کے سکوں پر بحث کی ہے ، جو ان کی رو سے چوکور ہیں اور درمیانے حجم کے ہیں ۔ ملکہ کی شبیہ خود پہنے ہے ، اور اس کے ساتھ یونانی رسم الخط میں یہ عبارت کندہ ہے :

ΒΑΣΙΛΙΣΑΣ ΘΕΟΤΡΟΠΟ
ΑΓΑΘΟΚΛΕΙΑΣ

الٹی سمت ہرکولیس تشریف فرما ہے ، اور لاٹھی زانوؤں پر رکھے ہے ۔

۱۔ آریانہ انٹیک ، ص ۲۷۱ ۔

۲۔ کیٹلاگ جلد اول ، ص ۳۱ ۔

۳۔ (Zur Ges chechet) ، ص ۲۰۲ ۔

اور اس کے پہلو میں خروشتی رسم الخط میں یہ حروف لکھے ہیں :
مہاراجاسا میداتاسا میکا ساکلیا سا

انٹی ماچوس ۱۳۰ قبل از مسیح

اس بادشاہ کے سکوں میں سے ایک ٹٹرام ڈراچم انتہائی خوبصورت سمجھا گیا ہے اور اپنی فنی خصوصیات کے سبب قطعاً بختاری آرٹ سے متعلق ہے ۔ اس کے بارے میں مسٹر ولسن کا گمان ہے کہ یہ بادشاہ ہیلی اوکلس سے کچھ زیادہ دن بعد کا نہیں ہو سکتا ، کیونکہ ہیلی اوکلس کے بعد کسی اور بادشاہ کے سکے اتنے خوبصورت اور پختہ فن کے مظہر نہیں ہیں ۔

یہ ٹٹرا ڈراچم بخارا سے لایا گیا ہے ۔ اس کے علاوہ کافی اور چھوٹے سکے بھی دستیاب ہوئے ہیں ، جن میں سے کچھ بیغرام سے ملے ہیں اور زیادہ تر ہزارہ سے برآمد ہوئے ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ بادشاہ ہزارہ کا تاجدار تھا ۔

یوں ولسن کہتے ہیں کہ اس بادشاہ کے مکان اور زمان کے بارے میں تعین بہت مشکل ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی فاتح ہو اور اس نے کسی سلطنت کی بنا رکھی ہو ، کیونکہ اس کے سکوں کی الٹی سمت فتح کے نشان کے طور پر پام کی ایک شاخ ثبت ہے ۔

مسٹر ولسن کے نزدیک یہ بھی ممکن ہے کہ اس بادشاہ ہی نے پہلے پہل سکوں پر ہندی رسم الخط (Indian Characters) کندہ کرنے کی رسم جاری کی ہو ۔ غالباً اسی لیے ایم آر روشت نے اسے ۱۷۰ قبل از مسیح کا بادشاہ قرار دیا ہے ۔ ایم روشت کی رو سے اس بادشاہ کے خطابات بھی وہی تھے ، جو اس سے ماقبل بادشاہ انٹی چوس ، ایپی فینس (Antichus Epiphanes) نے اختیار کر رکھے تھے ۔ ۱۶۴ ۔ ۱۷۵ قبل از مسیح ۔

ٹٹرا ڈراچم کی پشت پر پام کی جو شاخ نقش ہے وہ چونکہ بحری فتح کی علامت ٹھیرائی گئی ہے اس لیے ایم ۔ آر ۔ روشت کا خیال ہے کہ انٹی ماچوس نے انٹی چوس کے حملۂ مصر میں اس کی مدد کی تھی ۔ پروفیسر لیسن نے بھی اس خیال کی تائید کی ہے ۔ لیکن چونکہ لیسن انٹی ماچوس کو ''ڈرانجینیا'' کا بادشاہ ٹھیراتے ہیں ، اس لیے سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس ملک میں ''سمندری لڑائی'' کیسے لڑی گئی تھی ۔ لیسن

نے اس بادشاہ کی تاریخ ۱۶۵ قبل از مسیح ٹھیرائی ہے اور کہتے ہیں کہ اس نے ''ڈرانجینیا'' میں ایک نئی سلطنت کی بنا رکھی تھی : کیپروتھ (Klaproth) راوی ہے کہ یہ بادشاہ اراچوسیا کا تاجدار تھا اور اس کی قلمرو غزنی سے لے کر وادیٔ گومل تک پھیلی تھی - درۂ گومل شمال مغربی سرحد کا ایک مشہور درہ ہے اور وادیٔ گومل ، دریائے گومل سے میراب ہوتی ہے -

مذکورہ بالا ماہرینِ آثارِ قدیمہ کی قیاس آرائی نقل کرنے کے بعد مسٹر ولسن کہتے ہیں کہ ہمارے خیال میں زیادہ قرین دانش یہ ہے کہ ہم یہ مانیں کہ اس بادشاہ نے ہزارہ کی پہاڑیوں کے بالکل اوپر کے حصے میں اپنی حکومت قائم کی تھی(۱) -

مسٹر ولسن نے اس بادشاہِ ہزارہ کے تین سکے چاندی کے اور صرف ایک سکہ تانبے کا تنقید کے قابل سمجھا ہے - ان کی رو سے اس کے تین چاندی کے سکوں میں سے پہلے ٹٹرا ڈراچم کے دائیں رخ بادشاہ کا چہرہ ثبت ہے - بادشاہ سلامت مقدونی ٹوپی زیب سر کیے ہیں اور سینۂ مبارک ڈھکا ہے - الٹی سمت کھڑی شبیہ ہے جس کے بائیں ہاتھ میں پام کی شاخ ہے اور دائیں میں تین شاخا نیزہ یا تانبا تھامے ہے -

اس پر یونانی رسم‌الخط میں یہ عبارت لکھی ہے -

BAΣIΛEΩΣ ΘEOY ANTIMAXOY

مسٹر ولسن کہتے ہیں کہ انھوں نے صراحت میونٹ (Mionnet) کے سپلمینٹ والیوم VIII ، ص ۴۶۶ سے اخذ کی ہے اور میونٹ نے یہ صراحت کوہلر (Kohler) سے نقل کی ہے اور یہ فاضل کوہلر ہیں جنھوں نے پہلے پہل اس سکے کی شناخت کی تھی(۲) -

یہ سکہ بخارا سے لایا گیا ہے اور نادر سمجھا جاتا ہے(۳) -

دوسرے سکے کے بارے میں ولسن کا بیان ہے کہ اس کی ایک

۱- جرنل ڈس سیو فروری ۱۸۳۶ء ، ص ۸۲ - آریانہ ۲۷۳ -

۲- آریانہ انٹیک ، ص ۲۷۴ - ۲۷۵ -

۳- کیٹلاگ ، ص ۲۹ پلیٹ ۶ -

سمت فتح کی دیوی کھڑی ہے ، جو اپنے دائیں ہاتھ میں پام کی شاخ اور بائیں میں ٹوپی نما ربن تھامے ہے - دوسری سمت بادشاہ مقدونی ٹوپی پہنے گھوڑے پر سوار ہے -

پہلی سمت یونانی رسم‌الخط میں اور دوسری سمت پہلوی رسم‌الخط میں سہاراجاسا جیادراسا انتی ماخاسا کندہ ہے -

مسٹر ولسن کا بیان ہے کہ ان میں سے بہت سے سکے متعدد مقامات پر سے دستیاب ہوئے ہیں -

مسٹر میسون نے انہیں ہزارہ کے علاقہ سے جمع کیا ہے گو یہ الگ نوع کے ہیں ، لیکن ان پر بھی اوپر مذکور عبارت کندہ ہے -

ان میں سے نمبر ۳ بھی مسٹر میسون کی دریافت ہے ، اس کی ایک طرف نیپ چون (Neptune) کی شبیہ ہے اور دوسری طرف بادشاہ ٹوپی پہنے نظر آتا ہے -

مسٹر ولسن نے اس بادشاہ کے جس تانبے کے سکے کا ذکر کیا ہے ، وہ جنرل ونٹورا نے پنجاب سے ''برآمد'' کیا تھا(۱) -

مسٹر ونسنٹ سمتھ نے اس بادشاہ کے چودہ سکوں پر روشنی ڈالی ہے - ان کی رو سے اس بادشاہ کا زمانہ ۱۳۰ قبل از مسیح ہے (۲) -

اور اس کے چودہ چاندی کے سکے جو ایک ہی نوع کے ہیں ، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال اور انڈین میوزیم میں ، ان کے زمانہ میں موجود تھے -

مسٹر ونسنٹ سمتھ کے بیان کے مطابق بادشاہ سکے کی ایک سمت قوس پہنے گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہے - یہ سکہ گول ہے اور اس پر بادشاہ کا نام یونانی حروف میں (ANTIMAXOY) رقم ہے اور خروشتی رسم الخط میں انتی ماخاسا سہاراجاسا جیادراسہ تحریر ہے (مطابق پلیٹ ۶ نمبر ۳) -

---

۱- آریانا انٹیک - ص ۲۷۳ - ۲۷۵ -
۲- کیٹلاگ ص ، ۲۹ پلیٹ ۶ -

فیلوکسینز ۱۲۵ قبلِ مسیح

ونسنٹ سمتھ ھی اس امر کے راوی ھیں کہ بادشاہ فیلوکسینس مغربی پنجاب کا تاجدار تھا اور اس کا زمانہ ۱۲۵ قبل از مسیح ھے(۱) -

مسٹر ولسن نے اس تاریخ سے اختلاف کیا ھے - ان کی رو سے یہ بادشاہ ۱۳۰ قبل از مسیح کا ھے اور بہت سے فضلا اور علما کے بیانات کے مطابق انٹی ماچوس کا جانشین تھا ، کیونکہ وہ اپنے سکوں پر اسی طرح بھاگتے گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ھے جیسے کہ انٹی ماچوس اپنے سکوں میں نقش ھے - فرق صرف یہ ھے کہ قبل الذکر نے مقدونی ٹوپی پہن رکھی ھے اور متاخرالذکر خود اوڑھے ھے -

مسٹر ولسن کا اصرار ھے کہ اس نے صرف پانچ سال حکومت کی تھی اور ہزارہ کی پہاڑیوں تک محدود رہا تھا(۲) -

اس کے چاندی کے سکوں میں مسٹر ولسن نے صرف دو کا ذکر کیا ھے - ان میں سے پہلا ٹیٹراچم جنرل ونٹورا نے پنجاب کے پہاڑوں سے ڈھونڈا ھے اور پرنسپ نے جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی اشاعت جون ۱۸۳۵ء میں اس پر تنقید کی ھے(۳) -

سکے کی دائیں سمت بادشاہ کی شبیہ ھے ، بادشاہ خود پہنے ھے اور اس پر یونانی رسم الخط میں بادشاہ کا نام لکھا ھے :

پچھلی طرف سوار گھوڑے پر چڑھا ھے اور ھندی یا خروشتی میں یہ حروف لکھے ھیں :

مہاراجا سا آپا تہا تاسا پیلاس سیناسا

ٹٹرا ڈراچم نمبر ۲ بھی پہلے اسی شکل کا ھے اور اس پر بھی دونوں رسم الخطوں میں پہلے ایسے حروف کندہ ھیں -

مسٹر ونسنٹ سمتھ کے نزدیک چاندی کے اس سکے پر خروشتی رسم الخط میں یہ عبارت لکھی ھے -

---

۱- کیٹلاگ سمتھ جلد اول ، ص ۳۰ -

۲- آریانہ انیٹک ، ص ۲۷۵ -

۳- جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال جون ۱۸۳۵ء -

مہارا جاسا آپا سہاتا سا فیلاسینا سا (۱) ۔

بادشاہ '' فیلاسینا '' کے ایک تانبے کے سکے پر بھی مسٹر ولسن نے روشنی ڈالی ہے ۔ ان کی رو سے یہ سکہ چوکور اور درمیانے حجم کا ہے ۔ اس کے ایک سمت ایک عورت کھڑی نظر آتی ہے جو غالباً میرس کارپوفوروس ہے ۔ سکہ کی الٹی طرف بڑی کوھان والے بیل کی تصویر ثبت ہے اور اس پر خروشتی یا ھندی رسم الخط میں لکھا ہے :

مہارا جاسا آپا تہا سا پیلا شنیاسا

مسٹر ونسنٹ سمتھ نے اپنی کیٹلاگ میں تانبے کے ایسے چار سکوں کا ذکر کیا ہے ، جو ایشیاٹک سوسائٹی بنگال اور انڈین میوزیم میں ان کے زمانہ میں محفوظ تھے ۔

انٹی السکیڈس ۱۲۵

مسٹر ولسن کی رو سے چونکہ اس بادشاہ کے سکوں اور لیسیاس کے سکوں میں بڑی مشابہت ہے اس لیے عام خیال یہ ہے کہ یہ دونوں بادشاہ ایک دوسرے کے عزیز تھے ۔

مسٹر پرنسپ نے اپنے مضمون '' بکٹارئین کائنز '' میں مسٹر میسون کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ان دونوں بادشاھوں کو مختلف شاھی خاندانوں سے متعلق سمجھتے ھیں ۔

بہرحال پروفیسر لیسن کو پختہ یقین ہے کہ انٹی الکیڈس ، لیسیاس کا پیشرو تھا ، اس نے آرچوسیا اور مغربی کابل میں ایک نئی بادشاھت کی بنا رکھی تھی ۔

بعض لوگوں نے پروفیسر لیسن کے اس خیال کی تردید کی ہے اور تردید کرتے وقت حسب ذیل دلائل پیش کیے ھیں ۔ انٹی الکیڈس کے چاندی کے سکوں پر اس کی جو شبیہ ثبت ہے وہ یا تو مقدونی ٹوپی پہنے ہے یا اس کے سر کے گرد ایک ربن لپٹا ہے ۔ اس کے برعکس لیسیاس کے سکوں پر جو شبیہ کندہ ہے ، اس کے سر پر ھاتھی کے سر والی ویسی ھی ٹوپی ہے جیسی ڈیمی ٹروس کے سکوں پر اسے پہنائی گئی ہے ۔

۱۔ کیٹلاگ جلد اول ، ص ۳۰ ۔

مسٹر ولسن کہتے ھیں اس بات کا امکان بھی ھے کہ انٹی الکیڈس ھیلی اوکلس کا وارث ھو ۔ ولسن نے اس بادشاہ کے چاندی کے سکوں میں چار کا انتخاب کیا ھے ، جن میں سے پہلے کے بارے میں وہ کہتے ھیں کہ اس کے دائیں رخ بادشاہ کی شبیہ ثبت ھے جو مقدونی ٹوپی پہنے ھے اور اس پر یونانی رسم الخط میں بادشاہ کا نام لکھا ھے ۔

پچھلی سمت جوپیٹر براجمان ھے ۔ جو ایک اونچی پشت والی کرسی پر بیٹھا ھے ۔ اس کا بایاں ھاتھ اس کے بائیں گھٹنے پر رکھا ھے اور دایاں ھاتھ اوپر کو اٹھا ھے اور فتح کی نشانی پام کی شاخ اور ھار اس کے ھاتھ میں ھے ۔ دائیں ھاتھ کے نیچے ایک ھاتھی کی شبیہ ھے جس کی سونڈ اوپر کو اٹھی ھے اور پہلوی رسم الخط میں یہ عبارت رقم ھے :

مہاراجاسا جے دراسا انٹی الکی ٹاسا

یہ سکہ مسٹر میسون کے ذخیرہ کا ھے ۔ جو انھوں نے بیفرام سے پایا تھا ۔ ایک اور سکہ جنرل ونٹورا نے رائل ایشیاٹک سوسائٹی کو نذر کیا تھا ، تیسرا سکہ ڈاکٹر سونی Dr. Swiney کی ملکیت ھے ۔ اس سکہ پر مسٹر پرنسپ نے جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی اشاعت جولائی میں تنقید کی ھے ۔ چوتھا سکہ جنرل ونٹورا نے خود مسٹر پرنسپ کو دیا تھا ۔

ان ھی دنوں تین اور ایسے ھی سکے مسٹر میسون نے اپنے گھر روانہ کیے تھے ۔

دوسری قسم کے بارے میں مسٹر ولسن کا بیان ھے کہ اس پر بھی بادشاہ کی شبیہ ثبت ھے ، وہ ھار نما ٹوپی بھی پہنے ھے اور اس پر یونانی میں وھی تحریر لکھی ھے جو اوپر کے سکے پر نقش ھے ، الٹی سمت جوپیٹر بھی پہلے ھی کی طرح بیٹھا ھے ۔ البتہ فتح کی علامت دوھری پام شاخ ھے اور ھارنما ٹوپی پر ھیرے ٹکے ھیں اور ھاتھی کی شبیہ دائیں سمت ھے اور ایرانی اور خروشتی رسم الخط میں یہ عبارت کندہ ھے ۔

مہارا جاسا جے دھاراسا ایٹی الی کی ٹاسا

یہ سکہ نادر نوعیت کا ھے اور اسے جنرل ونٹورا نے سوسائٹی کو نذر کیا تھا ۔ انھیں یہ سکہ لازماً پنجاب کے علاقہ سے ملا تھا ۔

۱۔ ولسن آریانہ انٹیک ، ص ۲۷۶ ۔

تیسری قسم پر بھی بادشاہ کی شبیہ ثبت ہے - وہ ٹوپی پہنے ہے اور جوپیٹر دوسری سمت بیٹھا ہے (۱) -

مسٹر میسون نے اس نوع کا جو سکہ مسٹر ولسن کی رو سے حال ہی میں گھر بھجوایا (۱۸۳٦ء - ۱۸۳۹ء) - وہ اس سے اس لحاظ سے مختلف ہے کہ بادشاہ جو خود پہنے ہے وہ یوکرٹیڈس کی قسم کا ہے - چوتھی قسم چوکور ہے ، مسٹر میسون نے آخر میں جو سکے وطن بھجوائے تھے ، ان میں ایسے تین سکے بھی ہیں -

مسٹر ونسنٹ سمتھ راوی ہیں کہ انٹی الکیڈس ، لیسیاس کا شریک اور جانشین تھا اور پنجاب کا بادشاہ تھا۔ اس کا زمانہ تقریباً ۱۴۴ قبل از مسیح ہے -

مسٹر ونسنٹ سمتھ نے اس کے چاندی کے سکوں میں سے سولہ سکوں کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال اور انڈین میوزیم میں محفوظ تھے -

مسٹر ونسنٹ سمتھ کی رو سے پہلے سکے پر ھاتھی کی جو شبیہ ثبت ہے اس میں ھاتھی کی گردن میں ایک گھنٹی بھی ہے اور خروشتی رسم الخط میں جو عبارت کندہ ہے اس میں مہاراجا جے دراھسا (۲) کے الفاظ کے بعد آمتی الی کیڈاسہ کے حروف ہیں -

ایسے سکے تین ہیں اور چوتھے سکے پر بادشاہ کی شبیہ خود پہنے ہے - پانچویں میں قوس اوڑھے ہے اور باقی سارے سکے اس سے ملتے جلتے ہیں -

اس بادشاہ کے تانبے کے سکے بھی کافی تعداد میں ملے ہیں جن میں سے دو چوکور اور ایک گول درمیانے سائز کے سکے پر مسٹر ولسن نے بحث کی ہے - ان میں سے چوکور اور گول سکوں پر بادشاہ کی جو شبیہ دائیں سمت ہے اس میں وہ ٹوپی پہنے ہے اور دائیں کندھے میں وہ ایک لاٹھی تھامے ہے اور چہرے پر کسی قدر داڑھی ہے -

مسٹر ولسن کا بیان ہے کہ پہلے پہل ۱۸۳۴ء میں جرنل ایشیاٹک سوسائٹی کی اشاعت اپریل میں ان سکوں پر تنقید کی گئی تھی ، پھر جون

۱- آریانہ انٹیک ، ص ۲۷۷ - ۲۷۸ -

۲- کیٹلاگ ، ص ۱۵ - ۱٦ -

میں یہ زیرِ بحث آئے اور ۱۸۳۶ء کے فروری اور مارچ میں اس پر مزید بحث ہوئی -

آرچیبوس

اس بادشاہ کے جو سکے برآمد ہوئے ہیں ، ان پر اس کا نام باہم مختلف ہے - مثلاً بعض پر آرچی لیوس لکھا ہے ، بعض پر آرچی ریئوس اور بعض پر آرچی بیؤس - مسٹر ولسن کے نزدیک آخری نام زیادہ ترجیح کے قابل ہے -

اس بادشاہ کےتین چاندی کے سکوں پر مسٹر ولسن نے تنقید کی ہے - ان کی رو سے پہلے سکے پر بادشاہ کی شبیہ دائیں سمت ثبت ہے ؛ وہ ٹوپی پہنے ہے اور ٹوپی کے اوپر یونانی رسم الخط میں اس کا نام لکھا ہے -

الٹی سمت جوپیٹر کھڑا ہے - اس کا نچلا جسم لباس سے ڈھکا ہے ، اس کے دائیں ہاتھ میں بادشاہی نشان ہے اور بائیں میں تین شاخہ نیزہ ہے اور خروشتی خط میں لکھا ہے -

مہاراجاسا دھمی کاسا جےدراسا اخالی یاسہ

ایک دوسرے سکے پر جسے فاضل ولسن نے ڈراچم نمبر۲ کا عنوان دیا ہے - مہاراجاسا وھمی کاسا جے دراسا کے بعد آخابیاسہ تحریر ہے -

تیسرے نمبر کے سکے پر دائیں سمت فتح کی دیوی اپنے پر پھڑپھڑا رہی ہے اور ہار نما ٹوپی ہاتھ میں پکڑے ہے - اخا بیاسہ کے لفظ کی تائید مسٹر سمتھ نے بھی کی ہے - گو انھوں نے جو سکہ پڑھا ہے ، وہ بہت گھسا ہؤا تھا (۱) -

مسٹر سمتھ نے یہ شہادت بھی دی ہے کہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی تحویل میں چوکور تانبے کا ایک سکہ ایسا بھی ہے ، جس کی پشت پر الو کی تصویر ہے اور سیدھے رخ ایک ہاتھی کھڑا ہے اور خروشتی رسم الخط میں لکھا ہے : مہاراجاسا دھرمی کاسا جے دراسا آرخی بیاسہ -

---

۱- آریانہ انٹیک ، ص ۲۷۹ -

مینانڈر ۱۶۰ - ۱۴۰ قبلِ مسیح

مسٹر ونسنٹ سمتھ کی رو سے مینانڈر بختاری یونانی بادشاہ کابل ، اور سندھ ۱۶۰ قبلِ مسیح میں تخت نشین ہؤا تھا اور اس کے ۹۶ سکے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی تحویل میں تھے - ان سارے سکوں پر فاضل سمتھ نے روشنی ڈالی ہے (۱) -

جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ، میناںڈر قدیم مغربی پاکستان کے ان عظیم ترین بختاری یونانی بادشاہوں میں بے حد ممتاز ہے ، جنھوں نے سیال کوٹ کو پایۂ تخت بنا کر بنارس تک کے علاقہ پر حکومت کی تھی - سٹریبو کی رو سے ، میناںڈر نے اپنی حدودِ سلطنت زیادہ تر مشرق رخ پر پھیلائی تھیں اور ستلج (Hypanis) کو عبور کر کے دریائے جمنا (Isamus) تک جا پہنچا تھا -

ایرین (Arrian) اور پلوٹارک (Plutarch) بھی اس کا ذکر کرتے ہیں اور اسے بختاریہ کا بادشاہ ٹھیراتے ہیں -

بائر، ویلنز (Valens) کے تتبع میں میناںڈر کو ایوتھی ڈیموس بادشاہ کا بھائی اور جانشین قرار دیتا ہے - وہ اسے بختاریہ کا بادشاہ بھی کہتا ہے اور ہندوستان کا بھی -

مسٹر ولسن کا بیان ہے کہ اس کے سکوں کو دیکھ کر ہم حتماً اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ وہ بختاریہ کا بادشاہ نہ تھا - زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ وہ کوہ پارو پامیسا کے دامن سے لے کر سمندر تک کے علاقے کا بادشاہ تھا - سندھ کے مشرق میں اس کی حدود سلطنت کیا تھیں ؟ یہ سوال دقت طلب ہے (۲) -

مسٹر ولسن مزید کہتے ہیں اس بادشاہ کے زیادہ سکے بیفرام ، نواح کابل اور ہزارہ کے پہاڑوں سے برآمد ہوئے ہیں - کرنل ٹوڈ نے جمنا کے کنارے کے بعض مقامات سے بھی اس کے سکے، برآمد کیے ہیں - ہو سکتا ہے کہ اگر کچھ اور مقامات کی کھدائی ہو تو وہاں سے بھی یہ سکے مل جائیں - ولسن

۱- آریانہ انٹیک ، ص ۲۸۰ -
۲- کیٹلاگ آف کائنز جلد اول ، ص ۱۷ -

کے نزدیک چونکہ مینانڈر کے سکے زیادہ تر کابل کے قریب کے کسی مقام سے جاری ہوئے تھے اس لیے اس کا پایۂ تخت کابل کے آس پاس تھا (۱) -

ہم پیچھے بعض حوالوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ مینانڈر کا پایۂ تخت سگالہ ، سیال کوٹ تھا (۲) - کتاب '' انڈیا '' کے مصنف رالنسن نے تو وہ گفتگو بھی نقل کی ہے ، جو ناگ سینا بدھ ارھٹ اور میناںڈر میں سیال کوٹ میں ہوئی تھی (۳) -

ولسن کے نزدیک اس بادشاہ کے سب سے بڑے سکے ، ڈیڈراچم ہیں - یہ سکے گو بڑے اچھے فن کے مظہر ہیں لیکن صنعتی تکمیل کے لحاظ سے ہیلی اوکلس کے سکوں سے کم‌تر ہیں - اس بادشاہ کے چاندی کے چھوٹے سکے بھی کافی تعداد میں ملے ہیں لیکن تانبے کے سکوں کا تو حساب و شمار ہی نہیں ہے - یہ تو ڈھیروں کے حساب سے کھوجیوں کے ہاتھ لگے ہیں -

مسٹر ولسن کہتے ہیں کہ اس بادشاہ کے سکوں کی اس قدر کثرت اس امر کا ثبوت ہے کہ اس نے بہت دیر تک حکومت کی تھی اور اس کا زمانہ بہت خوش حالی اور امن و امان کا زمانہ تھا - بلاشبہ اس کے بعض سکوں سے اس بادشاہ کی جنگجوئی اور فاتحانہ صلاحیتوں کا اظہار بھی ہوتا ہے ، وہ کہیں میدانِ جنگ میں لڑتا دکھایا گیا ہے ، کہیں سر پر خود اور جسم پر زرہ بکتر پہنے ہے -

ولسن کو اس امر پر بھی اصرار ہے کہ میناںڈر ، ایوتھی ڈیموس ، یوکرٹیڈس اور ہیلی اوکلس کے بعد کی شخصیت ہے اور اس کا زمانہ ۱۲۶ قبلِ مسیح سے پہلے کا نہیں ہے -

اس کے بعض سکوں پر چونکہ دیوی منروا کی تصویر اور بعض پر ایک طرف ہاتھی اور دوسری سمت ہرکولیس کی شبیہ موجود ہے اس لیے گمان ہے کہ وہ ایوتھی ڈیموس اور ڈیمی تروس کا رشتہ دار تھا - اس کے بعض سکوں سے مسٹر ولسن نے یہ قیاس بھی کیا ہے کہ وہ ہیلی اوکلس اور اگاتھوکلس کے بعد تخت نشین ہؤا تھا (۴) -

---

۱- آریانہ انٹیک ، ص ۲۸۱ -
۲- ونڈر دیٹ واز انڈیا ، ص ۵۹ -
۳- رالنسن انڈیا ، ص ۱۴ -
۴- آریانہ انٹیک ، ص ۲۸۳ -

مسٹر سمتھ نے اس کے چاندی کے تئیس سکوں کے بارے میں صراحت کی ہے کہ اس کے ایک رخ بادشاہ کا چہرہ ثبت ہے، وہ سر پر خود پہنے ہے اور یونانی رسم‌الخط میں اس کا نام لکھا ہے -

دوسری طرف پالاس کی شبیہ ہے اور خروشتی رسم الخط میں لکھا ہے (۱) -

مہارا جاسا ، تراتاراسا ، مینا دراسا

E حرف مونوگرام ہے -

پہلے ڈیڈراچم کے بارے میں ولسن کہتے ہیں کہ مسٹر میسون نے یہ کابل سے خریدا تھا اور یہ بڑا خوبصورت سکہ ہے - مینانڈر کے سو چاندی کے سکے مسٹر میسون نے ہزارہ کے ایک ہندو سے خرید کیے تھے - جو خدا جانے کب سے ان کی خرید و فرخت کا کام کرتا تھا - یہ سکے گو ایک ہی طرح کے ہیں اور ان پر جو حروف کندہ ہیں ان میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے ، لیکن بعض جزئیات چونکہ مختلف ہیں اس لیے ان کی وضاحت ضروری ہے ، مثلاً وہ سکے جن پر بادشاہ خود پہنے ہے اور ہتھیاروں سے حملہ کرتا نظر آتا ہے ، زیادہ تعداد میں ہیں -

ولسن ہی کا بیان ہے کہ مینانڈر کے بعض نادر وضع کے سکوں میں سے کچھ جنرل ونٹورا نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کو نذر کیے تھے - مینانڈر کے سکوں میں سے نمبر ۲ سکہ پہلے پہل منظرِ عام پر لایا گیا - اسے منظرِ عام پر لانے کا سہرا ، ڈاکٹر سونی کے سر ہے اور مسٹر پرنسپ نے جرنل یشیاٹک سوسائٹی کے شمارہ اگست ۱۸۳۲ء میں اس پر تنقید کی تھی (۲) -

اس بادشاہ کے تانبے کے سکوں میں سے نمبر ۷ کو ولسن نے نادر قرار دیا ہے - اس میں بادشاہ کا سر ننگا ہے ، گو گردن کے پیچھے ٹوپی کا ایک حصہ نظر آتا ہے مگر واضح نہیں ہے -

درمیانے حجم کے تانبے کے چوکور سکوں کے ایک طرف بادشاہ کی جو شبیہ ثبت ہے وہ یوں تو خود پہنے ہے لیکن گردن کے پیچھے سے بال

۱- کیٹلاگ آف بکٹیرین اینڈ انڈوگریک کائنز ، ص ۲۲ -
۲- آریانہ انٹیک ، ص ۲۸۵ - جرنل ایشیاٹک سوسائٹی اگست ۱۸۳۲ء -

کندھے ہوئے ھیں اور دوسری سمت فتح کی دیوی کھڑی ھے - اس کے ایک ھاتھ میں پام کی شاخ اور دوسرے میں ایک ھار ھے -

تانبے کے ایک گول سکے کے متعلق جسے مسٹر سمتھ نے اپنی کیٹلاگ میں ۲۴ واں نمبر دیا ھے - کہا گیا ھے کہ وہ کھوکھرا کوٹ رھتک سے برآمد ھؤا تھا -

نمبر ۲۵ سکے کی ایک سمت بادشاہ کی شبیہ ھے - بادشاہ خود پہنے ھے اور دوسری سمت دیوتا پالاس ایک ھاتھ میں تین رخا نیزہ اور دوسرے میں مقدس ڈھال اٹھائے ھے(۱) -

پینتالیسویں نمبر کے سکوں تک کو سمتھ اسی سکے سے مشابہ ٹھیراتے ھیں - نمبر ۴۶ کے سکے کے بارے میں البتہ کہتے ھیں کہ اس کے ایک رخ بادشاہ کی جو شبیہ ھے اس میں بادشاہ چھوٹا سا نیزہ کندھے پر اٹھائے ھے ، دوسری سمت فتح کی دیوی پہلے ایسے انداز میں کھڑی ھے - یہ سکے نمبر ۷۶ تک چلتے ھیں اور ایک جیسے ھیں -

نمبر ۷۷ اور ۷۸ کے ایک طرف پالاس کا چہرہ ثبت ھے ، جو خود پہنے ھے اور دوسری سمت الو بیٹھا ھے - ۷۹ سے ۸۲ تک کے سکوں کی ایک طرف تو پالاس ھی کا چہرہ ثبت ھے مگر دوسری سمت نائک Nike ایک ھاتھ میں ھار اور دوسرے میں پام شاخ پکڑے ھے -

۸۳ سے ۸۴ تک کی ایک طرف پالاس ھی کا چہرہ ھے اور دوسرے رخ بیل کا سر وسط میں نقش ھے -

۸۵ سے ۹۳ تک ایک سمت ھاتھی کا سر ھے جس کے گلے میں گھنٹی لٹک رھی ھے اور دوسری طرف ایک موٹے سرے والی لاٹھی ھے - ۹۴ سے ۹۵ الف اور ۹۶ تک ایک سمت بیل کا سر ھے اور دوسری سمت تین پایہ سٹول ھے اور نمبر ۹۶ پر ایک سمت دو کوھانوں والا اونٹ چلتا دکھائی دیتا ھے . اور دوسرے رخ بیل کا سر ثبت ھے - ان سب سکوں پر جن کا اوپر ذکر ھؤا ھے میناندر کو میناندراسہ مہاراجاسا اور تراتاراسا قرار دیا گیا ھے - ھر سکے پر ایک جانب یونانی عبارت لکھی ھے اور دوسری جانب خروشتی! ان میں سے کچھ سکے گول ھیں اور کچھ چوکور!

۱- کیٹلاگ جلد اول ، ص ۲۷ - (سمتھ)

میناںڈر کے باب میں مسٹر پرنسپ نے بہت مختصر گفتگو کی ہے۔ تاہم ان کا یہ خیال قابل توجہ ہے کہ میناںڈر بختاریہ کے تخت پر بیٹھنے سے پہلے اپنی جدا گانہ سلطنت سندھ کے دور جنوبی حصے میں قائم کر چکا تھا(۱)۔

اپالوڈوٹس ۱۵٦ قبل مسیح - ۱۴۰ قبل مسیح

سمتھ کے الفاظ میں اپالوڈوٹس (Apollodotos) اغلباً یوکرٹیڈس کا بیٹا اور پنجاب کے شمال مغربی سرحدی علاقہ کا بادشاہ تھا اور اس کا زمانہ ۱۵٦ قبل از مسیح سے ۱۳۰ قبل مسیح تک ہے۔ میناںڈر کے بعد یہی بادشاہ ہے جس کے سکے زیادہ تعداد میں، مذکورہ بالا علاقہ سے دستیاب ہوئے ہیں۔

اپالوڈوٹس کے بارے میں ولسن کا خیال ہے کہ وہ میناںڈر کا بیٹا تھا۔ تبھی اس کے سکے میناںڈر کے سکوں سے مشابہ ہیں اور تبھی اس کا زمانہ ۱۱۰ قبل مسیح قرار دیا گیا ہے تاکہ باپ سے مؤخر ہو، جس کا زمانہ ۱۲۵ قبل مسیح تھا۔ اپالوڈوٹس کے زیادہ تر تانبے کے سکے چوکور ہیں۔ ان کی ایک طرف ہاتھی کی شبیہ ہے اور دوسری طرف ہندوستانی بیل کی۔

ولسن کی رو سے یہ بات اس کی دلیل ہے کہ یہ بادشاہ ہندوستانی قلمرو کا مالک تھا(۲)۔

ولسن اس امر کے بھی راوی ہیں کہ اس بادشاہ نے اپنے سکوں پر پہلی بار خروشتی حروف بطور ''مونوگرام'' تحریر کرائے تھے۔

مسٹر ولسن نے اس کے سکوں میں سے تین چاندی کے اور سات تانبے کے سکوں پر تنقید کی ہے(۳)۔ مسٹر سمتھ نے ۵۳ سکوں کے بارے میں خبر دی ہے کہ یہ ان کی تنقید کے وقت ایشیاٹک سوسائٹی بنگال اور انڈین میوزیم کی کیٹلاگ میں تھے۔ جن میں سے ۳۲ چاندی کے ہیں اور باقی تانبے کے۔ چاندی کے ان بتیس میں سے ۱۱ گول ہیں اور ۱۹ چوکور۔

۱۔ پرنسپ ایسیز آن انڈین انٹی کیوٹیز جلد اول، ص ۱۸۸۔
۲۔ آریانہ انٹیک، ص ۲۸۸۔
۳۔ آریانہ انٹیک، ص ۲۸۹ - ۲۹۰۔

۹ پر ایک رخ بادشاہ کی شبیہ ہے اور یونانی میں اس کا نام کندہ ہے :

دوسرے رخ پالاس کی تصویر ہے اور خروشتی رسم الخطمیں لکھاہے:

مہاراجاسا تراتراسا اپالاداتسا

مسٹر ولسن کا بیان ہے کہ اس بادشاہ کا پہلا چاندی کا سکہ ڈاکٹر سونی (Swiney) نے کرنال سے برآمد کیا تھا ۔ مسٹر پرنسپ نے اس پر جرنل ایشیاٹک سوسائٹی کی اشاعت اگست ۱۸۳۳ء میں روشنی ڈالی ہے ان میں سے باقی سکے جنرل ونٹورا نے جمع کیے ہیں ۔

نمبر ۲ ھیمی ڈراچم چوکور ہے ، اس کے ایک طرف ایک ھاتھی چلتا نظر آتا ہے اور دوسری سمت کوھان والا بیل براجمان ہے ۔

سمتھ کی کیٹلاگ میں اس سکے کا نمبر ۱۲ ہے ۔ سمتھ کہتے ھیں کہ نمبر ۱۰ اور ۱۱ سکے گول ھیں اور نمبر ۱۲ سے لے کر ۳۲ تک ایک ھی قسم کے سکے ھیں(۱) ۔

۳۳ نمبر تانبے کا گول سکہ ہے ، جس کے ایک طرف اپالو کھڑا ہے ۔ وہ دونوں ھاتھوں سے تیر پکڑے ہے اور اس کی پشت پر ترکش لٹکا ہے ۔

دوسری سمت ایک تین پایہ سٹول رکھا ہے اور خروشتی رسم الخط میں یہ حروف کندہ ھیں :

مہاراجاسا تاداراسا آپالاداتاسا

تانبے کے اس سکے کے بارے میں بھی ولسن کا خیال ہے کہ یہ پہلے پہل کرنل ٹوڈ نے شائع کیا تھا اور انھیں یہ متھرا سے ملا تھا ، اس کے بعد کئی اور ایسے ھی سکے متعدد مقامات سے برآمد ھوئے ھیں ، مگر زیادہ تر گھسے ھوئے ھیں ۔

ولسن کا بیان ہے کہ تانبے کے یہ سکے بڑے بھی ھیں اور چھوٹے بھی ، گول بھی ھیں اور چوکور بھی ۔ ان میں سے اکثر پر اپالو کی

۱۔ کیٹلاگ آف کائنز سمتھ جلد اول ، ص ۲۰ ۔

تصویر بنی ہے - کہیں کہیں تصویر بھی مختلف ہے اور لباس بھی - وہ سکہ جس میں آپالو سکھیتی لباس پہنے ہے اور جس پر شاہ شاہان کا خطاب تحریر ہے ، آپالوڈوٹس کے آخری زمانہ کا ہے(۱) -

ڈئیو میڈز ۱۰۰ قبل مسیح

مسٹر ولسن کہتے ہیں کہ میں نے ڈئیو میڈز (Dio Medes) کو اپالوڈوٹس کے بعد اس لیے جگہ دی ہے کہ اس نے بھی سوٹر (Soter) خطاب اختیار کر رکھا تھا ، گو مجھے علم ہے کہ ڈاکٹر گروٹی فنڈ بجا طور پر کہتے ہیں کہ ایک ہی قسم کے خطابات خاندان کے اتحاد کی ضمانت نہیں ہیں -

اس بادشاہ کے سکے چونکہ بہت تھوڑی تعداد میں دستیاب ہوئے ہیں ، اس لیے ولسن کا خیال ہے کہ اس نے بہت تھوڑی مدت حکومت کی تھی -

ان میں سے ایک سکہ چوکور اور درمیانے حجم کا ہے ، ایک رخ پر دو لڑاکے کھڑے ہیں - دونوں اپنے نیزوں پر اپنا بوجھ ڈالے ہیں - الٹی سمت بیل کی شبیہ ہے اور خروشتی رسم الخط میں حسب ذیل الفاظ لکھے ہیں :

مہاراجاسا تاداراسہ تامی داما

عجیب بات ہے اس بادشاہ کو سمتھ نے ۱۴۰ قبل از مسیح کا زمانہ بخشا ہے اور کہا ہے کہ یہ بادشاہ پنجاب کا حکمران تھا - سمتھ نے اس کے سکوں میں سے دو چاندی کے اور ۴ تانبے کے سکوں کی موجودگی کی شہادت دی ہے - جن میں سے چاندی کے سکوں پر ایک رخ بادشاہ کی شبیہ ہے ، وہ خود پہنے ہے اور اس پر یونانی میں اس کا نام اس طرح لکھا ہے : ΔΙΟΜΗ
ΔΟΥ

جس کا تلفظ خروشتی میں سمتھ نے ڈائی میڈاسہ کیا ہے(۲) - چونکہ اس کا زمانہ سمتھ کی رو سے ۱۴۰ قبل مسیح تھا اس لیے سمتھ نے اسے اپنی کیٹلاگ میں انٹی الکڈیس کے بعد رکھا ہے(۳) -

---

۱- آریانہ انٹیک ، ص ۲۹ -
۲- کیٹلاگ ، ص ۱٦ -
۳- ایضاً ، ص ۱۵-۱٦ -

ہرمیوز ۹۸ قبل مسیح

ولسن نے ہرمیوس کو ۹۸ قبل از مسیح کی شخصیت ٹھیرایا ہے ، جبکہ سمتھ اسے کابل کا آخری بادشاہ قرار دیتے ہیں جو اپنی ملکہ کالیا پائیا پر بہت مہربان تھا ، اس لیے اس کا نام بھی سکہ پر ثبت کر دیا (۱) -

ولسن کہتے ہیں کہ اس کا خطاب سوٹر شاید یہ ثبوت مہیا کرتا ہے کہ وہ میناںڈر اور اپولوڈوٹس کی نسل میں سے تھا -

اس امکان کی تائید اس بادشاہ کے ان سکوں سے بھی ہوتی ہے جو مذکورہ بادشاہوں کے سکوں سے بہت مشابہ ہیں -

اس بادشاہ کے ایک سکے کی الٹی سمت بادشاہ اور ملکہ کی شبیہیں بالکل اس طرح ثبت ہیں جس طرح کلوپیٹرا اور انٹی چوس ہشتم کی شبیہیں ان کے سکوں پر نقش کی گئی تھیں (۱۲۵ قبل مسیح) -

چونکہ خاتون بادشاہ کی بیوی ہے اس لیے اس کا نام بعد میں لکھا ہے - بعض سکوں کی پشت پر چلتے گھوڑے کی تصویر بھی بنی ہے -

مسٹر سمتھ نے اپنی کیٹلاگ میں پہلا نمبر اس سکے کو دیا ہے ، جس کے پہلے رخ پر بادشاہ اور ملکہ دونوں کے چہرے ثبت ہیں اور ان کے پہلو میں دونوں کے نام یونانی رسم‌الخط میں کندہ ہیں -

دوسرے رخ بادشاہ خود پہنے ہے اور گھوڑے پر سوار ہے اور پیٹھ پر تیر کمان اٹھائے ہے اور خروشتی رسم‌الخط میں لکھا ہے :

مہاراجا تراتاسا ہرمایاسا - کالیا پائیا

دوسرا نمبر بھی اسی نوع کا ہے - تیسرے سکے کے پہلے رخ صرف بادشاہ کی تصویر بنی ہے - بادشاہ خود پہنے ہے اور یونانی میں صرف اس کا نام لکھا ہے - الٹی طرف زیوس تخت پر جلوہ فرما ہے - اس نوع کے نو سکے ایشیاٹک سوسائٹی کے ذخیرے میں ، سمتھ کے زمانہ میں موجود تھے (۲) -

---

۱- کیٹلاگ ، ص ۳۱ -

۲- آریانہ انٹیک ، ص ۲۹۳ - ۲۹۴ -

تانبے کے ایسے ھی گیارہ سکے اور بھی تھے -

اس بادشاہ کا ایک سکہ ایسا بھی تھا ، جس کے ایک طرف بادشاہ کی اپنی تصویر ہے اور دوسری طرف نائک براجہان ہے - ۲۳ نمبر کے سکے میں دیوتا کی جو شبیہ بنی ہے اس کے چہرے پر داڑھی نظر آتی ہے اور الٹی طرف گھوڑا ہے -

مسٹر سمتھ کا بیان ہے کہ اس بادشاہ کے آخری دور کے سکوں پر جو ۴۰ - ۵۰ بعد از مسیح کے ھیں ، کاڈفیسس اول کا نام بھی لکھا ہے - مسٹر سمتھ نے ایسے پندرہ سکوں کی نشان دھی کی ہے - ان سکوں کے پہلے رخ پر ھرمیئوس کی شبیہ نقش ہے اور یونانی میں اس کا اسمِ گرامی بھی تحریر ہے ، لیکن الٹی طرف خروشتی زبان میں کجالا ، کساسا ، کشانا یاواگاسا دھرماتھیواسا کا نامِ نامی بھی لکھا ہے ، جو اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ کجالا ، کاڈفیسس اول ، آخر دنوں میں امور مملکت میں اس یونانی بادشاہ کا شریکِ کار تھا(۱) -

آگاتھوکلس ۱۳۵ قبلِ مسیح

عجیب بات ہے ، مسٹر ولسن نے بادشاہ آگاتھوکلس کا نام ھرمیئوس کے بعد رکھا ہے - حالانکہ ان کے اپنے بیان کے مطابق وہ ۱۳۵ قبلِ مسیح کا بادشاہ تھا - سمتھ نے اسے ۱۸۵ قبلِ مسیح سے متعلق کیا ہے اور کہا ہے کہ غالباً وہ پنٹیلون کا وارث تھا جس نے ۱۹۰ قبلِ مسیح میں شمال مغربی پاکستان کے سرحدی علاقوں پر حکومت کی تھی -

سمتھ کے نزدیک آگاتھوکلس کے سکے بھی پنٹیلون سے مشابہ ھیں - صرف ناموں کا فرق ہے - مثلاً پنتلون کے سکہ کے پہلے رخ پر بھی شیر کی تصویر ہے اور اس پر بھی -

دوسری سمت ایک ناچنے والی کی شبیہ ثبت ہے جس نے ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہن رکھے ھیں - اس کے کانوں میں لمبے لمبے بندے ھیں اور دائیں ھاتھ میں پھول پکڑا ہے(۲) -

مسٹر ولسن کی رو سے بات الٹی ہے ، پینتلون کی شخصیت مابعد کی

۱- کیٹلاگ آف کائنز ، ص ۳۳ - ۳۴ -

۲- کیٹلاگ آف کائنز سمتھ ، ص ۱۰ -

ہے اور آگاتھوکلس پہلے کا ہے - مسٹر ولسن کے نزدیک پنٹلون ۱۲۰ قبل مسیح میں برسراقتدار آیا تھا - یوں انھوں نے بھی یہ بات تسلیم کی ہے کہ پنٹلون اور آگاتھوکلس کے سکے ایک جیسے ہیں -

مسٹر ولسن یہ بھی کہتے ہیں کہ پنٹلون کا زمانہ بہت مختصر تھا اور یہ میناڈر تھا جس نے اس سے بادشاہت چھینی تھی -

آگاتھوکلس کے سکے دو قسم کے ہیں ، پہلی قسم پر صرف یونانی عبارت کندہ ہے اور یہ اپنی خوبصورتی اور پختگی کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہیں اور دوسری قسم پر برھمی رسم الخط استعمال ہؤا ہے - یہ پہلا سکہ ہے جو برھمی رسم الخط کے وجود کا ثبوت مہیا کرتا ہے -

پہلے پہل اس بادشاہ کے چاندی کے سکے روس کے راستے یورپ میں لائے گئے - البتہ ایک سکہ پنجاب سے بھی برآمد ہؤا - اس کے تانبے کے سکوں کی خاصی تعداد بیفرام سے ملی ہے -

مسٹر ولسن کہتے ہیں کہ اس کے سکوں پر شراب کے دیوتا کی شبیہ ثبت ہونے کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ ایسے علاقہ کا حکمران تھا جہاں انگور بکثرت پیدا ہوتا اور اس سے شراب بنائی جاتی - مسٹر ولسن کے نزدیک یہ علاقہ چھوٹے تبت ، ھنزہ ، گلگت اور چترال اور کافرستان پر مشتمل تھا (۱) -

پروفیسر لیسن نے اسے دریائے کابل کے کنارے پر آباد شہر نیسیا سے منسوب کیا ہے - جہاں سکندر مقدونی کے ساتھی رک گئے تھے اور جہاں انھوں نے انگوروں کی بیلوں کو دیکھ کر ایسا محسوس کیا تھا جیسے کہ اپنے ھی وطن کے ماحول میں ہیں اور جہاں شراب کے دیوتا باچوس کی پرستش کی جاتی ہے - ٹولمی اس مقام کو ناگرا سے تعبیر کرتا ہے -

یہیں کہیں آگاتھوکلس کی ٹکسال قائم تھی - ولسن نے آگاتھوکلس کو ھیلی اوکلس کا ہم عصر قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یا تو اس بادشاہ نے کوئی سلطنت قائم کی تھی یا یوکرٹیڈس کے قتل سے پیدا ہونے والے

۱- آریانہ انٹیک ، ص ۲۹۴ - ۲۹۵ - ۲۹۶ -

انتشار سے فائدہ اٹھا کر تخت و تاج پر قبضہ کر لیا تھا ۔

پروفیسر لیسن اس امر کے بھی دعویدار ہیں کہ ہندوستانی تاریخ میں جس سویاسا کا ذکر کیا گیا ہے وھی اگاتھوکلس تھا ۔ وشنو پران کی رو سے سویاسا اشوک کا بیٹا تھا ۔ بدھ روایات میں اسے گندھارا کا بادشاہ قرار دیا گیا ہے ۔ اگر یہ روایت صحیح ہو تو اگاتھوکلس شہنشاہ انٹی چوس عظیم کا ہم عصر ٹھیرتا ہے ۔

مسٹر ولسن کو اس نظریہ سے سخت اختلاف ہے ، کیونکہ ان کے نزدیک اگاتھوکلس بہر حال یونانی تھا اور سویاسا بہر صورت ہندو تھا (۱) ۔

ولسن کی رو سے آگاتھوکلس کے جس سکے پر دو رسم الخط استعمال ہوئے ہیں ، اس کی کیفیت حسب ذیل ہے ۔ شکل بالکل بے ہنگم ہے ، ایک طرف سے گول ہے اور دو طرف سے متوازی الاضلاع ہے ، چیتے کی شبیہ دائیں رخ پر بنی ہے اور اس کے پہلو میں یونانی رسم الخط میں بادشاہ کا نام لکھا ہے ۔

الٹے رخ ایک خاتون کی تصویر ہے جس کے سر پر ایک عمامہ بندھا ہے ، عمامہ کے گرد ربن لپٹا ہے ۔ یہ خاتون کانوں میں لمبے بندے پہنے ہے ،اس کا سینہ ننگا ہے اور کندھوں پر شال لٹک رھی ہے اور زیر ناف ڈھیلا ڈھالا مشرقی پاجامہ (غرارہ) پہنے ہے ۔ اس کے دائیں ھاتھ میں ایک پھول ہے ، اس نے اپنی شال کا ایک کونہ اپنے دائیں کندھے پر ڈال رکھا ہے اور اس پر برھمی رسم الخط میں ''اگاتھا کانیاجا'' لکھا ہے ۔

مسٹر ولسن کہتے ہیں کہ ایسے بہت سے سکے میسون ذخیرہ میں موجود ہیں اور ان پر ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی اپریل ۱۸۳۴ء ، نومبر ۱۸۳۶ء اور جون ۱۸۳۷ء کی اشاعتوں میں تنقید کی گئی ہے ۔ ہمارے نزدیک آگاتھوکلس اور پنٹلون کے سکوں پر برھمی رسم الخط کی موجودگی ، انھیں وادیٔ سندھ کے خاصے نیچے کے حصہ کا تاجدار ثابت کرتی ہے ۔ کیونکہ برھمی رسم الخط گندھارا کے علاقہ میں مستعمل نہ تھا، یہاں خروشتی کی شاھی تھی اور برھمی رسم الخط ، موھن جو ڈرو اور اس

۱۔ آریانہ انٹیک ، ص ۲۹۸ - ۳۰۰ ۔

سے پرے کے علاقہ میں ان دنوں رائج تھا ۔ بہر حال ان سکوں پر برھمی رسم‌الخط کی موجودگی خاصی اھمیت رکھتی ھے ۔

مسٹر سمتھ نے جو سکے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال اور انڈین میوزیم کی ملکیت بتائے ھیں ، ان میں سے نمبر ۳ کی پشت پر راجن اگاتھوکلہ کی عبارت ''برھمی'' میں لکھی ھے ۔

ایک پر اگاتھوکاشا بھی رقم ھے(۱) ۔

سٹریٹو اول

سمتھ کے نزدیک سٹریٹو اول کے سکوں پر کہیں تو اس کی ماں آگاتھوکلیا کی تصویر ثبت ھے اور کہیں وہ تنہا ھے ۔ اس کی شبیہ سے معلوم ھوتا ھے کہ وہ بالکل نوعمر بادشاہ ھے ۔

مسٹر سمتھ نے انڈین میوزیم اور رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی تحویل میں جو چاندی کے سکے ۱۹۰۶ء میں پائے تھے اور جن کی تفصیل انھوں نے اپنی کیٹلاگ میں پیش کی ھے ، ماں اور بیٹے کے وجود پردال ھیں ۔ پہلے سکے میں ماں کی شبیہ دائیں سمت ثبت ھے لیکن الٹی طرف ھیراکلس چٹان پر بیٹھا ھے اور نیچے خروشتی رسم‌الخط میں مہاراجاسا ، ترتاراسا دھرمیکاسا تھراتاسا لکھا ھے ۔

دوسرے میں پہلی سمت بیٹے کی شبیہ ھے اور دوسری طرف پالاس تشریف فرما ھے اور نیچے اوپر والی عبارت خروشتی میں لکھی ھے ۔

عجیب بات ھے پہلے سکے اور دوسرے سکے کی یونانی عبارت جزواً مختلف ھے پہلے سکے کی عبارت ھے :

ΒΑΣΙΛΙΣΣΗΣ ΘΕΟΤΡΟΠΟΥ

ΑΓΑΘΟΚΛΕΙΑΣ ΣΤΡΑΤΩΝΟΣ

اختلاف صرف نشان زدہ حصہ میں ھے :

تانبے کے ایک چوکور سکے کی پہلی طرف ھیراکلس کی شبیہ ثبت

۱۔ کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم ، ص ۱۰ ۔

ہے ۔ دوسری طرف پالاس تشریف فرما ہے اور نیچے خروشتی میں تھراتاسا کا نام رقم ہے(۱) ۔

ڈائنی سوس

مشرقی پنجاب ۱۴۰ قبل مسیح

سمتھ کی رو سے یہ بادشاہ مشرق پنجاب کا تاجدار تھا اور اس کا زمانہ ۱۴۰ قبل از مسیح تھا ۔

سمتھ نے کیٹلاگ میں اس کے چار سکوں کا حال لکھا ہے ، جن میں سے صرف ایک چاندی کا ہے اور تین تانبے کے ہیں ۔

پہلے سکے پر بادشاہ کی شبیہ سیدھے رخ ثبت ہے اور اس کے پہلو میں یونانی رسم الخط میں بادشاہ کا نام لکھا ہے ۔

اور دوسرے رخ پر پالاس براجمان ہے ۔ ایک ھاتھ میں پھولوں کا ھار پکڑے ہے اور دوسرے سے تین رخہ نیزہ اچھال رہا ہے اور خروشتی میں لکھا ہے :

مہارا جاسا ترتراسا دیانیسی یاسا

دوسرے سکے کی الٹی سمت پر بھی یہی عبارت لکھی ہے اور سیدھے رخ اپالو کی تصویر ہے ۔ یہ سکہ چوکور ہے اور تانبے کا ہے ۔ تیسرے اور چوتھے کی شکل و صورت اور وضع قطع بھی دوسرے سکے جیسی ہے ۔

زائلوس

سمتھ کا بیان ہے کہ یہ بادشاہ زائلوس (Zoilos) سابق الذکر کا ہم عصر تھا اور مشرقی پنجاب کا تاجدار تھا ۔

سمتھ نے اس کے پانچ سکوں کی نشان دھی کی ہے ۔ جن میں سے دو انڈین میوزیم میں اور تین ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے قبضے میں ہیں ۔

پہلے سکے کی دائیں سمت بادشاہ کا چہرہ ثبت ہے اور یونانی رسم الخط میں بادشاہ کا نام لکھا ہے ۔

دوسری سمت پالاس تشریف فرما ہے اور خروشتی رسم الخط میں یہ عبارت کندہ ہے :

مہاراجا سا ، تراتا راسا جھوئیلاسا

۱۔ کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم ، ص ۲۳ ۔

دوسرے سکے کی کیفیت بھی یہی ہے -

تیسرے اور چوتھے سکے کی دائیں سمت پہلے دونوں سکوں ایسی ہے ، لیکن پشت پر هیراکلس تشریف فرما ہے - اس کے ایک هاتھ میں هار ہے اور دوسرے میں لاٹھی اور شیرکی کھال - اور خروشتی میں اوپر والی عبارت لکھی ہے - پانچویں سکے کی دائیں طرف اپالو کی شبیہ بنی ہے اس کے دونوں هاتھوں میں ایک تیر ہے - ترکش اس کی پیٹھ پر ہے اور ایک هاتھی اس کے قریب کھڑا ہے (۱) -

هیپوسٹراٹوس Hippostratos ۱۲۰ قبل مسیح

سمتھ کی رو سے یہ بادشاہ مغربی پنجاب کا تاجدار تھا اور اس کا زمانہ تقریباً ۱۲۰ قبل مسیح ہے - قریب قریب یہی زمانہ ولسن کےنزدیک میناںڈر کا تھا -

سمتھ نے اس کے چار سکوں پر بحث کی ہے ، جن میں سے پہلے کی دائیں طرف بادشاہ کی شبیہ ثبت ہے اور دوسری طرف ایک دیوی تشریف فرما ہے - پہلی سمت یونانی میں بادشاہ کا نام لکھا ہے اور دوسری سمت خروشتی میں مہارا جاسا تراتراسا هیپاتھراتا سا رقم ہے -

دوسرے ، تیسرے اور چوتھے سکے کی پہلی سمت ، سکہ نمبر ایک ایسی ہے البتہ دوسری طرف بادشاہ سلامت خود پہن کر گھوڑے پر سوار هیں اور گھوڑے کی لگام کھینچ رکھی ہے -

اس سکے میں خروشتی رسم الخط میں نام کے ساتھ ایک اور لقب " جیام تاسا " بڑھایا گیا ہے -

تھیوپیلوس (Theophilos) ۱۲۰ قبل مسیح

یہ بھی پنجاب کا بادشاہ تھا زمانہ ۱۲۰ قبل مسیح ہے - اس کے صرف اس سکے کے بارے میں سمتھ نے تنقید ضروری سمجھی ہے جس کے ایک طرف بادشاہ کی شبیہ ہے اور بادشاہ کا نام خطابات کے علاوہ یونانی رسم الخط میں رقم ہے -

---

۱- کیٹلاگ ، ص ۲۹ -

دوسری طرف هیراکلس ایک هاتھ سے اپنے آپ کو تاج پہنا رها هے اور دوسرے میں لاٹھی اور شیر کی کھال پکڑے هے اور خروشتی میں خطابات کے بعد اس کا نام تھیوفیلاسا لکھا هے ۔

جن مذکورہ بالا سکوں کے بارے میں هم نے تصریحات پیش کی هیں ۔ یہ سارے کے سارے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال اور انڈین میوزیم میں ۱۹۰۶ء تک محفوظ تھے اور هم نے جو معلومات درج کی هیں ان کے سلسلے میں هم نے ولسن ، سمتھ اور پرنسپ کی شہادتوں پر زیادہ تر اکتفا کیا هے ۔

فصل دوم

انڈو پارتھی بادشاہ

مسٹر سمتھ کا بیان ہے کہ انڈو پارتھی بادشاھوں کے سکوں کے باب میں علمائے تاریخ کو خاصی دشواریوں سے گزرنا پڑتا ہے - فاضل محترم نے ، جرمن اورنٹیل سوسائٹی کی اشاعت جنوری میں ان دشواریوں پر سیر حاصل بحث کی ہے ، جس کا خلاصہ صرف اس قدر ہے کہ اگر انڈوپارتھی بادشاھوں کی کوئی مفصل تاریخ محفوظ ھوتی تو علمائے تاریخ کو ان دشواریوں کا سامنا نہ کرنا پڑتا -

اس تمہید کے بعد مسٹر سمتھ کہتے ھیں کہ مجھے اوروسیوس(Orosius) کے اس نظریے سے اتفاق ہے کہ پارتھیا کے میتھرا ڈیٹس اول نے سندھ اور جہلم کے درمیانی علاقہ پر یا دوسرے لفظوں میں ٹیکسلا کی بادشاھت پر ۱۳۸ قبل مسیح میں قبضہ کر لیا تھا -

لیکن چونکہ میتھرا ڈیٹس کی موت(۱۳۶ قبل مسیح)کے بعد صورت حال خاصی بدل گئی تھی اور نظام سلطنت میں ابتری واقع ھوگئی تھی اس لیے تقریباً ۱۲۰ قبل مسیح میں میؤس (ماؤ) نامی ایک مقامی سردار نے ٹیکسلا کی بادشاھت کی باگ ڈور اپنے ھاتھوں میں لے لی تھی - وہ نام کا بادشاہ خواہ نہ ھو ، عملاً اس کی شاھی تھی (۱) -

اسی وقت یا اس سے کچھ دن بعد ایک پارتھی سردار وونونس (Vonones) سیستان اور قندھار کی تقدیر کا مالک بنا - ان دونوں کے ساتھ ساتھ وہ پنجاب کی سرحدوں پر بھی من مانی کرتا - اس کی طرف سے پنجاب کے سرحدوں کی نگرانی پہلے اس کے بھائی سپالاھورا کے سپرد تھی ، بعد میں سپالاھورا (Spalahora) کے بیٹے سپالگادما (Spalagadama) کے ذمہ ھوئی - وونونس کے انتقال پر، اس کے ایک

۱- کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم ، ص ۳۶ - ۳ -

دوسرے بھائی سپالیر شا (Spalirisha) نے اس کی خالی جگہ پر کی - سپالیرشا نے اپنے بیٹے Azes (آیا) کو آرچوسیا کی نیابت سونپی لیکن جب سپالیرشا اس دنیا سے رخصت ہؤا تو اس کے بیٹے ایزس کو اس کا تاج پہننا نصیب نہیں ھؤا - میتھراڈیٹس ثانی نے پارتھیا اور آرچوسیا پر قبضہ کر لیا اور ایرس کو اجازت دی کہ وہ ٹیکسلا کا مالک بن جائے اور اس ملکیت پر اکتفا کرے -

ایرس یا آیا نے بڑی لمبی عمر پائی اور بہت دنوں تک حکومت کی اور جب مرا تو اس کی جگہ اس کے بیٹے آیا لیشا نے لی ، وہ مرا تو ایرس ثانی برسرِ اقتدار آیا ، وہ رخصت ھؤا تو گنڈوفیرس نے تاج پہنا -

سمتھ کہتے ھیں کہ گنڈوفیرس نے نہ صرف ٹیکسلا پر حکومت کی بلکہ زیریں سندھ بھی اس کے تابع تھا - ادھر وہ آرچوسیا اور سیستان تک جا پہنچا تھا (۱) -

جب ۶۰ء میں گنڈوفیرس مرا تو اس کی وسیع سلطنت کئی ٹکڑوں میں بٹ گئی - غالباً اس کا بھائی اورتھیگنس (Orthagnes) آرچوسیا پر غالب آیا اور اس کا ایک بھتیجا ابداگیسس (Abdagases) ٹیکسلا کا مالک ھؤا -

یہ وھی زمانہ ہے جب کہ وسطی ایشیا کے ڈھلوانوں پر بسیرا کرنے والے یوچی پنجاب کی شمال مغربی سرحدوں سے منہ زور سیلاب کے سے انداز میں ٹکرا رہے تھے - ابداگیسس نے بہت مختصر وقت تک حکومت کی اور چونکہ موت کے وقت اس کا کوئی وارث نہ تھا اس لیے حکومت غیرملکیوں کے قبضے میں چلی گئی اور تقریباً ۹۰ بعد از مسیح میں یوچی کشان بادشاہ کاڈفیسس ثانی (Kadphises) نے پنجاب ، سندھ اور آرچوسیا پر تسلط پایا ، لیکن اب بھی پارتھی سردار سندھ کے دوآبہ کے علاقہ میں کہیں کہیں برسرِ اقتدار تھے اور کنشک کے زمانہ یعنی تقریباً ۱۳۰ بعد از مسیح تک خود مختاری کے مزے لوٹتے رہے تھے -

مسٹر سمتھ لکھتے ھیں کہ حسب ذیل تاریخی ترتیب ان کے بیان کردہ سکوں کے سمجھنے میں مدد دے سکتی ھے -

---

۱- کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم ، ص ۳۶ - ۳۷ -

میتھرا ڈیٹس اول ۱۷۱ قبل مسیح ۔ ٹیکسلا پر قبضہ ۱۳۸ قبل مسیح ۔
میتھراڈیٹس کی وفات ۱۳۶ قبل مسیح ۔
میتھراڈیٹس ثانی ۱۲۳ قبل مسیح ۔
میتھراڈیٹس ثانی کی موت ۸۸ قبل مسیح ۔
ٹیکسلا کے انڈو پارتھی بادشاہ

میؤس	۱۲۰ قبل مسیح ۔ ایرس اول ۹۰ قبل مسیح ۔
ایزی لیسیاس	۴۰ قبل مسیح ۔ ایرس ثانی ۱۵ قبل مسیح ۔
گنڈوفیرس	۲۰ بعد از مسیح ۔ فتح سندھ ۴۰ بعد از مسیح ۔
گنڈوفیرس کی موت	۶۰ بعد از مسیح ۔
ابداگیسس	۶۰ بعد از مسیح ۔
وونونس	۱۱۵ قبل مسیح سپالاھورا اور سپالا گداما سپالیرشا ۱۰۰ قبل مسیح ۔

ایرس مرکزی پارتھی حکومت کی براہ راست ذمہ داری ۹۰ تا ۴۰ بعد از مسیح ۔

آرتھیگنس ۶۰ بعد از مسیح ، پاکورا ۷۰ بعد از مسیح ، آرسا کا ۷۵ بعد از مسیح اور کنشک ۱۳۰ بعد از مسیح(۱) ۔

میؤس ماؤ ۱۲۰ قبل مسیح ۔ ۹۰ قبل مسیح

مسٹر سمتھ نے اس تمہید کے بعد میؤس یا ماؤ سے آغاز کیا ھے ۔ ان کی رو سے اس بادشاہ نے ٹیکسلا پر ۱۲۰ قبل مسیح سے لے کر ۹۰ قبل مسیح تک حکومت کی تھی (۲) ۔

مسٹر ولسن کی رو سے میؤس یا ماہ ، ھرمیوس کا ھم عصر تھا ، اور بامیان یا کندوز کا بادشاہ تھا ۔ اس کے بعد ایرس حکمران ھؤا تھا(۳)۔

مسٹر سمتھ نے نمبر ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۴ اور نمبر ۵ تانبے کے سکوں کے بارے میں صراحت کی ھے کہ ان پر صرف یونانی رسم الخط استعمال ھؤا ھے ۔

۱۔ کیٹلاگ آف کائنز بائی سمتھ جلد اول ، ص ۳۷ ۔
۲۔ ایضاً ، ص ۳۸ ۔
۳۔ ولسن ، آریانہ انٹیک ، ص ۳۱۳ ۔

ان سکوں کے ایک طرف یونانی دیوتاؤں کے مقدس پیغامبر کی علامت خصوصی بھی ثبت ہے اور دوسری سمت ہاتھی کا چہرہ بنا ہے جو اپنی سونڈ اوپر کو اٹھائے ہے(۱) -

مسٹر ولسن نے اس سکے کو دوسرے نمبر پر رکھا ہے اور پہلا نمبر ایک چوکور لمبے سکے کو دیا ہے، جس کے دائیں رخ ایک مردانہ تصویر بنی ہے اور اس کے ایک ہاتھ میں تین شاخہ نیزہ ہے - دوسری طرف ایک دیوی کھڑی ہے، شاید یہ فتح کی دیوی ہے اور اس کے پہلو میں خروشتی رسم الخط میں یہ حروف رقم ہیں:

راجدھیراجاسا مہاتاسا ماء سا

مسٹر ولسن کہتے ہیں کہ یہ سکہ جنرل ونٹورا نے رائل ایشیاٹک سوسائٹی کو نذر کیا تھا اور یہ اپنی طرز میں منفرد ہے - پرنسپ نے جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے جولائی ۱۸۳۸ء میں اس پر بحث کی ہے(۲) -

ولسن کا چوکور نمبر ۳ درمیانے حجم کا ہے - اس کی دائیں جانب پہلے سکے ایسی ہے اور دوسری جانب بھی - پہلی جانب بادشاہ کا نام یونانی حروف میں اور دوسری جانب خروشتی میں کندہ ہے اور نام کندہ کرنے میں اختصار سے کام لیا گیا ہے - مثلاً

مہاتاسا ماء سا

نمبر ۴ بھی چوکور سکہ ہے - اس کے ایک طرف اپالو کھڑا ہے، جو بالکل ننگا ہے - اس کے دائیں ہاتھ میں تیر ہے اور بایاں کمان پر دھرا ہے - یونانی عبارت مکمل ہے - دوسری طرف بھی یہی عبارت پراکرت رسم الخط میں لکھی گئی ہے -

پانچواں سکہ بھی چوکور ہے، ہاتھی دائیں طرف براجمان ہے اور بائیں طرف ایک شخصیت آلتی پالتی مارے تخت پر بیٹھی ہے اور اس کے آگے تلوار رکھی ہے(۳) -

---

۱- کیٹلاگ، ص ۳۸ -
۲- آریانہ انٹیک، ص ۳۱۳ -
۳- جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال جولائی ۱۸۳۸ء -

سمتھ نے اس بادشاہ کے کل چودہ سکوں پر بحث کی ہے جو سارے کے سارے تانبے کے ھیں - جن میں ساتویں ، آٹھویں اور نویں اور دسویں نمبر کے سکے ملکی تاثرات کے حامل ھیں - ان کے ایک طرف بیل کھڑا ہے اور دوسری طرف دیوی آرٹیمس بھاگتی نظر آتی ہے اور اس کے چہرے کا نقاب لہراتا معلوم ھوتا ہے -

گیارھویں نمبر کے سکے میں ایک طرف ھرکولیس کھڑا ہے - اس کے ایک ھاتھ میں لاٹھی اور شیر کی کھال ہے اور دوسرا ھاتھ کمر پر رکھا ہے - دونوں زبانوں کی تحریر بہت مٹی ھوئی ہے -

خصوصیت سے خروشتی میں صرف راجاسا ماءسا کا الف اور سا زیادہ واضح ہے(۱) -

بارھویں نمبر کے سکے میں ایک طرف ھاتھی سونڈ اٹھا کر چلتا نظر آتا ہے - دوسری سمت یا تو بادشاہ یا کوئی دیوتا ، آلتی پالتی مارے تخت پر جلوہ فرما ہے - خروشتی میں بادشاہ کا نام بہت واضح ہے -

تیرھواں نمبر بھی ویسا ھی ہے -

چودھویں میں بادشاہ گھوڑے پر سوار ہے - کوڑا کندھے پر رکھا ہے اور دایاں ھاتھ آگے کو پھیلا ہے - دوسری سمت نائک کی شبیہ ہے ، اس کے ایک ھاتھ میں ھار ہے اور دوسرے میں پام کی شاخ ہے - بادشاہ کے نام کے خروشتی حروف بہت دھیمے ھیں ، البتہ یونانی حروف بہت صاف ھیں -

وونونس ۱۱۵ قبل مسیح - ۱۰۵ قبل مسیح

وونونس کے بارے میں سمتھ کا بیان ہے کہ وہ ۱۱۵ سے ۱۰۵ قبل مسیح میں ڈرنگینا اور آرچوسیا کا مالک تھا اور اس کا بھائی سپالاھورا اس کا وائسرائے تھا - سمتھ نے تین سکے ایک ھی طرح کے چھاپے ھیں ، یہ چاندی کے ھیں - ان کی ایک طرف بادشاہ گھوڑے پر سوار ہے اور یونانی میں اس کا نام اس کے سر کے اوپر لکھا ہے -

دوسری طرف زیوس کھڑا ہے - وہ ایک ھاتھ میں تین شاخہ نیزہ پکڑے ہے اور دوسرے کے سہارے شاھی نشان پر جھکا ہے جس کے

۱- کیٹلاگ سمتھ جلد اول ، ص ۳۹ -

ساتھ خروشتی میں مہاراجہ بھراتہ دھرماسا سپالاھوراسا کے حروف تحریر ھیں -

سپالاھورا

اوپر مذکور سپالاھوراسا کے اپنے نام کے سکے بھی پائے گئے ھیں -

ان کے ایک طرف بادشاہ گھوڑے پر سوار ھے ، دوسری سمت ھرکولیس چٹان پر بیٹھا ھے - اس کا ایک ھاتھ اسی چٹان پر رکھا ھے اور دوسرے سے اپنے کندھوں پر رکھی لاٹھی کو پکڑے ھے - پہلی سمت پر یونانی میں اور دوسری سمت خروشتی حروف میں بادشاہ کا نام لکھا ھے (۱) -

خروشتی حروف کے بارے میں سمتھ کی رائے ھے کہ ان کے ذریعے سپالاھورا پتراسا دھرمیسا سپالاگادماسا کی نشان دھی کی گئی ھے -

یہی سکہ اس امر کی بھی دلیل ھے کہ سپالاگادماسا ، سپالاھورا کا بیٹا اور اس کے ساتھ امورِ مملکت میں شریک تھا(۲) -

سمتھ نے ایسے چھ سکوں پر تبصرہ کیا ھے - سمتھ کے زمانے میں یہ سارے سکے انڈین میوزیم اور رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی تحویل میں تھے -

سپالیراشا ۹۰ تا ۱۰۰ قبلِ مسیح

سمتھ کے نزدیک سپالیراشا (Spalirasha) وونونس کا بھائی اور اس کا وارث تھا -

اس کے سکوں میں ایک طرف بادشاہ زرہ بکتر پہنے کھڑا ھے - اس کے ھاتھ میں جنگی کلھاڑا ھے اور پیٹھ پر کمان رکھی ھے اور یونانی میں بادشاہ کا نام لکھا ھے - جسے خروشتی میں اس طرح منتقل کیا گیا ھے -

مہاراجابھراھا دھرمیسا سپالیراشا

ایزس ۹۰ تا ۴۰ قبلِ مسیح

سمتھ کہتے ھیں شاید ایزس (Azes) جو ٹیکسلا اور مغربی پنجاب

۱- کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم ، جلداول ، ص ۴۰ -۴۱ - ۴۲ -

۲- ایضاً ، ص ۴۳ -

کا ۹۰ قبلِ مسیح سے لے کر ۴۰ قبلِ مسیح تک بادشاہ تھا ، سپالیراشا کا بیٹا تھا(۱) -

یہ امکان مسٹر ولسن نے بھی ایزی لیسس کے بارے میں ظاہر کیا ہے ان کے الفاظ ھیں :

Azilises may have been his son or his nephew and at any rate was probably his successor(۲).

دوسرے لفظوں میں مسٹر ولسن کے نزدیک ایرس کی بجائے ایزی لیسس سپالیراشا کا بیٹا یا بھتیجا تھا - حالانکہ سمتھ ایزی لیسس کو ایرس کا بیٹا قرار دیتا ھے -

مسٹر ولسن نے بھی یہ بات تسلیم کی ھے کہ ایزی لیسس اور ایرس کے سکوں میں باھمی اشتراک و تشابہ موجود ھے - لیکن وہ ایزی لیسس کو مقدم اور ایرس کو مؤخر رکھتا ھے - اس کے نزدیک ایزی لیسس ۶۰ قبلِ مسیح کا حکمران تھا اور ایزس نے ۵۰ قبلِ مسیح میں مسند سنبھالی تھی(۳) -

ھم نے اس سلسلہ میں سمتھ کی رائے کو ترجیح دی ھے - وہ کہتے ھیں کہ ایزس ۹۰ قبلِ مسیح میں تخت نشین ھؤا تھا اور چالیس قبلِ مسیح تک پچاس سال برابر حکومت کرتا رھا تھا اور ثبوت پیش کیا ھے کہ ایرس کے جو سکے برآمد ھوئے ھیں وہ بے شمار و بے حساب ھیں - خود انھوں نے ۸۷ سکوں کی نشان دھی کی ھے جن میں سے بائیس تو چاندی کے ھیں اور پانچ اقسام پر مشتمل ھیں - پہلی قسم گول سکوں کی ھے ، جن کی ایک طرف زیوس کی شبیہ ھے اور دوسری طرف نائک کی - ایک طرف یونانی میں بادشاہ کا نام اور القاب یوں لکھے ھیں :

ΒΑΣΙΛΕΩΣ ΒΑΣΙΛΕΩΝ
ΜΕΓΑΛΟΥ ΑΖΟΥ

۱- آریانہ انٹیک ، ص ۳۱۹ -
۲- کیٹلاگ ، ص ۴۹ -
۳- آریانہ انٹیک ، ص ۳۱۹ - ۳۲۱ -

اور دوسری طرف خروشتی رسم الخط میں تحریر ہے :

مہاراجاسا راجہ‌راسا مہاتاسا آیاسا

دوسری نوع کے سکوں پر بادشاہ گھوڑے پر سوار ہے اور اس کے ہاتھ میں نیزہ ہے ۔ دوسری طرف زیوس کی شبیہ ثبت ہے ۔ عبارت پہلے سکے ایسی ہے ۔

تیسری نوع کے سکوں میں گھوڑے پر سوار بادشاہ کے ہاتھ میں کوڑا ہے اور پیٹھ پر کمان لدی ہے ۔

چوتھی نوع کی پہلی طرف بھی بادشاہ گھوڑے پر سوار ہے اور اس کے ہاتھ میں نیزہ ہے اور دوسری طرف ایک دیوی جی کی تصویر ثبت ہے ۔ عبارت پہلے ایسی ہے ۔

پانچویں قسم میں پہلی طرف تو گھوڑے پر سوار بادشاہ کے ہاتھ میں نیزہ یا کوڑا ہے لیکن دوسری طرف پالاس براجمان ہیں ۔

اس بادشاہ کے تانبے کے سکے بھی کئی قسم کے ہیں ۔ ایک قسم کے سکوں پر ہاتھی ایک طرف اور دوسری طرف بیل ہے ۔ دوسری قسم میں بیل پہلے رخ اور شیر دوسری طرف ثبت ہے ۔

تیسری قسم کے سکے دیوی ڈیمی ٹر اور دیوتا ہرمیس میں بٹے ہیں ۔ پہلے رخ پر دیوی جی تخت پر بیٹھی ہیں اور دوسری طرف دیوتا ہرمیس کھڑا ہے(۱) ۔

ان تمام سکوں پر خروشتی میں بادشاہ کا نام بہت واضح حروف میں آیاسا لکھا ہے(۲) ۔

چوتھی قسم کے سکوں پر بادشاہ تخت پر بیٹھا ہے ، ٹانگ پر ٹانگ رکھی ہے ، ایک ہاتھ میں کوڑا ہے اور دوسرے میں تلوار یا شاہی عصا پکڑے ہے ۔

پانچویں قسم کے سکوں پر بادشاہ پہلے رخ تخت نشین ہے اور دوسرے رخ پالاس کھڑا ہے ۔

چھٹی قسم کے سکوں پر ایک طرف بادشاہ اونٹ پر سوار ہے اور

۱- کیٹلاگ ، ص ۳۵ - ۳۶ -

۲- ایضاً ، ص ۳۶ -

دوسری سمت بیل ثبت ہے - یہ سکے چوکور ہیں -

ساتویں قسم ایک طرف سے گول ہے اور دو طرف سے متوازی الاضلاع ہے -

آٹھویں قسم میں بادشاہ ایک طرف گھوڑے پر سوار ہے اور دوسری طرف ہرکولیس بیٹھا ہے - اس سکے کے بارے میں سمتھ کو شبہ ہے کہ آیا یہ ایزی لیسس کا ہے یا ایزس کا (۱) -

نویں قسم کے سکوں کی ایک طرف بادشاہ سوار ہے اور دوسری طرف شیر کھڑا ہے -

مسٹر ولسن نے اس بادشاہ کے ۱۲ چاندی کے اور ۱۶ تانبے کے سکوں پر تنقید کی ہے اور تانبے کے سکے نمبر ۲۵ کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ گول اور درمیانے حجم کا ہے - بادشاہ گھوڑے پر سوار ہے اور ایک ہاتھ آگے کو پھیلائے ہے - اس پر یونانی میں جو عبارت لکھی ہے وہ خلط ملط ہوگئی ہے - مثلاً :

WE IΛ O N W E OΛΛW

ΛΙΟCΛΛC

ولسن کی رو سے یہ سکہ باقی سکوں کی نسبت بہت زیادہ تعداد میں برآمد ہؤا ہے اور غالباً ایزس کے بعد کے بادشاہوں نے اس کے نام پر جاری کردیا تھا (۲) -

ایزس کے ایک اور سکے پر تنقید کرتے ہوئے مسٹر ولسن کہتے ہیں کہ اس پر نیپچون کی جو تصویر بنی ہے (نیپچون یونانیوں کے نزدیک سمندروں کا دیوتا تھا) اس سے گمان ہوتا ہے کہ ایزس، سندھ اور اس کے ساحلوں کا بھی بادشاہ تھا اور اگر یہ صورت تھی تو پھر اس بادشاہ کے سکے سندھ کے بعض مقامات سے بھی ملنے لازم ہیں لیکن ابھی تک کہیں سے دستیاب نہیں ہوئے (۳) -

---

۱- کیٹلاگ جلد اول، ص ۹ہم -
۲- آریانہ انٹیک، ص ۳۲۱ -
۳- ایضاً، ۳۲۳ -

ایزی لیسس

ایزی لیسسؔ کے جو سکے بھی دستیاب ہوئے ہیں وہ زیادہ تر پنجاب اور شمال مغربی سرحدی مقامات سے ملے ہیں - جیسے کہ پیچھے بھی بیان ہؤا ہے ، ایزی لیسس اور ایپی لیشا ، سمتھ کے نزدیک ایزس اول کا بیٹا تھا اور اس کے بعد ۴۰ قبلِ مسیح میں تخت نسین ہؤا تھا اور ۱۵ قبل مسیح تک حکومت کی تھی(۱)- اس کے چھ عدد چاندی اور دو عدد تانبے کے سکوں پر سمتھ نے تنقید کی ہے - جن میں سے پہلی نوع کے ایک رخ پر بادشاہ گھوڑے پر سوار ہے - نیزہ اس کے ہاتھ میں ہے ، دوسری طرف پالاس کی تصویر ہے - ایک طرف یونانی کے حروف ہیں -

اور دوسری طرف خروشتی رسم الخط میں رقم ہے -

مہارا جاسا ، راجا راسا مہاتاسا آیتالیشا سا

دوسری قسم کے سکوں پر ایک طرف بادشاہ کے ہاتھ میں نیزہ ہے اور دوسری سمت ایک دیوی تشریف فرما ہے -

عبارت دونوں طرف پہلے ایسی ہے -

تانبے کے سکے چوکور اور غیر ستوازی الاضلاع ہیں - ان کے ایک رخ بادشاہ سوار ہے اور دوسری طرف کوهان والا بیل کھڑا ہے - عبارت میں کوئی فرق نہیں ہے -

ایزس ثانی ۱۵ قبل مسیح سے ۲۰ بعد مسیح تک

سمتھ کی رو سے ایزی لیسس کے بعد اس کا بیٹا ایزس ثانی کے خطاب سے تخت پر بیٹھا اور ۱۵ قبلِ مسیح سے لے کر ۲۰ بعد مسیح تک یعنی کوئی پینتیس سال حکومت کی - اس کے ۵۹ مختلف سکوں پر سمتھ نے تنقید کی ہے - ان میں سے اکیس چاندی کے ہیں اور ستائیس ایسے ہیں جن پر بادشاہ ایزس ثانی کے ساتھ ساتھ اس کے گورنر اسپاورما کا اسم گرامی بھی ثبت ہے (۲) -

اس بادشاہ کے چاندی کے سکوں اور پہلے سکوں میں کوئی خاص تمیز نہیں ہے اور عبارت بھی ایک جیسی ہے -

---

۱- کیٹلاگ ، ص ۵۱ - ۵۲ - ۵۳ - ۵۴ -

۲- آریانہ انٹیک ، ص ۳۲۱ -

ولسن نے اول و ثانی میں کوئی فرق پیدا نہیں کیا - البتہ یہ صراحت ضرور کی ہے کہ اس بادشاہ کا کوئی سکہ بیفرام سے برآمد نہیں ہؤا اور جلال آباد کے پرے کے علاقہ سے تو شاذ و نادر ھی کہیں ملا ھے -

زیادہ تر سکے پشاور کے ماحول میں سے اور پنجاب کے بعض مقامات سے برآمد ہوئے ھیں ، جس سے یہ احتمال پیدا ہوتا ھے کہ شاید یہ بادشاہ پنجاب کا اصل باشندہ تھا اور سکھتیا سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا -

چینیوں نے اسے اپنے روز نامچوں میں آیو (Ayu) کا عنوان دیا ھے اور بدھ روایات میں بھی اس کا ذکر موجود ھے - یوں بدھ روایات آیو اور اشوکا کو ایک بتاتی ھیں - مسٹر ولسن ، بدھ روایات کے اس رجحان کو صحیح نہیں مانتے - وہ دلیل دیتے ھیں کہ اس آیو کے سکے چونکہ بہت کافی تعداد میں پنجاب کے مختلف مقامات اور سٹوپوں کے اندر دفن ملے ھیں ، اس لیے یہ زیادہ قدیم دور کے نہیں ھو سکتے اور سکوں کا ایزس ، اشوکا نہیں اس سے کئی سو سال بعد کی شخصیت ھے - خاص طور پر اس لیے کہ سکوں پر یونانی عبارت کو زیادہ ترجیح دی گئی ھے(۱) -

مسٹر ولسن نے ان سکوں کے سلسلہ میں ایک اور نکتہ بھی پیدا کیا ھے ، فرماتے ھیں کہ ان پر جو یونانی حروف تحریر ھیں ، ان میں بادشاہ یا سکہ سازوں نے اپنی طرف سے کچھ تبدیلی کر دی ھے - ایک سکہ کے یونانی حروف یوں ھیں - GIΛЄΛN اس میں G اور Є قابلِ ملاحظہ ھیں - پہلے رسم الخط میں ان کی شکل یہ تھی E - Ɛ ایک اور حرف ω بھی بدل دیا گیا ھے - پہلے وہ یوں لکھا جاتا تھا - Ω

بادشاھوں کا بادشاہ

بادشاھوں کے بادشاہ کو ایک مستقل عنوان دے کر مسٹر ولسن نے ایک اھم زیر بحث موضوع کی شکل دے دی ھے - ان کے نزدیک یہ

۱- آریانہ انٹیک ، ص ۳۲۱ -

بادشاہ قبل الذکر بادشاہوں سے کوئی الگ وجود رکھتا تھا ۔ یہ اشتباہ اس لیے پیدا ہؤا ہے کہ اس بادشاہ کے بہت سے سکوں پر اس کے نامِ نامی کے بجائے بادشاہِ عظیم ، شاہ شاہاں کا خطاب کندہ ہے اور جو عبارت لکھی ہے وہ صرف یونانی رسم الخط میں ہے اور بہت سے حروف کی شکل بدل ڈالی گئی ہے ۔

مثلاً ایک سکے پر یہ الفاظ کندہ ہیں :

CWTHP MEΓAC

BAEINEVWN

یہ سکے بہت کافی تعداد میں مختلف جگہوں سے برآمد ہوئے ہیں ۔ مسٹر پرنسپ کا تو بیان ہے کہ بیغرام ، پنجاب کے متعدد سٹوپوں اور حتیٰ کہ بنارس اور مالوہ سے یہ سکے ہزاروں کی تعداد میں دستیاب ہوئے ہیں ۔

مسٹر ولسن کے الفاظ میں گو اس سکے کی زبان " بربرائزڈ " (بربریت زدہ) ہے اس کے باوجود سکے کچھ برے نہیں ہیں ؛ ایک طرف "مذکورالصدر بادشاہوں" کی طرح یہ بادشاہ بھی گھوڑے پر سوار نظر آتا ہے ۔ دوسرے رخ ایک لمبی عبا پہنے ایک راہب آتش کدہ کے سامنے کھڑا ہے ۔ بعض سکوں پر صرف بادشاہ کا چہرہ ثبت ہے ، بادشاہ کے سر پر یا تو پگڑی بندھی ہے یا بال اس طرح سنورے ہیں کہ پگڑی بندھی نظر آتی ہے ۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا نیزہ ہے ۔

چونکہ سکوں پر بادشاہ کا نام نہیں لکھا ، اس لیے ایم روشت (M. Rochette) کو گمان گزرا کہ یہ سکے ایک جمہوری جماعت (جس کے ارکان آزاد ریاستوں کے نمائندے تھے) مسکوک کیا کرتی تھی۔ یہ جماعت ایک نظری اور معیاری بادشاہ کی شبیہ اپنے سکوں پر اس لیے ثبت کرتی کہ لوگوں پر ظاہر کر دے کہ وہ کس قسم کے بادشاہ کی مؤید ہو سکتی ہے ۔

مسٹر ولسن ، ایم روشت کے اس گمان پر جائز اعتراض کرتے ہیں کہ اگر یہ بات ہوتی تو یہ جمہوری جماعت اپنے سکوں پر عظیم بادشاہ شاہِ شاہان کے الفاظ کبھی رقم نہ کرتی (۱) ۔

---

۱ - آریانہ انٹیک ، ص ۳۳۲ ۔

مذکورہ بالا عبارت کسی حقیقی بادشاہ کی ترجمان ہے جو اپنے آپ کو عظیم بادشاہ اور شاہِ شاہان سمجھتا تھا ۔ یہ بادشاہ کون تھا اور اس کے اوصاف کیا تھے ۔ یہ سوال خاصا مشکل ہے ۔ یوں اس کے سکوں کی پنجاب سے لے کر بنارس اور مالوہ تک موجودگی اس امر کی دلیل ہے کہ وہ لازماً پنجاب اور شمالی ہند کے اس حصہ کا حکمرانِ اعلیٰ تھا ۔

اس کے سکوں کی تازگی اور کثرت اس بات کو بھی ظاہر کرتی ہے کہ وہ زیادہ قدیم دور کا نہ تھا ۔ زیادہ سے زیادہ پہلی صدی عیسوی کا ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سکھیتی بادشاہ ہو ، جیسے کہ پروفیسر لیسن (۱) کا خیال ہے لیکن مسٹر ولسن معترض ہیں کہ کوئی سکھیتی بادشاہ ہندوستان کے حدود میں اتنا آگے نہیں بڑھا تھا جتنا کہ یہ بادشاہ بڑھ گیا تھا ؟ یوں بھی سکھیتی بادشاہوں کے حلیے ، اس شبیہ سے بہت مختلف ہیں جو ان سکوں پر ثبت ہے ۔ سر کا لباس خاص انداز کا ہے اور اس کی ایک سجاوٹ تو قطعاً پنجابی طرز کی ہے ، یعنی یہ کہ وہ اپنے کانوں میں بندے پہنے ہے اور سنسکرت شعری ادب میں کانوں میں بندے پہننے کے رواج کو بادشاہوں کا رواج بتایا گیا ہے (۲) ۔

مزید برآں پوری شبیہ کے خد و خال ہندوستانی ہیں ۔

مسٹر ولسن نے اس موضوع پر بھی لمبی چوڑی بحث کی ہے اور آخر میں اس امکان کی تائید کی ہے اور کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ عظیم بادشاہ ایزس کے خاندان سے ہو ، غالباً وہ ایزس اور کاڈفیسس کے درمیانی دور کی کوئی بڑی شخصیت تھی ۔

جیسے کہ اوپر مذکور ہؤا ہے اس بادشاہ کے سکوں کی غالب تعداد پر یونانی کے حروف ثبت ہیں ۔ لیکن ایک سکہ پر جس کی تشریح ، مسٹر ولسن نے نمبر ۱۰ کے ماتحت کی ہے ، کچھ ہندوستانی یا خروشتی الفاظ بھی کندہ ہیں (۳) مثلاً

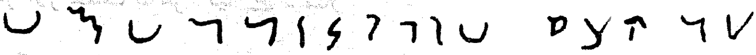

۱۔ زرکیس چیچٹ ، ص ۱۸۳ - (Zer Ges Chechte)

۲۔ آریانہ انٹیکہ ، ص ۲۳۳ ۔

۳۔ ایضاً ، ص ۳۳۴ - ۳۳۵ - ۳۳۶ ۔

نمبر گیارہ پر بھی یہی حروف ثبت ہیں ۔

گنڈوفیرس ۲۰ تا ۶۰ بعد مسیح

گنڈوفیرس (Gondopheres یا Undopherres) مسٹر سمتھ کی رو سے ایک ہی شخصیت ہے اور اس کا تعلق بھی انڈو پارتھی خاندان سے تھا ۔ اس کا زمانہ ۲۰ء سے ۶۰ء تک کا ہے اور وہ لازماً وادیٔ سندھ کا تاجدار تھا ۔

مسٹر سمتھ نے اس کے صرف دو سکوں پر بحث کی ہے ، گو فرمایا ہے کہ پہلی قسم کے بائیس سکے ان کے زیر مطالعہ آئے تھے (۱) ۔

پہلی قسم کے ان سکوں کے ایک طرف بادشاہ گھوڑے پر سوار ہے اور اس کے اوپر یونانی رسم الخط میں بادشاہ کا نام لکھا ہے ۔

دوسری طرف پالاس کی تصویر ہے اس کے ایک ہاتھ میں نیزہ ہے اور دوسرے میں ڈھال ہے اور خروشتی رسم الخط میں لکھا ہے ۔

مہاراجہ جے راجہ تیراجہ تراتاراسہ دیوا دراتاسا گودا فراسا ۔

جسے ولسن نے کسی قدر مختلف پڑھا ہے (یونانی عبارت)

OACIΛEWN OACIΛEWN

ΓONΔΦ ΦAΓOY

خروشتی عبارت

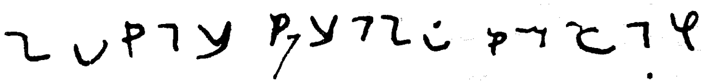

مسٹر ولسن نے تانبے کے ایک سکے پر رقم یونانی عبارت کو کسی قدر اور مختلف ظاہر کیا ہے ۔ مثلاً

VACIΛEWII IΛEWWN MEΓAΛ

VNΔOΘ OOIV

۱۔ کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم ، ص ۵۴ ۔

مسٹر ولسن کے نزدیک خروشتی حروف میں بادشاہ کا نام فاراھاتا سا لکھا ہے(۱) -

ابدا گیسس ۶۰ء تا ۶۵ء

ابدا گیسس یا آوادا گاشا ، بادشاہ ٹیکسلا ، گنڈوفیرس کا بھتیجا تھا - سمتھ نے اس کے تین سکوں کی وضاحت کی ہے - جن میں سے ایک سکے کے پہلے رخ بادشاہ کی شبیہ ہے ، دوسرے رخ نائک کی تصویر ہے - یونانی عبارت سمتھ سے پڑھی نہیں گئی ، البتہ خروشتی عبارت کچھ کچھ پڑھ لی ہے جو آوا گا داشاسا کے حروف پر مشتمل ہے -

دوسرے سکے کے ایک طرف بادشاہ گھوڑے پر سوار ہے ، دوسرے رخ زیوس کی تصویر ہے - یونانی عبارت اچھی طرح پڑھی نہیں گئی -

خروشتی عبارت سے ، مہاراجاسا ، کا لفظ پڑھا گیا ہے اور نیچے آوا دا گا شاسا کے حروف ٹٹولے جاسکتے ہیں -

تیسرے سکے پر بھی بادشاہ ایک طرف گھوڑے پر سوار ہے - یونانی عبارت واضح نہیں ہے - دوسرے رخ نائک اپنے پر پھیلائے ہے -

خروشتی عبارت بھی بہت مبہم ہے (۲) -

مسٹر ولسن کہتے ہیں کہ اس سکے کی وضع قطع اور اس پر تحریر مونوگرام کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ اس بادشاہ کا تعلق مذکورالصدر بادشاہ سے تھا ، اس کے سوا اس سے کچھ اور واضح نہیں ہوتا -

یونانی عبارت بھی خاصی مخلوط ہے اور خروشتی رسم الخط بھی مبہم اور بگڑا ہؤا ہے صرف خطاب مہاراجہ پڑھا جا سکتا ہے ، البتہ نام شاید یہ ہے -

آکا جاکوبھاسا AKAJAKUBHASA

سٹراپ جھونیا ۱۰ء

سمتھ کی رو سے سٹراپ جھونیا (Jhunia) ، ٹیکسلا کا نائب السلطنت تھا اور غالباً ایزس ثانی کا ہم عصر تھا -

---

۱- آریانہ انٹیک ، ص ۳۴۳ -

۲- کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم ، ص ۵۷ -

ستراپ جھونیا اپنے سکے کے ایک رخ گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہے اس کا ایک ھاتھ اٹھا ھؤا ہے اور کہان زین سے ٹنگی ہے ۔

دوسری سمت ستراپ دیوی جی کو دیکھ رہا ہے ۔ جو اسے پھولوں کا ھار پہنانے کو ہے ۔ خروشتی میں لکھا ہے ۔

مانا گولاسا ، چتراپاسا پتراسا جی ھنی آسا (۱) ۔

یونانی حروف مسٹر سمتھ سے اچھی طرح پڑھے نہیں گئے (۲) ۔

فصل چہارم

کشان سکے

مسٹر سمتھ کی رو سے کشان خاندان کا وہ فرد جس نے ارض پاک میں کشان حکومت کی بنیاد رکھی کاڈفسیز اول تھا اور یہ ۴۵ء تھا جب وہ تخت نشین ہوا اور یہ اس کا بیٹا کاڈفیسز دوم تھا جس نے کشان عہد کے پہلے سکے مسکوک کیے اور یہ سکے رومن اوری کے انداز کے سونے کے سکے تھے۔ سونے کے ساتھ ساتھ اس نے عام استعمال کے لیے تانبے کے سکوں کو بھی متعارف کرایا یہ دونوں سکے، پنجاب کے مختلف مقامات سے برآمد ہوئے ہیں۔[1]

مسٹر ولسن کا خیال ہے کہ اس عہد میں سونے کے سکوں کو ڈھالنے پر خاصی توجہ دی گئی تھی اس عہد کے بہت سے سونے کے سکے متعدد مقامات سے دستیاب ہوئے ہیں۔

غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ کشان بادشاہوں کو سونے کے بہت سے ذخائر ہاتھ لگ گئے تھے۔ یا ملک کی اقتصادی حالت بہت سنور گئی تھی۔[2]

اور کشان عہد کی سونے کے سکے ڈھالنے کی روش، اس کے مابعد کے ادوار میں برابر جاتی رہی۔

مسٹر ولسن فرماتے ہیں اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس دور میں چاندی کے سکے مسکوک نہیں ہوئے۔ چاندی کے سکے بھی ڈھلے لیکن اس کے ساتھ ساتھ سونے اور تانبے کے سکوں کو ڈھالنے کی رسم اسلامی عہد تک برابر چلی۔

کاڈفسیز نے سونے کے جو سکے ڈھالے اور جو کافی تعداد میں مختلف جگہوں سے دستیاب ہوئے ہیں ان پر پہلے رخ پر تو بادشاہ کی تصویر ثبت ہے

۱۔ سمتھ کیٹلاگ، جلد اول ص ۵۸

۲۔ آریانہ انٹیک، ص ۳۴۷

وہ تخت پر بیٹھا ہے - بعض سکوں پر اس کا سر منہ اور آدھا سینہ کندہ کیا گیا ہے اور دوسرے رخ بادشاہ کا نام اور اس کے خطابات یونانی رسم الخط میں درج ہیں -

مسٹر ولسن کے نزدیک خطابات یہ تھے :

KAAQIGHC BACIAEVÇ OOHMO

آخری حروف کے بارے میں مسٹر آر اوچت اور ان کے تتبع میں ایم ایم جیگوٹ Jagwet مائینوٹ Mionnet کا خیال ہے کہ یہ بادشاہ کے نام کا حصہ تھے اور اس کا نام Mokadpheses لکھا گیا تھا -

تانبے کے سکوں پر یونانی میں جو عبارت لکھی تھی وہ یہ ہے :

BA CIA VC BACIEWNCWTHP METAC

مگر دوسری سمت خروشتی میں بادشاہ کا نام کندہ ہے -

بعض سونے کے سکوں پر شیو دیو کی تصویر بھی نقش ہے جس سے ولسن نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ کاڈفسیز دوم شیوپرست تھا -

ولسن مزید فرماتے ہیں کہ چونکہ کاڈفسیز ثانی کے سکے بہت بڑی تعداد میں مختلف مقامات سے دستیاب ہوئے ہیں اس لیے اس نے بہت لمبی عمر پائی تھی - اس بادشاہ کے اکثر سکوں پر بیل کی تصویر کندہ ہے - یہ سکے ، پنجاب ، متھرا اور الہ آباد سے بھی برآمد ہوئے ہیں اور ان کی تعداد بہت ہے -[1]

مسٹر ولسن نے متھرا اور الہ آباد میں پائے جانے والے سکوں کی کثیر تعداد سے یہ اندازہ لگایا ہے کہ کاڈفسیز حکومت پنجاب سے لے کر متھرا اور الہ آباد تک وسیع تھی -

مسٹر ولسن نے نمونہ کے طور پر سات سونے کے سکوں کا انتخاب کیا ہے پہلا سکہ بہت عام ہے اس میں بادشاہ بائیں طرف منہ کیے تاتاری ٹوپی اور کوٹ پہنے تخت پر بیٹھا ہے - اس کے پیچھے گاؤ تکیہ رکھا ہے اس کے پاؤں کے نیچے ایک چوکی ہے اور دائیں ہاتھ میں پھول ہے -

---

۱- آریہ انٹیک ، ص ۳۵۴ - ۳۵۵

دوسرے رخ بادشاہ کھڑا ہے۔ بالوں میں کنگھی کی ہوئی ہے ایک ہاتھ اوپر کو اٹھا رکھا ہے اور دوسرا نیچے کی سمت جھکا ہے اور بیل کے اوپر رکھا ہے۔

اور خروشتی رسم الخط میں یہ حروف کندہ ہیں۔

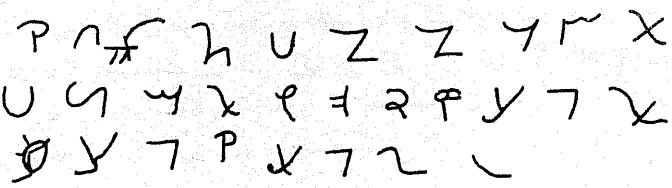

مہاراجہ ساراجا و پیراجا سروا لوگا ایشور سا مہاسیورسا دیما کا دفیساس

دوسرا سکہ بھی پہلے جیسا ہے البتہ تیسرا سکہ درمیانے حجم کا ہے اور اس پر بادشاہ کی پوری تصویر نہیں صرف اس کا چہرہ ثبت ہے۔

چوتھا سکہ بھی اسی انداز کا ہے۔

پانچویں سکے میں بادشاہ ایک ایسے شاہی رتھ پر سوار ہے جسے دو گھوڑے کھینچ رہے ہیں اور باگیں سائیں کے ہاتھ میں ہیں۔ یہ سکہ بہت کم تعداد میں ملا ہے۔

یہ سکہ بنارس سے دستیاب ہوا تھا۔[1]

مسٹر سمتھ نے سونے کے پانچ سکوں کی کیفیت بیان کی ہے۔ جن میں سے چار پر بادشاہ کا چہرہ ثبت ہے اور دوسری طرف دو ہاتھوں والا شیو دیوتا تشریف فرما ہے۔

اپنی کٹیلاگ میں سمتھ نے گیارہ تانبے کے سکوں کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے جن میں سے چھٹے سکہ کی ایک طرف بادشاہ لانبی ٹوپی اور ترکی عبا پہنے کھڑا ہے نس کا دایاں ہاتھ قربان گاہ پر رکھا ہے اور بائیں ہاتھ میں وہ ایک جنگی کلہاڑے کو تھامے ہوئے ہے دوسرے رخ دو ہاتھوں

۱- اریانہ انٹیک ، ص ۳۲۵۵ سمتھ کیٹیلاگ ، ص ۶۸

والے شیو دیوتا کی شبیہہ بنی ہے - باقی سکے بھی چھوٹے سکے ایسے ہیں ۔[1]

ولسن کو جو سکے ملے ، ان میں سے اس نے سب سے زیادہ اہمیت جس سکہ کو دی ہے اس کے ایک طرف بادشاہ کھڑا ہے - چہرہ پر داڑھی ہے اور لانبی تاتاری یا ترکی ٹوپی پہنے ہے جس کے گرد ایک فیتہ لپٹا ہے اس کا ایک ہاتھ قربان گاہ کی طرف اٹھا ہے دوسرا ہاتھ کمر پر رکھا ہے ، دوسرے رخ شیو دیوتا کی شبیہ ثبت ہے جس کے سر کے گرد نور کا ہالہ بنا ہے - بائیں کندھے پر سے پھولوں کا ہار لٹک رہا ہے اور یہی ہاتھ پیچھے کی سمت کھڑے بیل کے کندھے پر رکھا ہے - مسٹر ولسن کہتے ہیں کہ کڈ فائسس کے یہ سکے مسیون کے ذخیرہ میں بے شمار ہیں - مسیون کو یہ سکے اسی جگہ سے ملے جہاں سے دوسرے ماہرین آثار قدیمہ کو دستیاب ہوئے - ان میں نمبر ۱۳ سکے کی دائیں طرف بادشاہ کھڑا ہے دوسرے کنارے پر ہرکولیس کی شبیہ ہے -

ایک طرف یونانی حروف میں بادشاہ کا نام لکھا ہے اور دوسری سمت خروشتی کی یہ عبارت لکھی ہے :

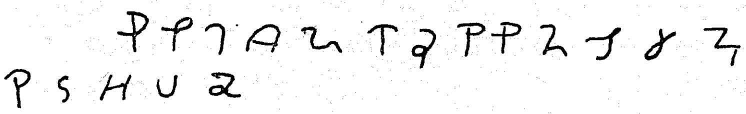

مہاراجا سا کجالا کاسا سا کو ساکا یا کاد ، فیسا

ولسن نے ایک چاندی کے سکے بھی کیفیت بیان کی ہے - اس سکہ کا یوں تو حجم چھوٹا ہے مگر اس پر بادشاہ کی پوری تصویر نقش ہے ، ٹوپی اور عبا اور شلوار زیب تن کیے ہے - لاٹھی پیچھے کی طرف رکھی ہے اور بایاں ہاتھ بیل پر رکھا ہے -

ایک طرف یونانی اور دوسری طرف خروشتی میں اس کا نام اور القاب لکھے ہیں :

۱- سمتھ کٹیلاگ دی کائنز ان دی انڈین میوزیم ، ص ۶۸ - ۶۹
۲- آریانہ انٹیک ، ص ۳۵۶

یونانی حروف

METAC OOH MOKADGICHC

خروشی حروف

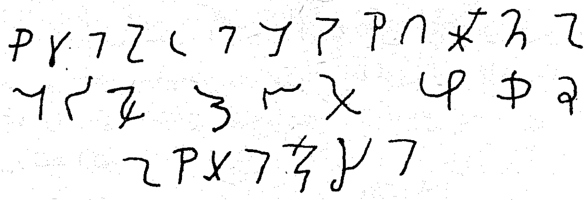

ہمیں یہ بات کچھ عجیب سی لگی ہے کہ کاڈفیس شانی کے جانشین کا نام سمتھ نے عام مورخین کی طرح Kanishka مگر ولسن نے اسے کنرکی Kanerki ٹھہرایا ہے ۔

یوں چونکہ اکثر مورخین کے نزدیک وہ کنشک ہے ۔ اس لیے ہم ولسن کی رائے پر عام مورخین کو ترجیح دیتے ہیں ۔

بہرحال کنشک کے سکے اس کے پیشرو کی طرح ماہرین آثار قدیمہ کو بہت بڑی تعداد میں دستیاب ہوئے ہیں ۔

کاڈفسیس کی طرح کنشک کے عہد کے سکے بھی دو طرح کے ہیں ایک تو سونے کے ہیں اور دوسرے تانبے کے ۔

یوں ولسن نے یہ بات خود تسلیم کی ہے کہ جن سکوں پر کنرکی کا نام لکھا ہے ان کی تعداد بہت تھوڑی ہے اور کنشک نام والے سکے ان گنت اور بے شمار ہیں ۔ ولسن نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ جن سکوں پر کنرکی نام لکھا ہے وہ اس عہد کے ہیں جب مہاراج کنشک نے بدھ مذہب قبول نہیں کیا تھا بعد کے جتنے بھی ڈھلے ان میں قدیم دیوتاؤں کی بجائے مہاتما بدھ کی تصویر کندہ ہے ۔

مسٹر سمتھ نے کنشک کے عہد کے کوئی ۸۷ سکوں کو اپنی کیٹلاگ میں چھاپا ہے اور اس کی رو سے سونے کے سکوں پر سیدھے رخ بادشاہ کھڑا ہے اس کے چہرہ پر داڑھی ہے اور سر پر خود ، جسم پر عبا ہے اور نچلے حصہ میں شلوار ۔ اس کے کندھے سے شعلے نکل رہے ہیں ایک ہاتھ میں نیزہ اور دوسرے میں ہاتھی کو ہانکنے والا گرز پکڑے ہے ۔

سونے کے ان سکوں پر یونانی زبان کے یہ حروف کندہ ہیں :

PAO NANO PAO KANHPKIKO PANO

شاؤ آنانوشاؤ کنشکی کشانو

دوسری سمت آگ کا دیوتا کھڑا ہے اس کے چہرہ پر بھی داڑھی ہے وہ بھی لمبی عبا پہنے ہے اور ہار نما ٹوپی اپنے ہاتھ میں پکڑے ہے اس کا دوسرا ہاتھ کمر پر رکھا ہے اور کندھے سے شعلے نکل رہے ہیں اور نیچے یہ لفظ لکھا ہے -

AO PO

سمتھ نے چودہ سونے کے سکوں پر تنقید کی ہے ، صرف ایک سکہ پر اگن دیوتا کی جگہ چاند دیوتا کھڑے ہیں اور لفظ MAO لکھا ہے -

ان میں سے ایک سکہ پر سورج دیوتا کی شبیہہ ہے اور لفظ MIIPO رقم ہے ایک اور سکہ پرجسے سمتھ نے نمبر آٹھ ٹھہرایا ہے دیوی نانا تلوار سے مسلح ہیں اور ان کے نیچے NANO رقم ہے ، اسی طرح نمبر ۹ کی پشت پر چار بازوؤں والے شیو دیوتا کی شبیہہ بنی ہے اور ان کا نام یوں لکھا ہے -

اوشو OHPO

نمبر ۱۱ پر جنگی دیوتا کی تصویر کندہ ہے اور یونانی رسم الخط میں OPAATNO لکھا ہے -

نمبر ۱۳ کی پشت پر ایک اگنی دیوتا براجمان ہیں اور انہیں یہ نام دیا گیا ہے -

(1)A PPO

مسٹر سمتھ نے تانبے کے کچھ سکوں کی کیفیت بھی بیان کی ہے ان کے نزدیک یوں تو یہ سکے بھی سونے ایسے سکوں سے مشابہ ہیں - مگر بادشاہ کی تصویر ایسی بنی ہے کہ وہ قربان گاہ کے قریب کھڑا ہے -

باقی سکوں کے ایک رخ کی کیفیت بھی یہی ہے - مگر دوسرے رخ کہیں سورج دیوتا براجمان ہیں کہیں نانا دیوی - کہیں اگنی دیوتا رسم الخط یونانی ہے مگر زبان قدیم پہلوی ہے -

سمتھ تانبے کے جتنے سکے زیر بحث لائے ہیں گو ان کی تعداد ۷۸ ہے مگر ان میں صرف چند ایسے ہیں جن پر مہاتما بدھ کے سوا اور کسی دیوی دیوتا کی تصویر کندہ نہیں کی گئی -

یہ بات تعجب کا موجب ہے کہ یوں تو مہاراج کنشک بدھ دھرم کے بڑے پرچارک تھے مگر ان کے زیادہ تر تانبے اور سونے کے سکے جو جمنا پار کے علاقوں سے دستیاب ہوئے ہیں ۔ ان دیوی دیوتاؤں کی تصویروں کے حامل ہیں ، عام ہندو رعایا جن کی پوجا کرتی تھی ۔

اس سے ایک ہی خیال پیدا ہوتا ہے کہ مہاراج کنشک کے یہ سکے یا تو بدھ مت کے دائرہ میں داخل ہونے سے پہلے کے ہیں یا مہاراج کنشک کو اپنی عام رعایا کے مذہبی رحجانات کا بہت احترام تھا ۔

کنشک کے سکوں کے ساتھ ساتھ اکثر جگہوں سے اس سے پہلے ہوشک کے سکے بھی دستیاب ہوئے ہیں جس نے ۱۵۰ سے لےکر ۱۸۰ تک حکومت کی تھی ۔

ہوشک کے سکے سونے کے بھی اور تانبے کے بھی کنگھم کو خاصی بڑی تعداد میں ڈھیروں کے حساب سے جہلم کے آس پاس سے بھی اور دوسرے مقامات سے بھی دستیاب ہوئے ہیں ۔ ان کا خیال ہے کہ یہ سکے چار قسم کے ہیں ۔ پہلی قسم پر بادشاہ کی شبیہ صرف چہرہ اور سر تک محدود ہے ایک، کان میں اس نے بندا پہن رکھا ہے اور کندھوں سے شعلے نکل رہے ہیں اس پر یونانی رسم الخط میں یہ حروف کندہ ہیں ۔

PAONANO PAOOH PKI KOPANO

جس کے معنی، یہ ہیں بادشاہوں کا بادشاہ ہوشک کشان دوسری قسم کے سکوں پر بادشاہ کی آدھی تصویر کندہ ہے ، سر پر نوکدار تاج رکھا ہے جس پر گھنے موتی جڑے ہیں ۔ اس کے ایک ہاتھ میں گرز ہے اور دوسرے میں لاٹھی ہے ۔

تیسری اور چوتھی قسم میں بادشاہ چمکیلے لباس میں ملبوس ہیں اور سر پر تاج پہن رکھا ہے ۔

دوسری سمت دیوی دیوتاؤں کی تصاویر ہیں ۔ سمتھ نے ہوشک کے بیس سونے کے سکے ، ایشیاٹک سوسائٹی اور انڈین میوزیم میں ملاحظہ کیے۔ان سب پر پہلے رخ بادشاہ سلامت کی تصویر ہے اور دوسرے رخ مختلف دیوی دیوتا

ہیں۔ تانبے کے سکوں کے پہلے رخ بادشاہ سلامت کے ہاتھ میں گرز ہے اور دوسرے میں شاہی تلوار ۔

اور اس پر یونانی رسم الخط میں لکھا ہے :

PA ONANO PAO OOH PKEKOPANO

شاہ آنانا شاہ ہوشک کوشانو

الٹی سمت مختلف دیوی دیوتاؤں ہیں جن میں چاند دیوتا بھی ہیں ، سورج دیوتا بھی ہواؤں کے دیوتا بھی اور شیو دیوتا بھی ۔[1]

سمتھ نے اس سے نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ہوشک کے عہد میں اس کی عام رعایا ان دیوتاؤں کی پرستش کرتی تھی ۔

کشان و اسووید ہوشک کے بعد تخت نشین ہوا اس کا عہد ۱۸۵ تا ۲۲۲ء ہے ۔

اس کے سونے اور تانبے کے سکے بھی ویسے ہی ہیں جیسے کہ ہوشک کے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ ان سکوں پر بادشاہ سلامت کا ایک ہاتھ قربان گاہ پر ہے اور کمر سے تلوار لٹک رہی ہے ۔ اور لکھا ہے :

PA ONANO PAO BAZODHO KOPANO

شاہ شاہان باسودیہ کشان

دوسرے رخ دیوی دیوتاؤں کی تصویریں کندہ ہیں ، البتہ بعض سکوں پر گنیش کی تصویر بھی ہے اور آورو کی بھی ۔ یہ پہلے دور کے سکوں پر کہیں کندہ نہیں پائے گئے ۔

غالباً اس دیوتا کی پرستش و اسودیو کے عہد میں نسبتاً زیادہ ہونے لگی تھی و اسودیو کا عہد اس اعتبار سے بھی نمایاں ہیں کہ اس کے سکوں نے ایک رخ برہمی رسم الخط نے لے لی تھی اور اس کے بہت سے سکے ایسے ہیں جس پر واسودیو کا اپنا نام برہمی میں لکھا تھا ۔ اور دوسری سمت جہاں کوئی دیوی جی براجمان تھیں ، ان کا نام یونانی میں کندہ تھا ۔

---

[1] سمتھ کیٹلاگ ، ص ۶۷ - آریانہ انتیک ، ص ۳۷۰ - ۳۷۱

سمتھ فرماتے ہیں کہ ان کے زمانہ میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی تحویل میں جو سکے تھے غالباً کنشک ثانی اور واسودیو ثانی کے ہیں۔ ان سکوں پر بادشاہ کا نام برہمی میں لکھا ہے مگر زیادہ اہمیت یونانی رسم الخط کو دی گئی ہے -

تیسری اور چوتھی صدی کے سکے

اور پھر تیسری اور چوتھی صدی کے سکوں پر جو نام لکھے ہیں - وہ خالصتاً پنجابی ہیں - مثلاً شاہ لداً ، شاہ بھدرا ، شاکا ، سایاتھہ - سانا اور پاسکا - اور ان سکوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ کشان اقتدار کی چادر خاصی سمٹ گئی تھی اور ان کے صوبائی نائب بادشاہ بن بیٹھے تھے اور اپنے نام کے سکے ڈھالنے لگے تھے -

سمتھ کی رو سے ان دونوں صدیوں کے سکوں پر کندہ زبان اور رسم الخط بدل گیا ہے - اس دور کے سکوں پر یونانی رسم الخط کی جگہ برہمی نے لے لی ہے -

البتہ سکوں پر بادشاہ کی تصویر کشان عہد کے سکوں جیسی ہے وہ قربان گاہ کے سامنے کھڑا ہے -

اور برہمی رسم الخط میں کہیں کدارا ، کہیں شری کریتا دریا ، کہیں ساوایاسا اور کہیں سری وسوا لکھا ہے - یہ سب سکے سمتھ کی رو سے سونے کے ہیں -

سمتھ کے نزدیک یہ مشتبہ سکے ہیں اور انہیں کسی خاص خاندان یا دور کے سکے نہیں کہا جا سکتا -

---

۱- راجرز کیٹلاگ ، ص ۴۴ -

فصل پنجم

ساسانی اور ان کے ہم عصر سندھی ، کشمیری اور ہن بادشاہوں کے سکے

ساسانی بادشاہوں کے بارے میں پیچھے وضاحت کی جا چکی ہے کہ کشان بادشاہ جب مائل بہ زوال ہوئے تو ساسانی بادشاہوں میں سے شاہ پور ثانی نے پنجاب پر چڑھائی کی تھی -

اس سلسلہ میں سر جان مارشل اور کئی دوسرے مصنفین نے فرشتہ کی یہ روایت دہرائی ہے کہ چوتھی صدی کے اوائل میں ایک کشان بادشاہ نے اپنی بیٹی شاہ ہرمز دوم کے ساتھ بیاہی تھی اور ۳۶۰ء میں جب شاہ پور دوم نے دجلہ کے ایک مقام آمدہ کا محاصرہ کیا تھا تو کشان بادشاہ گربیتس بھی اس کی چھاؤنی میں موجود تھا اور اسے شاہی چھاؤنی میں بڑا اعزاز حاصل تھا اور اس کی خیمہ گاہ بادشاہ کے بعد دوسری بڑی خیمہ گاہ تھی -

یوں شاہ پور دوم کے سکے پنجاب کے کسی مقام سے دستیاب نہیں ہوئے البتہ ولسن کا بیان ہے کہ ساسانی بادشاہ خسرو پرویز کے سکے پنجاب کے ایک مقام مانکیالہ کے ایک مینار سے برآمد ہوئے ہیں اور جنرل ونشورا کے پاس ہزاروں سکے موجود ہیں -

ولسن ہی کا بیان ہے کہ مانکیالہ کے ذخیرہ میں ملتان کے بادشاہ دوہی تیفین کے دو سکے بھی ملے ہیں - جن کے اوپر پہلوی رسم الخط میں بادشاہ کا نام لکھا ہے اور نام کے ساتھ کشان کا لفظ بھی موجود ہے -

ولسن نے کچھ اور سکوں پر پہلوی رسم الخط کو کندہ پایا ہے اور ان سکوں کی تعداد خاصی ہے -

پہلوی رسم الخط کے ساتھ ساتھ ان سکوں کی دوسری سمت ناگری رسم الخط کی موجودگی اس بات کی علامت ہے کہ اس دور میں برہمی کی جگہ ناگری رسم الخط نے لے لی تھی - لیکن پہلوی رسم الخط ابھی یہاں رائج تھا -

ان سکوں پر بادشاہ کی شبیہہ بھی کندہ ہے۔ ولسن فرماتے ہیں یہ شبیہہ خسرو پرویز کی ہے۔ اور پہلوی رسم الخط میں جو نام لکھا ہے اس کے حروف گو مدہم ہیں مگر خسرو پرویز ہی کا نام معلوم ہوتا ہے۔

ولسن نے یہ اشارہ بھی کیا ہے کہ خسرو پرویز کے ان سکوں پر ناگری رسم الخط کندہ نہیں کیا گیا۔

البتہ اسی ذخیرہ میں جس سری مہندرا کے سکے پائے گئے ہیں ان پر بادشاہ کا نام ناگری اور پہلوی رسم الخط دونوں میں لکھا ہے۔

اس سے یہ مراد لی جا سکتی ہے کہ یہ سری مہندرا ساسانی بادشاہوں کا باج گزار تھا۔

سفید ہنوں میں سے تورمانہ اور مہرگلہ کے سکے

سمتھ نے سفید ہنوں کے بادشاہوں کے زمانہ اور ان کے تانبے کے سکوں کو بحث کا موضوع بنایا ہے اور فرماتے ہیں کہ یہ سکے ہو بہ ہو ساسانیوں کی نقل ہیں اور وہ بھی بھونڈی نقل۔

پہلے رخ بادشاہ کی شبیہہ ہے۔ مگر کوئی رعب داب ظاہر نہیں ہوتا اور برہمی رسم الخط میں چہرہ کے سامنے لفظ تورا کندہ ہے دوسرے رخ شمسی دائرہ بنا ہے اور وہاں بھی برہمی میں لفظ تورا کندہ کیا گیا ہے۔

خیال رہے کہ تورمانہ اور مہر گل کے سکے، ہزاروں کی تعداد میں کشمیر اور جموں اور اس کے آس پاس کے علاقہ سے دستیاب ہوئے ہیں تورمانہ کے سکے تو وسطی ہندوستان سے بھی ملے ہیں۔

مگر سمتھ اور ولسن نے انھیں اہمیت نہیں دی سمتھ نے البتہ مہرگل کے بیس سکوں کا انتخاب کیا ہے اور ان پر خاصی بحث کی ہے ان سکوں کو انھوں نے اپنی کیٹلاگ میں شامل بھی کیا ہے ان سکوں کے بارے میں بھی سمتھ کی رائے ہے کہ یہ ساسانی سکوں کی نقل ہیں، پہلی سمت بادشاہ کی شبیہہ ہے اور اس پر برہمی رسم الخط میں اس کا نام لکھا ہے۔

دوسرے رخ عمودی افقی خط وسط میں گر رہا ہے بس کے ساتھ ایک بیل کھڑا ہے اور برہمی رسم الخط میں جیا تو ورشہ کے لفظ کندہ ہیں کچھ سکوں پر صرف شری مہرا ، کسی پر مہرا گلہ رقم ہے۔

سمتھ کے نزدیک کشمیر اور جموں کے زیادہ سکے تورمانہ کے اور نسبتاً کم سکے مہر گلہ کے ملے ہیں۔[1]

مگر سراورل اسٹین فرماتے ہیں کہ انھوں نے مختلف مقامات پر جب کھدائی کی تو تورمانہ اور مہرگلہ کے بے شمار بےحساب سکے دستیاب ہوئے۔[2]

۱۔ سمتھ کٹیلاگ ، جلد ۲ ، ص ۲۶۸-۲۶۷

۲۔ سرادرل ستین دیباچہ راج ترنجن